مرجعیت

تذکرة الفقہاء

نائبین امام مہدی علیہ السلام کے حالات زندگی



مؤلف: سید حسین جعفری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرجعیت
تذکرۃ الفقہاء

مؤلف

سید حسین جعفری

ناشر

معراج کمپنی لاہور

نام کتاب: مرجعیت تذکرۃ الفقہاء

مؤلف: سید حسین جعفری

اشاعت اوّل: جون ۲۰۱۵ء

ناشر: معراج کمپنی لاہور
میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور

مرجعیت
تذکرة الفقهاء

امام مہدی علیہ السلام اور آپؑ کے نائبان خاص کے نام

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

مرجعیت

تذکرة الفقهاء

اَلْعُلَمَاءُ بَاقُونَ مَا بَقِيَ الدَّهْرُ، أَعْيَانُهُمْ مَفْقُودَةٌ، وَأَمْثَالُهُمْ فِي الْقُلُوبِ مَوْجُودَةٌ. (نهج البلاغة، حكمت قصار ۱۴۷)

علماء رہتی دنیا تک باقی رہیں گے ان کے جسم نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں لیکن ان کی صورتیں دلوں میں زندہ رہتی ہیں۔

مکتب تشیع کو یہ افتخار حاصل ہے کہ اس کی آغوش میں ایسی غیر معمولی شخصیات نے جنم لیا جن کی علمی و عملی سیرت پر عالم اسلام فخر کرتا ہے۔ یہ بزرگ علماءِ اعلام نہ صرف انسانیت کا سرمایہ بلکہ مکتبِ اسلام کا وقار ہیں۔ گلستانِ تشیع میں ہریالی انہی علماءِ برحق کی بدولت ہے جنہوں نے اپنے خون سے اس گلستان کی آبیاری کی اور زمانے کی سختیوں کو برداشت کرتے ہوئے علومِ آلِ محمدؐ کی نشر و اشاعت میں پوری زندگی خرچ کر ڈالی۔ میدانِ علم کا ذرہ ذرہ ان کے علم، زہد و ورع، اطاعت، خلوص، جہاد اور جانثاری کی داستان بیان کر رہا ہے۔ زندہ قوموں کی علامت ہے کہ وہ اپنے محسنین و مجاہدین کو فراموش نہیں کرتیں۔ کیونکہ ان باعمل پیکروں کی زندگانی میں اَن گنت ایسے انمول گوہر پائے جاتے ہیں جو انسان کی فکری و عملی زندگی میں مشعل راہ قرار پا سکتے ہیں۔ اگر آج بھی کوئی ان بزرگان کی زحمت و کوششوں کو اوراق کے آئینے میں ملاحظہ کرے تو پڑھنے والا محسوس کرے گا کہ تاریخ کے یہ اوراق ''بادِ نسیم'' بن کر اس کے ''قلبِ بے جان'' کو نئی حیات عطا کر گئے ہیں۔ عشق و اطاعت آل محمد علیہم السلام کی تاریخ کو رقم کرنے والے ان علماءِ جلیل القدر کی مہک جب تصور بن کر ذہن میں سماتی ہے تو وجودِ انسانی کو اس طرح معطر کر جاتی ہے کہ انسان بے ساختہ ان کے محضر کو وجودی طور پر درک کرنے کی تمنا کرتا ہے۔

اہل بیتؑ کے علوم اور ان کی سیرت و سنت کے خزانوں کو اگلی نسل تک منتقل کرنے والی ان پاکیزہ ہستیوں کے حالاتِ زندگی اور اُن کی علمی کاوشوں کی حفاظت کا اہتمام زمانہ قدیم سے ہی کیا جاتا رہا ہے۔ حتیٰ کہ علم رجال و تراجم باقاعدہ فن کے

طور پر مدارس وحلقہ جات علمیہ کی زینت قرار پائے۔ شہید نور اللہ شوستری کی ''مجالس المومنین''، میرزا باقر خوانساری کی مایہ ناز کتاب ''روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات'' میرزا تنکابنی کی ''قصص العلماء'' اور سید محسن الامین کی ضخیم کتاب ''اعیان الشیعہ'' اس موضوع کی بڑی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ان میں سے دو کتابیں اُردو زبان کے قالب میں بھی موجود ہیں، جنہیں مصادر کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ان کے علاوہ علامہ صادق حسن صاحب کی کتاب تاریخ علماء اچھی کاوش ہے لیکن یہ کتاب ناپید ہے اور ایک ہی ایڈیشن شائع ہوسکا۔ حالاتِ علماء پر لکھی گئی یہ کتابیں اس لیے بھی مفید ہیں کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت سی من گھڑت اور خیالی باتیں اِن علماءِ اعلام کی طرف منسوب کی گئی ہیں جو ان کی عملی شخصیات کو مخدوش کر کے رکھ دیتی ہیں۔ انسان کی طبیعت ہی ایسی ہے کہ اگر اس کے پاس حق کے عملی معیار موجود نہ ہوں تو وہ محبت وعداوت میں تفریط کا شکار ہو جاتا ہے اور محبت میں یا تو قوتِ تخیلات کی بدولت ایسے محیر العقول اور بعید الذہن واقعات ایجاد کر بیٹھتا ہے جو حقیقی شخصیت کو افسانوی کردار بنا کر رکھ دیتے ہیں یا ''دشمنی وعداوت'' میں ایسے کینے و بغض کا اظہار کرتا ہے جس سے کردار و شخصیت کشی جیسے گھمبیر جرم کا ارتکاب وقوع پذیر ہو کر شخصیت کو پامال کر دیتا ہے۔ بلاشک وشبہ ہر دو پہلو اسلام کے اس انمول خزانے کو تباہی سے ہمکنار کرنے کے مترادف ہیں۔ مندرجہ بالا جن کتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ اُن بزرگان کی تصانیف ہیں جنہوں نے ان پہلوؤں کا خیال رکھا اور ان خادمانِ اہل بیتؑ کو من گھڑت واقعات اور بغض وکینہ کی آگ سے نکال کر آئندہ آنے والی نسلوں کے سامنے پیش کیا۔

جہاں تک اُردو زبان کا تعلق ہے تو اس میں علمی کاوشوں کی ہمیشہ ہی ضرورت رہی ہے۔ اگرچہ ''اُردو'' میں مجالس المومنین اور قصص العلماء جیسی بلند پایہ کتابیں موجود ہیں لیکن یہ کتابیں حوزوی اصطلاحات اور علمی اسلوب کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہیں جس کی وجہ سے عوام الناس کو ان سے استفادہ کرنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جبکہ اُردو میں باقی لکھی جانے والی کتابیں یا تو بہت مختصر ہیں جن میں بہت سی بلند شخصیات کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا یا کوئی تفصیلی کتاب موجود بھی ہے تو وہ مبالغہ اور عدمِ تحقیق کی پیچیدگیوں میں گھری ہوئی ہے۔ ایسے میں اشد ضرورت ہے کہ ایسی تصانیف لکھی جائیں جو کم سے کم ہر صدی کی بزرگ اور مایہ ناز شخصیات کا مختصر تعارف پیش کرتی ہوں اور خیالی و من گھڑت واقعات سے یکسر طور پر خالی ہوں۔

''سید حسین جعفری'' جو کہ ہمارے بزرگ ہیں اور عرصہ دراز سے علماءِ کے محضر سے علمی وعملی استفادہ کرتے رہے ہیں اور اپنی بساط کے مطابق بنفسِ نفیس پاکستان کے اطراف وکنار میں جا جا کر پیغام اہل بیتؑ نشر کرنے کی سعادت حاصل

کرتے رہے ہیں، نے اس ضرورت کا احساس کرتے ہوئے قلم اُٹھانے کی ذمہ داری کو قبول کیا ہے اور غیبتِ صغریٰ سے لے کر انقلابِ اسلامی ایران تک آنے والی برجستہ شخصیات کا مختصر تعارف کرواتے ہوئے زیرِ نظر کتاب تالیف کی ہے۔ کتاب آسان فہم اور سلیس زبان میں لکھی گئی ہے جو کہ دورِ حاضر کی ضروریات کو مدِنظر رکھتے ہوئے عام لوگوں کے لیے مرتب کی گئی ہے۔ یہ کتاب جہاں ان برجستہ شخصیات کا مکتب اہل بیتؑ کے ساتھ قوی ربط و تعلق کو بیان کرتی ہے وہاں نظامِ نیابت وتقلید پر اُٹھنے والے بہت سے شبہات کا ازالہ بھی کرتی ہے جو سازشی طور پر سرزمین پاکستان میں پھیلائے جارہے ہیں۔ اللہ سبحانہ مؤلف کی ان خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور ان کی یہ کاوش امام مہدیؑ کی خصوصی عنایت کے حصول کا باعث قرار پائے۔ (آمین)

کتاب پڑھنے سے پہلے تقلید ہے کیا سمجھنا ضروری امر ہے۔ تقلید کے تعارف کے بعد ہی نائبانِ امام مہدی علیہ السلام کی کاوشیں، زحمتیں اور قربانیاں آپ کی سمجھ میں آسکیں گی۔

تقلید کسے کہتے ہیں؟

تقلید کی بحث درحقیقت موضوعِ اجتہاد کی ایک ذیلی بحث ہے جس میں اجتہاد کی حقیقت، مجتہد کی شرائط اور اس کے فتاویٰ پر عمل پیرا ہونے کے بارے میں منابع شرعیہ سے استدلال کرتے ہوئے بحث کی جاتی ہے۔ عالم اسلام میں موجود فقہی مکاتبِ فکر میں ان مسائل میں اختلاف وارد ہوا ہے جس کی بنیاد علمی مبانی وفکری نظریات ہیں۔ حالیہ دور میں عالم اسلام کے قابلِ ذکر مکاتبِ فکر ''شیعہ اثناعشری''، حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی (سلفی) ہیں۔ ان تمام مکاتبِ فکر میں سے صرف سلفی وہ فرقہ ہے جو سرے سے تقلید کا منکر ومخالف ہے۔ جبکہ مسلمانوں کے باقی مکاتبِ فکر قرآن وسنت کے معیارات کو مدنظر رکھتے ہوئے نظریہ تقلید کو قبول کرتے ہیں۔

عالم تشیع میں زمانے قدیم سے علماءِ کبار نے اپنی علمی صلاحیتوں کے بل بوتے پر اس موضوع پر اپنی فکری جولانیوں کو پیش کیا ہے اور اس کے تمام جوانب (اطراف سے) کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ حتیٰ کہ دور حاضر میں فقہاء ومجتہدین نے ''اجتہاد وتقلید'' کے عنوان سے باقاعدہ کتابیں تالیف کی ہیں جیسا کہ امام خمینیؒ اور آیت اللہ خوئیؒ کی معروف کتابوں میں اجتہاد وتقلید بھی شامل ہے۔ اہل بیت علیہم السلام کے حقیقی پیروکاروں اور دنیائے افکار کے انہی شجاع سربکف مجاہدین کی

کاوشوں کا یہ ثمرہ مرتب ہوا کہ آج کے دور میں اس موضوع کی ابتدائی ابحاث واضحات و بدیہیات میں سے شمار ہوتی ہے اور کوئی ایسا اہل فکر ونظر نہیں دکھائی دیتا جو ان امور میں اختلاف کرے۔

البتہ گزشتہ چند دہائی سے استعمار نے اسلام دشمنی کا ثبوت دیتے ہوئے جہاں اسلامی ممالک کو قتل و غارت کا نشانہ بنایا ہے وہاں دین کی فکری ونظریاتی بنیادوں پر بھی حملہ کیا ہے۔ دین کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے اور امتِ اسلامیہ کو فرقہ جات میں تقسیم کرنے کی غرض سے آج بھی کثیر امریکی بجٹ ان شیطانی عزائم کو پورا کرنے کے لیے خرچ کیا جاتا ہے جو کہ ان ایجنٹوں کے توسط سے قابل عمل قرار پاتا ہے جو تمام اسلامی ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں اور استعمار کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں۔ اُنیسویں صدی سے شروع ہونے والے انقلابات اور جہانِ اسلامی میں اسلام کے حقیقی چہرے ''تشیع'' کی عظیم فتح و بالادستی نے استعمار کو بوکھلاہٹ کا شکار کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ استعمار نے جس قدر زحمتیں کوششیں ''تشیع کی بربادی اور شیعہ کشی'' کی خاطر کیں ہیں شاید ہی اس کی مثال تاریخ میں ملتی ہو!! انہی مذموم کاوشوں میں سے ایک کاوش اہل تشیع کے ان فکری نظریات پر حملہ کرنا ہے جو کہ اجتماعی و سیاسی میدان میں امامت کے اہداف کی تکمیل کا باعث بنتے ہیں۔ جیسا کہ ''تقلید'' کے عنوان سے عوامی اختلافات اور منفی پروپیگنڈے ہمیں دکھائی دیتے ہیں۔ ''اجتہاد وتقلید'' کے موضوع پر عوام الناس میں شکوک وشبہات برپا کرنا درحقیقت نظریہ امامت اور نظامِ نیابت پر حملہ کرنے کے مترادف ہے۔ علمی میدان اور انحرافی محاذ میں فرق ہوتا ہے۔ حالیہ ادوار میں دشمنانِ اسلام کی طرف سے اس موضوع کی غلط تصویر پیش کی گئی ہے اور اسے امامت کے مقابلے میں لا کھڑا کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ اہل بیت علیہم السلام کی محبت واطاعت کا دَم بھرنے والا اسے امامت کے خلاف سمجھتے ہوئے اسلام کی اس طاقت کا انکار کر دے اور اس طرح عالم تشیع کی طاقت پارہ پارہ ہو جائے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ تقلید کی بے جا مخالفت کرتے ہیں وہ اپنے انحرافی نظریات کو ثابت کرنے کے لیے ''تقلید'' کو امامت اور اطاعتِ امام کے خلاف قرار دیتے ہیں جبکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ اسلام ہر منزل پر الٰہی نظام متعارف کرواتا ہے اور اسی نظام کی اساس و بنیاد ''قرآن و اہل بیتؑ'' ہیں۔ انسانی معاشروں میں قوانین کی بالادستی، ان کا نفاذ اور اس کی معرفت ورعایت کا جو نظام متعارف کروایا گیا ہے اسے ''امامت'' کہتے ہیں، جس کی عملی تصویر ''اجتہاد وتقلید'' کے عنوان سے منظر عام پر آتی ہے۔ حتی کہ جو لوگ تقلید کے منکر ہیں وہ بھی اس انحرافی نظریے میں اپنے عمائدین کی تقلید کرتے ہیں اور ان کے نظریات کی پیروی کرتے ہوئے نظامِ اسلام کے

مخالف ہو جاتے ہیں۔

ذیل میں ہم تقلید کے موضوع پر مختصر سی بحث پیش کر رہے ہیں جس سے مقصود ''تقلید'' کی حقیقت کو بیان کرنا اور مکتب تشیع میں اس کی شرعی بنیادوں کو واضح کرنا ہے۔ یہ تحریر علمی حلقہ جات کو مد نظر رکھتے ہوئے نہیں لکھی گئی بلکہ عوام الناس میں پھیلے ہوئے شکوک و شبہات اور متلاشیانِ حق و حقیقت کے سفر کو آسان کرنے کی خاطر معرضِ وجود میں لائی گئی ہے۔ جو کچھ ان مختصر صفحات میں بیان کیا جائے گا وہ علمی میدان میں واضحات میں سے ہے اور اہل بیتؑ کے مکتب سے متمسک کسی برجستہ شخصیت نے ان واضح ترین چیزوں میں اختلاف نہیں کیا۔

اس بحث کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ تقلید کی حقیقت

۲۔ اہل بیتؑ کی نظر میں تقلید

تقلید کی حقیقت

تقلید عربی زبان کا لفظ ہے جو کہ اپنا وجودی سفر کر کے اُردو زبان میں داخل ہوا۔ اُردو اور عربی زبان میں تقلید کے معنی میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔

''تقلید'' قَلَدَ سے باب تفعیل کا مصدر ہے۔ عربی میں اس کے معنی ''کسی شیء سے ربط قائم کرنے کے، اس کے ساتھ رہنے کے'' ہیں۔ اسی لیے عربی میں ''گلوبند'' کو قلادۃ کہتے ہیں۔ ''تقلید'' یعنی ہار کا گلے میں ڈالنا۔ علامہ حسن مصطفوی لکھتے ہیں:

هو تعلّقٌ مع عقْدٍ.

(تقلید): مضبوط ربط قائم کرنے کے ساتھ ہمراہ رہنا۔

(التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، ج۹، ص۳۰۶)

پس معلوم ہوا کہ تقلید کے لغوی معنی کسی ذات کے ساتھ ایسا مضبوط اور گہرا تعلق جوڑنا ہے کہ انسان اس سے جدا نہ ہو۔ جیسے گلے میں ہار ڈالا جاتا ہے تو پھر وہ بدنِ انسان اس کے ہمراہ رہتا ہے۔ اس لیے بیعت کے بارے کہا جاتا ہے کہ فلاں نے بیعت کا قلادہ اپنے گلے میں ڈال لیا ہے۔ یعنی اس شخص نے جس کی بیعت کی ہے اب وہ اس سے عقد و عہد باندھنے

کے بعد کسی صورت تعلق نہیں توڑے گا۔ ''تقلید'' اپنے لغوی معنی میں اطاعت سے مشابہ ہے۔ اسی لیے اس کا اُردو ترجمہ ''پیروی'' کیا جاتا ہے۔

لغوی طور پر ''پیروی'' اور ''تقلید'' میں اس طور پر فرق ملاحظہ کیا جا سکتا ہے کہ بسا اوقات انسان کسی کی پیروی کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ اس کا قلبی تعلق نہیں ہوتا، جیسے کسی فوج یا لشکر میں جانباز اپنے جرنیل یا سپہ سالار کی بات مانتا ہے.... جبکہ ''تقلید'' اس وقت کہلاتی ہے جس انسان کا قلبی تعلق کسی ذات سے ہو اور وہ اس ربط و تعلق کی رعایت کرتے ہوئے اس کے پیچھے چلے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی تقلید بمعنی اطاعت استعمال ہوتی ہے۔

اُردو زبان میں تقلید ''پیروی'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن عربی زبان میں اس وقت تقلید کہلاتی ہے جب ربط اور ناطہ جوڑتے ہوئے پیروی کی جائے۔ تقلید کے ہر دو معنی میں یہ مدنظر نہیں رکھا جاتا کہ یہ پیروی صحیح ہے یا غلط۔ تقلید میں عقل و دانش کا عمل دخل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم اور روایات اہل بیتؑ میں تقلید اپنے لغوی معنی میں مذموم عمل ہے۔ اصول کافی میں باقاعدہ باب تشکیل دیا گیا ہے جس میں آباؤ اجداد کی تقلید کی نفی کی گئی ہے۔ آج کے دور کی مانند زمانہ قدیم میں بھی لوگ اپنے آباء و اجداد سے قوی ربط رکھنے کی وجہ سے ان کے اعتقادات و نظریات کے قائل رہتے تھے اور ان کے پاس سب سے بڑی یہی دلیل ہوتی تھی کہ ہم اپنے آباء و اجداد کے دین پر قائم دائم ہیں۔ اس عمل کو تقلید کہتے ہیں۔ قرآن کریم اور روایات نے اس عمل کی شدید مذمت کی ہے۔ اسلام کا انسانیت سے تقاضا ہے کہ وہ کسی عمل کو تقلیدی طور پر انجام نہ دے بلکہ عقل و دانش اور خیر و کمال کو درک کرنے کی بناء پر عمل کو انجام دے۔ لہٰذا تقلید اپنے لغوی معنی میں مذموم چیز ہے۔

البتہ ''انبیاء و آئمہ'' کی تقلید اس طور پر باطل نہیں ہے کیونکہ وہ صاحب اطاعت اور اللہ سبحانہ کی طرف سے ولی مقرر کیے گئے ہیں۔ اس لیے انبیاء و آئمہ کی تقلید در حقیقت لغوی تقلید نہیں کیونکہ انسان سب سے پہلے توحید و رسالت پر ایمان لاتا ہے اور پھر امامت پر ایمان لانے کے بعد اس حقیقت کی معرفت حاصل کرتا ہے کہ یہی وہ مقدس ہستیاں ہیں جن کی اطاعت اور آواز پر لبیک کہنے کی ذمہ داری ہم پر عائد کی گئی ہے۔

پس ''لغوی معنی میں تقلید'' کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان کسی شخصیت سے اس طرح متاثر ہو جائے کہ اس کی ہر بات میں اس کی پیروی کرے، چاہے وہ حق ہو یا باطل۔ شخصیت پرستی یا قومیت و قبائلیت ایسے فتنے ہیں جس میں انسان چار و ناچار اس شخصیت کی حق و باطل ہر دور میں پیروی کرتا ہے۔ اسے اصطلاح میں اندھا پن بھی کہتے ہیں کیونکہ اندھا چلتا ضرور ہے

لیکن اگر کسی کی مدد کے بغیر چلے تو کبھی صحیح راستے پر چلے گا اور کبھی غلط۔ اسی طرح تقلید میں متاثر ہو، پیروی ضرور کرتا ہے لیکن عقل کی مدد کے بغیر جب پیروی کرے گا تو کبھی حق سے دوچار ہوگا اور کبھی باطل کی دوزخ میں جا گرے گا۔ اسی لیے قرآن وحدیث ''تقلیدِ لغوی'' کو مذموم قرار دیتے ہیں۔

''فقہ اسلامی'' میں جب کلمہ تقلید استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد تقلیدِ لغوی نہیں ہے بلکہ علم فقہ میں ''تقلید'' ایک فقہی اصطلاح ہے جس سے مراد احکامِ شرعیہ میں قرآن واہل بیتؑ کا حکم معلوم کرنے کی خاطر کسی باشرائط مجتہد کے فتاویٰ پر عمل ہے۔

شکوک وشبہات کی وجہ:

جو لوگ تقلید پر اعتراض کرتے ہیں وہ درحقیقت اس شبہ کا شکار ہوتے ہیں کہ ''تقلیدِ لغوی'' اور ''تقلیدِ فقہی'' ایک ہی چیز ہے۔ بلاشک وشبہ تقلید اپنے لغوی معنی میں مستحسن نہیں ہے۔ تقلید کا فقہی معنی اس کے لغوی معنی سے یکسر جدا ہے۔ ہاں اگر کوئی مشترک نکتہ ہے تو وہ ''عمل و پیروی'' ہے۔ لیکن تقلیدِ لغوی میں پیروی شخصیت سے متاثر ہو کر ہوتی ہے جس میں عقل و دانش کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ جبکہ ''تقلیدِ فقہی'' میں شرائط اور حدود و قیود کی صورت میں پیروی ہوتی ہے۔ تقلیدِ فقہی کو ظاہری طور پر تقلید کہتے ہیں ورنہ وہ تقلید نہیں بلکہ اہل بیتؑ کے متعارف کروائے ہوئے نظامِ نیابت و امامت کی عقل و بصیرت کے ساتھ پیروی ہے۔ بعض لوگوں کے لیے یہ کلمہ اس لیے اشتباہ کا سبب بنا کیونکہ انہوں نے تقلید کے وہ معنی مراد لیے ہیں جو ''اُردو زبان'' میں رائج ہیں یا عربی لغت میں موجود ہیں۔ جبکہ ہم جب تقلید کہتے ہیں تو اس سے مراد اہل بیتؑ کا عطا کردہ وہ نظام ہے جو انہوں نے ہر دور میں امت کی رہنمائی وہدایت کے لیے امت اسلامیہ کو پیش کیا۔ پس اس مقام پر تقلید کے اُردو اور لغوی معنی کو فقہی معنی سے جدا کرنا ضروری ہے۔

تقلید کے شرعی معنی

علم فقہ میں ''تقلید'' سے مراد اس وقت کسی ''باشرائط مجتہد'' کے فتاویٰ پر عمل ہے جب انسان یہ طاقت واستطاعت نہ رکھتا ہو کہ وہ قرآن وروایات سے اپنے مسئلہ کا حل خود تلاش کرلے گا۔ اگر کوئی شخص عملی طور پر یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ قرآنِ کریم اور احادیث سے اپنے مسئلہ کا حل خود تلاش کرلے تو اس کے لیے فقہی معنی میں تقلید جائز نہیں ہے۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ فقہی طور پر تقلید خاص موارد میں واجب ہوتی ہے۔ وہ شرائط اور موارد جو ''تقلیدِ فقہی'' کو ''تقلیدِ لغوی'' سے جدا

ت ... ے ایک نظام کی صورت میں متعارف کرواتے ہیں درج ذیل ہیں:

ا۔ تقلید کا مورد:

ہر مرحلہ پر تقلید نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ اس وقت تقلید کی جا سکتی ہے جب انسان عملی طور پر اتنا علم نہیں رکھتا کہ پیش آنے والے مسائل کا حل قرآن و حدیث سے تلاش کر لے۔ انسان اللہ سبحانہ کی طرف سے عبد و غلام ہے۔ غلام کبھی بھی اپنے مالک و آقا کے بغیر عمل انجام نہیں دیتا۔ ہم اس دُنیا میں غلام ہیں اور یہ مملکت و جائیداد اللہ سبحانہ کی ہے۔ غلام کے لیے ضروری ہے کہ ہر عمل کو انجام دینے سے پہلے قادر و قاہر مولا و آقا کی مرضی و حکم معلوم کر لے۔ اللہ سبحانہ نے اپنی مرضی بتلانے کے لیے انبیاء و رسلؑ بھیجے جنہوں نے اللہ سبحانہ کی مرضیوں اور احکامات کو اس کے بندوں و غلاموں کے سامنے پیش کیا۔ ان احکامات کو شریعت کہتے ہیں۔ آئمہ طاہرینؑ شریعتِ محمدیؐ کے محافظ اور اس کو ہم تک پہنچانے والے ہیں۔ آج کے دور میں بھی ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ہر عمل کو انجام دینے سے پہلے سوچیں کہ کیا مجھ ادنیٰ غلام کا یہ عمل قادر و مالک کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے غلام اس کی نگاہوں کے سامنے ہیں اور کسی لحظہ اور آن وہ اپنے بندوں سے صرفِ نظر نہیں کرتا۔ ایسے میں انسان کو حساس ہونا چاہیے کہ وہ ہر عمل کو انجام دینے سے پہلے سوچے کہ اس کے ربّ کا اس عمل کے بارے کیا حکم صادر ہوا ہے۔ ربّ العالمین کے حکم کو معلوم کرنے کے لیے ہمارے پاس صرف دو ذریعے ہیں:

ا۔ قرآن کریم

۲۔ روایات

اب اگر کوئی اس قدر علم رکھتا ہے اور ان آلات، اوزار اور مہارتوں سے واقف ہے جن کی بناء پر ان عمیق بحر و سمندر سے اپنے مطلب کی چیز نکال لے تو ایسے شخص پر ضروری ہے کہ وہ اپنی ان مہارتوں سے استفادہ کرے اور خود جا کر قرآن و احادیث سے ربّ العالمین کا حکم دریافت کر لے۔ پس ایسے شخص پر تقلید حرام ہے اور اسے اپنی صلاحیتوں اور علم سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

البتہ یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ کونسے آلات و مہارتیں ہیں۔ جن کے ذریعے قرآن و احادیث کے خزانے سے ربّ العالمین کا حکم حاصل کیا جا سکتا ہے؟

وہ آلات درحقیقت بعض علوم اور وہ مہارتیں اجتہادی صلاحیت ہے۔ جن علوم کے ذریعے احکام شریعہ کا علم ہوتا ہے ان میں سے

اہم ترین درج ذیل ہیں:

۱۔علم نحو وصرف ۲۔علم اصول فقہ

۳۔علم حدیث ۴۔علم رجال

۵۔قواعد فقہیہ کا علم ۶۔تفسیر آیات احکام

۷۔علم منطق ۸۔علم فقہ

جبکہ "مہارت" سے مراد یہ ہے کہ ان علوم کا پڑھ لکھ لینا کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ ان علوم پر کامل دسترس رکھتا ہو اور اس صلاحیت کا مالک ہو کہ وہ موقع پڑنے پر ان تمام علوم سے بہترین فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ علوم "ملکہ" کی حیثیت رکھتے ہوں۔ "ملکہ" یعنی انسان کا عملی طور صلاحیت کا پیدا کر لینا۔ علوم پڑھنے سے صرف علم آتا ہے اس کو استعمال کی صلاحیت نہیں آتی۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک ڈاکٹر علم طب پڑھتا ہے تو فوراً مریضوں کا علاج نہیں کر سکتا۔ بلکہ ڈاکٹر بننے کے بعد اسے کچھ عرصہ ہاؤس جاب کرنا پڑتی ہے، پھر کلینک یا ہسپتال میں سینئر ڈاکٹرز کے ہمراہ تجربہ حاصل کرنا پڑتا ہے اور پھر جا کر وہ اس قابل ہوتا ہے کہ اس نے جو پڑھا تھا اب وہ اس سے بھرپور فائدہ اٹھائے۔ ڈاکٹر بننے کے بعد طویل عرصہ پریکٹس کر کے علاج کی صلاحیت حاصل کرنے کو "مہارت یا ملکہ" کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک مجتہد یا فقیہ ان متعدد علوم کو پڑھتا ہے اور پڑھنے کے بعد ان کو عملی طور پر استعمال کرتا ہے۔ مسلسل استعمال اور تحقیقی میدان میں زور آزمائی کے بعد مجتہد میں یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ اب وہ بآسانی بحرِ قرآن وحدیث میں غوطہ زن ہو اور تیراکی کی مہارتوں کو سیکھنے اور اپنے اندر پیدا کرنے کے بعد سکون کے ساتھ تیراکی کرے۔

پس ہر انسان کو "علم اور مہارت" ہر دو سے آراستہ ہونا چاہیے۔ اگر کوئی ان دو سے آراستہ نہ ہو تو وہ اپنے پیش آنے والے مسئلے میں اللہ سبحانہ کا حکم حاصل نہیں کر سکے گا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس شخص کے ذمے مختلف کام ہوں، معاشرتی وسماجی مسائل میں گھرا ہو، گھربار کے اخراجات کی فکر میں گم ہو یا اس قدر ذہنی صلاحیت کا حامل نہ ہو تو وہ شخص کیا کرے؟

یقیناً ہر شخص کے پاس یہ مہلت وفرصت نہیں ہوتی کہ وہ ان عمیق ترین علوم کو پہلے حاصل کرے اور پھر ان کی اس قدر پریکٹس کرے کہ اس کے وجود میں اجتہادی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ اس عمل کے لیے تو طویل مدت تعلیم وتحقیق چاہیے۔ پھر

اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے عبد و غلام ہونے کے تقاضے پورے کرے اور اپنے آقا و مالک کی مملکت میں کوئی عمل اس کی اجازت کے بغیر انجام نہ دے ورنہ وہ مالک کے عذاب و عقاب کی گرفت میں آجائے گا۔ لہٰذا یہ فریضہ اس پر عائد رہے گا کہ رب العالمین نے ہر عمل کے لیے جو حکم صادر کیا ہے اس کو جانے۔ پس اگر وہ خود نہیں جان سکتا تو ضروری ہے اس شخص کی طرف رجوع کرے جو اسے رب العالمین کا حکم بیان کر دے اور وہ اس پر عمل کرے۔ اس مجبوری کی صورت میں ''عالم کی طرف رجوع کرنے'' کو تقلید کہتے ہیں۔

اس مورد میں معلوم ہوا کہ تقلیدِ فقہی ایسا عقلی مسئلہ ہے کہ دنیا میں بسنے والے تمام انسان اسی نظام سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ عقل بتاتی ہے کہ کسی انسان کو ایک شیء کی ضرورت ہو، مثلاً مریض کو شفا کی ضرورت ہے، اور مریض اپنا مرض و علاج نہیں جانتا تو لامحالہ مریض اس شخص کی طرف رجوع کرے گا جو اس کی ضرورت کو پورا کر دے۔ اسی طرح ایک انسان کو رہنے کے لیے گھر چاہیے اور وہ خود گھر نہیں بنا سکتا کیونکہ اس کے پاس گھر بنانے کا نہ علم ہے اور نہ عملی طور پر صلاحیت۔ ایسے میں وہ اس شخص کی طرف رجوع کرے گا جو اس ضرورت کو پورا کر دے۔ یقیناً ہر کوئی اس ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا بلکہ وہ شخص کر سکتا ہے، جس کے پاس گھر بنانے کا علم بھی اور صلاحیت و مہلت بھی موجود ہو۔ یہی صورتحال ''تقلیدِ فقہی'' میں بھی ہے کہ عبد و غلام کو عمل انجام دینا پڑ رہا ہے، مثلاً روٹی روزی کے لیے کسی غیر مسلم ملک میں مزدوری کرنا پڑ رہی ہے۔ اب اس عبد کو زندہ رہنے کے لیے کھانا پینا ضروری ہے۔ وہ کسی ہوٹل جاتا ہے اور مچھلی کا آڈر دیتا ہے۔ جب اس کے سامنے مچھلی آتی ہے تو عبد و غلام ہونے کے ناطے کئی سوال اس کے ذہن میں جنم لیتے ہیں، مثلاً کیا آقا و مولا رب العالمین راضی ہے کہ میں مچھلی کی اس قسم کو کھاؤں؟ کیا جس تیل میں یہ مچھلی تلی گئی ہے اس تیل کا استعمال جائز ہے یا جائز نہیں؟ کیا رب العالمین اس پر راضی ہے کہ وہ ایسی ٹیبل پر مچھلی کھائے جس پر بیٹھے بعض افراد شراب پی رہے ہیں؟ کیا جس انسان نے اس مچھلی کو تلا ہے اس کے بنائے ہوئے کھانے جائز ہیں یا نہیں؟

ان سوالات و مسائل کو حل نہ کرے تو قادر و قاہر مالک کے عقاب و عذاب کو شکار ہونے کا اندیشہ اور اگر کھانا نہ کھائے تو بھوکے رہنے کا ڈر اور کسی قسم کا گوشت کھائے تو ذبح نہ کیے ہوئے جانور کا گوشت کھانے کا ڈر یا بدمزہ چیز سے پیٹ بھرنے کی کلفت!! بے چارہ عبد کیا کرے؟! کہاں جائے؟! کس سے اپنی مشکل حل کرے؟ اگر عبد خود علم و مہارت رکھتا ہے تو فوراً قرآن و حدیث کی طرف رجوع کر کے اپنے مسئلے کو حل کرے گا اور ان سوالات کے جواب حاصل کر لے گا، مثلاً رجوع

کرنے کی صورت میں اسے معلوم ہوتا ہے کہ جس مچھلی پر چانے ہوں وہ مچھلی حلال ہے اور ربّ العالمین راضی ہے کہ اس کی مملکت سے اس طرح کی مچھلیاں اس کے عبد تناول فرمائیں۔ نیز اسے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تیل عموماً نباتات سے لیا جاتا ہے اور ہر طرح کی نباتات جائز ہیں۔

لیکن اگر عبد یہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ قرآن وحدیث سے جواب حاصل کرے، مثلاً اسے عربی نہیں آتی اور نہ حکم معلوم کرنے کا طریقہ.... تو ایسے میں وہ فوراً اس شخص کو فون کرے گا کہ جس کو ان سوالات کا علم ہے اور اس عبد کو یہ بھی پتا ہے کہ جس سے پوچھ رہا ہے وہ اپنی طرف سے جواب نہیں دے گا بلکہ وہ قرآن وحدیث میں موجود حکمِ الٰہی اُسے بتائے گا۔ اس طرح وہ جوابات معلوم کرلے گا اور آرام سے مچھلی کھائے گا اور ربّ العالمین کا شکر ادا کرے گا، یا اسے خالق ومالک کے راضی نہ ہونے کا علم ہوگا اور اللہ کا شکر ادا کرے گا کہ اس نے حرام کو اپنے پیٹ میں نہیں اُتارا اور اللہ سبحانہ کی حلال نعمت سے اپنے پیٹ کی آگ بجھائے گا۔ مجبوری کی صورت میں اپنی ضرورت پوری کرنے کی خاطر ''ایک عالم'' کی طرف رجوع کرنا یا مسئلہ کا حل پوچھنا ''تقلیدِ فقہی'' کہلاتا ہے۔

پس تقلیدِ فقہی اس وقت جائز ہے جب انسان خود اپنی ضرورت پوری نہ کرسکے۔

۲۔ معلوم شدہ چیزوں میں تقلید نہیں

انسان جس چیز کا علم رکھتا ہے اس پر عمل کرتا ہے۔ اگر علم صحیح ہے تو عمل بھی صحیح کرنے کی کوشش کرے گا۔ لہٰذا کسی دوسرے کی طرف اس وقت رجوع کیا جاتا ہے جس شیء کا علم نہ ہو۔ ''تقلیدِ فقہی'' صرف ان چیزوں میں ہوتی ہے جس کا انسان کو علم نہیں۔ یہ مسئلہ بھی عقلی ہے۔ جس کا علم تھوڑی سے توجہ کرنے سے حاصل ہوجاتا ہے، مثلاً ایک شخص اپنے دوست کے گھر جاتا ہے، اس کو دوست کے گھر کا محلّہ اور مکان نمبر بھی معلوم ہے کیونکہ وہ آئے دن اپنے دوست کے گھر آتا جاتا رہتا ہے۔ اب اگر وہ اپنے دوست سے ملنے اس کے گھر جارہا ہے تو کیا وہ اپنے باطن میں یہ ضرورت محسوس کرے گا کہ وہ دوست کے گھر کا ایڈریس کسی سے پوچھ لے اور جیسا بتایا جائے اس کے مطابق عمل کرے؟ یقیناً جواب نفی میں ملے گا۔ کیونکہ کوئی عاقل شخص یہ کام نہیں کرتا، مثلاً ایسا نہیں دیکھا گیا کہ جو شخص ہر روز اپنے دفتر جاتا ہے وہ کسی دن اسی جگہ کا ایڈریس دوسروں سے معلوم کررہا ہو!! یا انسان اپنے ہی گھر کا پتا دوسرے سے پوچھنے لگ جائے!!! اگر کوئی یہ کام کرے تو لوگ اس انسان کی عقل پر شک کریں گے۔ کیونکہ ان چیزوں کا علم ہر انسان کو ہوتا ہے اور ''علم ہونے'' کی وجہ سے سوال

کرنا معیوب اور ذہنی بیماری کی علامت ہے۔

یہی صورتحال اس مورد میں بھی ہے۔ ملکیتِ الٰہی میں زندگی بسر کرنے والے عبد و غلام کی نگاہ ہر وقت اپنے قادر مالک و آقا پر لگی رہتی ہے۔ اگر غلام کو اپنے آقا کی مرضی و حکم معلوم ہو تو وہ اسے دوبارہ جاننے کی سعی و کوشش نہیں کرتا بلکہ اپنے علم پر عمل کرتا ہے۔ مثلاً عبد الٰہی کو معلوم ہو گیا کہ اس کا آقا اس بات پر راضی نہیں کہ وہ گانے سنے۔ جب اسے اپنے آقا و مولیٰ کے حکم کا علم ہو گیا تو وہ گانوں کو اپنے اوپر ممنوع کرلے گا اور حلال آوازوں سے اپنے کان کا پیٹ بھرے گا۔ ایسے میں عبد پریشان نہیں ہو گا کہ وہ گانے کو سنے یا نہ سنے؟ نہ ہی وہ اپنے نفس میں سوال پوچھنے یا جاننے کی ضرورت محسوس کرے گا۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ پیش آنے والے مسائل میں جن مسائل کا علم ''عبد و غلام'' کو ہے اس میں تقلید جائز نہیں بلکہ اپنے علم پر عمل کرنا ضروری ہے، جیسے اذان و اقامت، فجر کی دو رکعت نماز کا واجب ہونا، ماہِ رمضان کے روزے، حج کا واجب ہونا ...وغیرہ۔ یہ مسائل تقلید کے محتاج نہیں کیونکہ ہر انسان ان کے وجوب کو جانتا ہے۔ لہٰذا ان مسائل میں تقلید حرام ہے۔ تقلیدِ فقہی صرف ان مسائل میں ہو سکتی ہے جس کا علم ''عبد و غلام'' کو نہیں، مثلاً ایک شخص کو یہ معلوم ہے کہ ظہر کی چار رکعت نماز واجب ہے لیکن اگر اسے یہ شک ہو جائے کہ وہ تیسری رکعت نماز پڑھ رہا ہے یا چوتھی رکعت، تو ایسی صورت میں اسے کیا کرنا چاہیے؟ کیا وہ اپنے شک کی پرواہ نہ کرے؟ یا اپنی رکعت کو تیسری رکعت قرار دے؟ یا چوتھی رکعت قرار دے؟ یا دوبارہ سے نماز پڑھے؟ اس مورد میں اسے جس چیز کا علم ہے اس میں تقلید حرام ہے اور جس چیز کا علم نہیں یا تو اسے خود معلوم کرے یا کسی ایسے سے پوچھے جو اسے ربّ العالمین کا حکم بیان کردے۔ اس عمل کو تقلید کہتے ہیں۔

۳۔ باشرائط مجتہد:

تقلیدِ فقہی ہر کس و ناکس کی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ایسے انسان کی ہو سکتی ہے جس میں مطلوب شرائط پائی جائیں۔ اللہ سبحانہ کی مرضی اور حکم معلوم کرنے کے لیے جس عالم کے فتاویٰ پر عمل کیا جائے اس میں درج ذیل شرائط ہونا ضروری ہیں:

ا۔ وہ عالم شیعہ اثنا عشری ہو،

کیونکہ ربّ العالمین کا حکم قرآن و روایات سے ہی مل سکتا ہے۔ روایات سے ہماری مراد وہ احادیث ہیں جو اہل بیت اطہارؑ سے صادر ہوئی ہیں۔ جو شخص اہل بیتؑ کی بیان کردہ احادیث پر اعتقاد نہیں رکھتا یا ان سے مسئلہ کا حل نہیں بتاتا یقیناً وہ ہمارے لیے قبول نہیں۔ کیونکہ ربّ العالمین کے بیان کردہ احکامات کے محافظ، ناشر و مبلغ آئمہ طاہرینؑ ہیں۔ جو ان کے درؔ

سے نہیں لیتا وہ کیسے ربّ العالمین کے احکامات کو جان سکتا ہے؟!! لہٰذا پہلی شرط ہی یہ ہے کہ وہ شیعہ اثنا عشری ہو تا کہ حقیقی احکاماتِ شرعیہ کو ہمارے سامنے بیان کرے۔

۲۔ اجتہادی صلاحیت کا حامل ہو

یعنی ان علوم پر مکمل دسترس رکھتا ہوں اور انہیں استعمال کرنے کے طریقے جانتا ہو جن علوم کے ذریعے ربّ العالمین کے احکامات کا علم حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا جو یہ صلاحیت نہیں رکھتا وہ مسائل کا حل بھی نہیں بتا سکتا۔ ایسے میں عبد کی ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے کہ جب وہ اپنے آقا و مولیٰ کے حکم کا نہ جاننے کی وجہ سے پریشان ہو تو اسے ان اشخاص کی طرف رجوع کرنا چاہیے جو اسے حکم کی صحیح اطلاع دے سکیں۔

۳۔ عادل ہو

یعنی جس کی طرف رجوع کیا جا رہا ہے وہ مجرمین اور دھوکہ بازوں میں سے نہ ہو۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں اس کے سامنے اعلانیہ طور پر قوانین توڑتا ہو، نافرمانیاں انجام دیتا ہو اور عبودیت و غلامیت کے تقاضے کو پامال کرتا ہو وہ کیسے آقا و مالک کے احکامات کو بیان کر سکتا ہے۔ لہٰذا ایسا شخص جو اعلانیہ گناہ انجام دیتا ہو یا ربّ العالمین کے حکم کی بجائے اپنے من گھڑت ذہنی خیالات بیان کرتا ہو اس کی تقلید نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ تقلید میں پیش نظر ربّ العالمین کی مرضی و حکم ہے۔ جو اہل علم اللہ تعالیٰ کا حکم بیان نہ کرے بلکہ اپنے خیالات و توہمات بیان کرے ایک عبد اس کی بات پر کیسے عمل کر سکتا ہے؟!! اسی لیے مجتہد کے لیے عدالت کی قید لگائی گئی ہے۔ روایاتِ اہل بیتؑ میں اسی لیے "قیاسِ فقہی" کو حرام قرار دیا گیا ہے اس میں ذہنی گمانات پر عمل کیا جاتا ہے۔ جو انسان تقلید نہیں کرتا وہ اپنی ذہنی خیالات کو حکم شرعی سمجھتے ہوئے عمل پیرا ہوتا ہے اور ایسے انسان کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ لہٰذا وہ شخص اہل بیتؑ کا پیروکار نہیں کہلاتا جو ربّ العالمین کے حکم کو چھوڑ کر اپنے نفسانی خیالات اور ذہنی تصورات پر عمل کرتا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ جو لوگ تقلید کی مذمت کرتے ہیں اور قرآن و حدیث کا علم نہیں رکھتے وہ اپنی زندگی میں ربّ العالمین کی مرضی و حکم کیسے معلوم کرتے ہیں؟ جب عربی و قرآن و حدیث کی الف ب سے واقف نہیں تو کیسے اہل بیتؑ کی اطاعت کرنے کا دم بھرتے ہیں؟ کیونکہ اطاعت تو اس وقت ہوتی ہے جب حکم معلوم ہو۔ اطاعت تو حکم کی کی جاتی ہے۔ اہل بیتؑ نے اپنے شیعوں کو حکم دیے ہیں لیکن حکم کا علم ہوگا تو عمل ہو سکے گا۔ جسے حکم کا علم نہیں یقیناً وہ اہل بیتؑ کی اطاعت بھی نہیں کر سکتا اور جو اطاعتِ امامؑ نہیں کرتا وہ شیعہ کہلانے کا حقدار بھی نہیں۔

یہاں سے یہ گمان و اشتباہ بھی دور ہو جاتا ہے کہ مجتہد اپنے فتاوئی بیان نہیں کرتا بلکہ اہل بیتؑ کے نظریات کو بیان کرتا ہے۔ یہ گمان کے تقلید کا مطلب یہ ہے کہ اہل بیتؑ کو چھوڑ کر مجتہد کی باتوں کی پیروی کی جائے شیطانی وسوسے اور باطنی کثافتیں کے علاوہ کچھ نہیں۔ تقلیدِ فقہی کی ابتدا بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے احکامات سے ہوتی ہے اور اختتام بھی۔ مجتہد کی اپنی ذاتی رائے کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی مجتہد کو صاحب اطاعت امام خیال کرتا ہے۔ بلکہ اس دنیا میں اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے سوال کا جواب چاہتا ہے۔ جب جواب مل جاتا ہے تو اس کے مطابق عمل انجام دیتا ہے۔ اس کو تقلید کہتے ہیں۔

۴ تا ۶۔ عاقل، بالغ و زندہ ہو،

نظامِ دنیا کا تقاضا ہے کہ صرف ان افراد سے پوچھا جا سکتا ہے جو زندہ ہوں۔ جو شخص زندہ نہ ہو اس کی قبر پر جا کر ہزار سوال بھی کریں تو جواب کی صدا سنائی نہیں دے گی۔ اس مقام پر ان ابحاث کو مخلوط نہیں کرنا چاہیے جو یہ بتاتی ہیں کہ میت دنیائے برزخ میں زندگی بسر کرتی ہے اور اس سے ارتباط قائم کیا جا سکتا ہے۔ ہم جس مورد میں بحث کر رہے ہیں وہ ہماری عموی زندگی ہے نہ کہ محدود چند گنے چنے افراد کی بات ہو رہی ہے۔ لہٰذا اگر ایک انسان زندہ نہیں تو ممکن ہے ہم اس تک اپنی بات پہنچا دیں لیکن ہم براہ راست اس سے جواب نہیں سنتے۔ جبکہ ہمارے پیش نظر جواب ہی ہوتا ہے کیونکہ عبد کو اپنے مسئلے کا حل چاہیے۔ ہاں اگر مسئلہ کا حل مردہ مجتہد کی کتاب یا تحریر میں موجود ہے اور تو اس پر اکتفا کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا میت کی تقلید میں باقی رہا جا سکتا ہے اور جو نئے مسائل ہمیں اس کی کتاب و تحریر میں نہیں ملتے مجبوراً ان کے جواب کے لیے زندہ مجتہد کی طرف رجوع کریں گے۔ یہی مراد ہے کہ جس کی تقلید کی جائے وہ زندہ ہو۔

اسی طرح مجنون کسی کو صحیح جواب نہیں بتا سکتا بلکہ عاقل فرد ہی عقل شعور کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری پوری کر سکتا ہے۔

اسی طرح مجتہد کو بالغ ہونا چاہیے کیونکہ عموماً غیر بالغ غیر ذمہ داری ہوتے ہیں۔ بلوغت کی اور بھی کئی حکمتیں ہیں جن کے بیان کی گنجائش ان مختصر اوراق میں نہیں۔

۷۔ حلال زدہ ہو

حرام زدہ کی تقلید نہیں کی جا سکتی۔ چاہے حرام زدہ کتنا ہی پاکیزہ، بلند مرتبہ اور عدالت کی اوج پر فائز ہو۔ روایات اہل

بیتؑ کے مطابق اس کی تقلید نہیں ہو سکتی۔

یہ وہ شرائط ہیں جو ایک مجتہد میں ہونا ضروری ہیں۔ تقلیدِ لغوی اور تقلیدِ فقہی میں یہی اہم فرق ہے کہ تقلیدِ لغوی کسی بھی شخصیت کی پیروی کا نام ہے جبکہ تقلیدِ فقہی اہل بیتؑ کے اس عظیم خادم کے علم سے فائدہ اٹھانا ہے جو کبھی بھی اہل بیتؑ کے احکامات وفرامین کی مخالفت نہیں کرتا ہے۔ اگر کوئی اہل بیتؑ کا پیروکار نہ ہو، یا پیروکار ہو لیکن ان کا نافرمان اور جاہل ہو تو ایسے انسان کی کسی صورت تقلید نہیں کی جا سکتی۔ پس یہ شرائط ہی ہمیں ان شکوک وشبہات سے آزاد کر دیتی ہیں جو تقلید کے موضوع پر قائم کیے گئے ہیں۔ یہ انتہائی بدنصیبی ہوگی کہ دینی اور روحانی مسائل کے لیے مراجع عظام کو چھوڑ کر پیروں، فقیروں، گدی نشینوں اور ذاکرین وغیرہ جو علوم شریعت سے نابلد ہیں سے رجوع کیا جائے، اس کا نتیجہ دین میں بگاڑ پیدا ہونے کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور شاید یہ بگاڑ بہت زیادہ پیدا ہو چکا ہے لیکن ایسا ماضی میں ہوتا رہا اور مرجعیت بگاڑ کو صحیح کرتی چلی آئی ہے

تقلید کی حقیقت، تقلید فقہی اور روایات اہل بیت علیہم السلام:

اہل بیت علیہم السلام کی سیرت اور روایات میں ''ذاتی آراء پر عمل، نفس کے جوابات کو قبول کرنا اور آباء واجداد کی اندھی تقلید'' کی شدید الفاظ میں مذمت وارد ہوئی ہے۔ جیسا کہ متعدد مرتبہ بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ ''تقلید فقہی'' اور ''تقلید لغوی'' میں فرق ہے۔ ''تقلید فقہی'' ایک عملی، عقلی اور ہر دور میں قابل قبول اور رائج طریقہ زندگی رہا ہے۔ ذخیرہ حدیث میں متعدد ایسی احادیث ہیں جو ''تقلیدِ فقہی'' کو ثابت کرتی ہیں بلکہ اہل بیت علیہم السلام اپنے بلند پایہ اصحاب کو مختلف علاقوں میں بھیجا کرتے تھے اور وہاں کے رہنے والوں سے مطالبہ کرتے تھے کہ صحابیِ امامؑ جو فتویٰ بیان کرے اہلیانِ علاقہ واجب ہے کہ وہ اس پر عمل کریں۔

''تقلید فقہی'' پر دلالت کرنے والی روایات کو تین مجموعوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

☆ وہ روایات جن میں اہل بیت علیہم السلام نے اپنے شیعوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ جن مسائل شرعی کو وہ نہیں جانتے ان میں وہ ''راویانِ اہل بیت علیہم السلام اور فقہاء شیعہ'' کی تقلید کریں اور ان کی طرف رجوع کریں۔

☆ وہ روایات جن میں امام معصوم علیہم السلام بذات خود اپنے صحابی کو یہ حکم فرماتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان بیٹھو اور فتویٰ بیان کرو۔

☆ وہ روایات جن میں علماء وفضلاء کی فضلیت اور ان کی شان ومنزلت کا بیان ہے اور علماءِ حقہ کو اسلام کا قلعہ قرار دیا گیا ہے

اوران فقہاءِ باشرائط کے فتاویٰ کا حکم امامؑ سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس طرح توجہ رہنی چاہیے کہ علماء بزرگ نے ''تقلیدِ فقہی'' کے بیان کے لیے سب سے زیادہ جن روایات سے استفادہ کیا ہے۔ وہ ''تیسرا مجموعہ روایات'' ہے۔ کیونکہ اس مجموعے سے روایات میں بعض ایسی احادیث آتی ہیں جن میں باشرائط فقیہ کے فتویٰ کو براہِ راست ''امام معصوم علیہم السلام کا حکم'' قرار دیا گیا ہے اور یہ تصریح کی ہے جس سے ان فقہاء عادل کے حکم کا انکار کیا۔ گویا اس نے امام معصومؑ کے حکم کا انکار کیا اور جس نے امام معصوم علیہ السلام کے حکم کا انکار کیا، اس نے اللہ سبحانہ کے حکم کا انکار کیا اور ایسے منکر کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ طاغوت کا پیروکار ہے۔

اختصار کے پیش نظر ہم صرف پہلے دو مجموعہ روایات میں سے بعض روایات پیش کر رہے ہیں:

پہلا مجموعہ احادیث:

(حدیث نمبر ۱)

شیخ صدوق علیہ رحمہ جن کا دور ''غیبتِ صغریٰ'' کے ساتھ متصل ہے اپنی کتاب ''کمال الدین'' میں اسحاق بن یعقوب کے طریق سے فرمانِ امام زمانہ علیہ السلام نقل کرتے ہیں کہ امام زمانہ علیہ السلام نے اپنے شیعوں کو ''نظامِ نیابت'' عطا کرتے ہوئے فرمایا:

وَ اَمَّا الْحَوَادِثُ الْوَقِعَةُ فَارْجِعُوا فِيهَا اِلٰى رُوَاةِ حَدِيثِنَا فَاِنَّهُمْ حُجَّتِي عَلَيْكُمْ وَ اَنَا حُجَّةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ (۱)

(۱) کمال الدین وتمام النعمۃ، الشیخ الصدوق، ج ۲ ص ۴۸۴، باب ۴۵

اور جب (انفرادی، اجتماعی اور سیاسی زندگی) میں بڑے بڑے مسائل پیش آئیں تو ان پیش آنے والے مسائل میں ہماری حدیثیں بیان کرنے والے راویوں (علماء) کی طرف رجوع کرو، یہ تم لوگوں پر میری طرف سے حجت ہیں اور میں ان پر اللہ کی حجت ہوں۔

اس حدیث مبارکہ میں امام مہدی علیہ السلام واضح الفاظ میں فرماتے ہیں کہ زندگی میں اُٹھنے والے مسائل کے حل کے لیے ان باشرائط علماء کی طرف رجوع کیا جائے جو ہماری احادیث کو بیان کرتے ہیں اور ان احادیث سے آئمہ طاہرین علیہم السلام کی بیان کردہ ہدایت کو پیش کرتے ہیں۔

ممکن ہے یہاں کوئی اعتراض کرے کہ اس ''توقیع مبارک'' میں راویوں کی طرف رجوع کرنے کا ذکر ہے نہ کہ علماء۔

ایسے میں کہا جائے گا کہ عالم اسے کہتے ہیں جو جانتا ہو۔ جو انسان اہل بیت علیہم السلام کی احادیث کو جانتا اور بیان کرتا ہے وہ جہاں راوی کہلانے کا مستحق ہے وہاں یقیناً ''عالم'' کا جامع عنوان بھی اس پر صدق کرتا ہے۔ پس علماء سے مراد ہر جاننے والا نہیں بلکہ بعض شرائط کا حامل عالم ہے جن میں سے اہم ترین شرط ''آئمہ طاہرین علیہم السلام کی روایات'' کا عالم ہونا ہے۔

(حدیث نمبر)

اسی طرح ایک اور حدیث ''تقلید فقہی'' پر دلالت کرتی ہے جو کہ امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے۔ یہ حدیث ''اُس تفسیر'' میں وارد ہوئی ہے جو امام حسن عسکری علیہ السلام سے منسوب ہے امام عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں:

فَاَمَّا مَنْ كَانَ مِنَ الْفُقَهَاءِ صَائِناً لِنَفْسِهِ، حَافِظاً لِدِينِهِ مُخَالِفاً لِهَوَاهُ، مُطِيعاً لِأَمْرِ مَوْلَاهُ فَلِلْعَوَامِّ اَنْ يُقَلِّدُوهُ وَذَلِكَ لَا يَكُونَ اِلَّا بَعْضَ فُقَهَاءِ الشِّيعَةِ لَا جَمِيعَهُمْ (۲)

(تفسیر الامام الحسن العسکری علیہ السلام، ص ۳۰۰، سورۃ البقرۃ: الایات ۷۸ الی ۷۹)

پس جہاں تک ''فقہاء'' میں سے ان لوگوں کا تعلق ہے جو اپنے نفس کی حفاظت کرنے والے ہیں، اپنے دین کے محافظ ہیں، ہوائے نفسانی کی مخالفت کرتے ہیں، اپنے مولا و آقا کے مطیع و فرمانبردار ہیں، تو عوام کو چاہیے ان فقہاء کی تقلید کریں، یہ شرائط تمام ''فقہاءِ شیعہ'' میں نہیں پائی جائیں گی بلکہ بعض فقہاءِ شیعہ میں ہوں گی۔

امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول یہ روایت درحقیقت دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ ان جلیل القدر فقہاء کے بارے میں ہے جو اعلیٰ ترین شرائط کے حامل ہونے کی وجہ سے قابل تقلید ہیں۔ نیز یہ جلیل القدر فقہاء ہر دور میں قلیل تعداد میں ہوں گے۔ جبکہ روایت کا دوسرا حصہ ''ان فقہاءِ بدنصیب'' کے بارے میں ہے جو اپنے قبیح اعمال کی وجہ سے مستحق لعنت ہیں۔ لہٰذا ہمیں پہچان کرنی چاہیے کہ ہمیں کس فقیہ سے تعلق اور رابطہ ایجاد کرنا ہے۔ پس اس روایت کے مطابق دو طرح کے فقہاء عالم اسلام میں موجود ہیں:

- ☆ وہ فقہاء جو مکتب اہل بیت علیہم السلام کے پیروکار ہیں اور قبائح و رذائل اور حرام کردہ چیزوں سے بچتے ہوئے صرف اپنے ''مولا'' کی اطاعت کرتے ہیں۔ عوام الناس پر ان فقہاءِ جلیل القدر کی تقلید کرنا ضروری ہے۔
- ☆ وہ فقہاء جو قرآن و حدیث پڑھتے ہیں لیکن بدکاریوں میں مشغول رہتے ہیں اور علم حاصل کر لینے کے بعد اپنے اوپر تقدس کا جھوٹا لباس اوڑھ کر لوگوں کے دلوں سے اہل بیت علیہم السلام کی محبت ختم کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ

"لشکرِ یزید" سے بدتر ہیں اور ناصبیوں کی فہرست میں شمار ہوں گے۔ عوام الناس کو ان سے بچنا ضروری ہے۔

پس مکتب تشیّع کی ہدایت کے لیے امام حسن عسکری علیہ السلام نے اس روایت میں "تقلیدِ فقہی" کو بیان کیا ہے اور اُن اہم ترین شرائط کو ذکر کیا ہے جن کو دیکھنا ہر شیعہ کے لیے ضروری ہے۔ درج ذیل صفات ہر اس فقیہ میں ہونی چاہیے جس کی تقلید عوام الناس کرتی ہے:

☆ اپنے نفس کی حفاظت کرنے والا ہو، یعنی نفس کو گناہوں کی دلدل میں جانے سے محفوظ رکھے۔

☆ دین کا محافظ ہو، یعنی اہل بیت علیہم السلام کے اعتقادات کا حامل ہو اور نظریات کو آلودہ کرنے سے بچائے ہوئے ہو۔

☆ ہوائے نفسانی کا مخالف ہو، یعنی نفسانی خواہشات پر لبیک کہنے والا نہ ہو، بلکہ حلال وحرام کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ اخلاق، مروّت اور آداب اسلامی سے واقف ہو اور ان کے مطابق زندگی بسر کرتا ہو۔

☆ اپنے مولا وآقا کا مطیع ہو، یعنی اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام کا حقیقی پیروکار، فرمانبردار اور مطیع ہو۔ ایک لحظے کے لیے بھی اہل بیت علیہم السلام کی اطاعت سے رُخ نہ موڑنے والا ہو۔ کیونکہ جیسے ہی وہ اہل بیت علیہم السلام کے راہ وطریق سے منہ موڑے گا وہ قابل تقلید نہیں رہے گا۔

اسی روایت کے دوسرے ٹکڑے میں ان اہل علم سے خبردار کیا ہے جو اہل بیت علیہم السلام کے علوم کو پڑھ لیتے ہیں لیکن قبیح چیزوں کو انجام دیتے ہیں، گناہ سے نہیں کتراتے اور بعض تو ایسے بھی ہوتے ہیں جو اہل بیت علیہم السلام کی روایات سے علوم حاصل کرتے ہیں لیکن جب علم حاصل کر لیتے ہیں تو "نعوذ باللہ" اہل بیت علیہم السلام کی طرف نقائص وعیوب کو منسوب کرتے ہیں اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کی منزلت گرا دیتے ہیں اور ان کی طرف جھوٹی باتیں گھڑ گھڑ کر منسوب کرتے ہیں اور انہیں "نعوذ باللہ" گناہ گاروں کی صف میں شامل گردانتے ہیں۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے اس روایت کے دوسرے حصہ میں "شیعہ" کو خبردار کیا ہے کہ اس طرح کے فاسق وفاجر لوگوں سے دُور رہیں اور ایسے بدطینت افراد کو لشکرِ یزید سے زیادہ خطرناک قرار دیا ہے۔

روایت کے دوسرے حصے کے مطابق "لشکر یزید نے کربلا والوں کی جان، مال کو لوٹا تھا لیکن وہ پیروکارِ امام حسین علیہ السلام کا اسلام، ایمان اور محبت وولایت" نہیں چھین سکا۔ کربلائیوں نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا لیکن اپنا ایمان، محبت اور عقیدہ ولایت کو بچا لیا، لیکن "صفاتِ رذیلہ سے متصف یہ علماء" جھوٹی باتیں بیان کر کے ضعیف العقیدہ شیعوں کے دلوں

سے ''محبت اہل بیت علیہم السلام'' کو چھین لیتے ہیں۔ اس لیے امام حسن عسکری علیہ السلام نے اس طرح کے علماء کو ''لشکرِ یزید'' سے زیادہ خطرناک قرار دیا ہے۔ کیونکہ جو کام یزید اور اس کے ہمنوا نہ کر سکے ''یہ ناصبی علماء'' اہل بیت علیہم السلام کے مکتب سے اپنے آپ کو موسوم کرتے ہیں اور ضعیف العقیدہ شیعوں کے دل سے محبت اہل بیت علیہم السلام چھین لیتے ہیں۔ یقیناً اہل بیت علیہم السلام کے حقیقی پیروکار کو دونوں قسم کے فقہاء میں فرق کرنا چاہیے تا کہ اپنے مولا و آقا امام حسن عسکری علیہ السلام کی ہدایت پر عمل پیرا ہو سکیں۔

دوسرا مجموعہ احادیث:

دوسرا مجموعہ حدیث ان روایات پر مشتمل ہے جن میں آئمہ طاہرین علیہم السلام اپنے مخصوص اصحاب کو فتویٰ دینے کی تلقین کیا کرتے اور لوگوں کو ان کی طرف رجوع کا حکم دیا کرتے تھے۔ اس مضمون پر مشتمل متعدد روایات معتبر کتب احادیث ورجال میں وارد ہوئی ہیں جن کا احاطہ اس مختصر تحریر میں ممکن نہیں۔ ذیل میں بطور نمونہ چند احادیث ذکر کی جارہی ہیں جن سے ''نظام نیابت'' اور ''تقلید فقہی'' کی حقیقت آشکار ہو جاتی ہے۔:

(حدیث نمبر ۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام کے جلیل القدر اصحاب میں سے ایک ''محمد بن مسلم'' ہیں جن کی شان و منزلت امام صادق علیہ السلام نے بذاتِ خود بیان فرمائی ہے۔ امام صادق علیہ السلام کے صحابی ''عبداللہ بن ابی یعفور'' بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ میں ہر گھڑی آپؑ سے نہیں مل سکتا اور آپ کی خدمت علیہ السلام میں آنا بھی میرے لیے ممکن نہیں ہوتا، ہمارے اصحاب (شیعوں) میں سے ایک شخص آتا رہتا ہے جو مجھ سے سوال کرتا ہے۔ وہ جب بھی سوال کرتا ہے میرے پاس اس کا جواب نہیں ہوتا، امام علیہ السلام نے فرمایا:

فَمَا يَمْنَعُكَ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ الثَّقَفِيِّ فَانَّهُ قَدْ سَمِعَ مِنْ أَبِيْ وَكَانَ عِنْدَهُ مَرْضِيّاً وَجِيْهاً (۳)

(۳) رجال الکشی، محمد بن عمر الکشی رحمہ، ج ۱ ص ۳۸۳، محمد بن مسلم الطائفی الثقفی

تمہیں کیا چیز ''محمد بن مسلم ثقفی'' کے پاس جانے سے منع کرتی ہے، اس نے میرے والد محترم سے احادیث سن رکھی ہیں اور وہ ان کے نزدیک قابل اعتماد شان و منزلت کا حامل ہے۔

یہ روایت ہمیں بتاتی ہے کہ لوگ اپنے مسائل کے حل کے لیے ''عبداللہ بن ابی یعفور'' کے پاس آیا کرتے تھے اور جب وہ کسی سوال کا جواب نہ پاتا تو امام علیہ السلام کی طرف رجوع کیا کرتا۔ لیکن ''ابن ابی یعفور'' کے لیے امام علیہ السلام

کی خدمت میں ہر وقت حاضر ہونے کا موقع نہیں ہوتا تھا۔ایسے میں امامؑ نے اسے "محمد بن مسلم" کی طرف رجوع کرنے کا کہا تا کہ "محمد بن مسلم" نے جو اہل بیت علیہم السلام کے درّ سے حاصل کیا ہے۔اس سے سوالات کے جوابات پیش کرے اور لوگ ان جوابات کو سُن کر اس پر عمل کریں۔

(حدیث نمبر)

معروف رجالی "احمد بن علی النجاشی علیہ رحمہ" اپنی مایہ ناز کتاب "رجال نجاشی" میں امام باقر علیہ السلام کے اصحاب میں سے "ابان بن تغلب" کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام باقر علیہ السلام نے ابان بن تغلب کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اجْلِسْ فِي مَسْجِدِ الْمَدِينَةِ وَأَفْتِ النَّاسَ فَإِنِّي اُحِبُّ أَنْ يُرَى شِيعَتِي مِثْلُكَ (۴)

(۴) رجال النجاشی، احمد بن علی النجاشی رحمہ اللہ، ص ۱۰، باب الالف، ابان بن تغلب بن ریاح)

(اے ابان) تم اپنے شہر (کوفہ) کی مسجد میں بیٹھو اور فتویٰ دو، کیونکہ مجھے پسند ہے کہ میرے شیعوں میں تمہارے جیسے (فقہاء) دکھائی دیں۔

امام باقر علیہ السلام "مدینہ منورہ" میں مسکون تھے جبکہ ابان بن تغلب کو "کوفہ" کی مسجد میں بیٹھنے کو کہا۔بعض روایات میں لفظِ "مدینہ" کی جگہ لفظ "کوفہ" آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابان بن تغلب کو کوفہ کی مسجد میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کوفہ کے رہنے والے اپنے مسائل کے حل کے لیے امام باقر علیہ السلام تک نہیں پہنچ سکتے تھے اس لیے ان لوگوں کے مسائل کے حل کے لیے "ابان بن تغلب" کو حکم دیا کہ وہ کوفہ کی مسجد میں بیٹھیں اور فتویٰ دیں۔ پھر امام باقر علیہ السلام اپنی خواہش بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں اپنے شیعوں میں تم جیسوں کو دیکھنا چاہتا ہوں جو اہل بیت علیہم السلام سے علم حاصل کریں اور ان کے علم کی روشنی میں لوگوں میں بیٹھ کر فتویٰ بیان کریں۔

"ابان بن تغلب" کے بارے میں اسی طرح ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ "مسلم بن ابی حیہ" مدینہ منورہ آئے ہوئے تھے اور جب واپس سفر کا ارادہ کیا تو امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تا کہ وہ امام صادق علیہ السلام کو الوداع کر دیں۔ "مسلم بن ابی حیہ" نے امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ علیہ السلام مجھے اپنے علوم میں سے نوازیں۔امام صادق علیہ السلام نے اسے فرمایا:

ائْتِ أَبَانَ بْنَ تَغْلِبَ ، فَإِنَّهُ قَدْ سَمِعَ مِنِّي حَدِيثًا كَثِيراً فَمَا رَوَى لَكَ فَارْوِهِ عَنِّي (۵)

(۵) رجال الکشی، محمد بن عمر الکشی رحمہ اللہ، ج ۲ ص ۶۲۳ ما روی فی آبان بن تغلب

تم ابان بن تغلب کے پاس جاؤ، اس نے مجھ سے بہت زیادہ روایات سن رکھی ہیں، لہٰذا وہ جو روایت میری طرف سے تمہارے سامنے بیان کرے تو اسے میری طرف سے آگے نقل کرو۔

(حدیث نمبر ۳)

''علی بن مسیّب'' بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ میرا گھر بہت دور ہے اور میں ہر وقت آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا، پھر میں اپنے دین کی معلومات کس سے حاصل کروں؟

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

مِنْ زَكَرِيَّا بْنِ آدَمَ الْقُمِّيِّ الْمَأْمُونِ عَلَى الدِّينِ وَالدُّنْيَا، قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمُسَيَّبِ: فَلَمَّا انْصَرَفْتُ عَلَى زَكَرِيَّا بْنِ آدَمَ فَسَأَلْتُهُ عَمَّا احْتَجْتُ إِلَيْهِ (۶)

(۶) رجال الکشی، محمد بن عمر الکشی رحمہ اللہ ج ۲، ص ۸۵۸، ما روی فی زکریا بن آدم القمی)

تم ''زکریا بن آدم قمی'' سے دین کو حاصل کرو جو کہ دین اور دنیا میں امان شدہ و معتبر ہیں۔ علی بن میسّب کہتے ہیں: میں جب واپس لوٹ آیا تو ''زکریا بن آدم'' کے پاس گیا اور میں نے اُن سے ان چیزوں کے بارے میں سوال کیے جن کی مجھے ضرورت تھی۔

یہ روایت بھی ''تقلیدِ فقہی'' کو بیان کرتی ہے کہ ''زکریا بن آدم'' قم مقدسہ کے رہنے والے تھے جو آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے علوم سے آراستہ تھے اور مخصوص شرائط کے حامل ہونے کی بناء پر ''امام رضاؑ'' کے موردِ اعتماد تھے۔ وہ لوگ جو امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے مسائل کو حل نہیں کر سکتے تھے امام رضا علیہ السلام نے ان شیعوں کو حکم دیا کہ وہ زکریا بن آدم کی طرف رجوع کریں اور وہ جو ''جواب'' دیں اس پر اکتفا کریں۔

اسی طرح کی روایت ''یونس بن عبدالرحمٰن'' کے بارے میں بھی ملتی ہے جس میں ان کی طرف رجوع کرنے کا امام علی رضا علیہ السلام نے حکم دیا۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام نے دور دراز علاقوں کے لیے اپنے نمائندے مقرر کیے ہوئے تھے جو آئمہ طاہرین علیہم السلام کے علوم کی روشنی میں لوگوں کے شرعی مسائل ''فتویٰ'' کی صورت میں حل کرتے تھے۔ اس زمانے میں سفر کی دشواریاں آج کے دور کی نسبت کہیں زیادہ تھیں۔ جس کی وجہ سے دیگر شہروں میں رہنے والے

عوام الناس ''آئمہ طاہرین علیہم السلام'' تک نہیں پہنچ پاتے تھے۔ نیز اس دورِ حکومت اور دشمنانِ اہل بیتؑ کی کثرت وسختی بھی ایک بڑی رکاوٹ تھی کہ عوام الناس آزادانہ طور پر آئمہ طاہرین علیہم السلام سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے۔ پس جو افراد آئمہ طاہرین علیہم السلام کی حیاتِ طیبہ میں ان تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ان لوگوں کو ''تقلید فقہی'' یعنی باشرائط فقیہ کی طرف رجوع کو ''حلِ مشکل'' کی صورت میں متعارف کروایا۔ آئمہ اہل بیت علیہم السلام کا یہی متعارف کردہ ''نظامِ نیابت'' آج بھی اسی طرح تشیع کی ضروریات کو پورا کر رہا ہے اور لوگوں کو اہل بیتؑ سے مستمسک رکھے ہوئے ہے۔ جس طرح گیارہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کی زندگانی مبارک میں اس نظام نے تشیع کی رہنمائی کی۔ یہ نظام خود ساختہ ایجاد نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد بذاتِ خود آئمہ طاہرین علیہم السلام نے رکھی اور زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ یہ نظام بھی ترقی کرتا گیا جس کی ترقی یافتہ صورت ''ولایت فقیہ اور مرجعیت'' کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔

''ولایت فقیہ'' سیاسی واجتماعی میدان میں نیابت کی ذمہ داریوں کو پورا کرتی ہے اور ''مرجعیت'' فقہی وانفرادی میدان میں پیش آنے والے مسائل ومشکلات کے حل کے لیے نیابت کی ذمہ داریوں کو انجام دے رہی ہے۔

پس یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''مکتبِ تشیع'' میں خود ساختہ اور لغوی تقلید کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ نظامِ نیابت جس کی بنیاد آئمہ اہل بیت علیہم السلام نے اپنے طاہر واطہر دستِ مبارک سے رکھی، کی پیروی کو اصطلاحی طور پر ''تقلید'' کہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ''نظامِ نیابت'' کا پیروکار نہ ہو اور اہل بیت علیہم السلام کے بیان کردہ علوم سے اپنے مسائل حل نہ کرے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متواتر وصیت یعنی حدیث ثقلین کے مطابق قرآن واہل بیت علیہم السلام سے متمسک نہیں ہے۔

اللہ سبحانہ ہمیں نظام اہل بیت علیہم السلام سے متمسک رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور غیبت امام برحق صاحب العصر والزمان علیہ السلام میں ''ولایت فقیہ اور مرجعیت'' جیسے پاکیزہ اور الٰہی نظام کی حفاظت فرمائے جو کہ آج کے دور میں دشمنانِ اسلام کی آنکھ کا کانٹا بنا ہوا ہے اور جسے ہر لحظہ منہدم کرنے کی سازش وکوشش جاری ہے لیکن اللہ سبحانہ اپنے نور کی تکمیل کے لیے رہتا ہے اور اسی کی تدبیر اس نظام کی حفاظت کا باعث ہے۔

سید محمد حسن رضوی اسلام آباد

۱۵ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

عرضِ مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکتب تشیع جسے بلا شبہ حقیقی اسلام ہونے کا اعزاز حاصل ہے، آج چودہ صدیاں گذر جانے کے بعد بھی ہم تک اصلی حالت میں پہنچا ہے۔ اس کی وجہ آئمہ طاہرینؑ کی لازوال کاوشیں اور قربانیاں ہیں اور ان کا بنایا ہوا نظام ہے جو آئمہ طاہرینؑ کے بعد ان کے نائبین، نمائندگان، مجتہدین، مراجع عظام کے ذریعے ہم تک پہنچا۔ جس سے کسی بھی تاریخ کے طالبعلم کو انکار نہیں ہوسکتا۔ ائمہ اطہارؑ نے اپنے ادوار میں دین محمدؐ کی بقا، اصل دین کی حفاظت اور ترویج نیز انحرافات و آفات سے بچانے کے لیے ذمہ دارانہ کردار ادا کرتے ہوئے خود اپنے چاہنے والوں سے بھرپور رابطہ رکھا اور جہاں ممکن نہ ہوا وہاں اپنے خاص نمائندگان کے ذریعے اپنے چاہنے والوں سے بھرپور رابطہ رکھا اور دین مبین کے پیروان کو بھٹکنے سے بچانے کے لیے ایسے اقدامات کیے کہ تاریخ میں سنہری حروف سے درج ہیں۔ ہم تک جو دین اپنی صحیح اور اصلی حالت میں پہنچا ہے۔ وہ نائبانِ امام مہدیؑ کی زحمتوں، محنتوں، کاوشوں اور قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ اب ہماری شرعی و دینی ذمہ داری ہے کہ اسے اگلی نسلوں تک صحیح حالت میں پہنچائیں۔

چودہ سو سال کے واقعات گواہ ہیں کہ آنے والی ہر حکومت نے ظلم و تشدد کے ساتھ آل محمدؐ کے پیغام اور ماننے والوں کو دبانے اور مٹانے کی کوشش کی تو پھر خدا کی مدد اور ایمان کی تائید کے علاوہ اور وہ کیا چیز تھی جس نے ان تمام مشکلات اور ظلم و تشدد کے باوجود آل محمدؐ کے ماننے والوں کو باقی رکھا۔ یہ ہر دور میں پیدا ہونے والے ملت کے وہ قائد تھے وہ علماء تھے جنہوں نے اپنے ماحول کے تقاضوں کے مطابق اور اپنے زمانے کے ظالم اور اس کے ظلم کو دیکھتے ہوئے کچھ اس خوبی کے ساتھ آلِ محمدؐ کے ماننے والوں کی قیادت کی کہ جیسے جیسے ظلم بڑھتا گیا ویسے ویسے آل محمدؐ کے ماننے والے ترقی کرتے گئے اور کر رہے ہیں۔ صحیح معنوں میں کوئی ان علمائے اعلام کے تدبر اور دانش مندی کو دیکھ لے تو اس کے بعد ظہور امام مہدی علیہ السلام تک جیسے ہی حالات کیوں نہ پیش آجائیں ہر ماحول میں زندگی بھی گزارنا آجائے گی اور ظلم و تشدد اور ظلمت کے باوجود ترقی کرنا بھی سمجھ میں آجائے گا اور ظہور امام مہدی علیہ السلام تک فقہ بھی ہرگز ہرگز تبدیل نہ ہوگی، یہ بھی سمجھ میں آجائے گا۔

وطن عزیز پاکستان میں حالیہ چند سالوں سے مراجع عظام کے خلاف زبردست پراپیگنڈہ کا سلسلہ جاری ہے۔ اس کی ایک وجہ تو طاغوتی طاقتوں کا اعلان شدہ بہت بڑا سرمایہ ہے جو مرجعیت کو پاکستان میں پنپنے نہیں دے رہا۔ جبکہ اس کی

بنیادی وجہ ہمارے دینی مدرسوں، علماء اور صاحبان منبر و عزا کی بے حسی ہے کہ جنہوں نے امام وقت، امام مہدی علیہ السلام کا حق ادا نہیں کیا۔ اگر یہ حق جو ہر شخص کی گردن پر ہے ادا ہو جاتا یا اس کا کچھ حصہ ہی ادا ہو جاتا تو لازمی طور پر نائبان امام مہدی علیہ السلام کا تعارف بھی ہو جاتا اور ان کی عظمتوں پر پڑی گرد صاف ہو جاتی لیکن جب امام مہدی علیہ السلام کا ذکر پاک ہی نہیں ہوا تو آپؑ کے نائبان کا ذکر کیا ہوتا۔

ہماری خوش بختی وسعادت ہے کہ ہم زمانہ آخر الزمانؑ میں زندگی بسر کر رہے ہیں گویا ہم امام زمانہؑ کے امتی ہیں، وہ امامؑ جو امر الٰہی کی پابندی کرتے ہوئے غیبت میں ہیں مگر ان کی طرف سے ان کے نمائندگان، مراجع عظام اور مجتہدین کرام اُمت کی رہبری ورہنمائی کے لیے موجود ہیں اور دنیاوی، سیاسی نظاموں کے مقابل مؤثر کردار ادا کر رہے ہیں۔ حضرت امام مہدیؑ کی طرف سے دینی وشرعی معاملات اور کٹھن حالات میں ان سے رجوع کرنے کی تاکید ہے۔ آج اگر ہم دنیا کے حالات دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ مرجعیت دینی کس طرح اسلام کے حقیقی چہرے کی حفاظت کر رہی ہے اور مکتب کو بھی حفظ کیا جا رہا ہے۔ آج شام، عراق، ایران، یمن، سعودی عربیہ، بحرین، فلسطین، لبنان، کویت، قطر اور پورے مشرق وسطیٰ کے حالات میں مرجعیت دینی کا کردار روشن، واضح اور سب سے مؤثر ہے، امام مہدی علیہ السلام کے ظہور سے قبل دنیا کے حالات میں تغیر وتبدیلی کی نوید سنائی گئی ہے۔ ظہور کے نزدیک بہت بڑے بڑے فتنوں کی خبریں بھی سنائی گئی ہیں جبکہ عالمی جنگوں اور قحط کی بات بھی کی گئی ہے۔ دین میں انحرافات اور بڑے بڑے لوگوں کے بھٹک جانے کی خبریں بھی کتب تاریخ میں درج ہیں۔ ان میں سے بہت ہو چکا اور کچھ ہونا باقی ہے، ظہور نزدیک ہے اور یقینی ہے، زحمتوں کا اختتام قریب ہے۔

مکتب اہل سنت کے نزدیک ایک حدیث سرور دو جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ جب دین میں کجی واقع ہو جاتی ہے تو خداوند متعال ہر سو سال بعد ایک ایسے شخص کو بھیجتا ہے جو دین اسلام کی کجی یعنی ٹیڑھے پن کو صحیح کرتا ہے، دین کی تجدید کرتا ہے، اُسے مجدد کہا جاتا ہے۔

مکتب تشیع اختلاف رکھتے ہیں اُن کے نزدیک نظریہ ولایت فقیہ اور مرجعیت ہی دین کی تجدید کے ذمہ دار ہیں۔

مکتب اہل سنت نے تاریخی طور پر جائزہ لیا ہے کہ گذشتہ صدیوں میں دین کی تجدید وحفاظت کرنے والے کون سے صاحبان ایمان ہیں۔ تاریخ ابن خلکان مشہور ومعروف اور مقبول تاریخ ہے۔ ابن خلکان لکھتا ہے کہ پہلی صدی کے مجدد امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں دوسری صدی کے مجدد امام مہدی علیہ السلام ہیں۔ ابن اسیر نے بھی اپنی کتاب میں ایک فہرست دی

ہے اور بہت سی کتب میں بھی ذکر ہے۔ مجموعی طور پر کہا گیا کہ پہلی صدی کے مجدد امام محمد باقر علیہ السلام ہیں۔ دوسری صدی کے مجدد امام رضا علیہ السلام ہیں، تیسری صدی کے مجدد جناب محمد یعقوب کلینیؒ کو کہا گیا۔ چوتھی صدی کے مجدد سید مرتضیٰ علم الہدیٰؒ اور بعض نے شیخ مفیدؒ کا نام لکھا۔ پانچویں صدی کے مجدد امام مفسرین فضل بن حسن طبرسیؒ کو لکھا گیا۔ جنہوں نے مجمع البیان جیسی عظیم الشان تفسیر لکھی۔ چھٹی صدی کے مجدد خواجہ نصیر الدین طوسیؒ کو کہا گیا جن کے تدبر سے عباسی حکومت ختم ہوئی۔ ساتویں صدی کے مجدد علامہ حلیؒ کو لکھا گیا جن کی وجہ سے ایران میں شیعیت کی پہلی اینٹ رکھی گئی۔ آٹھویں صدی کے مجدد علامہ حلیؒ کے نابغہ روزگار بیٹے فخر الدینؒ کے شاگرد شمس الدین محمد شہید اولؒ کو قرار دیا گیا۔ نویں صدی کے مجدد محقق کرکیؒ کو کہا گیا۔ دسویں صدی کے مجدد محمد حسین شیخ بہائی ٹھہرے۔ گیارہویں صدی کے مجدد علامہ محمد باقر مجلسیؒ کو کہا گیا۔ بارہویں صدی کے مجدد محمد باقر وحید بہبہانیؒ کو لکھا گیا۔ تیرہویں صدی کے مجدد مرزا حسن شیرازی کو کہا گیا، جن کا تمباکو کا فتویٰ پوری دنیا میں معروف ہوا۔ چودہویں صدی کا مجدد امام خمینیؒ کو کہا گیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوسرے مکاتب فکر نے مکتب تشیع میں کیسے مجددین نامزد کیے۔ آپ آج کا اپنا دور دیکھیں کہ پاکستان کے تمام مکاتب فکر علماء نے امام خمینیؒ کو چودہویں صدی کا مجدد قرار دیا۔ اسی طرح سے ہر صدی میں مجددین قرار دیئے گئے۔ انہیں مجددین کا حیات نامہ اس کتاب کی زینت قرار پایا ہے۔ جو بہر حال عالم تشیع کے مایہ ناز اکابرین میں سے ہیں اور ماننا پڑے گا کہ دین کی تجدید کرنے والے ہیں۔

دین اسلام آنے کے بعد آج تک تقریباً چودہ صدیاں گذر چکی ہیں ان میں مسلمان تسلسل سے انحرافات کا شکار ہوتے چلے آئے ہیں، جس کے باعث مسلمان ہی کئی فرقوں میں تقسیم ہو چکے ہیں بلکہ ان فرقوں کی مزید شاخیں سامنے آرہی ہیں۔ اسلام میں تمام فرقوں کی جتنی بھی قسمیں ہیں اُن میں مشترکات 90% سے 95% تک ہیں۔ اختلاف 5 سے 10 فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔ انصاف۔ عقل و شعور کا تقاضا یہ ہے کہ مشترک امور کی بات کی جائے چہ جائیکہ اختلافات کو ہوا دی جائے۔ اس پُرآشوب زمانے میں جبکہ دنیا امام مہدی علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حکومت کی راہ تک رہی ہے۔ جس میں دین تو فقط اسلام ہی ہوگا اور یہ پروردگار عالم کا وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا تو پھر اختلاف کیسا، اسلام میں تفرقہ کیا معنی رکھتا ہے جبکہ دنیا کے تمام مذاہب بھی اسلام قبول کرلیں گے۔ جب دنیا کے تمام مذاہب کے ماننے بھی مستقبل کے مسلم ہیں تو پھر ان سے نفرت کیسی؟ اسلام تو محبت کا مذہب ہے۔ دل شکنی، دل آزاری سے بہت دُور ہے۔ وہ تو اپنے قاتل کو بھی شربت پلانے کا درس دیتا ہے۔ وہ تو اگر قاتل بھی پناہ مانگے تو پناہ دیتا ہے۔ آج طاغوت نے ایسے حالات پیدا کر دیئے ہیں کہ نعرہ

تکبیر کے ساتھ مسلمان مسلمان کا گلا کاٹ رہا ہے۔ غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ حسن سلوک اور رواداری کے بجائے عورتوں اور بچوں کے حقوق کو ایسا پامالی کیا گیا ہے کہ نوجوان دوشیزہ کو بے دردی سے قتل کر کے درخت سے باندھ دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ہر کوئی اس کے منہ پر تھوکے اور تھوکا جاتا ہے۔ کیا یہ اسلام ہے؟

مکتب تشیع کے پیروان کی خوش قسمتی ہے کہ وہ نظام امامت کے ساتھ منسلک ہیں اور نظام مرجعیت کے تابع ہے جو مکتب امامت پر آنے والے تیروں کو اپنے اوپر لے کر اسے محفوظ رکھنے میں فداکارانہ کردار ادا کرتا ہے۔ الحمدللہ نظام مرجعیت سے مربوط افراد، تہذیب، شائستگی اور صبر و تحمل کے ساتھ تاریخ رقم کر رہے ہیں۔ آج کی تاریخ گواہ ہے کہ انھوں نے صبر کا دامن تھام رکھا ہے اور وہ یہ سب کچھ نہیں کر رہے جو اسلام کے نام پر ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ مرجعیت اس کی اجازت نہیں دیتی کیونکہ قرآن و سنت میں اس کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے گرچہ خون کا بدلہ خون ہی کیوں نہ ہو۔

مراجع عظام نے اپنی جانوں پر کھیل کر دین مبین کو ہم تک اصلی شکل میں پہنچایا ہے۔ مرجعیت کی تاریخ بھی امامت کی تاریخ سے مربوط ہے۔ طول تاریخ میں کون کون مراجع گذرے ہیں، کس نے کونسا کارنامہ سرانجام دیا، کس کے فتوی نے اقتدار پر قابض حکمرانوں کی نیندیں اڑا دیں، کس کا سکہ چلتا تھا، کس کا رابطہ حضرت صاحب العصر علیہ السلام کے ساتھ تھا اور کس کے نام پر امامؑ کی توقیع جاری ہوئی تھی، کس کی کیا خدمت ہے، کس نے کون سی مشکلات جھیلیں اور مکتب کو بچایا۔ یہ سب طویل داستان ہے جو بہت ہی اثر پذیر ہے اور کئی کتابوں کا مواد رکھتی ہے، ہر شخصیت پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں، کچھ پر لکھی بھی گئی ہیں، مگر اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ۔۔۔

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ہماری موجودہ نسل جسے ہم اکیسویں صدی کی نسل کہتے ہیں اپنے ان محسنوں کے کارہائے نمایاں اور خدمات، نیز مراجع عظام کے حالات زندگانی سے یکسر نابلد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں موجود انحرافی ٹولے، گروہ جو حقیقت میں فتنہ پرور ہیں نے مراجع کرام کے خلاف تسلسل سے لغو اور منفی پراپیگنڈہ کا سہارا لیا ہے، نوجوان نسل کو ان کے حقیقی سرپرستوں اور رہنماؤں سے دور کرنے کی سازش کی ہے، شائد یہی وجہ ہے کہ آج کا نوجوان کسی کرکٹ کے کھلاڑی، ٹینس سٹار اور فلمی اداکار کی داستان زیست سے تو بخوبی واقف ہوتا ہے لیکن مجتہدین و مراجع عظام کی خدمات اور کارہائے نمایاں سے اسے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اسلام حقیقی و اسلام محمدی کی کامیابیوں کی تاریخ چونکہ مرجعیت کے مرہون منت رہی ہے اور استعمار نے یہ

درک کیا ہے کہ مرجعیت کا نظام ہی اصل اسلام کی بقاء کا واحد سلسلہ ہے۔ لہٰذا ان کی طرف سے بڑے منظم انداز میں اس پر ضربیں لگانے کی کوششیں سامنے آئیں۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے سامنے ایسے گروہ وجود میں آچکے ہیں جو مرجعیت، مراجع عظام، اجتہاد، ولایت فقیہ اور علماء کرام کے خلاف نہ صرف بدزبانیاں کرتا ہے بلکہ انہیں غلیظ گالیاں نکالنے سے بھی نہیں چوکتا۔ حقیقت میں یہ سب عالمی سازش کا حصہ ہے۔ جس کا مقصد مکتب تشیع پر ضرب لگانا ہے، اس سازش کا توڑ کرنا اور اس کے خلاف عملی اقدامات کرنا ہر مومن کا فرض ہے اگر پوری ملت اس سے آگاہ ہو جائے تو سازشوں کو ناکام بنایا جا سکتا ہے۔ ان فتنہ پروروں کو نکیل ڈالنے اور انحرافی و استعماری سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے ضروری ہے کہ دین حق کی بقاء، ترویج، تبلیغ، حفاظت کے لیے طول تاریخ میں طویل خدمات سرانجام دینے والے مراجع عظام، مجتہدین کرام، علمائے بزرگ کے حالات زندگانی، خدمات دینی سے موجودہ نوجوان نسل کو آگاہ کیا جائے تاکہ ان کے آئیڈیل فنکار، اداکار، گلوکار یا کھلاڑی نہ ہوں بلکہ وہ شخصیات ان کی آئیڈیل ہوں جنہوں نے اپنی جانوں کی پروا کیے بغیر ظالم حکمرانوں کی مخالفت مول لی اور کسی قربانی سے گریز نہیں کیا۔

واقعات اور روایات آپ پڑھیں گے کسی کو سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا بیٹا کہا، کہیں جناب سیدہ کونین سلام اللہ علیہا کسی کی سفارش کرتی ہوئیں نظر آرہی ہیں۔ کہیں کسی کو دوات اور قلم عنایت کی جارہی ہے اور حکم دیا جارہا ہے کہ فقہ لکھو کہیں کسی کو اپنا بیٹا کہا جارہا ہے، کہیں مولائے کائنات حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کسی کی تائید کرتے نظر آئیں گے۔ کہیں کسی کو امام مہدی علیہ السلام اپنا فرزند کہیں گے۔ کہیں کسی کو امام مہدی علیہ السلام فرمائیں کہ تم اپنا کام کرتے رہو ہم اپنا کام کرتے رہیں گے۔ کہیں کسی نے مرجعیت کا عہدہ قبول نہ کیا اور شرط لگائی کہ خود امام مہدی علیہ السلام مقرر فرمائیں تو مولا خواہش کی تکمیل کرتے نظر آتے ہیں۔ جس نظام کی سرپرستی خود امام وقت فرما رہے ہیں اُس پر کوئی کیا تبصرہ کر سکتا ہے۔

ٹھیک ہے نام نہاد شیعیان حیدر کرار جو مرجعیت کے خلاف ہیں وہ ہر اُس چیز کو جو مرجعیت سے مربوط ہے اُسے قبول نہ کریں۔ جب ان کے مطابق وہ ہستیاں غلط ہیں تو پھر ان سے منسوب کسی چیز کو قبول نہ کریں، تو سب سے پہلے تو وہ اپنے گھروں سے تحفۃ العوام، مفاتیح الجنان، نہج البلاغہ، باہر نکال دیں اس لیے کہ یہ سب مجتہدین کے توسط سے ہم تک پہنچی ہیں۔ اس کے علاوہ تمام معصومینؑ کی زیارات، سارے سال کے اعمال، مخصوص ایام، ایام عزاء کے اعمال کچھ بھی قبول نہ کریں کہ یہ سب تو مجتہدین کے وسیلہ سے ہیں۔ (واقعات آپ پڑھیں گے)

مثلاً: مفاتیح الجنان اُٹھا کر دیکھیں دُعائے توسل کو در رود طوسی کہا گیا ہے جو آقا و مولا امام مہدی علیہ السلام نے جناب خواجہ نصیر الدین طوسیؒ کو حالت خواب میں عنایت فرمائی۔ دُعائے ابرار اُٹھا کر دیکھیں جناب رضی الدین علی ابن طاوسؒ کے ذریعہ سے ہم تک پہنچیں۔ نہج البلاغہ اُٹھا کر دیکھیں جناب سید رضیؒ نے خطبات مولا علی علیہ السلام کو جمع کیا۔ رضی الدین علی ابن طاوسؒ کی کتاب اقبال دیکھیں۔ کیا کچھ اس میں سے ہمیں نہیں ملا، کس مجتہد سے کون سی دعائیں ہمیں ملی، اگر سارے اعمال اور دُعاؤں کا ذکر کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب درکار ہوگی۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی سورج کو چمکتے ہوئے اپنے سامنے دیکھے اُس کی حرارت سے ملنے والی زندگی اُس کی بقا کی ضامن ہو پھر بھی وہ کہے کہ سورج تو موجود ہی نہیں ہے وجود ہی نہیں رکھتا۔ سورج پر مٹھی بھر خاک پھینک دینے سے اُس کی روشنی کم نہیں ہوتی۔

مجتہدین، مراجع عظام، بزرگ علماء اور عرفاء کی داستان حیات کے نورانی اوراق کہیں یکجا نہیں ملتے۔ یہ بکھرے موتی ہیں جنہیں اکٹھا کرنے کی چھوٹی سی کوشش کی گئی ہے۔ ایسے میں اس کٹھن کام کا بیڑا اس نیت سے اُٹھایا کہ معاشرہ روز بروز آلودہ ہو رہا ہے۔ گمراہی اور انحرافات کے جھکڑ چل رہے ہیں اور سب سے زیادہ نوجوان نسل کو مجتہدین کے خلاف بدزبانیوں پر تیار کیا جا رہا ہے۔ انہیں نہایت منفی انداز میں پیش کیا جا رہا ہے اور نظام مرجعیت کی ضرورت واہمیت سے بھی انکار کیا جا رہا ہے، اپنی تمام تر معروفیات اور ناسازی طبع کے باوجود ہمت کر کے اس موضوع پر دقیق تحقیق کی اور نامور مجتہدین کے اوراق زیست کے چھپے پہلوؤں کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اسے کتاب کی صورت میں آپ قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا گیا ہے، یہ تشنگی تھی جس سے سیراب ہو کر کئی نسلیں پیاس بجھاتی نظر آئیں گی۔

دل کی اتھاہ گہرائیوں سے میں حجۃ الاسلام قبلہ سید حسن ظفر نقوی صاحب کا انتہائی مشکور ہوں اگر وہ رہنمائی نہ فرماتے تو خاندانِ اجتہاد کی عظمتوں، کاوشوں تک رسائی ممکن نہ ہوتی اور اس کے بغیر کتاب نامکمل رہ جاتی، پروردگار عالم سے سب تعاون کرنے والوں کی توفیقات میں اضافہ اور صحت وسلامتی کے لئے دعا گو ہوں۔

بغیر خدائے بزرگ و برتر کے سہارے کے نہ کسی میں قدرت ہے، نہ طاقت، نہ تائید، نہ نصرت، نہ غلبہ اور نہ ہی عزت حاصل ہو سکتی ہے۔ (دُعائے سباسب) ان تمام عنایتوں کیلئے رب ذوالجلال ولاکرام کے حضور سربسجود ہوں۔

سید حسین جعفری

۳ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ جون ۲۰۱۵ لاہور

بسم تعالیٰ

شیخ محمد بن یعقوب کلینیؒ

۲۵۰ھ - ۳۲۹ھ

ایران کے قدیم شہر رئے سے ۳۸ کلومیٹر کے فاصلے پر کُلین نامی قصبہ میں سن ۲۵۰ ہجری میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام محمد رکھا گیا۔ محمد ابن یعقوب ابن اسحاق کُلینیؒ جب یہ بچہ پیدا ہوا تو دسویں امامؑ کی امامت کا دور تھا اور جب یہ چار سال کا ہوا تو گیارھویں امامؑ کی امامت شروع ہو چکی تھی اور جب ۱۰ سال کا ہوا تو زمانہ غیبت صغریٰ کا آغاز ہو گیا۔

آپ کا خاندان کُلین کے قصبہ کا بہت بڑا علمی خاندان تھا اور اس زمانے کے انتہائی ممتاز عالم دین اس خاندان سے تھے۔ اُس علاقے کے تمام علماء کے شیخ اور سردار بھی تھے۔ انہی جلیل القدر علماء کے درمیان آپ کا بچپن گزرا اور ابتدائی تعلیم آپ نے شہر رئے میں حاصل کی۔ شہر رئے آج کے تہران میں شامل ہے جو کہ اس زمانے میں اسلامی دنیا کے اہم ترین شہروں میں سے ایک تھا۔ انتہائی سرسبز و شاداب اور انتہائی علمی، یہ وہی شہر رئے ہے۔ جس کی حکومت کے لالچ میں عمر سعد نے فرزندِ رسولؐ کے خون میں ہاتھ رنگے تھے۔

آپ کے ابتدائی استادوں میں چھتیس استادوں کے نام تاریخ میں ملتے ہیں جن میں نمایاں ترین استاد درج ذیل ہیں

(۱) ابوالحسن محمد بن اسدی کوفی

(۲) احمد بن محمد اشعری

(۳) احمد بن ادریس اشعری

(۴) عبداللہ بن جعفر حمیری

(۵) احمد بن محمد بن عاصم کوفی

(۶) حسن بن فضل بن زید یمانی

(۷) محمد بن حسن صفار

(۸) ابو جعفر برق علی ابن سمری

(۹) علی ابن محمد سمری (جو امام زمانہ علیہ السلام کے چوتھے نائب خاص تھے۔)

(۱۰) سہل بن زیاد آدمی رازی

(۱۱) محمد بن یحییٰ عطار

(۱۲) محمد بن اسماعیل نیشاپوری

(۱۳) احمد بن مہران

(۱۴) جناب علی ابن ابراہیم قمی (جن کی تفسیر قمی انتہائی مستند تفسیروں میں ہے۔ آپ امام حسن عسکریؑ کے صحابی تھے امامؑ کے صحابی کے ہاتھوں لکھی گئی تفسیر کا مطلب ہے کہ امامؑ سے سن کر لکھی ہے۔ چنانچہ اس تفسیر کی علمی حلقوں میں بڑی قدرو قیمت ہے۔)

تمام کے تمام اساتذہ امام رضا علیہ السلام سے لے کر امام حسن عسکری علیہ السلام کے اصحاب میں سے ہیں یا اُن کے اصحاب کے شاگردوں میں سے ہیں۔

جب اتنے جلیل القدر علماء استاد ہوں تو نتیجہ یہ نکلا کہ شہر رَے سے ہجرت کر کے آپ بغداد تشریف لائے تو شہر رَے میں تو آپ شیخ الفقہاء تھے ہی، بغداد میں بھی آپ شیخ الفقہاء کے منصب پر فائز ہوئے۔ شیخ الفقہا یعنی فقہا کے سردار۔

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ کتاب اُصول کافی ہے۔ یہ یاد رہے کہ احادیث کی چار بنیادی کتب ہیں جن کے نام ہیں۔ اُصول کافی، من لا یحضر الفقیہ، تہذیب الاحکام اور الاستبصار فی مختلف الاخبار۔

ان میں سے کتاب اُصول کافی سب سے پہلی مستند ترین کتاب ہے۔ جس میں احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔ جن چار کتابوں کا ذکر کیا گیا ان کی حیثیت یہ ہے کہ انہی چار کتابوں پر اجتہاد کا دارومدار ہے۔ کوئی مجتہد فتویٰ دے ہی نہیں سکتا جب تک ان چار کتابوں کے ایک ایک صفحہ کو اُلٹ کر ان احادیث کو پڑھ نہ لے۔ اس کے بعد وہ فتویٰ دینے کی منزل پر آتا ہے اور اسے پتا چلتا ہے کہ کسی مسئلہ میں امام معصومؑ نے کیا ارشاد فرمایا ہے۔

یہ یاد رہے کہ جس زمانے میں یہ کتاب لکھی گئی اور باقی کتابیں بھی وہ عباسی حکومت کا ظالم ترین زمانہ تھا۔ شیعہ حالت تقیہ میں تھے۔ کسی گھر سے اگر کوئی قول معصومؑ یا حدیث نکل آتی تو صاحب خانہ کو قتل کر دیا جاتا گھر کو جلا دیا جاتا اور یہ سلسلہ شروع ہوا امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے سے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ وہ زمانہ تھا کہ اُموی حکومت جا رہی تھی اور عباسی حکومت قائم ہو رہی تھی لہٰذا ایک عرصہ گزر گیا اس کشمکش میں اور جب عباسی حکومت قائم ہوگئی تو خلیفہ منصور

عباسی کے دل میں خیال آیا کہ نیا دار الخلافہ بنانا چاہیے اور وہ بغداد کو دار الخلافہ بنانے میں مصروف ہوا تو دس سال گزر گئے۔ اس کی پوری توجہ بغداد پر تھی اور امام جعفر صادق علیہ السلام کو موقع مل گیا جب عباسی حکمران متوجہ ہوا تو وہ وقت تھا جب امام جعفر صادق علیہ السلام کی عظیم الشان یونیورسٹی سے، جس کی بنیاد امام محمد باقر علیہ السلام نے رکھی تھی، کتابیں اونٹوں پر بھر بھر کر نکلنے لگیں تھیں، ہر شخص کی زبان پر ''قال صادق آل محمدؑ '' تھا۔ اب حکومت گھبرائی اور پھر فیصلہ کیا گیا کہ پوری شدت کے ساتھ سچے امامؑ کے ان علوم کو روکنا چاہیے۔ چنانچہ پوری قوت کے ساتھ امام علیہ السلام کے علوم کو روکا گیا۔ روکنے کے سارے طریقے اختیار کیے گئے۔ امامؑ کے مقابلے میں جھوٹے مجتہد لا کر کھڑے کر دیئے گئے۔ امامؑ کے سامنے شاہی علماء بٹھا دیئے گئے۔ اب یہ شاہی علماء فتوے دینے لگے۔ احادیث بیان کرنے لگے۔ امامؑ کے ماننے والوں کو قتل کرنا شروع کیا گیا۔ جس کے بارے میں شک ہو جاتا کہ اس کے پاس امامؑ کی حدیث کی کوئی کتاب ہے اسے فوراً گرفتار کر لیا جاتا تھا۔ کتاب مل جاتی تو قتل کر دیا جاتا اور جس مقام پر یہ شبہ ہوتا کہ شاید اس مکان میں امامؑ کی کوئی کتاب ہے، اس گھر کو آگ لگا دی جاتی تھی، لکھنے والوں کی انگلیاں کاٹ دی جاتی تھیں۔ چار سو کتابیں بہت اہم تھیں جن کو امامؑ کے شاگردوں نے امامؑ کے پاس بیٹھ کر لکھا تھا۔ چار سو بنیادی کتب تھیں جو ضائع ہونا شروع ہوئیں۔ امام علیہ السلام سے ملاقات کی سزا موت رکھ دی گئی۔

انہی دنوں کا واقعہ ہے کوفہ میں ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور پھر پچھتایا! اسے کہا گیا کہ تم مدینہ جا کر امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھو وہ تمہارا مسئلہ حل کر دیں گے۔ وہ شخص کوفہ سے مدینہ آیا اس کے رشتہ داروں نے اسے کہا کہ امامؑ سے ملاقات کا مطلب قتل ہو جانا ہے۔ جو امامؑ سے ملتا ہے اسے فوراً قتل کر دیا جاتا ہے۔ اس آدمی نے سنا تو گھبرا گیا لیکن مسئلہ پوچھنا بھی بہت اہم تھا اور جان بچانی بھی ضروری تھی۔ آخر کار اسے تجویز سوجھی، اس نے سبزی فروش کا روپ دھارا اور سبزی بیچنے کے بہانے امام علیہ السلام سے ملاقات کی، مسئلہ پوچھ کر باہر نکلا اس طرح جان بھی بچائی اور اپنا مسئلہ بھی دریافت کیا۔

جناب اسحاق ابن ابی عمیر کا مشہور واقعہ ہے۔ آپ امام جعفر صادق علیہ السلام کے انتہائی جلیل القدر صحابی تھے اور آپ نے امامؑ کے پاس بیٹھ کر بہت سی کتابیں لکھی تھیں۔ حکمرانوں کو اطلاع مل گئی۔ فوراً فوج بھیجی گئی، جب گرفتار کیا جا رہا تھا تو آپ کی ہمشیرہ نے بڑی جرأت اور قربانی کا مظاہرہ کیا۔ معلوم تھا کہ حاکم گرفتار کر رہا ہے۔ نہ کوئی مقدمہ، نہ کوئی

عدالت، بھائی مارا جا رہا ہے۔ آخری ملاقات کرلیں۔ عام طور پر ایسی حالت میں گھبرا کر عورتیں رونے لگتی ہیں یا شور کرتی ہیں۔ سپاہیوں کے آگے ہاتھ جوڑ دیے جاتے ہیں۔ آپ نے یہ سب کرنے کی بجائے اپنے حواس قابو میں رکھے۔ آخری ملاقات بھی نہ کی بلکہ موقع دیکھ کر جتنی کتابیں موجود تھیں صحن میں دفن کردیں۔ آپ کے ذہن میں تھا کہ بھائی جاتا ہے تو چلا جائے احادیث معصومینؑ بچ جانی چاہئیں۔ اسحاق ابن ابی عمیر گرفتار کرکے لے جائے گئے اور گھر کی تلاشی لی گئی لیکن کوئی کتاب برآمد نہ ہوئی۔ چونکہ کوئی کتاب نہ ملی تھی اس لیے قتل نہ کیا گیا، قید میں ڈال دیا گیا۔ آپ چودہ سال قید میں رہے۔ چودہ سال کے بعد جب رہائی ملی گھر کی دہلیز پر قدم رکھا تو نہ ماں باپ کا پوچھا، نہ اولاد بیوی کا، پہلا سوال کیا میری کتابیں کہاں ہیں؟ بہن نے بتایا دفن کردی گئیں تھیں مگر حکومت کا جاسوسی نظام اتنا فعال تھا کہ نکال نہ سکے۔ اب جب ان کتابوں کو نکالا گیا تو کچھ گل چکی تھیں کچھ کی سیاہی اڑ چکی تھی بہت ساری کتابیں ضائع ہو چکی تھیں۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ کتابوں کو دریاؤں میں ڈال دیا گیا یا پھر جلا دیا گیا اور پھر یہ ظلم کا دور جاری وساری رہا۔ اس ظلم کے دور میں کتابیں تو بیشتر ضائع ہو گئیں لیکن لوگ مطمئن تھے کہ امامؑ وقت تو موجود ہیں اور امامؑ وقت کی موجودگی میں کتابوں کی اتنی ضرورت بھی نہ تھی لیکن اب جب کہ زمانہ غیبت صغریٰ شروع ہو چکا تھا امامؑ سے ملاقات ممکن نہ تھی اور پھر زمانہ غیبت کبریٰ شروع ہونے والا تھا تو اب کتابوں کی اہمیت کا اندازہ آپ خود لگا لیجیے کہ کیا ہوگا اور اندازہ کیجیے کہ فقیہ اور مجتہد ہونے کا کیا مطلب ہوگا۔

جناب محمد ابن یعقوب کلینیؒ کا اصل اور اہم ترین کارنامہ کتاب اصول کافی ہے زمانہ اور حکمران ویسے ہی ظالم تھے اور اس وقت بھی وہی ماحول تھا اس ظلم اور جبر کے ماحول میں جب کہ شک کی بنیاد پر قتل کردیا جاتا تھا کہ اس کے پاس کوئی حدیث معصومؑ ہوگی کتاب کا لکھنا اور پھر احادیث کا جمع کرنا اور صحیح احادیث کا جمع کرنا کتنا مشکل تھا۔

جب جناب محمد ابن یعقوب کلینیؒ بغداد آئے اور شیخ الفقہا کہلائے تو اس وقت زمانہ غیبت صغریٰ میں امام مہدی علیہ السلام کے نائب خاص جناب حسین بن روحؒ تھے ان کا عرصہ ۳۰۸ ہجری سے ۳۲۶ ہجری ہے۔ جناب حسین بن روحؒ حالت تقیہ میں تھے۔

صاحبان ایمان سخت پریشان اور مضطرب تھے۔ امامؑ پردہ غیبت میں ہیں۔ نائب امامؑ حالت تقیہ میں ہیں۔ امامؑ کے قول، امامؑ کی احادیث کہاں سے ملتیں کیسے ملتیں۔ جبکہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی لکھوائی ہوئی کتابیں اکثر ضائع ہو چکی

ہیں جو ہیں وہ کہاں ہیں۔ چنانچہ محمد ابن یعقوب کُلینیؒ کے پاس لوگوں کے خطوط آنے لگے کہ آپ اس وقت تمام علماء کے استاد ہیں شیخ الفقہاء ہیں آپ آئمہ طاہرینؑ کی احادیث کو جمع کریں۔ آپ نے عزم وارادہ کیا اور احادیث جمع کرنے کے لیے کمر باندھ لی۔ طویل عرصہ آپ نے ہزاروں میل سفر کیا۔ ایک ایک حدیث کے لیے ہزار ہزار میل سفر کیا۔ کہیں خبر ملی فوراً چل دیے اور پھر دیکھئے اس وقت کا سفر کرنا اور حکومت سے چھپ کر کام کرنا پورے بیس برس لگ گئے احادیث کو جمع کرتے کرتے۔ سولہ ہزار ایک سو ننانوے احادیث جمع کیں اور اس طرح سے اہم ترین کتاب اُصول کافی وجود میں آئی۔ یہ ذہن میں رہے کہ سخت ترین حالات میں آپ نے یہ کتاب لکھی جب کہ حکومت دشمن، عوام دشمن کوئی مدد کرنے والا نہیں۔ اتنے ناسازگار حالات میں یہ کارنامہ سرانجام دیا محمد ابن یعقوب کُلینیؒ نے جبکہ آثار محمدؐ و آل محمدؑ کو مٹایا جا رہا تھا بلکہ کسی حد تک مٹا دیا گیا تھا۔ آٹھ جلدوں کی یہ کتاب ہے دو جلدیں ''اُصول کافی'' ہیں پانچ جلدیں ''فروع کافی'' اور ایک جلد ''روضۃ الکافی'' کی ہے۔ روضۃ الکافی، روضہ معنی باغ چمن یعنی کتاب کافی کا باغ، چمن، یہ ایک طرح سے شیعیت کی انسائیکلوپیڈیا ہے۔

انسان سوچے بیس سال کتنا طویل عرصہ ہے۔ محمد ابن یعقوب کُلینیؒ نے پورے بیس سال اس کام میں گزار دیے کہ وہ جو چار سو بنیادی کتابیں تھیں۔ ان میں سے جو ان کو ملیں انھوں نے جمع کیا بیس سال سفر ہی سفر کیا، اگر پتہ چلا کہ کسی کے پاس ایک حدیث ہے تو اُس ایک کو حاصل کرنے کے لیے ہزار میل کا سفر بھی طے کرنا پڑا تو کیا۔ اس طرح سے ایک نایاب ذخیرہ احادیث جمع کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ان کتابوں میں ایک کمی رہ گئی، کمی یہ تھی امامؑ کے شاگرد امامؑ کے پاس جا کر بیٹھا کرتے تھے اور لکھا کرتے تھے۔ ان کا کام کیا تھا؟ صبح سے لے کر شام تک بیٹھیں، جو مسئلہ کوئی پوچھتا ہے امامؑ نے جواب دیا اس کو لکھ لیا۔ امامؑ کے پاس تمام دن جو آدمی آئے انھوں نے جو جو سوال پوچھے ان سب کا جواب لکھا تو ان میں کوئی ترتیب نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے کہ کسی نے آکر نماز کا مسئلہ پوچھا، کسی نے حج کا مسئلہ پوچھا، کسی نے آکر میراث کا مسئلہ پوچھا، کسی نے آکر جناب ابوطالبؑ کے ایمان کے بارے میں آکر سوال کیا، کسی نے پیغمبرؐ کی بعثت کے بارے میں پوچھا، کسی نے اللہ کی وحدانیت کا کوئی مسئلہ پوچھا، کسی نے یونان کے فلسفی کا اعتراض بتایا، کسی نے ہندوستان کے طبیب کا اعتراض نقل کیا اور امامؑ نے جواب دیا۔ تو اب ان کا کام صرف لکھنا ہے۔ اب جو مسئلہ بھی آتا ہے لکھتے ہیں۔ ہر صفحہ پر ایک یہاں کا مسئلہ، ایک وہاں کا مسئلہ۔ ایک کا تعلق منطق سے، ایک کا تعلق طب سے، ایک کا تعلق عبادت سے، ترتیب کوئی نہیں تھی۔ اس زمانے کے حالات میں تو یہ بھی بہت بڑا کارنامہ تھا۔ محمد ابن یعقوب کُلینیؒ کو جتنی کتابیں ملیں ان کو جمع کیا اور

تیب دی۔

اُصول کافی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جتنی بہتر ترتیب سے یہ کتاب لکھی گئی۔ اس سے پہلے اس ترتیب سے کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تھی۔ پہلے عقل کے مسائل پھر علم کے، پھر حجت کے مسائل، پھر ایمان و کفر کے مسائل، پھر دُعا کے مسائل، پھر قرآن کے مسائل، پھر رشتہ داروں سے تعلقات کے مسائل، پھر فروعِ دین کے مسائل، تو بیس سال تک مسلسل سفر کرتے رہے۔ احادیث کو جمع کرتے رہے اور ایک ترتیب کے ساتھ لکھتے رہے۔ اُصول کافی تیار ہو گئی۔ اس کتاب کی جو ایک اہم ترین خصوصیت علماء نے بتائی ہے یہ کہ ہماری حدیث کی کتابوں میں یہ وہ پہلی واحد کتاب ہے کہ جو کتاب امامؑ کے نائب خاص کی موجودگی میں لکھی گئی۔

اس وقت نائبین خاص امامؑ سے رابطہ کا ذریعہ تھے۔ یہ کتاب جو لکھی گئی اس کی خوبی یہ ہے کہ نائب امام مہدی علیہ السلام کی موجودگی میں لکھی گئی۔ چاروں نائبوں کا پورا زمانہ انھوں نے دیکھا ان کی کتاب ان کے ہاتھ میں گئی جو یقینی طور پر انھوں نے پڑھی ہوگی بلکہ بعض علمانے تو یہ بھی لکھا ہے اس کتاب کے بارے میں کہ یہ خود امام زمانہؑ تک گئی امامؑ نے خود اسے دیکھ کر کہا "ھذا کتاب کافی شیعتنا" ۔یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لیے ہر اعتبار سے کافی ہے۔ اس کا نام کافی پڑنے کی ایک وجہ بتائی جاتی ہے۔ یہ کتاب امامؑ کی غیبت صغریٰ کے زمانے میں لکھی گئی۔ امامؑ کے نائبوں کے سامنے لکھی گئی۔ نائبانِ امامؑ کو اس کی اطلاع ملی اور جیسے ہمارا عقیدہ ہے کہ امامؑ تو آخرت تک کی باتوں کو جانتے ہیں امامؑ کو تو یہ بھی پتہ ہے کہ آگے چل کر پورے مذہب کا دارومدار اس کتاب پر ہونے والا ہے۔ بنیادی کتابوں میں سے ایک کتاب قرار پانے والی ہے اگر اس کتاب میں کوئی بڑی غلطی یا خرابی ہوتی تو یقیناً امامؑ کا فرض تھا کہ اس وقت روک یا ٹوک دیتے۔ مگر ان کی کتاب کے بارے میں کوئی بات ایسی نہیں آئی، تعریف ہی تعریف سنی گئی۔ اس کتاب کی خوبی یہ کہ اس میں کوئی جعلی حدیث نہیں۔ اتنی احتیاط اور باریک بینی کے ساتھ انھوں نے اس کتاب کو جمع کیا، کتنی محنت کے ساتھ۔ اسی لیے آج تک کوئی مجتہد فتویٰ دے ہی نہیں سکتا، جب تک اس کتاب کا مطالعہ نہ کرے اور اس کتاب کی احادیث کو سمجھے نہیں، اس کتاب کی احادیث پر عبور حاصل نہ کرلے یہ کتاب انھوں نے لکھی اور لکھنے کے بعد اپنے شاگردوں کے حوالے کی۔

یہ کتاب لکھی گئی شاگردوں کے ذریعے اسے پھیلا دیا گیا اور پوری زندگی محنت کرنے کے بعد سنہ ۳۲۹ ہجری سے لے کر آج تک کوئی ایسا عالم نہیں کہ جو محمد ابن یعقوب کلینیؒ کے اس احسان کو نہ مانے اور "اُصول کافی" کو دیکھ کر اس کی پیشانی

محمد ابن یعقوب کلینیؒ کی بارگاہ میں عقیدت سے نہ جھکے۔ اتنا بڑا احسان کیا یہ کتاب لکھ کر مجتہدین پر، اجتہاد پر، تمام مسلمانوں ومومنوں پر بلکہ خود دین اسلام پر کہ قیامت تک کوئی اس کو فراموش نہیں کر سکتا ہے۔

اُصول کافی عالمگیر شہرت اختیار کرنے والی کتاب ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی کتب آپ نے لکھی ہیں۔ جن میں قابل ذکر کتاب "رسائل الائمہ" ہے۔ جس میں آئمہ طاہرینؑ کے خطوط کو جمع کیا گیا ہے۔ "کتاب الرجال" راویوں کے حالات پر ہے۔ کتاب "تعبیر الرویا" خوابوں کی تعبیر کے موضوع پر ہے اور کہا گیا ہے کہ خواب کی تعبیر کے موضوع پر ایسی کتاب آج تک نہیں لکھی گئی۔ کتاب "المدنی الائمۃ من شعر" آئمہ طاہرینؑ کی شان میں جتنے اشعار لوگوں نے لکھے۔ ان کو جمع کیا گیا ہے اور کتاب "الرد علی القرامطہ" مسلمانوں کے باغی گروہ کہ جس نے خانہ کعبہ پر حملہ کر کے حجر اسود اکھاڑ کر سترہ سال تک اپنے شہر میں رکھا تھا۔ اس موضوع پر یہ کتاب لکھی گئی۔

آپ نے ۸۰ برس عمر عزیز پائی سن ۳۲۹ ہجری بمطابق ۹۴۱ عیسوی بغداد میں آپ کا انتقال ہوا اور بغداد میں دجلہ کے کنارے دفن ہوئے۔ مسلمانانِ عامہ نے آپ کو تیسری صدی کا مجدد قرار دیا۔

مرنے کے بعد بھی آپ معصومینؑ کا دفاع کر گئے۔ آپکی وفات کے طویل عرصہ گزرنے کے بعد ایک ظالم حاکم بغداد ہُوا۔ وہ بُغض اہل بیتؑ رکھتا تھا اس نے ارادہ کیا کہ لوگوں کو کاظمین میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور امام محمد تقی علیہ السلام کے روضہ پر جانے سے روکا جائے۔ اس نے کہا کہ لوگ قبروں پر جاتے ہیں میں اس قبر کو گراؤں گا۔ یہ کہہ کر تیاری شروع کر دی جب امام علیہ السلام کی قبر کو گرانے کا بندوبست ہوگیا تو کسی نے اسے کہا کہ یہ تُو کیا کرنے جارہا ہے۔ اس نے کہا (نعوذ باللہ نقل کفر کفر نہ باشد) لوگوں نے اس قبر کی زیارت کرنا شروع کر دی ہے۔ قبر کا مردہ تو گل سڑ گیا ہوگا میں لوگوں کو اس کی زیارت نہیں کرنے دوں گا۔ اسے کہا گیا کہ ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ ان کے آئمہ کا جسم اقدس قبر میں صحیح وسالم رہتا ہے۔ اس نے کہا اچھی بات ہے میں قبر کو کھودوں گا۔ اگر وہ جسم صحیح وسالم نکلا تو میں بڑی عزت واحترام کے ساتھ قبر کو دوبارہ بنادوں گا۔ یہ کہہ کر وہ پوری شدت کے ساتھ یہ گستاخی کرنے چلا۔ ابھی چلا ہی تھا کہ ایک شخص نے کہا تو اتنی دور کیوں جارہا ہے ان کا اعتقاد اپنے علماء کے بارے میں بھی یہی ہے کہ جس طرح نبیؐ وامامؑ کا جسم اقدس قبر میں ہر طرح کی خرابی سے محفوظ رہتا ہے۔ اسی طرح سے علماء کا جسم بھی محفوظ رہتا ہے تیرے قریب ہی ان کے عالم محمد ابن یعقوب کلینیؒ کی قبر ہے پہلے اس کی خبر تو لے۔

جب آپ کی قبر کو کھودا گیا تو ایک مرتبہ سب نے دیکھا کہ آپ اتنے اطمینان کے ساتھ لیٹے ہیں جیسے کوئی اپنے بستر خواب میں لیٹا ہو۔ جیسے ابھی ابھی سوئے ہوں کفن کا رنگ تک میلا نہ ہُوا تھا۔ یہاں تک کہ ناخنوں پر جو مہندی لگائی گئی تھی اس کے آثار بھی بالکل تازہ تھے۔ اب ایک مرتبہ حاکم کے دل میں محبت پیدا ہوئی اور پھر نہ صرف یہ کہ وہ قبر امامؑ کی بے حرمتی سے باز رہا بلکہ ایک انتہائی شاندار مقبرہ تعمیر کیا۔

یقیناً جناب محمد ابن یعقوب کلینیؒ کی بڑی عظمت ہے کہ مرنے کے بعد بھی وہ ساتویں اور نویں امامؑ کا دفاع کر گئے۔ باب الکوفہ سے دریائے دجلہ کے پل عتیق سے اتر کر بغداد کے مشرقی حصے میں آپ کی قبر مبارک آج بھی موجود مرجع خلائق ہے۔

یہ ایک حیرت انگیز عجیب اتفاق ہے کہ حدیث کی جو چار بنیادی اور مستند ترین کتب ہیں۔ جن کے پڑھے بغیر آج بھی کوئی مجتہد نہیں بن سکتا ان چاروں کتب کے لکھنے والوں کے نام محمد ہیں۔

اصول کافی جناب محمد ابن یعقوب کلینیؒ، "من لا یحضر الفقیہ" جناب محمد ابن علی بابویہ قمیؒ المعروف شیخ صدوقؒ، اور "تہذیب الاحکام" اور "الاستبصار فی مختلف الاخبار" ان دونوں کے لکھنے والے ہیں جناب محمد ابن حسن ابوجعفر شیخ طوسیؒ اور عجب اتفاق ہے کہ تینوں کی کنیت بھی ایک ہے یعنی "ابوجعفر" اس سے زیادہ عجب اتفاق یہ ہے کہ جنھوں نے حدیث کی ابتدائی کتب تحریر کی دوسری اور تیسری صدی میں۔ ان کے نام "محمد" تو ہے ہی لیکن وہ علماء جنھوں نے آخری زمانے میں اہم ترین کتابیں حدیث کی لکھیں ان کے نام بھی "محمد" ہیں۔

"بحار الانوار"	محمد باقر ابن محمد تقی المعروف علامہ مجلسیؒ
کتاب الوافی	محمد ابن مرتضیٰ محسن فیض کاشانیؒ
وسائل الشیعہ	محمد حر آملیؒ

یوں تو آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہیں۔ ان میں سے چند وہ ہیں جو شہرت کی بلندیوں تک پہنچے۔

(۱) شیخ محمد بن ابراہیم النعمانی (آپ کی کتاب "غیبت نعمانی" انتہائی قیمتی کتاب ہے۔ ۱۰ ابواب کے بعد غیبت کے موضوع پر پہلی کتاب ہے۔

(۲) شیخ احمد بن محمد جو کہ ابو غالب زراری کے نام سے معروف ہیں۔

(۳) ہارون بن موسیٰ تلعکبری

(۴) اسحاق بن حسن عقرابی

(۵) محمد بن احمد صفوانی

(۶) محمد بن احمد زاہری

(۷) محمد بن محمد کلینی

(۸) جعفر بن قولویہ قمی

(۹) احمد بن علی کوفی

☆☆☆

بسم تعالیٰ

علی بن حسین بن بابویہ قمیؒ

(پیدائش - وفات ۳۲۹ھ)

جس سال جناب محمد ابن یعقوب کلینیؒ کا انتقال ہوا یعنی سن ۳۲۹ ہجری اس سال کو کہتے ہیں 'سنا سر النجوم' ستاروں کے ٹوٹنے کا سال کیوں کہ اس سال آسمان سے بے انتہا ستارے ٹوٹ کر گرتے دیکھے گئے تھے اور ستاروں کے ساتھ ساتھ انتہائی جلیل القدر علماء کا انتقال بھی اسی سال ہوا خود محمد ابن یعقوب کلینیؒ کا انتقال ہوا۔ امام مہدی علیہ السلام کے چوتھے نائب خاص جناب علی ابن محمد سمریؒ کا انتقال بھی اِسی سال ہوا۔ اماّم کی غیبت کبریٰ کا آغاز بھی اِس سال ہوا اور جناب علی ابن بابویہ قمیؒ کا انتقال بھی اِسی سال ہوا۔ آسمان کے ستارے بھی ٹوٹے اور آسمان علم کے یہ درخشاں ستارے بھی ٹوٹ ٹوٹ کر گرے۔

جناب علی ابن حسین ابن موسیٰ ابن بابویہ قمی الخراسانیؒ وہ رئیس و سردار قم، جلیل القدر اور عظیم الشان ہستی ہیں کہ جن کو امام حسن عسکری علیہ السلام نے ایک خط تحریر فرمایا اور علی ابن حسین بابویہ قمیؒ کی عظمت دیکھیں کہ گیارھویں اماّم نے خود لکھا اور عجیب انداز سے مخاطب ہوئے۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للّٰہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الجنۃ للمطیعین و النار للمحدین و لا عدوان الاعلیٰ الظالمین لا الہ الا اللّٰہ احسن انی یقین و صلوٰۃ علیٰ خیر خلقہ محمد و عترتہ الطاھرین۔

اماّم نے پہلے خدا کی حمد پھر رسولؐ و آل رسول کی مدح کے بعد اس انداز سے خط تحریر فرماتے ہیں:

یا شیخ یعنی اے میرے سردار، معتمدی، اے میرے معتمد، معتمد جس پر کسی کو پورا بھروسہ ہو، فقیہی اور اے میرے فقیہ و مجتہد، پھر لکھتے ہیں اماّم، اباالحسن علی ابن حسین بابویہ قمیؒ پھر دعا دیتے ہیں کہ اللہ تمہاری اولاد میں سے صالحین کو قرار دے۔ اپنی رحمت سے، میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اور پھر اماّم نے ایک طویل وصیت نامہ لکھا۔ میں تمھیں وصیت کرتا ہوں نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، صلۃ الرحم رشتہ داروں کا حق ادا کرو۔ اس کے بعد تقریباً پندرہ باتیں لکھوانے کے بعد اماّم آخر میں پہنچے اوصیک بالصلوٰۃ الیل۔ میں تمھیں وصیت کرتا ہوں نماز شب قائم کرنے کی اور پھر لکھتے ہیں۔ یہ وصیت میں

اس لیے کر رہا ہوں کہ یہی وصیت آخری وقت میں رسول اکرمؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو کی تھی اور کہا تھا یا علیؑ! نماز شب پڑھو۔ جس نے نماز شب کو حقیر سمجھا اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر لکھتے ہیں امامؑ کہ تم پر بھی فرض ہے تم پر بھی ضروری ہے کہ نماز شب پڑھو اور تمہاری ذمہ داری ہے کہ تمام ہمارے شیعوں کو حکم دو کہ وہ بھی اس حکم پر عمل کریں اور پھر آخر میں امامؑ آخری وصیت کرتے ہیں۔ انتظار الفرج کرو۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ آنے والے امام کا انتظار کرتے رہنا۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! میری اُمت کے لیے سب سے افضل اور سب سے بہترین عمل یہ ہے کہ وہ آنے والے امامؑ کا انتظار کرتی رہے اور پھر امامؑ نے آنے والے امامؑ کے بارے میں کچھ باتیں بتائیں اور خط کو ختم کیا۔

قابل توجہ بات ہے اتنا عظیم مقام ہے ان کا کہ امامؑ براہ راست خط لکھتے ہیں اور وقت کے امامؑ ہوتے ہوئے لکھتے ہیں اے میرے سردار تعارف کروا رہے ہیں ایک فقیہ اور مجتہد کی کتنی عظمت ہے یہ سب اس لیے تھا کہ امامؑ کو معلوم تھا کہ کل قیادت انہی کے سپرد ہوگی۔ کبھی معتمد کہتے ہیں، کبھی فقیہ کہتے ہیں پھر ان کو نیک اولاد کی دُعا دیتے ہیں اور وصیت کرتے ہیں، ذرا جلالت اور عظمت کا اندازہ کیجئے۔

علی ابن حسین بابویہ قمیؒ کی شادی اپنی چچازاد بہن سے ہوئی تھی محمد ابن حسن بابویہ قمیؒ ان کے چچا تھے اور ایک عرصہ گزر گیا تھا کوئی اولاد نہیں تھی۔ تیسرے نواب اربعہ حسین ابن روحؒ تازہ تازہ نائب امام زمانہؑ بنے تھے۔ زمانہ غیبت صغریٰ میں چار نائبانِ خاص کے ذریعے لوگوں کے مسائل امام علیہ السلام تک پہنچتے تھے اور امامؑ خود جواب تحریر فرماتے تھے اور خمس وصول فرماتے اور رسید جاری فرماتے تھے یہ زمانہ تقریباً ۷۰ برس پر محیط ہے۔

قم واپس آنے کے کچھ دنوں کے بعد ایک شخص علی ابن جعفر کے ذریعے ایک خط حسین ابن روحؒ کی خدمت میں بھجوایا اور اس خط میں یہ تحریر تھا آپ نائب امامؑ ہیں۔ میری ایک حاجت امامؑ تک پہنچا دیجئے کہ میری کوئی اولاد نہیں ہے۔ امامؑ میرے حق میں دُعا کریں کہ خدا مجھے اولاد عطا کرے۔ یہ تحریر اُنھوں نے حسین ابن روحؒ کو بھجوائی۔ حسین ابن روحؒ کے پاس یہ خط پہنچا۔ انھوں نے کہا امامؑ کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کروں گا اور تین دن کے بعد امامؑ کی جانب سے جواب ملے گا وہ تمہیں تین دن تک پہنچا دیا جائے گا۔ تین دن بعد امامؑ کا جواب ملا۔ امامؑ نے یہ تحریر فرمایا کہ یہ جو تمہاری چچازاد ہیں اس سے تمہیں کوئی اولاد نہیں ہوگی۔ عنقریب تمہیں ایک دیلمی کنیز ملے گی۔ (دیلم ایک علاقہ ہے عراق کا۔) اس علاقے کی رہنے والی ایک کنیز کے عنقریب تم مالک بنو گے اس دیلمی کنیز سے دو بیٹے پیدا ہوں گے۔ دونوں خیر و برکت کا سبب بنیں

گے یعنی دونوں فقیہ اور مجتہد ہوں گے۔ اللہ دونوں کے ذریعے سے زمانے والوں کو نفع اور فائدہ پہنچائے گا اور تم ان میں سے ایک کا نام محمد رکھنا اور ایک کا نام حسین رکھنا۔ امام زمانہؑ نے یہ جملہ لکھا اور آخر میں یہ کہا کہ ہم نے تمھارے لیے خدا سے دُعا کی ہے۔

پروردگار عالم نے آپ کو دو بیٹوں سے نوازا۔ ایک کا نام انھوں نے امامؑ کے حکم کے مطابق محمد رکھا اور دوسرے بیٹے کا نام حسین رکھا۔ ان کے علاوہ بھی ایک اور بیٹا پیدا ہوا جن کا نام حسن تھا۔ یہ تین بھائی تھے ان میں سے دو بھائی جو دعائے امام علیہ السلام کے نتیجے میں پیدا ہوئے۔ وہ تو مجتہد بھی بنے اور بڑے عظیم فقیہ بھی قرار پائے لیکن تیسرے بیٹے حسن وہ عابد و زاہد بے انتہا تھے، یہاں تک کہ اپنی عبادت کی وجہ سے لوگوں سے ملاقات بھی نہیں کیا کرتے تھے۔ مگر فقہ یا علوم میں ان کا اتنا بڑا مقام نہیں تھا۔

امام مہدی علیہ السلام کے چوتھے نائب خاص جناب علی ابن محمد سمریؒ بغداد میں بیٹھے ہوئے تھے لوگوں کا حلقہ تھا ایک مرتبہ بے اختیار ان کی زبان سے نکلا ''یرحم اللہ'' خدا رحم کرے علی ابن حسین بابویہ قمیؒ پر۔ جب انھوں نے یہ فقرہ ادا کیا تو ایک مرتبہ لوگ چونکے اور پوچھا کہ آپ نے یہ فقرہ کیسے کہا۔ یہ وہ فقرہ ہے جو کسی مرنے والے کے لیے اس کے مرنے کے بعد کہا جاتا ہے وہ تو ابھی زندہ ہیں۔ جناب علی ابن محمد سمریؒ نے فرمایا کہ نہیں ابھی ابھی ان کا انتقال ہوا ہے۔ لوگوں نے انتہائی تعجب سے سنا اور تاریخ لکھ دی۔ جب کئی مہینے گزر گئے اور آنے والے قافلے قم سے آگئے تو آنے والوں نے اہل بغداد کو خبر دی کہ ہمارے شہر کے عظیم ترین عالم علی ابن بابویہ قمیؒ انتقال کر گئے۔ لوگوں نے فوراً پوچھا کب انتقال ہوا، کون سا دن، کون سی تاریخ، کون سا وقت تھا تو جب انھوں نے بتایا تو پتہ چلا کہ بالکل وہی تاریخ وہی دن اور وہی وقت تھا جب نائب امامؑ نے کہا تھا کہ یرحم اللہ، اللہ ان پر رحمت نازل فرمائے۔

درج ذیل کتب آپ کی کاوش ہیں۔

آپ کی تصنیفات

۱۔ کتاب توحید

۲۔ کتاب وضوء

۳۔ کتاب صلوٰۃ

۴۔ کتاب جنائز

۵۔ کتاب امامت وتبصرہ از حیرت

۶۔ کتاب املاء نوادر (نوادرات سے بھرپور کتاب)

۷۔ کتاب الاخوان

۸۔ کتاب النساء والولدان

۹۔ کتاب شرائع

۱۰۔ کتاب المنطقیہ

۱۱۔ کتاب النکاح

۱۲۔ کتاب مناسک الحج

۱۳۔ کتاب قرب الاسناد

۱۴۔ کتاب التسلیم

۱۵۔ کتاب الطب

۱۶۔ کتاب المواریث

۱۷۔ کتاب معراج اور

۱۸۔ اپنے بیٹے کے نام خط رحمۃ اللہ

☆☆☆

بسم تعالیٰ

محمد حسین بن بابویہ شیخ صدوقؒ

۳۰۵ھ - ۳۸۰ھ

جلیل القدر عظیم شخصیت جو دعائے امام زمانہ علیہ السلام سے پیدا ہوئے کا نام محمد ہے۔ ابو جعفر محمد ابن علی ابن حسین ابن موسیٰ ابن بابویہ قمی الخراسانی الراضی المعروف بہ شیخ صدّوق" کنیت ابو جعفر اور لقب صدّوق ہے۔ صدّوق کا مطلب ہے بہت زیادہ سچ بولنے والا۔ آپ کی ولادت شہر قم میں ۳۰۵ ہجری یا ۳۰۶ ہجری میں ہوئی۔ بلکہ ایک غیر ملکی محقق ڈونالن جس نے شیعہ عقائد کے موضوع پر کتاب لکھی۔ اس کے مطابق آپ کے والد بزرگوار علی ابن بابویہ قمی (حالات آپ نے پڑھے) قم میں رہتے تھے وہاں سے زیارت کے لیے مشہد مقدس تشریف لے گئے تھے اور مشہد مقدس میں ولادت ہوئی۔

شیخ صدّوق" کو بچپن سے لے کر مرتے دم تک یہ فخر رہا اور جگہ جگہ کتابوں میں لکھا کہ میں وہ ہوں جو دُعائے امام زمانہؑ سے پیدا ہوا ہوں، میں وہ ہوں جس کا نام بھی امام علیہ السلام نے رکھا۔ میں وہ ہوں کہ میرے حق میں امام علیہ السلام نے دُعا کی، میں وہ ہوں کہ جس کے بارے میں خبر امام علیہ السلام نے دی۔

شیخ صدوق" اور ان کے چھوٹے بھائی ابتدائے زمانہ میں جب علم حاصل کرنے لگے تو استاد حیران رہ جاتے حافظہ اور ذہانت ایسی تھی کہ مثال نہ ملتی تھی۔ قم والے ان بھائیوں کو دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کیوں نہ ہو جو امام علیہ السلام کی دُعا سے پیدا ہوئے ہوں ان کی ذہانت اور حافظہ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ جب یہ کسی نئے استاد کے پاس جاتے تو استاد ذہانت دیکھ کر حیران رہ جاتے اور بے ساختہ کہتے تم وہ تو نہیں ہو جو دعائے امام زمانہ علیہ السلام سے پیدا ہوئے ہو۔ تم وہ تو نہیں ہو جن کا نام بھی امام زمانہ علیہ السلام نے رکھا ہے۔

محدث نوریؒ نے "معجم اساتذۃ الصدوق" میں ۱۹۸ اساتذہ کا ذکر کیا ہے جبکہ محقق عبدالرحیم الربانی نے معانی الاخبار کے مقدمہ میں جو تحقیق پیش کی ہے۔ اس کے مطابق آپ کے شیوخ واساتذہ کی تعداد ۲۵۲ بنتی ہے۔ ہم بعض اساتذہ کے اسماء پیش کر رہے ہیں:

۱۔ والد محترم، علی بن حسین بن بابویہ قمی۔

۲۔ محمد بن حسن بن ولید

۳۔ محمد بن علی ماجیلویہ

۴۔ محمد بن موسیٰ بن متوکل

۵۔ احمد بن علی بن احمد محمد بن عمران رقاق

۶۔ شیخ محمد بن یحییٰ عطار

۷۔ ابراہیم برکی

حیرت انگیز بات ہے کہ جب سہولتیں نہ تھیں اور کتاب لکھنا کارے دارد تھا تو اس زمانے میں شیخ صدوقؒ کی لکھی گئی کتب کی تعداد تین سو ہے ان تین سو کتب میں سے دو سو بیس کتابیں تو آج بھی لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہیں۔ تین سو کتب کا لکھنا جب کہ حکومت ظالم ہو اور جہاں معصومؑ کی حدیث ملے گھر جلا دیا جاتا اور صاحب خانہ کو مار دیا جاتا یقینی طور پر کسی معجزے سے کم نہیں ہے۔

مشہور ترین کتاب ''من لا یحضر الفقیہ'' ہے جس کے پڑھے بغیر آج بھی کوئی مجتہد نہیں بن سکتا اور اس کے علاوہ ''مدینۃ العلم'' ہے۔ ایک اور کتب میں مشہور کتاب ''علل الشرائع'' ہے یہ فقہ اور حدیث کی اہم کتاب ہے جس میں انھوں نے شریعت کے احکام کی وجوہات بیان کی ہیں۔ مثلاً وضو کیوں واجب ہوا، نماز میں رکوع کیوں واجب ہے، نماز میں سجدے کیوں واجب ہیں، حج میں طواف کیوں کیا جاتا ہے؟ طواف کیا جاتا ہے تو سات مرتبہ کیوں کیا جاتا ہے، شیطان کو کنکر کیوں مارے جاتے ہیں، نکاح میں صیغہ کیوں پڑھا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایک اور مشہور ترین کتاب ''الاعتقادیہ'' ہے یعنی شیعوں کے اعتقاد کیا ہیں۔ اس کے علاوہ اہم ترین کتب ثواب الاعمال۔ عقاب الاعمال صفات الشیعہ، معانی الاخبار، اخبار عیون الرضا ہیں۔ آپ کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ اگر صحیح معنوں میں انسان شیخ صدوقؒ کے بارے میں آگاہ نہ ہو تو اپنے مذہب کی بنیاد کو نہیں سمجھ سکتا۔ معصومینؑ کے فوراً بعد جن علماء نے معصومینؑ کی روایات کو ہم تک پہنچایا ہے شیخ یعقوب کلینیؒ کے بعد وہ شیخ صدوقؒ ہیں۔

۳۵۵ھ میں شیخ صدوقؒ بغداد آئے تو بڑے بڑے علماء نے ان کے سامنے زانو تلمذ کیے، شاگردی اختیار کی۔ جب کہ آپ ان سب سے عمر میں چھوٹے تھے۔ اسی زمانے میں شیخ مفیدؒ بھی ان کے شاگرد بنے اور یہ سلسلہ مسلسل ۳۸۰ ہجری تک جاری رہا۔

آپ کی عظمت اس بات سے عیاں ہوتی ہے کہ امام زمانہ علیہ السلام پر لکھی گئی پہلی کتاب جو آپ نے لکھی اس کی فرمائش خود امام زمانہ علیہ السلام نے کی۔ بلکہ یوں کہا جائے تو بہتر ہوگا کہ خود اپنے پر پہلی کتاب امامؑ نے آپ سے لکھوائی۔

"اکمال الدین واتمام النعمة" یہ کتاب غیبت امامؑ کے موضوع پر ہے خود اس کتاب کی ابتدا میں شیخ صدوق" لکھتے ہیں کہ یہ کتاب میں نے کیسے لکھی۔

وہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں قم سے مشہد مقدس کی جانب آیا تاکہ یہاں آکر امام رضا علیہ السلام کے روضے کی زیارت کروں۔ زیارت روضہ امامؑ سے فارغ ہونے کے بعد میں مشہد سے نکل کر نیشاپور شہر کی جانب چلا۔ نیشاپور امامؑ کے ماننے والے بہت بڑی تعداد میں تھے اور بہت طاقتور تھے۔ جب میں نیشاپور پہنچا تو میری ملاقات کو شہر والے آنے لگے۔ میں نے یہ دیکھا کہ شہر نیشاپور کے اکثر صاحبانِ ایمان غیبت امامؑ کے مسئلے پر بہت ہی زیادہ مشکوک ہیں، ان کے عقائد صحیح نہیں ہیں، وہ بہت زیادہ پریشان ہیں۔ میں نے ان کے عقائد کو بگڑا ہوا دیکھا۔ ایک مرتبہ میں نے ارادہ کیا کہ اُس وقت تک اسی شہر میں رہوں گا جب تک کہ ان مسائل کو قرآن کی آیتوں کی مدد سے صاحبانِ ایمان کے عقیدے کو صحیح نہ کرلوں۔ میں نیشاپور میں رہنے لگا اور وہاں کے تمام صاحبانِ ایمان کو قرآن و رسولؐ اور معصومینؑ کے اقوال واحادیث پیش کیے تو رفتہ رفتہ ان ارشادات کو دیکھ کر سن کر ان کے عقائد ٹھیک ہوئے اور وہ سب کے سب امامؑ کی غیبت کے قائل ہوگئے۔ میں شہر نیشاپور سے رخصت ہوکر شہر قم آیا۔ کچھ عرصہ قم میں قیام کیا کہ اتنے میں مجھے اطلاع ملی کہ بخارا سے ایک جلیل القدر عالم آئے ہیں شیخ نجم الدین ابوسعید محمد ابن حسن قمی، اس دور کے بہت بڑا عالم دین تھے بخارا میں رہتے تھے۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ان سے ملاقات کی جائے، جب وہ آئے تو میں نے دیکھا مجھے ان سے برادرانہ محبت ہوگئی۔ بھائیوں جیسی محبت ہوگئی اور ہر وقت ہمارا اٹھنا بیٹھنا ساتھ ہوگیا۔

ایک مرتبہ گفتگو کے دوران شیخ نجم الدین نے مجھ سے یہ کہا کہ ہمارے شہر میں ایک بہت بڑا فلسفی اور منطقی رہ رہا ہے میری اس سے گفتگو ہوئی۔ اس کی گفتگو سن کر میرے دل میں بھی دو شکوک پیدا ہوگئے۔ امامؑ کے بارے میں میرے دل میں بھی دو خیال آگئے۔ پہلی یہ بات پیدا ہوئی کہ اتنی طویل عمر اور اتنی طویل زندگی امامؑ کو ملے گی کیسے ممکن ہے اتنی طویل زندگی ملنا اور دوسری بات میرے دل میں پیدا ہوئی کہ آخر خدا نے انھیں غائب کیوں کیا؟ امت اور ان کے رشتے کو کاٹا کیوں؟ دور کیوں کیا؟ شیخ صدوق" کہتے ہیں میں نے ان سے گفتگو کی اقوال معصومینؑ کی روشنی میں انھیں قائل کیا۔ لیکن خود میں بڑا

پریشان ہو گیا، یہ غیبت امامؑ کا مسئلہ ایسا مسئلہ بن گیا کہ اتنے بڑے علماء جب شک وشبہ کا شکار ہو رہے ہیں تو عام مومنوں کی کیا حالت ہو گی۔ ایسا نہ ہو کہ یہ سب گمراہ ہو جائیں، یہ سب بہک جائیں، میں قم میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اسی فکرو پریشانی میں تھا کہ کیسے، کس انداز سے لوگوں کے شک وشبہات کو دور کروں۔ نیشاپور والوں کی اطلاع مجھے مل گئی، بخارا کے عالم مجھے مل گئے لیکن پتہ نہیں کتنے صاحبان ایمان ہوں؟ ایسا نہ ہو کہ لوگ سیدھے راستے سے ہٹ جائیں۔

شیخ صدوقؒ کہتے ہیں کہ میں بڑا پریشان تھا ایک رات اسی فکرو پریشانی میں مجھے اپنے بچے اور بیوی بھی یاد آ گئے۔ اب میں سو گیا خواب کی حالت میں، میں نے دیکھا کہ میں مکہ میں کھڑا ہوا ہوں۔ حج کا زمانہ ہے میں نے اپنے احرام کو دیکھا اور خانہ کعبہ کی طرف بڑھا۔ کعبہ کا طواف شروع کیا سات چکر لگائے جب ساتواں چکر مکمل ہو گیا تو جیسا کہ طریقہ ہے حجر اسود پر ہاتھ رکھا اور وہ دُعا پڑھی جو ہر طواف کرنے والے کے لیے سنت ہے کہ اس میں حجر اسود سے گفتگو کی جاتی ہے کہا جاتا ہے کہ اے حجر اسود! میں نے اپنے عہد کو پورا کر دیا اور جو میری امانت تھی میں نے تجھ تک پہنچا دی۔ بڑی اہم اور ایمان پرور دُعا ہے۔ حجر اسود کے اوپر ہاتھ رکھ کر میں وہ دُعا پڑھ رہا تھا کہ میری نگاہ پڑی کہ دیوار کعبہ کے ساتھ ایک ایسی ہستی ہے کہ میرے دل نے کہہ دیا ہو نہ ہو یہی ہمارے امام زمانہؑ ہیں۔ بس امامؑ کو دیکھا میں حجر اسود کو چھوڑ کر امامؑ کے قریب پہنچا۔ امامؑ نے چہرے سے اندازہ کر لیا کہ میں کتنا پریشان ہوں اور میرے دل میں بھی دیکھا کہ میری پریشانی کا سبب کیا ہے۔ ایک مرتبہ کہا شیخ صدوقؒ سے اے محمد بن علی! تمھیں پریشانی اس مسئلے میں کیوں ہے؟ تم کیوں اتنا پریشان ہو، دیکھو تم ہماری دُعا سے پیدا ہوئے ہو۔ ہمارا ایک حق ہے تمھارے اوپر کہ تم ادا کرو اور ہماری غیبت کے موضوع پر ایک کتاب لکھ ڈالو تا کہ بعد میں کسی کو کوئی شک وشبہ نہ ہونے پائے۔

میں نے ایک مرتبہ کہا یا بن رسول اللہؐ! میں نے جتنی کتابیں لکھی ہیں اُن کتابوں میں آپ کے بارے میں احادیث شامل کی ہیں۔ سب احادیث آپ کی غیبت کے بارے میں ہیں پھر بھی لوگ شک کرتے چلے جا رہے ہیں۔ امام زمانہ علیہ السلام نے فرمایا! ایسی کتاب نہیں جیسی تم نے پہلے لکھی ہے۔ جیسے حدیث کی کتابیں ہیں ایک باب امامؑ کے بارے میں بھی ہے دس بارہ احادیث جمع کر دیں۔ ایک الگ کتاب لکھو، جس میں اوّل تو جتنے انبیاءؑ گزرے ہیں سب کی غیبت کے حوالے سے ہماری غیبت ثابت کرو اور پھر دنیا میں جتنے ایسے لوگ گزرے ہیں، جو معمرین میں شامل تھے، یعنی ایسے آدمی جن کی عمر عادتاً عام عمر سے زیادہ ہو۔ دو سو سال یا پانچ سو سال ہزار سال تو دنیا میں ایسے جتنے معمر ترین شخص گزرے ہیں زیادہ عمر کے

لوگ گزرے ہیں ان کو بھی اس کتاب میں جگہ دو اور ہماری غیبت پر ہونے والے اعتراضات اور شکوک کو دور کرو، اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

شیخ صدوق " کہتے ہیں فوراً میری آنکھ کھل گئی۔ میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے میں مسرور تھا کہ آج کتنی بڑی سعادت مجھے مل گئی ہے۔ صبح اُٹھتے ہی میں نے پہلا کام یہ کیا کہ قلم اُٹھا کر اس موضوع پر کتاب لکھنا شروع کر دی اور اکمال الدین و اتمام النعمة کے نام سے (دین کا کامل ہونا، نعمت کا پورا ہونا) غیبت امامؑ کے موضوع پر ایک عظیم الشان کتاب ہمارے ہاتھ میں آگئی جو شیخ صدوق " نے لکھی۔

سن ۳۸۰ ہجری میں آپ کا انتقال شہر رے میں ہوا اور آپ کو امام زادہ حضرت شاہ عبدالعظیم" کے روضے کے قریب دفن کیا گیا آپ کا روضہ آج بھی موجود ہے۔ آج سے ۱۹۶ سال قبل یعنی ۱۲۳۸ ہجری میں جب کہ آپ کو دفن ہوئے ۸۵۷ سال گزر چکے تھے شہر رے تہران مین زبردست بارش ہوئی قبریں ٹوٹ پھوٹ گئیں۔ قبریں اندر سے ظاہر ہو گئیں۔ شیخ صدوق " کی قبر ایک تہہ خانے میں تھی۔ تہہ خانے میں پانی بھر گیا اور شیخ صدوق " کی قبر ظاہر ہو گئی۔ یہ مقبرہ فتح علی نے بنایا تھا۔ آقائے ابراہیم نواسانی بیان کرتے ہیں کہ میں مقبرہ میں گیا تا کہ مرمت کی جائے تو میں نے دیکھا کہ قبر نکل چکی ہے اور شیخ صدوق " قبر کے اندر اطمینان سے لیٹے ہوئے ہیں۔ جیسے ابھی سوئے ہوں حالانکہ ۸۵۷ سال گزر چکے تھے۔ شیخ صدوق " کے ناخنوں پر خضاب کے آثار بھی موجود تھے۔ البتہ کفن خراب ہو گیا تھا لیکن جسم برہنہ نہیں تھا اس لیے کہ مکڑی نے اس طرح سے جالا بُن دیا تھا کہ آپ کے جسم کے مخصوص حصے مکڑی کے جالے کے پیچھے پوشیدہ ہو گئے تھے۔

فتح علی کو خبر ملی تو وہ خود آیا سارا شہر اکٹھا ہو گیا بڑے احترام کے ساتھ آپ کو دوبارہ کفن پہنایا گیا۔ قبر کی تعمیر کی گئی مضبوط بنیادوں کے ساتھ دوبارہ مقبرہ بنایا گیا اور ایک گنبد بھی تعمیر کرایا۔ تہران میں حضرت شاہ عبدالعظیم" کے روضہ کے قریب آپ کی قبر مرجع خلائق ہے، شیخ صدوق " کا مقام دیکھیں کہ جو معجزہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کے لیے غار ثور میں پیش آیا وہی معجزہ شیخ صدوق " کے مقبرہ میں پیش آیا۔ مکڑی کا جالا یا تو نظر آتا ہے سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشمن سے چھپانے کے لیے یا پھر شیخ صدوق " کا برہنہ بدن اقدس چھپانے کے لیے وہ بدن جو ۸۵۷ سال پہلے دفن ہوا تھا۔ (سبحان اللہ)

یوں تو آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ان میں سے چند وہ ہیں جو شہرت کی بلندیوں تک پہنچے۔

(۱) آپ کے بھائی کے بیٹے حسن بن حسین بن علی بن بابویہ

(۲) ابوالحسن علی بن احمد النجاشی

(۳) شیخ مفیدؒ

(۴) محمد بن احمد بن علی شاذان قمی

(۵) ابوعبداللہ محمد بن الحسن المعروف ''نعمۃ''

(۶) محمد بن ہارون بن موسیٰ تلعکبری

تفصیل کتب شیخ صدوقؒ

۱۔ کتاب دعائم الاسلام معرفت حلال وحرام میں

۲۔ کتاب التوحید

۳۔ کتاب النبوۃ

۴۔ کتاب اثبات الوصیۃ لعلی علیہ السلام

۵۔ کتاب اثبات خلافۃ (علیؑ کی خلافت کا اثبات)

۶۔ کتاب اثبات النص علی الائمہ

۷۔ کتاب المعرفۃ فی فضل النبی وامیر المومنین والحسن والحسین علیہم السلام

۸۔ کتاب مدینۃ العلم

۹۔ کتاب المقنع فی الفقہ

۱۰۔ کتاب العرض علی المجالس

۱۱۔ کتاب علل الشرائع (ترجمہ شائع ہو چکا ہے)

۱۲۔ کتاب ثواب الاعمال (ترجمہ شائع ہو چکا ہے)

۱۳۔ کتاب عقاب الاعمال (ترجمہ شائع ہو چکا ہے)

۱۴۔ کتاب الاوایل

۱۵۔ کتاب الاواخر

۱۶۔ کتاب المناہی

۱۷۔ کتاب الفرق

۱۸۔ کتاب خلق الانسان

۱۹۔ کتاب رسالۃ الاولہ فی الغیبۃ (غیبت کے دلائل کے بارے میں رسالہ)

۲۰۔ کتاب الرسالۃ الثانیہ

۲۱۔ کتاب الرسالۃ الثانیہ

۲۲۔ کتاب الرسالۃ فی ارکان اسلام

۲۳۔ کتاب المیاہ

۲۴۔ کتاب السواک

۲۵۔ کتاب الوضوء

۲۶۔ کتاب التیمم

۲۷۔ کتاب الاغسال

۲۸۔ کتاب الحیض والنفاس

۲۹۔ کتاب نوادر

۳۰۔ کتاب فضائل الصلوٰۃ

۳۱۔ کتاب فرائض الصلوٰۃ

۳۲۔ کتاب فضل المسجد

۳۳۔ کتاب مواقیت الصلوٰۃ (اوقات نماز)

۳۴۔ کتاب فقہ الصلوٰۃ

۳۵۔ کتاب الجمعہ والجماعۃ

۳۶۔ کتاب السہو

۳۷۔ کتاب الصلوٰۃ سوی الخمس

۳۸۔ کتاب نوادر الصلوٰۃ

۳۹۔ کتاب الزکوٰۃ

۴۰۔ کتاب الخمس

۴۱۔ کتاب حق الجداد

۴۲۔ کتاب الجزیہ

۴۳۔ کتاب فضل المعروف (نیکیوں کی فضیلت)

۴۴۔ کتاب فضل الصدقہ (صدقہ کی فضیلت)

۴۵۔ کتاب فضل الصوم (روزہ کی فضیلت)

۴۶۔ کتاب الفطر

۴۷۔ کتاب الاعتکاف

۴۸۔ کتاب جامع الحج

۴۹۔ کتاب جامع علل الحج

۵۰۔ کتاب تفسیر المنزل فی الحج

۵۱۔ کتاب جامع حج الانبیاء علیہم السلام

۵۲۔ کتاب جامع حج الائمہ علیہم السلام

۵۳۔ کتاب جامع فضل الکعبہ والحرم

۵۴۔ کتاب جامع آداب المسافر للحج

۵۵۔ کتاب جامع فرض الحج والعمرہ

۵۶۔ کتاب جامع فقہ الحج

۵۷۔ کتاب الموقف

۵۸۔ کتاب القربان

۵۹۔ کتاب المدینہ وزیارت قبر النبی والائمہ علیہم السلام

۶۰۔ کتاب جامع نوادر الحج

۶۱۔ کتاب زیارات قبور الائمہ علیہم السلام

۶۲۔ کتاب النکاح

۶۳۔ کتاب الوصایا

۶۴۔ کتاب الوقف

۶۵۔ کتاب الصدقہ

۶۶۔ کتاب النحل والھبہ

۶۷۔ کتاب السکنی والعمری

۶۸۔ کتاب الحدود

۶۹۔ کتاب الدیات

۷۰۔ کتاب المعایش والمکاسب

۷۱۔ کتاب التجارات

۷۲۔ کتاب العتق والتدبیر والمکاتبہ

۷۳۔ کتاب القضاء والاحکام

۷۴۔ کتاب اللقاء والسلام

۷۵۔ کتاب صفات الشیعہ

۷۶۔ کتاب اللعان

۷۷۔ کتاب الاستقاء

۷۸۔ کتاب زیارت موسیٰ و محمدؑ

۷۹۔ کتاب جامع زیارات الرضاؑ

۸۰۔ کتاب تحریم الفقاع

۸۱۔ کتاب الجمعہ

۸۲۔ کتاب الرجعۃ

۸۳۔ کتاب الشعر

۸۴۔ کتاب معانی الاخبار (ترجمہ شائع ہو چکا ہے)

۸۵۔ کتاب السلطان

۸۶۔ کتاب مصادقۃ الاخوان

۸۷۔ کتاب فضائل جعفر الطیار

۸۸۔ کتاب فضائل العلوم

۸۹۔ کتاب الملاہی (کھیل کود کے احکامات کے متعلق)

۹۰۔ کتاب السنہ

۹۱۔ کتاب فی عبدالمطلبؑ وعبداللہؑ وابی طالبؑ

۹۲۔ کتاب فی زید بن علی

۹۳۔ کتاب الفوائد

۹۴۔ کتاب الابانہ

۹۵۔ کتاب الھدایۃ

۹۶۔ کتاب الصیانۃ

۹۷۔ کتاب التاریخ

۹۸۔ کتاب علامات آخر الزمانؑ

۹۹۔ کتاب فضل الحسن والحسین علیہم السلام

۱۰۰۔ کتاب رسالہ فی شہر رمضان جواب رسالۃ وردت فی شہر رمضان

۱۰۱۔ کتاب المصابیح

پہلی مصباح	نبیؐ کے مردوں کے بارے میں ارشادات
دوسری مصباح	نبیؐ کے عورتوں کے بارے میں ارشادات
تیسری مصباح	امیر المومنینؑ کے ارشادات وحالات
چوتھی مصباح	جناب فاطمہؑ کے ارشادات وحالات
پانچویں مصباح	ابی محمد حسن بن علیؑ کے ارشادات وحالات
چھٹی مصباح	ابی عبداللہ الحسینؑ بن علیؑ کے ارشادات وحالات
ساتویں مصباح	علی ابن الحسینؑ کے ارشادات وحالات
آٹھویں مصباح	ابی جعفر محمدؑ بن علیؑ کے ارشادات وحالات
نویں مصباح	ابی عبداللہ جعفرؑ بن محمد صادقؑ کے ارشادات وحالات
دسویں مصباح	موسیٰؑ ابن جعفر کے ارشادات وحالات
گیارہویں مصباح	ابی الحسن الرضاؑ کے ارشادات وحالات
بارہویں مصباح	ابی جعفر ثانیؑ کے ارشادات وحالات
تیرہویں مصباح	ابی الحسن علیؑ بن محمدؑ کے ارشادات وحالات
چودہویں مصباح	ابی محمد الحسنؑ بن علیؑ کے ارشادات وحالات
پندرہویں مصباح	ان افراد کے بارے میں جن کے لیے توقیعات جاری کی گئیں۔

۱۰۲۔ کتاب المواعظ

۱۰۳۔ کتاب الرجال المختارین من اصحاب النبیؐ (نبیؐ کے منتخب اصحاب)

۱۰۴۔ کتاب الزہد

۱۰۵۔ کتاب زہد النبیؐ

۱۰۶۔ کتاب زہد امیر المومنینؑ

۱۰۷۔ کتاب زہد الحسنؑ

۱۰۸۔ کتاب زہد الحسینؑ

۱۰۹۔ کتاب زہد علی بن الحسینؑ

۱۱۰۔ کتاب زہد ابی جعفرؑ

۱۱۱۔ کتاب زہد الصادقؑ

۱۱۲۔ کتاب زہد ابی ابراہیمؑ

۱۱۳۔ کتاب زہد الرضا

۱۱۴۔ کتاب زہد ابی جعفر الثانیؑ

۱۱۵۔ کتاب زہد ابی الحسین بن علی بن محمد

۱۱۶۔ کتاب زہد ابی محمد الحسن بن علیؑ

۱۱۷۔ کتاب اوصاف النبیؐ

۱۱۸۔ کتاب دلائل الائمہ و معجزاتہم

۱۱۹۔ کتاب الروضۃ

۱۲۰۔ کتاب نوادر الفضائل

۱۲۱۔ کتاب المحافل

۱۲۲۔ کتاب امتحان المجالس

۱۲۳۔ کتاب غریب النبیؐ و امیر المومنینؑ

۱۲۴۔ کتاب الخصال (ترجمہ شائع ہو چکا ہے)

۱۲۵۔ کتاب مختصر تفسیر القران

۱۲۶۔ اخبار سلمانؓ وزہدہ وفضائلہ

۱۲۷۔ کتاب ابی ذرؓ وفضائلہ

۱۲۸۔ کتاب حزو النعل بالنعل

۱۲۹۔ کتاب التقیہ

۱۳۰۔ کتاب نوادر الطب (بیش قیمت طبی مسائل)

۱۳۱۔ کتاب جوابات المسائل الواردۃ علیہ من واسط (واسط سے آنے والے مسائل کے جوابات)

۱۳۲۔ کتاب الطرائف (عمدہ اور نادر باتوں پر مشتمل کتاب)

۱۳۳۔ کتاب جوابات المسائل الواردۃ علیہ من قزوین

۱۳۴۔ کتاب جوابات المسائل الواردۃ من البصرۃ

۱۳۵۔ کتاب جوابات المسائل الوادرۃ من الکوفہ

۱۳۶۔ کتاب جوابات المسائل وردت علیہ من امدئن فی الطلاق (مدائن سے طلاق کے بارے میں جو مسائل آئے ان کے جوابات)

۱۳۷۔ کتاب العلل غیر مبوب

۱۳۸۔ کتاب جن اصحاب حدیث سے ملاقات ہوئی ان کا ذکر اور ان کی بیان کی ہوئی احادیث

۱۳۹۔ اس شخص کے ساتھ پہلی نشست کا ذکر جو رکن الدولہ کے سامنے آپ کے مقابلے پر آیا

۱۴۰۔ اس شخص کے ساتھ دوسری نشست کا ذکر

۱۴۱۔ کتاب اس کے ساتھ تیسری نشست کا ذکر

۱۴۲۔ کتاب چوتھی نشست کا ذکر

۱۴۳۔ کتاب پانچویں نشست کا ذکر

۱۴۴۔ ذکر المجلد او المخف (مقابلہ اور خفیف ہونے کا ذکر)

۱۴۵۔ کتاب الخاتم

۱۴۶۔ کتاب علل وضوء

۱۴۷۔ کتاب الشوریٰ

۱۴۸۔ کتاب الملباس

۱۴۹۔ کتاب فضل العلم (علم کی فضیلت میں کتاب)

۱۵۰۔ کتاب المسائل

۱۵۱۔ کتاب الخطاب

۱۵۲۔ کتاب السوالات

۱۵۳۔ کتاب مسائل الوضوء

۱۵۴۔ کتاب مسائل الصلوٰۃ

۱۵۵۔ کتاب مسائل الزکوٰۃ

۱۵۶۔ کتاب مسائل الخمس

۱۵۷۔ کتاب مسائل الوصایا

۱۵۸۔ کتاب مسائل المواریث

۱۵۹۔ کتاب مسائل الوقف

۱۶۰۔ کتاب مسائل النکاح (اس کی تیرہ جلدیں ہیں)

۱۶۱۔ کتاب مسائل الحج

۱۶۲۔ کتاب مسائل العقیقہ

۱۶۳۔ کتاب مسائل الرضاع (دودھ پلانے کے مسائل)

۱۶۴۔ کتاب مسائل الطلاق

۱۶۵۔ کتاب مسائل الدیات

۱۶۶۔ کتاب مسائل الحدود

۱۶۷۔ کتاب ابطال الغلو والتقصیر

۱۶۸۔ کتاب سرالمکتوم الی الوقت المعلوم (وقت معلوم تک کے لئے پوشیدہ راز)

۱۶۹۔ کتاب مختار بن ابی عبیدہ

۱۷۰۔ کتاب الناسخ والمنسوخ

۱۷۱۔ کتاب مسئلہ نیشاپوری

۱۷۲۔ کتاب ماہ رمضان کے بارے میں ابی محمد الفارسی کو خط

۱۷۳۔ کتاب ماہ رمضان کے مطلب کے بارے میں ایک دوسرا خط جو بغداد بھیجا گیا

۱۷۴۔ کتاب ابطال الاختیار واثبات نص

۱۷۵۔ کتاب المعرفہ بالرجال البرقی

۱۷۶۔ کتاب مولد امیر المومنین

۱۷۷۔ کتاب مصباح المصلی

۱۷۸۔ کتاب مولد فاطمہ علیہما السلام

۱۷۹۔ کتاب الجمل (جنگ جمل سے متعلق)

۱۸۰۔ کتاب تفسیر القرآن

۱۸۱۔ کتاب جامع الکبیر

۱۸۲۔ کتاب اخبار عبدالعظیم بن عبداللہ الحسنی

۱۸۳۔ کتاب تفسیر قصیدہ فی اہل بیت علیہم السلام

۱۸۴۔ کتاب مدینۃ العلم

۱۸۵۔ کتاب الامالی

۱۸۶۔ کتاب الاعتقادات

۱۸۷۔ کتاب من لایحضرہ الفقیہ (ترجمہ شائع ہو چکا ہے)

یہ کتاب کتب اربعہ میں سے ہے اس کی چار جلدیں اور ۶۶۰۔ ابواب ہیں

جلد اول ۸۷۔ ابواب پر مشتمل ہے جلد دوم ۲۰۸۔ ابواب پر مشتمل ہے

جلد سوم ۱۷۸۔ ابواب پر مشتمل ہے جلد چہارم ۱۷۳۔ ابواب پر مشتمل ہے

جلد اول میں ۱۶۱۸۔ احادیث ہیں جلد دوم ۶۷۰۔ احادیث ہیں

جلد سوم میں ۱۳۰۵۔ احادیث ہیں جلد چہارم میں ۹۰۳۔ احادیث ہیں

جلد اول میں مسانید ۷۷۷۔ احادیث اور مراسیل ۸۴۱۔ احادیث ہیں

جلد دوم میں مسانید ۱۰۶۴۔ احادیث اور مراسیل ۵۷۳۔ احادیث ہیں

جلد سوم میں مسانید ۱۲۹۵۔ احادیث اور مراسیل ۵۱۰۔ احادیث ہیں

جلد چہارم میں مسانید ۷۷۷۔ احادیث اور مراسیل ۱۲۶۔ احادیث ہیں

اس طرح مسند احادیث ۳۹۱۳۔ اور مرسل احادیث ۲۰۵۰۔ احادیث ہوئیں۔

۱۸۸۔ کمال الدین وتمام النعمت (ترجمہ شائع ہو چکا ہے)

☆☆☆

بسم تعالیٰ

محمد بن محمد بن نعمان شیخ مفیدؒ

۳۳۶ھ - ۴۱۳ھ

شیخ مفیدؒ وہ شخصیت ہیں کہ جن کے بارے میں علمائے اہل سنت نے کہا اور لکھا کہ کوئی شیعہ دنیا میں ایسا نہیں ہے نہ ہوگا جس پر کسی نہ کسی انداز میں شیخ مفیدؒ کا احسان نہ ہو اور یہ حقیقت ہے شیخ مفیدؒ شیعہ تاریخ کے انتہائی اہم دور میں پیدا ہوئے۔ آپ عظیم الشان اور اعلیٰ صفات کی حامل شخصیت ہیں جو اپنی تمام تر ذہانت، فقہی مہارت اور سیاسی حالات کو سمجھنے کی بناء پر شیعوں کے بلا اختلاف قائد تسلیم کیے گئے۔ جب شیخ مفیدؒ نے شیعوں کی قیادت کو سنبھالا اور مرجعیت آپ کے ہاتھ میں آئی تو یہ وہ وقت تھا جب مسلمانوں کے تمام فرقے آپس میں مباحثہ میں لگے ہوئے تھے۔ شیعہ حالت تقیہ میں تھے۔ شیخ مفیدؒ نے فقہاء کے برعکس مناظرے کے میدان میں قدم رکھا اور پھر کسی کو اپنے سامنے ٹکنے نہ دیا اور شیعیت حالت تقیہ سے باہر نکلنے کی طرف مائل ہونے لگی اور آگے چل کر آپ نے ایسے ٹھوس کام کیے کہ آپ کے شاگرد کے ذریعے نجف اشرف کا حوزہ علمیہ وجود میں آیا۔ شیعیت پر اُٹھنے والے تمام اعتراضات کا جواب دیا۔ شیخ مفیدؒ نے علم فقہ کو اس انداز سے ایک نیا رنگ دیا کہ اس کے نتیجہ میں عباسی حکومت کے دارالحکومت میں اس انداز سے شیعیت نے ترقی کی کہ ایک دن آیا کہ عباسی خلیفہ کے دربار میں شیعہ عالم کے لیے ایک ایسی کرسی رکھی جانے لگی جو وزیر اعظم کی کرسی کے برابر تھی۔ (اُس زمانے میں کرسی رکھنے کا مطلب ایک بڑے عہدے کا مالک ہونا تھا)

شیخ مفیدؒ ہمارے علماء میں سے ایسے عالم ہیں جن کا سلسلہ نسب ۳۲ پشتوں تک محفوظ ہے اور ان کے تمام آباؤ اجداد کے نام بھی کتب میں پائے جاتے ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب آخر میں اس تک پہنچتا ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ اس دنیا کا پہلا انسان ہے کہ جو عربی زبان کا واضع ہے یعنی عربی زبان کا بنانے والا۔

شیخ مفیدؒ کی ولادت ۱۱ ذیقعدہ، ۳۳۶ ہجری بغداد سے ۳۵ میل کے فاصلے پر واقع ایک گاؤں میں ہوئی۔ شیخ مفیدؒ کا تعلق عراق کے شہر واصف سے ہے ان کے والد ہجرت کر کے بغداد کے قریب آباد ہوئے۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا علم کی انتہائی بلندی تک پہنچے اسی لیے آپ بغداد کے قریب آباد ہوئے۔

شیخ مفیدؒ کا نام محمد ابن محمد ابن نعمان کنیت ابوعبداللہ اور لقب مفید اور ابن معلم ہے۔ آپ کے والد معلم کہلاتے تھے۔

لقب مفید جو مشہور عالم ہوا اور اس لقب سے آپ جانے پہچانے جاتے ہیں۔ تاریخ میں دو روایات ہیں ایک یہ کہ ابن شاۂ آشوب نے نقل کیا ہے کہ یہ لقب خود امام مہدی علیہ السلام کی جانب سے عطا ہوا تھا اور دوسری روایت کے مطابق یہ لقب علماء اہل سنت نے انھیں دیا۔

شیخ مفیدؒ نے بغداد آنے کے بعد علم دین حاصل کرنا شروع کیا آپ میں فطری ذہانت اور خداداد صلاحیتیں موجود تھیں۔ آپ کے اساتذہ میں سے مشہور اساتذہ کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ محمد بن علی بن بابویہ (شیخ صدوقؒ)

۲۔ محمد بن عمر بن سالم بن البراء تمیمی جعابی

۳۔ احمد بن محمد ابو غالب زراری

۴۔ ابوالقاسم جعفر بن محمد بن قولویہ قمی

۵۔ ابوعبیداللہ محمد بن عمران مرزبانی

۶۔ ابوالحسن بن حمزہ علوی

۷۔ محمد ابن جعفر ابن کلینی قمی، ۸۔ علی ابن عبداللہ

آپ کے استاد آپ کی ذہانت دیکھ کر حیران رہ جاتے اور بعض اوقات عاجز آ جاتے تھے۔ ان کو لگتا تھا کہ اپنے اس شاگرد کو جواب نہیں دے پا رہے ہیں۔ بہت ہی مختصر عرصہ میں آپ کی شہرت پورے بغداد میں پھیل گئی گرچہ آپ ابھی نوجوان تھے کہ آپ کے علمی کارنامے دیکھ کر، سن کر لوگ انگشت بہ دندان رہ جاتے۔

ایک بہت ہی مشہور مباحثہ کے بعد آپ کی شہرت عباسی دربار تک پہنچ گئی۔ عباسی خلیفہ کا ایک وزیر جس کا نام سلطان از دولہ تھا وہ محب اہل بیتؑ تھا۔ آج جو اسے اطلاع ملی کہ ایک نیا عالم بغداد میں آیا ہے، جو بغداد کے سارے علماء پر حاوی ہے تو وہ بے انتہا خوش ہوا۔ شیخ مفیدؒ کو انتہائی قیمتی تحفے بھجوائے۔ جس میں ایک نہایت قیمتی گھوڑا جس کی زین اور لگام سونے کی تھی اور ۱۰۰ شاہی دینار بھجوائے، شاہی دینار اُس زمانے میں دس گنا زیادہ قیمت رکھتا تھا اور ایک غلام بھی بھجوایا اور شیخ مفیدؒ سے گذارش کی کہ آپ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ اس شہر بغداد میں ایک ایسا مدرسہ قائم کریں کہ جس میں دین حق کی یہاں پر شیعیت کی فقہ کی تعلیم دی جائے۔ بغداد دارالخلافہ ہے، بغداد عباسی خلافت کا مرکز ہے۔ یہاں ساری دنیا کے

مسلمان آتے ہیں لیکن یہاں کوئی شیعہ مدرسہ نہیں ہے۔ آپ سے وعدہ کیا اور اس کے اوپر عمل بھی کیا کہ روزانہ دس من روٹیاں شاگردوں کے لیے اور پانچ من گوشت بھجوایا کرے گا تا کہ جو شاگرد دینی تعلیم حاصل کرنا چاہیں ان کے لیے کوئی پریشانی نہ ہو۔ شیخ مفیدؒ کے اس مناظرے میں کامیابی کے بعد شیخ کی شہرت بغداد میں ہو گئی۔

اب یہ واقعہ شیخ کو مفید کا لقب بھی دلواتا ہے اور سبب بنا کہ حکومت کے وزیر کی توجہ شیخ مفیدؒ کی طرف ہوئی جس کے نتیجے میں بغداد میں صحیح معنوں میں پہلا شیعہ مدرسہ قائم ہوا، ایک مدرسہ قائم کیا محلہ کرخ کی ایک مسجد میں۔ محلہ کرخ بغداد کا وہ محلہ تھا جہاں زیادہ تر آل محمدؑ کے ماننے والے رہتے تھے۔ شیخ مفیدؒ نے لوگوں کو دین کی تعلیم دینا شروع کی ایک رات کو شیخ سو رہے ہیں۔ خواب کی حالت میں دیکھا کہ جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا تشریف لاتی ہیں اس حالت میں کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ ان کے ساتھ ساتھ ہیں دونوں کی بچپن کی کیفیت ہے۔ شیخ کے قریب تشریف لائیں، شیخ نے دیکھا کہ میں مسجد میں بیٹھا درس دے رہا ہوں۔ شیخ کے سامنے تشریف فرما ہوئیں۔ دونوں بچوں کو آگے بڑھایا! اور فرمایا: اے شیخ (علمہ الفقہ) ان دونوں کو فقہ کی تعلیم دو اور بس شیخ مفیدؒ کی آنکھ کھل گئی یہ منظر شیخ مفیدؒ کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا ایک مرتبہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ ساری رات روتے رہے۔ مجھ سے کیا غلطی ہو گئی ہے یقیناً کوئی نہ کوئی غلطی ہوئی ہے۔ خواب تو غلط ہو نہیں سکتا۔ اس میں تین معصومؑ تشریف لائے ہیں اب یہ روایت ہے کہ ایک معصومؑ بھی خواب میں ہو تو وہ غلط نہیں ہوتا۔ یہ تو تین معصومؑ آئے ہیں یہ کیسے خواب غلط ہو سکتا ہے۔ بھلا میں اور حسنؑ و حسینؑ کو تعلیم دینے کا خیال میرے ذہن دل میں آئے یہ میری کون سی غلطی ہے، جس پر ملکہ کونین خاتون جنت صلوٰۃ اللہ علیہا نے آکر متنبہ کیا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے اپنے علم پر غرور ہو گیا ہو، کہیں ایسا تو نہیں کہ میری زبان سے ایسی بات نکل گئی ہو۔ تمام رات تڑپتے ہوئے گزاری۔

اگلا دن آیا شیخ مفیدؒ سے درس میں جایا نہیں جا رہا۔ مگر کیا کریں طالب علموں کو تعلیم دینا یہ بھی شیخ مفیدؒ کا ایک فریضہ تھا۔ بہر حال بادل نخواستہ آئے مدرسے میں بیٹھے درس دینا شروع کیا۔ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ دیکھا درس کا صدر دروازہ کھلا اور دیکھا کہ بغداد کے ایک انتہائی شریف گھرانے سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون تشریف لا رہی ہیں۔ ان کا یعنی خاتون کا نام بھی فاطمہ بنت حسین یہ تشریف لا رہی ہیں اور ان کے ساتھ دو بچے ہیں۔ وہ بالکل اسی مقام پر آ کر بیٹھیں جہاں رات کو شیخ مفیدؒ نے خواب میں جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو دیکھا تھا۔ اسی انداز سے دونوں بچوں کو آگے بڑھایا اور وہی فقرہ ادا کیا (یا شیخ علمہ الفقہ) اے شیخ مفیدؒ میری خواہش ہے کہ تم میرے ان دونوں بچوں کو علم فقہ کی تعلیم دو۔ شیخ مفیدؒ

سمجھ گئے کہ یہ دو بچے ہیں جن کے بارے میں شہزادیؑ خواب میں آکر مجھ سے خواہش ظاہر کرگئیں ہیں کہ انھیں تعلیم دینا ہے۔ شیخ مفیدؒ بے اختیار رونے لگے اُس خاتون نے فرمایا میں نے کہا ہے کہ میرے بچوں کو فقہ کی تعلیم دو اور آپ گریہ کر رہے ہیں۔ شیخ مفیدؒ نے روتے ہوئے کہا اب معلوم ہوا جناب سیدہ کونین سلام اللہ علیہا ان بچوں کی سفارش کے لیے تشریف لائی تھیں۔

یہ دونوں سادات سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ شیخ مفیدؒ نے دونوں کو تعلیم دی اور ایسی تعلیم دی کہ ان میں ایک سید مرتضیٰؒ بنے، جن کو مولاؑ نے علم الہدیٰ یعنی ہدایت کا علم قرار دیا اور ایک سید رضیؒ بنے جنھوں نے نہج البلاغہ جیسی عظیم کتاب میں امیر المومنین علیہ السلام کے خطبات کو جمع کیا۔ یہ شیخ کے مدرسے کی منزلت تھی کہ ملکہ کونین خاتون جنت صلوٰۃ اللہ علیہا خواب میں تشریف لاتی ہیں اور آکر فرماتی ہیں کہ اے شیخ مفیدؒ میرے ان دو بچوں کو تعلیم دو یہ مقام ہے شیخ مفیدؒ کے مدرسے کا بارگاہ معصومین میں۔

بغداد کا مشہور واقعہ ہے کہ وہاں ایک ایسا شخص آگیا جو خدا کو نہیں مانتا تھا اور سب سے عجیب بات یہ تھی کہ وہ کوئی دلیل نہیں رکھتا تھا اور کسی دلیل کو ماننے کو تیار نہیں ہوتا تھا اور کہتا تھا کہ میری عقل میں بات نہیں آتی ہے میری عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی ہے کہ کوئی خدا ہوگا۔ بس یہ کائنات بنی اور چل رہی ہے، اب لاکر اس کے سامنے قرآن پیش کریں، قرآن کو نہیں مانتا، حدیث پیش کریں، حدیث کو نہیں مانتا، غرض یہ کہ یہاں تک لوگوں نے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ کائنات خود بخود چلے۔ ہر چیز کا بنانے والا ہونا چاہیے۔ ہاں میں اس بات کو نہیں مانتا اپنی زبان سے کوئی ایسا جملہ ہی نہیں نکالتا جس کی بنیاد پر اس کی پکڑ ہو سکے۔ چنانچہ اس کا فتنہ ایک بڑا فتنہ بن گیا اگرچہ عام لوگوں پر اس کا اثر نہیں ہوا لیکن اسے تو اتنا کہنے کا موقع مل گیا کہ دیکھو پورا بغداد ہے ہزاروں عالم ہیں اتنے سارے اپنے آپ کو دین اسلام کا نمائندہ کہلاتے ہیں مگر مجھے خدا کے بارے میں قائل نہیں کر رہے ہیں۔ اسلام اور رسول تو بعد کی بات ہے۔ اس وقت کے ایک وزیر نے شیخ مفید سے درخواست کی کہ اس وقت سب عالم ہار مان چکے ہیں آپ کسی طرح اس فتنے کا مقابلہ کریں۔ شیخ نے جواب دیا یہ کوئی ایسی بات ہے جس کا جواب دیا جائے۔ جو آدمی ماننے کو تیار نہ ہو، جو آدمی اپنی زبان کو حرکت دینے کو تیار نہ ہو اس کو جواب ہی تو کیسے دیں۔ کہا کہ بہر حال آپ ہی ہیں جو اس مسئلے کو حل کر سکیں ورنہ یہ تو روزانہ دربار میں آتا ہے اور کہتا ہے کہ کوئی مسلمان مجھے قائل نہیں کر سکا۔ دربار میں مختلف ممالک کے غیر مسلم سفیر بھی ہوتے ہیں اُن کی موجودگی میں ایسی گفتگو گراں

گزرتی ہے۔ اس کا حل نکلنا چاہیے کیونکہ مسئلہ تو اپنی جگہ ہے ایک آدمی اعلان کر رہا ہے اور کوئی اس کو قائل نہیں کر پا رہا۔ قائل تو اس وقت کرے جب کہ اپنی زبان سے کچھ مانے۔ وہ کبھی کچھ مانتا ہی نہیں ہے۔ اس قسم کا آدمی ہے اگر آپ کہیں کہ دو جمع دو تو وہ تین کہتا ہے یعنی کوئی بات وہ صحیح مانتا ہی نہیں ہے اور روزانہ آ کر کہتا ہے کہ مجھے کوئی جواب دینے والا ہی نہیں ہے۔ شیخ مفید نے کہا کہ اچھا اگر آپ کی خواہش ہے تو ٹھیک ہے میں آتا ہوں۔ اس مسئلے میں حصہ لیتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ اس کو کسی طریقے سے قائل کروں، قائل کیا ہونا ہے اس کی زبان سے کوئی فقرہ نکلوانا ہے وہ اتنا ہوشیار آدمی ہے کہ اپنی زبان سے کچھ کہنے کو تیار ہی نہیں ہے۔ بہر حال شیخ مفیدؒ دربار میں پہنچے، دربار میں پہنچنے کے بعد کہا تو نے ان سب کا مقابلہ کیا اور تیرا دعویٰ ہے کہ کوئی بھی ان میں سے تجھے جواب نہ دے سکا تو ٹھیک ہے کل میں انشاء اللہ وقت پر پہنچوں گا اور تجھے میں تیرے سوال کا جواب دوں گا لیکن دیکھ بالکل ٹھیک وقت پر پہنچ جانا ایسا نہ ہو کہ اب تو گھبرا کر کہیں فرار نہ ہو جانا دربار کو چھوڑ دے، یہاں واپس نہ آئے۔ اس نے ایک مرتبہ اطمینان سے کہا میرے فرار ہونے کا امکان نہیں ہے مجھے تو آپ کی جانب سے خطرہ ہے کہ جب اتنے سارے کوئی جواب نہ دے سکے تو آپ کیسے جواب دیں گے۔ شیخ نے کہا کل دیکھیں گے کون فرار ہوتا ہے۔ اب شیخ کو اس انداز سے گفتگو کرنا پڑی اس لیے کہ آدمی ایسا تھا اور اس کی عقل ایسی تھی اور اس کی زبان تھی یہ کہ وہ زبان سے کچھ مانتا ہی نہیں تھا۔ جب شیخ مفیدؒ کو دربار میں پہنچنا تھا لیکن دیکھا گیا کہ شیخ مفیدؒ دربار میں نہیں آئے، اب چونکہ شیخ مفیدؒ فرار ہونے کا طعنہ دے کر گئے تھے۔ اس لیے اسے موقع مل گیا ایک مرتبہ چاروں طرف مسکرا مسکرا کر دیکھنے لگا، دیکھا کسے میرے مقابلے پر لے کر آ گئے مجھ سے کہہ رہا تھا کہ میں کہیں بھاگ نہ جاؤں لیکن میں بھاگا کہ وہ بھاگا۔ دیکھو اتنا وقت گزر گیا اب تک وہ پلٹ کر نہیں آیا۔ شیخ مفیدؒ کافی دیر بعد آئے تو اتنی دیر میں سارا دربار پریشان ہے اور شرمندہ ہے کہ شیخ کو نہیں آنا تھا تو اتنی باتیں کیوں کر کے گئے تھے۔ کل اتنی ساری گفتگو کیوں کر کے گئے تھے اب ہمیں کتنی شرمندگی ہو رہی ہے۔ بہر حال شیخ کافی دیر کے بعد آئے، ایک مرتبہ اس کے سامنے پہنچے اس نے دیکھتے ہی کہا کہ کہاں رہ گئے تھے یا فرار ہو گئے تھے۔ بڑی دیر کے بعد آ رہے ہو۔ کہا کہ میں تو وقت پر پہنچ جاتا لیکن جب میں چلا دریا کے قریب پہنچا، دریا کے کنارے سے میں آ رہا تھا تو دریا میں، میں نے ایک عجیب منظر دیکھا، ایسا منظر تھا کہ میں حیران ہو گیا، میں پریشان ہو گیا میرے قدم آگے نہ بڑھ سکے۔ وہ ایک مرتبہ کہتا ہے کہ بتاؤ تو سہی کہ کیا منظر دیکھا۔ میں نے دیکھا دریا میں ایک کشتی چل رہی ہے کہ جس میں کوئی ملاح نہیں ہے، جس کا کوئی چلانے والا نہیں ہے۔ وہ ایک کنارے پر جاتی

ہے، مسافروں کو اٹھاتی ہے، دوسرے کنارے پر اتارتی ہے۔ یہاں سے مسافر اٹھاتی ہے اور دوسرے کنارے پر اتارتی ہے۔ بس یہ جو منظر میں نے دیکھا کہ کوئی چلانے والا نہیں ہے کشتی میں کوئی بیٹھا نہیں ہے تو میں بڑا حیران ہوا کہ یہ کشتی کیسے چلتی ہے۔ اس نے سنا ایک مرتبہ قہقہہ لگا کر کہتا ہے، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ جب کوئی چلانے والا موجود نہیں تو کشتی یہاں سے وہاں جائے، وہاں سے یہاں۔ شیخ مفیدؒ نے یہ فقرہ کہلوانا تھا ایک مرتبہ پلٹ کر کہا کہ اے شخص تو مجھے احمق کہہ رہا ہے لیکن یہ بتا کہ تمہارا اپنے بارے میں کیا فیصلہ ہے۔ جب تو کشتی کے بارے میں یہ تصور نہیں کر سکتا کہ جب ایک کشتی چلانے والے کے بغیر ادھر سے ادھر نہیں جا سکتی، کہ جب ایک کشتی بغیر چلانے والے کے ادھر سے ادھر آئے اور مسافروں کو لے کر جائے تو اتنی بڑی کائنات کے بارے میں کیسے تجھے خیال ہے کہ بغیر چلانے والے کے یہ کائنات چلے گی کیسے؟ روایت ہے کہ وہ بے اختیار کہہ اُٹھا کہ آج تک کسی نے اس طریقے سے مجھ سے مناظرہ نہیں کیا تھا۔ میں نے تمہاری بات مانی اور کہا اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه اور میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

شیخ مفیدؒ کمزور جسم کے مالک تھے لیکن علمی اعتبار سے اپنے زمانے کے یگانہ روزگار تھے۔ کثیر الصدقات وعظیم الخشوع وکثیر الصلوٰۃ والصوم اور انتہائی کثرت کے ساتھ راہِ خدا میں صدقہ دینے والے، انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت کرنے والے۔ ان کے داماد کا فقرہ ہے کہ میں نے شیخ مفیدؒ کو کبھی بھی رات کو سوتے نہیں دیکھا۔ سوائے چند لمحوں کے چند لمحوں کے لیے رات کو سوتے تھے اور اس کے بعد ساری رات اس حالت میں گزرتی تھی کہ نماز پڑھ رہے یا کتابوں کا مطالعہ کر رہے ہیں یا لکھ رہے ہیں یا درس وتدریس میں مشغول ہیں یا تلاوت قرآن کر رہے ہیں۔ ساری زندگی شیخ مفیدؒ کی اسی انداز میں گزری۔

شیخ مفیدؒ وہ عظیم ترین عالم دین ہیں، وہ عظیم ترین فقیہ ہیں، وہ عظیم ترین مجتہد ہیں کہ جن کے نام امام مہدی علیہ السلام نے کم از کم تین خط لکھے۔

یہ خود شیخ مفیدؒ کی عظمت بتانے کے لیے کافی ہے کہ کتنی عظیم ہستی تھی شیخ مفیدؒ کی کتنا بلند مرتبہ تھا شیخ مفیدؒ کا اور اس کے بعد ہم ان جملوں کو دیکھتے ہیں جو شیخ مفیدؒ کے بارے میں امامؑ نے استعمال کیے ہیں۔ جس سے ان کی عظمت کا صحیح معنوں میں انداز ہوتا ہے ایک خط میں جو امامؑ نے ان کے نام لکھا، اس انداز سے امامؑ آغاز کرتے ہیں۔ امامؑ لکھ رہے ہیں اپنے بچے بھائی کے لیے میں لکھ رہا ہوں جو انتہائی صاحب عقل دوست ہے میرا، آپ کے اعزاز کو خدا، آپ کی عزت کو ہمیشہ

ہمیشہ باقی رکھے۔ امامؑ کا دوسرا خط ان کے نام آتا ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں یہ خطوط موجود ہیں۔ دوسرے خط میں امامؑ ان کو مخاطب کرتے ہیں۔ اے خدا کے بندے جو خدا کے راستے کو ملانے والا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم سلام اللہ علیک ایھا العبد الصالح اللہ، سلام ہو آپ کے اوپر اے العبد الصالح الناصر الحق الداعی علیه بکلمات صدق۔ کہ شیخ مفیدؒ کی تعریف کر رہے ہیں۔ زمانے کے امام اے حق کے مددگار اے حق کی مدد کرنے والے اور لوگوں کو سچے کلام کے ذریعے خدا کی جانب دعوت دینے والے یہ شیخ مفیدؒ کا تذکرہ ہے امامؑ کے قلم سے۔ اور اس کے بعد تیسری توقیع مبارک (امام مہدی علیہ السلام کی تحریر کو توقیع مبارک کہا گیا ہے) جو رمضان کے مہینے میں امامؑ کی جانب سے شیخ مفیدؒ کے نام آئی۔ امامؑ لکھتے ہیں شیخ مفید ؒ کے نام۔ بسم اللہ کے بعد سلام عیکم ایھا الوالی الصالح المخلص فی دین اللہ ۔اے صالح اور نیک دوست اور مددگار۔ دین خدا کی مدد کرنے والے ہماری محبت میں کامل اُترنے والے۔ یہ انداز ہے امامؑ کا شیخ مفیدؒ کے نام خطوط میں جو امامؑ کے ان کلموں سے ان خطابات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کتنا بلند مرتبہ اور مقام ہوگا شیخ مفیدؒ کا۔ اور اس کے بعد تاریخ بتاتی ہے کہ شیخ مفیدؒ کے انتقال کی شب جمعہ ۳ رمضان خود امامؑ کی تحریر میں شیخ مفید ؒ کی قبر کے اوپر یہ مرثیہ لکھا ہوا نظر آتا ہے۔ شیخ مفیدؒ کے علمی مقام کو اور شیخ کی محبت اہل بیتؑ کو اور امامؑ کی نگاہ میں شیخ مفیدؒ کی منزلت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے۔

آج کوئی آواز دینے والا آواز نہ دے۔ اس لیے کہ آج کا دن آلِ رسولؐ کے لیے ایک بڑی مصیبت کا دن ہے۔ آج تیری جدائی کی وجہ سے آلِ رسولؐ پر بڑی مصیبت کا دن ہے اور تو قبر کی مٹی کے نیچے جا کر پوشیدہ ہو گیا ہے لیکن حالت یہ ہے کہ توحید و عدل تیری ذات میں قیام کرنے والے ہیں تو حید و عدل تیری ذات کے اندر سمائے ہوئے ہیں اور امام وقتؑ امام عصرؑ خوش ہوتے ہیں۔ جب تیرے سامنے مختلف درس و علوم کو پڑھا جاتا ہے، جب تیرے سامنے شاگرد علوم کو حاصل کرتے ہیں تو خود امامؑ خوش ہوا کرتے ہیں۔

شیخ مفید ؒ کے لیے جو خطوط لکھے ان میں کہیں امام علیہ السلام اپنا بھائی کہہ رہے ہیں، امامؑ اپنا دوست کہہ رہے ہیں اور اس کے بعد پھر یہ امامؑ کے خطوط بتاتے ہیں کہ شیخ مفیدؒ کا مقام کیا تھا۔ امامؑ کی بارگاہ میں شیخ مفید ؒ کا یہ مقام ان خدمات کی وجہ سے تھا اور ان علمی کارناموں کی وجہ سے تھا جو اس مشکل ترین دور میں شیخ مفید ؒ نے بغداد کے شہر میں انجام دیے۔

آج کل مخالفین اس بات کو بہت اچھالتے ہیں کہ ایک مجتہد کا فتویٰ دوسرے سے نہیں ملتا۔ کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ آج

اس کا فیصلہ آپ خود کیجیے۔ مولائے کائنات علیؑ ابن ابی طالب کے فیصلے کی روشنی میں کہ مجتہدین کا اختلاف فتوئی میں کوئی معنی رکھتا ہے یا نہیں۔

اگر آپ نے ایک عمارت تعمیر کرنی ہو اور آپ چار انجینئرز سے نقشہ بنوائیں اپنی منشاء کے مطابق تو چاروں کی ڈرائنگ مختلف ہوگی چاروں کا تخمینہ مختلف ہوگا آپ یہاں تو نہیں کہیں گے کہ چاروں جاہل ہیں بلکہ کسی ایک پر اتفاق کریں گے۔ اسی طرح اگر کوئی کسی خاص مرض میں مبتلا ہو جائے اور چار ڈاکٹروں سے رائے لے تو چاروں کی رائے مختلف ہو سکتی ہے آپ کو کسی ایک کی رائے سے اتفاق کرنا پڑے گا تو پھر یہ تو اختلاف نہ ہوا۔ مجتہد جو بھی فتوئی دیتا ہے وہ صرف اور صرف قرآن اور سنت کی روشنی میں جو جس کا مقلد ہے وہ اس پر عمل کرتا ہے تو پھر اس اختلاف کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے اور دیکھئے اس ضمن میں مولا علیؑ کیا فیصلہ دیتے ہیں۔

ایک مرتبہ شیخ مفیدؒ اور سید مرتضیٰؒ علم الہدیٰ کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا سید مرتضیٰ علم الہدیٰ شاگرد ہیں مگر آپ بھی مجتہد ہیں اور فتوئی دیتے ہیں۔ اُستاد بھی مجتہد اور شاگرد بھی، دونوں فتوئی دیتے تھے۔ مشہور واقعہ ہے سید مرتضیٰؒ کے گھوڑے کی زین پر کتے نے پیشاب کر دیا۔ شیخ مفیدؒ یہ منظر دیکھ رہے تھے آپ نے سید مرتضیٰؒ سے کہا کہ تمہارے گھوڑے کی زین نجس ہو گئی ہے اس لیے کہ میں نے دیکھا ہے کہ اس پر کتا پیشاب کر رہا تھا۔

سید مرتضیٰؒ نے جواباً کہا کہ آپ کی بات اپنی جگہ صحیح ہوگی لیکن میرا فتوئی یہ ہے کہ نجاست کے لیے کم از کم دو عادل گواہ چاہئیں۔ آپ فقط ایک عادل گواہ ہیں اس لیے میں آپ کی بات پر یقین کر کے اسے نجس نہیں سمجھ سکتا۔ یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ یہ طے پایا کہ اس مسئلہ کا حل خود امیر المومنینؑ سے حل کروایا جائے۔ لہٰذا دونوں روضہ اقدس امیر المومنینؑ پر گئے۔ مسئلہ کو کاغذ پر لکھا اور ضریح اقدس میں ڈال دیا۔ اب یہاں تین روایات ہیں۔

نمبر۱ ضریح اقدس سے مولاؑ کی آواز آئی

نمبر۲ ضریح اقدس میں جس کاغذ پر مسئلہ لکھا تھا وہ کاغذ ضریح اقدس سے باہر نکلا جواب لکھا تھا۔

نمبر۳ خود مولاؑ خواب میں تشریف لائے اور مسئلہ کو حل کیا

تینوں روایات میں فیصلہ ایک ہی تھا مولاؑ نے فیصلہ دیا۔ حق میرے بیٹے کے ساتھ ہے مگر شیخ مفیدؒ بھی میرا معتمد ہے مجھے اس پر پورا بھروسہ ہے۔

شیخ مفیدؒ وہ ہستی ہیں جنھیں یہ فخر حاصل ہے کہ مولائے کائناتؑ نے انھیں اپنا معتمد کہا اپنے کامل اعتماد کا اظہار فرمایا۔
مراجعہ عظام، مرجعیت ایک ایسا نظام ہے جو خود معصومینؑ نے وضع فرمایا اور اگر کسی مراجعہ نے کوئی غلطی کی تو پھر امامؑ وقت نے اصلاح بھی فرمائی کیونکہ امام معصوم ہیں اور مراجعہ عظام نہیں ہیں۔
شیخ مفیدؒ کے پاس ایک شخص آیا شیخ مفیدؒ کو سلام کیا اور کہا ایک مسئلہ ہے کہ ہمارے گاؤں میں ایک عورت کا انتقال ہو گیا ہے اس کے پیٹ میں اتنے ماہ کا زندہ بچہ موجود ہے ہمارے گاؤں والوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا ہے کچھ کہتے ہیں میت کی بے حرمتی حرام ہے اس کو بچے سمیت دفن کر دیں کچھ کہتے ہیں بچے کی جان بچانا واجب ہے میت کا پیٹ چاک کر کے بچے کو نکال لینا چاہیے آپ کیا فرماتے ہیں آپ کا فتویٰ کیا ہے شیخ مفیدؒ نہ معلوم کس خیال میں تھے بہر حال کتنے بڑے عالم ہوں معصوم تو نہ تھے۔ کہا جاؤ اسے اس حالت میں دفن کر دو۔ اب یہ شخص چلا جب گاؤں کے قریب پہنچا تو پیچھے سے کسی نے آواز دی پلٹ کر دیکھا تو ایک گھوڑ اسوار قریب آ رہا تھا قریب آ کر اس نے کہا اب شیخ مفیدؒ کا فتویٰ ہے کہ بچے کو ماں کا پیٹ چاک کر کے نکالا جائے اس کے بعد ماں کو دفن کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا چند دنوں کے بعد وہ شخص شیخ مفیدؒ کا شکریہ ادا کرنے گیا اور کہا کہ آپ نے گھوڑ اسوار کو بھیج کر فتویٰ بدل دیا تھا ہم نے ویسے ہی کیا۔ شیخ مفیدؒ نے حیران ہو کر کہا کون سا گھوڑ اسوار۔ اس نے کہا آپ کو یاد نہیں پہلے آپ نے کہا تھا ماں کو بچے سمیت دفن کر دو پھر آپ نے گھوڑ اسوار کو بھیج کر کہا کہ اب فتویٰ یہ ہے کہ بچے کو پیٹ چاک کر کے نکال لو پھر ماں کو دفن کرو آپ نے فتویٰ بھجوایا تھا۔ شیخ مفیدؒ سمجھ گئے کہ انھوں نے کیا غلطی کی اور کس نے اصلاح کی۔ شیخ مفیدؒ کہنے لگے اے شیخ مفیدؒ اب تیرا ذہن دماغ اس قابل نہ رہا کہ فتویٰ دے سکے ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ بس آج سے فتویٰ دینا بند۔
شیخ مفیدؒ نے فتویٰ دینا بند کر دیا اور گھر کے باہر بورڈ لگا دیا کہ آج سے شیخ مفیدؒ فتویٰ نہیں دے گا۔ چند دن گزرے کہ امام زمانہ علیہ السلام کا خط بنام شیخ مفیدؒ آیا جس میں مولاؑ نے فرمایا اے شیخ مفیدؒ فتویٰ دینا بند نہ کرو فتویٰ دینا تمہارا کامؑ ہے اور تمھاری غلطی کو صحیح کرنا ہمارا کام ہے تم اپنا کام کرتے رہو ہم اپنا کام کرتے رہیں گے۔
شیخ مفیدؒ کا علم اور مقام یہ تھا کہ جب ان کا وقت انتقال آیا تو خود امام زمانہ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ آج آل رسولؐ کے لیے ایک مصیبت کا دن ہے اتنا بڑا فقیہ اتنا بڑا عالم اس دنیا سے رخصت ہوا۔ ۴۱۳ ہجری کی شب جمعہ آئی رمضان کے پہلے ہفتے میں ۳ رمضان ہے شب جمعہ ہے۔ ۴۱۳ ہجری کی تاریخ ہے اور شیخ مفیدؒ جس کام کے لیے پیدا کیا تھا اس کو سرانجام

دے چکے ہیں۔ایک جانب مناظرے میں تمام کے تمام دشمنانِ اہل بیتؑ کو شکست دے چکے ہیں اب بغداد کی حد تک کسی میں ہمت نہیں ہے کہ آگے بڑھ کر آل محمدؐ کے ماننے والوں کو مناظرے کا چیلنج دیں۔ دوسری جانب علم فقہ کے اندر اس مہارت کا ثبوت دے چکے ہیں کہ پہلی مرتبہ شیخ مفیدؒ کے دور میں لوگوں کو اجتہاد کی عظمت کا علم ہوا۔اور لوگ جوق در جوق آ کر علم حاصل کر رہے ہیں تیسری جانب ایک ایسا مدرسہ تعمیر کر رہے ہیں کہ جس میں شیخ طوسیؒ جیسا شخص تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ جسے آگے چل کر نجف کے حوزہ علمیہ کو قائم کرنا ہےاور سید مرتضیٰؒ کی شکل میں اپنا ایک ایسا شاگرد چھوڑ کر جا رہے ہیں ایک ایسا قائم مقام چھوڑ کر جا رہے ہیں کہ جو ان کے بعد صحیح معنوں میں علم فقہ کی صحیح بنیاد رکھے گا۔ ۲۰۰ کتابیں لکھ چکے ہیں شیخ مفیدؒ کا کام مکمل ہو گیا۔ ۷۳ سال کی عمر ہے تین رمضان کی شب آئی شیخ مفیدؒ کا انتقال ہوتا ہے اور بڑی شان کے ساتھ ان کا جنازہ اُٹھتا ہے بغداد کے میدان اسنان میں جنازہ رکھا گیا سید مرتضیٰؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ۷۰ ہزار صاحب ایمان جنازہ میں شریک ہوئے اس زمانہ کی تعداد اور آبادی کو دیکھتے ہوئے سوچیں اور شیخ طوسیؒ کا جملہ ہے کہ بغداد کی تاریخ میں آج تک کسی کے مرنے پر اتنی آہ و بکا اتنا ماتم اور اتنا گریہ نہیں سنا گیا کہ موافق ومخالف عام وخاص شیعہ اور سنی سب کے سب آپ کے جنازے میں حاضر تھے اور پورے احترام کے ساتھ ان کا جنازہ اٹھایا گیا۔اور انھیں ان کے گھر میں دفن کیا گیا جہاں پر ان کی قبر پر امام کا مرثیہ لکھا ہوا نظر آیا اور کچھ مدت کے بعد ان کی قبر سے انھیں کاظمین میں منتقل کیا گیا اور آج بھی وہاں شیخ مفیدؒ کی قبر موجود ہے۔

کتنی عظیم ہستی ہے شیخ مفیدؒ کی کبھی امیر المومنین معتمد کہتے ہیں کبھی امام زمانہؑ فرماتے ہیں ہم تمہاری غلطیوں کو صحیح کریں گے کبھی خاتون جنت سیدۃ النسا العالمین علیہ الصلوات والسلام خواب میں آ کر سید مرتضیٰؒ اور سید رضیؒ کی سفارش کرتی ہیں۔

علماء برادرانِ اہلِ سنت کا جملہ ہے کہ کوئی شیعہ ایسا نہیں کہ دنیا میں کسی نہ کسی انداز میں شیخ مفیدؒ کا اس پر احسان نہ ہو اور حقیقت بھی یہی ہے۔

شیخ مفیدؒ وہ عظیم شخصیت ہیں کہ جس نے ایک طرف ان تمام اعتراضات کا جو مختلف مسائل پر ہو رہے تھے جواب دیا اور دوسری طرف علم فقہ کو اس انداز سے ایک نیا رنگ دیا کہ اس کے بعد خود عباسی خلافت کے دار الحکومت میں عباسی حکومت کے دار الخلافہ میں اس انداز سے شیعیت نے ترقی کی کہ اسی کے نتیجے میں ایک دن وہ آیا کہ عباسی خلیفہ کے دربار

میں شیعہ عالم کیلئے ایک کرسی رکھی جاتی تھی کہ جو وزیر اعظم کی کرسی کے برابر تھی۔

امام مہدی علیہ السلام کا مرثیہ دو مقامات پر نظر آتا ہے ایک زیارت ناحیہ شہدائے کربلا پر اور دوسرا شیخ مفیدؒ کی قبر پر۔ آج کوئی آواز دینے والا آواز نہ دے۔ اس لیے کہ آج کا دن آل رسولؐ کیلئے ایک بڑی مصیبت کا دن ہے تیری جدائی کی وجہ سے اور تو قبر کی مٹی کے نیچے جا کر پوشیدہ ہو گیا ہے لیکن حالت یہ ہے کہ توحید و عدل تیری ذات میں قیام کرنے والے ہیں۔ توحید وعدل تیری ذات میں سمائے ہوئے ہیں امام عصرؑ خوش ہوتے ہیں جب تیرے سامنے مختلف درس وعلوم کو تیرے شاگرد پڑھتے ہیں۔ آج کوئی آواز دینے والا آواز نہ دے کہ آج آل رسولؐ کے لیے بڑی مصیبت کا دن ہے۔

شاگرد:

۱۔ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی، شیخ الطائفہ
۲۔ محمد بن حسین موسوی المعروف بالشریف رضی
۳۔ علی بن حسین موسوی، شریف مرتضیٰ
۴۔ ابو العباس احمد بن علی العباس
۵۔ ابو یعلی محمد بن حسن جعفری
۶۔ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بحرانی
۷۔ ابو الفرج المظفر بن علی حمدانی
۸۔ ابو الفتح محمد بن علی بن عثمان کراجکی

فہرست کتب شیخ مفیدؒ

۱۔ کتاب الرسالۃ المقنعہ
۲۔ کتاب الارکان فی دعائم الدین
۳۔ کتاب الایضاح فی الامامہ
۴۔ کتاب الافصاح فی الامامہ

۵۔ کتاب الارشاد

۶۔ کتاب العیوب والمحاسن

۷۔ کتاب الرد علی الجاحظ والعثمانیہ

۸۔ کتاب نقض المروانیہ

۹۔ کتاب نقض فضیلۃ المعتزلۃ

۱۰۔ کتاب المسائل الصاغانیہ

۱۱۔ کتاب مسائل النظم

۱۲۔ کتاب المسئلۃ الکافیہ فی ابطال توبۃ الخاطئہ

۱۳۔ کتاب النقض علی ابن عباد فی الامۃ

۱۴۔ کتاب النقض علی علی بن عیسیٰ الرمانی

۱۵۔ کتاب النقض علی ابی عبداللہ البصری

۱۶۔ کتاب فی المتعۃ

۱۷۔ کتاب فی الموجز فیہا

۱۸۔ کتاب مختصر المتعۃ

۱۹۔ کتاب مناسک حج

۲۰۔ کتاب مناسک الحج المختصر

۲۱۔ کتاب المسائل العشرۃ فی الغیبۃ

۲۲۔ کتاب مختصر فی الغیبۃ

۲۳۔ کتاب مسئلہ فی الغسل علی الرجلین

۲۴۔ کتاب مسئلہ فی نکاح الکتابیات

۲۵۔ کتاب جمل الفرائض

۲۶۔ کتاب کشف الالتباس

۲۷۔ کتاب مسئلہ فی الارادۃ

۲۸۔ کتاب مسئلہ فی الاصلح

۲۹۔ کتاب اصول الفقہ

۳۰۔ کتاب الموضح فی الوعید

۳۱۔ کتاب کشف السرائر

۳۲۔ کتاب الجمل

۳۳۔ کتاب لمح البرهان

۳۴۔ کتاب مصابیح النور

۳۵۔ کتاب الاشراف

۳۶۔ کتاب الفرائض الشرعیہ

۳۷۔ کتاب النکت فی مقدمات الاصول

۳۸۔ کتاب ایمان ابی طالبؑ

۳۹۔ کتاب مسائل اهل الخلاف

۴۰۔ کتاب احکام النساء

۴۱۔ کتاب عدد الصلوٰۃ والصوم

۴۲۔ کتاب الرسالہ علی اهل التقلید

۴۳۔ کتاب التمهید

۴۴۔ کتاب الانتصار

۴۵۔ کتاب الکلام فی الانسان

۴۶۔ کتاب الکلام فی وجہ اعجاز القرآن

۴۷۔ کتاب الکلام فی المقوم

۴۸۔ کتاب الرسالۃ العلویہ

۴۹۔ کتاب اوائل المقالات

۵۰۔ کتاب بیان وجوہ الاحکام

۵۱۔ کتاب المرار الصغیر

۵۲۔ کتاب الاعلام

۵۳۔ کتاب جواب المسائل فی اختلاف الاخبار

۵۴۔ کتاب العریض فی الکلام

۵۵۔ کتاب رسالۃ الجنیدی الی اھل المصر

۵۶۔ کتاب النصرۃ فی فضل القرآن

۵۷۔ کتاب جوابات اھل دینور

۵۸۔ کتاب جوابات ابی جعفر قمی

۵۹۔ کتاب جوابات علی بن نصر العتد جانی

۶۰۔ کتاب جوابات الامیر ابی عبداللہ

۶۱۔ کتاب جوابات الفارقیین فی الغیبۃ

۶۲۔ کتاب نقض خمس عشرہ مسئلۃ علی البلخی

۶۳۔ کتاب نقض الامامہ علی جعفر بن حرب

۶۴۔ کتاب جوابات ابن نباتہ

۶۵۔ کتاب جوابات الفیلسوف فی الاتحاد

۶۶۔ کتاب جوبات ابی الحسن مسبط المعافا بن زکریا فی اعجاز القرآن

۶۷۔ کتاب جوبات ابی اللیث الادنی فی الکلام علی الجبانی فی المعدوم

۶۸۔ کتاب جوابات النضر بن بشیر فی الصیام

۶۹۔ کتاب النقض علی الواسطی

۷۰۔ کتاب القناء فی وجوب الدعوة

۷۱۔ کتاب المز ورین عن معانی الاخبار

۷۲۔ کتاب جوابات ابی ابن الحسن نیشاپوری

۷۳۔ کتاب البیان فی تالیف القرآن

۷۴۔ کتاب جوابات البرقی فی فروع الفقه

۷۵۔ کتاب الرد علی بن کلاب فی الصفات

۷۶۔ کتاب النقض علی الطلحی فی الغیبه

۷۷۔ کتاب فی امامة امیر المومنین من القرآن

۷۸۔ کتاب فی تاویل قوله فاسئلوا اهل الذکر

۷۹۔ کتاب المسئله الموضحه عن نکاح امیر المومنین علیه السلام

۸۰۔ کتاب الرسالة المقنعة فی وفاق البغدادیین من المعتزلة لماروی عن الائمه

۸۱۔ کتاب جوابات مقاتل بن عبد الرحمن مما استخرجه من کتب الجاحظ

۸۲۔ کتاب جوابات بن عرقل

۸۳۔ کتاب المسئلة علی الزیدیة

۸۴۔ کتاب المجالس المحفوظة فی فنون الکلام

۸۵۔ کتاب الامالی المتفرقات

۸۶۔ کتاب نقض الاصم فی الامامة

۸۷۔ کتاب جوابات مسائل اللطیف من الکلام

۸۸۔ کتاب الرد علی الخالدی فی الامامة

۸۔ کتاب الاستبصار فیما جمعہ الشافعی

۹۔ کتاب الکلام فی الخمر المختلف بغیر اثر

۔ کتاب الرد علی النصی فی الشوریٰ

۹۲۔ کتاب اقسام المولیٰ فی اللسان

۹۳۔ کتاب جوابات ابی الحسن الحسینی

۹۴۔ کتاب مسائل الزیدیہ

۹۵۔ کتاب المسائل فی اقصی الصحابہ

۹۶۔ کتاب مسئلہ فی تحریم ذبائح اھل الکتاب

۹۷۔ کتاب مسئلۃ فی البلوغ

۹۸۔ کتاب مسئلہ فی العین

۹۹۔ کتاب الزاھرات فی المعجزات

۱۰۰۔ کتاب جوابات ابی جعفر محمد بن الحسن اللیثی

۱۰۔ کتاب النقض علی علام البحرانی فی الامامۃ

۱۰۔ کتاب علی النصی فی الاماۃ

۱۰۔ کتاب مسئلہ فی النص الجلی

۱۰۔ کتاب الکلام فی حدوث القرآن

۱۰۵۔ کتاب جوابات الشرقیین فی فروع الدین

۱۰۔ کتاب مقالیس الانوار فی الرد علی اھل الاخبار

۱۰۷۔ کتاب الرد علی الکراجیسی فی الامامۃ

۱۰۸۔ کتاب الکامل فی الدین

۱۰۔ کتاب الافتخار فی الرد علی العتبی فی الحکایۃ والحکی

۱۱۰۔ کتاب الرد علی الجبار فی التفسیر

۱۱۱۔ کتاب الجوابات فی خروج المهدیؑ

۱۱۲۔ کتاب الرد علی اصحاب الحلاج

۱۱۳۔ کتاب التاریخ الشریعه

۱۱۴۔ کتاب تفضیل الائمہ علی الملئکة

۱۱۵۔ کتاب مسئلہ الجنبیة

۱۱۶۔ کتاب فیضة العقل علی الافعال

۱۱۷۔ کتاب مسئلہ محمد بن خضر الفارسی

۱۱۸۔ کتاب جوابات اهل طبرستان

۱۱۹۔ کتاب الرد علی الشعبی

۱۲۰۔ کتاب جوابات اهل الموصل فی العدد والرویة

۱۲۱۔ کتاب مسئلہ فی تخصیص الایام

۱۲۲۔ کتاب مسئلہ فی قول النبی اصحابی کالنجوم

۱۲۳۔ کتاب مسئلہ فیما روتہ العامة

۱۲۴۔ کتاب مسئلہ فی القیاس مختصر

۱۲۵۔ کتاب مسئلہ الموضحہ عن ترویج عثمان

۱۲۶۔ کتاب الرد علی ابن عون فی المخلوق

۱۲۷۔ کتاب انی مخلف فیکم الثقلین

۱۲۸۔ کتاب مسئلة فی خبر ماریہ

۱۲۹۔ کتاب فی قولہ انت منی بمنزلہ هرون من موسیٰ

۱۳۰۔ کتاب جوابات ابن ابی الحامی

۱۳۱۔ کتاب فی تفضیل امیر المومنینؑ علی سایر الصحابہ

۱۳۲۔ کتاب فی الغیبۃ

۱۳۳۔ کتاب مسئلۃ فی قولہ المطلقات

۱۳۴۔ کتاب جوابات المافروخی

۱۳۵۔ کتاب جوابات ابن واقد السنی

۱۳۶۔ کتاب الرد علی ابن الرشید فی الامامۃ

۱۳۷۔ کتاب علی ابن الاخشد فی الامامۃ

۱۳۸۔ کتاب مسئلہ فی الاجماع

۱۳۹۔ کتاب مسئلۃ فی میراث النسی

۱۴۰۔ کتاب الوجوبۃ عن المسائل الخوارزمیۃ

۱۴۱۔ کتاب الرسالۃ الی الامیر ابی عبداللہ وابی طاہر بن ناصر الدولۃ فی مجلس جری فی الامامۃ

۱۴۲۔ کتاب مسئلہ فی معرفۃ النبیؐ بالکتابۃ

۱۴۳۔ کتاب فی وجوب الجنۃ لمن انتسب الی النبیؐ بالولادۃ

۱۴۴۔ کتاب الکلام فی دلایل القرآن

۱۴۵۔ کتاب جواب الکرمانی فی فضل النبیؐ علی سایر الانبیاء

۱۴۶۔ کتاب العھد فی الامامۃ

۱۴۷۔ کتاب مسئلہ فی انشقاق القمر وتکلم الذراع

۱۴۸۔ کتاب مسئلۃ فی معراج

۱۴۹۔ کتاب مسئلۃ فی رجوع الشمس

۱۵۰۔ کتاب المسئلۃ المقنعۃ فی امامۃ امیر المومنینؑ

۱۵۱۔ کتاب الرسالۃ الکافیۃ فی الفقہ

۱۵۔ کتاب المسائل الجرجانیة.

۱۵۳۔ کتاب المسائل الغربیہ

۱۵۴۔ کتاب النصرة لسید العترة

۱۵۵۔ کتاب مسئلة فی المواریث

۱۵۶۔ کتاب البیان عن غلط قطرب فی القرآن

۱۵۷۔ کتاب مسئلة فی الوکالة

۱۵۸۔ کتاب فی القیاس

۱۵۹۔ کتاب شرح کتاب الاعلام النقض علی ابن الجنید فی اجتہاد الرای

۱۶۰۔ کتاب ابی الفرج بن اسحٰق لما یفسد الصلوٰة

۱۶۱۔ کتاب نہج البیان عن تحلیل الایمان

۱۶۲۔ کتاب المسائل الواردة علی ابی عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الفارسی المقیم بالمشهد بالنوبندجان

۱۶۳۔ کتاب مناسک الحج

۱۶۴۔ کتاب عمدة المختصرة علی المعتزلة فی الوعید

۱۶۵۔ کتاب جواب اهل جرجان فی تحریم الفقاع

۱۶۶۔ کتاب الرد علی ابی عبداللہ البصری فی تفضیل الملائکہ

۱۶۷۔ کتاب الکلام فی ان المکان لایخلو عن الحکم

۱۶۸۔ کتاب اهل المسترقة فی الاهلہ والعدد

۱۶۹۔ کتاب جواب ابی محمد الحسن بن الحسین النوبندجانی المقیم بمشهد عثمان

۱۷۰۔ کتاب جواب ابی الفتح محمد بن علی بن عثمان

۱۷۱۔ کتاب النقض علی الجاحظ فی فضیلة المعتزلة

☆☆☆

بسم تعالیٰ

علی بن حسین سیّد مرتضیٰ رح علم الہدیٰ

۳۵۵ھ - ۴۳۶ھ

آپ کا نام سیّد علی ابن حسین ابن موسیٰ ابن ابراہیم بن موسیٰ الکاظم علیہ السلام ہے۔ آپ کی ولادت ۳۵۵ ہجری میں بغداد میں ہوئی۔ سیّد مرتضیٰ ہمارے ساتویں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی پانچویں پشت سے ہیں۔ اِن کی والدہ ہمارے چوتھے امامؑ کی نسل سے ہیں۔ آپ والد اور والدہ دونوں کی طرف سے نجیب الطرفین سیّد ہیں اس لیے کتب تاریخ اور کتب فقہاء میں آپ کا مشہورترین لقب ''سیّد'' ہے۔ سیّد مرتضیٰ کی کنیت ابوالاسم ہے اور اِن کے مشہور القاب میں سے سب سے پہلا لقب مرتضیٰ ہے۔ اس کے علاوہ ظل نجدین ابوثمانی اور علم الہدیٰ آپ کے مشہور لقب ہیں۔

علم الہدیٰ یعنی ہدایت کا پرچم اس لقب کے ملنے کا واقعہ ہے سن ۴۱۹ ہجری کی بات ہے۔ عباسی خلیفہ قادر باللہ کا وزیرِاعظم بیمار ہوگیا بیماری لاعلاج تھی۔ مرض بڑھتا چلا گیا، یہ تھا تو عباسی خلیفہ کا وزیرِاعظم لیکن اس کے دل میں آلِ محمدؐ کی محبت موجود تھی جب کوئی آفاقہ نہ ہوا تو ایک رات جب انتہائی پریشان اور حیران تھا اس بیماری سے نجات کا کوئی راستہ سجھ میں نہیں آرہا تھا کہ رات خواب میں اس نے دیکھا کہ مشکل کشاہ کائنات حضرت علیؑ ابن ابی طالب تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں تم اپنی بیماری کا علاج چاہتے ہو تو بس ایک ہی طریقہ ہے کہ میرے بیٹے علم الہدیٰ کے پاس جاؤ اور کہو کہ وہ تمہارے لیے دُعا کرے۔ وزیرِاعظم یہ سن کر حیران ہوتا ہے اور کہتا ہے یاامیرالمومنینؑ یہ علم الہدیٰ کون ہے تو مولاؑ نے فرمایا میرا بیٹا علی ابن حسین موسوی۔ وزیرِاعظم کی آنکھ کھلی فوراً اس نے خط لکھا اور خط میں انھیں علم الہدیٰ کہہ کر مخاطب کیا اور اِن سے درخواست کی کہ آپ میرے حق میں دُعا کریں۔ جب یہ خط سیّد مرتضیٰ کے پاس پہنچا تو آپ گھبرا گئے علم الہدیٰ یعنی ہدایت کا پرچم، ہدایت کا نشان مجھے کہا جارہا ہے۔ یہ تو معصومؑ کا خطاب ہوسکتا ہے۔ ایک مرتبہ فوراً خط کا جواب لکھا! یہ تو نے میرا کون سا نام رکھ دیا۔ کیا غضب کردیا، کیسا نام منتخب کیا، اس سے اسلام کی توہین ہورہی ہے۔ میں اس کو اپنے لیے برداشت نہیں کرسکتا۔ فوراً وزیرِاعظم نے خط کا جواب دیا اور لکھا یہ نام میرا دیا ہوا نہیں ہے یہ نام تو خود آپ کو آپ کے جد طہرا امیرالمومنینؑ نے دیا ہے، تفصیل کے ساتھ اپنا خواب بیان کیا اور لکھا کہ اب آپ کو آپ کے اسی جدّ کا واسطہ ہے میرے حق میں دُعا کریں۔ اب سیّد مرتضیٰ خاموش ہوگئے اور وزیرِاعظم کے حق میں دُعا کی۔ چند دنوں میں صحت یاب ہوگیا اور

دربار میں گیا۔ خلیفہ قادر باللہ دیکھ کر حیران رہ گیا اور پوچھا اتنی جلدی کیسے صحت یاب ہو گئے۔ کس حکیم کی دوائی کھائی، کس طبیب سے علاج کروایا۔ وزیر اعظم نے سارا واقعہ سنا دیا۔ عباسی خلیفہ نے خواب سننے کے بعد بے اختیار حکم دیا کہ آج سے سید مرتضیٰ" کو علم الہدیٰ کے لقب سے پکارا جائے اس لیے کہ یہ لقب انھیں حضرت علی علیہ السلام نے دیا ہے، خلیفہ نے شاہی فرمان جاری کر دیا۔

سید مرتضیٰ" کی عظمت تو دیکھیں کبھی کائنات کا ہادی، انھیں ہدایت کا علم، ہدایت کا نشان قرار دے کبھی کائنات کی ملکہؑ تعلیم کے بارے شیخ مفیدؒ کو سفارش فرماتی ہیں، کبھی وہ مجددین کی فہرست میں نظر آتے ہیں۔ کبھی وہ ہمیں جزیرہ خضرا کے نامور علما میں نظر آتے ہیں۔

سید مرتضیٰ" کے اساتذہ میں مشہور ترین اساتذہ کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ شیخ مفیدؒ

۲۔ شیخ محمد صدوقؒ

۳۔ حسین بن علی بابویہ (برادر شیخ صدوقؒ)

۴۔ استاد ابو محمد ہارون

۵۔ احمد بن علی بن سعد کوفی

۶۔ ابو الحسن علی بن محمد کاتب

سید مرتضیٰ" نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں مشہور ترین کتاب شافی اور کتاب الحرر و قرر، کتاب ذخیرہ، کتاب توضیح الانبیاء ہیں۔ اس کے علاوہ بازار معجون دیوان ہے جس میں آل محمدؐ کی مدح اور واقعہ کربلا کے مرثیے ہیں۔

سید مرتضیٰ" اپنے زمانے کے مالدار ترین شخص تھے۔ سید مرتضیٰ" کے برابر دولت صاحبان ایمان میں سے کسی کے پاس موجود نہ تھی۔ بغداد سے لے کر مکہ تک کوئی علاقہ ایسا نہ تھا جہاں آپ کی جائیداد نہ ہو۔

آپ جب سفر حج کو جایا کرتے تو تمام راستوں میں خیرات اور صدقات کرتے ہوئے جاتے تھے اور ایک ایک شخص کو نو ہزار دینار بہ طور صدقہ یا خیرات دیتے۔ سید مرتضیٰ" کے تجارتی قافلے اور کاروباری مراکز پوری دنیائے اسلام کے اندر پھیلے ہوئے تھے۔ یہ دولت مذہب شیعہ کے فروغ کے لیے استعمال ہوئی۔

سیّد مرتضیٰؒ کا ایک مشہور واقعہ کتابوں میں موجود ہے۔آپؒ پرانے بغداد میں رہتے تھے جب بغداد بہت پھیلنے لگا تو دریا دجلہ کی دوسری جانب نیا بغداد بن گیا۔دریا دجلہ پر پل تھا جو صبح کھولا جاتا اور شام کو بند کر دیا جاتا۔سیّد مرتضیٰؒ پرانے بغداد میں محلہ کرب کی مسجد میں درس دیا کرتے تھے۔آپ کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد نئے بغداد میں رہتا تھا۔یہ شاگرد روزانہ درس میں دیر سے پہنچتا یا درس ختم ہو جاتا یا آدھے سے زیادہ گزر چکا ہوتا۔ایک دن یہ شاگرد پریشان گھبرایا ہوا سیّد مرتضیٰؒ کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے ہر روز دیر ہو جاتی ہے۔سیّد مرتضیٰؒ نے سبب پوچھا تو اُس نے کہا کہ پل دیر سے کھلتا ہے انتظار کرتا ہوں جیسے ہی پل کھلتا ہے میں فوراً بھاگتا ہوں لیکن اُس وقت تک آپ کا درس ختم ہو چکا ہوتا ہے یا ہونے والا ہوتا ہے۔آپ کوئی ایسا طریقہ بتائیں کہ میرا مسئلہ حل ہو جائے۔سیّد مرتضیٰؒ نے ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر کاغذ کو تہہ کر کے اُسے دیا اور کہا کہ دیکھو! اسے کھول کر پڑھنا نہیں ہے کہ کیا لکھا ہے۔تم اس کو اپنے پاس رکھنا اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام لے کر دریا کے راستے آجانا لیکن خبردار اسے کھول کر مت پڑھنا۔یہ شاگرد خوشی خوشی گھر آیا اگلے دن اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام لے کر قدم پانی میں رکھا اور اطمینان وسکون سے چلتا ہوا دریا پار کر گیا، گویا کہ زمین پر چل رہا تھا پانی پر نہیں جوتی کا تلوا تک گیلا نہ ہوا۔یہ بہت خوش ہوا اور اب یہ روزانہ کا معمول بن گیا ایک دن اس کے دل میں خیال آیا پتہ نہیں اس کاغذ پر کون سی آیت لکھی ہوئی ہے۔کیوں نہ اس کو کھولا جائے شاید دوسرے لوگوں کا بھی بھلا ہو جائے اُس نے کاغذ کو کھولا تو دیکھا لکھا تھا ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' بہت حیران ہوا اگلے دن چلا دریا کی طرف پہلا قدم رکھا تو پانی کے اندر داخل ہوتا چلا گیا، ڈوبنے کا امکان پیدا ہو گیا بڑی مشکل سے بچا۔اب پل کے راستے دیر سے پہنچا، دیکھتے ہی سیّد مرتضیٰؒ نے کہا تو نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی۔کیوں اُس کاغذ کو کھول کر دیکھا جب کہ میں نے سختی سے منع کیا تھا، اب اس دُعا کا تیرے لیے کوئی اثر نہیں ہے۔

صاحب قصص العلماء نقل کرتے ہیں نجف اشرف میں امیر المومنین علیؑ کا روضہ تعمیر ہوا اور سونے چاندی کی تزئین کی گئی تو زائرین کی تعداد میں بہت اضافہ ہو گیا ایک مرتبہ ایک فقیر، درویش روضہ پر آیا دیکھا کہ چاروں طرف سونے چاندی کی بنی ہوئی قندیلیں لٹک رہی ہیں۔اُس نے مولاؑ سے کہا مولاؑ ان کی آپ کو ضرورت نہیں ہے آپ کو سونے چاندی سے کیا سروکار۔اِن میں سے ایک مجھے دے دیں، میں ایک بیچ کر اپنی زندگی بھر کا سامان حاصل کر لوں گا۔زندگی آسان ہو جائے گی، یہ کہنا تھا کہ ایک قندیل اس کے قدموں میں آگری۔یہ فوراً آگے بڑھ کر اُٹھانا چاہتا تھا کہ خدام جو ڈیوٹی پر تھا جلدی

سے آگے بڑھا اور قندیل اُس سے چھین کر دوبارہ واپس اس کے مقام پر لگادی۔ وہ درویش واپس چلا گیا۔ اگلے روز پھر آیا اور پھر مولاؑ سے وہی گزارش کی ایک مرتبہ پھر قندیل قدموں میں آگئی، خدام فوراً آیا اور اس کو اُس کے مقام پر لٹکا دیا۔ تیسرے دن پھر یہی واقعہ پیش آیا تو خدام بھی حیران پریشان ہو گئے۔ سیّد مرتضیٰؒ پورے عالم اسلام میں شیعوں کے سیّد و سردار تھے ان کا حکم چلتا تھا۔ ان کے فتویٰ کو حرف آخر سمجھا جاتا تھا کیوں نہ سمجھا جاتا مجتہد اعظم جو تھے، لہٰذا سیّد مرتضیٰؒ سے رجوع کیا گیا۔ سیّد مرتضیٰؒ نے کہا کہ قطعاً نہیں اس درویش فقیر کو کچھ نہ دینا۔ یہ روضے کی وقف شدہ چیزیں ہیں اس قندیل کو وہیں لٹکا دو۔ لہٰذا تیسرے دن بھی قندیل وہیں لٹکا دی گئی اور وہ ملنگ مایوس ہو کر چلا گیا۔ سیّد مرتضیٰؒ سے روزانہ ہزاروں مسئلے پوچھے جاتے تھے انھیں یاد بھی نہ رہا کہ کوئی ایسا مسئلہ تھا، رات کو سو گئے تو خواب میں معصومہ کونین جناب سیّدہ خاتونِ جنت علیہا الصلوٰۃ والسلام تشریف لائیں اور فرمایا کیا تجھے نہیں پتہ ہر قوم میں ہر فرقے میں دیوانہ ہوتا ہے اور وہ درویش ہم آل محمدؐ کا دیوانہ ہے، جو کچھ اُسے مل رہا تھا وہ ہم عطا کر رہے تھے۔ اب یہ تیری ذمہ داری ہے کہ تو یہ تحفہ بھی اُسے دے اور اس کے بعد اُسے اپنے آپ سے راضی کر، ورنہ ہم تم سے راضی نہیں ہوں گے۔ اتنا سننا تھا کہ سیّد مرتضیٰؒ کی آنکھ کھل گئی۔

اب بی بی پاک سلام اللہ علیہا اُس درویش کی خواب میں تشریف لائیں اور فرمایا تو آل محمدؐ کا دیوانہ ہے۔ اس لیے وہ قندیل ہم نے تجھے بخشی، پھر فرمایا کل میرا بیٹا سیّد مرتضیٰؒ تیرے پاس آنے والا ہے وہ تجھ سے راضی ہونا چاہے گا جو کچھ تیرا دل چاہے تم مانگ لینا اور پھر اُس کے بعد راضی ہو جانا۔ اگلے دن سیّد مرتضیٰؒ اُس درویش کی تلاش میں نکلے آخر وہ مل گیا تو سیّد نے کہا اے درویش میں چاہتا ہوں کہ تو مجھ سے راضی ہو جا۔ بتا کہ کس صورت تو مجھ سے راضی ہوگا۔ اُس درویش نے بہت بڑی رقم کا مطالبہ کیا جو سیّد مرتضیٰؒ نے اُس وقت ادا کی۔ اس کے بعد وہ درویش، ملنگ کہنے لگا اے شخص جو تیرے خواب میں تشریف لائی تھیں، وہ میرے خواب میں بھی تشریف لائی تھیں اور مجھے حکم دے گئیں تھیں کہ میں تجھ سے راضی ہو جاؤں اس لیے اب میں تجھ سے راضی ہو گیا ہوں۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ علمائے اعلام، مجتہدین کرام، مراجعین عظام، نائبانِ امامؑ، حاکمانِ شریعت جنھوں نے دین کو ہم تک پہنچایا، جو دین کی حفاظت کرتے ہیں۔ کل بھی اور آج بھی کتنا بلند مقام رکھتے ہیں۔ معصومؑ کی بارگاہ میں کتنا اونچا مرتبہ ہے، اُن کی ریاضتوں، محنتوں اور اسلام کو پھیلانے کی کوششوں پر معصومؑ اور معصومہؑ کس انداز میں اِن کی مدد کے لیے آتے ہیں اور کس انداز سے ان کی غلطیوں کی اصلاح کرتے ہیں، مجتہدین اکرام کا وہی سلسلہ اجتہاد کل بھی چل رہا

تھا اور آج بھی چل رہا ہے۔

سیّد مرتضیٰؒ اپنے زمانہ کے یگانہ روزگار فرد تھے۔ ان کے فضل وکمال تک اُس وقت کسی کو رسائی نہ تھی۔ شرافت زہد و تقویٰ اور علمیت میں اعلیٰ ترین اوصاف کے مالک تھے۔ دنیائے شیعیت کے اعلیٰ ترین مرجع اعظم حکمران تھے۔ ان کی ایک کتاب ''الحرر والقدر'' شیخ عباس قمی نے لکھا ہے کہ علمائے اہل سنت نے آج تک کسی شیعہ کتاب کی اتنی تعریف نہیں کی جتنی سیّد مرتضیٰؒ کی اس کتاب کی کی گئی ہے۔ اس اقرار کے ساتھ کہ ساتویں امام علیہ السلام کی اولاد میں جتنے بھی خاندان وجود میں آئے ان میں سب سے زیادہ جلیل ترین، سب سے زیادہ شریف ترین گھرانہ سیّد مرتضیٰؒ کا گھرانہ تھا۔

یہ وہ عظیم ہستی ہے کہ جن کے بارے میں خواجہ نصیرالدین طوسیؒ جو اپنے زمانے کے بے مثال فلسفی تھے، جنھوں نے دنیا کی وحشی ترین قوم یعنی منگول ہلاکو خان وغیرہ کے دلوں کو مسخر کر کے مسلمان بنایا، کے بارے میں مشہور تھا کہ جب کبھی وہ درس دیتے اور دوران درس سیّد مرتضیٰؒ کا نام آجاتا تو فوراً صلوٰۃ کہتے تھے اِن پر خدا کا درود وسلام ہو، اس کے بعد اپنے تمام شاگردوں کو جن میں بڑے بڑے فقہا ومجتہدین اور قاضی موجود ہوتے تھے اِن سے کہتے بے شک کیوں نہ درود بھیجا جائے، سیّد مرتضیٰؒ کی شخصیت وہستی ہی ایسی ہے۔ ان پر درود وسلام بھیجنا چاہیے۔ آپ کی فضیلت کے لیے اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ براداران اہل سُنت نے آپ کو چوتھی صدی کا مجدد قرار دیا۔

اب تک جو حالات مرجع اعظام کے پیش کیے ہیں۔ اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے صرف چند کرامات ذکر ہوئیں۔ علمی مباحث اور علمی ذوفشانیاں اس کتاب کی زینت نہ بن سکیں مگر سید مرتضیٰؒ کا ایک جسم کا ایک وقت میں مختلف مقامات پر وجود رکھنے کے بارے میں استدلال ملاحظہ فرمائیں۔

عالم مثال فلک قمر کے نیچے ہے اور مثالی اجسام مادہ سے خالی ہوتے ہیں اور یہ بات نسخہ کی رو سے ہے اور غلط ہے اور کوئی جسم بھی اپنے سے الگ نہیں ہوسکتا اور ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ روح اس جسم سے نکل کر ایک مثالی قالب میں چلی جاتی ہے اور وہاں اس کے لیے صبح شام بھی ہوتے ہیں جس کی دلیل اس آیت سے ہوتی ہے

وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا. (سورہ مریم آیت ۶۲)

اور حضرت امام جعفر صادقؑ نے اسی آیت سے عالم برزخ کے وجود پر استدلال کیا ہے اور ہمارا اعتقاد یہی ہے کہ روح جسم سے مفارقت کے بعد عالم مثال میں بدن مثالی میں چلی جاتی ہے اور اگر اہل نجات ہوتی ہے تو طرح طرح کی

نعمات اسے میسر آتی ہیں اور اگر اہل عذاب سے ہے تو آخرت میں طرح طرح کے عذابوں سے موذب ہوتی ہے اور آخرت میں سب اپنے عنصری ابدان میں ہی محشور ہوں گے اور یہ طے ہے کہ بند عنصری میں بقائے ابدی کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور روح بھی بقائے ابدی کیلئے تیار ہونی چاہیئے چنانچہ کوئی نہ کوئی بزرخ ہونا چاہیے جہاں نہ صرف فانی اور مٹ جانے والے بدن ہوں یا نہ صرف ہمیشگی ہو بلکہ کوئی بھی ضائع نہ ہونے پائے اور اسی کا مطلب برزخ اور عالم مثال سے ہے اور یہی وجہ ہے کہ کہتے ہیں کہ امیر المومنینؑ وقت احتضار پر ہر محتضر کے سرہانے پہنچتے ہیں چاہے وہ مومن ہو چاہے منافق ہو۔

اور اعلم الہدیٰ سید مرتضیٰؒ نے اس قاعدہ کی بناء پر کہ ایک جسم ایک وقت میں مختلف مقامات پر موجود نہیں ہو سکتا فرمایا کہ محتضر کا وقت احتضار علیؑ کو دیکھنے سے مقصد یہ ہے کہ وہ آنجنابؑ کی ولایت ومحبت کا ثمر اس وقت دیکھے گا نہ کہ بہ نفس نفیس آنجنابؑ، کو اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر محتضر آنجنابؑ کو بہ نفس نفیس دیکھتا ہے جیسے کہ سورج کو ہر ایک دیکھتا ہے۔ سورج تو اپنے مقام پر ہے لیکن ہر شخص ہر شہر میں اس کو دیکھتا ہے اس کے انوار اور شعاعوں کی بدولت۔ اور یا ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر شخص آنجنابؑ کو بدن مثالی میں دیکھتا ہے کیونکہ عظیم نفوس قدسیہ کو یہ قوت وقدرت اور صلاحیت حاصل ہوتی ہے کہ ایک ہی نفس متعدد ابدان میں تصرّف کر سکتا ہے جیسے انبیاءؑ اولیاءؑ وغیرہ کے نفوس، یہی وجہ ہے کہ جناب امیر المومنینؑ ایک ہی شب میں ستر گھروں میں مہمان ہوئے وہ ہر محتضر کے سرہانے بھی آ سکتے ہیں۔ اور موسیٰؑ نے نور الٰہی کی تجلی دیکھنے سے بے ہوش ہونے کے بعد جو درحقیقت نور کروبین تھا جو شیعان امیر المومنینؑ سے ملائکہ کا ایک گروہ ہے انہوں نے دیکھا کہ ستر ہزار موسیٰؑ ہیں جو ستر ہزار عقیق کے پہاڑوں کے اوپر کھڑے ہیں اور سب نے اونی لباس بدن میں اور اونی عمامہ سر پر رکھا ہوا ہے، عصا ہاتھ میں ہے اور سارے کے سارے رب ارنی کا نعرہ بلند کر رہے ہیں تو موسیٰؑ نے جبرائیلؑ سے سوال کیا کہ کیا میرے علاوہ بھی کوئی موسیٰؑ ہے ورنہ یہ کون لوگ ہیں تو جبرائیلؑ نے کہا یہ آپ ہی کے ابدان مثالی ہیں اور یہی معنی اس روایت کے ہیں جو عوام الناس کی ایک بہت مشہور کتاب کی روایت ہے کہ جنگ جمل میں طلحہ زخمی حالت میں میدان میں پڑا ہوا تھا اور ابھی رمق جان اس میں باقی تھی تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تیرا قاتل کون ہے تو کہنے لگا کہ علیؑ۔ کہا: علیؑ تو فلاں جگہ ہیں انہوں نے تجھے قتل نہیں کیا۔ تو طلحہ نے جواب دیا کہ مجھے بھی علیؑ نے مارا ہے بلکہ سارے مقتولین کو علیؑ نے ہی قتل کیا ہے۔ تمہیں دکھائی نہیں دے رہا کہ کبھی علیؑ ہوا میں ہیں کبھی پشت سر پر کبھی منہ کے سامنے اور کبھی داہنی جانب سے حملہ کر رہے ہیں کبھی بائیں جانب سے۔ بے شک اس وقت اس آیت کے فرمان کے مطابق کہ

فبصرک الیوم حدید (سورہ ق آیت ۲۲) اس کی آنکھوں کے آگے سے پردے اُٹھا دیئے گئے تھے اور وہ امیرالمومنینؑ کے ابدان مثالی کو دیکھ رہا تھا۔ اور احادیث سے عالمِ مثال کا ثبوت یہ ہے کہ جیسے دعاء یا من اظھر الجمیل و ستر القبیح (۱) الخ میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ دُعا مفاتیح الجنان میں جمعہ کی نمازوں میں امام زین العابدین کی نماز کے ضمن میں لکھی گئی ہے اور یہ دُعا امامؑ کی دُعا ہے کیونکہ جو کچھ انسان سے اس عالم ظاہر میں صادر ہوتا ہے وہی عمل اس کے بدن مثالی سے ظہور پذیر ہوتا ہے پس اگر وہ کوئی خیر و نیکی ہوتی ہے تو سب ابدانِ مثالی اسے سے باخبر ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی شر و خرابی ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے انتہائی کرم سے اس پر پردہ ڈال دیتا ہے تو کوئی بھی مثالی بدن اس فعل قبیح اور معصیت کا مشاہدہ نہیں کر سکتا اس طرح وہ شخص شرمندگی و خجالت سے بچ جاتا ہے۔

۲۵/ربیع الاول سنہ ۴۳۶ ہجری کا دن آیا سیّد مرتضیٰؒ ۸۰ سال اور کچھ دن کے بعد اس دنیا سے رخصت ہوئے سیّد مرتضیٰؒ کا ایک لقب ابوثمانین بھی ہے، ثمانین یعنی ۸۰ والا۔ ۸۰ سال عمر پائی، ۸۰ ہزار کتابیں چھوڑی، جتنی چیزیں اپنے مرنے کے بعد چھوڑیں ۸۰ تھیں، ۸۰ مکان، ۸۰ جانور، ۸۰ غلام، ۸۰ کنیزیں وغیرہ

آپ کے مشہور ترین شاگرد شیخ نجاشی، شیخ ابوجعفر طوسیؒ ہیں۔ سیّد مرتضیٰؒ کو ابتدا میں اپنے گھر میں دفن کیا، بعد میں ان کی میت کو اِن کے جد امجد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے روضے میں سونپا گیا اور پھر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد وہاں سے کربلا معلیٰ قبر اطہر سیّد الشہدأ کے قریب منتقل کیا گیا جہاں اُن کے والد بزرگوار اور بھائی کی قبریں موجود تھیں۔

شاگرد

۱۔ شیخ طوسیؒ

۲۔ ابویعلی سلار دیلمی

۳۔ ابوصلاح حلبی

۴۔ قاضی ابن براج طرابلسی

۵۔ شریف ابویعلی

۶۔ محمد بن حسن بن حمزہ جعفری

۷۔ ابوصمام معروفی

۸۔ شیخ ابو عبد اللہ محمد

۹۔ جعفر بن محمد دوریستی

فہرست کتب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ

۱۔ کتاب تفسیر سورۂ حمد اور تفسیر سورۂ بقرہ کا کچھ حصہ

۲۔ تفسیر آیہ قل تعالوا اتل ما حرم اللہ

۳۔ رسالہ اس معنی کی تحقیق میں ولقد کرمنا بنی آدم الآیۃ

۴۔ تفسیر قولہ تعالیٰ لیس علی الذین امنو وعملو الصالحات جناح

۵۔ کتاب الموضح عن جھۃ اعجاز القرآن اور یہی کتاب صرفہ کے نام سے معروف ہے

۶۔ کتاب الملخص فی اصول دین

۷۔ کتاب الذخیرہ

۸۔ کتاب جمل والعلم والعمل

۹۔ کتاب تقریب الاصول فی الرد علی یحییٰ بن عدی

۱۰۔ کتاب الرد علی یحییٰ ایضاً فی اعتراضہ علی دلیل الموحدین فی حدوث الاجسام والرد علیہ فی مسئلۃ سماھا طبیعۃ المسلمین مسئلۃ فی کونہ تعالیٰ عالماً مسئلۃ فی الارادۃ مسئلۃ اخری فی الارادۃ

۱۱۔ کتاب تنزیہ الانبیاء والائمۃ مسئلۃ فی التوبہ

۱۲۔ کتاب الشافی فی الامۃ

۱۳۔ کتاب المقطع فی الغیبۃ

۱۴۔ کتاب الخلاف فی اصول الفقہ مسئلۃ فی التاکید مسئلۃ فی دلیل الخطاب

۱۵۔ کتاب المصباح فی الفقہ

۱۶۔ کتاب شرح مسائل الخلاف مسئلۃ فی العدد

۱۷۔ کتاب مسائل انفرادات الامامیہ

۱۸۔ کتاب المختصر فی الاصول

۱۹۔ کتاب غرر والدرر

☆☆☆

بسم تعالیٰ

محمد بن حسین سیّد رضیؒ

۳۵۹ھ - ۴۰۶ھ

سید رضیؒ سید مرتضیٰؒ کے سگے بھائی تھے، آپ سید مرتضیٰؒ سے چار سال چھوٹے تھے، سنہ ۳۵۹ ہجری میں آپ کی ولادت ہوئی، آپ نے بہت مختصر عمر پائی۔ صرف ۴۷ سال کی عمر میں سنہ ۴۰۶ میں انتقال فرمایا۔

۴۷ سال کی مختصر عمر اور اس مختصر ترین عمر میں ایک ایسا کام کر کے گئے کہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ انھوں نے ارادہ کیا کہ امیر المومنینؑ کے تمام خطبات کو، تمام کتب، تمام نصیحتوں کو جمع کیا جائے اور جتنے انھیں مل سکے انھیں جمع کر کے ایک کتاب مرتب کر لی۔ جس کا نام نہج البلاغہ ہے۔ جسے اخوالقرآن کہا جاتا ہے۔ قرآن کا بھائی نہج البلاغہ جیسی عظیم کتاب کو مرتب کیا تو عظمت کا اندازہ کریں کہ بعض علمائے اسلام نے شک وشبہ کا اظہار کیا ہے اور کہا کہ ایسا لگتا ہے کہ یہ کتاب سیّد رضیؒ نے خود لکھی اور لکھنے کے بعد علیؑ کے نام منسوب کی ہے۔ اب اگر چہ اس اعتراض کا جواب آپ کو نہج البلاغہ کے ہر ترجمہ کے شروع میں ملے گا۔ دلائل کے ساتھ اندازہ کریں کہ سیّد رضیؒ امیر المومنینؑ کے کلام کو جمع کر رہے ہیں تو علما کو یہ اشتباہ ہو رہے ہیں کہ شاید یہ خود اپنی تحریر ہے، سیّد رضیؒ کا علمی مقام کتنا بلند ہوگا کہ لوگوں کو یہ شک ہونے لگا کہ پتہ نہیں یہ اپنا کلام ہے یا معصوم امامؑ کا کلام ہے۔ لوگوں کے ذہنوں میں سیّد رضیؒ کی تحریر کی سیّد رضیؒ کے خطبات کی بلندیاں اتنی زبردست تھیں کہ اس کتاب کو دیکھ کر وہ سمجھے شاید یہ انھیں کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا آپ کو اساتذہ ہی ایسے ملے تھے اور پھر خداوند متعال اور معصومین کی نظر عنایت آپ کے شامل احوال تھی۔ استاد تو بہت تھے مگر مشہور اساتذہ درج ذیل ہیں

۱۔ ابواسحاق ابراہیم بن احمد طبری

۲۔ ابوعلی فارسی

۳۔ ابوسعید سیرافی

۴۔ ابوالفتح عثمان بن حسن

۵۔ ابوالحسن علی بن عیسیٰ

یہ یاد رہے کہ سیّد رضیؒ نے نہج البلاغہ مولائے کائناتؑ کے خطبے جن حالات میں اکٹھے کیے وہ اتنے ہی کٹھن حالات تھے جن حالات میں شیخ یعقوب کلینیؒ نے ''اُصول کافی'' لکھی تھی۔ یعنی اگر کسی گھر سے کوئی حدیث مل جاتی، اُس گھر کو جلا دیا جاتا۔ شیعہ حالت تقیہ میں، ایسے میں ہزاروں میل کا سفر کرنا، خطبات کا جمع کرنا، کسی معجزہ سے کم نہیں ہے اور یہ اُس وقت تک ممکن نہ تھا، جب تک خود معصومؑ کی مدد حاصل نہ ہوتی، سرپرستی نہ ہوتی۔ ایک بات تو ثابت ہے کہ دونوں بھائی جلیل القدر اور بلند و بالا مقام رکھتے تھے۔ سیّد مرتضیٰؒ کی عظمت اپنی جگہ تھی۔ آپ شیعان جہان کے مرجع اعظم تھے۔ جملہ خصوصیات کے علاوہ مگر سیّد رضیؒ خود ایک الگ منزل پر فائز تھے۔ سیّد مرتضیٰؒ کی عظمت اپنے مقام پر ہے اور سیّد رضیؒ کی عظمت اپنے مقام پر۔ دونوں بھائیوں کی سیرت میں اختلاف نظر آتا ہے۔ عظیم ہستیوں کے اختلافات کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کی سیرت میں اختلاف نظر آتا ہے۔ ایک کا دستر خوان کھلا ہوا، خیرات ہو رہی ہے اور دوسری جگہ زہد و تقویٰ اپنی انتہائی منزل پر وہی کیفیت سیّد رضیؒ اور سیّد مرتضیٰؒ کی بھی تھی جس کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے۔

عباسی وزیر اعظم کا کاتب نقل کرتا ہے کہ ایک دن میں وزیر اعظم کے پاس بیٹھا تھا کہ حاجب آیا اور کہا کہ سیّد مرتضیٰؒ تشریف لائے ہیں۔ وزیر اعظم نے حکم دیا جاؤ انھیں لے کر آؤ۔ جب وہ آئے تو وزیر اعظم نے کھڑے ہو کر استقبال کیا۔ عزت و احترام کے ساتھ اِن سے ملاقات کی، خاطر تواضع کی۔ جب تک گفتگو ہوتی رہی اپنے پہلو میں بٹھایا۔ گفتگو ختم ہونے پر انھیں بڑے احترام کے ساتھ رخصت کیا اور وہ چلے گئے۔ تھوڑی دیر گزری پھر حاجب آیا اور کہا کہ سیّد رضیؒ آئے ہیں کاتب کہتا ہے جب یہ حاجب نے کہا تو میں نے دیکھا ایک مرتبہ وزیر اعظم گھبرا کر کھڑا ہو گیا، وہ دوڑتا ہوا دروازے کی جانب چلا اور دروازے کے باہر جا کر کھڑا ہو گیا، وہاں جا کر سیّد رضیؒ کا احترام کے ساتھ استقبال کیا اور اپنے ساتھ لے کر آیا جتنی دیر بیٹھے رہے وہ مسلسل عزت و احترام کا مظاہرہ کرتا رہا اور جب سیّد رضیؒ واپس چلے گئے تو میں نے دیکھا کہ وزیر اعظم ان کے ساتھ ساتھ چلا اور دروازے کے آخر تک جا کر انھیں رخصت کیا۔ کاتب نقل کرتا ہے کہ جب وزیر اعظم واپس آ کر بیٹھ گیا، ایک مرتبہ میں نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا اور کہا کہ ایک بات تو بتایئے۔ سیّد مرتضیٰؒ بڑے بھی ہیں، عالم بھی ہیں پھر بھی آپ نے اسی مقام پر ان کا استقبال کیا اور اسی مقام سے انھیں رخصت کیا۔ لیکن سیّد رضیؒ جن کی عمر بھی کم ہے، جن کا علم بھی کم، بہر حال سیّد مرتضیٰؒ کے مقابلے میں تو کم ہے ان کے لیے آپ وہاں تک گئے، استقبال کر کے لائے

اور رخصت کرنے کے لیے بھی وہاں تک گئے۔ آخر اس کا سبب کیا ہے؟ تو جواب دیا میں سید مرتضیٰؒ کا بھی احترام کرتا ہوں لیکن سید رضیؒ کے کردار کا مجھ پر بے انتہا اثر ہے۔ کاتب کہتا ہے آپ نے دونوں میں کیا فرق دیکھا تو کہا کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا تھا، بغداد شہر کی جانب ایک نہر کو کھودنا تھا نہر کھودی جا رہی تھی اور جو نہر کھودی جاتی تو ان کی زمین میں سے بھی نہر کو نکالنا پڑتا تھا، جس زمین کی قیمت سولہ درہم تھی۔ سید مرتضیٰؒ کا خط میرے پاس آیا اور اس میں انھوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اس انداز سے نہر کھودی جائے کہ ان کی جائیداد کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور شرعاً یہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح ہے۔ اپنے حق کو ضائع ہونے سے بچانا۔ اب وزیر اعظم کاتب کو کہتا ہے کہ ایسا اتفاق ایک مرتبہ سید رضیؒ کے معاملے میں پیش آیا ان کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی، تو میں نے ایک ہزار دینار بہ طور تحفہ ان کی خدمت میں بھجوائے۔ سید رضیؒ کے بارے میں تاریخ میں یہ تحریر ہے کہ وہ اتنے حُب دار اور غیرت مند آدمی تھے، کبھی کسی سے کچھ وصول نہیں کیا کرتے تھے، حتیٰ یہ کہ اپنے سگے باپ سے بھی کوئی ہدیہ یا تحفہ نہیں لیا تھا۔ اب وزیر اعظم نے بیٹے کی پیدائش کی خوشی میں سید رضیؒ کو ایک ہزار دینار بھجوائے۔

کاتب کہتا ہے کہ وزیر اعظم نے کہا میرا تحفہ واپس آ گیا اور سید رضیؒ کا پیغام بھی آ گیا کہ ہم کسی سے کوئی تحفہ قبول نہیں کیا کرتے۔ وزیر اعظم نے دوبارہ یہ ہزار دینا بھجوائے اور کہا کہ میں یہ آپ کو نہیں بھیج رہا کہ میں اس بیٹے کے لیے بھجوا رہا ہوں کہ جو آپ کے ہاں پیدا ہوا ہے۔ میرا اس کا معاملہ ہے، آپ سے کوئی تعلق نہیں، تھوڑی دیر کے بعد پھر واپس آ گئے ہزار دینار۔ سید رضیؒ کا پیغام آ گیا کہ وہ میرا بیٹا ہے وہ بھی میری طرح کسی کا ہدیہ و تحفہ قبول نہیں کرتا۔ میں نے تیسری مرتبہ پھر ہزار دینار بھجوائے اور کہا کہ یہ پیسے اس دائی کے لیے ہیں جس نے بچے کی ولادت میں مدد کی تھی۔ یہ آپ اس کو دے دیجیے۔ اس مرتبہ پھر وہ ہزار دینار واپس آ گئے اور سید رضیؒ نے یہ کہلوا دیا کہ ہمارے بچے کی ولادت کے وقت کسی دائی کو نہیں بلایا جاتا، ہمارے خاندان کی بوڑھی عورتیں اس مقام پر کھڑی ہوتیں ہیں اور ہمارے خاندان کا کوئی شخص بھی مرد ہو یا عورت کسی سے کوئی ہدیہ قبول نہیں کرتا۔ اس لیے یہ واپس لے لیں۔ اب وزیر اعظم کہتا کہ میں نے چوتھی مرتبہ پھر ایک ہزار دینار بھجوائے اور کہا کہ ان طالب علموں کے لیے بھجوا رہا ہوں جو آپ کے یہاں آ کر سبق پڑھا کرتے ہیں۔ جس کا آپ سے کوئی تعلق نہیں۔

اب جب یہ پیغام پہنچا تو سید رضیؒ نے اس مرتبہ وہ دینار اُٹھا کر طالب علموں کے سامنے رکھ دیئے اور کہا کہ یہ تمہارے لیے آئے ہیں۔ جس کی مرضی ہے جو دل چاہے لے لو، تو اب وہ کاتب کہتا ہے وزیر اعظم نے اس سے کہا کہ ایک

ہزار دینار پہنچ گئے طالب علموں کے پاس جن کی زندگی ویسے ہی غربت کا شکار ہوتی ہے لیکن سوائے ایک طالب علم کے نے ہاتھ نہیں بڑھایا وہ طالب علم آگے بڑھا اس نے دینار کو اٹھایا اس دینار میں سے تھوڑا سا حصہ کاٹا اور وہ کٹا ہوا ٹکڑا رکھ لیا اور باقی دینار واپس اسی تھیلی میں ڈال دیا۔ سید رضیؒ نے اسے دیکھا اور پوچھا تم نے اتنا دینار کیوں لیا تو اس نے جواب دیا کل رات کو جب میں پڑھ رہا تھا چراغ جس کی روشنی کی مدد سے میں پڑھ رہا تھا اس میں تیل ختم ہو گیا تھا اور میرے اس وقت کوئی پیسہ نہیں تھا کہ تیل خرید سکتا اور وہ خزانہ بند ہو چکا تھا۔ سید رضیؒ کے بارے میں تاریخ میں لکھا ہے انھوں باقاعدہ کئی مکانات تعمیر کروائے تھے۔ اپنے شاگردوں کیلئے جس کا نام تھا دارالعلم اور ایک خزانہ مقرر کیا تھا۔ جس شاگردوں کی سہولت اور ضرورت کی ہر چیز اور ہر قسم کا پیسہ موجود ہوتا تھا تو یہ شاگرد کہتا ہے۔ رات کے وقت تیل ختم ہو خزانہ بند ہو چکا تھا چابی آپ کے پاس تھی۔ آپ کے پاس میں پہنچ نہیں سکتا تھا، میں بازار گیا اور ایک تیل والے سے قرض پر تھوڑا سا تیل لے کر آیا اور چراغ جلا کر تمام رات پڑھائی کو جاری رکھا۔ اب میں جا کر اس قرضے کو ادا کروں گا بس اس کے بعد یہ پورے کے پورے دینار سید رضیؒ نے واپس بھجوا دیے۔ اس کے بعد سیّد رضیؒ نے حکم جاری کیا۔ میرے جتنے شاگرد ہیں خزانے کی چابیاں بنوائی جائیں اور ہر شاگرد کو ایک چابی دے دی جائے تاکہ آئندہ یا اس کے بعد کسی سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہ پڑے۔

یہ تو سیّد رضیؒ تھے لیکن اتنے زہد و تقویٰ کے ساتھ ایسا بھی نہیں کہ بالکل خشک مزاج آدمی تھے ان کے لطائف ان دلچسپ واقعات وہ سب کے سب تاریخوں میں موجود ہیں۔ چنانچہ ان کا مشہور واقعہ تاریخوں میں لکھا ہوا ہے کہ عباسی خلیفہ قادر باللہ ایک مرتبہ مسجد میں منبر پر خطبہ دے رہا تھا اس زمانے میں ہر خلیفہ کو دینا پڑتا تھا سیّد رضیؒ نیچے بیٹھے تھے اور خلیفہ کے ذہن میں یہ شک تھا کہ سیّد رضیؒ خود بھی خلافت کی تمنا رکھتے ہیں۔ سیّد رضیؒ بیٹھے ہوئے تھے، خلیفہ کے خطبہ سے انھیں سروکار۔ چنانچہ وہ اپنی داڑھی سے کھیل رہے تھے اور بار بار داڑھی کے بالوں کو لا کر ناک کے قریب کر رہے تھے خلیفہ نے منبر سے یہ دیکھا تو مذاق کی حالت میں کہنے لگا کہ شاید تم اپنی داڑھی میں خلافت کی خوشبو سونگھ رہے ہو۔ سیّد رضیؒ نے جواب دیا ہرگز نہیں میں اپنی داڑھی میں نبوت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اس لیے کہ میں پیغمبر اکرم کی اولاد میں سے ہوں۔ تو سیّد اس زہد و تقویٰ کے باوجود خشک طبیعت نہیں تھے، مذاق کے وقت مذاق بھی کرتے تھے۔ وقت تفریح، تفریح بھی کرتے تھے۔

شاگرد:

۱۔ سید عبداللہ جرجانی

۲۔ شیخ محمد حلوانی

۳۔ شیخ جعفر دوریشی

۴۔ ابوالحسن ہاشمی

۵۔ مفید نیشاپوری

۔ بھیار دیلمی

فہرست کتب:

۱۔ کتاب متشابہ در قرآن

۲۔ کتاب حقائق التنزیل کہ یہ بے نظیر کتاب ہے جو علم نحو و لغت اور دوسرے علوم پر ان کی دسترس کی نشاندہی کرتی ہے

۳۔ کتاب تفسیر القرآن۔ بہت عمدہ تفسیر ہے اور تفسیر شیخ طوسی سے کافی بڑی ہے

۴۔ کتاب مجازات آثار نبویہ

۵۔ کتاب تعلیق خلافۃ الفقہاء

۶۔ کتاب تعلیق الایضاح (جو ابوعلی کی کتاب ایضاح پر فارسی میں حاشیہ ہے۔

۷۔ کتاب خصائص الائمہ

۸۔ کتاب نہج البلاغہ اس میں امیر المومنین کے خطبے، خطوط اور کلمات کو جمع کیا ہے

۹۔ کتاب تلخیص البیان در مجازات قران

۱۰۔ کتاب زیارات ابی تمام کے اشعار میں

۱۱۔ کتاب سیرت والد بزرگوار

۱۲۔ کتاب انتخاب شعر ابن الحجاج

۱۳۔ کتاب مختار شعر ابی اسحٰق صابی

۱۴۔ کتاب مادار بینہ وبین ابی اسحٰق من الرسائل (تین جلدوں میں)۔

۱۵۔ آپ کا شعری دیوان (چار جلدوں میں)

خدا ان پر مزید رحمتیں فرمائے

☆☆☆

بسم تعالیٰ

ابو جعفر محمد بن علی شیخ طوسیؒ

۳۸۵ھ - ۴۶۰ھ

شیخ محمد ابو جعفر طوسیؒ کی ولادت رمضان ۳۸۵ھ شہر طوس میں ہوئی۔ ایران کے مشرقی صوبے خراسان کا ایک شہر تھا جو اپنے دور میں علمی، تہذیبی اور ثقافتی مرکز کے طور پر بہت معروف تھا۔ اس نسبت سے آپ طوسی کہلوائے۔

شیخ محمد ابو جعفر طوسیؒ کا شمار انتہائی جلیل القدر مقام و مرتبے کے حامل فقہا میں ہوتا ہے۔ آپ کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ابتدائی طور پر لکھی گئی چار کتابوں میں سے دو کتابیں تہذیب الاسلام اور الاستبصار آپ کی کاوش ہیں کہ جن کے اوپر مذہب شیعہ کا دارومدار ہے علماء میں سے کچھ کا کہنا ہے کہ شیخ طوسیؒ اُن جلیل القدر علماء میں سے ہیں اور ایسی عظیم ہستی ہیں کہ آپ نے اپنی زندگی میں جو فتوے دیئے آپ کے بعد پھر کوئی نیا فتویٰ نہ دے سکا اور یہ سلسلہ ۸۰ سال تک چلا۔ جب کوئی فتویٰ دینا ہوتا کہا جاتا کہ شیخ طوسیؒ کے بعد فتویٰ دوں بھلا یہ میرے لیے کیسے ممکن ہے۔

شیخ طوسیؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی اور پھر تعلیم حاصل کرنے کے لیے بغداد کا رُخ کیا۔ یہ وہ وقت تھا جب بغداد میں شیخ مفیدؒ سے بڑھ کر کوئی اور مفید نہ تھا۔ آپ نے شیخ مفیدؒ کے مدرسہ میں داخلہ لیا اور پھر شیخ مفیدؒ کے عظیم شاگرد سید مرتضیٰ علم الہدیٰؒ کے بھی شاگرد بنے۔ ان کے علاوہ تاریخ میں آپ کے اساتذہ کا ذکر موجود ہے جن سے آپ نے کسب فیض کیا۔ مگر اصل استاد آپ کے شیخ مفیدؒ اور سید مرتضیٰؒ ہیں۔ آپ کا شمار ان کے خاص شاگردوں میں ہوتا تھا آپ آخر وقت تک اپنے استاد محترم کے ساتھ رہے اور یہ آپ کے اساتذہ کا کمال تھا کہ علم کے مختلف شعبوں میں شیخ طوسیؒ نے ایسی ایسی کتابیں لکھیں جن کا جواب کوئی آج تک نہ دے سکا۔

شیخ طوسیؒ نے ایک کتاب لکھی "النھایہ" یہ کتاب فقہ پہ لکھی گئی یعنی فقہ کے مسائل اس انداز سے لکھی گئی، چہ مگوئیاں شروع ہونے لگی، یہ کیسے کتاب لکھی گئی ہے اور خاص طور پر تین عالم حسن ابن بابویہ، عبدالجبار ابن عبداللہ اور حنیفہ عبدالعلی یہ بڑے عالم تھے نمایاں عالم تھے مخلص عالم تھے مخالف ہوگئے۔ انھوں نے بہت سارے اعتراضات کیے اس کتاب کو مسترد کر دیا گیا اور پریشان بھی بہت تھے۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیا کریں۔ چنانچہ ان تینوں علماء نے تین دن روزے رکھے اور اس کے بعد تیسرے روزے کے اختتام پر شب جمعہ شروع ہو چکی تھی۔ انھوں نے غسل کیا امیرالمومنینؑ کے روضے میں

داخل ہو گئے۔ قبرِ مطہر کا طواف کیا۔ زیارت پڑھی اس کے بعد ہاتھ بلند کر کے دُعا مانگی۔ یا امیر المومنینؑ اس کتاب کا مسئلہ حل نہیں ہو رہا ہے؟ آپ اس مسئلہ کا حل فرما دیں۔ اب انھوں نے یہ دُعا مانگی اور اپنے اپنے گھر آ گئے اور تینوں نے رات کو خواب میں امیر المومنینؑ کو دیکھا مولائے کائنات تینوں کے خواب میں آتے ہیں اور آنے کے بعد ان سے کہا، کتاب نہایہ جو آج تک کسی نے اس طرح کی کتاب نہیں لکھی ہے۔ بہت بہترین کتاب ہے۔ میں اسے پسند کرتا ہوں اس لیے کہ اس کے لکھنے والے نے صرف اور صرف خدا کی خاطر لکھا ہے۔ اس کے خلوص کی بنا پر اس لیے میں اس کو پسند کرتا ہوں اور حکم دیتا ہوں تم اس کتاب کو قبول کرو۔ اس کتاب کے مطابق عمل کرو اور اس کے مطابق فتوئی دو، جس ترتیب سے یہ کتاب لکھی گئی ہے، جس تہذیب سے لکھ گئی ہے، اسے قبول کرو، اس پر اعتراض نہ کرو، خواب تینوں نے دیکھا۔ صبح آنکھ کھل گئی، جمعہ کا دن ہے۔ تینوں روضہ امیر المومنینؑ پر جمع ہوتے ہیں۔ ایک نے دوسرے سے کہا میں نے آج خواب میں یہ واقعہ دیکھا ہے دوسرے نے بھی یہی کہا اور تیسرے نے بھی یہی کہا۔ اب انھوں نے کہا، تینوں اپنا خواب کاغذ پر لکھیں الگ الگ۔ پھر بیٹھ کر ملائیں۔ انھوں نے تین مختلف کاغذوں پر اپنا خواب لکھا۔ تینوں کا خواب بالکل ایک جیسا تھا۔ مولاؑ نے ایک جیسا حکم تینوں کو دیا تھا۔ اب انھوں نے یہ دیکھا دل میں خیال پیدا ہوا، ہم نے کتنے اعتراض کیے تھے۔ چلو شیخ طوسیؒ سے معافی طلب کرو، یہ تینوں شیخ طوسیؒ کے پاس پہنچے، وہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ تینوں نے داخل ہوتے ہی سلام کیا، شیخ صاحب نے مسکرا کر جواب دیا، شیخ طوسیؒ نے کہا جب تک میں تم سے کہتا رہا، تم نے نہیں مانا۔ اب امیر المومنینؑ نے کہا ہے، اب بھی کیا میری بات نہیں مانو گے۔ بس اتنا سننا تھا کہ گھبرا کر ایک دوسرے سے کہتے ہیں۔ یہ ہمارا خواب تھا۔ شیخ طوسیؒ کو کیسے پتہ چلا۔ معلوم ہوا امیر المومنینؑ شیخ طوسیؒ کو بتا گئے تھے۔

یہی کتاب النہایہ جب اس کی امیر المومنینؑ نے تصدیق کر دی۔ اس کتاب کی وجہ سے بعد میں جتنے مجتہدین آئے۔ سب نے فتوئی دینا بند کر دیا۔ خود شیخ کے بیٹے جس کا نام دادا کے نام پر حسن تھا۔ شیخ کے بیٹے حسن ایک انتہائی نامور عالم اور انتہائی مقدس مجتہد تھے۔ اتنے عالم تھے کہ شیخ طوسیؒ کے بیٹے کو مفید ثانی کہا جاتا ہے۔ اپنے زمانے کا دوسرا مطیع شیخ مفیدؒ کے نام سے پکارے جاتے ہیں، اتنا بڑا عالم وہ بھی فتوئی دینے سے ڈرتے ہیں۔ شیخ طوسیؒ کے بعد کون ہے جو فتوئی دے ۸۰ سال کے بعد ان میں علامہ حلّیؒ جیسا مجتہد پیدا ہوا۔ ان ہی کی وجہ سے ایک مرتبہ پھر یہ سلسلہ اجتہاد شروع ہوا۔ علامہ حلّیؒ کا احسان ہے شیعیت پر خود شیخ طوسیؒ پر بھی کہ جو شیخ طوسیؒ کا مقصد تھا اس کو بعد کے مجتہدین شیخ کی عظمت کی وجہ بھولے جا رہے تھے۔

جناب سید مرتضیٰؒ کے بعد تمام دنیا کے شیعوں کی قیادت شیخ طوسیؒ کے ہاتھ میں آئی۔ اب شیخ طوسیؒ مرجع عالی قدر بن گئے۔ اب رہبری شیعیت ان کے ہاتھ میں آگئی۔ دشمنوں نے جب یہ منظر دیکھا کہ اس انداز سے آل محمدؑ کے ماننے والے اپنے قدم جماتے جارہے ہیں۔ یہ اس انداز سے مستحکم ہوتے جارہے ہیں تو انھوں نے سوچا کہ کسی طریقہ سے مسلمانوں کے ایک فرقے کو دوسرے فرقے سے لڑا دیا جائے۔ چنانچہ شیخ طوسیؒ کے زمانے میں بغداد کی تاریخ کے وہ بدترین واقعات ہوئے جو بنوعباس کی خلافت کے زوال کا سبب بنے۔ یہ بغداد اور صرف سو سال میں بنوعباس کی خلافت تہس نہس ہو کر رہ گئی اور یہ بغداد جس میں آل محمدؑ کے ماننے والوں پر عرصہ حیات کو تنگ کیا گیا۔ سو سال بعد اس بغداد میں ہلاکو خان نے آکر تباہی مچائی کہ آج تک مسلمان اس کو یاد کر کے روتے ہیں لیکن اس کا سبب کیا تھا شیخ طوسیؒ کی قیادت میں آل محمدؑ کے ماننے والے مسلسل ترقی کر رہے ہیں۔ مسجدیں آباد ہو رہی ہیں۔ دینی مراکز کھولے جارہے ہیں۔ علماء کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ طالب علم بڑھتے چلے جارہے ہیں اب آل محمدؑ کے ماننے والوں کی بغداد میں اچھی خاصی جائیداد بھی ہے۔ دولت آرہی ہے۔ تجارت کر رہے ہیں۔ بس منظر دیکھا سوچا گیا انھیں آپس میں لڑایا جائے آپس میں اختلافات کیے جائیں۔ چنانچہ ۴۴۸ھ میں بغداد میں بدترین شیعہ سنی فسادات ہوئے اور ایک محلّہ تھا بغداد میں جس کا نام تھا محلّہ کرب اس میں صرف آل محمدؑ کے ماننے والے رہا کرتے تھے۔ شیعانِ آل محمدؑ رہا کرتے تھے۔ اس پورے محلے کو جلا دیا گیا۔ مکانات کو تباہ کر دیا گیا۔ اسباب کو تہس نہس کر دیا گیا۔ لوگوں کو قتل کر دیا گیا۔ اس محلے میں شیخ طوسیؒ کا بھی مکان تھا چنانچہ شیخ طوسیؒ کا مکان بھی جلایا گیا۔ اس واقعے سے پہلے شیخ طوسیؒ کا بڑا مقام ہو گیا تھا بغداد کے اندر۔ سید مرتضیٰؒ کے بعد پوری دینی قیادت ان کے ہاتھ میں آگئی تھی چونکہ یہ اپنے زمانے کے ذہین ترین شخص تھے۔ اس لیے ان کے علم اور فضل کی شہرت اتنی بڑھی کہ خلیفہ وقت نے بنوعباس کے خلیفہ جس کا نام تھا القائم بامر اللہ۔ خلیفہ قائم نے ان سے ملاقات کی ان کے علم و فضل کو دیکھا اور اتنا خوش ہوا کہ ایک کرسی انھیں انعام کے طور پر عطا کی۔ یہ خلافت بنوعباس کا ایک عہدہ ہوتا تھا، جیسے آج کل تمغے دیئے جاتے ہیں اور شیخ طوسیؒ کی عظمت کا اندازہ کریں اس کرسی پر بیٹھ کر شیخ طوسیؒ درس دیا کرتے تھے۔ تقریریں کیا کرتے تھے۔ اپنے شاگردوں کو سبق پڑھایا کرتے۔ یہ زمانہ وہ تھا جب ہمارے برادران اہل سنت کے بھی بڑے بڑے علماء موجود تھے۔

لیکن شیخ طوسیؒ کا وہ علم و فضل تھا کہ بنوعباس کے خلیفہ نے وہ کرسی خاص شیخ طوسیؒ کے حوالے کی، جس کی وجہ سے کچھ لوگوں کے دل میں حسد پیدا ہو گیا کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شیعہ اہل بیتؑ پورے بغداد میں چھا جائیں، ایسا نہ ہو حکومت ان کے

ہاتھ میں چلی جائے۔ ان سب میں ہی ایک مختصر گروہ تھا۔ جس کی خواہش یہ تھی کہ مسلمانوں کے جذبات کو اشتعال دیا جائے ہر زمانے میں جب بھی فساد ہوا کچھ غلطی ادھر سے ہوئی ہے اور کچھ اُدھر سے۔ اگر دونوں تدبیر سے کام لیں تو فساد جھگڑا ٹل سکتا ہے لیکن ایسے میں چند افراد ہر گروہ میں ایسے ہوتے ہیں جو کام کر جاتے ہیں اور پھر دیکھنے میں آیا ہے کہ نقصان کسی ایک فرقہ کا نہیں ہوتا بلکہ درحقیقت نقصان اسلام کا ہوتا ہے اسلام ہی کے نام پر۔

چنانچہ ۴۴۸ھ میں ایک مرتبہ بغداد میں فسادات کا آغاز ہوا۔ محلّہ کرب پر حملہ کیا گیا اور اس پورے محلّے کو تباہ کر دیا گیا۔ اس میں شیخ طوسیؒ کے گھر کو جلا دیا گیا۔ وہ کرسی جلا دی گئی جو حاکم وقت نے شیخ طوسیؒ کو دی تھی۔ اس کے بعد شیخ طوسیؒ کا کتب خانہ جلا دیا گیا۔ ایک عالم کا سارا علم کتابوں کے اوپر منحصر ہے شیخ طوسیؒ کا کتب خانہ انتہائی محنت سے جمع کی ہوئی ایک لاکھ کتب پر مشتمل تھا۔ اسی ہزار وہ کتابیں جو سید مرتضیٰؒ ان کے استاد نے ان کے حوالے کی تھیں۔ اور دس ہزار وہ کتابیں جو سید مرتضیٰؒ کو ان کے استاد نے دی تھیں۔ اپنا پورا کتب خانہ اور دس ہزار وہ کتابیں جو عباسی حکومت کے وزیر ابو النصر کی جمع کی ہوئی تھیں اور ابو النصر کا کتب خانہ اسلامی تاریخ کا سب سے عمدہ کتب خانہ مانا گیا۔ وہ اس نے شیخ طوسیؒ کو دے دیا تھا۔ اس میں شیخ کی اپنی ذاتی کتابیں بھی تھیں۔ یہ پورا کتب خانہ جلایا گیا۔ شیخ کے گھر کو جلایا گیا۔ کرسی کو جلایا گیا۔ پورے محلّہ کرب کو ختم کر دیا گیا اور پھر فسادات اتنے بڑھے کہ کاظمین تک فسادات پہنچے۔ بغداد سے متصل کاظمین جہاں معصومینؑ کے روضے تھے۔ معصومؑ کے روضے کی ضریح کو اُتار کر جلا دیا گیا۔ قبر معصومؑ تک فساد پہنچے تھے۔ کتنے منظم فسادات تھے اور ان کا مقصد کیا تھا۔ ان فسادات کے نتیجے میں شیخ طوسیؒ نے مصلحت دیکھی، شریعت کا حکم اسی میں دیکھا، مقابلہ نہ کیا جائے۔

شیخ طوسیؒ نے بغداد کو چھوڑا، کس مقام پر جائیں، کسی بھی آبادی یا کسی بھی بڑے شہر میں جاتے ہیں تو فساد پیچھے پیچھے آتا ہے۔ شیخ کو یہ برداشت نہیں تھا کہ ان کی وجہ سے کسی مومن کی یا کسی مسلمان کی جان کو نقصان ہو۔ چنانچہ انھوں نے سیدھا رُخ کیا نجف اشرف کا۔ نجف اشرف پہنچ کر چھوٹا سا مکان بنا کر قیام کرنے لگے۔ یہ نجف کی بالکل اولین آبادی ہے یہ بہت مشہور ترین بات ہے کہ نجف اشرف کی بنیاد رکھنے والے شیخ طوسیؒ ہیں۔ یہ ایک اور عظمت شیخ طوسیؒ کو حاصل ہے۔ یہ جو آج آپ کو نجف کی اتنی رونق نظر آتی ہے۔ وہ مدارس، وہ طالب علم، وہ علماء، وہ مجتہدین ان کی بنیاد شیخ طوسیؒ نے رکھی۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ طوسیؒ نجف کی بنیاد رکھنے والے ہیں۔ چھٹے امامؑ کے زمانے میں حضرت علیؑ کی قبر اطہر دریافت ہو چکی تھی۔ جب ہارون کا وہ مشہور واقعہ پیش آیا تھا۔ امام حسنؑ و حسینؑ نے اپنے والد گرامی کو دفن کرنے کے بعد قبر انور مخفی رکھی تھی۔ ان

کے علاوہ کسی کو قبر کا پتہ نہیں تھا۔ اس وقت لوگ نہ سمجھ سکے کہ مصلحت کیا ہے مگر جب حجاج بن یوسف کا زمانہ آیا اور اس نے مومنین کی قبر کی تلاش میں تین ہزار قبروں کو کھلوا کر دیکھا کہ کسی طرح سے علیؑ کی قبر مل جائے تو میں علیؑ کی میت کی بے حرمتی کروں۔ تین ہزار قبریں جہاں جہاں سے اس کو شک ہوا وہاں وہاں سے قبروں کو کھلوایا۔ اگرچہ بنو عباس معصومینؑ کے بدترین دشمن تھے لیکن ظاہری اعتبار سے امیر المومنین علیہ السلام کا احترام کرنا پڑتا تھا۔ اس لیے کہ آپ عباسی کہلاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اصلی اہل بیتؑ نبوت ہیں۔ چنانچہ اسی زمانے میں خدا کی مصلحت کے تحت ہارون شکار کرتے ہوئے آیا اور اس نے اپنے شکاری کتوں کو ہرن کے پیچھے ڈالا۔ ہرن بھاگتے بھاگتے ایک ٹیلے پر بیٹھ گئے۔ اس نے یہ منظر دیکھا تھا کہ یہ شکاری کتے وہاں پہنچ کر رُک گئے ہیں۔ ٹیلے پر چکر تو لگا رہے ہیں مگر قدم آگے نہیں بڑھاتے۔ ہرن بھی اتنے آرام کے ساتھ وہاں بیٹھے ہیں۔ شکاری کتے پیچھے لگے ہیں۔ ہرن کو تیزی سے بھاگنا چاہیے مگر اتنے آرام کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ جیسے کسی کی پناہ میں آگئے ہیں۔ حیران ہو کر قریب کے لوگوں سے پوچھا یہ کون سا مقام ہے۔ بنی اسد کے ایک بوڑھے نے کہا ہمیں بھی نہیں پتہ لیکن اپنے بزرگوں سے سنتے آرہے ہیں کہ یہاں امیر المومنینؑ کی قبر ہے۔ ہارون نے سنا ساتویں امام کی جانب رجوع کیا گیا۔ امامؑ نے اس کی تصدیق کی۔ پھر بھی ہارون کو یقین نہ آیا۔ چنانچہ اس نے امیر المومنینؑ کی قبر کو کھلوایا تو امیر المومنینؑ کی میت قبر کے اندر اسی انداز سے موجود تھی جس انداز سے کوئی اپنے گھر کے اندر بستر پر آرام فرما رہا ہے۔ البتہ سر پر ابن ملجم کی تلوار کے زخم کا نشان اس وقت بھی نظر آ رہا تھا۔ ہارون نے اس قبر کو برابر کیا اور اس کے اوپر صرف پتھروں سے ایک عمارت بنوادی۔

چھٹے، ساتویں اور آٹھویں امامؑ کے زمانے میں اکثر ان کے صحابہ نجف اشرف کے قریب آکر رہنے لگے تھے۔ اس طرح سے ایک چھوٹی سی بستی وجود میں آگئی لیکن وہاں کوئی دینی مدرسہ نہیں تھا۔ سن ۴۴۸ھ میں جب ۵۹ سال کی عمر ہو چکی تھی۔ شیخ طوسیؒ اور انہیں چالیس سال بغداد میں رہتے ہوئے ہو گئے تھے۔ آپ نجف اشرف منتقل ہوئے۔ چھوٹی سی بستی ہے۔ غیر آباد مقام ہے۔ پانی کا کوئی انتظام نہیں۔ کھانے کا کوئی انتظام نہیں۔ اس مقام پر شیخ طوسیؒ جا کر بیٹھے۔ آج ہم اطمینان کے ساتھ اپنے آپ کو آل محمدؑ کا شیعہ کہتے ہیں مگر غور کریں کتنی مشقتیں اور زحمتیں اٹھا کر مجتہدین کرام نے اس دین کو ہم تک پہنچایا ہے۔ اگر اس دور کے علماء محنت اور کوشش نہ کرتے، اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ جاتے۔ دین آل محمدؑ ظاہری اعتبار سے ختم ہو کر رہ جاتا۔ بغداد کو ہلاکو خان نے فتح کرلیا۔ آل محمدؑ کے شیعوں کو سر چھپانے کی بھی جگہ نہیں ملی۔ وہ نجف میں

آئے اور نجف ان دنوں بالکل ویران جگہ تھی۔ جنگل میں وہ چین کہاں وہ حالت کہ پورا شہر غریب تھا۔ وہ جو خزانہ کھلا ہوا ہزاروں سکے دیتے تھے۔ کہاں یہ حالت شیخ طوسیؒ نجف میں آئے تھے تو حالت یہ تھی کہ لوگ پھلوں کے چھلکے دھودھو کر کھاتے تھے۔ خربوزے کے چھلکے کھا کھا کر شیخ طوسیؒ نے نجف کے مقام پر مجتہدین کا مدرسہ قائم کیا۔ پھر عروج کے ساتھ قائم کیا گیا تو خدا نے نصرت کی، برکت دی زیادہ اضافہ ہونے لگا طالب علموں کی تعداد میں اور نجف حقیقتاً نجف ہو گیا۔ شیخ طوسیؒ اسی نجف میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ایک وقت آیا کہ تین سو مجتہد آپ کے شاگرد ہیں۔ شاگردوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایسی بنیاد رکھی کہ آج بھی نجف نجف ہے۔

چنانچہ ایسا کوئی عالم ہمارے ہاں پیدا نہیں ہوا ہے جو اتنی دین کی خدمت کرنے والا ہو۔ ۲۲ محرم کی تاریخ ۴۶۰ھ اتوار کی شب تھی۔ ہفتے کا دن ختم ہوا۔ اتوار کی شب شیخ طوسیؒ کا نجف اشرف میں انتقال ہو گیا اسی رات انھوں نے حکم دیا تھا کہ مجھے اپنے مکان میں دفن کیا جائے اور کچھ عرصے کے بعد اس مدفن میں مسجد بنائی گئی۔ جس کا نام ہے مسجد طوسی یہ روضہ امیر المومنین علیہ السلام کے شمال کی جانب سڑک کے دوسری طرف ہے، چونکہ امیر المومنینؑ کے روضے کے بالکل سامنے ہے اس لیے دروازے کا نام بھی باب طوسی رکھا گیا ہے۔

اس دور کی عظیم ترین ہستی شہید باقر الصدرؒ مسجد طوسی میں درس خارج دیا کرتے تھے اور دوسری خوبی اس کی یہ ہے کہ نجف کے ان مقامات میں سے ایک ہے جو اجابت دُعا کیلئے مشہور ہیں۔ اس مسجد میں جو دُعا مانگی جائے قبول ہوتی ہے۔ چنانچہ فقہاء علماء مجتہدین ان کے طریقے میں یہ چیز شامل ہیں جب کسی نے دُعا مانگنی ہوتی ہے تو روضۂ امیر المومنینؑ کے علاوہ مسجد طوسی میں آکر مانگتے ہیں۔

آپ کی کل عمر مبارک پچھتر سال تھی اور جب آپ عراق آئے تھے تو صرف ۲۳ سال کے تھے اور سید مرتضیٰؒ کی عمر ۵۳ سال تھی اور آپ اٹھائیس ۲۸ سال تک سید مرتضیٰؒ کے ہم عصر رہے۔

شاگرد:

۱۔ احمد بن حسین خزاعی نیشاپوری

۲۔ اسماعیل و اسحاق پسران حسن بن بابویہ

۳۔ آدم بن یونس

۴۔ ابوالخیر برکت بن محمد سنی

۵۔ ابوعلی حسن بن محمد طوسی (فرزند طوسی)

۶۔ حسین بن مظفر حمدانی اور بہت سارے دیگر

شیخ کی تالیفات درج ذیل ہیں:

۱۔ کتاب تہذیب الاحکام

۲۔ کتاب استبصار

۳۔ کتاب نہایۃ

۴۔ کتاب مفصح امامت میں

۵۔ کتاب مالایسع المکلف الاخلال بہ

۶۔ کتاب عدہ علم اصول میں

۷۔ کتاب رجال کہ روایت پیغمبرؐ سے ہے یا ائمہ سے۔

۸۔ کتاب فہرست کتب شیعہ اور ان کے مصنفین کے نام

۹۔ کتاب مبسوط علم فقہ میں، علم کلام میں مقدمہ کے ساتھ

۱۰۔ کتاب ایجاز در فرائض اور خبر واحد پر عمل کے مسئلہ میں

۱۱۔ کتاب مایعلل و مالا یعلل

۱۲۔ کتاب شرح مقدمہ ریاض العقول

۱۳۔ کتاب تمہید الاصول اور یہ جمل العلم والعمل کی شرح ہے

۱۴۔ کتاب جمل وعقود

۱۵۔ کتاب تلخیص الشافی، امامت اور اس کے بارے میں مسائل پر

۱۶۔ کتاب بیان در تفسیر القرآن (۲۰ جلدوں میں)

۱۷۔ کتاب رسالہ در تحریم فقاع (جو کی شراب حرام ہونے کے بارے میں)

۱۸۔ کتاب مسائل دمشقیہ (۱۲، مسائل)

۱۹۔ کتاب مسائل حلبیہ

۲۰۔ کتاب مسائل حائریہ

۲۱۔ کتاب مسائل الیاسیہ (ان تینوں میں مختلف فنون پر سو مسائل ہیں)

۲۲۔ کتاب مسائل جیلانیہ۔۲۴ مسائل ہیں۔

۲۳۔ کتاب مسائل فرق بیان نبی وامام ابن شاذان

۲۴۔ کتاب مناسک حج میں صرف عمل اور دعائیں ہیں

۲۵۔ کتاب مسائل ابن براج

۲۶۔ کتاب مصباح متہجد سال بھر کے اعمال ہیں

۲۷۔ کتاب انس التوحید

۲۸۔ کتاب اقتصار (جو کچھ بندوں پر واجب کیا گیا ہے کے بارے میں)

۲۹۔ کتاب مختصر مصباح (سال بھر کے عمل کے بارے میں)

۳۰۔ کتاب غیبت

۳۱۔ کتاب اخبار مختار بن ابی عبیدہ

۳۲۔ کتاب مقتل الحسینؑ

۳۳۔ کتاب اختیار الرجال

۳۴۔ کتاب مجالس احادیث کے بارے میں

۳۵۔ کتاب ھدیۃ المسترشد وبصیرۃ المتعبد

۳۶۔ کتاب در اصول عقائد

۳۷۔ کتاب سزاؤں سے متعلق، مسائل رازیہ اور مسائل فارسیہ آیات قرآن میں (اللہ ان پر رحمت نازل کرے۔)

☆☆☆

بسم تعالیٰ

امین الاسلام ابوعلی فضل بن حسن طبرسیؒ

۴۶۸ھ - ۵۴۸ھ

علامہ بزرگوار امین الاسلام ابوعلی فضل بن حسن طبرسی کو تاریخ دُنیا کے دانشمند ترین افراد میں سے ایک نادر الوجود دانشمند گردانتی ہے۔ آپ علم تفسیر کے اعلیٰ ترین مفسروں میں سے ایک ہیں۔

فضل بن حسن فضل الطبرسی ابوعلی جن کا لقب امین عالم ہے فاضل وثقہ وجلیل القدر شخصیت تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۴۶۸ھ میں کاشان اور اصفہان کے درمیان ایک مقام جو طبس کے نام سے معروف تھا ہوئی۔ والد حسن بن فضل طبرسی نے فضل نام رکھا۔ طبس آپ کے آباؤاجداد کا وطن تھا۔

ابتدائی تعلیم بارگاہ ملکوتی امام ہشتم امام علی ابن موسیٰ رضا علیہ السلام مشہد مقدس میں حاصل کی۔ ابتدا میں قرآن کریم کے پڑھنے، لکھنے اور قرأت میں مہارت سے آغا

حدیث، فقہ، اُصول فقہ اور کلام میں اعلیٰ ترین مہارت حاصل کی۔ یہاں تک کہ ان تمام علوم میں صاحب نظر قرار پائے۔ کہا جاتا ہے کہ کچھ عرصہ آپ نے نجف اشرف میں بھی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے بارے میں اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ برادرانِ اہل سنت نے آپ کو پانچویں صدی کے مجدد کا رتبہ دیا۔

آپ نے درج ذیل اساتذہ سے کسب فیض حاصل کیا:

۱۔ ابوعلی طوسیؒ فرزند شیخ طوسیؒ،

۲۔ جعفر بن محمد درویشی عبدالجبار مقری نیشاپوری،

۳۔ امام موفق الدین حسین واعظ بکرآبادی جرجانی،

۴۔ سید محمد قصبی جرجانی

۵۔ عبداللہ قشیری

۶۔ ابوالحسن عبداللہ محمد بیہقی سید مہدی حسینی

۷۔ شمس الاسلام حسن بن بابویہ قمی رازی۔

۵۴ سال مشہد مقدس میں قیام فرمایا۔ سبزوار کے بزرگوں کی دعوت پر علوم اسلامی فقہ و دیگر کی ترویج کیلئے سبزوار چلے گئے۔ ۵۲۳ھ میں سادات آل زیارہ جن کی آپ کے ساتھ خاندانی نسبت تھی آپ کے میزبان ٹھہرے۔ اپنے میزبانوں کی معاونت سے مدرسہ دروازہ عراق کی بنیاد رکھی۔ آپ کی سرپرستی اور امور کی دیکھ بھال اور تعلیم و تربیت کے سبب یہ مدرسہ حوزہ علمیہ میں تبدیل ہوگیا اور سبب بنا کہ ایران کے دور دراز علاقوں کے تشنہ لب سرگردان علم کو سیراب کرنے کا۔ وہ جوق در جوق تحصیل علم مختلف علوم فقہ و تفسیر حاصل کرنے کے لیے اس مدرسہ کو رونق بخشنے لگے۔

آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ان میں سے مشہور شاگردوں کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ رضی الدین حسن طبرسیؒ (فرزند طبرسیؒ)

۲۔ قطب الدین راوندی،

۳۔ محمد بن علی بن شہر آشوب

۴۔ ضیاالدین فضل اللہ حسنی راوندی

۵۔ شیخ منتجب الدین قمی

۶۔ ساذان بن جبرئیل قمی

۷۔ عبداللہ بن جعفر درویشی

۸۔ سید شرف شاہ حسینی افطسی نیشاپوری

۹۔ برہان الدین قروینی ہمدانی۔

آپ کی کئی تالیفات ہیں جن میں مشہور ترین کتاب تفسیر القرآن ہے جو مجمع البیان کے نام سے ہے، دس جلدوں میں ہے۔ بڑی اچھی تفسیر ہے جو تمام فنون نحو و لغت و تصریف و معنی اور شان نزول پر مشتمل ہے۔

ان کی ایک بڑی تفسیری کتاب بھی ہے جو جامع الجوامع کے نام سے موسوم ہے چار جلدوں میں ہے۔ آپ نے جب پہلی تفسیر لکھی شروع کی تو آپ کا سن ساٹھ سے اوپر تھا اور جب جامع الجوامع کا آغاز کیا تو آپ کی عمر ستر سے تجاوز کر چکی تھی۔ آپ کی ایک چھوٹی تفسیر بھی ہے جو ایک جلد میں ہے اور کتاب ''اعلام الوریٰ'' آپ سے روایت شدہ کتاب ''صحیفۃ الرضا علیہ السلام'' ہے۔ آپ کی تفسیری کتب اتنی معروف ہوئیں اور ہیں کہ آپ کو امام مفسرین کے لقب سے یاد کیا

جاتا ہے۔

عالم جوانی سے ہی آپ کے دل میں قرآن عظیم کی خدمت گزاری کا جذبہ جوش مار رہا تھا۔ آپ کی زندگانی کا مقصد ہی قرآنی علوم پر دسترس حاصل کرنا تھا اور آپ کی زندگی کی اولین آرزو تفسیر قرآن کریم کا لکھنا تھا۔ خالق ازل نے توفیق عنایت فرمائی مشکلیں آسانیوں میں بدل گئیں۔ جتنی بھی کتب نایاب تفسیر کی تحریر فرمائیں اور ایسی تحریر فرمائیں کہ آج بھی اس صدی میں قرآنی علوم کے حصول کا ذریعہ ہیں اور مقبول ترین تفسیروں میں سے ہیں۔

۱۔ مجمع البیان

۲۔ الکافی الشافی

۳۔ جوامع الجامع

امام مفسران امین الاسلام طبرسی نے ۷۹ سال اپنی بابرکت زندگی کے اسلام کی خدمت گزاری کی۔ ۹ ذالحج ۵۴۸ھ شب عید قربان سبزوار شہر کو عمومی طور پر اور دُنیائے علم و عرفان و ادب کو مجموعی طور پر سوگوار چھوڑ کر خالق برحق کی بارگاہ میں سرخرو ہوئے۔

اسلامی تاریخ کے کچھ مورخین نے آپ کو شہید قرار دیا ترکمان خانہ بدوش جو سرزمین بلخ میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ سلطان سنجر کے ساتھ نبرد آما ہوئے اور خراسان میں قتل و غارت گری اور ظلم و جور، آتش زدگی کتب خانے، مسجدوں کے انہدام اور علماء کے قتل کے مرتکب ہوئے ایک ایسے ہی گروہ کے ہاتھوں آپ نے شہادت پائی۔

آپ کے مقدس پیکر کو سبزوار سے مشہد مقدس منتقل کیا گیا اور حرم امام رضا علیہ السلام کے نزدیک سپرد خاک کیا گیا۔ حرم امام رضا علیہ السلام کی توسیع کے باعث آپ کا مرقد باغ رضوان میں واقع ہے۔

فضل و دانش سے بھرپور درج ذیل تصنیفات آپ کی کاوش قرار پائیں۔

۱۔ الاداب الدینیہ لغذانہ المعینہ

۲۔ اسرار الامامہ

۳۔ اعلام الوریٰ باعلام الہدیٰ

۴۔ تاج الموالید

۵۔ جوامع الجامع

۶۔ حقائق الامور
۷۔ عدہ السفر وعمدہ الحضر
۸۔ العمدہ فی اصول الدین والفرائض النوافل
۹۔ غنیہ العابد ومنیہ الزاہد
۱۰۔ الفائق
۱۱۔ الکافی الشافی
۱۲۔ کنوز النجاح
۱۳۔ مجمع البیان
۱۴۔ مشکوۃ الانوار فی الاخبار
۱۵۔ معارج السؤال
۱۶۔ المؤلف من المختلف بین ائمہ السلف
۱۷۔ نثر اللآلی
۱۸۔ النور المبین
۱۹۔ روایت صحیفہ الرضا علیہ السلام
۲۰۔ الاحتجاج

☆☆☆

بسم تعالیٰ

علی ابن موسیٰ سید رضی ابن طاؤسؒ

۵۷۹ھ - ۶۶۴ھ

علمائے خاندان بنی طاؤس ایک ایسا خاندان ہے کہ جس کو خدا نے واقعاً ایک عجیب قسم کی فضیلت دی ہے اور بڑے بڑے عظیم علماء اس خاندان میں گزرے ہیں جس کا تذکرہ اکثر آپ کو فقہ، حدیث اور اعمال کی کتب میں نظر آئے گا۔

مفاتیح الجنان میں جگہ جگہ ابن طاؤسؒ کی کتاب اقبال کا تذکرہ کیا گیا ہے یہ انتہائی برکتوں والا خاندان تھا جس میں کئی نسلوں تک اور کئی پشتوں تک علماء کا ایک سلسلہ چلا ہے۔ اور ساتھ ساتھ اس خاندان کی عورتیں بھی کچھ ایسی تھیں جو مقام اجتہاد کے قریب قریب پہنچی ہوئی تھیں۔

خاندان بنی طاؤس سادات حسنی کا ایک خاندان ہے سادات حسنی میں امام حسنؑ کے دوسرے فرزند کا نام حسن مثنیٰؒ ہے امام حسنؑ کے بڑے بیٹے کا نام زیدؒ تھا۔ اس کے بعد ان کے دوسرے فرزند کا نام حسنؒ تھا۔ امام حسنؑ نے اپنے دوسرے فرزند کو اپنا ہی نام عطا کیا تھا امامؑ کو اپنے دوسرے بیٹے سے بڑی محبت تھی چنانچہ ان دونوں میں فرق کرنے کے لیے امام کے ان صاحبزادے کو حسن مثنیٰؒ کہا جاتا ہے یعنی دوسرے حسنؒ اور امام حسینؑ کو بھی اپنے اس بھتیجے سے بہت محبت تھی۔ یہاں تک کہ امام حسینؑ نے اپنی بڑی بیٹی فاطمہؑ کا نکاح ان ہی سے کیا تھا۔ اور یہ کہہ کر کیا تھا کہ تمہارے علاوہ مجھے کوئی اور اپنی بیٹی کے لائق نظر نہیں آتا ہے۔ جناب حسن مثنیٰؒ واقعہ کربلا میں موجود تھے اور واقعہ کربلا کے یہ وہ شریک ہیں جو عاشور کے دن جہاد کے لیے تشریف لے گئے لیکن اس کے بعد زخمی ہو کر گر پڑے اور کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ فوج یزید کی توجہ ان سے ہٹ گئی امام حسینؑ کی شہادت کے بعد جب شہیدوں کے سر کاٹے جا رہے تھے۔ اس وقت جب عمر سعد کے سپاہی حسن مثنیٰؒ کے قریب آئے تو دیکھا کہ یہ شہید نہیں ہوئے ہیں فقط زخمی ہو کر گرے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے چاہا کہ اب ان کو شہید کیا جائے لیکن عمر ابن سعد کے لشکر میں ایک عورت تھی عصمہ بنت خارجہ جو بہر حال دشمنانِ اہل بیتؑ میں سے تھی۔ مگر اس کا جناب مثنیٰؒ کی والدہ سے دور کا رشتہ تھا اور کوئی قرابتداری تھی چنانچہ اس نے عمر سعد سے گزارش کی کہ اس بچے کو جو میری رشتہ دار کا بیٹا ہے اب جب حسینؑ مارے گئے ہیں تو اس کو قتل نہ کرو عمر سعد کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس نے ان کو گرفتار کیا اور گرفتار کر کے ابن زیاد تک کوفہ پہنچایا۔ کوفہ کے قید خانے میں یہ آل محمدؐ کے ساتھ قید تو تھے لیکن وہاں پر پھر عصمہ نے ابن

زیاد کے دربار میں سفارش پیش کی جب سیدانیوں کو کوفہ سے دمشق کی جانب لے جایا جا رہا تھا تو حسن مثنیٰ کو ان کے ساتھ نہ بھیجا گیا بلکہ خود عصمہ بنت خارجہ آپ کو لے کر آ گئی اور ان کو لا کر اپنے گھر میں رکھا ان کے زخموں کا اعلاج کیا۔ اس کے بعد ان کو کوفہ سے براہ راست مدینے بھیجا گیا۔ یہ امام حسنؑ کے وہ فرزند ہیں جو کربلا کے میدان میں تو تھے مگر شہادت نہ پا سکے اور اس انداز سے اپنے خاندان سے جدا ہو کر مدینے آئے تھے۔ مدینے پہنچنے کے بعد کچھ عرصہ ہی گزرا تھا کہ ۳۵ سال کی عمر میں عبدالمروان ابن ملک نے آپ کو زہر دے کر شہید کر دیا۔ آپ کی زوجہ حضرت امام حسینؑ کی بڑی دختر جناب فاطمہؑ ان سے بے انتہا محبت و عقیدت رکھتی تھیں ایک سال تک آپ کی قبر پر خیمہ لگایا اور گریہ و ماتم کیا اور اس کے بعد ایک غیب سے آواز آئی جس کے بعد وہ واپس اپنے گھر آئیں جناب حسن مثنیٰ کے ایک بیٹے تھے جناب داؤدان کا نام ہے۔ آپ حسن مثنیٰ کی دوسری بیوی سے تھے۔

جناب داؤد وہ ہیں جو چوتھے امامؑ کے داماد بھی تھے اس لیے کہ چوتھے امامؑ نے اپنی بیٹی اُم کلثوم کا نکاح ان سے کیا تھا اور یہ کہا جاتا ہے کہ جناب داؤد کی والدہ نے ان کو اور ہمارے چھٹے امامؑ کو دودھ پلایا ہے۔ چنانچہ یہ ہمارے چھٹے امامؑ کے دودھ شریک بھائی بھی ہیں۔ یہ وہی جناب داؤد ہیں جب منصور دوانقی کو حکومت ملی تھی اور اس کو خطرہ ہوا تھا سادات کی جانب سے کہ کہیں وہ بغاوت نہ کریں تو اس نے سادات کے دو بزرگوں کو شہید کیا تھا۔ باقی کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گیا گرفتار ہونے والوں میں سے جناب داؤد بھی تھے ان کی والدہ چھٹے امامؑ کی خدمت میں پہنچی اور جانے کے بعد اپنی پریشانی بیان کی۔ میرا ہی بیٹا تھا جسے یہ ظالم گرفتار کر کے لے گیا رجب کا مہینہ تھا چھٹے امامؑ نے جناب داؤد کی ماں کو جن کا نام ام داؤد تھا ایک خاص عمل بتایا تھا تین دن روزہ رکھ کے ۱۵ رجب کو دُعا کرنے کا جو آج تک عمل ام داؤد کے نام سے ہماری اعمال کی کتابوں میں موجود ہے۔

وہ عمل ام داؤد جوان کی والدہ کو بتایا گیا۔ وہ عمل کیا اُم داؤد نے اور منصور دوانقی جیسے ظالم کے چنگل سے جناب داؤد رہا ہو کر مدینے میں آ گئے۔ جناب داؤد کے ایک فرزند تھے جناب سلیمان اور اِن کے پوتے ہیں حسن اور ان کے ایک پوتے ہیں ابو عبداللہ محمد اب یہ سلسلہ ذہن میں رکھیں امام حسنؑ کے بیٹے حسن مثنیٰ، حسن مثنیٰ کے پوتے سلیمان، سلیمان کے پوتے حسن اور حسن کے پوتے ابو عبداللہ محمد، یہ ابو عبداللہ محمد انتہائی خوبصورت آدمی تھے مدینے کے۔ لیکن جوان کے پاؤں تھے وہ ان کے باقی جسم سے مناسبت نہیں رکھتے تھے آپ کے پاؤں سخت اور بھدے تھے چنانچہ ان کا لقب طاؤس پڑ گیا

طاؤس عربی میں مور کو کہتے ہیں ان کے جسم کی خوبصورتی مگر پیروں کا جسم سے مناسبت نہ کرنا یہ سبب بنا ان کا نام طاؤس پڑا اور انہی طاؤس کے خاندان میں چند عظیم علماء گزرے جن کا تذکرہ کرنا ہے تو اب آپ کے ذہن میں یہ سلسلہ بیٹھ گیا ہوگا۔ یہ خاندان طاؤس کونسا خاندان ہے؟ یہ سادات کرام کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں امام حسنؑ کے فرزندوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔اور اپنی اس خصوصیت کی وجہ سے آپ کا خاندان، خاندان طاؤس کہلایا۔

طاؤس کے خاندان میں دو پشتوں کے بعد یکے بعد دیگرے مسلسل کچھ عظیم علماء پیدا ہوئے۔جن میں سب سے نمایاں سید رضی الدین ابن طاؤسؒ ہیں یہ تین بھائی تھے جو انتہائی اہم ہیں۔سید رضی الدین ابن طاؤسؒ بڑے بھائی۔ جمال الدین احمد ابن طاؤسؒ ان سے چھوٹے بھائی، شرف الدین ابن طاؤسؒ ان سے چھوٹے، یہ تین بھائی ہیں ایک خاندان کے اور یہ بڑے اہم زمانے میں گزرے ہیں۔شیخ طوسیؒ کے حالات آپ نے پڑھے ایک سو سال ایسے گزرے تھے شیخ طوسیؒ کے بعد کہ جب لوگوں نے فتویٰ دینا بند کر دیا تھا۔شیخ طوسیؒ کی عظمت اور جلالت سے لوگ اتنے متاثر ہوئے تھے کہ کسی کی ہمت نہیں پڑتی کہ شیخ طوسیؒ کے بعد کسی مسئلہ میں فتویٰ دیں تو شیخ طوسیؒ کے رشتے کے ایک نواسے ابن ادریس نے آ کر اس سلسلے کو ختم کیا اور دوبارہ فتویٰ دینا شروع کیا۔اب اس ماحول میں کہ شیخ طوسیؒ اور علامہ حلّیؒ کے درمیان ایک گیپ پڑ گیا تھا اس میں یہ خاندان طاؤس گزرا تھا جن میں تین مسلسل انتہائی عظیم ایسے عالم تھے جو ایک دوسرے کے بھائی اور پھر ان کی اولادیں اور اس کے بعد ان کی اولاد کا سلسلہ مرجعیت میں تسلسل قائم رہا۔

رضی الدین ابن طاؤسؒ ان کا اصل نام ہے علی۔اور ان کے باپ کا نام ہے موسیٰ اور ان کے دادا کا نام ہے جعفر اور ان کے پردادا کا نام طاؤس۔ چنانچہ جب کتابوں میں نام آتا ہے تو اس طرح آتا ہے سید رضی الدین ابو القاسم علی ابن موسیٰ ابن جعفر ابن طاؤس لیکن مختصراً انہیں ابن طاؤس کہا جاتا ہے۔

آپ نے اپنے والد بزرگوار موسیٰ ابن جعفر ، دادا ورام بن ابی فراس ، فخار بن معد موسوی سے کسب فیض حاصل کیا۔

علماء کہتے ہیں یہ مستجاب الدعوات یعنی ایک ایسے عالم تھے ایسے بزرگ تھے کہ ان کی زبان سے جو دعا نکلتی تھی فوراً قبول ہو جایا کرتی تھی۔اتنے بڑے مقام اور مرتبے پر یہ پہنچے کہ زمانے کے امامؑ نے انہیں اپنا بیٹا کہا، انہیں اپنا فرزند کہا وہ واقعہ بڑا مشہور ہے کہ اتنا بڑا عالم فقط اتنی احتیاط سے اس منزل تک پہنچے کہ امام مہدی علیہ السلام نے انہیں اپنا بیٹا کہا۔ان کا نام علی ابن موسیٰ ابن جعفر ہمارے آٹھویں امامؑ کا یہی نام بنتا ہے تو اب ان کی تعریف میں شاعروں نے جو قصیدے لکھے

ہیں اس کا ایک شعر ہے۔

هذا علی ابن موسٰی ابن جعفر شبیه علیٌ ابن موسیٰ ابن جعفرٌ

یہ علی ابن موسیٰ ابن جعفر بالکل شبیہ علیؑ ابن موسیٰ ابن جعفرؑ ہیں،

یہ منزلت ہے، یہ فضیلت ہے کہ شاعر قصیدہ لکھتا ہے اور تذکرہ کرتا ہے تو یہ ہمیں بالکل شبیہ محسوس ہوتے ہیں امام علی ابن موسیٰؑ ابن جعفرؑ کی۔ اس میں اتفاق بھی ایسا کہ نام ایسا جب باپ اور دادا کے ساتھ لیا جائے تو بالکل امام معصوم کے نام کے ساتھ مشابہ ہو جاتا ہے۔ بڑا اعلیٰ مقام ہے یہ ان علماء میں سے ایک ہیں کہ جنہوں نے ساری زندگی نہ کوئی حرام، نہ مباح اور نہ ہی کوئی مکروہ کام کیا۔ مستجاب الدعوات تھے جو دعائیں ان کی زبان سے نکلتی تھی خدا فوراً قبول کرتا تھا اور یہ ان علماء میں سے ایک ہیں۔ بلکہ شاید واحد ہیں جن کے پاس اسم اعظم تھا۔

ان کے چھوٹے بھائی کو بھی ابن طاؤس کہا جاتا ہے اور علماء نے دونوں میں اس طرح فرق کیا ہے کہ جب بھی دعاؤں کی کتابوں میں آپ کو ابن طاؤس نام نظر آئے تو اس سے مراد یہ بڑے بھائی ہیں اور اگر فقہ کی کتابوں میں آپ کو ابن طاؤس نام نظر آئے تو اس سے مراد چھوٹے بھائی ہے۔

ایک کے مسائل فقہ میں زیادہ ہیں اور ایک کے مسائل دعاؤں میں، اعمال میں اور زیارات میں زیادہ ہیں اس کی ایک وجہ بھی بتائی گئی ہے وہ وجہ یہ ہے کہ یہ سید ابن طاؤس رضی الدین یہ انتہائی محتاط بزرگ اور بہت ہی احتیاط کے ساتھ انہوں نے زندگی گزاری ہے۔ یہ ہمارے ان علماء میں سرفہرست ہیں یعنی جو فہرست ہے ہمارے علماء کی وہ علماء جنہوں نے ساری زندگی کوئی حرام کوئی مکروہ اور کوئی مباح کام انجام نہیں دیا۔ یا واجب کرتے تھے یا مستحب، اس دائرے سے کبھی قدم باہر نہیں نکالا۔ تاریخ شیعیت میں سب سے پہلی ہستی سید رضی الدینؒ ابن طاؤسؒ کی ہے کہ جن کے بارے میں یقین سے کہا گیا کہ انہوں نے تمام زندگی نہ کوئی حرام کام کیا، نہ کوئی مکروہ کام اور نہ کوئی مباح کام کیا۔ ساری زندگی یا واجب کرتے تھے یا مستحب کرتے تھے۔ تو احتیاط ان کے ہاں بہت زیادہ تھی اور بہت زیادہ ڈرا اور گھبرایا کرتے تھے قبر اور میدان حشر کی آفتوں سے انہوں نے ۷۰ کے قریب کتابیں لکھی ہیں۔

آپ فقہ کے مسائل میں فتویٰ دیتے ہوئے انتہائی احتیاط کرتے تھے۔ آپ اتنی عظیم ہستی ہیں کہ مسائل فقہ میں عالم اور مجتہد ہونے کے باوجود فتویٰ دیتے ہوئے گھبراتے تھے۔ ان کے علم کا اس سے اندازہ کریں کہ دو روایتیں ایسی ہیں جو فقط

انہوں نے بیان کی ہیں اور تمام علماء اس پر فتوئی دیتے آ رہے ہیں۔ دو مسئلے ہماری فقہ میں ایسے ہیں کہ جس کی بنیاد فقط ان کا قول ہے۔ معصومؑ کی روایت بھی فقط ان کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے اور تمام علماء نے مانا ہے۔ اگر رضی الدین ابن طاؤسؒ اس مسئلے کو نقل کریں گے تو یقیناً یہ صحیح مسئلہ ہوگا۔

اتنے بڑے عالم کہ اس دور سے آج کے دور تک علماء نے صرف ان کے قول پر فتوے دیئے ہیں۔ سید رضی الدین ابن طاؤسؒ ایسا جلیل القدر عالم دین کہ جس کی یہ کیفیت و حالت ہے کہ باوجود یہ کہ ایک مجتہد ہیں ۷۰ کتابوں کے مؤلف ہیں مگر اتنی احتیاط کہ فتوئی دیتے ہوئے گھبراتے ہیں۔

عام طور پر یہی مشہور ہے کہ خدا کے ہزار ناموں میں سے ایک نام ایسا ہے جو اسم اعظم ہے۔ اگر کوئی اس نام کو پہچان لے تو اس کے بعد کائنات کا ہر کام اس کے لیے آسان ہو جائے گا۔ خود ان کا قول ہے کہ اپنے بیٹے سے بار بار کہتے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ مرنے سے پہلے میں یہ اسم اعظم تم کو دکھا کے جاؤں میرا دل چاہتا ہے کہ یہ اسم اعظم تجھے انعام میں بتا جاؤں۔ مگر دو مرتبہ میں نے استخارہ کیا اور دونوں مرتبہ میرا استخارہ منع آ رہا ہے اور مجھے روکا جا رہا ہے۔ تمہیں یہ اسم اعظم بتانے سے۔ اس لیے میں تمہیں اسم اعظم نہیں بتاؤں گا۔ میری کتابوں میں لکھا ہوا ہے میری ساری کتابیں پڑھ ڈالو اگر تم سمجھ سکو تو ان کتابوں میں تمہیں وہ اسم اعظم مل جائے گا۔ ان کے پاس اسم اعظم تھا وہ نام ہے خدا کا کہ جس کی مدد سے انسان کائنات کا ہر کام کر سکتا ہے۔ پانچ محرم سنہ ۵۷۹ھ اور جمعرات کا دن تھا جب ان کی پیدائش ہوئی اور پانچ سنہ ۶۶۴ ہجری اور اتوار کا دن تھا جب ان کا انتقال ہوا۔ اس حساب سے ان کی عمر مبارک ۸۵ سال قرار پائی ہے۔ اور یہ حلّہ میں دفن کیے گئے کیونکہ ان کا خاندان وہاں پر تھا۔

ان کی ۷۰ کے قریب کتابیں ہیں مصباح الظاھر، کتاب لہوف، کتاب اقبال، جن میں سے کتاب لہوف وہ کتاب ہے جس میں انھوں نے کربلا کے سارے واقعات کو جمع کیا ہے۔ پورا ایک مقتل ہے عاشور کے سارے واقعات اس میں درج ہیں۔ مختصر سی کتاب ہے اور اتنے جلیل القدر عالم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب ہے ان کا پورا خاندان ایک خاندان علماء تھا معصومؑ سے انتہائی قریب تھا اور خود ایک عالم بے بدل تھے۔

ان کی والدہ خود اپنے زمانے کے ایک بہت بڑے عالم شیخ طوسیؒ کی نواسی ہیں۔ کتنے عظیم ہیں یہ دو عالم شیخ طوسیؒ کا تو پورا تذکرہ ہو چکا ہے۔ شیخ ورامؒ بھی اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم دین تھے۔ اپنے زمانے کے بہت بڑے محدث و فقیہ

تھے۔شیخ دوامؒ کی عظمت کا اندازہ آپ اس ایک بات سے لگا سکتے ہیں کہ ہمارے علماء کا ایک فتویٰ ہے کہ مرنے والے کے مرنے کے بعد اس کے منہ میں عقیق کا نگینہ رکھنا مستحب ہے جس کے اوپر خدا عزوجل کا رسول کا اور بارہ اماموں کا نام لکھا جائے یہ مستحب ہے کہ لکھا جائے کہ اللہ ربی ومحمد نبی وعلی امامی اور اسی طرح پورے بارہ اماموں کے نام لکھنا۔ یہ ہمارے فقہاء کا فتویٰ ہے کہ یہ مستحب ہے لیکن یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے بارے میں کوئی روایت موجود نہیں۔ ہماری پوری احادیث کی کتابوں میں اس مسئلے پر کوئی روایت موجود نہیں لیکن پھر بھی فقہاء کہتے ہیں کہ یہ عمل مستحب ہے۔

چنانچہ اس کی وجہ کیا بتائی جاتی ہے؟ سید رضی الدین ابن طاؤسؒ انھوں نے اپنے نانا کے حوالے سے نقل کیا۔ کہ جب میرے نانا شیخ دوامؒ کا آخری وقت آیا تو آخری وقت انھوں نے وصیت کی تھی میرے مرنے کے بعد میرے منہ میں عقیق کا نگینہ رکھنا زبان کے نیچے۔ اور اس کے اوپر اسمائے گرامی لکھنا تا کہ جب منکر ونکیر میرے پاس سوال کرنے کے لیے آئیں تو میں زیادہ آسانی کے ساتھ ان کو جواب دے سکوں۔ سید رضی الدین ابن طاؤسؒ اپنی کتاب جمال السالکین میں لکھتے ہیں کہ میرے نانا نے یہ وصیت کی ہے۔ اب مجھے معلوم ہے کہ میرے نانا جو احادیث معصومینؑ کو اچھی طرح جانتے اور سمجھتے تھے وہ کوئی ایسا کام نہیں کر سکتے ہیں کہ جس کا حکم امامؑ سے نہیں تھا۔ چنانچہ نانا کے اس مسئلے پر مجھے تو یقین ہے کہ اس پر امامؑ کی کوئی نہ کوئی حدیث ضرور ہوگی جو کسی وجہ سے ہم تک نہیں پہنچی شاید ظالموں نے روایت کو ضائع کر دیا ہوگا چنانچہ میں خود وصیت کرتا ہوں جب میرا انتقال ہو جائے تو اسی طرح میرے منہ میں بھی عقیق کا نگینہ رکھا جائے اور وہی عبارت لکھی جائے جو میرے نانا نے بیان کی تھی۔

اس کے بعد سے آج تک جتنے علماء گزرے ہیں تقریباً سب نے کہا کہ کوئی روایت ہم کو نہیں ملی۔ مگر ان نانا نواسے کا عمل کہ جو خود اپنے زمانے کے اتنے بڑے عالم تھے کہ ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ ضرور امامؑ کی کوئی نہ کوئی روایت ان تک پہنچی ہوگی، ورنہ کبھی اس قسم کی وصیت نہ کرتے۔ سید دوامؒ جو نانا ہیں سید رضی الدین ابن طاؤسؒ کے، ان کا مقام اور مرتبہ یہ بھی تھا کہ امامؑ مسلسل ان کے خط کا جواب دیا کرتے تھے چنانچہ مشہور واقعہ ہے۔

رشید ابو العباس کہتا ہے کہ ایک مرتبہ میں کسی کام سے کاظمین پہنچا تو وہاں میں نے شیخ دوامؒ کو پایا میں نے حیران ہو کر پوچھا آپ یہاں کیسے (اس لیے کہ یہ لوگ حلّہ کے رہنے والے ہیں۔ عراق کا ایک شہر ہے آپ یہاں کیسے؟) کہا میں زیارت کے لیے آیا ہوا ہوں اور مجھے اپنے وطن جلدی واپس جانا ہے لیکن کیا کروں ایک اہم کام مجھے یاد آ رہا ہے۔ میں اتنی

بڑی مصیبت و پریشانی میں مبتلا ہوں اور مجھے پتہ ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کے علاوہ میری اس مصیبت کو کوئی اور دور نہیں کر سکتا ہے۔ میں نے خدمت امامؑ میں بھیجنے کے لیے خط لکھ لیا ہے۔ کاش کوئی ایسا آدمی مل جائے جو سامرہ کے تہ خانے تک اس خط کو پہنچا دے جہاں امامؑ غائب ہوئے تھے۔

رشید ابو العباس کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا اتفاق سے کل میں سامرہ جا رہا ہوں کسی کام سے انہوں نے کہا پھر یہ میرا خط لے کر چلے جانا اور دیکھو جب رات کو جانا تو اس خط کو اس تہ خانے میں رکھ کے آنا اور اگلے دن دوبارہ جانا اگر وہ خط پڑا ہوا تو اس کا مقصد یہ کہ میری حاجت قبول نہیں ہوئی اور اگر خط غائب ہو جائے تو پھر امامؑ نے میری اس دعا کو قبول کر لیا۔ رشید ابو العباس کہتے ہیں کہ میں اگلے دن شیخ دوامؒ کا خط لے کر سامرہ گیا اور اپنا کام کرنے کے ساتھ جب سرداب مقدس کے اس تہہ خانے کی زیارت کے لیے گیا۔ جس کا تعلق امام زمانہؑ سے ہے تو وہاں جا کے میں نے شیخ دوامؒ کے خط کو انتہائی حفاظت کے ساتھ ایک کونے میں رکھ دیا۔ اگلے دن میں جب پلٹ کر اس تہ خانے میں آیا تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا تہ خانہ جو چاروں طرف سے بند ہوتا ہے جہاں ہوا تک کا گزر نہیں وہ خط وہاں سے خود بخود غائب ہو چکا ہے۔

میں نے بڑی احتیاط کے ساتھ ایک پتھر کے نیچے دبا کے رکھا تھا۔ لیکن وہ پتھر بڑی احتیاط کے ساتھ اُٹھا کر ایک جانب رکھا گیا تھا۔ اور شیخ دوام کا خط غائب ہو چکا تھا میں واپس اپنا کام کر کے کاظمین آیا۔ پتہ چلا شیخ دوامؒ کو بڑی جلدی تھی وہ حلہ جا چکے ہیں اس کے بعد جب کسی کام کے سلسلے میں کچھ عرصہ بعد مجھے حلہ جانا پڑا تو وہاں میری ملاقات شیخ دوامؒ سے ہو گئی۔ اور اس دن مجھے ان سے پتہ چلا کہ جس دن وہ خط تہہ خانے سے غائب ہوا تھا۔ اس کے اگلے دن ہی ان کی ساری مصیبت و پریشانی دور ہو گئی۔ یہ اتنی بڑی پریشانی تھی۔ کہ شیخ دوامؒ جیسا عالم گھبرایا جا رہا تھا۔ یہ تھے سید رضی الدینؒ کے نانا جو اتنے بلند مرتبہ پر فائز تھے۔

سید رضی الدینؒ اپنے زمانے کے سب سے بڑے زاہد تھے۔ زہد و پرہیزگاری میں ان کے مقابل کسی کو نہیں دیکھا سید بھی ہیں اور واقعا امامؑ کے صحیح پیروکار بھی ہیں اور ان کی ایک خاص منزلت اور مقام ہے۔

یہ روایت بہت مشہور ہے اسماعیل حرکلی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بیمار پڑا اور میری بیماری یہ تھی۔ کہ میری ران میں ایک پھوڑا نکلا اور وہ ایک ہتھیلی کے برابر تھا اور انتہائی تکلیف تھی اس پھوڑے کی وجہ سے مجھے اور خاص طور پر جب موسم بہار آیا کرتا تھا تو اس وقت پھوڑا انتہائی تکلیف دیا کرتا تھا اور بار بار اس میں کثیر تعداد سے خون نکل جایا کرتا تھا۔ مجھے پھر

بھی اپنی اتنی تکلیف محسوس نہ ہوتی تھی کہ جتنی مجھے اس بات پر ہوتی تھی کہ میں اپنی نماز صحیح طریقے سے نہیں پڑھ پاتا ہوں۔ اس مصیبت کی وجہ سے میں گھبرا گیا اور گھبرا کے سیدھا میں اپنے گاؤں سے حلّہ پہنچا، اس لیے کہ اس وقت مرکز شیعیت حلّہ تھا۔ وہاں جا کر سید رضی الدینؒ ابن طاؤس سے ملاقات ہوئی جو اس زمانے میں تمام شیعوں کے سب سے بڑے عالم تھے۔ سید رضی الدینؒ کو میں نے اپنی پریشانی بتائی۔ انھوں نے حلّہ کے تمام طبیبوں کو بلایا اور کہا کہ ایک مرد مومن بیچارا اتنی تکلیف میں مبتلا ہے آؤ دیکھو اس زخم کا اگر علاج کر سکتے ہو تو اس کا علاج کرو سارے طبیب آئے آنے کے بعد دیکھا کہا کہ اب اس پھوڑے کا علاج یہی ہے کہ اس کو کاٹ دیا جائے اس کے بغیر اور کوئی چارہ نہیں لیکن ہم اس پھوڑے کو کاٹنے کے لیے تیار نہیں کیونکہ یہ ایک ایسی رگ پر واقع ہے اگر پھوڑا کٹا تو وہ رگ بھی کٹ گئی تو اس کا اتنا خون نکلے گا کہ یہ مر جائے گا اس کے بچنے کا کوئی امکان نہیں۔ بغداد اس زمانے میں عباسی خلافت کا دارالحکومت تھا وہاں خلیفہ رہتا تھا۔ اس دور میں سب سے بڑی طاقت مسلمان تھے چنانچہ بغداد دنیا کا سب سے بڑا شہر تھا اور جس علم کا جو ماہر تھا وہ فوراً بغداد پہنچتا تھا جیسے آج لندن اور امریکہ لوگ جایا کرتے ہیں۔

ہر علم کا ماہر بغداد میں تھا۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ سوائے بغداد کے طبیبوں کے علاوہ میرا کوئی اور علاج نہیں کر سکتا ہے۔ چنانچہ میں حلّہ سے بغداد آیا، بغداد میں ایک سے بڑھ کر ایک طبیب تھا اور اس کے علاوہ بادشاہ کے ذاتی طبیب بھی تھے۔ میں ہر قسم کا خرچہ کرنے کو تیار تھا اور کیا بھی۔ یہاں تک کہ میرے پاس سب کچھ ختم ہو گیا میں فقیر ہو گیا لیکن کوئی ایسا طبیب نہیں جو میری بیماری کا علاج کرنے کو راضی ہو۔ سب کا کہنا تھا کہ ایک ایسا زخم اور پھوڑا ہے کہ ممکن نہیں ہے اس کا صحیح ہونا۔ مگر یہ کہ تمہاری موت واقع ہو جائے گی۔ چنانچہ ہم ایسا کام کرنے کو تیار نہیں اب اسماعیل کہتے ہیں کہ میں بے انتہاء پریشان اب کیا کروں، آخر میں نے سوچا سوائے اس کے کوئی اور راستہ نہیں کہ جاؤں اور اپنے زمانے کے امامؑ کی بارگاہ میں فریاد کروں۔ جب میں ہر طرف سے مایوس ہو گیا ہوں تو شاید امامؑ ہی میری مدد کریں۔ ورنہ اب تو کوئی اور راستہ نظر نہیں آتا۔ چنانچہ وہ بغداد سے سامرہ چلا اور کہتا ہے کہ میں سامرہ گیا اور کئی دن اس سرداب تہہ خانے میں بھی جاتا رہا جس کا ایک تعلق ہے امام مہدی علیہ السلام سے، وہ ان کی رہائش گاہ تو نہیں ہے مگر ایک تعلق ہے۔

میں مسلسل وہاں جاتا رہا یہاں تک کہ کئی دن گزر گئے اور دیکھا کہ بظاہر یہاں بھی لگ رہا کہ میری فریاد سننے والا کوئی بھی نہیں۔ میں نے سوچا اب تو بے کار ہے چلو واپس اپنے وطن چلو۔ گھر والوں کے بیچ میں، بیوی بچوں کے بیچ میں، زندگی

گزاری جائے، نہ دنیا والوں نے کوئی جواب دیا، نہ امامؑ کی بارگاہ میں میری دُعا قبول ہوئی۔ چنانچہ اسی خیال سے اگلے دن صبح سویرے میں تیار ہو گیا۔ اب یہاں سے میں نے جانا تھا چنانچہ میں سامرہ سے باہر نکلا یہ پرانے زمانے کا واقعہ ہے جب ہر شہر کے گرد دیوار بنائی جاتی تھی۔ میں دروازے سے باہر نکلا سامرہ کے قریب دریائے دجلہ بہہ رہا تھا میں وہاں گیا جانے کے بعد غسل کیا، الوادع کہنا ہے امامؑ کے روضے کو، قبر کو، حرم کو الوادعی زیارت پڑھنے کے لیے پاک وصاف لباس پہنا اور ایک لوٹے میں پانی بھر کے چلا اگر خدانخواستہ خون نکل آیا اس زخم سے تو فوراً پاک کروں اور روضے پر پہنچوں اور الوادعی زیارت کر کے واپس آؤں۔

غسل کیا، پاک لباس پہننے کے بعد پانی کا لوٹا ہاتھ میں لیا اور چلا ایک مرتبہ آخری زیارت کے لیے، سامرہ کی دیوار کی جانب چل رہا تھا کہ اتنے میں میں نے دیکھا چار آدمی جنگل سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے آئے۔ جن کی وضع قطع جن کا لباس جن کی صورت سامرہ کے باشندوں سے بالکل مختلف لگ رہی تھی۔ میں نے سمجھا کہ کوئی مسافر یہاں سے گزر رہے ہوں گے۔ مگر وہ گزرنے والے ایک مرتبہ رُک گئے، ان میں سے دو جو نوجوان تھے وہ میرے اُلٹے ہاتھ آ کر کھڑے ہو گئے اور ان میں سے ایک بزرگ تھا اور وہ میرے سیدھے ہاتھ کی طرف آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا اور ایک آدمی آ کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا جو نہ تو جوان تھا اور نہ ہی بوڑھا اور اس نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا کہ تمہارے زخم کی کیا حالت ہے، میں نے جواب دیا زخم کی تو وہی حالت ہے روز بروز تکلیف بڑھتی جا رہی ہے۔ کہا ذرا مجھے زخم دیکھا تو سہی، میں نے سوچا کہ ابھی غسل کر کے آیا ہوں، پاک لباس پہن کر آیا ہوں۔ پتہ نہیں یہ کیسا آدمی ہے، اس کے ہاتھ پاک ہیں یا نجس، ایسا نہ ہو کہ میرا جسم یا لباس نجس ہو جائے اور دوبارہ مجھے پاک کرنے کے لیے جانا پڑے۔ چنانچہ میں نے انکار کیا اس نے دوبارہ زور دے کر کہا کہ دکھاتے کیوں نہیں اپنا زخم تو دکھاؤ۔ میں نے پھر انکار کیا تو بس ایک مرتبہ وہ جھکا اور اس نے میری ران سے کپڑا اہٹا کر اس زخم کو اپنے ہاتھوں میں پکڑا، اب تو میں مجبور ہو گیا پھر میں نے دیکھا اس نے پھوڑے کو اپنے ہاتھوں سے دبایا ایک مرتبہ وہ سارا مادہ خون، پیپ وغیرہ تیزی کے ساتھ اس سے باہر نکلیں۔ مجھے درد تو ہوا تکلیف تو ہوئی لیکن اس کے بعد ایک دم مجھے آرام آ گیا اور پھر میں نے دیکھا اس نے اسی زخم پر ہاتھ پھیرا اور میرا وہ زخم بالکل صحیح ہو گیا۔

میرا زخم صحیح ہو گیا اور پھر اس نے کپڑا ڈال دیا اور کپڑا ڈالنے کے بعد کہا اے اسماعیل تم صحت یاب ہو گئے ہو اور

دیکھو حاکم وقت اگر تمہیں کوئی ہدیہ دے تو قبول مت کرنا۔ میرا بیٹا اُس سے بہتر بندوبست کر دے گا۔ اب تو میں بہت حیران ہوا یہ کون آدمی ہے۔ میرا نام بھی پتہ ہے اور اس نے مجھے میرا نام لے کر مخاطب کیا ہے۔ ایک مرتبہ میں نے گھبرا کے پوچھا تو ہے کون جو میرا نام بھی جانتا ہے۔ اس نے تو کچھ نہ بتایا میرے سیدھے ہاتھ پر جو بزرگ نیزہ لے کر کھڑے تھے انہوں نے کہا اے اسماعیل انہیں سلام کرو یہ تمہارے امامؑ زمانہؑ ہیں۔ میں نے امام زمانہؑ کو سلام کیا مگر امامؑ سلام کا جواب دے کر فوراً گھوڑے پر سوار ہوئے اور ایک مرتبہ چاروں آدمی گھوڑا دوڑاتے ہوئے چلے میں نے ان کے گھوڑے کو جاتے دیکھا۔ اب میری تو زندگی اور موت کا مسئلہ ہے زندگی میں پہلی مرتبہ امامؑ کی زیارت ہوئی، میں دوڑ کے امامؑ کے گھوڑے کے پیچھے چلنے لگا۔

امامؑ نے ایک مرتبہ گھوڑا روکا اور کہا کہ واپس پلٹ جاؤ۔ میں نہیں مانا امامؑ آگے بڑھے میں پھر پیچھے دوڑا۔ امامؑ پھر رُکے اور کہا کہ واپس پلٹ جاؤ۔ تیسری بار جب میں نے امامؑ کی بات نہ مانی اور پیچھے چلا تو اب امامؑ نے گھوڑا روکا اور انتہائی جلال میں کہا، اے اسماعیل تو ہمارا کیسا ماننے والا ہے ہم امامؑ وقت ہو کر تجھے دو مرتبہ منع کر چکے ہیں کہ ہمارے پیچھے نہ آ، اور تو مسلسل ہمارے پیچھے چلا آ رہا ہے۔ میں گھبرا گیا، پریشان ہو گیا، امامؑ جلال میں آ گئے تھے بس میں خاموش ہوا۔ اب اسماعیل حرکلی یہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ واپس سامرہ میں آیا، سامرہ شہر میں داخل ہوا، صبح کا وقت تھا، لوگ گھروں سے نکل رہے تھے، میں نے ایک مرتبہ لوگوں سے دریافت کیا کہ کیا تم نے دیکھا ہے وہ چار آدمی جو یہاں سے گھوڑا دوڑا کے گزرے تھے۔ سب نے کہا ہاں ہم نے دیکھا تو تھا میں نے کہا کیا تم انہیں پہچانتے ہو؟ ایک مرتبہ انہوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں البتہ ان کی شکلیں اور لباس تو یہ بتا رہے تھے کہ یہ اس علاقے کے نہیں ہیں۔

ہمیں نہیں معلوم کہ کون ہیں شاید کاشت کار ہوں جو اپنی زمین کی طرف آئے ہوں۔ بس ایک مرتبہ میں نے کہا کہ تم بدقسمت ہو کہ ان کی زیارت سے محروم رہ گئے۔ ارے یہ تو امام زمانہؑ تھے اتنا سننا تھا کہ سب ایک مرتبہ دوڑ کر میرے اردگرد جمع ہو گئے کیا تم نے ان کی زیارت کی ہے؟ کیا تم نے ان سے ملاقات کی ہے؟ میں نے ایک مرتبہ کہا زیارت و ملاقات؟ کیا تم تو واقف ہو میں جو یہاں آیا تھا اپنے زخم کے علاج کے لیے آیا تھا اور میرا زخم ٹھیک نہیں ہو رہا تھا امامؑ نے خود میرے زخم پر ہاتھ پھیرا ہے ایک مرتبہ سب کہتے ہیں دکھاؤ تو میں نے اپنی ران سے کپڑا اٹھایا اور اس زخم کو دیکھنا چاہا کہ وہ زخم کہاں تھا لیکن وہ زخم اس حد تک صحیح ہو گیا تھا کہ میں پریشان ہو گیا اس لیے کہ جیسا ہی علاج کیوں نہ ہو، دو چار گھنٹے تھوڑا اثر رہتا

ہے۔ وہ زخم اس حد تک صحیح ہوگیا کہ میں گھبرا گیا، میں نے سمجھا کہ غلطی سے میں نے دوسری جانب کھولی ہے۔ ایک مرتبہ میں نے دوسری ران کو کھولا وہاں بھی کوئی نشان نظر نہ آیا، نہ ادھر کوئی نشان ہے، نہ ادھر کوئی نشان۔ جب یہ خود اتنے پریشان ہوگئے تو سامرہ والوں کی کیا حالت ہوئی۔ لوگ ایک مرتبہ ٹوٹ پڑے ان کے لباس کو ان کے جسم سے نوچ ناچ کر اتارا اور جس کے ہاتھ میں جتنا ٹکڑا آیا وہ ٹکڑا لے کر بھاگا، یہ وہ شخص ہیں کہ اس کے جسم پر امامؑ کا ہاتھ مس ہوا ہے۔ میں بڑی مشکل سے اپنے آپ کو بچا کے مسافر خانہ میں آیا اور اس کے بعد فوراً میں نے نیا لباس پہنا اور شہر سامرہ سے نکل کر میں بغداد کی جانب روانہ ہوا۔ اب میں بغداد کی جانب چلا جا رہا ہوں، رضی الدین ابن طاؤسؒ حلّہ میں ہیں اور میں بغداد کی جانب جا رہا ہوں۔

ادھر بغداد کے پل پر ایک عجیب منظر تھا بغداد والوں کو اس واقعے کی اطلاع پہلے سے مل چکی تھی اُس زمانے میں بغداد میں داخل ہونے کا ایک ہی راستہ تھا، صرف پل پر سے گزر کر ہی بغداد میں داخل ہوا جا سکتا تھا۔ بغداد کے لوگ انتظار کے لیے کھڑے تھے۔ ایک مرتبہ جو آدمی بھی پل پہ پہنچتا تھا اس کا نام پوچھتے تھے اور پھر اس کو جانے دیتے تھے جب میں پہنچا، میں نے دیکھا اتنے سارے لوگ کھڑے ہیں، مجھے کیا پتہ یہاں کیا واقعہ پیش آیا ہے۔ میرا نام پوچھا، میں نے بتایا بس میرا نام سننا تھا کہ سارے کے سارے لوگ مجھ پر ہجوم کر کے ٹوٹ پڑے اور پھر سامرہ والی کیفیت ہوگئی کہ میرے لباس کو نوچ نوچ کر لے جایا جا رہا ہے۔ وہ تو چھوٹا شہر تھا یہ تو بڑا شہر تھا اتنا ہجوم میرے چاروں طرف آ گیا کہ میں غش کھا کر گرنے لگا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ سید رضی الدین ابن طاؤسؒ اپنے ساتھ ایک بڑی جماعت کو لے کر آ رہے ہیں۔ میرے قریب پہنچے بغداد کے لوگوں کو ڈانٹ کے ہٹایا یہ کیا کر رہے ہو۔ کیا اسے مارنے کا ارادہ ہے۔ سید رضی الدین ابن طاؤسؒ ایک عظیم عالم تھے اور تمام شیعہ ان کا احترام کرتے تھے۔ بس ان کی بات سننا تھی سب ایک طرف ہوگئے اور پھر وہ مجھے میرے بازو سے پکڑ کر بغداد میں اپنے گھر لے گئے اور وہاں پہنچنے کے بعد کہا کہ تمہارے بارے میں ایک خبر یہاں مشہور ہے کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟ میں نے ایک مرتبہ پورا واقعہ ان کو سنایا اور بتایا۔ سید رضی الدینؒ نے فوراً نماز شکر ادا کی اور اس کے بعد مجھے لے کر بغداد کے وزیر کے پاس پہنچے اس لیے کہ بغداد کا ایک خلیفہ آلِ محمدؐ کے ماننے والا تھا اور وہاں جا کے وزیر کو بتایا کہ اس قسم کا واقعہ پیش آیا ہے وزیر نے جا کر خلیفہ وقت کو اطلاع دی کہ اس قسم کا واقعہ پیش آیا ہے۔ خلیفہ وقت نے مجھے اپنے دربار میں بلوایا اور بلوانے کے بعد مجھ سے پورا واقعہ سنا اور پھر حکم دیا کہ جاؤ اور بغداد کے سارے کے سارے معا

ملعون کو لے کر آؤ۔ بغداد کے سارے طبیب لائے گئے۔ ان سب کو خلیفہ نے متوجہ کیا اس آدمی کو پہچانتے ہو سب نے مجھے دیکھا پہچان لیا۔ کہا ہاں یہ وہی آدمی ہے جو آٹھ یا دس دن پہلے آیا تھا اور اس کا ایک ایسا مرض تھا ایک ایسا پھوڑا تھا جو صحیح ہونا ممکن ہی نہ تھا خلیفہ وقت نے کہا کہ بتاؤ اگر وہ صحیح ہو جاتا تو کیا ہوتا، کہا اول تو وہ صحیح ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ لیکن اگر صحیح ہو بھی جاتا تو کم ازکم دو مہینے تک زخم کا نشان رہتا اور اس کے بعد مرتے دم تک ایک سفید داغ پڑ جانا تھا اس جگہ پر جہاں یہ پھوڑا نکلا تھا۔ بس خلیفہ ایک مرتبہ مجھ سے کہتا ہے کہ اپنی ران کھول کر ان سب کو دکھاؤ میں نے ایک مرتبہ اس زخم کے نشان کو دکھایا سارے طبیب حیران ہو گئے۔

ان میں سے ایک عیسائی طبیب تھا وہ منظر دیکھتے ہی بے اختیار پکار اُٹھا کہ یہ تو حضرت عیسیٰؑ کا کام ہے جو مسیح کیا کرتے ہیں۔ جو حضرت عیسیٰؑ کیا کرتے ہیں۔ یہ تو حضرت عیسیٰؑ کے علاوہ کسی اور کے لیے ناممکن ہے۔ بس ایک مرتبہ ان سب لوگوں کو واپس کیا گیا تو اس کے بعد خلیفہ نے مجھے بلایا اور ایک ہزار دینار کی تھیلی دینا چاہی، میں نے لینے سے انکار کر دیا۔ خلیفہ حیران ہو کر کہتا ہے یہ تیرا انعام ہے یہ کیوں نہیں لیتے ہو میں نے فقط اتنا جواب دیا کہ جس نے میرا علاج کیا ہے اس نے منع کیا ہے کہ میں آپ سے کچھ نہیں لے سکتا۔ خلیفہ خاموش سر جھکا کے بیٹھ گیا میں دوبارہ رضی الدین ابن طاؤسؒ کے پاس آیا جنہوں نے بڑی عزت کے ساتھ مجھے بٹھایا۔ اُنہوں نے خط لکھا علی ابن اویس کے نام کہ جنہوں نے اس کے بعد ایک ہزار اشرفیوں کی تھیلی مجھے بھجوائی اور پھر اسماعیل حرکلی اپنے گاؤں چلے گئے ان کا بیٹا کہتا ہے کہ میں نے اپنے باپ کے زخم کو بھی دیکھا تھا پہلے اور اس کے بعد بھی دیکھا کہ وہ زخم بالکل ٹھیک ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس کے اوپر بال بھی اُگ آئے ہیں جبکہ یہ ممکن نہ تھا کھال کے اوپر دوبارہ بالوں کا اُگنا۔

چنانچہ بہت مشہور روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ اور آپ کے دوست چلے بغداد اور کوفہ کے درمیان ایک مسجد ہے اس کی زیارت کے لیے گئے۔ وہ مسجد امیر المومنینؑ کے نام سے منسوب ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس میں مولاؑ نے کچھ نمازیں ادا کی تھیں۔ چنانچہ اہل ایمان اور علیؑ کے ماننے والے اکثر اس مسجد میں جاتے تھے اور اپنی نمازیں ادا کرتے تھے۔ سید ابن طاؤسؒ خود نقل کرتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ میں اپنے دوست محمد کے ساتھ اس مسجد میں گیا جب ہم پہنچے تو مسجد اتفاق سے خالی تھی سوائے ہمارے اس مسجد میں کوئی نہ تھا۔ چنانچہ میں اور میرا دوست نماز میں مشغول ہو گئے، ابھی ہم نماز پڑھ رہے تھے کہ میں نے دیکھا کہ ایک اونٹ سوار آیا اور آنے کے بعد اپنے اونٹ کو مسجد کے باہر روکا اور خود مسجد میں داخل ہوا اور وہ

بھی نماز میں مشغول ہو گیا۔ آنے والے نے ہم سے کوئی گفتگو نہیں کی لیکن اس کا انداز اس کا لباس اس کا چہرہ اس کے چہرے کا نور ہمیں بتا رہا تھا اور ظاہر تھا بالکل یہ کوئی عظیم شخصیت ہیں اور امیر المومنینؑ کے حوالے سے عام طور پر ایک ہی شخصیت آتی ہے کیونکہ مسجد مولا امیر المومنینؑ کے حوالے سے ہے۔ چنانچہ ان کے دوست ان سے پوچھتے ہیں کہ یہ کون ہے جو یہاں نماز پڑھ رہا ہے۔ میں نے کہا یہ حضرت علیؑ کی مسجد ہے ضرور یہ خضرؑ ہوں گے۔ جو یہاں نماز پڑھنے کے لیے آئے ہیں کیونکہ اکثر جناب خضرؑ مولا علیؑ کے پاس آیا کرتے تھے مسائل پوچھنے کے لیے، دُعا کے لیے، حضرت سے ملاقات کے لیے۔ اب رضی الدین ابن طاؤسؒ کہتے ہیں فوراً میرا ذہن اس طرف گیا کہ یہ ضرور حضرت خضرؑ ہوں گے۔ لیکن ہمت نہ پڑی ان سے کچھ گفتگو کرنے کی۔ انھوں نے نماز ختم کی اور اونٹ پر سوار ہونے لگے۔ اب ہم آگے بڑھے اور بڑھ کر ہمت کر کے سوال کر دیا۔ کہ کیا آپ حضرت خضرؑ ہیں انھوں نے فقط صرف اتنا جواب دیا کہ میں وہ ہوں جس کی زیارت کی تمنا خود حضرت خضرؑ کیا کرتے ہیں۔ مجھے نہیں پہچانتے، میں تمہارے زمانے کا امامؑ ہوں۔ بس اتنا سننا تھا کہ ایک مرتبہ دوڑ کر ہم آگے بڑھے اور امام مہدی علیہ السلام کے قدموں کو بوسہ دینا چاہا مگر امامؑ کا اونٹ اتنی تیزی سے حرکت میں آیا کہ ہم اس اونٹ کی راہ کو بھی نہ دیکھ سکے اور امامؑ ہماری آنکھوں سے غائب ہو گئے۔ یہ پہلی زیارت تھی سید رضی الدین کی امامؑ وقت سے لیکن اس کے بعد مسلسل ہمیں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ ان کی امامؑ سے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔

ابو عبداللہ طاؤسؒ جو جدّ تھے سید رضی الدین ابن طاؤسؒ کے بارے میں یہ ہے کہ یہ دن رات میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے جن میں پانچ سو رکعت اپنے لیے ہوتی تھی اور پانچ سو رکعت اپنے والدین کے لیے ہوا کرتی تھی۔ اس لیے کہ خاندان اہل بیتؑ کی یہ خصوصیت ہے کہ جتنے بھی امام زادے ہیں، جتنے بھی سادات کرام ہیں، وہ دن رات کا ایک بڑا حصہ والدین کے اس حق کو نبھانے میں گزارتے ہیں کہ اگر ہم کچھ اور ان کی خدمت نہیں کر سکتے تو کم از کم ان کے لیے عبادت کا تحفہ ہی پیش کر دیا جائے۔ ایک بڑی غلطی جو ہو جاتی ہے والدین کے حق کو سمجھنے میں وہ یہ کہ عام طور پر ایسا نہیں بلکہ شرعاً حقوق والدین سے مراد ہے باپ دادا، دادی، نانا، نانی، پردادا، پردادی، پرنانا، پرنانی اور آباء واجداد کا جتنا سلسلہ ہے بلکہ یہاں تک فقہ کا مسئلہ ہے کہ بعض حالتوں میں باپ سے زیادہ فضیلت دادا کو حاصل ہے اور بعض صورتوں میں ماں سے زیادہ حق نانی کو ہے۔

جنھوں نے حقوق والدین کو مکمل طور پر ادا نہیں کیا کہ جیسے جو اپنے والدین میں سے ماں کو یاد رکھے اور والد کو بھول

جائے، باپ کو یاد رکھے اور ماں کو بھول جائے تو یقیناً گناہ گار ہوگا۔ گناہ ہے جو والدین کا تو حق ادا کر رہا ہے مگر دادا، دادی اور نانا، نانی وغیرہ کا حق ادا نہیں کر رہا ہے۔

ابو عبداللہ محمد طاؤس ؒ ان کی سیرت و کردار جو کتابوں میں لکھی ہے کہ وہ دن و رات ایک ہزار رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ اس میں سے پانچ سو رکعت اپنے لیے ہوتی تھی اور دوسری پانچ سو اپنے پورے سلسلے اصلاب کے سلسلے میں جتنے والدین گزرے ہیں، جتنے بھی ان کے آباء و اجداد گزرے ہیں، پانچ سو رکعت نماز ان کے لیے ہوا کرتی تھی۔

سید رضی ابن طاؤس ؒ کے زمانے میں جو عباسی خلیفہ تھا۔ جب اس نے ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری کی تعریف سنی اور واقعاً ان کا امتحان بھی کیا تو ان کے تقویٰ کو دیکھ کر اس نے یہ ارادہ کیا کہ میں انہیں چیف جسٹس یعنی قاضی القضاض بنا دوں۔ یہ اس زمانے کا بہت بڑا عہدہ ہوتا ہے اور خلیفہ کے بعد اس سے بڑا کوئی عہدہ نہیں ہوتا ہے۔ عباسی خلیفہ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کسی طریقے سے میں حقیقی قاضی القضاض بنا دوں اس وقت سب سے بڑی سلطنت عباسی سلطنت تھی۔ اس وقت ان کے مقابلے میں کوئی بڑی سلطنت نہ تھی اور اس کا چیف جسٹس بننا اور اس کے تمام قضاوت کے فیصلوں کو ہاتھ میں لینا حتیٰ کہ خلیفہ کے خلاف بھی یہ مقدمہ سن سکتے ہیں اور انہیں معذول کر سکتے ہیں، ظاہری اعتبار سے یہ اختیار ہوتا ہے۔ خلیفہ وقت نے انھیں بلایا اور بلانے کے بعد یہ مسئلہ ان کے سامنے رکھا انھوں نے ایک مرتبہ سنا اور سننے کے بعد صاف انکار کر دیا کہ میں اس لیے تیار نہیں ہوں کہ اس عہدہ کو اختیار کروں۔ یہ ایک بہت اہم مقام ہوتا ہے ہر شخص کے لیے۔ ایک طرف عزت، دولت، شہرت سب کچھ اور دوسری جانب اتنی بڑی ذمہ داری کہ آدمی صحیح معنوں میں غور کریں تو ممکن نہیں کہ اس عہدے پر فائز ہو، انکار کر دیا۔ خلیفہ نے کہا کیا سبب ہے آپ کے انکار کرنے کا اتنا بڑا عہدہ ہم دے رہے ہیں آپ اسے کیوں نہیں قبول کرتے کہا کہا اے حاکم وقت یہ عہدہ مجھے اس لیے دیا جا رہا ہے کہ میں مختلف لوگوں کے درمیان فیصلے کروں کہ ان کے درمیان جھگڑے کو دُور کروں اور میری حالت یہ ہے کہ مجھے پچاس سال ہو گئے ہیں بالغ ہوئے اور اس پچاس سال میں ایک مقدمہ روزانہ میرے پاس آتا ہے اور پچاس سال ہو گئے ہیں میں اس مقدمے کو حل نہ کر پایا۔ کہا کہ پچاس سال گزر گئے اس حال میں کہ روزانہ صبح میری آنکھ کھلتی ہے تو میری عقل میں اور خواہش نفسانی میں جھگڑا ہوتا ہے عقل کہتی ہے مجھے یاد کرو دنیا کو چھوڑو، آخرت کی فکر کرو، جو کچھ ہے اس میں ہے۔ میری خواہش نفسانی وہ ایک مرتبہ مجھ سے کہتی ہے کہ چھوڑ آخرت کو سنی سنائی باتیں ہیں ادھار کا سودا ہے، پتہ نہیں وہاں کچھ ہو یا نہ ہو، یہاں جو کچھ مل رہا

ہے یہ عیش یہ آرام یہ عشرت ان تمام چیزوں کو کیوں چھوڑ دیتے ہو، آگے ہاتھ بڑھاؤ اور ان تمام کی تمام نعمتوں کو استعمال کرو۔

پچاس سال ہو گئے اس میں کہ عقل مجھ سے کہتی ہے کہ آخرت کا خیال کرو اور خواہش نفسانی مجھ سے کہتی ہے کہ دنیا کا خیال کرو تو میں ان میں فیصلہ نہیں کر پاتا ہوں۔ ایک دن عقل کی بات مان لیتا ہوں ایک دن خواہش نفسانی کی بات مان لیتا ہوں تو جو آدمی پچاس سال سے ایک معمولی سے مقدمے کا فیصلہ نہ کر پائے تو بھلا وہ دوسرے آدمیوں کے درمیان بیٹھ کر ان کے مسائل کو کیسے حل کرائے گا۔ اس لیے اس عہدے پر ایسے کو مقرر کرو جس میں یہ صلاحیت ہو۔ میں جب اپنے مقدمے کا فیصلہ نہیں کر پا رہا تو دوسروں کے مقدمے کے فیصلے کیسے کروں گا اور یہ کہہ کر صاف انکار کر کے واپس آ گئے تو یہ ان کا تقویٰ اور تقدس تھا ورنہ ہاتھ آئے ہوئے عہدے کو اور اس زمانے کے عہدے کو کون چھوڑتا ہے لیکن فقط اس لیے کہ اس کی ذمہ داری کو جانتے تھے۔ اس لیے اس کو ترک کر دیا لیکن ہاں ایک زمانہ آیا کہ اس سے ملتا جلتا عہدہ ان کو قبول کرنا پڑا اور وہ یہ کہ تمام سادات کرام کا ان کو سردار بنایا جا رہا تھا، اس وقت بھی انہوں نے صاف انکار کر دیا تھا۔

ہلاکو خان کا زمانہ تھا اور ہلاکو خان ایک ایک کر کے تمام شہروں کو فتح کرتا چلا آ رہا تھا۔ ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا بغداد کو فتح کیا مگر حلّہ کی جانب وہ نہ بڑھا، اس کی وجہ خواجہ نصیر الدین طوسیؒ تھے۔ اس کے بعد ہر شہر میں وہ اپنی جانب سے حاکم مقرر کر رہا تھا حلّہ کا حاکم سید رضی الدین طاؤسؒ کو اس نے بنانا چاہا سید رضی الدینؒ صاف انکار کر دیتے ہیں۔ ہلاکو خان کا جبر، اس کا ظلم، اس کا تشدد سب کو معلوم تھا۔ اتنا اہم عہدہ ہے مگر صاف انکار کر دیتے ہیں کہ یہ ذمہ داری مجھ سے براشت نہیں ہوتی لیکن ان کے استاد محترم خواجہ نصیر الدین طوسیؒ انہوں نے جبراً اس عہدے کو ان کے اوپر ڈالا اور کہا اس وقت کی، دین کی اور یہاں کے لوگوں کی مصلحت یہ ہے کہ آپ اس عہدے کو قبول کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک محدود عرصے کے لیے اس عہدے کو قبول کیا اور مخصوص عرصہ اس حلّہ اور پورے بغداد کو ان ظالم لٹیروں کے ظلم وتشدد سے محفوظ رکھا۔ اس کے بعد ان کے کردار کا ایسا اثر ہوا ہلاکو خان پر تاریخوں میں یہ لکھا ہے کہ ان کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد دوبارہ ایک مرتبہ ہلاکو خان اس علاقے پر حملہ کرتا ہے۔ ان کے ایک بیٹے تھے ان کا بھی انتقال ہو گیا تھا ان کی زندگی میں چنانچہ ان کے دو یتیم پوتے تھے۔ ہلاکو خان نے جب دوبارہ حملہ کیا اور پتہ چلا کہ حلّہ میں یہ انتقال کر چکے ہیں تو پھر اس نے ان کے پوتوں کو جن کی عمر پانچ چھ سال کی تھی ان کو حاکم بنا دیا اور جس کا دادا ایسا ہو تو یقیناً پوتے بھی ایسے ہوں گے۔ ان کے علاوہ

اس عہدے کے لیے کوئی اور مناسب نہیں ہے تو اندازہ کریں ہلاکو خان جیسا سنگ دل اس حالت میں کہ اس سے پوچھا گیا کہ یہ بتاؤ کبھی کسی پر تمہیں رحم بھی آیا ہے۔ اس نے کہا ہاں ایک مرتبہ مجھے رحم آیا تھا کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ ایک عورت پہاڑی پہ کھڑی ہے اور اس نے اپنی گود میں ایک بچے کو لیا ہوا ہے اور ایک مرتبہ اس کی گود سے بچہ گرا اور پہاڑی سے نیچے آنے لگا ماں کی آنکھوں کے سامنے بچہ موت کے منہ میں جا رہا ہے۔ ماں پیٹنے لگی، ماتم کرنے لگی، شور کرنے لگی اور فریاد کرنے لگی ہلاکو خان نے دیکھا اور کہا کہ ماں کے ساتھ میرا دل بھی رونے لگا اور میرا دل چاہا کہ میں اس بچے کو اس کی ماں تک پہنچا دوں چنانچہ میں نے اس بچے کو ماں تک پہنچانے کا انتظام کیا رحم آ گیا اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے وہ بچہ پہاڑی پر سے نیچے گر رہا تھا میں نے اپنے نیزے کو آگے بڑھا دیا تا کہ وہ اس پر آ کر ٹک جائے اور جب بچہ میرے قریب آیا تو میں نے نیزے کی نوک اس کے جسم میں چبھو دی نوک داخل کر دی اور اس کے بعد بچے کو نوک سے اٹھا کر اس کی ماں کے حوالے کر دیا کہ تمہیں اپنے بچے کی بہت فکر تھی لو میں نے تمہارا بچہ تمہیں واپس پہنچا دیا۔

اب اندازہ کریں جس کے رحم کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اس انداز سے رحم کیا جاتا ہے کہ بچے کے جسم کو نیزہ میں پرو کر اس کو بڑھا کے ماں کے حوالے کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں نے بہت بڑی نیکی کا کام انجام دیا اس کے دل پر کوئی آدمی اپنی احتیاط و تقویٰ کا سکہ بٹھا دے تو وہ کتنی عظیم ہستی ہو گی تو یہ رضی ابن طاؤسؒ کا کمال تھا۔ ہلاکو خان ان کے پوتوں کو وہ ابھی بالغ بھی نہ ہوئے تھے اس عمر میں ان کے دادا کی جگہ پر فائز کرتا ہے یہ کہہ کر کہ جب ان کے دادا ایسے تھے تو یقیناً ان کے پوتے بھی ایسے ہی ہوں گے۔ اعلان کر دیا خبردار جس علاقے سے ابن طاؤسؒ کا تعلق ہے نہ ان کے خاندان کے کسی فرد کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ ان کے علاقے کے کسی آدمی کو نقصان پہنچایا جائے اصل فضل و کمال یہی ہو جاتا ہے کہ جس کی گواہی دشمن دیا کریں۔ ہلاکو خان کا ان سے متاثر ہو جانا خود یہ بتا رہا ہے کہ ان کی ہستی کتنی عظیم ہستی ہو گی تو یہ ان علماء میں سے ہیں کہ جن کے بارے میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ ساری زندگی کوئی مکروہ اور حرام کام نہیں کیا اور دوسری جانب یہ بھی لکھا گیا کہ ان کا مسلسل تعلق رابطہ امام زمانہؑ سے تھا اور یہ ان علماء میں سے ہیں جنہوں نے امام زمانہؑ کی کئی دعائیں ہم تک پہنچائی ہیں جو امامؑ نے امت کے لیے بتائی تھیں۔ ان کی امامؑ کے ساتھ مسلسل ملاقاتیں کتابوں میں موجود ہیں۔

یہ خود اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب میں مکہ سے نجف اشرف کی زیارت کو آیا تھا اور کافی عرصہ انھوں نے نجف اشرف میں گزارا تھا اسی زمانے میں ان کے ایک بھائی نے خواب میں یہ منظر دیکھا تھا کہ جیسے امام زمانہؑ نے ان کے

لیے کھانا بھجوایا ہے اور اس میں سے انھوں نے کھایا اس میں سے ایک لقمہ امام نے حکم دیا کہ ایک لقمہ ان کے بھائی کو بھی کھلاؤ ایک لقمہ ان کے بھائی کو ملا اور باقی کھانا ان کو ملا۔

اب یہ فرماتے ہیں کہ میں نجف اشرف میں تھا کہ ایک مرتبہ میں نے کچھ لوگوں سے سنا کہ کربلا کی جانب سے ایک شیخ عبدالمحسن آئے ہیں اور یہ سنا گیا ہے کہ ان کی ملاقات زمانے کے امامؑ سے ہوئی ہے اور زمانے کے امامؑ نے ان کے ذریعے کوئی پیغام بھیجا ہے۔ یہ کہتے ہیں جب میرے پاس یہ خبر پہنچی کہ کربلا سے آئے ہیں شیخ عبدالمحسن اور ان کے پاس میرے لیے امامؑ کا کوئی پیغام ہے۔ میں نے ان کی تلاش شروع کی کہ آخر یہ کون شخص ہے۔ آخر مجھے پتہ چلا کہ فلاں مسافر خانے میں ٹھہرے ہوئے ہیں شیخ عبدالمحسن، میں نے آدمی بھیج کر انہیں بلوایا۔ اب یہ بہت بڑے عالم ہیں اور اپنے زمانے کے تقریباً مرجعہ ہیں لیکن مرجعہ اس لیے نہ تھے کہ فتویٰ نہیں دیتے تھے اور سب ان کے تقدس کا احترام کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ آنے والے شیخ عبدالمحسن آئے یہ بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے استقبال کیا جیسا کہ عام آدمیوں کا کیا جاتا ہے اور شیخ عبدالمحسن کو اپنے قریب بٹھایا اور پوچھا کہ میں نے خبر سنی ہے کیا اس میں حقیقت ہے انہوں نے کہا ہاں میں تو خود آپ کی تلاش میں تھا مگر میرے پاس آپ کے لیے پیغام ہے انہوں نے سوال کیا کہ کیا پیغام ہے کہا کہ آج کی صبح میں کربلا کی جانب آ رہا تھا۔

ایک مرتبہ میرے راستے میں ملاقات ہوئی ایک ایسے شخص سے کہ جن کے چہرے کو دیکھتے ہی میرے دل پہ بہت رعب طاری ہوگیا۔ پتہ چلا کہ وہ میرے زمانے کے امامؑ ہیں آگے بڑھا ہاتھوں کو بوسہ دیا قدموں پر گر پڑا انہوں نے مجھ سے ایک مرتبہ کہا اے عبدالمحسن میرا ایک پیغام ہے جو میرے بیٹے ابن طاؤسؒ تک پہنچا دینا، وہ یہ کہ وقت قریب آ گیا ہے۔ تین مرتبہ یہ ارشاد امامؑ کی زبان سے صادر ہوا اور اس کے بعد عبدالمحسن کہتے ہیں کہ میں نے جو ایک مرتبہ دیکھا تو پتہ چلا کہ امامؑ تو غائب ہو چکے ہیں اب میں فوراً آپ کی تلاش میں آیا، یہاں تک کہ نجف پہنچا اور حلہ جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ آپ وہاں ہوں گے مگر اتفاق سے آپ کا آدمی آ گیا، میں آپ کی خدمت میں پہنچا ہوں یہ فرماتے ہیں کہ یہ بتاؤ اس پیغام کا مطلب تمہاری سمجھ میں آیا ہے؟

کہا میں تو نہیں سمجھ سکا پیغام آپ کے لیے ہے لیکن میرا اندازہ یہ ہے کہ شاید آپ کا مقصد یہ ہو کہ امامؑ یہ فرما رہے ہیں کہ میرے ظہور کا وقت آ گیا ہے میں یہ سمجھا ہوں کہ شاید اس کا مقصد یہ ہو۔ ابن طاؤسؒ نے کہا تمہیں یہ کیسے پتہ چلا ہے کہ

امامؑ نے تمہیں میرے ہی پاس بھیجا ہے کیونکہ طاؤس خاندان کے سارے افراد ابن طاؤس کہلواتے ہیں کہا کہ بس میرے دل کو یقین تھا کہ یہ پیغام آپ کے سوا کسی اور کے لیے نہیں ہو سکتا ہے اور میں سوائے آپ کے کسی اور کو پہچانتا بھی نہیں ہوں۔ انہوں نے اس کے پیغام کو سنا اور کہا کہ اس کے دو ہی مطلب میرے ذہن میں آ رہے ہیں۔ یا وہی جو تم نے نکالا ہے کہ وقت ظہور قریب آ گیا یا میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ ان دو میں سے ایک بات ہوگی اور اس کے چار ہی سال بعد سید رضی الدینؒ کا انتقال ہو گیا۔ چار سال کو قریب ہے کہ معنی میں سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ امامؑ نے ان کو ان کی موت کی اطلاع دی ہوگی۔ خیر میں نے ان سے یہ پیغام سنا اور سننے کے بعد کہا کہ آپ مسافر خانے میں کہاں جائیں گے یہیں میرے گھر میں ایک مہمان کی حیثیت سے ٹھہریئے اور یہ کہہ کر میں نے ان کے لیے بستر تیار کروایا۔ رات کا وقت تھا میں بھی جا کے سو گیا، یہاں تک کہ آدھی رات کا وقت آیا۔ وہ آدمی جس نے کبھی واجب اور مستحب چھوڑا ہی نہیں۔ بھلا نماز شب کیسے چھوڑ سکتا ہے مگر فقط یہ ایک ایسی رات تھی جب نماز شب کا ایک حصہ جدا ہو گیا وہ کہتے ہیں کہ تقریباً آدھی رات کا وقت تھا کہ میں نماز شب کے لیے کھڑا ہوا اور اس وقت جس وقت میں نماز شب کے لیے کھڑا ہونا چاہتا تھا اس سے پہلے نیند کی حالت میں، میں نے ایک عجیب خواب دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ جیسے میں اپنے اسی مکان میں بیٹھا ہوں اور صادق آل محمد امام جعفر الصادقؑ نے میرے لیے ایک ہدیہ اور تحفہ بھجوایا ہے وہ ہدیہ اور تحفہ میرے پاس آیا مگر میں نے کوئی خاص اس کی قدر نہ کی۔ خواب کی حالت میں، میں نے یہ منظر دیکھا فوراً میری آنکھ کھل گئی میں ایک مرتبہ کلمہ پڑھتا ہوا اُٹھا میری سمجھ میں خود نہیں آیا کہ اس خواب کا مطلب کیا ہے، امامؑ تحفہ بھجوائیں اور میں اس کی قدر نہ کروں۔ بہرحال نماز شب کا وقت تھا، میں نے وضو کی تیاری کی، خادم پانی کے برتن کو بھر کے میرے پہلو میں رکھ کر جا چکا تھا میں نے ایک مرتبہ وضو کا برتن اٹھایا اور وضو کی تیاری کرنا چاہتا تھا عجیب بات یہ تھی کہ جس وقت میں برتن کو اُلٹ کر اپنے چلو میں پانی لینا چاہتا تھا، برتن بجائے اُلٹنے کے پیچھے کی طرف چلا جاتا تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے کوئی ہاتھ سے پکڑ کر اسے کھینچ رہا ہے۔

سید رضی الدین ابن طاؤسؒ کہتے ہیں کہ میں یہ سمجھا شاید یہ پانی نجس ہے اس لیے میں وضو نہیں کر سکتا، یہ سوچ کر میں نے خادم کو آواز دی کہ جاؤ اس پانی کو پھینک کے دریا سے تازہ پانی لاؤ۔ اب وہ گیا اور دوبارہ تازہ پانی بھر کے لایا یہ کہتے ہیں اس مرتبہ پھر یہ اتفاق پیش آیا کہ جتنا میں برتن کو قریب گھسیٹوں وضو کے لیے وہ برتن خود بخود پیچھے ہٹتا جاتا ہے تین مرتبہ اسی طرح اتفاق پیش آیا۔ اب میں بھی حیران اور پریشان اس کا مطلب تو یہ ہے اس وقت مجھ سے وضو ممکن نہیں اور نماز ممکن

نہیں اسی پریشانی کی حالت میں بیٹھا تھا کہ ایک مرتبہ آنکھ لگ گئی اور غنودگی کی حالت میں میں نے اپنے امامؑ کا مشاہدہ کیا اس سے پہلے کئی مرتبہ ان کی ملاقات امامؑ سے ہو چکی ہے۔

مقدس اردبیلیؒ سے پہلے یہ ہمارے پہلے عالم ہیں سید رضی الدینؒ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی مسلسل امام مہدی علیہ السلام سے ملاقات ہوتی تھی۔ ان کی خواہش پر یعنی جب ان کا دل چاہتا تھا امامؑ ان سے ملاقات کرتے تھے۔ یہ تاریخ شیعیت کے پہلے عالم ہیں کہ جن کے بارے میں یہ بات ثابت ہے اور پھر مقدس اردبیلیؒ ہیں اور پھر سید مہدی بحرالعلومؒ۔

کہتے ہیں کہ میری ملاقات ہوگئی امام مہدی علیہ السلام سے، میں نے زمانے کے امامؑ کی زیارت کی۔ ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابن طاؤسؒ میرا ایک قاصد تمہارے پاس پیغام لے کر آیا اور تمہیں اتنی بھی توفیق نہیں ہوئی کہ تم کھڑے ہوتے عزت اور احترام کے ساتھ اسے بٹھاتے اور وہ تمہارے پاس میرا پیغام لے کر آیا ہے تم نے اسے کوئی ہدیہ نہیں دیا، تم نے اسے کوئی تحفہ نہیں دیا۔ میرے قاصد کے ساتھ تم نے یہ سلوک کیا ہے گویا یہ میرے ساتھ سلوک کیا گیا ہے۔ بس اتنا فقرہ سنا اب جو میری آنکھ کھلی میں گھبرا گیا، پریشان ہو گیا، میں سمجھ گیا کہ یہ میری غلطی تھی جس پر امامؑ نے میری تنبیہ کرنا صحیح سمجھی لیکن نماز شب کی فکر مجھے زیادہ تھی میں تیزی سے آگے بڑھا۔ اب جو وضو کے برتن کو انڈیلا اور پانی لینا چاہا فوراً میرے ہاتھ میں پانی آ گیا میں نے پانی لے کر وضو کیا اور نماز شب شروع کی مگر ابھی دو رکعت نماز شب پڑھی ہوگی کہ طلوع فجر ہوگئی۔ نماز صبح کا وقت آ گیا اور نماز شب کی باقی رکعتیں قضاء ہوگئیں یہ زندگی کا پہلا اور آخری موقع تھا کہ نماز شب قضاء ہوئی۔

اب یہ فرماتے ہیں خیر میں نے نماز شب کو مکمل کیا، صبح کی نماز کو ادا کیا اور اس کے فوراً بعد شیخ عبدالحسن اس وقت بیدار تھے اپنی عبادتوں سے فارغ ہوئے، میں ایک مرتبہ ان کے پاس گیا میں نے اپنے مال میں سے چھ اشرفیاں لیں اور پندرہ اشرفیاں ایک سلسلے میں میرے پاس تھیں ان دونوں کو لے کر میں نے پیش کیا۔ انہوں نے لینے سے انکار کر دیا کہا کہ یہ کسی غریب آدمی کو جا کر دیں میں خود صاحب دولت ہوں، سو اشرفیوں کی تھیلی میرے پاس ہے میں اسے لے کر کیا کروں گا۔ میں نے سنا اچھا یہ پندرہ چھوڑ دیجئے مگر چھ اشرفیاں میری طرف سے ہدیہ اور تحفہ ہے یہ آپ کو لینا ہوں گی۔ جب میں نے انہیں بہت مجبور کیا لے لیں اور واپس کرنا چاہا مگر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے میں نے کہا کہ یہ امامؑ کا حکم ہے کہ آپ ان

لکھ دیا جائے حکم امامؑ کے تحت لے لیجئے اور اس کے بعد جب حکم امامؑ کو سنا تو انہوں نے لیا اور پھر صبح کا وقت آیا، اب ان کو گھر سے رخصت ہونا تھا۔ رضی الدین ابن طاؤسؒ کہتے ہیں کہ میں خود چلا ان کے ساتھ دروازے تک چلتا گیا اور پھر ایک مرتبہ ان کو بٹھا کر کل کی غلطی کے ازالہ کے لئے حکم امامؑ کے تحت میں کھڑا رہا اور اس کے بعد انہیں رخصت کیا۔

اب روایت کے آخر میں یہ ہے کہ بعد میں امامؑ کی ملاقات ہوئی اور امامؑ نے اس عمل پر پسندیدگی کا اظہار فرمایا اب ایک اور روایت ہمارے سامنے آتی ہے کہ امامؑ یہ فرما رہے ہیں کہ جو میرا پیغام لے کر آئے اس کا احترام کرو، اس کی عزت کرو، اگر رضی الدینؒ جیسی ہستی ہے جن کے مقام کا اندازہ اس سے کریں کہ امامؑ میرا بیٹا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ ان کی خواہش پر امامؑ ان کی ملاقات کو تیار ہو جاتے ہیں۔ ساری زندگی جنہوں نے کوئی حرام کام حتیٰ مکروہ تک نہیں کیا لیکن امامؑ کا ایک پیامبر پیغام لے کر آیا، ظاہری اعتبار سے اس کے احترام میں کوئی کمی آ گئی تو خود امامؑ ناراض ہو گئے خود ان روایتوں کو ذہن میں رکھیں جس میں کہا گیا ہے کہ جس نے ہماری کوئی حدیث تم تک پہنچائی وہ ایسا ہے کہ جیسے ہمارا قاصد ہے ہماری طرف سے تمہاری طرف آ رہا ہے۔ اب جو ان قاصدوں کی توہین کرے برا بھلا کہے تو وہ کس مقام پر ہوگا اور امامؑ کتنا ناراض ہوں گے۔

یہاں پر یہ واقعہ ہمیں واضح طور پر بتا رہا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام ناراض ہوتے ہیں اگر اُن کے حکم کو سمجھا نہ جائے ، مانا نہ جائے۔ اتنی ناراضگی ہے کہ مستحب نماز قضاء ہو گئی یہ بھی روایات میں ہے کہ بعض ایسے گناہ ہوتے ہیں جس سے آدمی کی عبادت کی توفیق ختم ہو کر رہ جاتی ہے، وہ عبادت نہیں کر پاتا ہے۔ فقط اس لیے کہ وہ بعد میں توبہ کرے نادم ہو تو خدا اسے اس عبادت سے زیادہ ثواب دیتا ہے جو اس سے چھوٹ گئی تھی شرط یہ ہے کہ توبہ کرے۔ تو اب خود یہ روایت بتا رہی ہے وہ علماء جو امامؑ کا پیغام پہنچاتے ہیں امامؑ کی روایتیں پہنچاتے ہیں (نہ کہ وہ جو امامؑ کے نام پر ہر غلط بات پھیلا دیا کرتے ہیں) جو امامؑ کے مقصد اور حکم کو پہنچاتے ہیں ان کا احترام کس حد تک ہونا چاہیے خود اس روایت سے آپ کے سامنے آ گیا ہوگا تو یہ رضی الدین ابن طاؤسؒ کی شخصیت تھی کہ جن سے امامؑ کی ملاقات بھی ہے ان کے کسی فعل پر ناراض ہوتے ہیں تو ان کو تنبیہ بھی کر دیتے ہیں اور پھر سید رضی الدین ایک نمایاں حیثیت ہماری تاریخ میں یا شیعہ فقہ کے اندر ہے وہ یہ ہے کہ بہت ساری ایسی چیزیں ہیں جو سید رضی الدین ابن طاؤسؒ سے پہلے کسی نے نقل نہیں کی ہیں پہلی دفعہ انہوں نے پیش کی ہیں اور باقی تمام علماء نے ان کی گواہی پر اس پر بھروسہ کیا ہے اس پر فتویٰ دیا ہے۔

سید رضی الدین ابن طاؤسؒ کی ایک پوری کتاب ہے دعاؤں ،تعویذوں، ان نمازوں اور ان عملوں کے بارے میں جو ہمارے دوسرے امامؑ سے مروی ہیں۔ کہ ایک مرتبہ ایک شخص آیا تھا امام حسنؑ کے پاس اور آنے کے بعد امامؑ کی خدمت میں عرض کی تھی۔ مولا میرا پڑوسی مجھے بہت تکلیف پہنچا رہا ہے میں نے اپنی حد تک کوشش کی ہے کہ اس کے حق کو ادا کروں، اسے میری ذات سے کوئی تکلیف نہ پہنچے اس کو میری طرف سے کوئی پریشانی لاحق نہ ہو لیکن وہ مانتا ہی نہیں۔ میری تکالیف میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، وہ اذیت بڑھاتا جا رہا ہے۔ جب یہ بات سنی تو امامؑ نے اسے دو رکعت نماز بتائی اور اس دو رکعت نماز کے بعد ایک مختصر سی دعا پڑھنے کو بتائی اور کہا کہ آج رات اس دُعا کو پڑھو اور کل آ کر مجھے بتانا کہ تمہارے پڑوسی پر کیا گزری ہے خود یہ نقل کرتا ہے کہ میں نے اس رات کو دو رکعت نماز پڑھی اور اس کے بعد دعا مانگی۔ پڑوسی کے رونے کی آواز آئی اور جب تحقیق کی تو پتہ چلا آج ہی رات کو میرا پڑوسی اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہے اور بڑے عجیب انداز سے اور روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک دم بیٹھے بیٹھے اس کا سر پھٹا۔ اور بڑی اذیت و تکلیف کی حالت میں وہ اس دنیا سے گیا تھا سید رضی الدین ابن طاؤسؒ خود اسے اپنے جدِ امجد سے نقل کرتے ہیں اسی طرح سے امام مہدیؑ کی بھی کئی روایتیں ہیں جو سید رضی ابن طاؤسؒ نے ہم تک پہنچائی۔

سید رضی الدینؒ کی اصل خصوصیت جو ہماری تاریخوں میں ہے وہ یہ ہے کہ دعائیں، وظیفے، اعمال اور امامؑ سے منسوب وہ تمام حاجات پوری کرنے والی دعائیں انہوں نے ہم تک پہنچائیں چنانچہ ان کی کئی کتابیں اس موضوع پر ہیں۔ یہ آپ کا احسان عظیم ہے۔ اگر اِن دُعاؤں وغیرہ کو نکال دیا جائے تو نہ تحفۃ العوام اور نہ ہی مفاتیح الجنان کا وجود باقی رہ سکتا ہے۔

دُعائے ابرار جو ہمیں اکثر دعاؤں کی کتابوں میں مل جاتی ہے وہ بھی سید رضی الدین ابن طاؤسؒ کے حوالے سے ہمارے پاس آئی۔ دُعائے ابرار کو انہوں نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے یہ کہتے ہوئے کہ عباسی خلیفہ کے ایک گورنر نے میرے دوست کو گرفتار کر لیا کہ میرا دوست جس حالت میں گرفتار ہوا تھا اس کے پاس دعاؤں کی چھوٹی سی کتاب کے علاوہ کچھ نہ تھا اب گرفتار ہو گئے بغیر کسی جرم کے اب انہیں پتہ تھا کہ اگر یہ قتل بھی کر دے تو اس سے پوچھنے والا کوئی نہیں اور کتنی بڑی پریشانی اور مصیبت میں تھا یہاں تک کہ اس کی قید میں کئی دن گزر گئے تو آخر میں میں نے بار بار زمانے کے امامؑ کو پکارا اور ان سے استغاثہ کیا یہاں تک کہ ایک رات میں سویا خواب میں زمانے کے امامؑ تشریف لائے مجھ سے فرمایا کہ تو اتنی

زیادہ فریاد کیوں کر رہا ہے۔

میں نے کہا مولاً میں اس وقت اتنی بڑی مصیبت کا شکار ہوں یہ حاکم مجھے گرفتار کر چکا ہے یہاں تک کہ اس سے رہائی کا کوئی ذریعہ اور طریقہ نہیں بس ایک مرتبہ امامؑ کہتے ہیں کہ تو دعائے ابرار کیوں نہیں پڑھتا ہے میں نے کہا کہ مولاً یہ کون سی دُعا ہے، آج میں نے پہلی مرتبہ اس کا نام سنا ہے کہا کہ یہ وہ دُعا ہے جو تمہاری کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ اب یہ کہتے ہیں کہ قید خانے میں دُعاؤں کی فقط ایک کتاب ان کے پاس تھی اس کی ایک ایک دعا کو دس دس بار پڑھ چکے تھے کتاب پوری حفظ تھی امامؑ کہتے ہیں دعائے ابرار پڑھو! تو کہتے ہیں مولا یہ کون سی دعا ہے امامؑ فرماتے ہیں تمہاری کتاب میں ہے کہا مولاً اس کتاب میں تو کوئی ایسی دعا نہیں ہے ساری دعائیں مجھے یاد ہیں امامؑ نے فرمایا کہ یہ دعا تمہاری کتاب میں موجود ہے اب انہوں نے انکار کیا اور امامؑ نے تصدیق کی اب امامؑ سے بحث کون مومن کرے گا جب امامؑ نے کہا کہ نہیں یہ ہے تمہاری کتاب میں تو بس ایک مرتبہ خاموش ہو گئے جیسے ہی آنکھ کھلی خود کہتے ہیں میں دوڑ کر گیا کھول کر دیکھا کہ وہ دعا کہاں پر موجود ہے تو میں نے دیکھا کہ کتاب کے درمیان میں کچھ اوراق الگ سے موجود ہیں اور ان کے اوپر ایک دعا ہے کہ **اللھم یا راحم الابرار یا کاشف الکربات** کہ اے مصیبتوں کو دور کرنے والا، پریشانیوں کو دور کرنے والا پوری ایک دُعا ہے۔ جو آپ کو مفاتیح میں بھی مل جائے گی یہ اوراق الگ سے رکھے ہوئے ہیں اس کتاب کے اندر۔ اب میں حیران و پریشان یہ کتاب میں لے کر آیا تھا قید کی حالت میں میرے پاس تھی یہ قید خانہ ایسا ہے یہاں پہ کوئی پر نہیں مار سکتا یہ اوراق کہاں سے آگئے اور میں سمجھ گیا کہ یہ یقیناً معجزہ ہے امامؑ کی طرف سے۔

سید رضی الدین ابن طاؤسؒ کہتے ہیں کہ اگلا دن آیا انھوں نے دعا کو پڑھا اور اس کے بعد حاکم کی طرف سے ایک مرتبہ ان کی رہائی کا پروانہ آتا ہے کہ پتہ چلا اس رات کو حاکم کی بیوی نے خواب میں امیر المومنینؑ کو دیکھا تھا یہ آپ کے ذہن میں رہے کہ جتنے عباسی خلیفہ ہیں یہ آل محمدؐ کے اور سادات کرام کے انتہائی بدترین دشمن تھے یہ تو وہ تھے جنہوں نے یزید سے کم مظالم نہیں کئے سادات پر لیکن امیر المومنینؑ کے ساتھ ظاہری محبت کا دعویٰ انہیں کرنا پڑتا تھا اس لیے کہ اپنے آپ کو بنو ہاشم جو کہتے تھے اور ممکن نہیں تھا کہ کوئی بنو ہاشم امیر المومنینؑ کے خلاف بات کہے تو ظاہری اعتبار سے علیؑ کو ماننا پڑتا تھا۔ رات کو خواب میں اس کی بیوی نے دیکھا کہ امیر المومنینؑ آئے اور آکر فرما رہے ہیں کہ اپنے شوہر سے کہہ دو اس نے میرے بیٹے کو قید کر کے رکھا ہے جلد از جلد اسے رہا کرے ورنہ اس کے بعد خدا کی جانب سے اس پر عذاب نازل ہوگا۔

بیوی نے شوہر کو بتایا اور شوہر نے فوراً رہائی کا پروانہ لکھا۔ سید رضی الدین ابن طاؤس پہلے عالم ہیں کہ جنہوں نے اس دُعا کو اپنی کتابوں میں نقل کیا کہ یہ امام کی وہ دُعا ہے کہ جو امامؑ کی طرف سے بتائی گئی ہے قید سے نجات کے لیے۔

ایک اور دُعا، دشمن اور ایسا دشمن جو زیادہ طاقت ور ہو، اس سے نجات کے لیے ہے۔ یہ ایک بہت ہی مشہور دُعا ہے مصر کے ایک آدمی کو عطا ہوئی اور ہمارے لیے سید رضی الدین ابن طاؤس کا ایک تحفہ ہے اس لیے کہ یہ امام مہدیؑ کی دُعا ہے جو ابن طاؤس کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے۔ سید رضی ابن طاؤس نقل کرتے ہیں ایک مرد مومن جو مصر کا رہنے والا تھا مصر کے حاکم سے اس کا اختلاف ہو گیا۔ چنانچہ وہ بھاگ کے وہاں سے آیا پہلے بغداد پہنچا ادھر سے کربلا آیا، کربلا کے بعد کاظمین گیا وہ مومن اور اس کے بعد آخر میں نجف اشرف میں آیا لیکن اسے یہ پتہ ہے پورا خاندان مصر میں ہے، پوری جائیداد مصر میں ہے، میں اس طرح نہیں رہ سکتا ہوں۔ میرا خاندان تباہ ہو جائے گا، امیر المومنینؑ کے روضے پر آیا اور آنے کے بعد ضریح کو پکڑ کے گڑگڑا کے کہا یا امیر المومنینؑ آپ کسی طرح سے میرے دشمن سے مجھے نجات دلا دیجئے دشمن کے شر سے میں محفوظ رہ جاؤں۔

پانچ رات تک مسلسل ایک خواب آیا اور وہ خواب یہ تھا کہ نماز ادا کرنے کے بعد اس طرح ایک سجدہ کر کہ تیرا پیٹ اور تیرا سینہ اور تیری ناک اور تیرے گھٹنے اور زانوں سب زمین سے مل جائیں جیسے زمین پر کوئی آدمی بچھ جاتا ہے اور اس کے بعد اس دعا کو پڑھ ایک لمبی دعا ہے امام مہدیؑ نے پہلے دن بتائی یہ کہتے ہیں آنکھ کھلی مجھے دو جملے یاد تھے باقی دعا میں بھول چکا تھا اب میں گھبرایا اب کیا ہوگا مگر امام اگلی رات پھر خواب میں آئے اور آنے کے بعد پھر یہی دعا یاد کرائی تھوڑی دعا اور مجھے یاد ہو گئی تیسری رات کو امامؑ پھر خواب میں آئے پھر اس دعا کو یاد کرایا اندازہ کریں اس دعا کی عظمت کا پانچ راتوں تک مسلسل امام خواب میں آتے رہے یہاں تک کہ پانچویں رات مجھے پوری دعا یاد ہو گئی یہ وہی دعا ہے کہ جس کا آغاز اس طرح سے ہے کہ **اللھم من ذالذی بعث فلا تجبه و من ذالذی سالک فلا تطیع** کہ خداوند کون ہے کہ جس نے تجھے پکارا اور تو نے جواب نہ دیا اور ایسا کون ہے اس کائنات میں جس نے سوال کیا اور تو نے عطا نہ کیا ہو اور چھٹے دن اس عمل کو انجام دیا، عمل کو انجام دینے کے بعد نجف اشرف روضہ امیر المومنینؑ گئے۔ پندرہویں دن پھر ایک مرتبہ زمانے کے امامؑ سامنے آئے اور رضی الدین ابن طاؤس کہتے ہیں اور کہا کہ اے شخص ہم نے تجھے دعا بتائی تو نے دعا کو پڑھا ہے اب یہاں کیوں بیٹھا ہے جا اپنے وطن کی طرف میں نے گھبرا کر امام زمانہؑ سے کہا مولاؑ وہاں ظالم حاکم میرا دشمن ہے وہاں

وہ میرا انتظار کررہے ہیں امام نے فرمایا یہ بتاتو کہ میں نے یہ دعا تمہیں بتائی کیوں ہے؟ اب جا اپنے وطن کی طرف بالکل مطمئن ہوکر، یہ کہتے ہیں میں چلا ڈرتا ڈرتا کہ دشمن کے شہر میں جارہا ہوں اور حاکم ہے لیکن پتہ چلا جب آدھے راستے پہ پہنچا تو میں نے دیکھا کہ مصر کی جانب سے کوئی آدمی چلا آرہا ہے جب قریب آیا تو میں نے پہچانا کہ میرا ہمسایہ ہے میں نے پوچھا تم یہاں کیسے؟ کہا ہم تمہاری تلاش میں یہاں آئے۔ تمہارے خاندان والوں نے، تمہارے بیٹے نے، تمہاری بیوی نے ہمیں بھیجا ہے تاکہ میں تمہیں تلاش کر کے لے جاؤں۔ میں نے پوچھا آخر مصر میں ہوا کیا ہے کہا کہ اب سے چند دن کی بات ہے کہ ایک دن جب صبح کا وقت آیا کہ جو حاکم تھا اس کے کمرے کا دروازہ کھلا نہیں لوگ دروازہ توڑ کر اندر گئے تو کیا دیکھا کہ اس کا کٹا ہوا سر ایک طرف پڑا ہے اور اس کا دھڑ الگ پڑا ہے پتہ نہیں رات کوئی نے آکر اس کے سر کو جدا کیا لہٰذا اب مطمئن ہو جاؤ۔ اس کے بعد جو حاکم بنا ہے اس نے کئی بار تمہاری معافی کا اعلان کیا ہے تب یہ مسئلہ یہیں ختم ہوگیا۔ سید رضی الدین ابن طاؤسؒ وہ پہلے عالم جنہوں نے اس دعائے مصری کو بھی اپنی کتاب میں تحریر فرمایا۔

سید رضی الدین ابن طاؤسؒ کی جو اہم خدمت ہے وہ یہ ہے کہ اس انداز سے معصومینؑ کا جو علم روحانی ہے علم عرفان ہے وہ انہوں نے ہم تک پہنچایا ہے یقیناً اس علم کو پہچاننے کے لیے اس تقدس اور پرہیز گاری کی ضرورت تھی۔ اس لیے کہ دعا کا مسئلہ تو اتنا اہم ہے کہ دعا مانگنے والے سے کئی تقاضے ہیں شریعت کے گناہ کی توبہ کرو، کوئی حرام چیز نہ کھاؤ، حرام کا خیال تمہارے ذہن میں آنے نہ پائے۔ دعا مانگنے والے کے لیے اتنی شرائط ہیں تو یہ پورا دعائے عمل بتا رہے ہیں اتنا ہی پرہیزگار اور مقدس آدمی اس کے لیے بھی چاہیے تھا چنانچہ سن ۶۶۴ھ میں اپنا کام مکمل کرنے کے بعد سید رضی الدین ابن طاؤسؒ کا انتقال ہوتا ہے یہ خاندان طاؤسؒ کے سب سے مشہور اور اہم ترین عالم ہیں جن کو مختصراً ابن طاؤس کہا جاتا ہے۔

ان کے ایک بھائی تھے۔ جمال الدین احمد بن موسیٰ ابن جعفر ابن طاؤسؒ ان کے ایک بیٹے تھے سید عبدالکریم ابن طاؤسؒ، جمال الدین ابن طاؤسؒ خود ایک بڑے عالم ہیں فقہ میں تو جمال الدین احمد ابن طاؤسؒ کے گھر میں قدرت نے عبدالکریم نامی ایک ایسی ہستی عطا کی ہے جو خاندان طاؤسؒ کا دوسرا اہم ترین عالم ہے اور چچا کو اپنے اس بھتیجے سے بڑی محبت ہے چنانچہ ایک خصوصی اجازت نامہ اپنے بھتیجے کو لکھ کے دیا۔ عبدالکریم ابن طاؤسؒ انتہائی ذہین آدمی تھے۔ گیارہ سال کی عمر میں پورا قرآن انہوں نے حفظ کیا تھا اور چار سال کی عمر میں یہ استاد سے بے نیاز ہوگئے تھے اور آج سے ایک ہزار سال پہلے چار سال کا بچہ چار سال کی عمر میں وہ سارے علم حاصل کر لیے جو استاد سے پڑھے جاتے ہیں۔ اس کے بعد

جتنے بھی علوم تھے انہوں نے بغیر استاد کے حاصل کیے۔ چار سال کی عمر کیا عمر ہوتی ہے ذرا اندازہ کریں! ہمیں اپنی تاریخ پہ فخر ہے کہ ایسے علماء جو نابالغ تھے اور مجتہد بن گئے اور اتنے بڑے مجتہد بنے کہ لوگ انتظار کررہے تھے ان کا کہ وہ بالغ ہوں تو ہم ان کی تقلید کریں کیوں کہ تقلید کے لیے ضروری ہے کہ جس کی تقلید کی جائے وہ بالغ ہو ایک تو ہے مجتہد بننا، اگر مجتہد بن گیا ہے تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر نابالغ ہے تو اس سے بڑے مجتہد موجود ہیں۔ اب اس نابالغ کی تقلید نہیں ہوسکتی لیکن علامہ حلیؒ جیسے عالم بھی ہیں کہ نو سال میں مجتہد بن گئے اور اب لوگ انتظار کررہے ہیں کہ کسی طرح یہ پندرہ سال کے ہوں اور ان کی تقلید جائز ہو اور ہم ان کی تقلید شروع کریں۔

عبدالکریم ابن طاؤس نے چار سال کی عمر میں وہ سارے علم حاصل کرلیے کہ جس میں استاد کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے بعد کسی استاد کی انہیں ضرورت ہی نہیں رہی تھی اندازہ کریں کتنی ذہین شخصیت ہوگی۔ سن ۶۴۸ ہجری میں ولادت ہوئی، شعبان کے مہینے میں، کربلا معلیٰ میں اور ۶۹۷ ہجری شوال کے مہینے میں فقط ۴۵ سال کی مختصری عمر میں انتقال کیا۔ حلّہ میں ابتدائی پرورش پائی اس کے بعد بغداد میں تعلیم حاصل کی، کاظمین میں انتقال کیا۔ نجف اشرف میں دفن ہوئے۔ آپ انتہائی ذہین آدمی تھے خصوصیت کے ساتھ فقہ میں علم انتساب میں خاندانوں کے علم اور عربی کی شاعری کے علم میں اگرچہ بہت ساری کتابیں انہوں نے لکھی ہیں لیکن ایک کتاب کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ ایک مسئلہ چلا آرہا تھا کافی عرصے سے اور ہمارے علماء کے نزدیک وہ مسئلہ حل تھا لیکن عام مسلمانوں کو سمجھانا اور دوسروں کو سمجھانا بہت ہی مشکل کام تھا وہ مسئلہ یہ تھا کہ جب مولائے کائنات کی شہادت ہوئی تو اس کے بعد مولاؑ کی قبر کو پوشیدہ کیا گیا اور کسی کو راز نہ بتایا گیا کہ مولاؑ کو کس جگہ دفن کیا گیا ہے بلکہ بعض روایات سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف مقامات پر قبریں بنوائیں تھیں امام حسنؑ نے تاکہ صحیح قبر کا کسی کو اندازہ نہ ہوسکے۔ فقط اس لیے کہ جو اس زمانے کا دور تھا حالات تھے عرب جن میں جاہلیت کے زمانے میں یہ رسم تھی کہ جب کسی سے انتہائی نفرت و دشمنی ہوتی تو اس کے مرنے کے بعد اس کی قبر کو کھود کر اس کی لاش کو نکالا کرتے تھے اور تاریخ یہ بتاتی ہے مسلمانوں نے اسلام لانے کے بعد کئی دفعہ اس رسم کو دہرایا ہے۔ امام زادوں کی قبروں کو کھودا گیا اور ان کی لاشوں کو نکال کے جلایا گیا تو معلوم تھا اس وقت زمانہ ایسا ہے کہ اگر ان کو قبر امیر المومنینؑ کا پتہ چل گیا تو ضرور ظالم اپنی دشمنی کا اور کینے کا اظہار کرے گا اور اس وقت امام حسنؑ و حسینؑ کے لیے ہوسکتا ہے تلوار چلانا اور جہاد واجب ہوجائے تو اس کے نتیجے میں لگتا ایسا تھا کہ اسلام کو نقصان پہنچتا کہ ظاہری اعتبار سے اسلام مٹ جاتا۔ اب اس مصلحت کے تحت قبر امیر

المومنینؑ کو پوشیدہ کیا گیا۔ لیکن آئمہ معصومینؑ علمائے کرام اور مومنین کے لیے یہ راز فاش تھا کہ مولاؑ کی قبر کہاں ہے لیکن اس کے باوجود اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ اب تک ایسے مقامات دنیا میں موجود ہیں جہاں لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہاں امیر المومنین علیہ السلام کی قبر ہے۔ یہ عبدالکریم ابن طاؤسؒ پہلے عالم ہیں جنہوں نے اس مسئلے پر ایک پوری کتاب لکھی امیر المومنینؑ کی قبر کے یقین میں ایک کتاب لکھی غری نجف اشرف کے علاقے کا نام ہے غنی کے وزن پر غری وہاں پہ امیر المومنینؑ کی قبر ہے۔

انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے اور اس کتاب کا اُردو میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے جس میں انھوں نے تمام دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ یہ نجف ہی کا مقام ہے کہ آئمہ معصومینؑ اور خاندان بنو ہاشم کی نگاہ میں یہیں پہ مولائے کائناتؑ کی قبر ہے۔ کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں وہ ساری روایتیں جمع کی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ مولائے کائناتؑ کی قبر کہاں ہے۔ دوسرے حصے میں وہ سارے معجزات جمع کیے ہیں جو ان کے زمانے تک نجف میں پیش آئے تھے یہ ذہن میں رہے ان کا زمانہ ۶۴۸ ہجری کا زمانہ ہے۔ آج سے تقریباً ۸۰۰ سال پہلے کا اکثر معجزات گزشتہ ۸۰۰ سال میں پیش آئے ہیں۔ جب منکرین کی تعداد بڑھی لیکن ان کے زمانے تک بھی ۲۰ یا ۱۲۵ اہم معجزات تھے ان سب کو اس کتاب میں نقل کیا ہے۔ یہ کتاب ہے دو حصوں پر مشتمل دو تین روایتیں پیش خدمت ہیں تاکہ اس کتاب کی عظمت کا اندازہ ہو جائے۔ یہ وہ پہلی کتاب ہے کہ جس سے عام مسلمانوں کو پتہ چلا کہ مولائے کائنات کی جو قبر پوشیدہ تھی اس انداز سے ثابت ہوتی ہے کہ یہیں پر ہے اس لیے قبر کو پوشیدہ کیا گیا اور ظالم حکمرانوں کا زمانہ چلتا رہا امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور تیسرے عبداللہ ابن جعفر طیار یعنی حسنینؑ کے بہنوئی جناب زینبؑ کے شوہر فقط یہ تین آدمی تھے اور ایک روایت یہ ہے۔ اب اس روایت کے مطابق جناب ام کلثومؑ بھی جنازے کے ساتھ ساتھ تشریف لے گئیں تھیں۔ (عرب میں پیغمبر اسلامؐ کے زمانے سے لے کر آج تک عورتیں جنازے کے ساتھ قبرستان تک جاتی ہیں اور ایران میں بھی یہی دستور آج تک چلا آ رہا ہے) یہ چار آدمی یا تین آدمی اس مقام تک پہنچے تھے جہاں پہ قبر کو تیار کیا جانا تھا ورنہ باقی لوگوں کو کوفہ کی سرحد سے واپس کر دیا گیا تھا تو پھر بعد میں یہ کیسے پتہ چلا اس لیے کہ امام حسینؑ اور امام حسنؑ شہید ہو گئے اور جناب کلثومؑ ان کا تو انتقال ہو گیا پھر کیسے پتہ چلا کہ یہاں پر قبر مولاؑ ہے۔

چنانچہ یہ پیغمبر کی طرف سے گیارہویں امامؑ تک سارے معصومینؑ کی روایات نقل کرتے ہیں مگر پیغمبر اکرمؐ کی ایک بہت

مشہور حدیث ہے کہ اے علیؑ جب خدا نے اس کائنات کو پیدا کیا تو اس کے بعد اس کائنات کی ایک ایک شۓ سے تمہاری محبت اور ولایت کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے تمہاری ولایت اور محبت کو قبول کیا اسے فی الفور خدا کی نعمت مل گئی اور جو خاموش رہے یا پیچھے رہ گئے وہ مایوس ہوئے تو جس وقت خدا نے تمہاری محبت کا سوال ساتوں آسمانوں سے کیا تو سب سے پہلے ساتویں آسمان نے تمہاری محبت اور ولایت کو قبول کیا۔ اس وجہ سے قدرت نے اسے بیت المعمور عطا کیا، اس کے بعد آسمان وزمین نے یعنی یہ جو دنیا کا نظام ہمیں نظر آتا ہے یہ فقط ایک آسمان ہے جس نے تمہاری ولایت ومحبت کو قبول کیا خدا نے ستاروں کے ذریعے اس کو زینت عطا کی، اس کے بعد شام کی زمین نے تمہاری محبت کو قبول کیا جس کے بدلے میں قدرت نے اسے بیت المقدس جیسی نعمت کو عطا کیا۔ اس کے بعد سرزمین مدینہ نے تمہاری ولایت کو قبول کیا تو اسے خدا نے میرے روضہ جیسی نعمت سے نوازا اور اس کے بعد کوفہ کے قریب ایک بے آب وبیاباں زمین ہے اس نے تمہاری ولایت کو قبول کیا تو قدرت نے اس کو تمہاری قبر جیسی نعمت سے نوازا یہاں پر امیر المومنینؑ نے سوال کیا کہ یارسول اللہؐ میرا مولا جانتا ہے لیکن امت کو بتانے کے لیے یارسول اللہؐ کیا میری قبر کوفے کے قریب بنے گی؟ رسولؐ نے فرمایا: ہاں کوفہ کے قریب ایک جگہ ہے جہاں تمہاری شہادت کے بعد تمہاری قبر کو بنایا جائے گا اور میری اُمت کا بدترین آدمی جو ہے ابن ملجم وہ تمہیں شہید کرے گا۔

یہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت ہے اس سے ثابت ہوتا ہے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی قبر کوفہ کے قریب ہے۔ دوسری روایت خود مولا امیر المومنینؑ سے نقل کرتے ہیں کہ کوفہ کے قریب جب مولاؑ کوفے کو دارالحکومت بناتے ہیں تو اس کے بعد کوفہ کے قریب ایک منزل سے گزرتے ہیں سوال کرتے ہیں کہ یہ میدان کس کا ہے پتہ چلا فلاں قبیلے کا ہے مولاؑ نے ۷۰ ہزار دینار میں وہ جگہ خریدی یہاں تک کہ لوگ حیران ہو گئے یا امیر المومنینؑ بے آب وگیاہ مقام ہے یہاں نہ پانی ہے نہ سبزہ ہے نہ یہاں کوئی مکان ہے اور نہ یہاں کوئی اگنے کی چیز ہے اس کے باوجود ایک ایسی زمین کو آپ نے اتنی بڑی رقم کے بدلے میں خریدا تو میرے مولاؑ نے کہا ہاں یہ وہ مقام ہے جس کے بارے میں یہ روایت مجھ سے میرے بھائی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی ہے اس زمین سے اولین اور آخرین والے ۷۰ ہزار میری جاگیر سے جنت جائیں گے ۷۰ ہزار دینار دے کر میرے علی علیہ السلام نے اس زمین کو خریدا تا کہ قیامت تک کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ کسی غیر کی زمین کے اندر معصوم امامؑ دفن ہوئے۔ اس کے بعد خود امام حسنؑ کی ایک روایت انہوں نے نقل

کی ہے پندرہ روایتیں ہیں لیکن میں فقط اس کتاب کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے یہ جملہ آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی وہ مشہور روایت کہ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا تھا کہ آپ نے اپنے بابا کو کہاں دفن کیا تھا تو اس کا ہاتھ پکڑ کر نے گئے کوفے کے باہر وہاں زمین کے ایک مقام پر لے گئے اور کہا میں نے اپنے بابا کو یہاں دفن کیا ہے اور امام حسینؑ کی وہ روایت کہ فرماتے ہیں جب آخری وقت آیا بابا کا اور ہم دونوں کو یہ وصیت کی تھی دیکھو مجھے اس طرح غسل دینا، کفن پہنانا اس طرح حنوط کرنا، اس کافور سے جو جنت سے آیا ہے جس سے پیغمبرؐ اور جناب فاطمہؑ کو حنوط کیا گیا، اسی بچے ہوئے سے ہمیں حنوط کرنا، غسل کے بعد اسی کپڑے سے پونچھنا، جس سے میرے بھائی محمدؐ اور جناب سیدہؑ کو پونچھا گیا تھا۔

پوری ایک تفصیل روایت ہے اور پھر یہ کہ اس کے بعد میری نماز جنازہ پڑھنا اور سات تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھنا۔ ویسے نماز میں پانچ تکبیریں ہوتی ہیں کہا سات تکبیروں کے ساتھ پڑھنا اور دیکھو میرے علاوہ قیامت تک کسی بھی مؤمن کے لیے سات تکبیروں کی نماز جنازہ جائز نہیں۔ سوائے میرے قائم علیہ السلام کے، سوائے میری اولاد میں جو قائم علیہ السلام ہونے والا ہے۔ یعنی زمانے کا امامؑ فقط دو ہستیاں اس زمانے میں ایسی ہیں جن کی نماز جنازہ میں سات تکبیریں ہیں ایک پہلا امامؑ اور ایک آخری امامؑ اور آخر میں آپ کہتے ہیں کوفہ کے باہر سب کو واپس کر دینا تو جب میرے جنازے کو اُٹھانا تو خبردار اگلا حصہ نہ اُٹھانا پچھلا حصہ اٹھانا۔ اگلا حصہ خود بخود اٹھ جائے گا اسے لے کر کوفہ کے باہر جانا اور اگلا حصہ چل رہا ہوگا۔ تم اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہنا جہاں رُک جائے وہاں ایک تیار شدہ قبر ہوگی جو میرے لیے میرے جد حضرت نوحؑ تیار کر کے گئے ہیں۔ اسی میں مجھے دفن کر دینا اور ایک روایت میں جناب بی بی اُم کلثومؑ کا نام ہے کہ میں بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ ساتھ تھی سارے واقعات اسی طرح پیش آئے تو اب یہ روایت بھی بتا رہی ہیں کہ نجف اشرف ہی وہی مقام ہے جہاں جناب علیؑ کو دفن کیا گیا ہے اور پھر چوتھے امامؑ کا عمل تو بہت مشہور ہے کہ خود پانچویں امامؑ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے بابا کے ساتھ کوفہ سے مدینے آ رہا تھا۔ چلتے چلتے میرے بابا ایک بے آب و گیاہ میدان میں رُکے اور اس کے بعد گھوڑے سے اُترے، میرے بابا کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ میرے بابا روتے ہوئے آگے بڑھے ایک قبر پر جا کر رُکے اور اس کے بعد زیارت امین اللہ جو آپ زیارت کے اعمال میں پڑھتے ہیں وہ پوری زیارت چوتھے امامؑ نے وہاں پڑھی۔ اس حالت میں کہ آنکھوں میں آنسو جاری ہو رہے ہیں۔ اس کے بعد کہا اے میرے بیٹے پہچان لو یہ میرے جد کی قبر ہے یہ میرے دادا کی قبر ہے اور دیکھو جو زیارت میں نے پڑھی ہے اس قبر کے اوپر کوئی بھی مومن اس زیارت کو میرے جد کی قبر پر

پڑھے یا کسی بھی امام کی قبر پر پڑھے فرشتے اسے نور کے طبق میں بند کر کے پیغمبر اسلام کی مہر لگا کر میرے قائمؑ کی بارگاہ میں لے جاتے ہیں۔ ان کی خدمت میں جا کر پیش کرتے ہیں کہ یہ ایک بندہ مومن کا تحفہ ہے آپ کے لیے امامؑ اس کو لے کر بندہ مومن کو سلام کرتے ہیں۔

چھٹے امامؑ کی تو کئی روایتیں ہیں۔ آٹھ یا دس راوی کہتے ہیں جب بھی امامؑ اس علاقے سے گزرتے تھے البتہ ایک فرق ہے چھٹے امامؑ کا، جب بھی اس علاقے سے گزرتے تھے نجف کا علاقہ اُس وقت بالکل خالی پڑا تھا، یہاں کچھ بھی نہ تھا۔ ہمیشہ رُک جاتے تھے گھوڑے سے اُترتے تھے اُترنے کے بعد پانی ہوتا تو غسل یا وضو کرتے تھے ورنہ تیمم کرتے تھے اور پھر تین جگہوں پر جا کر نماز پڑھتے تھے آبان ابن تغلب اتنے عظیم صحابی وہ کہتے ہیں ہم نے سوال کیا مولاؑ یہ آپ نے تین جگہوں پہ نماز کیوں پڑھی؟ کہا کہ یہاں پہلی جگہ میرے جد امیر المومنینؑ دفن ہیں، میں نے وہاں نماز پڑھی دوسری جگہ وہ ہے جہاں میرے جد امام حسینؑ کا سر لا کر دفن کیا گیا ہے اس لیے وہاں نماز پڑھی تیسری جگہ وہ ہے جہاں ہمارے نسل کے آخری امامؑ کے ظہور کے بعد ان کا منبر نصب کیا جائے گا۔ اس لیے وہاں نماز پڑھی اور پھر ساتویں، آٹھویں، نویں گیارہویں ان ساروں کا عمل ہے۔ وہ امام جو پہنچ سکتے تھے، پہنچتے تھے ورنہ اپنے ماننے والوں کو بھیجا کرتے تھے۔ ان گیارہ اماموں کی روایات کے ذریعے سے عبدالکریم ابن طاؤسؒ نے ایک اہم ترین مسئلہ حل کیا ہے کہ کہاں ہے قبر امیر المومنینؑ اور اس کے بعد کچھ ظالم حاکموں کے حالات لکھتے ہیں۔

ہارون کا واقعہ شکار کے لیے نکلا ہوا ہے کتے اور باز ساتھ ہیں ہرن نظر آئے، ہرنوں کو دیکھا کتے دوڑائے، باز اڑائے جا کر ہرن کا شکار کریں، ہرن ایک مرتبہ دوڑے دوڑے ایک ٹیلے پر پہنچ گئے اور وہاں جا کے اطمینان کے ساتھ بیٹھ گئے ہارون حیران ہوا یہ کتے اور باز آگے کیوں نہیں بڑھتے کچھ دیر گزری ہرن جیسے ہی ٹیلے کے باہر آئے پھر کتے دوڑے ہرن واپس بھاگ کر جھاڑیوں میں پہنچے تحقیق کی پتہ چلا بنی اسد کا ایک بہت بوڑھا شخص یہاں رہتا ہے۔ اسے پتہ چلا اس نے کہا میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ یہاں علی بن ابی طالب علیہ السلام کی قبر ہے ہارون کی آنکھوں میں آنسو آ گئے دو رکعت نماز ادا کی اور کہتا جا رہا تھا کہ مولاؑ میں تو آپ کا ماننے والا ہوں مگر کیا کروں آپؑ کی اولاد نے مجھے بہت ستایا ہے (نعوذ باللہ نقل کفر، کفر نا باشد) اس لیے میں ان سب کو قتل کر رہا ہوں اور قید کرا رہا ہوں اس کتاب میں اور بہت سارے اس قسم کے واقعات ہیں تو یہ کتاب سید عبدالکریم ابن طاؤسؒ کی ایک بہت اہم کتاب ہے سن ۶۹۳ ہجری شوال کے مہینے میں

ان کا انتقال ہوا۔

یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا روضہ مبارک نجف اشرف میں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جب طوفان نوح علیہ السلام آیا تو دنیا میں دو مقامات ایسے تھے جہاں پانی نہ آیا۔ ایک کربلا معلیٰ اور دوسرا نجف اشرف دونوں غیر آباد تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کا تابوت کشتی میں رکھ لیا تھا اور نجف اشرف کے مقام پر تین قبریں بنائی تھیں ایک میں حضرت آدمؑ کو دفن کیا۔ دوسری میں خود دفن ہوئے اور تیسری درمیان والی حضرت علیؑ کے لیے چھوڑ دی۔

شاگرد:

۱۔ سعید الدین حلیؒ والد علامہ حلیؒ

۲۔ علامہ حلیؒ

۳۔ حسن بن داؤد حلی صاحب رجال

۴۔ عبدالکریم بن احمد بن طاؤس

۵۔ علی بن عیسیٰ اربلی

☆☆☆

بسم تعالیٰ

محمد بن محمد خواجہ نصیرالدین طوسیؒ

۵۹۷ھ - ۶۷۲ھ

وہ شخصیت جس نے اپنے تدبر سے تن تنہا عباسی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا۔

خواجہ نصیرالدین طوسیؒ ہمارے علماء میں ایک انتہائی منفرد اور ایک یگانہ روزگار ہستی ہیں۔ آپ اتنے علوم کے ماہر تھے کہ اور کوئی نظیر نہیں ملتی پوری تاریخ اسلام میں کوئی بھی ایسا فقیہی نظر نہیں آتا جو اتنے علوم کا ماہر ہو۔ فقہ میں ایسے کہ آج تک فقہا اور علماء اِن کی فقہاہیت کو مانتے ہیں' فلسفی ایسے ہیں کہ بوعلی سینا اور ارسطو کا علم اِن کے آگے کچھ نظر نہیں آتا۔ منطقی ایسے کہ فخرالدین رازی کے تمام شکوک وشبہات کو دور کر کے رکھ دیا۔ علم نجوم کے ایسے ماہر کہ اسلامی تاریخ کے پہلے ماہر علم ہیئت' علم افلاک اور ستاروں کے علم کے حساب میں اِن کی بے مثال مہارت، فیصہ غورث جیسے مسئلے انہوں نے حل کیے یہ تمام علوم اپنی جگہ پر جو سب سے نمایاں خدمت آپ کی ہے وہ دین کی خدمت ہے جتنے لوگوں نے خواجہ نصیرالدین طوسیؒ کی وجہ سے مذہب اہلبیتؑ کو قبول کیا اتنا پوری تاریخ شیعیت میں کسی عالم کی وجہ سے دین حقہ قبول نہیں کیا گیا۔ حتیٰ کہ یہاں تک آپ کے بارے میں کہا گیا کہ اس دین کو باقی رکھنے والے نصیرالدین طوسیؒ ہی ہیں۔

آپ کی ولادت باسعادت ۱۱ جمادی الاوّل سن ۵۹۷ ہجری شہر طوس میں ہوئی۔ آپ کا اسم گرامی محمد، والد کا نام بھی محمد ہے۔ محمد ابن محمد ابن حسن آگے چل کر خواجہ نصیرالدین' فخرالمتقین کے نام سے مشہور ہوئے۔

آپ کے اساتذہ کی تعداد بے شمار ہے جن میں سے مشہور و معروف کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ نورالدین علی بن محمد

۲۔ محمد حاسب (معروف ریاضی دان)

۳۔ عبداللہ بن حمزہ

۴۔ امام سراج الدین (درج خارج ، صفہ ، حدیث و رجال)

۵۔ فریدالدین داماد نیشاپوری (دانشمند بزرگان عصر)

۶۔ قطب الدین (قانون)

۷۔ عارف نامور شیخ عطار نیشاپوری

۸۔ ابوالسادات اسد بن عبدالقادر

۹۔ معین الدین سالم (علم فقہ)

۱۰ کمال الدین موصلی (علم نجوم وریاضی)

شاگرد:

آپ کے شاگرد بہت مشہور تھے مگر ان کا ایک شاگرد (علامہ حلیؒ) دوسروں کے ہزاروں شاگردوں پر بھاری ہے۔ ان میں سے چند نام درج ذیل ہے

۱۔ علامہ حلیؒ

۲۔ ابن فوطی

۳۔ ابن شاکر

۴۔ جی زیدان

۵۔ رنون

علامہ حلیؒ ان کا شاگرد ہونے پر بہت فخر کیا کرتے تھے۔ علم فلسفے کے مطابق دُنیا میں ۱۰ عقلیں ہیں جو اس کائنات کا نظام چلا رہی ہیں۔ علامہ حلی نے اپنے یگانہ روزگار اُستاد کو گیارہویں عقل کا درجہ دیا۔

خواجہ نصیر الدین طوسیؒ مذہب حقہ پر نہ تھے علامہ حلیؒ رقمطراز ہیں کہ میں نے اپنے اُستاد محترم سے پوچھا کہ آپ نے مذہب شیعہ کیوں اختیار کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ تمام مسلمانوں میں متفق علیہ حدیث ہے کہ میرے اہلبیتؑ کی مثال سفینۂ نوحؑ کی مانند ہے۔ جو اس پر سوار ہوگیا وہ نجات پا گیا اور جس نے منہ موڑا، وہ ڈوب کر ہلاک ہوگیا۔ جب پیغمبر اسلامؐ کے بعد میں نے دیکھا کہ اُمت میں بے انتہا تفرقے ہیں تو میں نے اس حدیث کو جس کو تمام مسلمان فرقے مانتے ہیں خواہ وہ کسی بھی نظریہ کے حامل ہوں، اسی حدیث کی روشنی میں سوچا کہ اہلبیتؑ کے دامن کو پکڑنے میں نجات ہی نجات ہے۔ اہلبیتؑ کا راستہ اختیار کرنے سے گمراہی کا خطرہ باقی نہیں رہتا ہے۔ اس راز کو پالینے کے بعد کیسے ممکن تھا کہ میں کشتی نجات

میں سوار نہ ہوتا، اہلبیتؑ کے دامن سے تمسک حاصل نہ کرتا۔

عمر کے ابتدائی حصہ میں آپ نے ایک منفرد کتاب لکھنی شروع کی۔ فضائل اہلبیتؑ میں تمام مسلمان جن روایتوں پر متفق ہیں اور مانتے ہیں اُنہیں جمع کیا اور ایک کتاب کی شکل دی یہ وہ زمانہ تھا جب حدیثیں موجود نہیں تھیں لوگوں کو زبانی یاد تھیں اب وہ انتہائی محنت کر کے شیعہ علماء کے پاس گئے۔ حنفی علماء کے پاس گئے۔ شافعی، حنبلی، مالکی سب کے پاس گئے اور مسلسل شب و روز کی محنت کے بعد ایک ایسی کتاب تیار ہوگئی جس کی احادیث اور روایتوں پر سب متفق تھے ۲۰ برس کی محنت کے بعد یہ کتاب لکھی گئی آپ یہ کتاب لے کر خلیفہ وقت سے ملنے بغداد آئے۔ خلیفہ وقت معتصم باللہ بغداد میں دریائے دجلہ کے کنارے اپنے وزیر ابن حاجب کے پاس بیٹھا دادِ عیش دے رہا تھا کہ یہ کتاب لے کر پہنچے۔ سلام کے بعد اپنی کتاب کو پیش کیا اور کہا میں نے ایک ایسی کتاب لکھی ہے جو تمام اختلافات مسلمانوں کے ختم کر دے گی۔ معتصم باللہ نے ایک مرتبہ کتاب پکڑی اور اپنے وزیر ابن حاجب کو دے دی۔ ابن حاجب نے کتاب کو کھولا اور دیکھا کہ اس میں تو ساری اہلبیتؑ کی حدیثیں بھری ہوئی ہیں بس اِن احادیث کا دیکھنا تھا کہ بغض اور دُشمنی اہلبیتؑ کی وجہ سے کتاب کو اُٹھایا اور دجلہ کے پانی میں زور سے پھینکا۔ پانی میں سے آواز آئی دونوں نے بلند قہقہہ لگایا اب پانی کتاب کو اِدھر اُدھر پٹخ رہا ہے اور دونوں قہقہے لگا رہے ہیں۔ وزیر نے کہا دیکھو دیکھو بادشاہ کیسے پانی سیاہ ہو رہا ہے۔ ۲۰ برس کی محنت ۲۰ سیکنڈ کی نذر ہوگئی۔ کیا نہ گزری ہوگی خواجہ نصیر الدین طوسیؒ پر کہ ابن حاجب نے پانی میں سے کتاب کو باہر نکلوایا اور خواجہ نصیر الدین طوسیؒ کے ہاتھوں میں تھما دی۔ خواجہ نصیر الدین طوسیؒ بھیگی ہوئی کتاب پکڑے نظروں کو جھکائے ٹوٹے ہوئے دِل کو لیئے کھڑے تھے کہ ابن حاجب نے قہقہہ لگا کر پوچھا کہاں کے رہنے والے ہو۔ آپ نے جواب دیا طوس کا اُس نے کہا کہ طوس کے گدھوں میں سے ہو یا گائیوں میں سے، پس انتہائی صبر و تحمل کے ساتھ کہا کہ میں طوس کی گائیوں میں سے ہوں گدھوں میں سے نہیں ابن حاجب نے قہقہہ لگایا اور کہا تو پھر تمہارے سینگ کیوں نہیں ہیں۔ یہ سننا تھا کہ انتہائی حالت غم میں واپس جانے کیلئے مڑے، ابن حاجب نے کہا: کہاں جا رہے ہو؟ آپ نے جواب دیا طوس جا رہا ہوں اپنے سینگ لینے۔

انتہائی غم و اندوہ کی حالت میں طوس آئے اور بارگاہ پروردگار میں سربسجود ہو کر فریاد شروع کی۔ بار الہا کتنا ظلم ہوا بیس برس کی محنت ۲۰ سیکنڈ میں رائیگاں گئی۔ بار الہا تو رحمٰن ہے رحیم ہے تو کریم ہے تیرے اہلبیتؑ کی محبت میں کی گئی محنت رائیگاں نہ جائے اس ظلم کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے۔ فریاد کرتے رہے روتے رہے کہ خواب میں دیکھا ایک میدان ہے اس

میدان میں ایک عمارت ہے۔ عمارت پر ایک دُعا لکھی ہوئی ہے۔ اس عمارت کے دروازے پر ایک ذیشان شخص بیٹھا ہے آپ آگے بڑھتے ہیں سلام کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں آپ کون ہیں۔ وہ مسکرائے اور فرمایا میں تمہارا امام وقت ہوں جیسے ہی سنا اپنے آپ کو قدموں میں گرا دیا اور گویا ہوئے۔ دیکھا مولا صرف آپ کی محبت اور آپؑ کے دین کی محبت کی وجہ سے ہم پر کیسے کیسے ظلم ہو رہے ہیں امام نے فرمایا پریشان نہ ہو اس دیوار پر لکھی ہوئی دُعا کو پڑھو اس دُعا کو یاد کر و اور اسے اپنے وظائف میں شامل کرلو۔ انشاءاللہ عنقریب دیکھو گے تمہارے دشمن کا کیا حشر ہو رہا ہے۔ خواجہ نصیر الدین طوسیؒ نے دُعا کو یاد کرنا شروع کیا آنکھ کھل گئی تو معلوم ہوا پوری دُعا یاد نہیں ہوئی۔ ابھی رات کا پہر باقی تھا پھر وہی خواب دیکھا اور باقی دُعا یاد کرلی۔ جب صبح آنکھ کھلی تو دُعا مکمل یاد تھی۔ دُعا کا نام ہے دُعائے توسل۔ یہ احسان ہے جناب خواجہ نصیر الدین طوسیؒ کا قوم شیعہ پر کہ امام علیہ السلام نے اتنی اہم دعا تعلیم فرمائی جو آج ہر ایک کی زبان پر ہے، جس سے ہر کوئی مستفید ہو رہا ہے۔ تحفۃ العوام اور مفاتیح الجنان کھول کر دیکھیں اس دعا کو کہا گیا ہے (درود طوسی، دعائے توسل) اسے اپنے وظائف میں شامل کرلیا اور اس دُعا کا نتیجہ تھا کہ تھوڑے عرصہ بعد وہ دِن آیا کہ یہی خلیفہ بغداد کے اسی شہر میں جہاں اس نے خواجہ نصیر الدین طوسیؒ پر ظلم کیا تھا ہلاکو خان کے ہاتھوں انتہائی بے دردی سے مارا گیا۔

خواجہ نصیر الدین طوسیؒ بہت سارے علوم کے علاوہ علم جعفر، علم رمل اور علم نجوم کے ماہر تھے کہا جاتا ہے اور کچھ اختلاف کرتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوا یعنی آپ کے بارے میں کہا گیا کہ آپ نے اپنے ان علوم کی بنا پر حساب لگایا کہ کب عباسی حکومت کا خاتمہ ہوگا۔ کون کرے گا، پھر ہلاکو خان کو جنگلوں میں تلاش کیا۔ گیارہ برس تک تربیت کی اور ایک دن ہلاکو خان سے کہا کہ اگر تم بادشاہ بن گئے تو مجھے کیا دو گے۔ ہلاکو خان ایک مرتبہ ہنسا کہ میں ایک یتیم لڑکا اور میں حاکم بنوں گا۔ کہا نہیں اگر تم بن گئے تو کیا دو گے۔ اُس نے کہا اپنا وزیر اعظم بناؤں گا۔ آپ نے کہا لکھ دو اُس نے لکھ دیا۔ انہوں نے کاغذ سنبھال لیا اور واپس آگئے ہمارے علماء اس روایت سے اختلاف کرتے ہیں کیونکہ ہلاکو خان جنگلوں میں نہیں رہتا تھا بلکہ چنگیز خان کا پوتا تھا اور اس کا منگول خاندان سے تعلق تھا۔ بہر حال واقعہ جو بھی ہوا ایک بات ثابت ہے کہ امام وقت نے جو دُعا توسل تعلیم فرمائی، یہ اُسی کا معجزہ تھا کہ آنے والے حالات میں آپ ہلاکو خان کے وزیر اعظم بنے اور بغداد پر حملہ کی منصوبہ بندی آپ نے کی۔

قصہ کچھ یوں ہے کہ خواجہ نصیر الدین طوسیؒ کی شہرت پورے عرب میں پھیل گئی۔ ایک علاقے کا حاکم ناصر الدین محتشم

تھا۔اُس نے خط لکھ کر بلوایا اور بڑی عزت و احترام کے ساتھ اپنے دربار میں رکھا۔اس سلوک سے آپ اتنا متاثر ہوئے کہ اخلاقیات پر ایک کتاب اخلاق ناصریہ لکھی۔ جو آج بھی دُنیا کی اکثر یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل ہے۔ ناصر الدین محتشم دراصل وزیر تھا علاؤالدین کا۔ علاؤالدین تمام اسماعیلیوں کا بادشاہ تھا۔ایران اور ترکی کے علاقے میں اس کی حکومت تھی۔ بہت بڑا علاقہ تھا جسے ''الموت'' کہا جاتا تھا۔اس کے اندر انہوں نے جنت بنائی ہوئی تھی اور لوگوں کو دھوکہ دے کر سبز باغ دیکھا کر اپنے مذہب کی جانب لاتے تھے۔نصیر الدین طوسیؒ کچھ عرصہ ناصر الدین محتشم کے پاس رہے اور آپ نے محسوس کیا کہ دین کی خدمت یہاں نہیں ہوسکتی کہیں اور جا کر اثر رسوخ حاصل کر کے دین کی خدمت کرنی چاہیے چنانچہ انہوں نے خلیفہ کی شان میں ایک قصیدہ لکھا اور وزیر ابن علقمی کو بھیج دیا آپ کو معلوم تھا کہ ابن علقمی ہم مذہب ہے اور یوں دین کی خدمت ہو سکے گی۔

ابن علقمی نے قصیدہ پڑھا اور پریشان ہو گیا کہ ایک بہت بڑا عالم دربار میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ جو علوم کا ماہر ہے تو کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ میری چھٹی ہو جائے ابن علقمی نے ناصر الدین محتشم کو خط لکھا کہ خواجہ ناصر الدین طوسیؒ انہیں چھوڑ کر بادشاہ کے پاس آنا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی خط کے وہ قصیدہ بھی بھیج دیا۔ ناصر الدین محتشم انتہائی آگ بگولا ہوا، فوراً نصیر الدین طوسیؒ کو قید کر لیا۔نصیر الدین طوسیؒ دین اہلبیتؑ کی خاطر قید میں چلے گئے کچھ عرصہ گزرا اسماعیلی حاکم علاؤالدین نے ناصر الدین محتشم سے کہا کہ ہمارے قلعے میں آ جاؤ وہ نصیر الدین طوسیؒ کو لے کر چلا اور علاؤالدین کو پیش کیا۔علاؤالدین نے کہا کہ اس قلعے سے بھاگ کر کوئی نہیں جا سکتا تم یہاں آزاد ہو کر رہو باہر جانے کی تمہیں اجازت نہیں ہے۔

نصیر الدینؒ دیکھ رہے تھے کہ ہر سو یا اسماعیلی ہیں یا خدا کے منکر لیکن آپ کو اس ماحول میں رہتے ہوئے کام کرنا تھا اور اس کا انتظار بھی جس کے بارے میں جانتے تھے کہ آنے والا ہے اور شاید یہاں کی سبیل آپ نے خود ہی کی تھی اور یقیناً یہ ایک لاجواب منصوبہ بندی تھی۔ علاؤالدین کا بیٹا خورت شاہ تھا آپ نے اس پر کام کیا اور وہ قائل ہو گیا کہ اُس کا باپ گمراہ ہو چکا ہے اور اُس کا دین فاسد ہے۔اُدھر ہلاکو خان ایران کو فتح کرتا ہوا یہاں تک پہنچ گیا مگر اس قلعہ کو فتح کرنا اُسے ناممکن لگ رہا تھا۔نصیر الدین طوسیؒ نے خورت شاہ کو تیار کیا کہ وہ قلعہ سے نکل کر ہلاکو خان کے پاس جائے اور قلعہ فتح کرنے کیلئے جو قلعہ کے راز ہیں وہ ہلاکو خان کو بتا دے، اسی میں سب کی بقاء ہے۔

خورت شاہ ہلاکو سے ملاقات کرتا ہے اور اپنے خاندان کے لیے پناہ کا وعدہ لے کر قلعہ کے راز ہلاکو خان کو بتا دیتا

ہے۔ ہلاکو خان حملہ کرتا ہے اور تمام لوگوں کو قتل کر دیتا ہے اور علاؤ الدین نے جو جنت بنائی ہوئی تھی اُسے برباد کر دیتا ہے۔ ہلاکو خان کے سامنے قیدی لائے جاتے ہیں جن میں نصیر الدین طوسیؒ بھی ہوتے ہیں خورت شاہ تعارف کرواتا ہے اور کہتا ہے کہ یہی وہ شخص ہے جس کی وجہ سے میں تمہارے پاس آیا تھا جس کی جان بخشی کا وعدہ آپ سے لیا تھا۔ یہی ہے جس نے مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے۔ ہلاکو خان نے بڑی تکلیفوں سے یہ قلعہ فتح کیا تھا اُس پر بہت اثر ہوا پہلی ہی ملاقات میں وہ نصیر الدین طوسیؒ کا گرویدہ ہو گیا اور اُس نے کہا کہ یہ تو میرے پاس رہنے کے قابل ہے اور نصیر الدین طوسیؒ کو اپنے وزیروں میں شامل کر لیا۔

اب نصیر الدین طوسیؒ اس فکر میں ہیں کہ کسی طرح سے ہلاکو خان کو مسلمان کیا جائے۔ کیونکہ جہاں بھی آپ کسی غیر مسلم کو دیکھتے تو مسلمان کرتے اور کسی مسلمان کو دیکھتے تو محبِ اہلبیت کرتے۔ نصیر الدین طوسیؒ کی خدمات کا سلسلہ چل پڑا ایک دن آپ نے ہلاکو خان کو دعوتِ حق دے دی اب وہ چین کا رہنے والا پہلی مرتبہ ذکر پروردگار سنا اور کہا یہ کون ہے۔ خواجہ نصیر الدین طوسیؒ نے آہستہ آہستہ تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ ایک دن ہلاکو خان نے کہا کہ تم کہتے ہو خدا تمہارا حاکم ہے۔ مالک ہے اور اس نے تمہیں پیدا کیا اور زندگی گزارنے نبیؐ بھیجے تو دیکھو میں بھی حاکم ہوں جب میں اپنے کسی ملک جاتا ہوں تو اپنی رعایا کیلئے قانون بناتا ہوں تو یہ بتاؤ کہ اگر خدا تمہارا حاکم ہے تو اس نے تمہارے لیئے کوئی قانون بنایا ہے۔ یا نہیں۔ نصیر الدین طوسیؒ نے کہا ہاں بنایا ہے اُس نے کہا دیکھنا چاہتا ہوں۔ نصیر الدین طوسیؒ نے کہا ہاں دیکھاؤں گا لیکن کچھ دن رُک جاؤ۔ آپ کو معلوم تھا کہ یہ وحشی ہیں نہ عربی آتی ہے نہ قرآن پاک کا ذکر پہلے سنا ہے۔ اور جتنی اور جیسی عقل ہے ثابت بھی اُس معیار کے ساتھ کرنا ہے تو اثر ہوگا ورنہ بیکار ہے آپ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ ہرن کے چمڑے پر قرآن کریم کو بڑا بڑا کر کے لکھا جائے۔ لہٰذا پورے قرآن مجید کو ہرن کی کھال کے چمڑے پر لکھا گیا۔ سینکڑوں کھالیں استعمال ہوئی پچاس اونٹ تیار کیئے گئے۔ ۱۵۰۰ افراد کی وردیاں سلوائیں گئی اور پھر وہ دن آ گیا جس کا نصیر الدین طوسیؒ کو انتظار تھا۔

آپ ہلاکو خان کے پاس بیٹھے تھے کہ ۱۵۰۰ افراد پچاس اونٹوں پر قرآن کریم کو لادے ڈھول طبل بجاتے ہلاکو خان کی طرف آ رہے تھے۔ شور سن کر ہلاکو خان پریشان ہو کر کھڑا ہو گیا اور اُس نے کہا حملہ ہو گیا۔ نصیر الدین طوسیؒ نے کہا دیکھ کر بتاتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد آپ واپس آئے اور کہا حملہ نہیں ہوا میں نے کہا تھا کہ ایک دن اپنے مالک کا فرمان دکھاؤں گا۔

سبحان اللہ میرے خدا کا فرمان آ رہا ہے۔ اب جو ہلاکو خان نے دیکھا تو پچاس پچاس اونٹ پچاس پہاڑ لگ رہے تھے۔ یہاں سے وہاں تک پھیلے ہوئے چاروں طرف وردی پہنے محافظ حفاظت کر رہے تھے۔ ڈھول بجائے جا رہے تھے طبل بجنے کی آواز آ رہی تھی۔ عجیب عظمت تھی رعب و دبدبہ تھا یہ منظر دیکھ کر خود بخود اُس کے دِل پر اثر ہو گیا۔ ہلاکو خان سمجھتا تھا جو کام وہ کر رہا ہے دُنیا جہاں میں کوئی نہیں کر سکتا اتنی بڑی ہستی جس کا یہ فرمان ہے ایسا فرمان تو میرے دادا چنگیز خان کا بھی نہ تھا۔ یہ تو کوئی اُس سے بھی بڑی ہستی ہے جس نے اتنا بڑا فرمان بھیجا ہے آہستہ آہستہ پروردگار عالم کا خیال دِل میں پیدا ہوا نصیر الدین طوسیؒ سے کہا واقعاً تمہارے خدا کے فرمان سے میں بہت متاثر ہوا ہوں میرا دل چاہتا ہے تمہارے خدا کی اطاعت کروں اب ایک ایک کر کے سوال کرنے لگا دلیل دو نماز کیوں۔ روزہ کیوں۔ وضو کیوں وغیرہ وغیرہ جناب نصیر الدین طوسیؒ نے اُس کی عقل کے مطابق احکامات کو ثابت کیا اور ہلاکو خان مسلمان ہو گیا۔ نہ صرف مسلمان ہوا بلکہ بہت متاثر بھی ہوا اور ہر وقت نصیر الدین طوسیؒ کو اپنے ساتھ رکھتا ہر مشورہ کرتا۔ اب جو لوگوں نے دیکھا تو مارے حسد کے جلنے لگے مرنے لگے۔

ایک بڑا دلچسپ واقعہ پیش آ گیا حاسد نصیر الدین طوسیؒ کو نیچا دکھانے کی کوششوں میں رہتے کہ ہلاکو خان کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ ایک عالم نے ہلاکو خان کے قریبی سے کہا کہ ہلاکو خان نیا نیا مسلمان ہوا ہے یہ باتیں اُسے بتاؤ۔ اُس کی ماں نئی نئی مسلمان ہوئی تھی۔ قبر میں منکر نکیر آ کر سوال کریں گے، یہ جواب نہ دے سکے گی تو واصل جہنم ہو گی۔ قبر میں بڑے عالم کو ساتھ دفن کر دیا جائے۔ وہ منکر نکیر کے جوابات تمہاری ماں کو بتا دے گا اور نصیر الدین طوسیؒ سے بڑا تو دُنیا میں کوئی عالم نہیں ہے۔ اور یہ تمہارے خاندان کا بڑا وفادار ہے۔ اِس کام کو با آسانی کرے گا اور تمہاری ماں کو بچائے گا۔ ہلاکو خان قائل ہو گیا۔ اُس نے حکم دیا نصیر الدین طوسیؒ بھی ساتھ ہی دفن ہو گا۔ نصیر الدین طوسیؒ سمجھ گئے کسی کی سازش ہے ہلاکو خان سے کہا مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے ایسا کرنا بہت ضروری ہے تمہاری ماں نئی نئی مسلمان ہوئی ہے اُسے عربی بھی نہیں آتی لیکن بات یہ ہے کہ ایک دن تمہیں بھی تو مرنا ہے اور تمہارا حساب تو بڑا سخت ہو گا تمہارے جواب کون دے گا بہتر یہ ہے کہ فلاں عالم بہت اچھا ہے۔ (جس نے سازش کی تھی) اُسے اپنی ماں کے ساتھ دفن کر دو تمہاری ماں سے تو آسان سوال ہوں گے اور مجھے اپنے لیئے رکھ لو۔ ہلاکو خان بہت خوش ہوا اور کہا بات تو بالکل ٹھیک ہے لہٰذا اُس سازشی عالم کو ہلاکو خان کی ماں کے ساتھ دفن کر دیا۔ تو یہ فراست اور کمال ہمارے مجتہدین کا تھا کہ جس کی جتنی عقل ہوتی تھی اور جیسا ماحول ہوتا تھا اُس ہی

کے مطابق چلتے تھے۔

قطب الدین شیرازی ایک بڑے عالم تھے۔ نصیرالدین طوسیؒ چاہتے تھے کہ یہ آپ کے مددگار بن جائیں گے مگر قطب الدین شیرازی راہ راست پر نہ تھے ایک دن بھیس بدل کر آپ قطب الدین شیرازی کے درس میں آئے۔ شام تک گفتگو ہوئی اور پھر چلے آئے۔ قطب الدین شیرازی کے پہلو میں ایک شخص بیٹھا تھا اُس نے کہا شیرازی سے کہ میں نے پہچان لیا تھا وہ تو نصیرالدین طوسیؒ تھے۔ قطب الدین شیرازی پریشان ہوا اور کہا اچھا کام سے آیا ہوگا اور کل پھر ضرور آئے گا اب فیصلہ کیا گیا کہ کل جب آئے تو اُسے نیچا دکھایا جائے۔ کس علم کی گفتگو ہو جس علم کی بات ہوتی سب کہتے وہ اس کا ماہر ہے۔ آخر کار طے ہوا کہ علم طب اسے نہیں آتا اُس میں مات دی جائے۔ اگلے دن پھر نصیرالدین طوسیؒ آئے اور بیٹھ گئے بوعلی سینا کا زمانہ تھا جن کی کتاب القانون سترہویں صدی تک یورپ کی تمام یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی رہی ہے۔ قطب الدین شیرازی نے کہا آج طب پڑھاؤں گا۔

القانون کتاب کھولی اور نبض کے مسائل پر گفتگو شروع کی دیر تک بات ہوتی رہی پھر بوعلی سینا پر اعتراض کیا اپنی دلیل پیش کی بوعلی سینا کو غلط کہا غرض صبح سے شام ہوگئی نصیرالدین طوسیؒ کے برابر میں کوئی شخص بیٹھا تھا اُس سے کہا بتاؤ آج میں نے کیا درس دیا ہے وہ کھڑا ہوا مگر اُس کی زبان لڑکھڑانے لگی۔ نصیرالدین طوسیؒ نے کہا اگر اجازت ہو تو میں بتاؤں ایک مرتبہ قطب الدین شیرازی پریشان ہوا اور کہا کیا تم اس کا جواب دے سکتے ہو۔ آپ نے کہا ہاں میں ایسا چاہتا ہوں۔ اُس نے کہا بتاؤ تو آپ نے کہا کس طرح بتاؤں آپ کے اعتراضات بتاؤں یا آپ کے اعتراضات میں جو غلطیاں ہیں وہ بتاؤں یا بوعلی سینا کی غلطیاں بتاؤں یا اس کتاب کی عبارت بتاؤں آپ کیا سننا چاہتے ہیں قطب دین شیرازی حیران ہو کر کہتا ہے اتنا بڑا دعویٰ اچھا سب کچھ بتاؤ تو پہلے آپ نے بوعلی سینا کی پوری عبارت پڑھی اس کے بعد اعتراضات کیئے تھے وہ سنائے قطب الدین شیرازی کے جوابات سنائے پھر آپ نے کہا کہ آپ کا یہ اعتراض غلط اس کی یہ دلیل اس کی یہ دلیل بوعلی سینا نے صحیح کہا آپ نے غلط یہ بھی غلط وہ بھی غلط پھر خود صحیح صحیح جواب دیئے۔ اب تو معاملہ اُلٹ گیا کہاں آپ کو ذلیل کرنے کا ارادہ تھا اب خود ہو گئے مجبوراً اُسے کھڑا ہونا پڑا اُس نے کہا آپ تو بہت بڑے عالم نظر آرہے ہیں اپنا تعارف کروائیں اُس نے اپنے پہلو میں بٹھایا اور کہا میں آپ سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے کہا امامت پر بحث کرو خود تم نے کہا ہے بحث کرنا چاہتے ہو کرو۔ اب بحث شروع ہوئی۔ نصیرالدین طوسیؒ نے اتنی دلیلیں دیں کہ اُسے ماننا پڑا کہ امامؑ برحق

امیر المومنین علی علیہ السلام کی ذات گرامی ہے ماننے کے بعد فوراً دین حق قبول کیا مگر جیسے ہی نصیرالدین طوسیؒ واپس ہوئے اُس نے بھی حق سے واپسی اختیار کی اور پھر پلٹ گیا۔ اُس نے سوچا بڑی بدنامی ہوگی لوگ کہیں گے اپنا مذہب چھوڑ کر شیعہ ہوگیا۔ نصیرالدین طوسیؒ کو پتہ چلا اپنے شہر سے واپس آئے پھر مناظرہ کیا پھر شکست ہوئی پھر حق کا کلمہ پڑھا اور پھر پہلے کی طرح پلٹ گیا۔

نصیرالدین طوسیؒ پھر پلٹ کر آئے پھر مناظرہ کیا پھر اُس نے کلمہ حق پڑھا پھر پلٹ گیا جب نصیرالدین چوتھی مرتبہ آئے تو اُس نے ہاتھ جوڑ دیئے اور کہا کہ اگر آپ کا کوئی شاگرد مجھے قائل کرے تو آپکا مذہب اختیار کرلوں گا۔ آپ نے اپنے شاگردوں کی طرف اشارہ کیا ان میں سے کسی کے ساتھ مناظرہ کرلو اُس نے ایک شاگرد کا انتخاب کیا پھر شکست کھائی اب جو شکست کھائی تو اُس نے سچے دِل کے ساتھ دین قبول کیا اور نصیرالدین طوسیؒ کے دست راست بنے۔

چند ہی دنوں کے بعد جنگ کا موقع آ گیا نصیرالدین طوسیؒ صفوں کو ترتیب دے رہے تھے قطب الدین شیرازی آئے اور کہا کہ ارسطو افلاطون کے زمانے کا مسئلہ حل نہیں ہوا یہ مسئلہ ہے آپ نے ایک منٹ سوچا مسئلہ حل کردیا اب آپ صفوں کو ترتیب دیتے جاتے ہیں قطب الدین شیرازی سوال پوچھتے جاتے ہیں آپ نے ۱۲ صفیں بنائیں اور صدیوں پرانے مسئلے بھی حل کیئے یہ عالم دیکھ کر قطب الدین شیرازی کا ایک عالم دوست جو اتنا ہی عالم تھا جتنا کہ قطب الدین شیرازی وہ آیا یعنی نجم الدین اب جنگ شروع ہو چکی تھی۔ نصیرالدین طوسیؒ گھوڑے پر سوار ہونے کے لیے رکاب میں پاؤں رکھ چکے تھے نجم الدین آیا اور منطق اور فلسفے کے مسائل اور حل پوچھنے لگا تاریخ گواہ ہے کہ مولائے کائناتؑ کے ماننے والے اُن کے ماننے والے جو ایک رکاب سے دوسری رکاب میں پاؤں رکھنے تک پورا قرآن کریم پڑھ لیتے تھے۔ نصیرالدین طوسیؒ نے ایک رکاب سے دوسرے رکاب میں پاؤں رکھنے تک کئی مسئلے حل کیے۔ نجم الدین نے سوچا کتنا بڑا آدمی ہے سچے دین کا کتنا بڑا معجزہ ہے فوراً دین حق قبول کرلیا اور آپ کے ساتھی بن گئے۔ آپ کا کمال تھا کہ جنگ کی صف بندی بھی کرلی۔ جنگ شروع بھی کروادی مسئلے بھی حل کردیئے ارسطو افلاطون کے صدیوں پرانے اور بصیرت' شجاعت اور تدبر سے جنگ بھی جیت لی۔ ہلاکو خان آگے بڑھا اور اُس نے بغداد فتح کرلیا۔

بغداد کی فتح میں جناب نصیرالدین طوسیؒ کا حصہ تھا مگر ہلاکو خان کو آپ نے نہیں بلایا تھا حقیقت یہ ہے کہ یہ زمانہ تو عباسی خلیفہ معتصم باللہ کا تھا اس سے پہلے خلیفہ الناصر الدین اللہ تھا اُس کے ایک سپہ سالار نے بغاوت کرکے پورے ایران پر قبضہ

کر لیا تھا۔ عباسی خلیفہ مقابلہ نہ کر سکا تھا چنانچہ اُس نے چنگیز خان کو خط لکھ کر بلوایا کہ بڑا اچھا ذرخیز ملک ہے یہ راستہ تو خود عباسی خلیفہ نے دکھایا تھا جتنی قتل و غارت چنگیز خان اور ہلاکو نے کی، اس کی ذمہ داری عباسیوں کے سر ہے۔ البتہ یہ تو سدباب تھا عباسیوں کے ظلم و ستم کا اور پھر جب زمانے کے امامؑ نے فرمایا۔ نصیر الدین طوسیؒ یہ دُعا یاد کر لو اپنے وظائف میں شامل کر و اور پھر دیکھو اپنے دُشمن کا انجام۔

معتصم باللہ کو گرفتار کر کے لایا گیا جو ظالم ہے، غاصب ہے ہزاروں لوگوں پر ظلم کیا ہلاکو خاں نے قتل کرنے کا حکم دیا۔ ایک مرتبہ سارے علماء دوڑتے آئے کہ نہ نہ قتل نہ کرنا یہ آل رسولؐ ہے سید ہے (اپنے کو آل رسول کہلاتے تھے)۔ ایک قطرہ زمین پر گرا تو قیامت آ جائے گی عذاب نازل ہو گا دُنیا تباہ ہو جائے گی ہلاکو خان نے سنا گھبرا گیا۔ نصیر الدین طوسیؒ نے کہا ٹھیک ہے بہت سارے کمبل منگوائے جائیں اُن کو بچھا کر اس میں ظالم کو لپیٹ دیا جائے پھر اتنا کوٹیں کہ مر جائے مشورہ پسند آیا ہلاکو خان نے ایسا ہی کیا اور وہ بدبخت فی النار ہوا۔ رہ گیا ابن حاجب جس نے ۲۰ سال کی محنت سے لکھی گئی کتاب پانی میں پھنکوائی تھی۔ یہ وزیر اعظم تھا اور اب گردش زمانہ نصیر الدین طوسیؒ ہلاکو خان کے وزیر اعظم تھے۔ ابن حاجب بھی بہت بڑا عالم تھا وہ بھی علم جعفر علم رمل وغیرہ کا ماہر تھا۔ انتہائی ذہین تھا لیکن دشمنی اہلبیتؑ نے اُسے برباد کر دیا۔ وہ کسی کے گھر چھپ گیا اُسے معلوم تھا کہ نصیر الدین طوسیؒ ڈھونڈے گا اُس نے دھوکہ دینے کیلئے جس کمرے کا انتخاب کیا اس میں فرش کو خون سے بھر دیا اور پر خون پر تختے کی مانند بستر لگا لیا اب نصیر الدین طوسیؒ جب حساب لگانے بیٹھیں دیکھتے ہیں خون کے سمندر میں ابن حاجب غرق ہے۔ ان کے بندے ڈھونڈ ڈھونڈ کر عاجز آ گئے۔ نصیر الدین طوسیؒ پریشان کہ کونسی جگہ ہو سکتی ہے جہاں خون کا سمندر ہو۔

نصیر الدین طوسی بھی یگانہ روزگار تھے یہ طریقہ نکالا کہ اعلان کیا اہل بغداد فلاں دن دربار میں حاضر ہوں۔ ہلاکو خان کا پورے بغداد پر قبضہ لوگ گھبرائے ہوئے آئے دربار میں۔ اُتنے ہی جانور لائے گئے ہر شخص کو ایک ایک جانور کانٹے پر تول کر دیا گیا، وزن نوٹ کر لیا گیا اور کہا کہ کچھ عرصے بعد اس جانور کو لانا ہو گا پھر تولا جائے گا۔ جس کے جانور کا وزن کم یا زیادہ ہوا اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ دو ماہ، چار ماہ سب کو جانور اپنے پاس رکھنے ہوں گے۔ لوگ پریشان ہو گئے کیا مصیبت آ گئی یہ کیسے ہو سکتا ہے، جانور کا وزن نہ کم ہو نہ زیادہ۔ ابن حاجب جہاں چھپا ہوا تھا۔ اُس شخص کے حصے بکری آئی تھی۔ وہ پریشان ابن حاجب کے پاس آیا اور کہا میں نے تجھے پناہ دی احسان کیا اب تو احسان کر، کیا کروں کہ وزن نہ کم ہو نہ زیادہ

ورنہ قتل کر دیا جاؤں گا، ابن حاجب بہت ذہین تھا۔ اُس نے کہا کوئی بات نہیں بھیڑیے کا بچہ خرید لا، جب بکری کو چارہ ڈالو تو بھیڑیے کے بچے کو سامنے لے جانا اُس کے خوف سے گوشت بنے گا تو پانی بن جائے گا۔ دو، چار ماہ بعد سب کو جانوروں سمیت بلوایا گیا۔ جس کا وزن کیا جار ہا تھا کسی کا زیادہ کسی کا کم صرف ایک شخص تھا جس کا نہ کم نہ زیادہ۔ نصیر الدین طوسیؒ نے کہا پکڑ لو اس کو، تلاشی لو اس کے گھر کی۔ ابن حاجب گرفتار ہوا۔ اُسے دربار میں لانے لگے، نصیر الدین طوسیؒ نے کہا، نہیں دجلہ کے کنارے لے کر چلو جہاں میری کتاب پانی میں پھینکی تھی۔ ابن حاجب نے ۳۰ کتابیں لکھی تھی۔ اُسی جگہ پر ایک ایک کر کے نصیر الدین طوسیؒ نے کتابیں پھینکنا شروع کیں جب تین کتابیں رہ گئیں تو ابن حاجب نے ہاتھ چھوڑ دیے کہ یہ بہت قیمتی کتابیں ہیں تمام عمر کی کمائی ہے۔ نصیر الدین طوسیؒ نے تسلیم کیا کہا ہم علم کے دشمن نہیں ہیں جو کتابیں دریا بُرد کیں اُن سے بہتر میں خود لکھ لوں گا لیکن یہ تین کتابیں ایک کتاب کافیہ۔ دوسری کتاب شافیہ اور تیسری کتاب اصول؛ عربی صرف نحو اور عربی اصول کو بچالیا اور یہ احسان ہے جناب نصیر الدین طوسی کا دوسرے مکاتب فکر پر کہ آج بھی یہ کتابیں اُن کے نصاب میں شامل ہیں۔ ابن حاجب کو اُس کے مظالم اور دشمنی اہلبیتؑ کی وجہ سے قتل کر دیا جاتا ہے۔

ہلاکو خان کا پورے ملک پر قبضہ ہو جاتا ہے جب ہلاکو خان بغداد پر حملہ کر رہا تھا تو حنفی اور شافعی لوگوں میں مناظرہ ہو رہا تھا کہ الو کا گوشت حلال ہے یا حرام اور شیعہ اکابرین باخبر تھے۔ نجف اشرف سے انہوں نے اپنا مرکز حلّہ بنالیا تھا کہ کہیں نجف اشرف کی حرمت پامال نہ ہو جائے۔ (لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام ظہور فرمارہے ہوں گے اور پاکستان کے شیعوں کے درمیان مناظرہ ہو رہا ہو گا کہ اللہ کون ہے، علیؑ ہے یا کوئی اور؟ نعوذ باللہ نقل کفر، کفر نباشد۔) اہل حلّہ نے ہلاکو خان سے ملاقات کی اور پناہ طلب کی ہلاکو خان مان گیا اور اُس نے کہا کہ وہ حلّہ کی طرف رُخ نہ کرے گا۔

یوں عباسی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ نصیر الدین طوسیؒ نے وزیر اعظم کا عہدہ صرف ایک سال کیلئے قبول کیا پھر وہ اپنی علمیت کی طرف واپس پلٹ آئے علم ہیت پر کام شروع کیا چاند پر جانا مریخ پر جانا مسلمانوں کی سب سے پہلی رصد گاہ ترکستان کے علاقے مراغہ میں بنائی۔ چاند سورج ستارے زلزلے سورج گرہن، چاند گرہن، زلزلہ کب آئے گا گرہن کب لگے گا آپ کا بنا ہوا سسٹم آج بھی رائج ہے اور کام کر رہا ہے۔ قطب الدین شیرازی اور نجم الدین آپ کے معاون بنے۔ نصیر الدین طوسیؒ کا مقصد حکومت حاصل کرنا، طاقت حاصل کرنا نہ تھا آپ کا اصل کام تو علمیت پھیلانا، تبلیغ دین کرنا تھا۔ سو آپ نے اپنی پوری توجہ علمیت اور تبلیغ پر رکھی اور کمالات پر کمالات کرتے چلے گئے۔

نصیر الدین طوسیؒ ایک مرتبہ سفر کر رہے تھے رات کا وقت تھا ایک گاؤں میں کسی کے گھر قیام کرنا تھا اُس کے مکان پر چکی لگی ہوئی تھی آپ نے باہر سونے کا ارادہ کیا تو میزبان آیا اور اُس نے کہا اندر سوئیں آج بارش ہو گی آپ بلا وجہ پریشان ہوں گے۔ آپ نے فوراً کہا اچھا بارش ہو گی اپنے خادموں سے کہا جاؤ میری رسدگاہ کے آلات لے کر آؤ۔ اب بیٹھے حساب لگانے۔ حساب لگا کر کہا نہیں آج بارش نہیں ہو گی مگر تم بتاؤ تمہیں کیسے پتہ چلا آج بارش ہو گی اُس نے کہا مجھے کیا معلوم مجھے کیا پتہ مجھے تو اتنا معلوم ہے کہ میرے پاس ایک کتا ہے جب بھی بارش ہونی ہو وہ باہر نہیں سوتا اندر سوتا ہے۔ وہ آج اندر سویا ہے۔ نصیر الدین طوسیؒ اتنے بڑے عالم، فقیہ، مجتہد، سائنسدان مگر ایک مرتبہ انتہائی پشیمانی میں کہتے ہیں وائے ہو تجھ پر نصیر الدین طوسیؒ تو اتنا بڑا عالم مگر تیرا علم ایک کتے کے علم سے آگے نہ جا سکا۔ اب اسے تزکیہ نفس کہیں، غرور سے بچنے کی تدبیر کہیں جو بھی کہیں مگر ہمارے لیے بہت بڑا سبق ہے کہ کبھی بھی غرور نہیں کرنا چاہیے کوئی کتنا بڑا عالم ہی کیوں نہ ہو۔

۶۷۲ھ تھی عید غدیر کا دن قریب آ رہا تھا آپ بغداد سے باہر گئے ہوئے تھے واپس آئے بیمار پڑ گئے بیماری تو ایسی نہ تھی مگر مومنین کو اکٹھا کیا اور کہا بس میرا وقت قریب آ گیا وصیت کیں غسل کفن کیلئے کہا فلاں کرے اتنے میں ایک مومن نے کہا آپ اتنے بڑے مجتہد ہیں ہمارا دل چاہتا ہے آپ کو نجف اشرف کی مقدس سرزمین پر دفن کریں۔ بس یہ سننا تھا آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا میں دُنیا کے کسی بھی مقام پر مرتا تو میری اپنی تمنا یہی ہوتی کہ میں نجف اشرف میں دفن ہوں نجف اشرف افضل ترین سرزمین ہے لیکن میں اس وقت بغداد میں ہوں مجھے شرم آتی ہے۔ اپنے ساتوں اور نویں امامؑ سے کہ اِن کے شہر میں میرا انتقال ہو رہا ہے اور میں اِن کو چھوڑ کر نجف اشرف چلا جاؤں۔ بغداد سے کاظمین کا علاقہ منسلک ہے ایک دوسرے سے مجھے کاظمین میں دفن کرنا اور دیکھو حرم کے اندر نہیں اتنی اہلیت نہیں رکھتا مجھے حرم کے دروازے پہ دفن کرنا جہاں زائرین گزرتے ہیں اور میری قبر پر قرآن کریم کی آیہ مبارکہ اصحاب کہف کے بارے میں ہے لکھ کر لگا دینا۔

''اصحاب کہف کے بارے میں یہ آیت آئی ہے کہ ان کا کتا ان کے غار کے دروازے پر پیر پھیلائے ہوئے بیٹھا ہے''

پیر کا دن تھا ۱۸ ذی الحج سن ۶۷۲ ہجری پروردگار عالم نے معصومینؑ کو عیدی دینا تھی۔ جب کوئی نیک بندہ دُنیا سے جاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اُن کی عمر اللہ تبارک وتعالیٰ کو زیادہ تھی۔ ۷۵ برس عمر پائی لوگ جنازہ لے کر چلے، جس مقام

کی وصیت فرمائی تھی، اُسے کھودنا شروع کیا۔ تھوڑی سی مٹی ہٹائی تھی تو پتہ چلا کہ نیچے ایک عالی شان تہہ خانہ ہے، جو فن تعمیر کا شاہکار ہے۔ لوگوں نے دیکھا کہ یہ دُنیا کا خوبصورت ترین مقام ہو سکتا ہے۔ جب تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ ایک عباسی حاکم نے اپنے لیے بنایا تھا۔ مگر وہ کہاں مرا کہاں دفن ہوا کچھ معلوم نہیں۔ البتہ یہ تہہ خانہ مکمل ہوا تاریخ تھی۔ ۱۱ جمادی الاول سن ۵۹۷ ہجری ہے اور یہ وہ دِن تھا جس دِن نصیرالدین طوسیؒ دُنیا میں آئے تھے۔ بس لوگ سمجھ گئے کہ تائید پروردگار آپ کے ساتھ ہے۔ آپ کو دفن کرنے کے بعد آپ کی قبر پر تختی لگائی گئی۔

''کہ اِن کا کتا دروازے پر پاؤں پھیلائے بیٹھا ہے۔''

اپنی وراثت میں سینکڑوں شاگردوں کی صورت میں ایک بیش بہا علمی خزانہ چھوڑا۔ بہت ساری بے مثال کتب چھوڑی۔ آپ کی ایک کتاب ہے تجرید، اصول دین میں ہے عقائد پر توحید، عدل، نبوت، امامت اور قیامت پر ایسی عظیم الشان اور بے مثال کتاب ہے کہ جب سے لکھی گئی ہے اس دِن سے لیکر آج تک حوزہ علمیہ کے نصاب میں شامل ہے۔ اس کتاب کی لوگوں نے تشریح لکھی ہے۔ خود علامہ حلّی نے اس کی شرح لکھی۔ حتیٰ کہ یہ کتاب جس کا تعلق عقائد سے ہے علمائے اہلسنت نے بھی اس کی شرح لکھی ہے ممتاز عالم دین اہلسنت خوشعی کی تشریح بہت مشہور ہے جو ایک نادر و نایاب کتاب کے طور پر مشہور ہوئی۔

اس سے بڑی سعادت کیا ہوگی کہ خواجہ نصیرالدین طوسیؒ کے بارے میں کہا گیا کہ آپ نے دین کی اتنی خدمت کی کہ آپ دین کو باقی رکھنے والوں میں سے ہیں۔ دین کی اتنی خدمت کسی اور نے آج تک نہیں کی۔ آپ کو اکابرین اہل سنت نے چھٹی صدی کا مجدد قرار دیا۔

☆☆☆

بسم تعالیٰ

جعفر بن یحییٰ محقق حلیؒ

۶۰۲ھ - ۶۷۶ھ

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا کہ ہلاکو خان کے دور میں شیعیت کا مرکز حلہ بنا اور حلہ میں جن کے پاس سب سے پہلے شیعہ کی قیادت گئی ان کا نام ہے محقق حلیؒ ۔ ہماری تاریخ کے ایک ممتاز عالم دین ہیں ۔ جب بھی لفظ محقق الگ استعمال ہو، تنہا استعمال ہو، تو اس سے مراد محقق حلیؒ لی جاتی ہے۔ محقق حلیؒ علامہ حلیؒ کے ماموں ہیں۔ محقق حلیؒ ۶۰۲ ہجری میں پیدا ہوئے اور سن ۶۷۶ ہجری میں ان کی وفات ہے۔ انھوں نے ۷۴ سال عمر پائی ۔ شیعیت کے ایک انتہائی اہم ترین مجتہد شمار کیے جاتے ہیں۔

لقب نجم الدین ہے، کنیت ابوالقاسم اور نام جعفر ہے۔ جعفر ابن یحییٰ ابن حسن ابن سعید محقق حلیؒ کی سب سے بڑی خصوصیت، خوبی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے کتاب لکھی ہے فقہ کی، جس کا نام ''شرائع الاسلام'' ہے۔ یہ محقق حلیؒ کی لکھی ہوئی کتاب ہے، یہ ایسی بہترین کتاب ہے فقہ میں دنیا کی تمام قوموں نے جب یہ دیکھنا چاہا کہ شیعہ فقہ کیا ہوتی ہے تو ہماری تمام کتابوں میں سے ہمیشہ اسی کتاب کا ترجمہ کروایا گیا ۔ یہ وہی کتاب ہے جس کا انگریزی میں ترجمہ ہوا اور کیمبرج اور آکسفورڈ کی یونیورسٹیوں میں جہاں شیعہ مذہب کی تاریخ پڑھائی جاتی ہے۔ اسی کتاب کو شیعیت کی وجہ سے پڑھایا جاتا ہے۔ جس کا ترجمہ جرمنی اور فرانسیسی زبان میں بھی ہوا۔ یہاں تک کہ روسی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ یہ اتنی جامع ترین اور بہترین کتاب ہے کہ یہ شیعہ مذہب کی نمائندگی کرتی ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ اس کی خوبی یہ ہے کہ جس دن سے یہ کتاب لکھی گئی ۔ اس دن سے لے کر آج تک شیعہ کا پوری دنیا میں کوئی مدرسہ ایسا نہیں جس میں یہ کتاب نہ پڑھائی جاتی ہو۔ کسی قسم کا کوئی مدرسہ ہو چاہے چھوٹے پیمانے کا مدرسہ ہو یا قم اور نجف جیسے اجتہادی درجے کا مدرسہ ہو۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کہیں پر دینی تعلیم دی جائے اور اس کتاب کو نہ پڑھایا جائے۔ اسی کتاب کی ایک شرح شیخ محمد حسن نے لکھی جس کا نام جواہر الکلام ہے۔ یہ وہ شرح ہے کہ جس کو پڑھ کر جامع ازہر کے پرنسپل نے شیعوں کے مسلمان ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔

یوں تو آپ کے اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں سے چند مشہور کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ والد شمس الدین حسن حلی

۲۔ دادا تاج الدین حسن بن علی دربی

۳۔ مفید الدین محمد بن جہم حلی

۴۔ سید مجد الدین علی بن حسن عریضی

۵۔ سدید الدین سالم بن محفوظ

۶۔ سید فخار موسوی

۷۔ نجیب الدین محمد بن جعفر

صاحب شرائع الاسلام محقق حلیؒ کی سب سے بڑی خصوصیت ہی یہ ہے کہ انھوں نے ایک ایسی کتاب اپنے بعد چھوڑی کہ جس کی نظیر آج تک ہمارے علماء میں سے کوئی عالم پیش نہیں کر سکا اور دوسری طرف علامہ حلیؒ کی صورت میں ایسا شاگرد چھوڑا کہ اس کی نظیر آج تک شیعیت کی تاریخ میں نہیں۔ وہ کتاب جو وہ چھوڑ کر گئے اور شاگرد جو وہ چھوڑ کر گئے۔

۱۔ علامہ حلیؒ

۲۔ ابن داؤد حلیؒ

۳۔ عبدالعزیز اسرایا صفی الدین حلی

۴۔ ابن طاؤس

۵۔ سید غیاث الدین

۶۔ عبدالکریم ابن طاؤس

۷۔ سید جلال الدین محمد بن علی بن طاؤس

۸۔ ابوذکریا نجیب الدین معروف ابن سعید مذکی حلی

محقق حلیؒ کی عظمت کا اندازہ اس سے کریں محقق حلیؒ عراق کے شہر حلّہ کے رہنے والے تھے۔ ایک مرتبہ محقق حلیؒ کو اطلاع ملی کہ ہلاکو خان کے وزیر اعظم نصیر الدین طوسیؒ حلّہ کی جانب تشریف لا رہے ہیں۔ آپ حلّہ کے علماء سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ محقق حلیؒ کو اطلاع ملی اتنا بڑا عالم آ رہا ہے۔ چنانچہ انھوں نے استقبال کی تیاریاں شروع کر دیں، ارادہ

کیا خود، دوسرے علماء اور شاگردوں کو لے کر نصیر الدین طوسیؒ جیسی عظیم الشان ہستی کا استقبال کریں گے۔ نصیر الدین طوسیؒ انہیں چھٹی صدی کا مجدد بھی کہا گیا ہے اور ان کے بارے میں یہ بھی کہا گیا کہ شیعیت کی جتنی تبلیغ اس فرد واحد نے کی ہے۔ معصومینؑ کے علاوہ کسی شخص نے مذہب شیعہ کی اتنی تبلیغ نہیں کی۔ چنانچہ اطلاع ملی کہ محقق حلیؒ ان کے استقبال کے لیے آنا چاہتے ہیں۔ آپ نے پیغام بھجوایا کہ میری خواہش یہ ہے کہ آپ میرے استقبال کے لیے تشریف نہ لائیں جو آپ کا معمول ہے آپ اُس کے مطابق کام کرتے رہیں۔ چنانچہ محقق حلیؒ کے پاس جب نصیر الدین طوسیؒ کی خواہش پہنچی تو اس کے بعد وہ اپنے معمول زندگی میں لگے رہے۔ جس دن نصیر الدین طوسیؒ حلّہ میں داخل ہوئے ان کو پتہ چلا کہ محقق حلیؒ اپنے معمول کے مطابق مسجد میں درس پڑھا رہے ہیں۔ اسی شرائع الاسلام کا سبق۔ نصیر الدین طوسیؒ فوراً شہر میں داخل ہوتے ہی مسجد کی جانب چلے۔ مسجد میں داخل ہوئے محقق حلیؒ نے دیکھا نصیر الدین طوسیؒ آئے۔ بڑے ادب کے ساتھ اُٹھ کر نصیر الدین طوسیؒ کے احترام میں محقق حلیؒ نے سبق بند کر دیا۔ جیسے محقق حلیؒ نے سبق بند کیا۔ نصیر الدین طوسیؒ نے فرمائش کی التماس کی کہ میں تو خاص طور پر آپ کے درس میں شرکت ہی کے لیے اتنی دُور سے سفر کر کے آیا ہوں، آپ اپنے سبق کو جاری رکھیے میں خود اسے سننا چاہتا ہوں۔

محقق حلیؒ سن ۶۷۶ ہجری ۱۳ ربیع الثانی کو اپنے مکان کی چھت پر ٹہل رہے تھے، ٹھوکر کھا کر اپنے مکان کی چھت سے گرے اور اسی وقت آپ کا انتقال ہو جاتا ہے۔ بڑی عزت و احترام کے ساتھ ان کے جنازے کو اُٹھا کر حلّہ کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو کوئی خلا نہیں تھا۔ شیعیت میں کوئی گیپ نہیں تھا بلکہ اِدھر ان کا انتقال ہوا اور اُدھر ان کے شاگرد علامہ حلیؒ کو جب ان کی عمر ۲۸ سال تھی مسند مل گئی۔

علم و دانش سے بھرپور درج ذیل تصنیفات آپ کی کاوش قرار پائیں۔

۱۔ شرائع الاسلام

۲۔ المختصر النافع فی فقہ الامامیہ

۳۔ النافع فی مختصر الشرائع

۴۔ المعتبر فی شرح مختصر النافع

۵۔ المعارج فی اصول الفقہ

بسم تعالیٰ

حسن بن یوسف علامہ حلیؒ

۶۴۸ھ - ۷۲۶ھ

آپ کی ولادت ۱۹ رمضان المبارک ۶۴۸ ہجری بمطابق ۱۲۵۰ عیسوی حلہ میں ہوئی۔ اسی مناسبت سے آپ حلی کہلوائے۔ اسم گرامی حسن اور والد کا نام یوسف ہے۔ یعنی حسن ابن یوسف ابن علی ابن مظاہر۔ مشہور ترین لقب علامہ، دوسرا جمال الدین اور تیسرا لقب جمال الملت ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور پھر آپ اپنے ماموں محقق حلیؒ کے شاگرد بنے۔

چھٹی صدی کے آخر اور ساتویں صدی ہجری کے آغاز میں فقہ اہلبیتؑ کا مرکز بغداد سے نجف اشرف منتقل ہوتا ہے پھر حلہ کی جانب، حلہ جو عراق میں دریائے فرات کے کنارے پر ہے اس وقت یہ ایک گمنام اور چھوٹا سا شہر تھا۔ لیکن عالمی حالات کے نتیجے میں آلِ محمدؐ کے ماننے والے شیعوں کی ایک بڑی تعداد معروف اور مشہور شہروں کو چھوڑ چھوڑ کر گمنام یا غیر معروف شہروں کی طرف ہجرت اختیار کر رہی تھی۔ چنانچہ حلہ اس زمانے میں آلِ محمدؐ کے ماننے والوں کا مرکز بنتا جا رہا تھا اور اسی دور کے مسلمانوں کے فرقہ وارانہ فسادات کی شدت نے منگولوں کو متوجہ کیا کہ وہ مسلمانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھائیں اور اپنی حکومت میں توسیع کریں۔ چنانچہ چنگیز خان اس کے بعد اس کے پوتے، بیٹے مسلسل اسلامی حکومت پر حملے کرتے رہے اور اس کے نتیجے میں وہ دن آگیا کہ بنو عباس کا خاتمہ اور بغداد پر ہلاکو خان کا وہ حملہ کہ آج تک مسلمان اپنی تاریخ میں بغداد پر اس حملے کے دن کو تاریخ اسلام کا سیاہ ترین اور غمناک ترین دن تصور کرتے ہیں۔ بغداد کے اس حملے کے نتیجے پر جب وحشی تاتاریوں نے قتل عام شروع کیا تو اس وقت بغداد کے تمام کتب خانے، تمام لائبریریاں اور تمام کتابیں پھاڑ پھاڑ کر پھینک دیں۔ تاریخ کے لفظ ہیں کہ اتنی کثرت کے ساتھ کتابوں کو دریا میں ڈالا گیا کہ دریا کا رنگ سیاہ پڑ گیا۔ سیاہی کتابوں کے صفحات سے نکل کر پانی کے اوپر جمتی چلی جا رہی تھی۔ پورا دریائے دجلہ سیاہ نظر آنے لگا۔ ان ہزاروں کتابوں کی سیاہی کی وجہ سے جو اس میں پھینکی جا رہی تھیں، اس میں غرق کی جا رہی تھیں، جب بغداد میں قتل عام کیا جا رہا تھا تو اس وقت بغداد کے قریب میں حلہ نامی یہ شہر مرکزیت اختیار کر رہا تھا۔ اہلبیتؑ کے ماننے والوں کی اور آلِ محمدؐ کی فقہ کی تبلیغ کرنے والوں کی بغداد کی اس تباہی میں جہاں عام کتابیں تباہ ہوئیں۔ وہاں آلِ محمدؐ کی احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ

بھی تباہ ہوا۔

آلِ محمدؐ کی احادیث پر مشتمل کتابوں کو بھی بڑی تعداد میں جلایا گیا اور دریا میں ڈالا گیا۔ اگرچہ آلِ محمدؐ کی احادیث پر یہ ستم ابتداہی سے چلا آرہا تھا مگر بغداد کی تباہی نے احادیث کی بہت کتابوں کو نقصان پہنچایا۔ چنانچہ جب فقہ اہلبیتؑ کا مرکز حلّہ بنا تو وہاں پر نہ صرف یہ مسئلہ تھا کہ اس تباہی کے بعد آلِ محمدؐ کے ماننے والوں کو کس طرح ایک مرکز پر جمع کیا جاسکے۔ بلکہ ساتھ ساتھ یہ مسئلہ بھی تھا کہ یہ فقہ اہلبیتؑ کہ جس کا دارومدار قرآن اور احادیث پر ہے۔ احادیث کی اتنی کتابیں جو جل گئیں یا ختم ہوگئیں تو اب کس انداز سے فقہ کی دیواروں کو استوار کیا جائے۔ بڑا نازک مرحلہ تھا۔ نہ صرف یہ کہ آلِ محمدؐ کے شیعوں نے اپنی جانوں کو محفوظ کرنا تھا۔ اس پیغام کو آگے بڑھانا تھا، بلکہ علمی اعتبار سے بھی وہ فقہ جو ضائع ہوتی نظر آرہی تھی ، اسے بھی محفوظ کرنا تھا۔ قدرت نے اس مقام پر علامہ حلّیؒ کے خاندان کو پیدا کیا کہ جس نے تمام کام کو بخوبی انجام دیا۔ ایک طرف دل شکستہ اور کمزور شیعوں کو مرکزیت دلوائی ، انھیں ایران کی صورت میں ایک بہت بڑا علاقہ مل گیا اور دوسری جانب بغداد کی تباہی اور اس سے پہلے بغداد کے فسادات کے نتیجے میں محبانِ آلِ محمدؐ میں کوئی خلاء اور کمی نہ ہوئی۔

علامہ حلّیؒ نے اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا کہ علماء نے علامہ کا لفظ ہی حلّیؒ کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ یہ لفظ علامہ ہمارے یہاں کی طرح تقسیم نہیں ہوا۔ بلکہ علمائے اعلام، مجتہدین عظام اور مفکرین اسلام نے علامہ حلّیؒ کو یہ لقب عطا کیا۔ علامہ حلّیؒ کے دور میں دو مسئلے سامنے تھے۔ پہلا مسئلہ یہ تھا کہ ایک مرکزیت شیعوں کو دی جائے۔ اب تک کے مظالم کے نتیجے میں جو شیعیت بکھر چکی تھی۔ ایسا نہ ہو اس طرح بکھرنے کی وجہ سے وہ آہستہ آہستہ اپنے دین اور مذہب سے دُور ہوتے جائیں۔ انہیں ایک مقام پر جمع کیا جائے۔ اس میں تو علامہ حلّیؒ سے قبل خواجہ نصیرالدین طوسیؒ، انھوں نے سب سے بنیادی کام انجام دیا تھا، لیکن اب دوسرا اہم ترین کام یہ تھا کہ فقہ اہلبیتؑ کو جمع کیا جائے اور جمع کرنے کے بعد احادیث کے اس ذخیرے کو ختم ہونے کی وجہ سے جو نقصان ہو رہا ہے۔ ایسے اُصول قائم کیے جائیں، اس انداز سے احادیث کو جمع کیا جائے تاکہ اس نقصان کا ازالہ کیا جاسکے۔ تب حلّہ ایک عالمی مرکز بنا۔ فقہ آلِ محمدؐ جس کا پہلا مرکز مدینہ تھا اور دوسرا مرکز بغداد تھا۔ تیسرا مرکز نجف اشرف اور اس کا چوتھا مرکز حلّہ بنا۔

تاریخوں میں ایک واقعہ موجود ہے۔ جب خواجہ نصیرالدینؒ جو ہلاکو خان کے وزیر اعظم تھے۔ بغداد سے حلّہ تشریف لائے کہ علمائے حق سے ملاقات کی جائے، تو اس وقت وہ محقق حلّیؒ کے پاس پہنچے۔ محقق حلّیؒ کے درس میں شرکت کے

لیے۔ محقق حلیؒ اس وقت تمام دنیائے شیعیت کے مجتہد اور مرجع عالی قدر تھے۔ ان کے درس میں حاضر ہوئے، محقق حلیؒ کا درس جب ختم ہوا تو اس کے بعد نصیر الدین طوسیؒ نے محقق حلیؒ سے پوچھا کہ اس شہر حلہ میں آپ کے نزدیک سب سے بڑا عالم کون ہے۔ محقق حلیؒ نے جواب دیا ہمارے پورے شہر پر خدا کی خاص برکت ہے اور یہاں اتنے علماء ہیں کہ یہاں پر فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہاں بڑا کون ہے اور چھوٹا کون ہے۔ محقق حلیؒ کا جواب سن کر نصیر الدینؒ نے ایک سوال کیا کہ علم اُصول اور فقہ میں سب سے بڑا عالم کون ہے۔ محقق حلیؒ نے فی الفور علامہ حلیؒ کے والد جو ان کے شاگرد تھے۔ ان کی جانب اشارہ کیا اور بتایا کہ میرے نزدیک اس پوری شیعیت میں، علم وفقہ میں علامہ حلیؒ کے والد سب سے بڑے عالم ہیں۔ خواجہ نصیر الدین طوسیؒ نے یہ پوچھنے کے بعد کہ سب سے بڑا عالم کون ہے پھر یہ پوچھا کہ آپ کے شاگردوں میں سب سے ممتاز شاگرد کون ہے تو محقق حلیؒ نے فی الفور علامہ حلیؒ کی جانب اشارہ کیا اور جواب دیا میرے شاگردوں میں سب سے ممتاز شاگرد یہی ہیں۔ ۹ سال کے علامہ حلیؒ جب کہ محقق حلیؒ کے شاگردوں میں بڑے بڑے مجتہدین اور چالیس، پچاس سال کے فضلاء بھی تھے لیکن اشارہ کیا گیا کہ اس ۹ سال کے بچے کی جانب۔ علامہ حلیؒ وہ ہیں جو ۱۱ سال کی عمر میں مجتہد بنے۔ گیارہ سال کی عمر میں بھی گیارہ سال کے بچے کو دیکھئے اور سوچیں! جب گیارہ سال کی عمر میں علامہ حلیؒ نے اپنا درس شروع کیا، پانچ پانچ سو علماء آتے اور علامہ حلیؒ کے درس سے استفادہ حاصل کرتے تھے لیکن بہر حال بچہ کتنا ہی بڑا عالم بن جائے۔ بچہ تو بچہ ہی رہتا ہے۔ چنانچہ یہ انھی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ قرآن وحدیث کا درس دے رہے تھے۔ پانچ یا چھ سو علماء کا مجمع تھا۔ جو ہمہ تن گوش اپنے استاد کی بات کی طرف متوجہ تھے اور گیارہ، بارہ سال کا بچہ عمامہ پہن کر کھڑا سب کو درس پڑھا رہا ہے۔ اتنے میں وہ مقام جہاں پر یہ درس دیا جارہا تھا۔ دو چڑیاں آپس میں لڑتی ہوئی آئیں اور گر پڑیں۔ دو چڑیاں گریں علامہ حلیؒ باوجود مجتہد ہونے کے اتنے بڑے عالم ہیں بہر حال ہے تو بچپنا بے اختیار قرآن وحدیث کا درس دیتے دیتے اپنا عمامہ ان چڑیوں پر رکھ کر انہیں پکڑ لیا اور ان کو اپنے ہاتھ میں لے کر ان سے کھیلنے لگے۔ چھ سو مجتہد اور چھ سو علماء فضلاء کا مجمع ہے اور یہ علامہ حلیؒ ان چڑیوں کو ہاتھ میں لے کر ہنس رہے ہیں اور درس بھی جاری ہے۔

یہ بچپنے کی کیفیت ہے۔ اتنا بچپنا تھا لیکن دوسری جانب علم وفضل اتنے کمال کا تھا۔ چنانچہ وہ بھی ان کا مشہور ومعروف واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ چھ یا سات سال کی عمر تھی۔ اپنے ماموں محقق حلیؒ کے پاس بیٹھے۔ محقق حلیؒ سبق پڑھا رہے تھے۔ کوئی

شرارت کی علامہ حلیؒ نے محقق حلیؒ کو غصہ آیا۔ چنانچہ وہ سزا دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ علامہ حلیؒ نے جب محقق حلیؒ کو آتے دیکھا تو ایک مرتبہ گھبرا کر بھاگے۔ سزا سے بچنے کے لیے علامہ حلیؒ آگے بھاگ رہے ہیں اور ۶ سال کی عمر ہے۔ پیچھے محقق حلیؒ آرہے ہیں کہ انہیں پکڑ کر سزا دی جائے۔ علامہ حلیؒ نے دیکھا کہ بس میرے استاد میرے قریب پہنچ گئے ہیں۔ کسی بھی وقت ہاتھ بڑھا کر میری گردن پکڑ سکتے ہیں۔ اپنی جان بچانے کے لیے، سزا سے بچنے کے لیے کس عجیب وغریب ترکیب سے کام لیا۔ مشہور و معروف واقعہ ہے کہ جیسے ہی دیکھا محقق حلیؒ کا ہاتھ میری گردن کو پہنچ سکتا ہے۔ بے اختیار قرآن کی وہ آیت پڑھ دی جسے سننے کے بعد سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ ادھر آیت کو پڑھا، ادھر محقق حلیؒ پر سجدہ واجب ہو گیا۔ ہر بالغ آدمی جو اس آیت قرآنی کو جو سنے یا پڑھے تو ان پر واجب ہے کہ فی الفور کوئی کام کیے بغیر سجدہ کرے۔ محقق حلیؒ مجبور ہو گئے۔ اگرچہ ہاتھ بڑھا کر پکڑ سکتے تھے مگر سجدے کی آیت سن لی اور فوراً سجدے میں چلے گئے۔ کیونکہ علامہ حلیؒ نابالغ تھے، نابالغ پر سجدہ واجب نہیں ہے اور جان بچانے کا موقع ملا۔ پھر جب محقق حلیؒ سجدے سے سر اُٹھاتے ہیں۔ علامہ حلیؒ کے پیچھے آتے ہیں پھر علامہ حلیؒ نے یہ منظر دیکھا کہ میرے ماموں میرے قریب پہنچ گئے ہیں۔ پھر ایک مرتبہ سجدے کی آیت پڑھی۔ محقق حلیؒ پھر سجدے میں گرے اور علامہ حلیؒ کو جان بچانے کا موقع ملا۔

تین چار مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا۔ محقق حلیؒ نے اپنے بھانجے کی تیز ذہنیت کو دیکھا غصہ جاتا رہا۔ بے اختیار ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی اور آگے بڑھ کر گلے سے لگا لیا اور یہ پیشین گوئی کہ مجھے یقین ہے کہ تو آگے جا کر اس مقام پر پہنچے گا کہ لوگ مجھے بھی بھلا دیں گے اور دیکھا تاریخ نے واقعاً علامہ حلیؒ اس منزل اور مقام تک پہنچے۔ اب بچپنے میں جس کی یہ کیفیت ہو۔ بچپنے میں جو اس انداز سے علم حاصل کر رہا ہو خود آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جوانی میں جا کر علامہ حلیؒ کس مقام تک پہنچے ہوں گے۔ بچپنے میں ان کا ایک اور واقعہ تاریخ میں لکھا ہے کہ قرآن پر کتنا عبور تھا ان کو۔ یہ ۶ سال کی عمر سے پہلے کا واقعہ ہے۔ چھ سال کی عمر میں تو یہ ماموں کے پاس چلے گئے تھے۔ ۴ یا ۵ سال کے علامہ حلیؒ اپنے والد کے سامنے بیٹھے ہیں۔ سبق ہو رہا ہے اور اس وقت ایک مستری دیوار کی مرمت کر رہا تھا۔ صحن میں باپ اور بیٹا بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ دیوار کی مرمت کر رہا تھا۔ مٹی کی دیواریں اس زمانے میں بنائی جاتی تھیں۔ اس وقت عمر صرف ۴ سال کی تھی۔ اب ۴ سال کا بچہ چہرے کے اوپر آکر مٹی گری۔ مستری نے دیکھا خاندان کو جانتا ہے کہ اتنا بڑا خاندان ہے۔ بے اختیار کہا کہ کاش! یہ مٹی میں ہوتا۔ اب یہ اس کی محبت اور عقیدت ہے۔ اب یہ علامہ نہیں ۴ سال کی عمر ہے لیکن بہر حال محقق کے بھانجے ہیں۔ وہ کہہ رہا ہے کہ کاش!

وہ مٹی میں ہوتا جو چہرے پر گری۔ ۴ سال کی عمر مگر بے اختیار ان کے منہ سے یہ آیت نکل گئی

وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنتُ تُرَابًا ۝

تیسویں (۲۳) پارے کا پہلا سورہ کہ قیامت کے دن کافر کہے گا کہ کاش میں مٹی ہوتا۔

اب یہ قرآن پہ عبور کی مثال ہے چار سال کی عمر ادھر مستری نے یہ جملہ کہا جس سے مشابہ آیت ہے قرآن میں اور بے اختیار چار سال کے بچے کی زبان پر وہ آیت جاری ہوگئی۔ چھ سال کی عمر میں جس کی فقہ کی یہ کیفیت کہ محقق حلیؒ کو آیت قرآن پڑھ پڑھ کر بار بار پیچھے آنے سے روک رہے ہیں اور گیارہ سال کی عمر میں جس کی یہ کیفیت کہ ایک جانب بچپنے کی یہ حالت کہ چڑیاں لڑتی ہوئی گری تو اُٹھا کر ان سے کھیلنے لگے اور دوسری جانب علم وفضل کی یہ کیفیت کہ پانچ سو یا چھ سو علماء بیٹھ کر اس گیارہ سال کے بچے سے سبق لے رہے ہیں۔ یہی بچہ جب آگے بڑھا تو علامہ حلیؒ قرار پایا۔

علامہ حلیؒ کی تمام تر عظمت ان کے علم کی وجہ سے ہے مگر ان کا ایک کارنامہ ایسا ہے جس کی بنا پر یہ کہا جاتا ہے اور علماء بیان کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے آج ایران میں شیعیت کا انقلاب ہے اور اس اسلامی انقلاب کی برکتیں ہیں مگر اس کی بنیاد علامہ حلیؒ نے اپنے زمانے میں رکھی تھی۔

اُن دنوں مملکت ایران مرکز تھا دشمنی اہلبیتؑ کا، وہاں پر پہلی مرتبہ دین حقہ کی بنیاد رکھی۔ اگر چہ اس کے بعد محقق ثانی کرکیؒ نے صحیح معنوں میں تبلیغ کی مگر پہلی مرتبہ دین حقہ کی بنیاد رکھنے والے پہلی اینٹ رکھنے والے پہلا بیج بونے والے یہی علامہ حلیؒ ہیں اور یہی کارنامہ انہیں تاریخ میں سب سے ممتاز کرتا ہے۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ہلاکو خان کے بعد منگول حکمران مملکت ایران میں اسلام قبول کر کے رہنے لگے اور وہ جو کل تک اسلام کے بڑے دشمن تھے وہ آج مسلمان کیسے بنے۔ ہمارا سلام ہو خواجہ نصیر الدین طوسیؒ پر جنہوں نے ان وحشی درندوں کو مسلمان بنایا۔ اسلام قبول کیا۔ اسلام کے بعد وہ زندگی بسر کر رہے ہیں اور مختلف علاقوں میں ان کی حکومت ہے۔ ہلاکو خان کا پر پوتا یعنی ہلاکو خان کے پوتے کا بیٹا سلطان خازان خان ایران کا علاقہ اسے ملا اور علاقے بھائیوں میں تقسیم ہوئے۔ سن ۷۰۲ھ میں ایک مرتبہ اس کے دار الخلافہ میں ایک قتل ہو گیا۔ مسجد کے اندر جمعہ کا دن تھا۔ نماز جمعہ ختم ہوئی نماز جمعہ کے ختم ہونے کے بعد ایک سید نے آل محمدؐ سے تعلق رکھنے والے اس مرد ضعیف نے ظہر کی نماز فرادا کی نیت سے پڑھی اور جب لوگوں نے اس کو ظہر کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فوراً پکار اٹھے یہ رافضی ہے جو جمعہ کے بعد ظہر کی نماز پڑھ رہا ہے لوگوں نے اس پر حملہ کیا اور اللہ کی عبادت میں اسی جمعہ کے روز

اس کو شہید کیا۔ مسجد میں اس کا خون بہایا گیا۔ اس سید کے وارثوں نے جب ظلم و ستم دیکھا تو وہ خازان خان کی بارگاہ میں پہنچے اور وہاں پہنچنے کے بعد اس سے شکوہ شکایت کی اور جا کر اسے بتایا کہ اس طرح بھری مسجد میں نماز پڑھنے کے جرم میں اس سید کو شہید کیا گیا ہے۔ سلطان نے سنا اس کے دل پر بے انتہا اثر ہوا۔ اس نے سوچا یہ کیسا اسلام ہے جس میں ایک رسولؐ زادے کو احق جرم میں شہید کر دیا جاتا ہے کہ وہ مسجد میں نماز کیوں پڑھ رہا ہے چنانچہ اس مذہب حقہ کی مظلومیت نے اس پر اثر کیا اور اس نے مذہب شیعہ قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ متعصب ماحول تھا کہ جس میں ایک شخص کو نماز پڑھنے کے جرم میں شہید کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ وہ خود تو مذہب حقہ کو قبول کرتا ہے مگر اس کے بعد اس مذہب کو پھیلا نہیں سکتا۔ اس قابل نہیں عوام اس کے دشمن ہو جائیں گے۔ بہر حال خود اُس نے اس مذہب کو قبول کر لیا اور اس کے انتقال کے بعد اس کا بھائی سلطان محمد ایران کا بادشاہ بنا۔ یہ سلطان محمد وہ ہے جسے صاحبانِ ایمان خدا بندہ کہتے ہیں۔ یعنی یہ خدا کا بندہ اور وہ لوگ جنہوں نے یہ جانا کہ اس کی وجہ سے پورا ایران اہل بیتؑ کا غلام بنا ہے۔ وہ اس کا نام معاذ اللہ خربندہ (خر فارسی میں گدھے کو کہتے ہیں) کہتے ہیں۔

خربندہ اور خدا بندہ یہ دو نام ہمیں کتابوں میں ملتے ہیں۔ لیکن اصلی نام ہے سلطان محمد اور یہ سلطان محمد اصل میں حنفی مسلک سے تھا۔ اس کا وزیر اعظم وزیر الدین شافعی، شافعی مذہب کا تھا اور اس کی پوری زندگی یہ کوشش رہی کہ میں سلطان کو اپنے مسلک پر لے آؤں۔ مسلمانوں کے باہمی اختلافات نے تاریخ میں کئی واقعات رقم کیے ہیں جو دردناک ہیں۔ اُن ہی دنوں بخارا سے ایک شافعی عالم پڑھ کر آئے۔ جن کا نام تھا نظام الدین جب بادشاہ وقت سلطان خدا بندہ نے اُن کے علم و فضل کو دیکھا تو انہیں قاضی القضاۃ یا چیف ان جسٹس مقرر کر دیا۔ اب نظام الدین خود شافعی ہے اور وزیر بھی شافعی ہے اور سلطان نظام الدین کے علم سے متاثر بھی ہیں۔ وہ چیف جسٹس بھی ہیں ان تمام چیزوں نے مل کر اثر کیا تو سلطان نے حنفی مذہب کو چھوڑ کر شافعی مذہب اختیار کر لیا۔ جب وہ شافعی مذہب اختیار کرتا ہے تو حنفی مذہب کے علماء بڑے پریشان ہو کر گھبرا جاتے ہیں انھوں نے پورا زور لگا دیا کہ اسے دوبارہ اپنے مذہب پر واپس لایا جائے۔ مگر قاضی نظام الدین کا علم اتنا زیادہ تھا کہ وہ ناکام ہو رہے تھے۔ سن ۷۰۹ ہجری میں بخارا سے ایک حنفی عالم ابن صدر یہاں تشریف لائے۔ انتہائی جید اور انتہائی نمایاں عالم دین ہیں اپنے مذہب کے جب وہ آئے تو دارالخلافہ میں حنفی علماء کو کچھ تقویت ملی اور اب ان سب نے مل کر سوچا کہ کسی طریقے سے سلطان کو دوبارہ حنفی بنایا جائے۔ ورنہ یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شافعی رہے گا اور اس کی اولاد

میں یہ مذہب چلے گا۔ قاضی ابن صدر نے کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اب اس جمعہ کے دن میں ایک ایسا سوال کروں گا قاضی نظام الدین سے کہ بادشاہ کا دل اُس سے ہٹ جائے گا اور وہ ہمارے مذہب کی طرف پلٹ آئے گا۔

یہ تاریخ اسلام کا بڑا دردناک واقعہ تھا۔ یہ پورا دور اس دور میں جتنے بھی علماء گزرے ہیں ان کے حالات کو بیان کرتے وقت بڑی تفصیل اور مکمل کر بات کرنا پڑتی ہے مگر حقائق تو اس سے کہیں زیادہ دردناک ہیں جو کتابوں کے اندر موجود ہیں۔ خیر جمعہ کا دن آیا۔ قاضی ابن صدر جہاں تیار ہو کر دربار میں گئے۔ بادشاہ وہاں سے نماز پڑھنے کے لیے آتا ہے۔ آپ تیار ہو کر گئے تھے کہ آج ایسا اعتراض کروں گا کہ بادشاہ فوراً اس کا مذہب جس پر وہ چلا آرہا ہے چھوڑ کر اسے ترک کر دے گا۔ دربار میں گئے۔ اب دونوں علماء کے درمیان جو اختلاف پیدا ہوا تو دونوں مذاہب کی کتابیں منگوائی گئیں۔ دیکھا گیا دونوں کی باتیں اپنی جگہ درست ہیں۔ بادشاہ نے جو سنا تو ناراض ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا کہ یہ کیسا مذہب ہے۔ اس کے وزیروں میں سے ایک شافعی، ایک حنبلی، ایک حنفی، ایک مالکی اور ایک وہ بھی تھا جو مرد مومن تھا جس کو اس کے بھائی نے وزیر رکھا تھا۔ جس کا انتقال ہو گیا تھا۔ ورنہ تو یہ کبھی وزیر نہ بن سکتا تھا۔ جب دربار میں سے محل میں گیا تو شیعہ وزیر اس کے پاس آیا جس سے اس کے بچپن کی دوستی تھی۔ دونوں بچپن میں ساتھ پلے تھے بڑھے تھے۔ جب اس نے دیکھا کہ بادشاہ اتنا پریشان ہے تو اس نے پوچھا کیا بات ہے۔ آپ اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہیں۔ اس نے کہا کہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں نے اسلام قبول کر کے صحیح قدم اٹھایا یا بہت زیادہ غلطی کرلی۔ میں کفر کو چھوڑ کر تو مسلمان ہوا ہوں کیا وہ دوبارہ مجھے کفر کی جانب لے جانا چاہ رہے ہیں۔ بادشاہ پریشان اور فکر مند تھا۔

انہی دنوں میں بادشاہ کو ایک خاص مسئلہ پیش آیا۔ اس کی کئی بیویاں تھیں۔ اُس کو اپنی ایک بیوی سے بے انتہا محبت تھی۔ دوران گفتگو وہ ایک بات پر اپنی بیوی سے جذبات میں ناراض ہوا۔ غصہ میں آیا اور کہہ دیا، انت طلاق ثلاثہ کہ تیرے اوپر تین طلاقیں ہوں۔ غصے کی حالت میں یہ کہہ بیٹھا لیکن جب تھوڑے دنوں کے بعد غصہ اترا۔ تو اب وہ پریشان ہوا اور سب بیویوں میں سے اُس بیوی کے ساتھ زیادہ محبت تھی۔ اب اسے کیسے چھوڑا جائے۔ کیسے علیحدہ کیا جائے۔ چنانچہ اس نے دربار کے تمام علماء کو جمع کیا اور جمع کرنے کے بعد کہا کہ یہ مسئلہ پیش آیا ہے۔ کیا شریعت اسلامیہ میں اس کا کوئی حل ہے کوئی ایسا طریقہ ہے کہ مجھے اپنی بیوی کو نہ چھوڑنا پڑے۔ میرا اور اس کا رشتہ قائم رہے۔ سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا۔ طلاق تو ہو چکی صرف ایک ہی طریقہ ہے حلالہ کا کہ اب آپ کی بیوی کسی اور آدمی سے نکاح کرے، وہ آدمی صحیح معنوں

میں اس کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے بعد اُسے با خوشی طلاق دے، تب دوبارہ آپ اس سے نکاح کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی طریقہ نہیں۔

بادشاہ نے سنا یہ عمل اور اس کی عزیز ترین اور محبوب ترین بیوی کو کسی اور شخص کے نکاح میں دیکھے۔ چنانچہ اس نے کہا یہ تو ممکن ہی نہیں کوئی راستہ اور بتاؤ، کوئی اور طریقہ ہے سارے مذاہب کے علماء بیٹھے ہیں سب ایک ساتھ کہہ رہے ہیں نہیں کوئی اور طریقہ نہیں۔ بادشاہ نے پوچھا بعض اوقات کچھ مسائل میں اختلاف بھی ہوتے ہیں کیا اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں سب نے کہا نہیں اس مسئلے میں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔ ایک شخص کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا میں نے سنا ہے کہ جو فقہ شیعہ ہے اس کے اندر بلکہ اسے بھی کہنا پڑا فقہ رافضی جو رافضیوں کی فقہ ہے اسکے اندر اس مسئلہ میں طلاق کہیں نہیں اس انداز سے باقی رہ سکتا ہے جس انداز سے پہلے تھا۔ بادشاہ نے سنا اور ایک مرتبہ پوچھا وہ لوگ کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں جواب دیا کہ وہ تو یہاں سے بہت دور حلّہ میں رہا کرتے ہیں۔ دربار کے باقی جتنے عالم تھے وہ سب احتجاج کرنے لگے۔ بادشاہ سے کہنے لگے یہ آپ کس کی باتوں میں آگئے۔ یہ جن لوگوں کا تذکرہ کر رہا ہے وہ انتہائی احمق اور کم عقل ہیں۔ وہ دین سے ہٹے ہوئے اور گمراہ لوگ ہیں اور ان کے عالم بھی ایسے ہیں بادشاہ اس وقت اپنے مسئلہ میں پھنسا ہوا تھا۔ سلطان محمد خدا بندہ اس نے کہا خیر کچھ بھی سہی میں انہیں بلا لیتا ہوں تم ان سے بات کر لینا۔ اگر وہ بالکل ہی کم عقل اور بے وقوف ہوئے تو میں انہیں قتل کرادوں گا اور یہ کہہ کر اس نے حلّہ کے علماء کے نام ایک خط لکھا اور کہا اس مسئلے پر آپ کی رائے چاہیے اور آپ تشریف لائیں۔

یہ خط وہاں پہنچا۔ علمائے حلّہ نے غور وفکر کیا بعد میں مشورہ کیا کہ وہاں نہیں جانا چاہیے۔ یہ تاتاری جو ہمیں کافر سے بھی بدتر سمجھتے ہیں۔ اُن کے سامنے بات کرنا بے کار ہے ایسا نہ ہو جان ضائع جائے اور نتیجہ کچھ حاصل نہ ہو لیکن علامہ حلیؒ تیار ہو گئے اور کہا کہ دین خدا کی خاطر ایک قربانی یہ بھی سہی۔ اپنے ساتھ اپنے بیٹے فخر المحققین کو لیا۔ باپ اور بیٹے وہاں سے چلے اور سیدھے تاتاریوں کے دار الخلافہ میں پہنچے۔

یہ ایک تاریخ کی حقیقت ہے جس کا کسی مذہب یا مسلک سے تعلق نہیں۔ نہ یہ کسی پر اعتراض ہے نہ کسی مذہب کی اچھائی، نہ برائی۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ اب جو یہ دار الخلافہ میں پہنچے اور حاکم وقت کو اطلاع ملی تو اس نے حکم دیا انہیں لایا جائے۔ انہیں میری خدمت میں میرے دربار میں حاضر کیا جائے۔ بس حکم ملا کہ دربار میں حاضر کیا جائے۔ علامہ حلیؒ پہنچے دربار میں۔ دربار سجا ہوا تھا۔ لوگ کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ علامہ حلیؒ داخل ہوتے ہیں۔ داخل ہونے کے بعد جوتیاں

اُتاریں، جوتیاں اتار کر بغل میں دبائیں اور دربار میں داخل ہوتے ہی سلام کیا اور پورے دربار کو چیرتے ہوئے بادشاہ کے سب سے پاس والی کرسی پر جا کر بیٹھ گئے۔

علامہ حلیؒ کا اس انداز میں آنا تھا کہ تمام کے تمام درباری علماء کا قہقہہ لگا اور بادشاہ سلطان محمد کی طرف مخاطب ہو کر کہتے ہیں، ہم لوگ تو پہلے ہی کہتے تھے کہ یہ سب کے سب لوگ بے وقوف اور احمق ہیں۔ آپ نے دیکھا یہ ان سب کا لیڈر بن کر آیا ہے اور اس کی بے وقوفی کس قسم کی ہے۔ بادشاہ نے کہا تم ہی اس سے گفتگو کرو۔ بس ایک دفعہ سب نے علامہ حلیؒ کا گھیراؤ کر لیا اور کہا کہ ذرا یہ تو بتائیے جب آپ داخل ہوئے تھے تو آپ نے دربار کے طریقوں پر عمل کیوں نہیں کیا اور سلطان کو سجدہ کیوں نہ کیا۔ علامہ حلیؒ سوال سنتے ہیں کہ آپ نے بادشاہ کو سجدہ کیوں نہ کیا۔ اتنا بڑا حاکم، اتنا بڑا بادشاہ، اتنا عظیم حاکم اور آپ اسی انداز سے چلے آ رہے ہیں۔ علامہ حلیؒ کہتے ہیں کہ تم یہ بتاؤ کہ یہ حاکم زیادہ بڑا ہے یا پیغمبر اسلامؐ زیادہ بڑے ہیں۔ درباری علماء کے سامنے بھاگنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ کہا بڑائی میں کون سا شک۔ تو جواب دیا کہ اگر میں پیغمبرؐ کے سامنے جاتا تو انہیں سجدہ نہ کرتا تو یہاں میں سجدہ کرتے کیسے داخل ہوں ہمارا اور تمہارا بلکہ تمام مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے کہ غیر خدا کو سجدہ کرنا حرام ہے اور کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا۔

''اذا دخلتم بیوتا فسلمو''

اے صاحبانِ ایمان جب کسی کے پاس جاؤ تو سلام کرو۔

میں نے حکم قرآنی پر عمل کیا ہے۔ درباری علماء سنتے ہیں ایک مرتبہ خفیف ہو کر سر کو جھکایا۔ یہ تو بتاؤ کہ تم سب سے آگے جا کر کیوں بیٹھے۔ ہمارے برابر کیوں نہیں بیٹھے؟ کہا مجھے اُس کے علاوہ کوئی جگہ خالی نظر نہ آئی۔ اس لیے میں وہاں کیا کرتا۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم نے جوتیاں اتار کر بغل میں کیوں دبائیں۔ یہ جوتیاں بغل میں دبا کر کیوں آ رہے ہو۔ کیا تمہیں پتہ نہیں اس سے بادشاہ کی توہین ہو رہی ہے۔ علامہ حلیؒ کا جواب دینا باعث بنا مزید گفتگو کا جس کا خلاصہ یہ نکلا کہ بادشاہ نے اپنا مسئلہ پیش کیا۔

بادشاہ سلطان محمد خدابندہ اتنی گفتگو سنتا ہے۔ کہتا ہے خیر ان باتوں پر تو بعد میں گفتگو ہوگی۔ بتائیے میں نے اس طرح طلاق دی یہ صحیح ہے یا غلط؟ علامہ حلیؒ نے ایک سوال کیا۔ سوال یہ کیا کہ یہ طلاق جو دی تھی کیا ۲ عادل گواہ اپنے کان سے سن رہے تھے۔ سلطان نے کہا میں اور میری بیوی ہم دونوں تنہا تھے۔ کوئی اور سننے والا نہ تھا پھر علامہ حلیؒ کہتے ہیں یہ طلاق واقع

ہی نہیں ہوئی اور وہ بیوی آپ کی اب تک بیوی ہے اس لیے کہ ہمارے امیر المومنین علیہ السلام کے ذریعے جو حدیث آئی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ اس میں یہ ہے کہ جب تک دو عادل سننے والے نہ ہوں ہمارے مذہب میں طلاق ہو ہی نہیں سکتی۔

علامہ حلّیؒ کا جواب بادشاہ کو پسند آیا مگر بہر حال وہ گھبرا گیا کہ آپ کا جواب بالکل میرے مسئلے کے مطابق ہے جو میں چاہتا ہوں لیکن ایسا نہ ہو کہ آپ کا مذہب گمراہ ہو اور میں گمراہ مذہب پر عمل کروں علامہ حلّیؒ کہتے ہیں۔ نہیں میں تیار ہوں جس سے چاہو میرا مقابلہ کرالو۔ چنانچہ نظام الدین کو تمام مذاہب حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی نے اپنا نمائندہ بنایا۔ علامہ حلّیؒ اور وہ آمنے سامنے دربار میں بیٹھے۔ مناظرہ تو بہت طولانی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مناظرہ ختم ہوا تو اس قاضی نظام الدین جو علامہ حلّیؒ کی دلیلوں کے سامنے عاجز آ گیا تھا۔ بس اتنا کہتا ہے۔ آپ کی بات تو صحیح ہے لیکن یہ بھی دیکھیں کہ جن کو شروع سے ہم مانتے چلے آرہے ہیں ہم ان کا انکار کردیں تو اسلام میں تفرقہ بڑھ جائے گا۔ لوگ بگڑ جائیں گے۔ چنانچہ اس لیے کہ اب تک ہم ان کو مانتے آرہے ہیں۔ ان کی نہ کسی غلطی کو پکڑنا چاہیے اور نہ ان پر اعتراض کرنا چاہیے۔ قاضی نظام الدین کا اتنا اعتراف بادشاہ کے لیے کافی تھا۔ چنانچہ علامہ حلّیؒ کے ہاتھ پر مذہب شیعہ قبول کر لیتا ہے۔

علامہ حلّیؒ ہمارے ان خوش نصیب علماء میں سے ایک ہیں کہ جن سے بار بار مختلف مقامات پر امام مہدیؑ نے ملاقات کی تھی۔ بہت سارے واقعات ہیں مگر بطور مثال دو یا تین واقعات پیش خدمت ہیں۔ علامہ حلّیؒ کی قدر و منزلت کو دیکھیں علامہ حلّیؒ کے مقام کو دیکھیں۔ علامہ حلّیؒ کی جوانی کا زمانہ ہے۔ علامہ حلّیؒ نے عام مسلمانوں سے بھی استفادہ علمی کیا ہے اور بے انتہا علمائے اہل سنت سے شاگردی حاصل کر کے اجازہ اور سند حاصل کی۔ ابھی تو ان کی جوانی ہے۔ اب علامہ حلّیؒ علامہ نہیں ہیں۔ مجتہد بن گئے مگر علامہ نہیں بنے۔ ان کی جوانی ہے اور یہ ایک غیر شیعہ عالم کے شاگرد ہیں۔ اس عالم نے مذہب شیعہ کے رد میں ایک کتاب لکھی وہ اکثر مسجدوں میں، محفلوں میں، اپنے درس میں اس کتاب کو پڑھا کرتے تھے اور شیعہ مذہب پر بے پناہ اعتراض کرتا لیکن خود اس کو معلوم تھا کہ یہ کتاب اگر کسی شیعہ عالم کے پاس چلی گئی تو فوراً وہ اس کا جواب لکھ دیں گے۔

چنانچہ وہ کتاب کسی کو بھی پڑھنے کے لیے نہ دیتا تھا۔ یہ پرانا زمانہ تھا۔ جب چھاپہ خانے نہ تھے اور یہ کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں۔ علامہ حلّیؒ کو نظر ہو رہی تھی کہ یہ کتاب جس کے بارے میں دعویٰ تھا اور جس کے ذریعے یہ بہت سے لوگوں

کے عقیدوں کو ہلا رہی تھی۔ کسی طرح سے یہ کتاب میرے ہاتھ میں آجائے اور پھر میں اس کا جواب لکھوں اور اس خطرے کو دُور کر دوں۔ مگر وہ کسی طرح سے کسی دوسرے کو کتاب دینے کو تیار نہیں تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن علامہ حلیؒ نے اپنی شاگردی کا واسطہ دیا اور استاد سے کہا میں آپ کا شاگرد ہوں اور اتنے سال سے آپ کے ہاں بیٹھا ہوا ہوں یہ کتاب تو آپ مجھے دے دیجئے، شاگردی کا واسطہ دیا تو وہ بھی پریشان ہوا۔ اس نے کتاب تو دے دی علامہ حلیؒ کو مگر ایک وعدہ لیا کہ یہ کتاب صرف ایک رات کیلئے میں دیتا ہوں۔ عشاء کا وقت ہے کل صبح کی نماز پڑھ کر یہ کتاب مجھے واپس کر دینا۔

علامہ حلیؒ نے دیکھا کہ اتنی دیر کے لیے ملنا بھی غنیمت ہے۔ چنانچہ اس کتاب کو لے کر آگئے۔ اب گھر میں تو آگئے مگر پریشانی یہ ہے کے کتاب اتنی موٹی ہے کہ ایک رات میں تو اسے کوئی پڑھ بھی نہیں سکتا، اس کو نقل کرنا تحریر کرنا یہ تو ناممکن ہے آگے علماء نے تین طریقوں سے اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ ایک تو یہ ہے کہ اب یہ کتاب لکھ رہے ہیں۔ لکھتے لکھتے آدھی رات ہوگئی، کتاب اتنی موٹی کہ کوئی ایک سال لکھے تو تب جا کر اس کی نقل ہو سکتی ہے، صرف ایک رات ملی ہے۔ آدھی رات ہو چکی ہے۔ بقایا آدھی رات کو ایک مرتبہ نیند آئی اور ایسی نیند آئی کہ علامہ حلیؒ نے آنکھ لگنے کے بعد خواب میں دیکھا کہ امام مہدی علیہ السلام ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا حلیؒ تم آرام کرو تمہارا کام میں کرتا ہوں اور اس کے بعد صبح کے وقت تک ان کی آنکھ لگی رہی اور جب صبح بیدار ہو کر دیکھا تو پوری کی پوری کتاب لکھی پڑی ہے۔

دوسرے انداز میں یہ ہے کہ مجالس المومنین میں نور اللہ شوستریؒ شہید ثالث نے اس انداز سے لکھا ہے کہ جب رات کو وہ کتاب لکھنا شروع کی تو ایک عرب دروازہ کھول کر اندر آیا اور آنے کے بعد کہا، اے شیخ! ایسا کر کہ کتاب کو میں لکھتا ہوں اور جو ورق ہیں ان کو ترتیب کے ساتھ آپ لگاتے چلے جائیں۔ علامہ حلیؒ اس عرب کو دیکھتے ہیں راضی ہو گئے اب تعجب کی بات یہ تھی کہ صرف صفحے صحیح کرنا ہے صفحے ترتیب سے لگانا ہے، جتنی دیر میں علامہ ایک صفحے کو دوسرے صفحے کے نیچے لگاتے ہیں۔ اتنی دیر میں ایک اور صفحہ لکھ کر تیار ہو جاتا اور اتنی تیزی کے ساتھ اس کتاب کو لکھا کہ صبح کے وقت سے پہلے پہلے یہ کتاب مکمل ہوگئی۔

ایک تیسرے انداز سے قصص العلماء والے نے اس قصہ کو لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ علامہ حلیؒ اس عالم کے شاگرد نہیں تھے۔ بلکہ حلہ میں علامہ حلیؒ بھی رہتے تھے اور وہ عالم بھی۔ ان کی کتاب کی جب شہرت ہوئی تو علامہ حلیؒ نے اپنے ایک شاگرد کو بتایا اور کہا کہ جاؤ اور جا کر ان کے شاگرد بن جاؤ۔ کچھ عرصے بعد تم پر اعتماد کرنے لگے تب کسی طرح یہ کتاب لے

کر آؤ تا کہ میں اس کا جواب تحریر کروں۔ علامہ حلیؒ کے شاگرد گئے اور ان کے شاگرد جا کر بنے اور کچھ عرصے بعد اس غیر شیعہ عالم کو اس شاگرد پر اعتبار ہوا، تو پھر وہ ایک رات کے لیے کتاب کو لے کر آیا۔ یہ کتاب لا کر علامہ حلیؒ کو دی۔ علامہ حلیؒ نے وہ کتاب اٹھائی اور ایسی نیند آئی کہ علامہ حلیؒ کی آنکھ لگ گئی۔ جب بیدار ہوئے تو بڑے پریشان کہ میں نے ایک رات کے وعدے پر کتاب لی تھی اور یہ رات میں نے گزار دی۔ ایسی نیند مجھے آج تک نہیں آئی۔ پریشانی کے عالم میں جب کتاب اُٹھانے کیلیے آئے تو دیکھا بالکل اس کتاب کے بالمقابل ایک کتاب رکھی ہوئی ہے۔ پوری کتاب مکمل ہے اور آخر میں یہ لکھا ہوا ہے کہ کتبہ فرزند ابن الحسن عسکریؑ۔ اس کتاب کو فرزند حسن عسکریؑ نے لکھا ہے با قاعدہ یہ جملہ کتاب کے آخر میں لکھا تھا۔ علامہ حلیؒ کا یہ علمی جہاد اتنا پسند آیا کہ بذاتِ خود علامہ حلیؒ کی مدد کے لیے امامؑ آئے۔

لیکن تاریخ یہ بتاتی ہے کہ یہ پہلا موقع نہیں تھا۔ اس کے علاوہ بھی علامہ حلیؒ کو امام زمانہ علیہ السلام سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ خود علامہ حلیؒ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں حلّہ سے کربلا کی جانب جا رہا تھا۔ چلتے چلتے راستے میں ایک عرب آیا اور میرا ساتھی بن گیا۔ اب ہم دونوں چل رہے ہیں اور دوران گفتگو میں نے عرب سے تھوڑی سی بات کی تو میں یہ دیکھ کر بڑا حیران ہوا کہ وہ بہت عالم اور فاضل لگ رہا ہے۔ میں حیران ہوا کہ اتنا بڑا عالم اور فاضل اس دور میں اور نہ آج تک میں نے اسے احادیث کی کتابوں میں دیکھا، نہ اس کا تعارف حاصل کیا، نہ کبھی اس سے ملاقات کی۔ علامہ حلیؒ کہہ رہے ہیں کہ یہ اس دور کا واقعہ ہے کہ جب علامہ حلیؒ علامہ بن چکے تھے۔ یہ کہہ رہے ہیں کہ جب میں نے اُن سے بات کی اور ان کے علم و حلم کو دیکھا تو کچھ اعتراضات میرے ذہن میں اس زمانے کے تھے لیکن ان کا جواب دینے والا کوئی نہ تھا۔ علامہ حلیؒ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے تو اب ان کو کون مطمئن کر سکتا تھا ان کے ذہن میں کچھ اعتراضات ،احتمالات اور اشکال تھے۔ جب اس آدمی سے گفتگو ہوئی تو میں نے دیکھا کہ یہ تو بہت عالم اور فاضل ہے تو میں نے اپنے سارے سوالات ایک ایک کر کے اس کے سامنے بیان کیے۔ تو اُس نے بڑے اطمینان کے ساتھ میرے ایک ایک سوال کا جواب دینا شروع کیا۔ میرے سوالات جو میرے ذہن میں سالوں سے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ کوئی ان کا جواب نہیں دے سکتا ہے، ان کا جواب آپ نے ایک لمحے میں دے دیا۔ لیکن آخری مسئلے میں جب گفتگو ہو رہی تھی تو میں نے ایک مسئلہ پوچھا فقہ کا تو اُس نے جواب دیا تو میں نے کہا یہ جو آپ نے جواب دیا ہے اس سلسلے میں کوئی حدیث امامؑ کی ہمارے پاس موجود نہیں۔ یہ جواب آپ کا قبول نہیں کرتا ہوں اس نے مسکرا کر کہا کہ تمہیں غلط فہمی ہوئی۔ شیخ طوسیؒ کی کتاب تہذیب

کی فلاں جلد میں، فلاں صفحہ کی فلاں سطر کے اندر یہ حدیث موجود ہے جا کر دیکھ لینا اس حدیث کی روشنی میں اس کا جواب یہی ہے۔

علامہ حلیؒ کہتے ہیں جب میں نے ان کا یہ علم وحلم دیکھا۔ میں نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو میں نے کہا۔ میں صرف ایک اور سوال کرنا چاہتا ہوں، میرے ذہن میں کافی عرصہ سے یہ مسئلہ ہے کہ غیبت کے زمانے میں کوئی شخص اپنے امامؑ سے ملاقات کرسکتا ہے یا نہیں۔ اس کا جواب مجھے کسی جگہ نہیں مل رہا۔ اب آپ اس کا کسی طرح جواب دیں۔ گفتگو کے دوران جب علامہ حلیؒ نے یہ اپنا آخری سوال بیان کیا تو علامہ حلیؒ کے ہاتھ میں جو تازیانہ تھا۔ جس سے جانور کو ہانکا جاتا ہے وہ ان کے ہاتھ سے گر گیا۔ روایت میںؒ ہے کہ علامہ حلیؒ فرماتے ہیں کہ اس عرب نے اپنی سواری کا جانور روکا، وہ زمین پر اُترا، اُس نے تازیانہ کو اُٹھایا اور میرے ہاتھ میں پکڑایا اور جب اس تازیانہ کو وہ عرب میرے ہاتھ میں پکڑا رہا تھا تو بس اتنا ہی اس نے جواب دیا کہ اے حلی تم یہ سوال کررہے ہو کہ کیا کوئی امام زمانہؑ سے ملاقات کرسکتا ہے۔ بھلا اس سے زیادہ ملاقات کیسے واضح ہوگی کہ امامؑ کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ علامہ حلیؒ کہتے ہیں کہ بس اتنا سنتا تھا کہ بے اختیار میرے جسم پر لرزہ طاری ہوا، میں گھبرا کر خچر سے نیچے اُترنا چاہتا تھا کہ امامؑ کی قدم بوسی کروں، مگر مجھے غش آگیا اور جب میں ہوش میں آیا تو میں نے دیکھا کہ جانے والے جاچکے ہیں۔

سفر سے پلٹ کر جب میں واپس آیا تو وطن آتے ہی پہلا کام میں نے یہ کیا کہ الماری میں سے شیخ طوسیؒ کی کتاب اُٹھائی اس کی وہی جلد اُٹھائی۔ وہی صفحہ کھولا، وہی سطر دیکھی جس کے بارے میں امامؑ نے فرمایا تھا تو وہ حدیث مجھے مل گئی۔ چنانچہ اپنے قلم سے علامہ حلیؒ نے وہاں لکھ دیا کہ یہ حدیث ہے جس کی اطلاع مجھے امام زمانہؑ نے دی اور یہ اسی کتاب پر علامہ حلیؒ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر مصر کے عجائب گھر میں آج بھی موجود ہے۔ علامہ حلیؒ کے وقار وعظمت کا اندازہ آپ اس واقعے سے کریں۔ امامؑ آتے ہیں علامہ حلیؒ سے ملاقات کرتے ہیں، علامہ حلیؒ کو جو مشکلات درپیش ہیں، ان کا جواب دیتے ہیں اور اگر علامہ حلیؒ کا تازیانہ گرتا ہے تو اُتر کر علامہ حلیؒ کا تازیانہ اُٹھا کر علامہ حلیؒ کے ہاتھ میں تھماتے ہیں۔

علامہ حلیؒ کا مشہور ترین واقعہ ان کی اپنی کتاب ''تذکرۃ الفقہاء'' میں ہے۔ اس میں علامہ حلیؒ تحریر فرمارہے ہیں کہ اگر کوئی شخص چالیس شب جمعہ کربلا معلٰی میں امامؑ کی قبر کے نزدیک عبادت کرے تو پھر اس کی ملاقات اپنے امامؑ سے ہوسکتی ہے۔ معتبر روایات ہیں۔ مجھے معلوم تھا طالب علم اکثر ایسا کرتے رہتے تھے۔ طالب علموں کی طرح ایک مرتبہ آپ کے دل

میں امام مہدی علیہ السلام کی زیارت حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ آپ نے فیصلہ کیا کہ مسلسل ۴۰ شب جمعہ کربلا معلّی زیارت کو جائیں اور مخصوص دُعائیں پڑھیں تو شاید شرف زیارت حاصل ہو جائے۔ اب علامہ حلّیؒ ہر شب جمعہ حلّہ سے کربلا خچر پر سوار ہو کر آتے ہیں، ۳۹ شب جمعہ متواتر آئے۔ چالیسویں شب جمعہ علامہ حلّیؒ فرماتے ہیں کہ میں حلّہ سے چلا کربلا کی جانب اور میرے ذہن میں یہ خیال تھا کہ آج آخری شب جمعہ ہے جسے گزار لوں تو اس روایت کی روشنی میں امامؑ کی مجھ سے ملاقات ہونا ہی چاہیے۔ اب حلّہ سے کربلا کا سفر کیا جا رہا ہے۔ ہمارا اور آپ کا سفر ہو تو ہم اس میں قسم قسم کی دنیا کی باتیں سوچیں لیکن یہ ایک عالم، مجتہد کا سفر ہے تمام سفر اگر وہ سوچتا بھی ہے تو علمی مسائل، علامہ حلّیؒ کہہ رہے ہیں کہ اس چالیسویں سفر میں جب میں چل رہا تھا تو میرے ذہن میں ایک علمی مسئلہ آ گیا تو میں نے سوچا کہ اکثر روایتوں میں یہ موجود ہے کہ اگر کوئی شخص خلوص دل کے ساتھ امام حسینؑ کے مصائب پر روئے تو اس کی آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ نکل آئے تو اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں لیکن میری سمجھ میں یہ روایت نہیں آ رہی تھی کہ صرف رونے سے سارے گناہ کیسے معاف ہو جاتے ہیں۔ میں اسی فکر و پریشانی میں چل رہا تھا کہ میں نے راستے میں دیکھا ایک ذیشان عرب اپنی سواری کے جانور پر چلا آ رہا ہے۔ وہ میرے خچر کے قریب آیا اور میرے ساتھ چلنے لگا۔

ایک مرتبہ دوران گفتگو اس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں۔ میں نے کیفیت بتائی کہ حدیث میں میں نے پڑھا ہے چالیس شب جمعہ کربلا جا کر عبادت کرنے والے کو امامؑ کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ میں اسی سفر میں چل رہا ہوں اور میرے ذہن میں ایک مسئلہ اُلجھا ہوا ہے۔ اب علامہ حلّیؒ کہتے ہیں میرے ذہن میں اس وقت دو مسئلے تھے۔ پہلا مسئلہ یہی آنسوؤں کا اور دوسرا مسئلہ یہ روایت غلط ہے۔ چنانچہ جب اس عرب سے ملاقات ہوئی اور اس نے مجھ سے پوچھا آپ کیا سوچ رہے ہیں تو میں نے بتایا میرے ذہن میں دو مسئلے تھے۔ پہلا مسئلہ یہ آنسوؤں سے نجات کا دوسرا مسئلہ یہ کہ اس روایت پر عمل کرنے والے کی واقعاً امامؑ سے ملاقات ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔

ایک مرتبہ اس عرب نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کے دونوں سوالوں کے جواب دیتا ہوں مگر اے حلّیؒ اس سے پہلے کہ میں تمہیں تمہارے سوال کا جواب دوں ایک بات تو بتا کہ اگر کوئی بادشاہ شکار کے لیے نکلا ہو اور راستہ بھول گیا ہو۔ راستہ بھول کر وہ کسی ایسے مقام پر پہنچ گیا ہو۔ جہاں اسے ایک خالی جھونپڑی نظر آ رہی ہو، جس میں ایک ضعیفہ ہو، ضعیفہ کی پوری زندگی کا اساسہ ایک بکری ہو اور پوری زندگی ایک بکری کے دودھ پر گزار دی ہو۔ یہ بادشاہ پیاس کی کیفیت میں اس ضعیفہ

کے پاس پہنچتا ہے وہ جا کر پیاس کی شکایت کرتا ہے تو وہ فوراً اپنی بکری کا دودھ بادشاہ کے سامنے پیش کرتی ہے۔ جب پیاس بجھ گئی تو بادشاہ نے بھوک کی شکایت کی جب اس ضعیفہ نے سنا فی الفور اس بکری کو ذبح کر کے اسے بھون کر کباب بنا کے بادشاہ کے سامنے حاضر کر دیئے۔

بادشاہ کا پیٹ بھرا۔ بادشاہ کی پیاس بجھی ایک مرتبہ واپس جاتے ہوئے اسے کہہ گیا کہ میں کون ہوں اور بتا گیا کہ کبھی دارالخلافہ آنا تو مجھ سے ملاقات کرنا۔ اے حلی، کبھی یہ عورت دارالخلافہ جائے اور بادشاہ سے ملاقات کرے تو بادشاہ اس کی کتنی خدمت کرے جو اس خدمت کا صلہ ہو جائے، جو اس وقت کی تھی، جب بادشاہ بھوکا اور پیاسا تھا۔ اب علامہ حلیؒ نے جواب دیا کہ اگر بادشاہ پوری سلطنت بھی اس کے نام لکھ دے تو بھی شاید اس کے برابر نہ ہو، وہ خدمت جو اس ضعیفہ نے انجام دی عرب سوال کرتا ہے کیوں ایک بکری کے بدلے میں دس بکریاں، پچاس بکریاں، سو بکریاں دے۔ علامہ حلیؒ کہتے ہیں اصل مسئلہ یہ نہیں، اصل مسئلہ یہ ہے کہ اس ضعیفہ نے اپنا پورا اساسہ اپنی پوری کائنات اپنی پوری چیزیں اس بادشاہ کے اوپر قربان کر دیں کہ اب تقاضائے عقل یہ ہے کہ ضعیفہ کے احسان کے بدلے بادشاہ اپنی پوری سلطنت پوری جائیداد اس ضعیفہ کے حوالے کر دے۔ عرب نے کہا بس یہی اس کا جواب ہے کہ جب حسینؑ نے اپنی پوری کائنات اللہ کی راہ میں قربان کر دی تو اب خدا اپنی پوری کائنات حسینؑ کے حوالے کر دے تو اس میں تعجب کی کیا بات اور سنو تمہارے دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ زمانے کا امامؑ تمہارے سامنے کھڑا ہوا ہے۔

اب اس روایت میں شک و شبہ کی کیا گنجائش۔ علامہ حلیؒ کہتے ہیں بس اتنا سنا تھا کہ میں نے چونک کر جو دیکھا تو غائب ہو چکے تھے، دُور دُور تک نام و نشان نہ تھا اور میں سمجھ گیا یہ امام زمانہ علیہ السلام ہی تھے۔ جنہوں نے آ کر نہ صرف اس مسئلے میں میری مدد کی بلکہ جو چالیس شب جمعہ والی روایت تھی اس کا نتیجہ بھی میرے سامنے آ گیا اور مجھے امامؑ سے ملاقات کا موقع مل گیا تو یہ ایک پہلو ہے علامہ حلیؒ کی زندگی کا، اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کتنا بلند مقام ہے علامہ حلیؒ کا کہ جب کوئی مشکل پیش آتی ہے۔ امامؑ آتے ہیں اور ملاقات کا شوق پورا کرتے ہیں اور کیوں نہ ہو علامہ حلیؒ نے حقیقت میں اس دین خدا پر ایک ایسا احسان کیا ہے کہ ظہور امامؑ تک اس کے آثار دنیا میں پائے جائیں گے۔

ان کی وفات ۱۱ محرم سن ۷۲۶ ہجری کو ہوئی تھی۔ اس حساب سے ان کی عمر تقریباً ۷۸ (اٹھتر) سال قرار پائی۔ علامہ حلیؒ کی ولادت اور وفات بھی حلّہ میں ہوئی اور وفات کے بعد ان کی میت کو حلّہ سے نجف اشرف لایا گیا اور روضہ

امیر المومنینؑ میں مینار کے نیچے دفن کیا گیا۔ جہاں آج تک ان کی قبر مرجع خلائق ہے۔ علامہ حلیؒ کے بارے میں سب سے نمایاں خصوصیت جو ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ علامہ حلیؒ ہماری تاریخ کے ان چند گنی چنی ہستیوں میں سے ہیں جو بالغ ہونے سے پہلے مجتہد بن گئے تھے اور درجہ اجتہاد حاصل کر لیا تھا۔ عجیب بابرکت گھرانہ ہے علامہ حلیؒ کا، کہ خاندان میں ایک ایسا وقت گزرا جب ان کے خاندان میں بیک وقت ۱۰، ۱۰ مجتہد موجود تھے اور پھر علامہ حلیؒ پر جو خدا کی خاص برکت ہے اس کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ خود علامہ حلیؒ بھی مجتہد ان کے والد علامہ یوسف بن علی ابن مظاہر وہ بھی مجتہد، علامہ حلیؒ کے ماموں محقق اول وہ بھی مجتہد، علامہ حلیؒ کے دوسرے ماموں نجیب الدین ابن یحییٰ ابن سعید وہ بھی مجتہد علامہ حلیؒ کے سگے بھائی وہ بھی مجتہد، علامہ حلیؒ کے بیٹے فخر المحققین وہ بھی مجتہد۔ علامہ حلیؒ کے پوتے وہ بھی مجتہد۔ علامہ حلیؒ کے دو بھتیجے دونوں مجتہد۔ علامہ حلیؒ کے دو بھانجے اور دونوں کے دونوں مجتہد۔ ایسا بابرکت خاندان جس میں بیٹا، باپ، ماموں، چچا، بھائی، پوتے، بھتیجے۔ بھانجے اور خود پورے کا پورا خاندان مجتہدین کا تھا۔ علامہ حلیؒ کے خاندان نے اس اجتہاد کو حاصل کرنے کے بعد حقیقت میں دین شیعہ کی اتنی خدمت کی کہ علامہ حلیؒ کے دور ہی سے شیعیت کا تابناک دور شروع ہو جاتا ہے۔ کتنی بابرکت ہستی ہے کہ ایک وقت میں اتنے زیادہ قریبی رشتہ دار درجہ اجتہار پر فائز ہیں۔

سن ۶۷۶ ہجری میں علامہ حلیؒ کے ماموں محقق حلیؒ کا انتقال ہوا تو اس وقت علامہ حلیؒ کی عمر ۲۸ سال تھی۔ محقق حلیؒ کے انتقال کے بعد اگرچہ محقق حلیؒ کے ممتاز شاگرد اور محقق حلیؒ کے ساتھی علماء بھی زندہ تھے پھر بھی سب ہی نے کہا کہ مذہب شیعہ کی مرجعیت علامہ حلیؒ کے ہاتھ میں ہونی چاہیے۔ چنانچہ ۲۸ سال کی عمر میں علامہ حلیؒ تمام عالم شیعہ کے اعلیٰ مجتہد قرار پائے۔ ۷۲۶ ہجری تک مسلسل پچاس سال تک اس منصب پر فائز رہے جس کے دوران کتابیں لکھیں اتنی کتابیں لکھیں کہ تاریخ کا یہ فقرہ ہے کہ علامہ حلیؒ کی اتنی کتابوں کا جب حساب و کتاب کیا گیا تو یہ پتہ چلا کہ پیدائش سے لے کر مرنے تک انھوں نے جتنی کتابیں لکھیں جب ان کو تقسیم کیا گیا کہ اوسطاً روزانہ ایک ہزار صفحے علامہ حلیؒ کے حصے میں آئے (پیدائش اور وفات کا درمیانی حصہ ۸۰ سال بنتا ہے) یعنی روزانہ ایک ہزار صفحے لکھتے تھے اور یہ حساب کب سے لگایا گیا پیدائش سے لے کر یعنی جب سے پیدا ہوئے اس دن سے حساب کر کے جوڑا جائے تو مرنے تک جتنے دن بنتے ہیں، ۸۰ سال عمر ایک ہزار صفحے روزانہ کے حساب سے علامہ حلیؒ کے حصے میں پڑتے ہیں۔ اگر آپ اس عمر سے دیکھیں جب حلی علامہ بن چکے تھے تو دو ہزار صفحے علامہ حلیؒ لکھتے تھے۔ دو ہزار صفحے کوئی پڑھ نہیں سکتا ہے، لکھنا تو بہت دور کی بات ہے جب کہ دنیا کے اور بہت

کام ہیں، سفر کر رہے ہیں واقعات میں ہے کہ کربلا جا رہے ہیں۔ زیارت کے لیے جا رہے ہیں، شاگردوں کو درس دے رہے ہیں، نماز پڑھ رہے ہیں، تمام دنیا سے شیعیت کے مسئلے آتے ہیں تو اب علامہ حلّیؒ نے کتابیں لکھیں، اتنی کہ روزانہ کے دو ہزار صفحات لکھتے ہیں اور عملی خدمات کیں تو ایسی کہ پورے ایران کے اندر مذہب شیعہ کو پھیلا دیا، ساتھ ساتھ تقویٰ پرہیزگاری دیکھیں علامہ حلّیؒ کی، اتنی عظمت اور اتنی پرہیزگاری کی بلندی کہ علامہ حلّیؒ کے بارے میں مشہور و معروف ہے کہ کم از کم تین یا چار مرتبہ اپنی زندگی کی نمازوں کو دوبارہ دہرایا ہے کہ شاید کوئی غلطی یا کمی رہ گئی ہو۔

علامہ حلّیؒ کا تقدس ہے کہ جس پہلو سے دیکھیں علم کے اعتبار سے دیکھیں، خدمت کے اعتبار سے دیکھیں، تقدس کے اعتبار سے دیکھیں، علامہ حلّیؒ کی کتابوں کو، تو ایک نابغہ روزگار عالم نظر آتے ہیں اور پھر جب علامہ حلّیؒ دنیا سے رخصت ہوئے تو یہ بھی ان پر خدا کی ایک خاص برکت تھی کہ روضہ امیر المومنینؑ میں دفن ہوئے۔ اولاد چھوڑی تو ایسی کہ لوگ آج تک کہتے ہیں کہ علامہ حلّیؒ کے بیٹے اور علامہ حلّیؒ میں علمی اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

علامہ حلّیؒ کے بیٹے جن کا نام ''محمد'' تھا اور لقب ''فخر المحققین'' آپ اندازہ کریں کتنی خدا کی برکتیں ہیں علامہ حلّیؒ پر، کتابیں آپ نے ان کی دیکھیں، کارنامے دیکھے، امام زمانہ علیہ السلام سے ملاقات آپ نے دیکھ لیا۔ خدا نے اولاد بھی دی تو ایسی اولاد اتنے بڑے عالم کہ علامہ حلّیؒ نے آخری وقت میں وصیت کی اپنے بیٹے کو کہ میری جتنی کتابیں نامکمل ہیں تم ان سب کو مکمل کر دینا اور دیکھو میری جتنی کتابیں ہیں تم انہیں دوبارہ دیکھنا اور جہاں جہاں غلطی ہو، تم میری کتابوں کی غلطی کو صحیح کرنا۔ کتنا بڑا مقام ہوگا علامہ حلّیؒ کے بیٹے کا۔ علامہ حلّیؒ جیسا عالم اپنے بیٹے کو کہہ رہا ہے کہ میری کتابوں کو مکمل بھی تم کرو اور میری غلطیوں کی اصلاح بھی تم کرنا۔ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ علامہ حلّیؒ کے صاحبزادے نے اگرچہ طویل عمر پائی لیکن ان کی کتابیں کم ہیں کیونکہ زیادہ تر انھوں نے اپنے والد کی کتابوں کو مکمل کیا تھا جن میں مشہور ترین کتاب ''کتاب الفین'' اور یہ وہ کتاب ہے۔ جس میں علامہ حلّیؒ نے دو ہزار دلیلیں امیر المومنینؑ کی خلافت کے بارے میں جمع کی ہیں۔ جن کا آدھا انھوں نے لکھا اور ان کے بعد ان کے بیٹے نے اسے مکمل کیا ہے۔

علامہ حلّیؒ نے ایک مرتبہ اپنے بیٹے کو بلایا اور کہا! تم علم دین تو حاصل کر رہے ہو یہ بتاؤ کہ تمہارے سامنے کیا تصور ہے۔ تم کتنے بڑے عالم بننا چاہتے ہو، تم نے ذہن میں کیا رکھا ہے کہ تم کتنا علم حاصل کرو گے۔ بیٹے نے جواب دیا! بابا میرے ذہن میں آپ کی شخصیت آپ کے علم کو دیکھ کر میرے ذہن میں ایک ہی سوچ ہے کہ خداوند مجھے آپ کی منزل اور آپ کے

مقام تک پہنچادے۔ علامہ حلیؒ نے سنا کہا! بیٹا پھر تم عالم نہیں بن سکتے، میری منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔ بیٹے نے حیران ہو کر پوچھا بابا اس کی وجہ کیا ہے۔ آپ کے ذہن میں کون سا مقام تھا۔ جب آپ نے علم حاصل کیا تو علامہ حلیؒ نے جواب دیا کہ میرے ذہن میں تصور تھا کہ خداوندا مجھے اتنا علم دے کہ میرا علم امامؑ کے علم کے برابر پہنچ جائے۔ جب میرے ذہن میں یہ تصور تھا تو میں نے کوشش کی اور آج میں اس منزل تک پہنچا ہوں اگر تم نے مجھے سامنے رکھ کر کوشش کی تو یقیناً تم اس سے کم ہی منزل تک پہنچو گے، تو تمہارا علم ختم ہو جائے گا تو ہمیشہ ہمت کو بلند رکھو اور یہ اخلاقیات میں معصومؑ کا ایک اصول بھی ہے دیکھو ہمیشہ ہمتیں بلند رکھو، اونچے مقام کے بارے میں سوچو تب ہی تم کامیاب ہو سکو گے۔ اب بیٹے نے باپ کی نصیحت پر ایسا عمل کیا اگر باپ غلطی کرتا ہے تو بیٹا اس کی اصلاح کرتا ہے۔

شیخ اسد اللہ کاظمینیؒ اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے ایک خواب دیکھا کہ روز قیامت کے بارے میں اور اس خواب میں معصومین علیہم السلام کی زیارت کی اور دیکھا ان معصومینؑ کی بارگاہ میں تمام علماء کو لایا جا رہا تھا۔ ہر دور کے علماء امام زمانہ علیہ السلام کے دور سے لے کر اسد اللہ کاظمینیؒ کے دور تک، سب علماء جتنے بھی علماء گزرے ہیں۔ خواب میں دیکھا سب علماء میں سب سے آگے سب سے نمایاں مقام پر معصومینؑ کے پہلو میں ایک کرسی رکھی ہوئی ہے اور میں نے یہ منظر دیکھا یہ کرسی علامہ حلیؒ کے لیے رکھی ہوئی ہے۔ جب علامہ حلیؒ آئے، علامہ سب سے آگے بیٹھے، بالکل معصومؑ کے پہلو میں اور معصومؑ کے ساتھ تو اندازہ کیا جا سکتا ہے، کتنا بلند مقام ہوگا علامہ حلیؒ کا جن کے بارے میں یہ خواب اور آپ کے علم میں ہے کہ جس خواب میں معصومینؑ میں سے کوئی آئے تو وہ خواب غلط نہیں ہوتا۔ حدیث رسول مقبولؐ ہے جس کسی نے میری یا میری اولاد میں سے کسی کی خواب میں زیارت کی تو گویا اُس نے ہماری زیارت کی۔ اس لیے کہ شیطان میری یا میری اولاد کی صورت میں آ ہی نہیں سکتا۔ اس سچے خواب سے پتہ چلا کہ معصومینؑ کی نگاہ میں کتنا مقام ہے۔ علامہ حلیؒ کا اور مابعد جب ہم علامہ حلیؒ کی زندگی پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ علامہ حلیؒ کتنی بڑی شخصیت ہیں۔

علامہ حلیؒ کی تالیفات درج ذیل ہیں

۱۔ کتاب خلاصہ رُجال

۲۔ کتاب تلخیص مرام اور معرفت احکام

۳۔ کتاب احکام شریعہ

۴۔ کتاب مختلف الشیعہ در احکام شریعت

۵۔ کتاب تبصرہ المتعلمین فی احکام الدین

۶۔ کتاب استقصاء الاعتبار

۷۔ کتاب انوار

۸۔ کتاب دُرّ و مرجان

۹۔ کتاب اشعریہ اور سوفسطائیہ

۱۰۔ کتاب ھجر الایمان در تفسیر قرآن

۱۱۔ کتاب انس الوجیز

۱۲۔ کتاب عترت طاہرہ کی بیش قیمت دعائیں

۱۳۔ کتاب نکت بدیعہ در تحریر ذریعہ در اصول فقہ

۱۴۔ کتاب غایت الوصول در ایضاح السبیل، منتہی السوال والاصل کی شرح

۱۵۔ کتاب مبادی الوصول بسوی علم اصول

۱۶۔ کتاب منہاج الیقین

۱۷۔ کتاب منتہی الوصول بسوی علم کلام وعلم اصول

۱۸۔ کتاب شرح المراد

۱۹۔ کتاب انوار الملکوت

۲۰۔ کتاب نظم البراھین

۲۱۔ کتاب معارج الفہم

۲۲۔ کتاب ابحاث المفیدہ در تحصیل عقیدہ

۲۳۔ کتاب نہایۃ المرام علم کلام

۲۴۔ کتاب کشف الفوائد

۲۵۔ کتاب منہاج حج کے مناسک

۲۶۔ کتاب تذکرۃ الفقہاء

۲۷۔ کتاب تہذیب الوصول

۲۸۔ کتاب قواعد و مقاصد طبیعی و الٰہی منطق

۲۹۔ کتاب اسرار خفیہ علوم عقلیہ

۳۰۔ کتاب کاشف الاستبار، شرح کشف الاسرار

۳۱۔ کتاب درالمکنون، منطق

۳۲۔ کتاب مباحثات سنیہ و معارضات نصیریہ

۳۳۔ کتاب مقامات

۳۴۔ کتاب حل مشکلات از کتاب تلویحات

۳۵۔ کتاب ایضاح التلبیس در کلام رئیس

۳۶۔ کتاب کشف المکنون، منطق

۳۷۔ کتاب بسط الکافیہ

۳۸۔ کتاب مقاصد الوافیہ بفوائد قانون کافیہ

۳۹۔ کتاب علم عربیہ میں مطالب علمیہ

۴۰۔ کتاب شرح رسالہ شمسیہ میں قواعد جلیّہ

۴۱۔ کتاب منطق میں شرح تجرید بنام جواہر النضید

۴۲۔ کتاب مختصر شرح نہج البلاغہ

۴۳۔ کتاب ایضاح المقاصد از حکمت عین قواعد

۴۴۔ کتاب نہج العرفان، علم میزان میں

۴۵۔ کتاب فقہ کے احکام ایمان

۴۶۔ کتاب تسلیک الافہام

۴۷۔ کتاب نہایت الوصول

۴۸۔ کتاب قواعد الاحکام

۴۹۔ کتاب کشف الحقائق

۵۰۔ کتاب مقصد الواصلین

۵۱۔ کتاب تسلیک النفس بسوئے خطیرہ قدس

۵۲۔ کتاب نہج الوضاح

۵۳۔ کتاب نہایت الاحکام

۵۴۔ کتاب محاکمات میان شرح اشارات

۵۵۔ کتاب نہج الوصول، علم اصول میں

۵۶۔ کتاب منہاج الہدایہ ومعراج الدرایہ

۵۷۔ کتاب نہج الحق وکشف الصدق

۵۸۔ کتاب منہاج الکرامت

۵۹۔ کتاب استقصاء النظر قضا وقدر

۶۰۔ کتاب رسالہ سعدیہ

۶۱۔ کتاب رسالہ واجب الاعتقاد

۶۲۔ کتاب نہج المسترشدین

۶۳۔ کتاب الفین

۶۴۔ کتاب خلاصۃ الاقوال

۶۵۔ کتاب ایضاح الاشتباہ

۶۶۔ کتاب رجال

۶۷۔ کتاب رسالہ جبر کے باطل ہونے کے بارے میں

۶۸۔ کتاب اعمال کے مخلوق ہونے کے بارے میں

۶۹۔ کتاب کشف الیقین

۷۰۔ کتاب کشکول

۷۱۔ کتاب ایضاح

۷۲۔ کتاب اولادِ زہراؑ کیلئے اجازہ کبیرہ

۷۳۔ کتاب کلام میں گیارہواں باب

۷۴۔ کتاب مختصر مصباح المجتہدین

۷۵۔ کتاب جوابات سید مہنا بن سنان

☆☆☆

بسم تعالیٰ

شمس الدین محمد شہید اوّل

۷۳۴ھ - ۷۸۶ھ

آپ کا اسم گرامی محمد والد بزرگوار کا نام جمال الدین مکی لقب شمس الدین اور شہید اوّل ہے جبکہ کنیت ابو عبداللہ ہے۔ جنوبی لبنان کے علاوہ زرخیز علاقے جبل عامل کے چھوٹے سے گاؤں جزین میں ۷۳۴ھ آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ آپ کا خاندان وہ خاندان تھا جس پر خداوند قدوس کی بے پناہ رحمتیں تھیں۔ آپ کے خاندان میں اتنی کثرت سے مجتہدین پیدا ہوئے کہ اس خاندان میں عورتیں بھی درجہ اجتہاد تک پہنچیں۔ یہ الگ بات ہے کہ عورت اجتہاد نہ کر سکے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کو جب مدینہ سے جلاوطن کیا گیا تو آپ کو شام بھیجا گیا اور اس کے بعد شام سے لبنان۔ لبنان جانے کے بعد آپ نے اہل لبنان کو محبت اہلبیتؑ کا درس دینا شروع کیا تو تھوڑے ہی عرصہ میں جنوبی لبنان میں اتنی بڑی تعداد میں محبانِ اہلبیتؑ پیدا ہو گئے کہ حاکم وقت کو بغاوت کا خطرہ ہوا اور جناب ابوذر غفاریؓ کو لبنان سے واپس بلوا لیا گیا۔ اس عرصے میں دین حق کی بنیاد رکھی جا چکی تھی جو بہت مضبوط ثابت ہوئی۔ جناب ابوذر غفاریؓ تو چلے گئے لیکن محبانِ اہلبیتؑ میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا گیا اور یہ علاقہ آل محمدؐ کا ایک مرکز بن گیا۔ ایک ایسا مرکز جو آج بھی اپنی مضبوط بنیادوں پر قائم و دائم ہے۔ آل محمدؐ و علوم آل محمدؐ سے اتنی محبت تھی کہ ہر گھرانے نے ہر ہر شخص نے ہر خاندان کے سربراہ نے اپنی تمام اولادوں کو دین سیکھنے پر لگا دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اتنی کثرت سے مجتہد پیدا ہوئے کہ اور کوئی مقام پوری دنیا میں ہمیں نظر نہیں آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ظالم حکمرانوں نے جتنے اس مقام پر ظلم کے پہاڑ توڑے۔ کوئی اور مثال نظر نہیں آتی لیکن پھر بھی آج حزب اللہ کی صورت میں وہ اللہ کی فوج موجود ہے جس نے امریکہ اور اسرائیل کو ناکوں چنے چبوائے۔

یہ فخر جنوبی لبنان کو حاصل ہوا کہ دنیائے مجتہدین میں شہید ہونے والے پہلے شہید کا تعلق اس سرزمین سے ہے۔ محمد ابن جمال الدین نے جب اپنی آنکھوں کو کھولا تو اپنے چاروں طرف مجتہدین دیکھے۔ ان کا اپنا خاندان بھی صاحب علم خاندان تھا ان کے دادا ان کے والد ان کے سر سب کے سب جنوبی لبنان کے نمایاں ترین اور ممتاز ترین علمائے کرام تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کے لیے حلہ کا رُخ کیا حلہ اُس وقت علوم محمدؐ و آل محمدؐ کا مرکز تھا یہ مرکز اس وقت نجف اشرف سے حلہ منتقل ہوا جب نجف اشرف پر ہلاکو خان کے حملے کا خطرہ محسوس ہوا۔ اس وقت حلہ

میں علامہ حلیؒ دنیائے شیعیت کے مرجع اعلیٰ تھے۔ شہید اوّل علامہ حلیؒ کے درس میں شرکت کے لیے پہنچے۔ پہلا دن ہی تھا کہ آپ نے سوچا پتہ نہیں یہاں کتنے سال تعلیم حاصل کرنے میں لگ جائیں بہتر یہ ہے کہ چہاردہ معصومینؑ کی زیارات کر لی جائیں آپ مقامات مقدسہ کی زیارت سے فارغ ہو کر عازم حلہ ہوئے تو بہت خوش تھے کہ علامہ حلیؒ جیسے عظیم الشان مرجعہ سے استفادہ کریں گے۔ حلہ کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ کسی کا بہت بڑا جنازہ آ رہا ہے کثیر تعداد میں لوگ شامل ہیں۔ لوگوں کی تعداد کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ دل دھڑ کنے لگا۔ کسی سے پوچھا کہ یہ کس کا جنازہ ہے تو پتہ چلا کہ علامہ حلی جنازہ ہے، زمین پاؤں کے نیچے سے نکل گئی، بے اختیار رونے لگے، اتنا بڑا مجتہد چلا گیا اور پیاسا، پیاسا ہی رہ گیا۔ اپنے وطن کو آپ کی خاطر چھوڑا تھا اور جس کی خاطر چھوڑا تھا وہ خود ہی چھوٹ گیا۔

علامہ حلیؒ کے جنازے کو دفن کے لیے نجف اشرف لے جایا جا رہا تھا۔ جب کہ آپ نجف اشرف سے ہی آ رہے آپ دوبارہ نجف اشرف گئے۔ تدفین میں شرکت کی اور دوبارہ پلٹ کر حلہ آئے اس اعتبار پر کہ علامہ حلیؒ تو چلے گئے مگر ان کا بیٹا فخر المحققین جیسا نابغہ روزگار عالم موجود ہے۔

علامہ حلیؒ کے بعد دنیائے شیعیت کی حکمرانی اُس عظیم ہستی کو ملی جو بالغ ہونے سے پہلے مجتہد بنے۔ پوری دنیا میں فقط یہی باپ بیٹے ہیں یعنی علامہ حلیؒ اور ان کے فرزند جو بالغ ہونے سے پہلے مجتہد بنے۔ علامہ حلیؒ گیارہ برس کی عمر میں مجتہد بنے مگر آپ کا یہ نابغہ روزگار بیٹا صرف ۹ سال کی عمر میں مجتہد بنا جو آج بھی ایک ریکارڈ ہے۔

والد بزرگوار کی رحلت کا صدمہ اپنی جگہ پر لیکن فخر المحققین نے اپنے والد کی مسند اور شیعیت کی قیادت کو اس شان اور انداز سے سنبھالا کہ لوگوں کو احساس تک نہ ہو سکا کہ ایک بہت بڑی شخصیت کے اُٹھ جانے کے بعد کوئی خلا پیدا ہو گیا ہے۔

محمد ابن جمال الدین کی وہ خوش نصیب ہیں جنہیں فخر المحققین جیسا استاد ملا۔ خود محمد ابن جمال الدین بھی نابغہ روزگار تھے۔ صرف سترہ سال کی عمر میں آپ کو اجتہاد کی اجازت ملی۔ جناب فخر المحققین نے اجازت دی کہ اب وہ اجتہاد کر کے مسئلہ فقہ کو حل کر سکتے ہیں۔ آج کے دور میں اٹھارہ سال کی عمر کو بالغ عمر کہا جاتا ہے تو اس حساب سے آپ کا شمار بھی نابالغ مجتہدین میں ہوتا ہے۔ آپ کتب کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد برادران اہل سنت کے علماء کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لیے گئے۔ اہل سنت کے اس وقت کے جید ترین فضلاء کے شاگرد بنے۔ آپ نے چالیس مشہور و معروف علماء اہل سنت سے علم حاصل کیا۔ اس سلسلے میں آپ بغداد، مصر، مکہ، مدینہ اور بیت المقدس میں مقیم رہے۔ تمام اسلامی فقہوں کا مطالعہ کیا،

عبور حاصل کیا اور اُن کی تمام فقہ کے عالم بن گئے ۔ تمام مکاتب اسلامی کے سرکردہ علماء نے آپ کو اسناد جاری کیں کہ آپ ان تمام فقہ کے ماہر ہیں اور تعلیم دے سکتے ہیں۔

آپ نے تعلیمی میدان میں وہ کارنامہ سرانجام دیا جس کی کوئی مثال موجود نہیں یعنی آپ دنیائے شیعیت کے عظیم الشان مرجعہ تقلید تو تھے ہی مگر آپ حنفی فقہ، مالکی فقہ، شافعی فقہ اور حنبلی فقہ کے بھی بے مثل عظیم الشان عالم قرار پائے۔ گرچہ اہلسنت کی تمام فقہ کے ممتاز ترین علماء کرام موجود تھے لیکن آہستہ آہستہ مختلف فقہ کے لوگ آپ سے رجوع کرنے لگے۔ کسی کو آپ کا مذہب معلوم نہ تھا ہر فقہ کے ماننے والے کو اس کی فقہ کے مطابق جواب دیتے۔ آپ کا شمار آٹھویں صدی کے علماء میں ہوتا ہے۔ آپ نے آٹھویں صدی میں دین کی ایسی بے مثال خدمت کی کے پوری صدی کے تمام علماء پر سبقت لے گئے اور آپ کو آٹھویں صدی کا مجدد قرار دیا گیا۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ ایک ہزار شاگرد ایسے ہیں جن کو آپ نے اجتہاد کا اجازہ دیا یعنی ایک ہزار مجتہدین آپ کے شاگرد تھے۔

ایک وقت آیا جب دمشق جو شام اور مصر کا دارالخلافہ تھا، آپ کی شہرت آسمان کو چھوتی نظر آئی۔ بلکہ ملک سے باہر دوسرے اسلامی ملکوں میں بھی آپ کی شہرت رنگ لانے لگی۔ دوسرے ملکوں سے فقہی مسئلے پوچھے جانے لگے۔ تحفے تحائف بھیجے جانے لگے۔ ایران کے سلطان کے ساتھ آپ کی خط و کتابت جاری تھی اور تعلقات بڑھتے جا رہے تھے حکومت وقت بھی گھبرا گئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ علامہ حلیؒ کے زمانے میں جو انقلاب ایران میں آیا اور مملکت شیعہ کی بنیاد رکھ دی گئی۔ یہاں بھی وہی انقلاب نہ آجائے۔

دوسری طرف مسالک اہل سنت کے علماء پریشان ہو گئے۔ لوگوں نے انھیں چھوڑ کر آپ سے رجوع کرنا شروع کر دیا۔ شافعی مذہب کا آتا ہے فقہ شافعی کا مسئلہ اسے بتاتے ہیں، مالکی مذہب کا آتا ہے فقہ مالکی سے اس کا مسئلہ حل کرتے ہیں۔ حنفی، حنبلی آتا ہے اس کا مسئلہ اُن کی فقہ سے حل کرتے ہیں فقہ جعفری کا آتا ہے تو اُس کے مجتہد اعظم ہیں اس کا مسئلہ حل کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دوسری فقہ کے علماء آپ کے سخت مخالف ہو گئے کوئی اُن کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں حتیٰ کہ قاضی القضاض چیف جسٹس شافعی مذہب سے ہے۔ دونوں نے ایک ہی جگہ تعلیم حاصل کی لیکن قاضی صاحب ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں اور شافعی مذہب کے لوگ آپ کے پاس آرہے ہیں، مسائل پوچھ رہے ہیں، فتویٰ حاصل کر رہے ہیں۔ یہ سب ناقابل برداشت تھا، سازشیں شروع ہونے لگیں، پروپیگنڈہ ہونے لگا، الزامات لگنے لگے،

علماء بھی پریشان اور حکومت الگ پریشان۔

آپ کے خلاف دیگر علماء نے فتویٰ تیار کیا۔ ستر افراد نے گواہی دی، ایک ہزار مختلف فقہ کے لوگوں سے دستخط لیے گئے، الزام لگایا گیا کہ آلِ محمدؑ کو ضرورت سے زیادہ بلند و بالا سمجھتے ہیں۔ آہستہ آہستہ ہمارے جوانوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ حکومت وقت نے آپ کے خلاف دستاویز تیار کروائی اور فیصلہ کے لیے شافعی مذہب کے قاضی القضاۃ عباد ابن الجماد کے پاس بھجوائی۔ عباد ابن الجماد نے مالکی مذہب کے عالم کو دستخط کے لیے بھجوا دی۔ اب ہر کوئی دستخط کرنے سے گھبرا رہا ہے۔ یہ تحریر بڑھتے بڑھتے برہان الدین مالکی کے پاس پہنچی۔ اس نے دستخط کر دیئے۔ برہان الدین مالکی سے اس پر فوراً فتویٰ مانگا گیا کہ ایسے آدمی کی سزا کیا ہے؟ برہان الدین مالکی نے فوراً فتویٰ دے دیا کہ یہ واجب القتل ہے اور مرتد ہو گیا ہے۔ فتویٰ کے بعد شہید اول کو فوراً گرفتار کر لیا گیا۔

شہید اولؒ گرفتار ہو کر آئے ان کے سامنے پہلے پوری تحریر پڑھ کر سنائی گئی اور اس کے بعد یہ کہا گیا کہ اس تحریر کی روشنی میں اور اتنے سارے گواہوں نے دستخط کیے ہیں اس لیے تجھے مرتد کے جرم میں سزا دی جا رہی ہے۔ شہید اولؒ نے ایک مرتبہ فوراً سوال کیا کہ یہ حکم کیسے جاری کر دیا گیا، میں تو موجود ہی نہ تھا، مجھ سے تو کسی نے کچھ پوچھا ہی نہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ بس خاموش رہو۔ جب ایک حاکم حکم دے دے، جب ایک عالم حکم دے دے تو پھر اس کا حکم ٹوٹ نہیں سکتا، شہید اولؒ نے کہا کہ یہ اس کے لیے تو صحیح ہے جو عدالت میں حاضر ہو کر اپنا بیان دے چکا ہو اور پھر اس کے خلاف حاکم حکم دے لیکن جو عدالت میں بلایا ہی نہ گیا ہو تو اس کے پاس تو اس کی دلیل باقی ہے۔ مجھے اجازت دی جائے میں تمام گواہوں پر جرح کروں گا۔ میں ان سے گفتگو کروں گا پھر بھی اگر کوئی جرم ثابت ہو تو پھر بالکل مجھے سزا دے دیجیے۔

لیکن ایک مرتبہ کہا گیا کہ نہیں بس اب حاکم حکم دے چکا ہے اور حاکم کا جو حکم ہے وہ کسی حالت میں بھی واپس نہیں لیا جا سکتا ہے۔ تمھیں اس کی سزا دی جائے گی اور تمھیں مرتد ہونے کے جرم میں قتل کیا جائے گا۔ شہید اوّل نے سنا بس ایک مرتبہ فوراً عباد ابن الجماد کی جانب مڑے اور کہا کہ میرا مذہب شافعی ہے شہید اولؒ کے مذہب کا کسی کو پتہ نہیں تھا کیونکہ ہر ایک سے اس کے مذہب کے مطابق گفتگو کرتے تھے۔ کہا کہ یہ مالکی ہے میں اس وقت شافعی ہوں تم جو کہ شافعی مذہب کے فقیہ ہو اس لیے میرا فیصلہ تم کرو۔ اب اس زمانے کا یہ دستور تھا کہ جس فقہ کا آدمی ہو اسی فقہ کا عالم فیصلہ کرتا تھا۔ مالکی مذہب میں مرتد کی سزا قتل ہے۔ شافعی مذہب میں مرتد کو معاف کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کہا کہ میں شافعی فرقے سے تعلق

رکھتا ہوں۔ میرا فیصلہ تم کرو۔ عباد ابن الجماد نے کہا کہ اس نے شافعی مذہب کا اعلان کر دیا ہے اور میری فقہ کے مطابق مرتد کی سزا قتل نہیں ہے اب تو اسے قتل کرنا مشکل ہے۔ ایک مرتبہ اس نے کہا کہ میری فقہ یہ ہے کہ مرتد کو ایک سال قید کیا جائے اور پھر اس سے توبہ کروائی جائے اگر وہ توبہ کرے تو ٹھیک ہے اسے معاف کر دیا جائے چنانچہ شہید اوّلؒ سے کہا گیا کہ تم توبہ کرو۔

شہید اوّلؒ نے انکار کیا کہ میں نے قصور کیا کیا ہے؟ جس کی میں توبہ کروں میں نے جرم کون سا کیا ہے۔ جس کی میں توبہ کروں؟ جان بچانے کے لیے شریعت میں واجب ہے کہ اس وقت شہید اوّلؒ توبہ کر لیتے کہ ٹھیک ہے اگر تم کہتے ہو تو میں توبہ کرنے کو تیار ہوں، لیکن شہید اوّلؒ کو پتہ تھا کہ دین داروں سے گفتگو نہیں ہو رہی یہ سب کے سب مکار ہیں اور یہ اس لیے توبہ کی بات کہہ رہے ہیں کہ اب تک شہید اوّلؒ پر کوئی جرم ثابت نہیں ہو سکا۔ چنانچہ ان سے کہا جائے کہ توبہ کرو تا کہ جب یہ کہے کہ میں اپنے اوپر گناہ کی توبہ کرتا ہوں تو فوراً کہنے کا موقع ملے کہ اب تو دیکھو کہ تمہارا جرم ثابت ہو گیا، تم خود اپنی زبان سے اس کا اقرار کر رہے ہو۔ ابن الجماد کی رگوں سے واقف تھے، انکار کیا کہ میں تو توبہ نہیں کروں گا۔ اس نے کہا توبہ نہیں کرو گے تو تمہیں سزا دی جائے گی۔

اس کے بعد شہید اوّلؒ کو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ ایک سال تک انھیں جیل میں رکھا گیا، جیل میں رکھنے کے بعد مسلسل علماء جاتے تھے اور ان پر دباؤ ڈلاتے تھے مجبور کرتے تھے کہ تم توبہ کرو شافعی مذہب میں مرتد توبہ کرے تو اس کو معاف کر دیا جاتا ہے، تمہیں بھی معاف کر دیا جائے گا۔ شہید اوّلؒ نے کہا نہیں میں توبہ نہیں کروں گا۔ اس لیے کہ آپ کو علم ہے کہ ان لوگوں نے کیا جال بچھایا ہے۔ آپ قید میں تھے کہ خراسان کے حاکم کا خط آتا ہے، ہم آپ کے منتظر ہیں۔ آپ تشریف لا کر حکومت کو سنبھالیے۔ شہید اوّلؒ ایک مرتبہ قید خانے کے اندر ہیں اور قتل کی سزا سنائی جا چکی ہے۔ حاکم حکم دے چکا ہے کہ قتل کرو، قید خانے کی تنہائی میں، لیکن اس حاکم خراسان کے سلطان کی درخواست پر خود جا نہیں سکتے مجبور ہیں۔ فوراً ایک کتاب لکھی یہ کہہ کر کہ میں تم کو ایک ایسی کتاب لکھ کر دیتا ہوں۔ جس میں فقہ کے سارے مسئلے شامل ہیں۔ جس پر تم عمل کرو تو پھر گمراہی کا امکان باقی نہیں رہے گا۔ میرے آنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ میں آ سکتا ہوں:

آپ نے صرف سات دنوں میں ایک ایسی بے مثال کتاب لکھی جس کے مقابلے میں کوئی کتاب نہیں ہے۔ اس کتاب کے لکھنے میں کئی معجزے ہوئے۔ ایک یہی کہ اس قید خانے کی تنہائی میں قتل کی سزا سنائی جا چکی ہو، انسان کا دماغ کتنا

پریشان ہوتا ہے ایسی حالت میں کتاب لکھ دی جائے کہ آج تک علمائے کرام جس کو فقہ کی بہترین کتابوں میں سے ایک بہترین کتاب مانتے ہیں دوسری بات اس وقت ان کے پاس دوسری کوئی بھی کتاب نہیں تھی۔ جس سے دیکھ کراجتہاد کر کے مسئلے لکھتے۔ سب کچھ اپنے ذہن سے لکھا اور تیسری جو کرامت ہے وہ یہ ہے کہ اس کے چھپانے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ کسی نے دیکھ لیا تو ضبط ہو جائے گی۔ سات دن جس میں یہ کتاب لکھی گئی، ان سات دنوں میں کوئی شخص بھی ان سے ملاقات کے لیے نہیں آیا۔ کتاب کا نام ہے ''لمعہ''۔

علماء کہتے ہیں اس بات کا ثبوت ہے کہ واقعی یہ کتاب بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہے اور اس کتاب کو خدا نے پسند کیا بہر حال وہ کتاب لکھ کر بھجوا دی گئی۔ ایک سال انہیں قید خانے میں گزر گیا اب اذیت دی گئی ان کو مجبور کیا گیا۔ اب ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے تاکہ یہ توبہ کرلیں اور جاننے والے بھی یہ کہہ رہے تھے کہ آپ توبہ کیوں نہیں کرتے، ضد پر کیوں ڈٹ گئے ہیں توبہ کرلیں یہ لوگ شافعی مذہب کے مطابق فیصلہ کریں گے اور آپ کو معاف کر دیا جائے گا۔ شہید مسلسل انکار کرتے رہے لیکن ایک وقت آیا جب مجبور ہوئے تو کہا اچھا اگر تم ایسا ہی چاہتے ہو تو اگر میں نے گناہ کیا ہو تو میں اس گناہ کی توبہ کرتا ہوں کہا کہ نہیں صاف صاف کہیے کہ جو گناہ میں نے کیا ہے اس کی میں توبہ کرتا ہوں۔ شہید اولؒ نے یہ فقرہ زبان سے نکالا کہ عباد ابن الجماد سامنے تھا اور کہا کہ اب میں فیصلہ تمہارے اوپر چھوڑتا ہوں جو تمہاری مرضی حکم سناؤ اور پھر برہان الدین مالکی نے کہا کہ چونکہ مجرم نے خود اقرار کرلیا ہے کہ اس نے گناہ کیا ہے جس کی اس نے توبہ طلب کی ہے اب تو یہ واجب القتل ہے اور اسے اب قتل کیا جائے گا اب قتل کا حکم سنانے کے بعد لے جایا گیا۔

۹ جمادی الاول سن ۷۸۶ھ جمعرات کا وہ سوگوار دن تھا۔ جب شہید اولؒ کو لے جایا جا رہا تھا۔ شہید اولؒ کی سزا کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ صاحب القصص علماء فرماتے ہیں حکم یہ سنایا گیا کہ شہید اولؒ کے ایک پاؤں کو ایک اونٹ میں اور دوسرے پاؤں کو دوسرے اونٹ سے باندھ دیا جائے اور اس کے بعد ان دونوں اونٹوں کو مخالف سمت میں دوڑایا جائے اور اس انداز سے شہید اولؒ کے جسم کے دو ٹکڑے کیے گئے اور تڑپ تڑپ کر یہ مردِ مجاہد راہ خدا میں شہید ہو گیا۔

البتہ قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں اس واقعے کو اس انداز سے تحریر کیا کہ شہید اولؒ کو حکم سنایا گیا کہ ان کو قتل کیا جائے اور پھر اس کے بعد ان کو لوگ لے کر چلے، جب یہ چل رہے تھے تو روایت یہ ہے کہ ان کے پاس ایک قلم اور ایک کاغذ تھا انھوں نے فوراً قلم کاغذ نکالا اور اس کے اوپر لکھا۔ ''ربی انی مغلوب فانتصر'' خداوند میں اس وقت

دشمنوں کے نرغے میں ہوں (فانتصر) میری مدد کرو۔ یہ کہہ کر اس کاغذ کو ایک مرتبہ آسمان کی جانب ہوا میں اڑا دیا۔ فوراً وہ کاغذ پلٹ کر زمین پر گرا اور جو شہید اولؒ نے اسے اٹھایا تو دیکھا کہ کاغذ کے بالکل پیچھے یہ لکھا ہوا ہے انی کنت عبدی فاصطبر، یعنی اگر تو میرا بندہ ہے تو صبر سے کام لے۔

شہید اولؒ کے نام اس الٰہی پیغام کا آنا خود شہید اولؒ کی عظمت بتانے کے لیے کافی ہے شہید اولؒ کو لے جایا جا رہا ہے اور اس کے بعد اگر جرم کی سزا دینا ہی تھی تو قتل کر دیا جاتا۔ مگر مظالم دیکھیں کہ مظالم گواہی دے رہے ہیں کہ حاکم کے حکم کے مطابق پہلے شہید اولؒ کو تلوار سے شہید کیا گیا اور پھر ان کا لاشہ تڑپ رہا تھا تو پھر اس تڑپتے ہوئے لاشے کو اُٹھا کو سولی پر لٹکا دیا گیا، کہ ہاتھ اور پاؤں میں کیلیں ٹھوک دی گئیں اور آپ کا لاشہ تڑپتا رہتا ہے۔ قتل کے بعد اگر جرم صرف یہ تھا کہ انھوں نے کسی اسلامی حکم کی خلاف ورزی کی ہے، قتل کر دیا اب دفن کر دو۔ لیکن نہیں قتل کے بعد لاشے کو سولی دی گئی، صبح سے لے کر شام تک، عصر کے وقت لاش کو درخت سے اتارا گیا اور پھر کھڑا کر کے اس کے اوپر پتھروں اور کیلوں کے ساتھ سنگسار کیا گیا۔

مغرب کے وقت تک سنگساری کرتے رہے اور ظلم کی انتہا دیکھیے یہاں تک کہ شہید کے لاشے کو آگ میں ڈال کر جلا دیا گیا اسی لیے شہید اولؒ کی قبر موجود نہیں ہے شہید اولؒ کا مزار نہیں ہے۔ یہ وہ مظلوم ہے جس کے لاشے کو سولی دی گئی۔ تیروں اور پتھروں سے سنگسار کیا گیا اور اس کے بعد آگ میں جلایا گیا۔ اور یہ سمجھا گیا کہ ہم نے شہید اولؒ کے وجود کو ختم کر دیا ہم نے اپنا انتقام لے لیا لیکن قرآن پکار پکار کر کہتا رہے گا۔

”ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتا بل احیا عند ربھم یرزقون.“

اور یقیناً موت نہیں آئی اپنے رب کے پاس اور اپنے خدا کے پاس موجود بھی ہیں اور رزق بھی پا رہے ہیں۔

☆☆☆

بسم تعالیٰ

علی بن عبدالعالی محقق ثانیؒ

پیدائش - وفات ۹۴۰ھ

شیخ نورالدین علی بن عبدالعالیؒ کرکی جو محقق ثانی کے نام سے معروف ہیں گزشتگان کے مقاصد کے جامع اور آگے آنے والوں کے مطالب کے مؤسس، پیغمبر آخرالزماںؐ کے مذہب حق کے مجدد، فقہ اور اس میں غور وخوض کے ابواب کے کھولنے والے اور بڑے مشہور علماء کے شیخ اجازہ جن کی کنیت ابوالحسن اور لقب نورالدین تھا ان کو شیخ علی بن ہلال جزائری اور شیخ محمد بن محمد بن داؤد جزینی جو ابن موذن کہلاتے ہیں وہ ابن المؤذن جو شہید اولؒ کے چچاؤں کی اولاد ہیں، سے اجازہ حاصل ہے اور محقق ثانیؒ سے شہید ثانیؒ اور شیخ علی بن عبدالعالی میسی اور ان کے فرزند ابراہیم ابن علی بن عبدالعالی میسی وغیرہ نے اجازہ لیا ہوا ہے۔ آپ تحقیق و تدقیق، جودت تحریر اور مسائل کی چھان بین میں اتنے زیادہ شہرت یافتہ ہیں کہ آپ کے بارے میں ان چیزوں کا انکار ناممکن ہے۔ آپ کی فضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ شہید ثانیؒ آپ کے شاگرد ہیں اور آپ کی تعریف کے لیے یہی بہت ہے کہ لوگ آپ کو محقق ثانیؒ کے نام سے یاد کرتے ہیں اور ان کی فضیلت میں جامع المقاصد کہنا ہی کافی ہے اور آپ کے فخر کے لیے اتنا ہی ہے کہ ایران کے شہروں میں مذہب شیعہ کی ترویج کی۔

شہید ثانیؒ نے اپنے اجازہ کبیرہ میں جو انہوں نے شیخ حسین کے لیے لکھا اس میں آپ کی یوں توصیف فرمائی۔

محقق امام، زمانہ کی نادر ہستی اور اپنے دور کی واحد بے مثال ہستی، شیخ نورالدین علی بن عبدالعالی کرکی قدس اللہ روحہ۔

شیخ علی بن عبدالعالیؒ کرکی شاہ طہماسپ صفوی کے زمانہ کے علماء میں سے ہیں۔ شاہ طہماسپ جناب شیخ علی کرکی کو جبل عامل سے ایران کے علاقے میں لے کر آیا اور ان کی بڑی عزت و تکریم کی اور اپنے زیرنگین تمام حاکموں کو لکھ بھیجا کہ شیخ علی کے احکامات کی پیروی کی جائے اور حقیقی سلطنت کے مالک وہی ہیں کیونکہ وہ نائب امامؑ ہیں چنانچہ شیخ نے تمام علاقوں میں جو شاہ طہماسپ کے زیرحکومت تھے لکھ بھیجا کہ خراج کا دستورالعمل اس طرح ہے اور رعایا کے کاموں کی انجام دہی فلاں فلاں طریقے سے ہوگی اور انہوں نے ایران کے بہت سے علاقوں میں قبلہ کو تبدیل کیا کیونکہ وہاں سمت قبلہ غلط تھی۔ سید نعمت اللہ جزائری نے اپنی کتاب ''غواص اللئالی'' کے درمیان میں کہیں لکھا کہ جب محقق ثانی شاہ طہماسپ صفوی کے دور حکومت میں اصفہان وقزوین آئے تو سلطان نے ان سے کہا کہ سلطنت کے حقدار آپ ہیں کیونکہ آپ نائب امامؑ ہیں اور

میں تو آپ کے کارندوں میں سے ایک ہوں کہ آپ کے اوامر و نواہی پر عمل کروں۔ شیخ نے اپنے احکام اور خطوط بادشاہ کی مملکت میں اس کے عمال کے پاس بھجوا دیے جس میں قوانین عدل اور یہ کہ عمال خراج وغیرہ کے بارے میں رعیت سے کس طرح کا سلوک کریں اور خراج کی مقدار اور مدت کتنی ہو وغیرہ کے بارے میں۔ اور آپ نے یہ حکم بھی دیا کہ مخالفین کو علاقے سے باہر نکال دیں تا کہ وہ موافقین کو گمراہ نہ کرسکیں۔ اور حکم دیا کہ ہر شہر اور گاؤں میں ایک امام جماعت مقرر کریں تا کہ وہ جماعت کی نماز پڑھائے اور دینی احکامات ان کو سکھائے اور سلطان نے بھی اپنے اعمال کو لکھ بھیجا کہ شیخ کی اطاعت حکم میں بجالائیں اور اچھی طرح سمجھ لیں کہ اصل حاکم شیخ ہیں اور اوامر و نواہی پر عمل ہی اصل چیز ہے۔ اور شیخ ہرگز سوار ہو کر یا پیدل کہیں یا نہیں سکتے تھے مگر یہ کہ جوانوں کی ایک جماعت آپ کے ہمراہ ہوتی۔ آپ کی وفات ۹۴۰ھ میں ہوئی۔

☆☆☆

بسم تعالیٰ

شیخ جمال الدین شہید ثانیؒ

۹۱۱ھ - ۹۶۶ھ

شہید ثانیؒ (ثانی یعنی دوسرا) جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے تاریخ کے جو نامور مرجع تقلید ہیں جو شہادت کے عظیم رُتبے پر فائز ہوئے اس میں آپ دوسرے نمبر پر ہیں۔ آپ کا اسم گرامی جمال الدین ابن نورالدین علی ابن فاضل احمد ہے، جبل عامل جنوبی لبنان کے ایک چھوٹے گاؤں ''جبہ'' میں بروز ۱۳ شوال ۹۱۱ھ ولادت باسعادت ہوئی۔ آپ کے گھر کا ماحول علمی تھا اور والد صاحب بے انتہا محبت کرتے تھے۔ علم دین کی طرف رغبت اور شوق شروع ہی سے تھا۔ آپ نے خود فرمایا! میرے والد مجھ سے بے انتہا محبت کیا کرتے تھے اور خود کبھی مجھے نہ مارا اور نہ کسی اور کو اس کی اجازت دی۔ یہاں تک کہ جب میں نے قرآن کریم ختم کیا تو میری عمر نو سال تھی۔ میرے والد مجھے ایک دینی مدرسہ میں داخل کروانے لے گئے۔ میں اس وقت اتنا چھوٹا تھا کہ مجھے پتہ بھی نہ تھا کہ میرے والد مجھے کہاں لے جارہے ہیں اتنا مجھے یاد ہے کہ جب مجھے مدرسے میں داخل کیا تو استاد سے یہ کہا کہ اسے آپ ہرگز نہ ماریں گے۔ میرے والد نہ صرف بے انتہا محبت کرتے تھے بلکہ میری تعلیم میں بے انتہا دلچسپی بھی لیا کرتے تھے۔ شہید ثانی کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ آپ نے ابتدائی تعلیم نہایت کامیابی سے حاصل کرلی۔ جب آپ چودہ برس کے ہوئے تو شفیق باپ اس دنیا سے کوچ کر گئے۔

والد کے انتقال کے بعد اپنے گاؤں کو چھوڑا اور کچھ فاصلے پر واقعہ گاؤں جہاں شیخ علی ابن حسن عبدالعالی کرکی کا دورہ تھا۔ وہ اپنے علاقے کے سب سے بڑے عالم تھے اُن سے تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ آٹھ سال اُن کی شاگردی اختیار کی اور عزیز ترین شاگرد بن گئے۔ وہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ''کرک'' آگئے، جہاں آپ کے خالو نے ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ یہاں پر مزید تعلیم بھی حاصل کرتے رہے اور اپنی خالہ زاد سے شادی بھی ہوگئی۔ یہاں تمام علوم پر دسترس حاصل کرنے کے بعد دوسرے علوم حاصل کرنے کی خاطر آپ دمشق آئے۔ یہاں فلسفہ، علم طب، علم، قانون اور علم قرأت سیکھا۔ دو سال بعد واپس وطن آئے۔ جبل عامل ایک سال یہاں رہے، پھر مصر گئے، جامع اظہر میں داخلہ لیا۔ ۱۶ ممتاز علماء اہل سنت سے علم حاصل کیا۔ مصر سے واپسی پر حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا۔ آپ اجتہاد کے درجے پر فائز تھے مگر آپ نے پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔

شیخ جمال الدین شہید ثانی

شہید ثانی کی عمر ۳۷ سال کی تھی جب اُن کا اجتہاد تمام دنیائے شیعیت میں مشہور ہو گیا تھا اور لوگوں نے ان کی تقلید کرنا شروع کی تھی۔ ۹۳۸ھ سے یہ مجتہد عالم بنے اور ۹۶۶ھ اپنی شہادت تک ان کے پاس عالمیت اور مرجعیت کا عہدہ رہا۔ یہ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھے، اس لیے کہ جس علاقے میں یہ رہتے تھے۔ جبل عامل کا علاقہ، لبنان کا علاقہ، یہ ترکی حکومت کے دائرے میں آتا تھا۔ ترکی حکومت اپنے آپ کو خلیفہ وقت کہا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ برداشت نہ کر سکتے تھے کسی ایسے شخص کو کہ وہ ان کے عقیدے کے علاوہ کسی اور کا عقیدہ رکھتا ہو۔ چنانچہ یہ تقیہ کی حالت میں زندگی گزار رہے تھے۔ صرف صاحبانِ ایمان کو معلوم تھا اور اس وقت کے صاحبان ایمان راز کو چھپانے کے عادی تھے۔ آپ صاحب کرامات مشہور ہیں۔

ایک واقعہ ہے کہ پرانے زمانے میں وہ قلم ہوتے تھے کہ جس میں سیاہی بھی نہیں جا سکتی تھی، بلکہ سیاہی کی شیشی میں قلم کو ڈبویا جاتا تھا۔ اس کے بعد قلم پر جو روشنائی لگ جائے اس کی مدد سے لکھا جاتا تھا۔ کتنی ہی سیاہی لگتی تھی، دو یا تین سطر کے بعد روشنائی سوکھ جاتی تھی، دوبارہ اسے ڈالنا پڑتا تھا۔ شہید ثانی کی کرامت یہ ہے کہ قلم کو ایک مرتبہ ڈبو کے نکالتے تھے تو چالیس چالیس اور پچاس پچاس سطریں لکھا کرتے تھے اور دوبارہ قلم کو ڈبونے کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ چالیس اور پچاس سطروں کے بعد دوبارہ قلم کو ڈبوتے یہی سبب ہے کہ آپ انتہائی کثیر تصانیف ہیں جو کام آدمی دو ماہ میں کرتا ہے۔ وہ ایک ماہ میں کرتے تھے، اس لیے کہ یہ عمل بہت وقت لیتا ہے کہ قلم کو ڈالا پھر نکالا پھر لکھا۔ اٹھارہ دن میں ایک مرتبہ ایک کتاب لکھی اور اس کتاب کو لکھنے کے بعد قاضی شہر کے حوالے کیا، وہ بہت حیران، بہت پریشان ہو گیا۔ اس نے فوراً جا کر سلطان کو جس کا نام سلیم تھا اسے اطلاع دی کہ اتنا عامل و کامل و فاضل ہمارے شہر میں آیا ہے۔ سلطان کو اطلاع ملی فوراً ان کا وظیفہ شروع کیا اور اس کے کچھ دنوں کے بعد کہا کہ یالاقط نام کا شہر ہے شام میں وہاں ایک مدرسہ نوریا ہے، اس میں ایک ایسے استاد کی ضرورت ہے جو ایک سے زیادہ فقہ کو جانتا ہو کیونکہ اس زمانے میں جو فقہ حنفی کا عالم ہے۔ وہ اپنی فقہ کو جانتا ہے۔ فقہ مالکی کا عالم ہے وہ اپنی فقہ کو جانتا ہے۔ ہمیں ایک ایسے عالم کی ضرورت ہے جو تمام فقہ کو جانتا ہو کیونکہ وہاں مختلف فقہوں کے ماننے والے آکر پڑھتے ہیں، چنانچہ ہم اس عہدہ پر آپ کو معمور کرتے ہیں۔

اس کتاب میں شہید ثانی نے چار کی چار فقہوں کے مطابق مسئلہ بیان فرمایا تھا تو سلطان نے آپ کو مدرس بنا کر اس مدرسے کا بعلبک میں بھیجا گیا، یہاں آکر انہوں نے اعلان کیا کہ میں یہاں چاروں فقہوں کی تعلیم دوں گا، کسی بھی فقہ کا،

آدمی ہو، آ کے یہاں تعلیم حاصل کرے اور فقہ چار ہی نہیں دیتے تھے بلکہ پانچویں فقہ کی بھی تعلیم دیتے تھے یعنی فقہ جعفریہ پوری پانچ فقہوں کی تعلیم اس مدرسے میں انہوں نے دی۔ روایت ہے کہ طویل عرصہ تک یہاں پر تعلیم دیتے رہے۔ تقیہ کی حالت میں تھے۔ لیکن کب تک آخر لوگوں کو محسوس ہونے لگا کہ ایسا لگتا ہے کہ یہ چاروں فقہوں سے ہٹ کر کسی اور فقہ کو مانتا ہے، ان کو اطلاع ملی اب شریعت کا حکم ہے کہ جان کو بچانا واجب ہے استعفیٰ دے کر اپنے شہر میں آگئے، اور وہیں پر شہادت تک انہوں نے قیام کیا۔

شہید ثانیؒ صاحب کرامات تھے ان کی بیس یا پچیس کرامات ہماری کتابوں میں درج ہیں بہت ہی مشہور واقعہ ہے کہ مسجد کوفہ میں ایک محراب تو وہ ہے جس میں مولا علیؑ نے نماز پڑھی، وہ محراب مسجدِ کوفہ کہلاتی ہے اس کے علاوہ بھی مسجدِ کوفہ میں کئی محرابیں ہیں اور یہ وہ محراب ہے کہ جس میں تمام علماء و مجتہدین آ کر نماز پڑھتے ہیں شہید ثانیؒ جب حج کر کے عراق کی زیارت کے لیے گئے تھے، شہید ثانیؒ نے اس مسئلہ پر بہت تحقیق کی ہے کہ قبلہ کا کیا حکم ہے اور یہ خصوصیت انھیں اپنے استاد محقق کرکیؒ سے ملی، کیونکہ محقق کرکیؒ کے بارے میں ہے کہ جب ایران میں پہنچے تھے تو ایران میں پہنچنے کے بعد جو اہم ترین کام انھیں کرنا پڑا وہ اکثر مسجدوں کے قبلے کو سیدھا کرنا تھا کیونکہ ایران کی اکثر مسجدوں کے قبلہ غلط تھے۔ اب یہ عراق آئے۔ کوفہ میں داخل ہوئے اور پہلے تو محراب جامع میں نماز پڑھی۔ وہ محراب جہاں امیر المومنینؑ نماز پڑھ چکے ہیں اور اس کے بعد مختلف محرابوں میں نماز ادا کی۔ جب محراب حضرت مقدسہ میں نماز ادا کی تو دیکھا۔ اس محراب کا قبلہ صحیح نہیں بلکہ تھوڑا سا قبلے کو ترچھا ہوا تھا، جب یہ دیکھا تو ایک مرتبہ اب یہ اعلان کر دیا کہ میں نماز اس محراب کے مطابق نہیں پڑھاؤں گا۔ اپنا مصلیٰ تھوڑا ٹیڑھا کر کے بچھاؤں گا۔

جب یہ سنا لوگ آئے اور یہ کہا کہ یہ آپ کیا غضب کر رہے ہیں بڑے بڑے مجتہدین و علماء آپ سے پہلے کوفہ کی زیارت کو بھی آئے مسجد کوفہ کی زیارت بھی کی، اس میں لوگوں نے نماز بھی پڑھی، آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ غلط ہے آپ یہ نیا مسئلہ کہاں سے نکال کر لائے ہیں، اب دیکھیے کہ مسجد کوفہ ایک ایسا مقام ہے جہاں ہمارے پہلے عالم سے لے کر آج تک جتنے علماء گزرے ہیں سب یہاں آ کر نماز پڑھ کے گئے ہیں۔ آپ نے کس طریقہ سے اس میں نماز پڑھنے سے انکار کر دیا اور قبلہ کو بدلا اپنی تحقیق پیش کی، مسائل بتائے قرآن اور حدیث سے حوالہ دیا جو علماء تھے وہ راضی ہو گئے، لیکن ایک عالم جو ابو موسیٰ نام کے تھے انھوں نے انکار کر دیا کہا علامہ حلیؒ محقق کرکیؒ شہید اولؒ یہ سب یہاں پر نماز پڑھ کر گئے

ہیں، غلط نماز تھوڑی پڑھی ہوگی، اب شہید ثانی کہتے ہیں میں ان کو غلط نہیں کہتا لیکن اپنا مسئلہ بیان کر رہا ہوں اور ثابت کر رہا ہوں مگر ابو موسیٰ انکار کرتے رہے اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی۔

چوتھے دن وہ ایک مرتبہ آیا شہید ثانی نے نماز شروع کی وہ شہید ثانی کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور پوری نماز پڑھی، ادھر اس نے نماز کو مکمل کیا، لوگ پوچھ رہے ہیں، وہ لوگوں کو جواب دینے کے بجائے ہٹا تا ہوا آگے بڑھا، شہید ثانی کے قریب پہنچا ہاتھوں کو بوسہ دیا اور کہا کہ واقعا مجھ سے غلطی ہوئی۔ شہید ثانی نے کہا بتاؤ کیا سبب ہے کہ تم اپنی غلطی کا احساس کر رہے ہو۔ کہا کل رات کو سویا تھا۔ خواب کی حالت میں میں نے دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لا رہے ہیں، آپؐ کے ساتھ ان کے اصحاب کی ایک جماعت ہے پیغمبرؐ اس محراب میں کھڑے ہوئے اور پھر میں نے دیکھا کھڑے ہونے کے بعد پیغمبرؐ نے اپنے مصلیٰ کو اتنا ہی ترچھا اور ٹیڑھا کیا کہ جتنا آپ کرتے ہیں۔ نماز کو ادا کیا پھر نمازیوں کی طرف دیکھا اور دیکھنے کے بعد فرمایا: جو آدمی اس محراب میں نماز پڑھے اور اتنا ترچھا نہ کرے جتنا میں نے کیا، اس کی نماز باطل ہے۔ رسول خداؐ کا عمل میں دیکھ کر آرہا ہوں تو بھلا اپنی غلطی کو کیسے نہ مانوں۔

صاحب کرامات مرجع تقلید کا ایک اور واقعہ بہت مشہور ہوا۔ اُس زمانے میں مکتب محمدؐ و آل محمدؑ کی کتب کو جلانا واجب سمجھا جاتا تھا۔ شہید ثانی کا کتب خانہ جلایا گیا۔ تاریخ نے لکھا کہ شہید ثانی نے دو ہزار کتابیں لکھی۔ ۱۰۰ کتابیں بچ سکیں ۱۹۰۰ کتابیں جلا کر راکھ کر دی گئیں۔ علامہ حلیؒ کی کچھ کتابیں بھی نہ بچ سکیں۔ ایک کتاب بہت اہمیت کی حامل تھی۔ شہید ثانی کو اطلاع ملی کہ دمشق میں ایک اہل سنت عالم دین کے پاس وہ کتاب موجود ہے آپ نے سفر شروع کیا اس فکر کے ساتھ کہ وہ مجھے کیوں وہ کتاب دے گا۔ دوران سفر ایک مقام پر بے انتہا، شدید سردی تھی۔ سفر جاری کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔ آپ نے سوچا آج رات آرام کیا جائے۔ یہ خیال کر کے میں سو گیا، خواب میں دیکھا جیسے میں ایک محفل میں پہنچ گیا ہوں۔ گھر کے مالک و میزبان محمد ابن یعقوب کلینیؒ ہیں۔ جنھوں نے اُصول کافی لکھی تھی۔ ان کے گھر محفل ہے محمد کلینیؒ ان سے گفتگو فرما رہے ہیں۔ تھوڑی گفتگو کی پھر کہا: اے شخص تیرا مقام بہت ہی بلند ہے اور آل محمدؑ تم سے بہت خوش ہیں۔ اس لیے میں تمھیں ایک تحفہ دینا چاہتا ہوں۔

یہ کہہ کر اپنے گھر گئے اور اپنی کتاب اُصول کافی کا ایک جز ایک چوتھائی حصہ لے آئے اور خواب کی حالت میں شہید ثانی کو دیا، شہید ثانی نے اس کو لیا بوسہ دیا، کھولا انتہائی بہترین کاغذ ہے انتہائی بہترین کتابت ہے۔ دل خوش ہو گیا مگر ایک

مرتبہ محمد بن یعقوب کلینیؒ سے کہتے ہیں کہ یہ آپ نے فقط ایک چوتھائی کتاب دی ہے مجھے پوری کتاب دے دیں۔ محمد بن یعقوب کلینیؒ کہتے ہیں کہ افسوس میری کتاب کے ساتھ لوگوں نے کتنا بڑا ظلم کیا ہے کس انداز سے اس کتاب کو تباہ کیا گیا، ظلم ہوا مجھ پر اور میری کتاب پر بس فقط ایک چوتھائی کتاب میرے پاس ہے باقی شاید کچھ اوراق گھر میں ہوں۔ میں تلاش کر کے لاتا ہوں، یہ کہہ کر وہ گھر میں داخل ہوئے اب پورا خواب چل رہا ہے۔ شہید ثانیؒ نے دیکھا کہ حالت خواب میں میرے دمشق کے بھائی اس محفل میں تشریف لائے ہیں، جن کا نام زین العابدین ہے۔ انھوں نے دیکھا کہا کہ یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے یہ کتاب ہے اصول کافی محمد یعقوب کلینیؒ کی۔ انھوں نے اٹھایا اور کہا کہ بہت خوبصورت لکھی گئی ہے لیکن اس کا کچھ حصہ میرے پاس بھی ہے۔ دمشق میں، میں نے کہا کتنا؟ انھوں نے کہا کہ تین چوتھائی حصہ میرے پاس ہے۔ شروع کا ایک چوتھائی حصہ غائب ہے ایسا ہی کاغذ ہے، ایسی ہی کتابت ہے، ایسی ہی تحریر ہے۔ میں نے سنا ایک مرتبہ ان سے کہا کہ جاؤ اور اس کو لے کر آؤ وہ چلے گئے اب باہر نکلے تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ محمد یعقوب کلینیؒ اپنے کمرے سے نکل کر باہر آرہے ہیں۔ کچھ اوراق ان کے ہاتھ میں تھے انتہائی بھدے، انتہائی خراب کتابت اور لا کر سامنے رکھا کہ بس یہی مل سکا ہے۔ دیکھو کتنا ظلم مجھ پر کیا گیا ہے۔ میں اب تک اس کی تکلیف محسوس کرتا ہوں، شہید ثانیؒ نے کہا آپ کو مبارک ہو بالکل اسی انداز سے اس کا تین چوتھائی حصہ موجود ہے میرے دوست کے پاس اور یہ اس کے ساتھ مل کر پوری کتاب ہو جائے گی۔ روایت میں یہ ہے کہ محمد ابن کلینیؒ نے سنا ایک مرتبہ ہاتھوں کو بلند کیا میرے اور میرے بھائی کے حق میں دعا کی، کہا کہ آج اتنے سالوں کے بعد تم نے مجھے سکون دیا ہے۔ تمہاری وجہ سے مجھے آرام ہے۔ اب تمہاری ذمہ داری ہے کہ اس کتاب کو بچاؤ اور جاہل لوگوں کے ہاتھ میں نہ پہنچنے دو۔

شہیدؒ کہتے ہیں میری آنکھ کھل گئی اور اس کے بعد میں اپنے سفر کو چلا، جب دمشق میں پہنچے تو علامہ حلیؒ کی کتاب بعد میں تھی۔ پہلے محمد ابن کلینیؒ کی تکلیف کا خیال تھا کہ وہ مرد مومن اپنی وفات کے بعد بھی تکلیف کی حالت میں ہے اور کیوں نہ ہوگا جس نے بیس سال سے اپنے گھر کی شکل نہ دیکھی ہوگی۔ فقط احادیث جمع کرنے کے لیے لگا رہا ہے ان کی کتاب پر واجب ظلم ہوگا تو یقیناً ان کو احساس ہوگا۔ آپ پہنچے اپنے بھائی کے پاس اور جا کر ایک مرتبہ کہا۔ کیا تمہارے پاس اُصول کافی نام کی کوئی کتاب ہے انھوں نے کہا ہاں ہے تو مگر مکمل نہیں ہے اس کا ایک چوتھائی حصہ کم ہے کہا جاؤ لے کر آؤ وہ لے کر آیا تو دیکھا کہ بالکل اسی صفحے سے شروع ہو رہی ہے کہ جہاں تک صفحات محمد ابن کلینیؒ خواب میں انہیں بتا کر گئے تھے۔

اب ایک مرتبہ پورا خواب بتایا اور کہا کہ ہم اس کتاب کو مکمل جمع کریں گے۔ پھر ایک چوتھائی بھی ملا کر اسے جمع کر کے شہید ثانی نے صحیح نسخہ ہم تک اور آپ تک پہنچایا ورنہ اصول کافی آج نہ ہوتی۔

اب پہنچے دمشق میں اور پہنچنے کے بعد اس عالم سے دوستی پیدا کی علمی نشستیں ہو رہی ہیں۔ تقیہ کی حالت ہے اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے ہیں جب بہت گہری دوستی ہوگئی تو ایک مرتبہ کہا کہ اے شخص اب میں وطن جانا چاہتا ہوں۔ اب میں اپنے شہر واپس جا رہا ہوں۔ تھوڑے دنوں کے لیے دمشق میں آیا تھا اس نے گھبرا کے کہا کہ ہماری اور تمہاری جدائی ہو رہی ہے تم جا رہے ہو کہا کہ ہاں جا رہا ہوں۔ وہ آدمی کہتا ہے جیسا کہ دستور ہے اسلام کا کہ جب تم جا رہے ہو تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہیں ایک تحفہ دوں۔ بتاؤ تم کیا تحفہ لینا چاہتے ہو۔ کہا کہ میں ایک کتاب تمہارے کتب خانے سے لینا چاہتا ہوں۔ آپ کتاب کا نام بتا دیں تو فوراً نکال کر لے آؤں گا۔ وہ ان کو لے کر اندر گیا کہا یہ ساری کتابیں رکھی ہیں جو تمہارا دل چاہے لے لو۔ تاریخ کا فقرہ ہے کہ اس کے کتب خانے میں تقریباً دس ہزار کتابیں تھیں۔ دمشق کا سب سے بڑا کتب خانہ تھا۔ چاروں طرف الماریاں ہیں کئی منزلہ الماریاں ہیں سینکڑوں کتابیں اس کے اندر ہیں اور علامہ حلیؒ کی کتاب کہاں پر ہے کون بتا سکتا ہے لیکن مورخین کا اتفاق ہے کہ شہید ثانی آگے بڑھے ان ہزاروں کتابوں میں سے ایک کتاب پر ہاتھ رکھا، ہاتھ رکھ کر واپس لائے جب کھول کر دیکھا گیا تو پتہ چلا یہ علامہ حلیؒ ہی کی گمشدہ کتاب ہے، یہ بھی ایک کرامت ہے ان ہزاروں کتابوں کے اندر بغیر دیکھے کسی کتاب کو ہاتھ لگانا اور وہی کتاب نکلی جس کی تمام شیعیت کو ضرورت تھی۔ یہ خود شہید ثانی کا ایک اعجاز اور کرامت ہے۔

ہمارے مورخین نے جو علماء کے حالات لکھے ہیں، ایک فہرست تاریخ میں اُن علماء کی جنھوں نے تمام زندگی کوئی مباح کام تک انجام نہیں دیا۔ حرام اور مکروہ تو بہت دور کی بات ہے ان کی زندگی گزری یا واجب میں یا مستحب میں واجب اور مستحب کے علاوہ انھوں نے اپنی زندگی میں کوئی کام نہ کیا، مباح تک نہ کیا حرام تو بہت دور کی بات ہے۔ اس فہرست میں شہید ثانی کا نام بالکل سرفہرست آتا ہے یعنی شہید ثانی ہمارے وہ جلیل القدر عالم ہیں کہ جنھوں نے اپنی ساری زندگی اس طرح گزاری کہ کوئی حرام کوئی مکروہ اور کوئی مباح کام ان سے نہ ہونے پایا۔

پورا مدرسہ ان کے ہاتھ میں ہے صاحب اختیار ہیں لیکن حالت یہ تھی کہ اس انداز سے ہمارے مجتہدین نے زندگیاں گزاریں، ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ میں نے کئی بار دیکھا ہے کہ میرے استاد رات کو گدھا لے کر جنگل میں جاتے ہیں اور

وہاں سے لکڑیاں جمع کر کے لاتے ہیں تاکہ ان کو فروخت کر کے اپنے گھر والوں کے کھانے کا انتظام کیا جائے اور اپنی زندگی کو شہید نے اس طرح تقسیم کر دیا تھا یعنی رات کے وقت سے مراد نماز شب کا وقت جنگل میں جا کر لکڑیاں جمع کیا کرتے تھے۔ صبح کی نماز مسجد میں آ کر پڑھتے تھے صبح سے لے کر شام تک درس دیا کرتے تھے۔ مغرب کی نماز مسجد میں پڑھتے تھے۔ ان کا ایک انگور کا باغ تھا اس میں جاتے تھے، وہاں جا کر باغ کی دیکھ بھال کرنا، پانی دینا، شاخوں کو کاٹنا، پھلوں کو دیکھنا یہاں تک کہ فقط ڈیڑھ یا دو گھنٹے رات کو سوتے ہوں گے۔ باقی پورے دن کا نظام یہی تھا کہ علی الصبح جنگل میں جا کر لکڑیاں جمع کر کے لانا، نماز صبح سے شام تک مدرسے میں پڑھانا مغرب وعشاء کی نماز پڑھنا اس کے بعد انگور کے باغ کی دیکھ بھال کرنا اور فقط تھوڑا سا وقت آرام کرنا۔ یہ انداز تھا ہمارے علماء کے زندگی گزارنے کا اور کوئی شرم وحیاء نہیں ، عار بھی نہیں، سب کے سامنے لکڑیاں جمع کر کے لاتے ہیں اور بازار میں بیچتے ہیں۔

لیکن ان تمام کے تمام واقعات وحالات کے ساتھ شہید ثانیؒ کے علم میں یہ تھا کہ مجھے مقام شہادت ملنے والا ہے۔ متواتر اور مسلسل اپنی شہادت کی خبر دیتے رہے تھے۔ شہید ثانیؒ کے بارے میں یہ واقعہ بھی ہماری کتابوں میں ہے کہ شیخ بہائیؒ نقل کرتے ہیں اپنے والد کے حوالے سے کہ ایک دن شہید ثانیؒ اور میرے والد ساتھ ساتھ جا رہے تھے ایک بیابان سے گزرے شہید ثانیؒ نے اس مقام کو دیکھا چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا اور کہا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں پر انتہائی بزرگ شخص کا خون بہایا جائے گا اور ایک بے گناہ مومن یہاں اپنے خون میں لوٹے گا۔ اسی طریقے سے ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے استاد کے ساتھ جا رہا تھا چلتے چلتے راستے میں ایک جنگل آیا۔ میرے استاد محترم نے مجھے دیکھا اور کہا کہ پہچانتے ہو اس مقام کو میں نے کہا۔ نہیں کہا یہ وہ مقام ہے جہاں آ کر مجھے شہادت ملے گی۔ شہادت کی فضیلت حاصل ہوگی

شہید ثانیؒ کے واقعات میں ہمیں کتب میں دو خواب ملتے ہیں، ایک خواب یہ کہ ایک مرتبہ شہید ثانیؒ نے خواب کی حالت میں دیکھا کہ جیسے وہ جنت میں پہنچ چکے ہیں اور جنت میں ایک قطار سے کرسیاں رکھی ہوئی ہیں اور ہر کرسی پر کوئی نہ کوئی عالم بیٹھا ہے۔ یہاں تک کہ دیکھا اس ساری قطار میں فقط ایک کرسی خالی ہے اور وہ شہید اولؒ کے پہلو میں خالی ہے کسی سے سوال کیا کہ یہ کرسی کس لیے خالی ہے کہا یہ کرسی تمہارے لیے خالی ہے۔ شہید ثانیؒ سمجھ گئے کہ شہید اولؒ کے پہلو میں کرسی ہونے کا مقصد یہ ہے کہ شاید مجھے بھی وہ مقام ملے جو شہید اولؒ کو ملا ہے۔

شیخ بہائیؒ اپنے والد ہی کے حوالے سے یہ واقعہ بھی نقل کرتے ہیں کہ ایک دن میں صبح شہید ثانیؒ کے پاس پہنچا۔ میں

نے دیکھا کہ وہ سر جھکائے کسی سوچ میں پڑے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ سوال کیا کہ آپ کیا سوچ رہے ہیں؟ کہا میرا خیال ہے کہ میں ثانی شہیدین شہیدوں میں سے دوسرا شہید بنوں گا۔ میں نے کہا کہ یہ خیال آپ کو کیسے آیا کہ کہا رات میں نے خواب میں دیکھا میں سید مرتضیٰؒ کے مکان پر پہنچ گیا ہوں۔ انھوں نے کوئی دعوت کی ہے علماء آ رہے ہیں۔ وہ کھڑے ہو کر استقبال کرتے ہیں اور ہر ایک کو ایک ایک مقام پر بٹھاتے ہیں جب میں پہنچا تو بڑے احترام کے ساتھ کھڑے ہوئے تعظیم و تکریم کر کے لے چلے اور سید صاحب مجھے لے جا کر شہید اولؒ کے پہلو میں بٹھا دیا جس سے میرا اندازہ یہ ہے کہ غالباً یعنی میں شہیدوں میں سے دوسرا شہید ہونے والا ہوں۔ تو شہید ثانیؒ کا یہ خواب اور بار بار اپنی شہادت کا تذکرہ کرنا خبر دیتا ہے کہ وہ تیار تھے اور انتظار کر رہے تھے کہ شہادت کب ملے گی۔

تقیہ کی حالت میں زندگی گزار رہے تھے آخر وہ وقت آیا کہ لوگوں کو ان کے بارے میں معلوم ہو گیا سن ۹۶۵ھ یا ۹۶۶ھ کا سن تھا۔ شہید ثانیؒ علم کے آخری مقام پر پہنچ چکے تھے اب انھوں نے اپنی زندگی کا آخری کام شروع کر دیا۔ یعنی شہید اولؒ کی کتاب ''لمعہ'' فقہ کی ایک کتاب ہے اس کی شرح لکھنا شروع کی یہی ''شرح لمعہ'' آج تک تمام دینی مدارس کے نصاب میں داخل ہے۔ شرح لمعہ لکھنا شروع کی یہ کتاب چھ ماہ اور چھ دن میں مکمل ہوئی۔ جس کے بارے میں تمام علماء متفق ہیں ہر دینی مدرسے میں پڑھائی جاتی ہے ہر ایک کو معلوم ہے کہ دو سال میں اسے کوئی پڑھ نہیں سکتا ہے لکھنا تو بہت دور کی بات ہے آج تک ۹۱۱ھ سے لے کر ۱۴۳۶ھ تک ۵۲۵ سال سے یہ کتاب دینی مدارس کے نصاب میں داخل ہے لیکن دو سال سے کم مدت میں اسے کوئی پڑھ نہیں سکتا ہے چہ جائے کہ چھ ماہ میں لکھنا ورنہ عام طور پر تین سے چار سال فقط اس کے پڑھنے میں لگتے ہیں اور چھ ماہ چھ دن میں شہید ثانیؒ نے اس کتاب کو تحریر کیا۔

جب عالم نابغہ روزگار ہو تو دشمن بھی بے شمار ہوتے ہیں اُس وقت محبان اہل بیتؑ سے ہٹ کر جو علماء تھے ان کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑکنے لگی۔ چنانچہ انھوں نے حاکم وقت کے پاس جا کر شکایت کر دی کہ یہ ایک ایسا شخص آیا ہے جو آپ کی حکومت کے لیے خطرہ ہے ایک نئے دین کی تعلیم دے رہا ہے حاکم نے سات آدمیوں کو بھیجا کہ وہ جا کر ان کو گرفتار کر کے لائیں ایک روایت میں یہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کے پاس دو آدمی آئے اور آنے کے بعد کہا کہ ہم میں آپس میں اختلاف ہے آپ ہمارے درمیان فیصلہ کریں کون حق پر ہے اور کون نہیں ہے یہ تو آپ کے علم میں ہو گا کہ مجتہد کا کام فقط فتویٰ دینا نہیں ہے مجتہد کا کام فیصلہ کرنا بھی ہے، عدالت چلانا سوائے مجتہد کے علاوہ کسی اور کا کام نہیں چنانچہ حکم یہ ہے کہ صاحبان

ایمان اگر کبھی آپس میں اختلاف کریں تو فوراً حاکم شرع کے پاس جائیں۔ کسی اور کے پاس نہیں جائیں تو وہ آدمی پہنچے شہید نے دونوں کے دعویٰ کو سنا اور سننے کے بعد شریعت کے مطابق فیصلہ کر دیا کہ تم باطل پر ہو۔ جس کے خلاف فیصلہ کیا وہ ایک مرتبہ غصے میں قاضی کے پاس چلا گیا۔ جو پورے شام کا قاضی تھا وہاں جا کے بتایا کہ وہ اس قسم کا آدمی ہے اور تم قاضی ہو وہ تمہارے مقابلے میں خود عدالت لگاتا ہے اور فیصلہ کرتا ہے دیکھو اس نے میرے خلاف فیصلہ دیا ہے قاضی نے سنا فوراً سپاہی بھیجے کہ ان کو گرفتار کر کے لایا جائے

شہید ثانیؒ کو اطلاع مل چکی تھی۔ چنانچہ یہ فوراً اپنے شہر سے نکلے اور یہ سوچ کر نکلے کہ مکہ کی سرزمین محفوظ سرزمین ہے ۔وہاں جا کر اپنے دن رات گزاروں گا۔ قاضی کے آدمی آئے چاروں طرف تلاش کیا۔ شہر والوں سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ وہ تو حج کرنے جا چکے ہیں اب قاضی مجبور ہو گیا اس لیے کہ اس کا علاقہ تو شام تھا اور مکہ آتا تھا حجاز کے علاقے میں ،وہاں تک اس کی رسائی نہ تھی اس نے فوراً وزیر اعظم کو جس کا نام رستم پاشا تھا، خط لکھا کہ یہ اس قسم کا آدمی ہے کہ اس نے علاقے میں ایک نئے دین کی تبلیغ کرنا شروع کی ہے اس کے خطرے کو فوراً روکا جائے۔ ورنہ حکومت کے لیے پریشانی شروع ہو جائے گی۔ رستم پاشا نے سلطان تک یہ خبر پہنچائی۔ سلطان نے ایک ظالم اور سنگ دل آدمی کو مقرر کیا۔ فوجی دستہ دے کر جاؤ جہاں بھی اسے پاؤ۔ فوراً گرفتار کر کے میرے پاس لے آؤ۔ یہ اس وقت مکہ میں پہنچ چکے تھے۔ حج کر چکے تھے۔ کعبے کے سامنے ان کو گرفتار کر کے لے گئے۔ وہ مظلوم شہید ہو گئے۔

سن ۹۶۶ ہجری اور عمر صرف ۵۵ سال۔ اب روایت یہ ہے کہ نعمت اللہ جزائری جیسے محدث نے لکھا ہے کہ ان کا بے گور و کفن لاشہ بیابان جنگل میں پڑا ہوا ہے۔ ادھر سے کچھ کسان گزرے، رات کا وقت ہے اندھیری رات ہے، دیر ہو چکی ہے اپنے گھروں میں پہنچنے کی جلدی ہے، تیزی سے چلے جا رہے ہیں، اتنے میں نگاہ پڑی آسمان سے زمین تک ایک نور ہی نور نظر آ رہا ہے۔ گھبرا کے دیکھا کہ یہ نور کہاں سے بلند ہو رہا ہے۔ قریب آئے تو دیکھا کہ ایک بے سر لاشہ جنگل کی زمین پر پڑا ہے اور یہ نور اس سے نکل کر آسمان کی طرف جا رہا ہے۔ پہچانتے نہ تھے مگر اس نور کو دیکھ کر یقین ہو گیا کہ یقیناً کوئی خاصانِ خدا میں سے ہے چنانچہ بڑے احترام و عزت کے ساتھ وہیں پہ قبر تیار کر کے شہید ثانیؒ کو دفن کر دیا۔

شہید ثانیؒ کے خون نے زمین پر اللہ کا نام لکھا:

سید نعمت اللہ جزائری یہاں تحریر کرتے ہیں کہ جب شہید ثانیؒ کا سر کاٹا گیا ان کے جسم سے نکلنے والے خون کا جہاں

جہاں قطرہ گرا تھا اس نے زمین پر اللہ کا نام لکھ دیا تھا اور روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ نور کی چادر جو زمین سے آسمان تک تھی۔ جب یہ کسان قریب پہنچے تو ان کی نگاہ پڑی کہ اس نور کے اندر کاغذ کا ایک ٹکرا ہے اور اس پر قرآن کی یہ آیت لکھی ہوئی ہے۔

رب انی مغلوب فانتصر

خداوندا میں اس وقت ظالموں کے قبضے میں ہوں۔ میری مدد کر

اور پھر یہ کسان کہتے ہیں ہم نے اس رقعے کو دیکھا۔ جب گھوم کر اس کی دوسری جانب آئے تو دیکھا کہ اس کی دوسری جانب جواب لکھا ہوا ہے اور یہ ایک آیت

ان کنت عبدی فاصبر

کہ اگر تو میرا بندہ ہے تو مظالم پر صبر کر

اس کے بعد روایتوں میں ہے اگر چہ شہید تو بہت ہوئے مگر شہید ثانیؒ وہ شہید تھے کہ جن کی شہادت کے بعد واقعاً عذاب بھی آیا۔ استنبول (استنبول ظالم حکومت کا دار الخلافہ تھا) پر اور روایت ہے جیسے ہی ان کی شہادت ہوئی۔ اس کے اگلے دن بارش ہوئی اور اتنی شدید بارش ہوئی کہ کبھی استنبول پر کسی تاریخ میں نہ ہوئی تھی اور اس کے بعد دریا میں سیلاب آیا۔ ایسا سیلاب کہ آدھا شہر اس کے اندر غرق ہو گیا لیکن یہ تو فقط وہ دنیاوی انتقام ہے جو ایک مومن بےراہ خدا کی شہادت پر لیا گیا اور آخرت کا انتقام تو ان تمام لوگوں کے لیے حاضر ہے اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ خدا غافل ہے۔

**فلا تحسبن اللہ غافلا عما یعمل لظالمون **

کہ یہ نہ سمجھیں کہ خدا غافل ہے ایک وقت آئے گا جب ان تمام بے گناہ شہیدوں کا بدلہ لیا جائے گا

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین

شہید ثانیؒ کا ایک بہت بڑا احسان یہ ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کی صورت میں اور اپنی اولاد کی صورت میں علماء کے ایک ایسے سلسلے کو قائم کر گئے جو کئی سو سال تک شہید ثانیؒ کی شہادت کے بعد بھی انہی کی نسل سے تعلق رکھنے والے ان کے بیٹے، ان کے پوتے، ان کے پڑپوتے، ان کے پوتوں کے پوتے کئی پشتوں تک علماء کا ایک سلسلہ چلا کہ جس میں شہید ثانیؒ ہی کے خاندان کے افراد ہمیں آگے آگے نمایاں نظر آئے اور پھر فقط اولاد کی حد تک نہیں بلکہ اپنے کچھ ایسے شاگرد بھی اس دنیا میں چھوڑ گئے کہ جنہوں نے شیعیت کی ہر اعتبار سے بے انتہا خدمت کی۔ ان کے خاندان میں پوری شیعہ تاریخ کے اندر

ہمیں شہید ثانیؒ جیسا کوئی اور عالم ہمیں نظر نہیں آتا۔ جہاں اتنی پشتوں تک اتنے بڑے بڑے نمایاں مجتہدین علماء گزرے ہوں۔ شہید ثانیؒ کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ آپؒ کے خاندان میں سب سے پہلا نام آپؒ کے حقیقی بیٹے شیخ حسن کا نظر آتا ہے۔ جب شہید ثانیؒ شہید کیے جارہے تھے تو اس وقت شیخ حسن کی عمر گیارہ سال تھی اور شہید ثانیؒ کے رشتے کے ایک بھتیجے تھے جن کا نام شیخ محمد تھا وہ گیارہ سال کے تھے۔ شہادت کے بعد دونوں نے سوچا کہ ہمیں علم دین حاصل کرنے کے لیے اپنے وطن سے نکلنا پڑے گا۔

شہید ثانیؒ کے بعد علمی مرکز مقدس اُردبیلیؒ کو منتقل ہو گیا تھا، شہید کا بیٹا ہے ذہانت میں جتنا زیادہ کہا جائے اتنا کم ہے چنانچہ انتہائی ذہین تھے، اپنے وطن میں کوئی پڑھانے والا استاد نہیں، کوئی بتانے والا نہیں، اکثر کتابیں بغیر کسی پڑھانے والے کے خود ختم کرتے جارہے تھے۔ یہاں تک کہ ایک منزل آئی اور استاد کی ضرورت محسوس ہوئی۔ دونوں بھائیوں نے یہ طے کیا کہ اب چل کر مقدس اردبیلیؒ کے پاس علم حاصل کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ وہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے۔ وہ دونوں یہ ارادہ کر کے اپنے وطن لبنان سے نکلے اور مقدس اردبیلیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

مقدس اردبیلیؒ اس وقت نجف میں مقیم تھے۔ مقدس اردبیلیؒ نے ان کے بارے میں کہا ابھی یہ کم سن ہیں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب ان کے قلم سے لکھی ہوئی کتابیں اس طرح شائع ہوں گی کہ دنیائے شیعیت کا کوئی ایسا گھر نہ ہوگا کہ جس میں ان کے قلم سے لکھی ہوئی کتاب نہ پہنچے۔ مقدس اردبیلیؒ نے یہ پیشین گوئی کی تھی اور وہ وقت جلد آ گیا کہ جب مقدس اردبیلیؒ کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ شہید ثانیؒ کے فرزند جن کا نام شیخ حسن ہے، انھوں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے معالم الدین۔ خدا نے ایسی برکت دی اس کتاب کو کہ جیسے ان کے والد کی کتاب کی کیفیت ویسے ان کی کتاب کی کیفیت ہے کوئی عالم، کوئی فقیہ، کوئی مدرسہ ایسا نہیں جس میں یہ کتاب نہ پڑھائی جاتی ہو۔ فرق صرف اتنا ہے۔ باپ کی کتاب فقہ کے بارے میں ہے۔ مسائل وغیرہ، بیٹے کی کتاب اُصول فقہ کے بارے میں ہے یعنی اجتہاد کا طریقہ اور اجتہاد کے اصول۔ مگر ایسی یہ کتابیں لازم وملزوم ہو گئیں کہ پوری دنیا کے اندر ۵۲۵ سال کا عرصہ گذر گیا۔ کوئی ایسا مدرسہ نہیں مل سکتا۔ کوئی عالم ایسا نہیں ملتا۔ جس نے باپ اور بیٹے کی کتاب کو پڑھے بغیر علم دین حاصل کیا ہو۔ یہ برکت خدا نے شہید ثانیؒ کے فرزند کو دی۔ ان کی کتاب کی وہ قدر و قیمت کہ اب تک رہتی دنیا تک باقی رہے اور ان کے بیٹے کی کتاب کی ایسی کیفیت کہ کوئی عالم، کوئی مدرسہ، کوئی لائبریری ایسی نہیں جس میں اس کتاب سے استفادہ نہ کیا جاتا ہو۔ ان کے ساتھ ان کے بھائی کی کتاب

بھی اتنی اہم ہوگئی تھی جس کا نام مدارج ہے۔

چنانچہ یہ دونوں بھائی مجتہدین بن گئے۔اب تمام تاریخوں میں ان کے بارے میں یہ موجود ہے کہ مجتہد بننے کے بعد تمام دنیا ان کی تقلید کر رہی ہے لیکن اس کے باوجود ہر ایک دوسرے کو اپنے سے برتر اور اعلیٰ سمجھتا ہے اور اصول یہ بن گیا تھا کہ نماز جماعت دونوں جا کر مسجد میں پڑھا کرتے تھے۔جو آدمی پہلے مسجد میں پہنچ جائے وہ پہلے جماعت کراتا تھا۔اور دوسرا شخص مجتہد ہونے کے باوجود باخوشی اس کے پیچھے نماز پڑھا کرتا تھا۔نہ کسی قسم کا اعتراض، نہ نماز سے غفلت، نہ ایسے جماعت کو چھوڑا اور حالت ایسی تھی کہ اگر کبھی بھی دونوں بیٹھے ہوئے ہوتے اور کوئی آدمی کوئی مسئلہ لے کر آتا۔اگر اس نے جس سے آکر پوچھا، جواب دیا کہ اگر اس کی سمجھ میں جواب نہ آیا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ٹالا جائے۔غلط جواب دیا جائے بلکہ فوراً یہ کہتے تھے مجھ سے بڑے عالم یہاں موجود ہیں۔یہ مسئلہ ان سے پوچھتے ہیں۔دونوں کا یہ انداز رہا، اتنا خلوص، اتنی محبت، اس کے ساتھ ساتھ تقویٰ بھی بے انتہاء اور پرہیزگاری بھی۔

ایک مرتبہ دونوں بھائی مشہد مقدس امام رضا علیہ السلام کی زیارت کے لیے عازم سفر ہوئے۔ان دنوں خچر، گھوڑا یا اونٹ پر سفر ہوتا تھا۔تقریباً چھ ماہ کا عرصہ لگ گیا۔سفر کی مشکلیں، مشقتیں جھیلتے جھیلتے جب مشہد مقدس کے قریب پہنچے۔اب دیکھیے جو اس زمانے میں اتنا مشکل سفر کرتے تھے تو منزل کے قریب آنے پر خوشی کی انتہا کس درجہ پر فائز ہوتی ہوگی۔کچھ ایسی ہی کیفیت تھی کہ انہیں معلوم ہوا کہ شاہ عباس بادشاہ بھی زیارت کے لیے آیا ہوا ہے۔دونوں بھائی پریشان ہوگئے کہنے لگے اگر زیارت کو جاتے ہیں تو ضرور بادشاہ سے ملاقات ہوگی اور کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بادشاہ کے زیر بار آجائیں۔اس لیے مناسب یہی ہے کہ واپس چلا جائے اور زیارت کو ترک کر دیا جائے۔لہٰذا اپنے تقویٰ کی خاطر، نفس کی خاطر واپسی اختیار کی اور انتہائی دل شکستہ حالت میں واپس ہوئے۔کہاں مشہد مقدس اور کہاں لبنان کا سینکڑوں میل کا فاصلہ۔

ایک مرتبہ شیخ حسن حج کے لیے عازم مکہ ہوئے۔یہ ان کا پہلا حج تھا۔روایت کے مطابق جب خانہ کعبہ پر پہلی نظر پڑتی ہے تو جو دُعا مانگی جائے پوری ہوتی ہے۔آپ اپنے امام زمانہ علیہ السلام کی زیارت کے مشتاق تھے اور چونکہ بہت سے لوگ ایام حج میں شرف زیارت امام مہدیؑ حاصل کر چکے تھے۔اس لیے جیسے ہی پہلی نگاہ خانہ کعبہ پر پڑی۔آپ نے شرف زیارت کی دُعا مانگی۔

روایات اور واقعات کے مطابق روزِ عرفہ میدانِ عرفات میں آپؑ کی تشریف آوری ہوتی ہے اور کئی لوگ مشرف ہو

چکے ہیں۔ شیخ حسن روز عرفہ میدان عرفات میں بیٹھے سوچوں میں گم تھے، دوپہر کا وقت تھا آپ کے دوست بھی چاروں اطراف میدان عرفات میں بیٹھے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص ذیشان شخصیت آگے آیا ان کو سلام کہا اور سلام کرنے کے بعد سامنے بیٹھ گیا اور بیٹھنے کے بعد سوال کیا۔ اے شیخ حسن! تم کیا سوچ رہے ہو کس فکر میں عرفات میں ہو۔ اعمال کرو۔ شیخ حسن اعمال کر رہے تھے مگر اعمال کے دوران کسی سوچ میں گم تھے۔ شیخ حسن نے جواب دیا کہ میں نے سنا ہے عرفات روز عرفہ زمانے کے امام تشریف لاتے ہیں۔ کاش مجھے اس مقام کا علم ہو جائے اور میں شرف ملاقات حاصل کرلوں۔ سننے والے نے کہا تمہاری فرمائش ہے کہ تم وہاں جا کر زیارت کرو۔ وہ تو خود تمہارے پاس ملنے کے لیے آئے ہوئے ہیں، وہ خود تمہارے پاس پہنچے ہیں۔ اپنی زیارت کروانے کے لیے شیخ حسن نگاہیں جھکائے بیٹھے تھے یہ سنتا تھا کہ ایک مرتبہ نگاہ اٹھاتے ہیں مگر جانے والے جا چکے تھے سامنے کوئی بھی تشریف فرما نہ تھا۔ شیخ حسن کی قسمت دیکھیے، وقت کے امام خود اپنی زیارت کروانے کے لیے تشریف لائے۔ جب جانے والے چلے گئے تو آپ نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا آپ کے ساتھی حیرت سے آپ کو دیکھ رہے تھے کہ آپ نے پوچھا ابھی ابھی جو میرے سامنے تشریف فرما تھے۔ وہ کہاں گئے۔ اُن کے ساتھیوں نے کہا یہاں تو کوئی بھی نہ تھا۔ ہم حیران ہیں کہ آپ اعمال کرواتے کرواتے رُک کیوں گئے تھے۔ شیخ حسن سمجھ گئے کہ پروردگار نے میری آرزو، تمنا اور دُعا کو شرف قبولیت بخشا۔

۵۲ سال کی عمر میں شیخ حسن کا انتقال ہوا اور اب شہید ثانیؒ کے پوتے یعنی شیخ حسنؒ کے بیٹے شیخ محمدؒ کا دور شروع ہوتا ہے۔ عجیب برکتوں والا خاندان ہے۔ اس خاندان میں مسلسل کئی پشتوں سے مجتہد گزرے ہیں اور ساتھ ساتھ ان کے شاگردوں کا بھی بلند مقام ہے۔

چنانچہ شہید ثانیؒ کے بیٹے شیخ حسنؒ کے انتقال کے بعد دنیائے شیعیت کی قیادت ان کے پوتے شیخ محمدؒ کے ہاتھ آئی۔ مگر شیخ محمدؒ کے ہاتھ میں اس قیادت کا آنا تھا اور حکومت ان کی دشمن بن گئی چنانچہ تاریخوں میں لکھا ہے کہ ایک طویل عرصہ انہیں ہجرت کے عالم میں گزارنا پڑا۔ کبھی یہاں رہتے ہیں، کبھی وہاں رہتے ہیں، کبھی اس علاقے میں، کبھی اس علاقے میں حتیٰ کہ کربلائے معلیٰ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے حرم میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ روضے میں نماز پڑھ رہے ہیں اور یہاں بھی حکومت کے کارندے پہنچ گئے ہیں اور عین حالت نماز میں ان کے سینے میں تیر پھینکا گیا جو اتفاق سے یا امام کے معجزے سے سینے میں آنے والا تیر ایک مرتبہ نیچے سے نکل گیا اور اس طرح ان کی جان بچی، مگر حرم کے اندر بھی ان پر

قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ اس لیے کہ ان کا تعلق شہید ثانیؒ کے خاندان سے ہے اور اس خاندان سے حکومت خائف ہے۔

شیخ محمدؒ کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے آپ کی جائے سکونت مکہ تھی۔ لبنان کے رہنے والے گردش زمانہ انھیں لبنان سے مکہ آنا پڑا۔ لبنان انتہائی زرخیز سرزمین اور مکہ بقول قرآن کریم کے بنجر زمین۔ ایک دن اپنی زوجہ کے ساتھ بیٹھے اپنے وطن لبنان کو یاد کر رہے تھے۔ لبنان میں ایک خوشبودار پھول گلاب نہیں مگر گلاب جیسا اُس پھول کو یاد کر کے اُداس، اُداس نظر آ رہے تھے کہ آپ کی زوجہ نے کہا کہ آپ کیوں خوامخواہ اُداس نظر آ رہے ہیں اگر آپ لبنان میں بھی ہوتے تو آپ کو یہ پھول نہ ملتے۔ اس لیے کہ ان پھولوں کا موسم نہیں ہے آپ اُسی شام کو حرم کعبہ گئے۔ طواف کر رہے تھے کہ دیکھا انھی پھولوں کا گلدستہ لیے ایک جوان قریب آیا اور ان سے کہا کہ میں یہ پھول آپ کے لیے لایا ہوں۔ ایک مرتبہ یہ گھبرا گئے۔ سوچا یہ مکہ ہے لبنان نہیں پھر یہ موسم ان پھولوں کا نہیں ہے پوچھتے ہیں یہ پھول کہاں سے لائے۔ لانے والے نے جواب دیا۔ تمہارے لیے لایا ہوں پھر پوچھا کہاں سے لائے۔ ایک مرتبہ کہا جزیرۂ خضراء کے ایک شہر کا نام لیا کہ وہاں سے لایا ہوں۔ بس یہ سننا تھا کہ سمجھ گئے یہ تو میرے مولا امام زمانہ علیہ السلام ہیں قدم بوسی کرنا چاہتے تھے کہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ اسی لمحے جانے والے جا چکے تھے۔

جب دُنیا سے جانے کا وقت قریب آیا تو مرنے سے تین دن قبل لوگوں سے کہا کہ بس تین دن کے بعد دنیا سے واپسی ہے اور جب تین دن پورے ہوئے تو خالق حقیقی سے جا ملے۔ عجیب صاحب کرامت تھے۔ جنازے سے تلاوت کی آواز آ رہی تھی اور جب قبر بن گئی تدفین ہو گئی تو قبر سے تلاوت کی آواز آ رہی تھی۔ کہا گیا کہ خود امام زمانہ علیہ السلام تلاوت فرما رہے ہیں۔ سبحان اللہ

☆☆☆

بسم تعالیٰ

احمد بن محمد مقدس اردبیلیؒ

پیدائش - وفات ۹۹۳ھ

ان کا نام احمد اور ان کے والد کا نام محمد ہے چنانچہ یہ احمد بن محمد کے نام سے مشہور ہیں۔ ایران کے صوبہ آذربائیجان کا ایک علاقہ ''اردبیل'' ہے جہاں سے ان کا تعلق ہے، اس اعتبار سے اردبیلی کہلاتے ہیں۔ احمد بن محمد اردبیلیؒ ان کا پورا نام قرار پایا اور ان کا لقب مقدس ہے اور یہ ان کا اتنا مشہور لقب ہے کہ جب بھی کسی کو لفظ مقدس سے یاد کیا جاتا ہے۔ تو اس سے مراد انہی کی ذات مقدس ہوتی ہے۔

مقدس اردبیلیؒ کا تعلق جس خاندان سے ہے وہ خاندان چونکہ اتنا مشہور و معروف نہیں ہے اس وجہ سے مقدس اردبیلیؒ کے ابتدائی حالات و واقعات تاریخوں میں موجود نہیں ہیں۔ یہاں تک پتہ نہیں چلتا کہ ان کی تاریخ ولادت کیا ہے۔ البتہ ان کی وفات کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ماہ صفر سن ۹۹۳ ھجری میں انہوں نے وفات پائی۔

مقدس اردبیلیؒ شہید ثانیؒ کے بعد مرجعیت کی منزل پر پہنچے تھے۔ شہید ثانیؒ کی شہادت کے بعد مقدس اردبیلیؒ پوری دنیائے شیعیت کے مرجع اور مجتہد اعظم قرار پائے۔ مقدس اردبیلیؒ کے جو مشہور ترین اساتذہ ہیں وہ سب علماء ہیں جنہوں نے شہید ثانیؒ سے تعلیم حاصل کی ہے۔ شہید ثانیؒ کے اکثر شاگرد مقدس اردبیلیؒ کے اساتذہ ہیں اور مقدس اردبیلیؒ کے شاگردوں میں یہ کہا گیا ہے کہ اتنی کثیر تعداد میں مجتہدین پیدا ہوئے کہ ان سے پہلے فقط شیخ طوسیؒ کے شاگردوں میں ہمیں مجتہدین کی اتنی بڑی تعداد نظر آتی ہے۔ مقدس اردبیلیؒ کے مشہور ترین شاگردوں میں ایک صاحب معالم ہے۔ معالم ہمارے اصول فقہ کی ایک بنیادی کتاب ہے اور نجف اشرف حوزہ علمیہ قم مشہد اور تمام دنیائے اعلم میں جتنے دینی مدرسے ہیں۔ سب میں اصول فقہ کی کتاب کو پڑھایا جاتا ہے۔ جو شہید ثانیؒ کے فرزند کی لکھی ہوئی ہے شہید ثانیؒ کے فرزند خود مقدس اردبیلیؒ کے شاگرد تھے۔ مقدس اردبیلیؒ کے ایک اور مقدس شاگرد ہیں۔ جنہوں نے مدارج جیسی عظیم کتاب لکھی ہے۔ جو آج تک جتنے فقہاء فتویٰ دیتے ہیں اس کتاب کو بھی ایک اساسی اور بنیادی کتاب سمجھتے ہیں۔ مقدس اردبیلیؒ نے نہ صرف یہ بلکہ اپنے شاگردوں کی صورت میں ایک بڑی تعداد میں علمی یادگاریں چھوڑیں تھیں بلکہ تحریر میں چند ایسی عظیم کتابیں بطور یادگار اپنے بعد چھوڑ گئے ہیں کہ آج تک علمائے کرام ان کتابوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ جن میں ''زبدۃ البیان'' کے نام

سے ایک کتاب ہے۔ اس کتاب میں قرآن کی وہ ساری آیتیں بیان کی گئی ہیں کہ جن کا تعلق فقہ کے مسائل سے ہے۔ اس طرح چہاردہ معصومینؑ کے حالات پر ''حدیقۃ الشیعہ'' کے نام کی کتاب تحریر فرمائی۔ جس کا اردو زبان میں ترجمہ کیا جا چکا ہے کہ جس کا تعلق امام زمانہؑ کے حالات و واقعات سے ہے۔ مقدس اردبیلیؒ کے وہ علمی کارنامے ہیں کہ جس سے پانچ سو سال سے تمام شیعیت اور تمام دنیا استفادہ کر رہی ہے۔

مقدس اردبیلیؒ کے ساتھیوں میں میر باقر داماد پوری تاریخ اسلامی میں انتہائی عظیم فلسفیوں میں سے ایک فلسفی مانے جاتے ہیں اور شیخ بہائیؒ جیسی عظیم ہستیاں شامل ہیں۔ شیخ بہائیؒ کے بارے میں ہے کہ یہ بھی مقدس اردبیلیؒ کے ساتھیوں میں شامل ہیں اور یہ مقدس اردبیلیؒ کی عظمت کا ایک ادنیٰ سا ثبوت ہے کہ اتنے بڑے بڑے علماء اور مجتہدین کی موجودگی میں مرجعیت اور تمام دنیائے شیعیت کی قیادت مقدس اردبیلیؒ کے ہاتھ میں آئی۔ نجف اشرف میں مقیم تھے اور تمام دنیائے ایمان ان کی تقلید میں تھی۔ مقدس اردبیلیؒ کا جو سب سے بڑا کارنامہ ہمیں نظر آتا ہے وہ یہ کہ مقدس اردبیلیؒ نے نجف اشرف کے حوزہ علمیہ کو ایک نئی زندگی عطا کی تھی۔ اس سے پہلے شیخ طوسیؒ نے نجف اشرف کو آباد کیا تھا جبکہ یہاں نہ کوئی آبادی تھی نہ پانی تھا۔ نہ روشنی کا کوئی بندوبست تھا۔ بڑی مشکلوں سے حوزہ علمیہ نجف اشرف آباد کیا گیا اور تقریباً سو سال تک نجف اشرف کا یہ حوزہ علمیہ قائم و دائم رہا۔ اس کے بعد شہر حلّہ میں علامہ حلّی کا جلیل القدر خاندان ظاہر ہوا اور اس خاندان میں اتنی کثیر تعداد میں مجتہدین تھے کہ پوری شیعیت کی قیادت ان کے ہاتھ میں چلی گئی اور حوزہ علمیہ نجف اشرف سے حلّہ منتقل ہو گیا۔

یہاں علامہ حلّیؒ کے ماموں محقق حلّیؒ صاحب اعلم تھے۔ اُن کے بعد اُن کے بھانجے علامہ حلّیؒ مجتہد بنے اُن کے بعد اُن کے بیٹے فخر المحققین تمام عالم شیعیت کے مرجع بنے۔ اُس کے بعد اُن کے شاگرد شہید اولؒ کے ہاتھ میں مرجعیت آئی اور اُس کے بعد شہید ثانیؒ تک حوزہ علمیہ نجف کے اندر واپس نہ جا سکا۔ شہید ثانیؒ کی شہادت کے بعد جب تمام شیعیت کی قیادت مقدس اردبیلیؒ کے ہاتھ آئی تو مقدس اردبیلیؒ نے دوبارہ نجف میں حوزہ علمیہ کو آباد کیا اور وہاں بیٹھ کر درس دینا شروع کیا۔ نجف کے حوزہ میں اُس وقت کثیر مجتہد پیدا ہوئے کہ اُس وقت سے آج تک اس قیادت کو نجف اشرف سے ختم نہیں کیا جا سکا۔ مقدس اردبیلیؒ کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ نجف اشرف کے اندر جو ایک مرکز دینی ہے جو شیخ طوسیؒ کا قائم کیا ہوا ہے۔ جو مقفل تھا، اُسے واپس لانے والی، پھر سے آباد کرنے والی، دوبارہ زندہ کرنے والی مقدس ہستی جناب مقدس

اُردبیلیؒ کی ہے۔

جناب مقدس اردبیلیؒ ہمارے ان علماء میں شامل ہیں کہ جن کے بارے میں پورے یقین کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ ان کی ملاقات مسلسل امام مہدی علیہ السلام سے ہوا کرتی تھی۔ مسلسل یہ امامؑ سے ملاقات کیا کرتے تھے۔ یوں تو ہماری تاریخ میں شاید ہی کوئی ایسا نامور مجتہد گزرا ہو کہ جس سے امامؑ کی ملاقات کبھی نہ ہوئی ہو لیکن زندگی میں ایک دو مرتبہ ملاقات ہو جانا یا مشکل کے وقت امامؑ کا آ جانا یہ ایک دوسری بات ہے اور مسلسل امامؑ سے ملاقات ہونا مسلسل امامؑ سے گفتگو ہونا مسلسل امامؑ سے مسائل کے جوابات طلب کرنا یہ مقدس اردبیلیؒ کی ذات تھی۔ بلکہ یہ وہ روایتیں ہیں جن کے بارے میں پورے یقین کے ساتھ کہا گیا جب کبھی کوئی مسئلہ پیش آتا تھا تو سیدھے روضہ امیر المومنینؑ کے دروازے کی طرف رجوع کر کے اپنے سوالات کے جوابات حاصل کر لیا کرتے تھے اور یہ فضیلت اپنے مقام پر اس کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ مقدسؒ نے اس تقویٰ کے ساتھ اتنے تقدس و پرہیز گاری سے زندگی گزاری کہ جس کی نظیر پوری تاریخ عالم میں نہیں ملتی ہے۔ یہ ہمارے اُن علماء میں سے ایک عالم ہیں کہ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ساری زندگی کوئی مباح کام انجام نہیں دیا ہے۔ حرام اور مکروہ تو اپنی جگہ پر پوری زندگی کوئی مباح کام انجام نہیں دیا ہے۔ جو کام کرتے تھے یا واجب ہوتا تھا یا مستحب ہوتا تھا اور ان کے بارے میں مشہور ہے کہ چالیس سال تک نہ پیر پھیلا کر سوئے اور نہ بیٹھے آداب اسلامی کا اتنا خیال کہ چالیس سال کی زندگی ان کی لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہے۔

مقدس اردبیلیؒ میں تقدس اور پرہیز گاری اتنی تھی ان کے بارے میں صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کا تقویٰ میں وہی مقام ہے جو اخلاق و شجاعت میں امیر المومنینؑ کا اور سخاوت میں حاتم طائی کا ہے۔ وہ تقدس و پرہیز گاری میں مقدس اردبیلیؒ کا ہے یہ بڑے بڑے مجتہدین کا جملہ ہے۔

سب سے پہلے ان کا علم دیکھیے علمی کمال ایسا کہ شہید ثانیؒ کے بعد پوری قوم شیعہ کی قیادت ان کے ہاتھ میں آئی۔ شیخ بہائیؒ اور میر باقر داماد جیسی ہستیوں کی موجودگی میں مقدس اردبیلیؒ کو مرجعیت ملتی ہے اور تمام دنیائے شیعیت ان کی تقلید کرتی ہے۔ یہ خود ان کی عظمت کا ایک ثبوت ہے۔ علمی کمال ان کے شاگردوں سے بھی ظاہر ہے۔ اتنی کثیر تعداد میں شاگرد بنائے کہ نجف نجف بن گیا۔ ان کتابوں میں سے بھی ظاہر ہے اور اس واقعے سے بھی ظاہر ہے جس کے ناقل خود ہیں۔ مقدس اردبیلیؒ کے علم کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہتے ہیں ایک رات میں سو رہا تھا خواب کی حالت میں میں نے

دیکھا کہ پیغمبر اسلامؐ تشریف فرما ہیں اور اُن کے پہلو میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام بیٹھے ہیں ایک مرتبہ جب میں اُس مجلس میں بیٹھا اور حضرت موسیٰؑ کی نظر مجھ پر پڑی پیغمبرؐ سے سوال کیا کہ یہ کون ہے تو جواب ملا کہ یہ میری امت کے علماء میں سے ایک عالم ہے خود پیغمبر اسلامؐ عالم کہہ رہے ہیں حضرت موسیٰؑ نے کہا اللہ کے حبیبؐ! اگر اجازت ہو تو ذرا اِن سے سوال کر کے دیکھوں کہ اِن کا علم کس حد تک ہے پیغمبر اسلامؐ نے کہا کہ اجازت ہے اُس کے بعد حضرت موسیٰؑ قریب آئے اور سوال کیا کہ اے شخص یہ تو بتا تیرا نام کیا ہے۔

ایسا لگا جیسے مقدس اردبیلیؒ کو اسی سوال کا جواب دینا تھا ایک مرتبہ اپنا تعارف کرانا شروع کیا میرا نام احمد بن محمد ہے میرا تعلق اردبیل سے ہے میں آج کل نجف اشرف میں رہتا ہوں، فلاں محلے کی فلاں گلی میں میرا مکان ہے غرض یہ کہ پانچ یا سات منٹ اپنا تعارف ہی تعارف کراتے رہے۔ حضرت موسیٰؑ بہت حیران ہوئے اور کہا کہ اے شخص میں نے تجھ سے ایک مختصر سا سوال پوچھا تھا جس کا تم نے مختصر سا جواب دینا تھا یہ اتنی لمبی چوڑی گفتگو کی کیا ضرورت تھی۔ پس حضرت موسیٰؑ کو مقدس اردبیلیؒ یاد دلاتے ہیں یا کلیم اللہ ایک بات کا جواب آپ بھی مجھے دیجئے اور اشارہ کیا ''سورہ طٰہٰ'' کی آیتوں کی جانب، قرآن کریم کا بیسواں سورہ ہے سورہ طٰہٰ جس کے آغاز میں حضرت موسیٰؑ کی زندگی کا وہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ اپنی بیوی کے ساتھ ایک ویرانے میں سے گزر رہے تھے رات کا اندھیرا تھا روشنی کی ضرورت تھی ایک مرتبہ دیکھا پہاڑ کے اُوپر آگ جل رہی ہے اپنی بیوی سے کہا یہیں ٹھہرو میں جاتا ہوں جا کر آگ لے آتا ہوں ایک مرتبہ پہنچے تو دیکھا کہ جھاڑیوں کے پیچھے آگ جل رہی ہے اور ایک مرتبہ ان جھاڑیوں میں آواز پیدا ہوئی موسیٰؑ کو مخاطب کیا گیا انی انا اللہ کہ اے موسیٰؑ میں تمہارا پروردگار ہوں اور اُس کے بعد آیتیں ہیں کہ ایک مرتبہ خدا نے سوال کیا وما تلک بیمینک یا موسیٰ کہ اے موسیٰؑ یہ بتاؤ کہ تمہارے سیدھے ہاتھ میں کیا ہے۔ سورہ طٰہٰ میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا:

قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَ أَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ ○

ترجمہ: خداوندا یہ میرا عصا ہے اسے زمین میں گاڑھ کے اس کے سہارے بیٹھتا ہوں اس کی مدد سے اپنے جانوروں کو ہانکتا ہوں اور اس عصا میں میرے لیے بہت سے فائدے ہیں۔ (سورہ طٰہٰ، آیت:۱۸)

پس ایک مرتبہ مقدس اردبیلی حضرت موسیٰؑ سے کہتے ہیں یا نبی اللہ آپ ایک بات تو بتائیے کہ خدا نے تو صرف اتنا سوال

کیا تھا وما تلک بیمینک یا موسیٰ اے موسیٰؑ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے آپ کا اتنا جواب صحیح تھا ''عصا'' یہ میرا عصا ہے اس کے بعد یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی اتو کؤا علیھا اس کے سہارے ٹیک لگا کے بیٹھتا ہوں واھش بھا علی غنمی اس کی مدد سے جانوروں کو ہانکتا ہوں ولی فیھا مآرب أخریٰ اور میرے لیے بہت سارے فائدے ہیں اتنی ساری گفتگو کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ حضرت موسیٰؑ کہتے ہیں کہ اے شخص تجھے پتہ ہے کہ یہ میری زندگی کا پہلا موقع تھا کہ مجھے شرف حاصل ہو رہا تھا خدا سے گفتگو کرنے کا اس لیے میرا دل چاہتا تھا کہ گفتگو جتنی لمبی ہوتی جائے اُتنا ہی بہتر ہے۔ اس لیے میں جان بوجھ کے گفتگو کو لمبا کر رہا تھا۔

ایک مرتبہ مقدس پلٹ کر کہتے ہیں یا نبیؑ اللہ یہی میرا معاملہ ہے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ کسی نبیؑ یا معصومؑ سے گفتگو کا موقع مل رہا ہے اس لیے میرا دل چاہتا ہے کہ جتنی طویل گفتگو ہوتی جائے اُتنا ہی لطف زیادہ ہے۔ پس اتنا سننا تھا حضرت موسیٰؑ ایک مرتبہ یہ کہتے ہوئے واپس چلے کہ اے شخص اب مجھے تجھ سے سوال کرنے کی ضرورت نہیں۔ پیغمبر اکرمؐ کے پاس پہنچے کہا اے اللہ کے رسول آپ نے بے شک صحیح کہا تھا میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاءؑ کی مانند ہیں۔

مقدس اردبیلیؒ کے تقویٰ کا واقعہ کہ ایک مرتبہ زیارت کے ارادے سے نجف سے کاظمین آنا تھا تو نجف میں اُس آدمی کے پاس آئے کہ جس کا کام یہ تھا کہ وہ سواری کا جانور کرائے پر دیا کرتا تھا پرانے زمانے کا واقعہ ہے بسیں، کاریں، ریل گاڑیاں اور ہوائی جہاز تو تھے نہیں۔ لوگ کرائے کی سواریوں پر سفر کیا کرتے تھے اور ہر ایک بھی اتنا مالدار نہیں ہوا کرتا تھا کہ اپنے لیے الگ سواری کا انتظام کر سکے چنانچہ کاروباری ادارے تھے جن کے پاس بے شمار گھوڑے، گدھے، خچر اور اونٹ تھے۔ جسے کسی مقام پر جانا ہوتا تھا وہاں جاتا تھا کرایہ طے کرتا تھا کرایہ دیتا تھا اور سواری کا جانور لے کر آجاتا تھا مقدس اردبیلیؒ کو نجف سے کاظمین جانا ہے۔ زیارت کے لیے سواری کا کوئی جانور اپنے پاس نہیں ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ پہنچے اُس شخص کے پاس کہ جس کا نجف میں یہی کاروبار تھا، کہا کہ مجھے ایک جانور کرائے کے لئے چاہیے۔ یہ مقدس اردبیلیؒ کی زندگی کے ابتدائی واقعات میں سے ایک واقعہ ہے حالانکہ یہ جوانی میں تقویٰ اور پرہیزگاری تھی چونکہ جیسا کہ تاریخ بتاتی ہے کہ بعد میں مقدس اردبیلیؒ اتنے صاحب حیثیت ہو گئے تھے کہ انہوں نے خود ایک سواری کا جانور خریدا جس کا ابھی آپ واقعہ پڑھیں گے تو بہر حال ابتدائی واقعہ ہے ایک مرتبہ گئے اور کہا کہ میں نے کاظمین جانا ہے اور زیارت کر کے واپس آنا ہے اُس نے ایک مرتبہ سوال کیا کہ یہ بتائیے کہ آپ کتنا سامان میرے جانور کے اوپر رکھ کے

لے جائیں گے مقدسؒ نے کہا سامان کچھ نہیں بس اسی حالت میں جارہا ہوں اور زیارت کر کے واپس آتا ہے کہا کہ چونکہ سامان نہیں ہے آپ کو اتنا کرایہ دینا پڑے گا مقدس اردبیلیؒ راضی ہو گئے اُسے اتنا کرایہ دیا جانور لیا۔ نجف سے چل کر کاظمین آئے زیارت کی زیارت کے بعد واپس اپنے وطن کی طرف نکل رہے ہیں۔ کاظمین میں ایک صاحب ایمان شخص آیا اور کہا کہ ایک بہت ہی ضروری کام ہے یہ ایک لفافہ ہے جس میں کچھ کاغذ ہیں اور ان کو نجف میں میرے بھائی کے پاس ہر صورت میں پہنچانا ہے۔ مجھے کوئی آنے جانے والا اتنا قابل بھروسہ اور قابل اطمینان نہیں ملتا جو یہ کام کر سکے۔ پس آپ کی ذات پر مجھے مکمل بھروسہ ہے، آپ کو زحمت تو ہوگی مگر میرا خط وہاں تک پہنچا دیجئے۔ مقدس اردبیلیؒ نے ایک مرتبہ قبول کیا۔ مومن کی حاجت ہے مومن کی حاجت کو کیسے ٹھکرایا جائے مقدس اردبیلیؒ نے اسے قبول کیا اور قبول کرنے کے بعد چلے جب نجف اشرف میں داخل ہوئے تو اُس وقت تک لوگ بڑے پریشان ہو چکے تھے اس لیے لوگوں کو توقع تھی کہ مقدس کو بہت پہلے آ جانا چاہئے تھا مگر کافی دن گزر گیا کافی وقت گزر گیا۔ مقدس کو اتنی تاخیر کیسے ہوگئی اب لوگ پریشان ہیں کہ خدانخواستہ کوئی حادثہ یا پریشانی نہ ہوگئی ہو۔

جب مقدسؒ نجف میں آئے تو لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا مگر مقدسؒ کی حالت دیکھ کے اور گھبرا گئے۔ اس لیے کہ مقدس کے بال مقدس کا جسم مقدس کا چہرہ سب یہ بتا رہا ہے کہ یہ اتنا تھکے ہوئے ہیں اور ایسا لگ رہا ہے کہ یہ فاصلہ پیدل طے کر کے آ رہے ہیں اور حقیقت میں دیکھا بھی لوگوں نے یہی منظر کہ مقدس پیدل چل رہے ہیں اور سواری کا جانور پیچھے آ رہا ہے ایک مرتبہ لوگ حیران ہو کر سوال کرتے ہیں مقدس اردبیلیؒ سے کہ کیا یہ سارا فاصلہ آپ نے پیدل طے کیا ہے؟ کہا ہاں یہ سارا فاصلہ مجھے پیدل طے کرنا پڑا۔ حیران ہو کر لوگوں نے سوال کیا کہ آخر اس زحمت کی ضرورت کیا تھی کہ جب آپ کے پاس سواری کا جانور ہے اس کا کرایہ ادا کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد سواری کے جانور کو خالی چلائیں اور خود پیدل چلنا، معمولی عقل رکھنے والا آدمی بھی یہ کام نہیں کر سکتا ہے۔

مقدس اردبیلیؒ جیسا مجتہد اور نائب امامؑ ایک مرتبہ جواب دیتے ہیں یقیناً میں نے اس جانور کو خالی چلایا اس لیے کہ دو حق آپس میں جو ٹکرا رہے تھے اور میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی کے حق کو ضائع کروں اور ظالم بنوں لوگوں نے پوچھا حق کون سے ٹکرا رہے تھے کہا کہ ایک برادر ایمانی نے کاظمین میں مجھے لفافہ دیا اور کہا کہ اسے نجف میں پہنچانا ہے اور اگر میں انکار کروں تو یہ مؤمن کی حق تلفی ہو جائے گی۔ جو ممکن نہیں اور اگر وہ لفافہ لے کر میں اس جانور پر سوار ہو جاؤں تو اس کے مالک

نے مجھ سے پہلے ہی پوچھ لیا تھا کہ آپ اس پر کتنا وزن رکھ کرلے جائیں گے، میں نے جو وزن بتایا تھا اُس میں یہ لفافے کا وزن شامل نہیں تھا اب یہ لفافہ رکھ کر اس جانور پر بیٹھوں تو یہ اُس کے مالک پر ظلم ہو جائے گا، جو بغیر اُس کی اجازت اور رضا مندی کے اتنا ہی وزن صحیح مگر میں کیسے اس جانور کے اوپر ڈال سکتا تھا۔

آج کے لوگوں کے لیے تو نا قابل یقین واقعہ ہوگا مگر جنہیں ذرا سا بھی شریعت اسلام کا شعور ہے وہ جانتے ہیں اتنی ہی احتیاط کا تقاضا ہر مؤمن سے کیا جاتا ہے کہ جب مالک کی اجازت نہیں ہے تو کسی کو اختیار نہیں چاہے ایک نائب امام ہی کیوں نہ ہو چاہے ایک مجتہد عالم ہی کیوں نہ ہو کہ اُس کی اجازت کے بغیر اُس کے جانور پر ایک لفافے کا وزن بھی ڈالے، یہ مقدس اردبیلیؒ کا تقدس ہے، یہ مقدس اردبیلیؒ کی احتیاط ہے اور اتنی ہی احتیاط ہے کہ مقدس اردبیلیؒ میں ایک جانور کے اوپر مالک کی اجازت کے بغیر ایک لفافہ کا وزن ڈالنے کو تیار نہیں۔ صرف اس لیے کہ کہیں شریعت کی خلاف ورزی نہ ہو۔

شہید ثانیؒ کے استاد تھے محقق ثانیؒ جب ایران میں شاہ تہماسپ نے اپنی حکومت کو قائم کیا جو ایک مومن بادشاہ تھا۔ اُس نے محقق ثانی کو خط لکھ کر وہاں سے بلایا اور کہا کہ اب اس نظام مملکت کو آپ سنبھالیں۔ اس حکومت کو آپ چلائیں تو شہید ثانیؒ نے بالکل انکار کیا تھا۔ حالانکہ عراق میں ایک شیعہ حکومت قائم ہو چکی تھی۔ مقدس اردبیلیؒ کے زمانے تک یہ حکومت انتہائی مستحکم ہو چکی تھی۔ چنانچہ اُس دور میں شاہ عباس اعظم جو ایران کا حاکم تھا۔ اتنا محب اہل بیتؑ تھا کہ ایران میں سب سے بڑی مملکت اس کی تھی۔ لیکن اس کے باوجود یہ مشہد مقدس جاتا تھا اور یہ سارا سفر پیدل طے کرتا تھا۔ مشہد مقدس میں اپنے ہاتھ سے روضوں اور مسجدوں میں جھاڑو لگایا کرتا تھا۔ شاہ عباس اعظم کی جب حکومت قائم ہوگئی تو شیخ بہائیؒ کو بلا کر یہ حکومت اُن کے حوالے کر دی۔ شاہ عباس اعظم کو مقدس اردبیلیؒ سے بے پناہ محبت تھی، بڑی عقیدت تھی اُسے مقدس اردبیلیؒ کی ذات سے۔ چنانچہ ایک مشہور واقعہ کہ ایک مرتبہ شاہ عباس اپنے وزیروں میں سے ایک وزیر پر بے انتہا ناراض ہوا۔ اُس وزیر نے یہ حالت دیکھی ایک مرتبہ گھبرا کے سیدھا نجف آیا اور مقدس اُردبیلیؒ سے درخواست کی کہ حاکم وقت مجھ سے ناراض ہو چکا ہے، آپ کوئی ایسا کام کریں کہ ناراضگی دور ہو، ایسا نہ ہو کہ مجھے کوئی نقصان پہنچ جائے۔ مقدس اردبیلیؒ نے ایک مرتبہ فوراً شاہ عباس کے نام ایک خط لکھا اور اس انداز سے لکھا کہ بانی ملک عالی عباس اے ایک عارضی مملکت کے بانی، اے ایک عارضی مملکت کے حاکم عباس یہ شخص پہلے ظالم بھی تھا تو اب مظلوم ہو چکا ہے۔ چنانچہ تم اس کی خطاؤں کو معاف کرو شاید خدا تمہاری خطاؤں کو معاف کر دے۔ یہ کہہ کر نیچے اپنا نام اور دستخط کیے۔

جب یہ خط شاہ عباس اعظم کے پاس پہنچا تو ایران کا سب سے بڑا حاکم شاہ عباس اعظم اُس کا زمانہ وہی ہے۔ جو ہندوستان میں اکبر اعظم کا زمانہ ہے۔ جب مقدس اردبیلیؒ کا خط اُس کے پاس پہنچا اور اسے اطلاع ملی کہ مقدس اردبیلی کا خط آیا ہے۔ پس ایک مرتبہ بے اختیار کھڑا ہو کر آگے بڑھا۔ بڑے احترام کے ساتھ اس خط کو لیا بوسہ دیا۔ آنکھوں سے لگایا خط کھولا اور پڑھا اور فوراً جواب لکھوایا۔ مقدس اردبیلیؒ کے نام کہ آپ کا حکم نامہ میرے پاس پہنچا ہے جو آپ نے حکم دیا میں نے فوراً اس کی تعمیل کی پس آپ سے یہی التماس اور گزارش ہے کہ مجھے اپنی دعاؤں میں فراموش نہ کریں اور نیچے اپنا نام عباس لکھ کے مقدس اردبیلیؒ کے پاس بھجوایا۔ ایک اتنی بڑی مملکت کا حاکم اور اس انداز سے جواب دینا یہ خود مقدس اردبیلیؒ کی عظمت کو بتانے کے لیے کافی ہے۔

مقدس اردبیلیؒ ایک مرتبہ نجف میں نہر کے قریب سے گزر رہے تھے مجتہد اعظم ہیں نائب امامؑ ہیں کہ شاہ عباس جیسا آدمی ان کے سامنے اپنے آپ کو ان کا غلام کہتا ہے اور وہ نائب امامؑ ہیں کہ اُن کی امامؑ سے مسلسل ملاقات ہوتی ہے اور حالت لباس اتنا سیدھا سادہ کہ جب نہر سے گزر رہے تھے تو نجف میں زیارت کے لیے آنے والوں میں سے کسی نے دیکھا اور سمجھا کہ ایک عام اور معمولی شخص ہے۔ انہیں اپنا انتہائی میلا کچیلا لباس حوالے کیا اور کہا دیکھو میں زیارت کے لیے آیا ہوں، بہت تھک گیا ہوں، تم میرے لباس کو یہیں نہر سے دھو کر اچھی طرح صاف کرو۔ دیکھو میل وکچیل باقی نہ رہنے پائے اتنا بڑا عالم اتنا عظیم شخص لیکن اتنا سنتا تھا اپنے لباس کو وہی لپیٹ کر بیٹھ گئے، رگڑ رگڑ کر اُس لباس کو دھونے لگے اور اُس کی میل کو صاف کرنے لگے۔

مقدس اردبیلیؒ جیسا عالم نجف شہر کے اندر اس طرح بیٹھ کے لباس کو دھو رہا ہو اور ایک اجنبی شخص پورے اکڑ اور غرور کے ساتھ قریب کھڑا ہوا، اتنا عجیب منظر کہ جس نے دیکھا وہی قدم رُک گئے۔ مگر کسی کی ہمت نہیں پڑ رہی کچھ بولنے کی۔ اب اُس آدمی نے دیکھا کہ مجمع ہوتا جا رہا ہے تو ایک مرتبہ وہ بھی حیران ہوا، یہ لوگ یہاں کیوں جمع ہو رہے ہیں۔ ایک لمحے کے لیے پریشان ہوا، کسی سے سوال کیا، کیا بات ہے تم یہاں کیوں جمع ہو رہے ہو۔ یہاں کیوں کھڑے ہو آگے بڑھو۔ اُس نے کہا یہ ہمارا مجتہد ہے۔ جس کی ہم تقلید کرتے ہیں، جس کے تقدس اور تقویٰ کی ہم قسم کھاتے ہیں۔ وہ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اُن کو دیکھ کر ہم یہاں رُک گئے ہیں۔ گھبرا کر پوچھا کس کی بات کر رہے ہو۔ کیا یہی شخص جو کپڑے دھو رہا ہے۔

اب تک تو لوگوں کو پتہ نہیں تھا مقدس اردبیلیؒ کس کا لباس دھو رہے ہیں لوگوں نے یہ سوچا کہ شاید اپنا لباس ہے

اب جو اُس آدمی نے سُنا تو ایک مرتبہ اُس کی حالت خراب ہونے لگی۔ کیونکہ مقدس کا نام "مقدس" کے مقام کو جانتا تھا خود مقدس" کی تقلید کرتا تھا۔ اب جو منظر دیکھا تو ایک مرتبہ گھبرا گیا چہرے کا رنگ اُڑ گیا، مقدس" سے کپڑا لینا چاہا، معافی مانگتے ہوئے۔ مقدس" نے سرے سے انکار کر دیا۔ کہا دیکھتے نہیں اس میں تھوڑی سی گندگی رہ گئی ہے، جب تک اسے میں پورا صاف نہ کروں بھلا کیسے واپس لٹاؤں۔ یہ جو دیکھا تو گھبرا گیا ہاتھ باندھ کر معافی مانگنا چاہا، مقدس" نے روک دیا۔ کہا کہ خبردار اس قسم کا کوئی جملہ نہ کہنا یہ جو مومن کا ایک حق میری ذات پر ہے۔ ایک مومن کا حق جو میں نے ادا کرتا ہے اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اگر یہ کپڑا میں دھوؤں گا تو تیرا ایک ادنیٰ سا حق ادا کروں گا جب کہ کثیر حق مومن کے میری گردن کے اوپر ہیں۔

یہ ہیں مقدس اردبیلیؒ جنہیں ہر لمحے یہی فکر ہے علم و تقویٰ اپنے مقام پر مرجعیت اپنی جگہ پر مگر کسی مومن کا حق تلف نہ ہونے پائے، کسی مومن کو تکلیف نہ پہنچنے پائے میری ذات سے۔

ایک دن ایک مرد مومن آ کر کہتا ہے کہ شاہ عباس کے دربار میں آپ میری سفارش کر دیجئے۔ آپ کی سفارش بہت چلتی ہے۔ مقدس کو کیا عذر تھا، ایک مومن آ رہا ہے، ایک جائز کام کے لیے سفارش کر رہا ہے، فوراً قلم اُٹھایا، ایک خط لکھا شاہ عباس کے نام اور ایک آدمی کے ہاتھ بھجوایا شاہ عباس کے پاس۔ اُسے اطلاع ملی کہ مقدس اردبیلیؒ کا خط آ رہا ہے تخت پر بیٹھا تھا ایک مرتبہ قاصد کو روکا اور تخت سے اُترا چل کر دروازے پر گیا، پورے احترام کے ساتھ دروازے سے خط کو وصول کیا اور خط کو لے کر آیا۔ تخت کے اُوپر آ کر بیٹھا، خط کو پڑھا، اُس کے اندر ایک مقام پر مقدس" نے لکھا تھا یا اخی عباس اے میرے بھائی عباس یہ فلاں کام ہے ایک مومن کا اسے انجام دے دو۔

فوراً اُس نے حکم دیا کہ جو اس کی خواہش ہے پوری کر دو مقدس اردبیلیؒ نے میرے نام خط لکھا اور اُس کے بعد اپنے بیٹے کو بلایا اور کہا کہ اس خط کو اچھی طرح دیکھو! لے جاؤ اور پڑھنے کے بعد حفاظت سے رکھو اور جب میرا انتقال ہو جائے، اُس کے بعد اس خط کو میرے کفن میں رکھنا تا کہ قبر میں منکر و نکیر کے سامنے یہ میرے لیے حجت بن سکے۔ اگر وہ کسی قسم کا عذاب دینا چاہیں تو میں یہ خط پیش کر دوں کہ دیکھو ایک مجتہد نے مجھے بھائی کہا ہے، تم مجھے عذاب کس لیے دے رہے ہو۔

یہ محبت ایک عظمت تھی حاکم وقت شاہ عباس کے دل میں لیکن مقدس اردبیلیؒ کا کردار اس مقابلے میں کیا ہے۔ مقدس اردبیلیؒ اس مقابلے میں کس عظمت کی منزل پر ہیں کہ شاہ عباس کی بڑی تمنا تھی کہ مقدس جن سے میں بے انتہا محبت کرتا ہوں کہ وہ نجف اشرف میں ہیں کاش وہ ایران میں آ جائیں۔ اُس زمانے میں ایران کا دارالخلافہ تہران نہیں تھا بلکہ اصفہان تھا اور

شیخ بہائیؒ خود مملکت میں موجود ہیں۔ نائب امام کی حیثیت سے مملکت کو چلا رہے ہیں۔ لیکن شاہ عباس کو بڑی تمنا تھی کہ کسی طرح مقدسؒ یہاں پر آئیں شاہ عباس نے اصفہان میں بہت ہی عظیم مسجد بنائی جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اُس میں سات ایسی چیزیں تھیں جس میں سے ہر ایک کی قیمت اُس وقت کے لاکھوں دینار کے برابر تھی۔

اصفہان کو اصفہان نصف جہان کہا جاتا ہے آپ نے یہاں ایک انتہائی عالیشان مسجد بنائی۔ اُس دور کی سب سے اہم اور عظیم مسجد بنانے کے بعد اب اُس کی خواہش بڑھی کہ اتنی عظیم مسجد جو بنی ہے تو اس میں نماز جمعہ اور جماعت پڑھانے کے لیے مقدس اردبیلیؒ اگر تشریف لے آئیں تو کیا ہی بہتر ہو۔ چنانچہ خط لکھا گیا مقدسؒ نے آنے سے انکار کر دیا، وزیروں کو بھیجا گیا مقدسؒ نے آنے سے انکار کر دیا، اپنے بیٹوں کو بھیجا مقدسؒ نے آنے سے انکار کر دیا۔ نجف میں بیٹھے ہیں مقدس اردبیلیؒ کو ایک جانب معلوم ہے کہ نجف میں میری موجودگی کتنی ضروری ہے یہ حوزہ علمیہ نجف کا ہے اب میں نے آ کر قائم کیا ہے اگر میں یہاں سے چلا گیا ایک عارضی کام کے لیے حکومت چلانا ایک مسجد میں نماز پڑھانا ایک بادشاہ عقیدت مند سہی مگر اُس کی مملکت میں رہنے سے یہ اہم کام ہے کہ میں یہاں بیٹھ کر نجف کے حوزہ علمیہ کو قائم کر جاؤں تاکہ ہمیشہ صاحبان ایمان کو اس کا فائدہ پہنچتا رہے۔ انکار کر دیا انکار پہ انکار یہاں تک کہ شاہ عباس بہت مایوس بھی ہوا اور پریشان بھی۔ اُس کی تمنا یہ تھی جب بھی مسجد کو دیکھتا جسے لاکھوں دینار خرچ کر کے بنوایا تھا۔ پس دل میں یہی خیال پیدا ہوتا تھا۔ کاش ایسی مسجد میں نماز پڑھانے کے لیے مقدس اردبیلیؒ جیسا شخص آ جائے۔

آخر کار یہ دیکھا کہ ہر طرف سے مایوسی ہو گئی ہے اور ہر طرف سے انکار ہو گیا ہے کہ مقدسؒ تو آنے کے لیے تیار نہیں پھر مجبوراً شیخ بہائیؒ کے پاس گیا اور کہا اگرچہ آپ میرے حاکم ہیں آپ کو زحمت دیتے ہوئے مجھے بڑی شرم محسوس ہو رہی ہے مگر کیا کروں ایک ایسا مسئلہ پیش آ گیا ہے کہ مقدس اردبیلیؒ آنے کو تیار نہیں ہو رہے ہیں وہ نجف چھوڑنے پر راضی نہیں ہیں آپ خود ایک عالم اور مجتہد ہیں۔ آپ خود اجتہاد پر پہنچے ہوئے نائب امامؑ ہیں۔ اب آپ ہی مقدسؒ کو لا سکتے ہیں آپ کسی بھی طرح جایئے اور مقدسؒ کو لے آیئے شیخ بہائیؒ کی خود تمنا تھی یہ مملکت ایران جہاں اس وقت پہلی مرتبہ فقیہ امام کو بلایا جا رہا ہے۔ اہل بیتؑ کی مقدس محبت دلوں میں پیدا ہو رہی ہے۔ اگر مقدسؒ جیسا عالم آ جائے تو کام بہت جلدی ہوگا اور بڑی آسانی سے ہوگا۔ شیخ بہائیؒ تیار ہو گئے، راضی ہو گئے، یہ غلط تصورات ہمارے لوگوں کے ذہن میں ہیں کہ عالم، عالم سے حسد کرتے ہیں۔ عالم، عالم کے خلاف ہوتے ہیں۔ شیخ بہائیؒ حاکم ہیں۔ حکومت اُن کے ہاتھ میں ہے۔ مگر فوراً تیار ہو گئے

مقدس اردبیلیؒ کو لانے کے لیے اور ساتھ چلے ایک فوج کا دستہ لے کے نجف اشرف کی جانب پہنچے۔ مقدس اردبیلیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مقدسؒ کو اطلاع ملی شیخ بہائیؒ آئے ہیں۔ شیخ بہائیؒ پہنچے ایک مرتبہ اپنی خواہش ظاہر کی اب مقدسؒ مجبور ہو گئے۔ کہا کوئی بھی آتا میں کبھی اُس کی بات نہ مانتا مگر آپ خود عالم ہیں۔ آپ خود ایک نائب امام کیا، کیا جائے اب تو چلنا پڑے گا۔ اب مقدسؒ تیار ہوئے چلنے کے لیے، شیخ بہائیؒ اپنے ساتھ ایک فوجی دستہ لے کے آئے تھے اور سواری کا بہترین انتظام کر کے آئے تھے مقدس اردبیلیؒ نے اُن شاہی گھوڑوں کو دیکھا انکار کر دیا۔ کہا میرے پاس میری سواری کا جانور موجود ہے میں اُسی پر جاؤں گا۔

ایک خچر خریدا تھا مقدس اردبیلیؒ نے اپنی سواری کے لیے مقدس اردبیلیؒ کے تقدس اور تقویٰ میں ایک یہ چیز بھی شامل ہے۔ مومن تو مومن انسان تو انسان جانور کے حقوق کا بھی خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ اُن کی زندگی کے حالات جس جس، کتاب میں لکھے ہیں یہ ہر مقام پر موجود ہے مقدس اردبیلیؒ اپنے خچر کے حقوق کو بھی انتہائی احتیاط کے ساتھ پورا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب بھی سفر کرنا ہوتا تھا آدھا راستہ اُس پر بیٹھ کر سفر کرتے تھے آدھا پیدل چل کر کرتے تھے لوگ پوچھتے تھے کیا وجہ ہے جانور ہے یہی سواری کے لیے تو آپ جواب دیتے اُس میں بھی تو روح ہے۔ بہر حال اُسے بھی تکلیف اور اذیت ہوتی ہے۔ اگر میں سارا وزن اُس کے اُوپر ڈال دوں اپنے آرام کے لیے تو یہ اُس کے حق پر ظلم ہو جائے گا جو میں برداشت نہیں کر سکتا ہوں۔ پھر جب اپنے خچر کو لے کر چلتے تھے تو کبھی اُسے چلاتے نہیں اُسے اُس کی مرضی کے اُوپر چھوڑ دیتے تھے۔ جس رفتار سے چلے چونکہ اپنے خچر کو کوڑا مارنا مقدسؒ کو بالکل پسند نہ تھا ایک جانور ہے اُس کا بھی حق ہے اپنے آرام کے لیے ہمیں جلدی پہنچانے کے لیے اُسے کیوں تکلیف دی جائے۔ یہ خاص طور پر ان کی سیرت میں لکھا ہے کہ کبھی بھی اپنے خچر کو کوڑا نہ مارا اور چلتے چلتے ایک تو خچر کو چھوڑ دیا جائے تو ویسے ہی آہستہ چلے گا۔ کبھی کبھار سر سبز مقام آ جاتا تھا سبزہ آ جاتا تھا مقدسؒ کا خچر راستہ چھوڑ کے وہاں چلا جاتا تھا اور چرنے لگتا تھا سبزے میں چراگاہ میں مقدس اردبیلیؒ اُسے دوڑاتے بھی نہ تھے۔ چھوڑ دیتے تھے یہ سبزہ چر رہا ہے۔ یقیناً بھوکا ہوگا اس کی بھوک کا مٹانا میرے اُوپر فرض ہے۔ اپنے آرام کے لیے اسے کیسے بھوکا ماروں۔ اتنی احتیاط کسی جانور کے بارے میں ایک شخص رکھتا ہو۔ ایک انسان اور مؤمن کا حق کس طرح رکھتا ہوگا۔ اسی لیے تو نام مقدس ہے اور تقویٰ میں اپنی مثال آپ بنے۔ ان کی احتیاط کیسی تھی کہ شیخ بہائیؒ آئے شاہی گھوڑے لے کر آئے کہا کہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ چلنے پر تیار ہو گئے۔ آئے تشریف لائیے کہا کہ نہیں میرے

پاس میری سواری کا جانور موجود ہے۔ جب میرے پاس ایک چیز ہے تو پھر دوسرے سے میں کیوں کوئی چیز طلب کروں میں اپنی سواری پر جاؤں گا۔ شیخ بہائیؒ ہر صورت میں لے جانا چاہتے ہیں۔ راضی ہو گئے جیسے آپ کی خوشی اب مقدسؒ چلے۔

شیخ بہائیؒ اور پورا فوجی دستہ بہترین جنگی گھوڑوں پر سوار ہیں۔ یہ گھوڑے آگے نکلے جا رہے ہیں خچر ان کا ساتھ نہیں دے پا رہا ہے اور پھر مقدسؒ کی وہ احتیاط کہ خچر کو چلاتے بھی نہیں ہیں۔ اُس کی مرضی پر چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ اپنی مرضی پر چل رہا ہے۔ کبھی خود اُترتے ہیں اور پیدل چلنے لگتے ہیں۔ ایک گھنٹہ اُس پر بیٹھے ایک گھنٹہ پیدل چلے شیخ بہائیؒ پریشان ہو گئے۔ کہا کہ اس رفتار سے ہم چلیں گے تو کب پہنچیں گے ایران آپ ایسا کریں اس گھوڑے پر آ جائیں۔ کہا نہیں میں اپنی سواری پر جاؤں گا۔ کہا اچھا پھر اپنی سواری کو دوڑا دیں۔ اپنے خچر کے اُوپر ذرا سختی کیجئے شاید وہ دوڑے۔ کہا نہیں میں اپنے دستور اور طریقے کو بدلنے کو تیار نہیں۔ ایک بادشاہ نے بلایا تو میں اپنی سواری پر ظلم نہیں کر سکتا ہوں۔ یہ تو جس طرح چل رہا ہے اور پہلے چلتا تھا اُسی طرح چلے گا۔ شیخ بہائیؒ بیچارے پریشان ہو رہے ہیں گھوڑے اُن کے آگے نکل رہے ہیں اور یہ خچر پیچھے رہ رہا ہے انتہائی سست رفتاری کی وجہ سے شیخ بہائیؒ نے سب برداشت کیا مگر اب یہ جو دیکھا کہ اس کے علاوہ ایک مصیبت یہ بھی ہے۔ یہ بار بار راستہ چھوڑ کر اِدھر اُدھر جائے گا تو آگے بڑھے اور اُسے ایک چابک مارا کہ دوبارہ راستے پر آ جائے۔ اِدھر ایک مرتبہ شیخ نے کوڑا مارا اور اُدھر ایک مرتبہ مقدسؒ نے اپنے خچر کا رخ موڑا اور واپس نجف کا رخ کیا۔

شیخ بہائیؒ گھبرا کے کہتے ہیں کہ آپ کو کیا ہوا آپ تو راضی ہو گئے تھے چلنے پر۔ کہا نہیں اب میں وہاں جانے پر راضی نہیں ہوں شیخ بہائیؒ گھبرا کے کہتے ہیں کہ اس کا سبب کیا ہے۔ کہا کہ آپ کی یہ حالت ہے کہ سواری کا مالک موجود ہے۔ وہ منع کر رہا ہے کہ میرے جانور کی سواری کو کچھ نہ کہو آپ نے مالک کی موجودگی میں اس بے زبان جانور پر کوڑا مار کے ظلم کیا۔ جب آپ عالم ہو کر، قائد ہو کر شریعت کے اتنے پابند ہونے کے باوجود جب آپ کا کردار اس قسم کا ہے تو وہ عوام ہوں گے۔ اُس ملک میں وہ جو بادشاہ ہوں گے وہ کتنے ظالم ہوں گے۔ مجھے ایسے ملک میں نہیں جانا جو ظالموں کا ملک ہے اور یہ کہہ کر نجف اشرف کی جانب چل پڑے۔

اب معاذ اللہ نہ شیخ بہائیؒ ظالم ہیں اور نہ معاذ اللہ مقدس اردبیلیؒ نے غلط قسم کی بات کہی ہے۔ یہ دو مجتہدین کا اختلاف فکر ہے ایک کا فتویٰ یہ ہے اور ایک کا فتویٰ وہ ہے۔ آپ اندازہ کریں وہ مقدسؒ جو شاہ عباس کے کہنے پر اپنے مقام کو چھوڑنے پر تیار نہ تھے۔ شیخ بہائیؒ کا اتنا احترام کرتے تھے کہ اُن کی خاطر نجف کو چھوڑنے پر راضی ہو گئے۔ مگر جب دیکھا

ایک جانور پر ظلم کیا گیا ہے۔ ایک جانور کی خاطر ایک نائب امام کی خواہش کو ٹھکرا کے چلے آئے۔ اتنے تقدس و پرہیز گاری کے ساتھ جس نے زندگی گزاری ہو یقیناً اُس کا تو یہی مقام ہونا چاہیے کہ امام اُس سے گفتگو کرے۔ وہ کلام کرے تو امیر المومنینؑ کے روضے میں اُسے جواب ملے۔ یقینی طور پر ہم اور آپ اس قابل نہیں مگر جس نے اتنی احتیاط کے ساتھ زندگی گزاری ہو۔ اُس کا تو یہی مقام اور مرتبہ ہونا چاہیے اسی لیے تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کیا مرتبہ اور مقام تھا علامہ مقدس اُردبیلیؒ کا۔

امیر اعلام بیان کرتا ہے کہ ایک رات کو آدھی رات کا وقت تھا پڑھتے پڑھتے میں تھک گیا۔ تازہ ہوا کی خواہش پیدا ہوئی تو میں حجرے سے نکل کر صحن امیر المومنینؑ میں آیا۔ جب میں صحن میں پہنچا تو میں نے دیکھا کوئی شخص آہستہ آہستہ آ رہا ہے اور صحن سے نکل کر سیدھا حرم کی جانب جا رہا ہے۔ میں ڈرا کہ یہ کوئی ایسا شخص تو نہیں جو یہاں بُرے ارادے سے آ رہا ہو چونکہ اُس زمانے میں حرم کی حفاظت کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ بلکہ بعد میں اسی دور میں شاہ عباس نے چند آدمیوں کو بھیجا تھا۔ جنہوں نے حرم کے انتظام کو سنبھالا لیکن اس دور تک حرم کی حفاظت کا کوئی معقول انتظام نہ تھا اور سونے چاندی کی قندیلیں حرم میں لٹک رہی تھیں اکثر وہ چوری ہو جایا کرتی تھیں۔ یہ کہتے ہیں میں آگے بڑھا جب میں پہنچا دیکھا کہ جو دروازے بند تھے حرم کے خود بخود قفل کھلتا ہے دروازہ کھلتا ہے اور وہ شخص اندر داخل ہوا دوسرا دروازہ تیسرا دروازہ چوتھا دروازہ سارے کھلتے گئے کہ آنے والے کے آنے سے اور پھر میں نے دیکھا وہ شخص آگے بڑھا اور آگے بڑھ کر ضریح اقدس کے پاس پہنچا اور اُس نے سلام کیا میں نے دیکھا کہ سلام کا ضریح سے جواب آیا اور پھر میں نے دیکھا گفتگو شروع ہوگئی۔ دونوں کے درمیان اب میں نے پہچان لیا کہ اس میں سے تو ایک آواز میرے اُستاد محترم مقدس اردبیلیؒ کی ہے مگر یہ دوسری آواز کس کی آ رہی ہے۔ کوئی بولنے والا مجھے نظر نہ آ رہا تھا۔

یہاں تک کہ تھوڑی دیر گزری میں نے دیکھا کہ میرے استاد محترم باہر آئے۔ اب بجائے نجف جانے کے رُخ کرتے ہیں، کوفہ کی جانب آدھی رات کو رات کی تاریکی میں یہ کوفہ کی جانب جانے کا کیا مقصد۔ میں حیران و پریشان اپنے استاد کے پیچھے چل رہا ہوں۔ اپنے آپ کو چھپایا ہوا ہے۔ میں نے دیکھا کہ کوفہ کی آبادی شروع ہوگئی۔ میرے محترم استاد کوفے میں داخل ہوئے۔ مسجد کوفہ کے قریب پہنچے، دیکھا کہ مسجد میں داخل ہوئے، صحن میں سے ہوتے ہوئے اُس محراب میں پہنچے کہ جہاں پر ضربت کا واقعہ پیش آیا تھا اور وہاں جا کے کسی کو سلام کیا پوری مسجد خالی ہے۔ مگر مجھے سلام کا جواب سنائی

دیا اور پھر ایک مرتبہ آواز آنے لگی۔ گفتگو کی میں حیران و پریشان ہوا کہ کیا ماجرا آج کی رات میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے استاد محترم وہاں سے رخصت ہوئے اور اس کے بعد دوبارہ نجف کی جانب چلنے لگے۔ جب چلتے چلتے کوفہ و نجف کے درمیان جو مسجد سہلہ ہے، وہاں تک پہنچے تو بے اختیار مجھے کھانسی آ گئی۔ میری کھانسی کی آواز کو سنا تھا میرے اُستاد کے! مسجد سہلہ کے قریب یہ واقعہ پیش آیا۔

اب اس واقعے میں تین جگہوں کا نام آیا ہے نجف میں حرم امیر المومنینؑ، مسجد کوفہ اور مسجد سہلہ، امام مہدی علیہ السلام سے ان تینوں مقامات کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ غیبت میں نہیں ظہور کے بعد تو روایات میں ہے کہ جب امامؑ ظاہر ہوں گے تو مسجد کوفہ امامؑ کا دفتر قرار پائے گی۔ وہاں امامؑ تشریف فرمائیں گے۔ آنے والوں سے ملاقات کریں گے احکامات جاری کریں گے، مجرموں کو سزا دی جائے گی اور مسجد سہلہ وہ امام زمانہؑ کا بیت المال ہوگا۔ امام زمانہؑ کے زمانے میں خزانہ یہاں رکھا ہوگا۔ پورا خزانہ امامؑ کا یہاں ہوگا۔ یہ مسجد سہلہ امامؑ کا بیت المال ہوگا اور حرم امیر المومنینؑ کے بارے میں ہے کہ یہ امام زمانہؑ کی عبادت گاہ ہوگی کہ رات کو جب نماز شب پڑھنا ہو، نماز عید پڑھنا ہو، واجب نمازوں کے علاوہ باقی جو عبادت ہوگی تو امام زمانہؑ مسجد کوفہ سے آکر حرم امیر المومنینؑ میں نماز ادا کریں گے۔

ایک روایت کے مطابق مسجد سہلہ آپ کی رہائش گاہ ہوگی۔ حرم امیر المومنینؑ عبادت گاہ ہے امام زمانہؑ کی مسجد کوفہ دفتر ہے امامؑ کا مسجد سہلہ بیت المال اور خزانہ ہے امامؑ کا وہاں یہ مقدس اردبیلیؒ کھانسی کی آواز سن کر رُک تے ہیں چونک کر پیچھے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں امیر اعلام تم یہاں کیسے امیر اعلام نے دیکھا کہ اب میں اپنے آپ کو نہیں چھپا سکتا تو میں آگے بڑھا اور اپنا تعارف کروایا پھر پوچھا کہ آج کی رات میں نے بڑے عجیب و غریب واقعات کا مشاہدہ کیا ہے آپ بتائیے اس کا راز کیا ہے، انہوں نے فرمایا! پہلے تم وعدہ کرو میری زندگی میں یہ واقعہ کسی کو نہ بتاؤ گے میں نے وعدہ کر لیا اب جب امیر اعلام خود مرجعہ بن گئے۔ تب یہ واقعہ بیان کر رہے تھے کہ میرے استاد محترم فرما رہے تھے رات کو میں بیٹھا چند مسائل پر غور کر رہا تھا مسائل میں اُلجھ گئے، مسائل سمجھ میں نہ آ سکے، نجف کا بلکہ تمام دینی مدرسوں کا ایک قانون ہے کہ ہر استاد کی ایک ذمہ داری ہے کہ کل اُسے جو سبق دینا ہے پہلے خود رات کو بیٹھ کر پڑھتا ہے۔ اُس کے بعد اپنے شاگردوں کو سبق دیتے ہیں اور یہ خیانت سمجھی جاتی ہے کہ بغیر پڑھے اپنے علم کے بھروسہ پر کل آئیں اور شاگردوں کو سبق دینا شروع کر دیں، یہ خیانت سمجھی جاتی ہے۔ یہ دھوکہ ہوتا ہے شاگردوں کے ساتھ، مقدس اردبیلیؒ جیسا عالم ہو، آقائے خوئی جیسا عالم ہو لیکن اگر کل

سبق دیتا ہے، باوجود علم ہونے کے رات کو بیٹھ کر دیکھیں گے کہ کل کیا پڑھانا ہے تو یہ کہہ رہے ہیں مقدس اردبیلیؒ کہ تمام رات میں مطالعہ کرتا رہا لیکن کچھ مسائل حل نہ ہوئے، میں گھبرا سا گیا۔ میں نے سوچا جب میں ان مسائل کو نہیں سمجھ پا رہا ہوں اور کون سمجھ پائے گا۔ ضریح کے پاس گیا مولاؑ کو سلام کیا مولاؑ نے جواب دیا۔ میں نے مسائل پیش کیے ایک مرتبہ ضریح سے جواب آیا کہ اے اردبیلیؒ اس وقت میرے بیٹے امام مہدی علیہ السلام کی امامت کا زمانہ ہے جاؤ اور جا کر ان مسائل کو میرے بیٹے سے حل کراؤ کیونکہ تمہارے زمانے کا وہ امام ہے پس میں نے حیران ہو کر کہا مولاؑ وہ امام زمانہ مجھے کہاں ملیں گے کہا اس وقت وہ مسجد کوفہ میں ہے جاؤ جا کر اُن سے مسائل دریافت کرو میں فوراً مسجد کوفہ میں پہنچا میں نے دیکھا کہ امام واقعاً موجود ہیں۔ ایک مرتبہ امامؑ کو سلام کیا یہ مسائل پیش کیے امامؑ نے مجھے جواب دیا، اب میں یہ جواب لے کر واپس جا رہا ہوں تو یہ وہی تقدس اور تقویٰ کا نتیجہ ہے۔ آپ مسائل پوچھتے ہیں تو زمانے کا امام جواب دیتا ہے یہ معصومینؑ کے دربار میں مقدس اردبیلیؒ کا مقام اور مرتبہ ہے۔

خدا کی بارگاہ میں بھی مقدس اردبیلیؒ انتہائی عظیم منزلت پر فائز تھے رات کا وقت تھا نماز شب کا وقت تھا عبادت کی غرض سے چلے اور آئے حرم امیر المومنینؑ میں عبادت کے لیے نجف کا پرانا دور ہے جب پانی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ کنویں کھود کے پانی نکالا جاتا تھا۔ آدمی کنویں میں ڈول پھینکتا تھا اور ڈول سے پانی کھینچ کر نماز وغیرہ کے لیے وضو کرتا تھا۔ مقدس اردبیلیؒ نے ایک مرتبہ کنویں میں ڈول ڈالا اور ڈول کو نکالا تو ڈول میں پانی نہیں تھا بلکہ جواہرات بھرے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ ڈول کو واپس اُلٹ دیا۔ اب دوبارہ ڈول کو ڈالا، اب بھی پانی نہیں تھا۔ جواہرات تھے ایک مرتبہ پھر ڈال کر اُلٹا تیسری مرتبہ جب جواہرات آئے تو مقدس اردبیلیؒ کی آنکھوں میں سے آنسو نکل آئے۔ آسمان کی طرف منہ کر کے کہا خداوندا مجھ کو یہ جواہرات نہیں چاہیئے بلکہ پانی چاہیے جس سے وضو کر کے میں تیری عبادت کر سکوں۔ اب جو ڈول ڈالتے ہیں تو واقعاً اس مرتبہ پانی نکلا۔ جس سے وضو کر کے عبادت انجام دیتے ہیں وہ معصومینؑ کی بارگاہ میں مقام تھا یہ خدا کی بارگاہ میں مقدس اردبیلیؒ کا مقام تھا۔

مقدس اردبیلیؒ کی عظمت کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ قحط پڑا عراق میں اُس زمانے میں مقدس کوفہ میں رہا کرتے تھے پرانے زمانے میں اکثر و بیشتر قحط پڑا کرتے تھے۔ مقدس کے زمانے میں بھی ایک قحط پڑا مقدس اردبیلیؒ کی عادت تھی کہ دوسروں کی مدد اس انداز سے کرتے کہ کسی کی توہین بھی نہ ہو، بے عزتی بھی نہ ہو، ذلت بھی نہ ہو، مدد کر دو تو

اس انداز سے کہ یہ احساس تک نہ ہو کہ کسی کی مدد کی جارہی ہے۔ چنانچہ یہ بھی مقدسؒ کے طریقے میں شامل تھا کہ مقدس ؒ ایک انتہائی قیمتی کپڑا ہوا کرتا تھا اُس زمانے میں اُس کی قیمت سونے کے برابر تھی۔ مقدس اردبیلیؒ ہمیشہ اُس کا عمامہ پہنا کرتے تھے اور بہت بڑا عمامہ پہنتے، جتنا عام عمامہ ہوتا ہے اُس سے بڑا۔ گھر سے باہر نکلتے تھے راستے میں جو غریب اور نادار نظر آتا، اپنے عمامے میں سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر اُسے دے دیا کرتے تھے۔ ایسا کہ آپ کسی کو سونے کا ٹکڑا دے دیں اس لیے کہ اُس کپڑے کی قیمت اور سونے کی قیمت برابر تھی روزانہ جب جاتے تھے اور واپس آتے تھے تو فقط تھوڑا سا کپڑا سر پر لپٹا ہوا ہوتا تھا اور باقی عمامہ اس انداز میں غریبوں کو پہنچا دیا جاتا۔ اس طریقے سے کہ دیکھنے والا کہے گا ایک عالم تبرک دے رہا ہے۔ مقدسؒ چیز دے رہا ہے۔ جس طرح لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے جو کسی عالم یا مجتہد کے پاس جائیں تو تحفہ مانگتے ہیں۔ یہ تحفہ غربت کے لیے نہیں صرف برکت کے لیے حاصل کرتے۔ اس طریقے سے غرباء کی مدد ہوتی۔

جب قحط پڑتا تھا تو اُس زمانے میں خصوصیت کے ساتھ مقدس اردبیلیؒ اپنے گھر کا سامان اُٹھا کر فقراء کو دے دیا کرتے تھے لیکن ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ان کے پاس جو سامان تھا جمع شدہ قحط پڑا تو صرف اتنا حصہ اپنے پاس رکھا جو ہر شخص کے لیے انہوں نے رکھا تھا۔ جتنا ایک فقیر کا حصہ ہوتا ہے اور باقی سارا سامان اُٹھا کے فقیروں میں تقسیم کر کے آگئے۔ مقدسؒ بہر حال گھر والے بیوی بچے جتنا بھی ساتھ دیں بہر حال برابر تو ساتھ نہیں دے سکتے۔ بیوی کئی سال سے یہ قصہ دیکھ رہی تھی۔ آج ایک مرتبہ اُسے غصہ آگیا اور ناراضگی کی حالت میں کہا کہ آپ ہمیشہ یہ کرتے ہیں کہ جتنا سامان جو قحط کے زمانے میں ضروری تھا یہ سب بھی جا کر آپ نے دوسروں کو دے دیا۔ اب آپ کے گھر والے اور بچے بھی دوسروں کے محتاج ہو گئے، ذرا دو چار دن کا وقت گزرے گا اور جو آپ نے ایک آدمی کے لیے رکھا ہے۔ ختم ہو جائے گا تو ہمیں دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑے گا۔ یہ کیسی خیرات اور نیکی ہے گھر والے بھوکے ہیں اور دوسروں کو دیا جارہا ہے مقدسؒ نے سنا خاموش رہے اور کچھ نہ کہا اور گھر سے نکلے مسجد کوفہ میں پہنچے اعتکاف کے ارادے سے بیٹھ گئے اور اعتکاف شروع کر دیا مسجد کوفہ میں دو دن گزرے یہ اعتکاف میں لگے رہے وہاں دو دن کے بعد ایک مرتبہ ان کے گھر کے دروازے پر دستک ہوئی بیوی نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک ذیشان عرب دروازے کے آگے کھڑا ہے اور اس کے پیچھے دو خچر اور گدھے اور ان کے اُوپر بہترین قسم کا آٹا لدا ہوا ہے۔ ایک مرتبہ بوریاں گھر میں اُتار دیں اور کہا کہ جو مسجد میں بیٹھے اعتکاف کر رہے ہیں۔ یہ ان کی جانب سے گھر کے خرچ کے لیے ہیں۔ بیوی نے ایک مرتبہ کھانا پکایا۔ بہترین آٹا کہ عام

دنوں میں عراق میں بھی یہ آٹا کسی کو میسر نہیں ہوتا تھا۔ کھانا پکایا اتنا لذیذ اور بہترین کہ وہی کھانا مسجد میں مقدسؒ کو بھجوایا گیا افطار کے لیے۔ یہ تین دن کا اعتکاف ختم ہو گیا مقدسؒ واپس آئے تو ایک مرتبہ بیوی سے دریافت کیا کہ یہ اتنا بہترین کھانا اس دفعہ تم نے کیسے تیار کیا۔ وہ ایک مرتبہ خوشی کی حالت میں جواب دیتی ہے کہ آپ نے اس دفعہ اتنا اچھا آٹا وغیرہ بھجوایا تھا ساری زندگی میں، میں نے اس قسم کا آٹا نہیں دیکھا تھا یہ اسی کا تیار شدہ کھانا تھا۔ مقدسؒ حیران ہو کر کہتے ہیں کہ میں نے تو کوئی آٹا نہیں بھجوایا تھا بیوی اور حیران ہوئی کہا ایک عرب آیا تھا اس شکل و صورت کا...... اور آپ کے حوالے سے یہ آٹا دے کر گیا۔ بیوی نے آنے والے کا حلیہ بتایا تو مقدسؒ فوراً سمجھ گئے کہ کون آنے والا آیا تھا۔ بے اختیار ہو کر وہیں نماز شکر ادا کی۔ یہاں میرے امام کو میرا اتنا خیال ہے کہ ذرا دیکھا کہ اس گھر میں مصیبت پڑنے والی ہے امام مہدی علیہ السلام بنفس نفیس خود تشریف لاتے ہیں اور آنے کے بعد اس گھر کی مدد فرماتے ہیں۔

یہ امامؑ کی بارگاہ میں مقدسؒ کا مقام تھا۔ فقط اس لیے کہ دوسروں کی مدد کے لیے تیار و آمادہ ہیں۔ کسی مقام پر دوسروں کا حق ادا کرنے میں کوتاہی نہیں ہے اس انداز سے زندگی گزاری کہ خدا کی بارگاہ میں وہ مرتبہ ہے کہ پانی کے لیے ڈول ڈالتے ہیں جواہرات اور ہیروں سے بھرا ہوا ڈول نکلتا ہے۔ امام کی بارگاہ میں جاتے ہیں تو سلام آتا ہے۔ گھر میں پریشانی ہوتی ہے تو زمانے کا امامؑ خود ایک مرتبہ کھانے پینے کا سامان لے کر ان کے گھر کے دروازے پر آتا ہے۔

محبت اہل بیتؑ ایسی ہے ان کے بارے میں کہ جب کربلا میں یہ رہا کرتے تھے تو کربلا میں روزانہ صبح کو حاجت ضروریہ کے لیے جاتے ہیں۔ کربلا سے چار فرسخ تقریباً پانچ میل کربلا سے باہر نکلتے تھے وہاں جا کے حاجت ضروریہ سے فارغ ہو کر واپس آتے تھے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے حیران ہو کر دریافت کیا کہ آپ اتنا دور جاتے ہیں، اتنی دور سے آتے ہیں، یہ اتنا سفر کیوں طے کرتے ہیں۔ کہا کہ میرا دل اس بات کو قبول نہیں کرتا ہے کہ کربلا کی مقدس ترین سرزمین میں میری وجہ سے نجاست کا ایک قطرہ گرے، یہ فاصلہ طے کرنا مجھے قبول ہے مگر میری وجہ سے ایک قطرہ نجاست کا یہاں گرنا مجھے قبول و منظور نہیں۔

محبت اہل بیتؑ اس حد تک پہنچی ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود محبت اہل بیتؑ کا مطلب یہ نہیں نکالا تھا مقدسؒ نے کہ شریعت کو ختم کر کے اپنی طرف سے شریعت میں چیزیں ڈالیں بلکہ محبت کا تقاضا یہ ہے اہلبیتؑ نے جس شریعت کے لیے قربانی دی اس شریعت پر قائم و دائم رہے۔ اپنی طرف سے کوئی چیز اضافہ نہ ہو اہل بیتؑ کی اصلی محبت یہی ہے۔ کہ جس شریعت کے لیے اہل بیتؑ نے قربانیاں دی ہیں۔ اس شریعت کی پابندی کی جائے اسی لیے یہ واقعہ بھی انہی کی سیرت میں

ہے۔ایک طرف یہ مقام کی آل محمد علیہم السلام سلام کرتے ہیں آل محمدؑ ان کے گھر سامان لے کے آتے ہیں۔آل محمد غیبت میں ہونے کے باوجود سب سے پوشیدہ ان سے گفتگو کرتے ہیں اور ان کو اتنی محبت ہے اہلبیتؑ سے کہ سرزمین کربلا پر نجاست کا ایک قطرہ ان کی وجہ سے نہ گرے۔دیکھیے جس کے لیے سال دو سال پانچ سال رہنا ہو اس کے لیے احترام برقرار رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔لیکن جو پانچ دن کے لیے جائے تو اس کے لیے آسان ہے۔آپ کو ایک سے ایک محبت کرنے والے زائرین امام ملیں گے مگر اتنی پابندی کوئی زائر بھی نہیں کر سکتا ہے۔جو فقط دنوں کے لیے جاتا ہو جو کہ فقط ایک دن کے لیے جاتا ہو۔یہ تو حقیقی محبت تھی جو مقدسؒ کے رگ و پے میں اُتری ہوئی تھی کہ جس کی وجہ سے ایک طویل عرصہ کربلا میں گزارا اور ساری زندگی اس قسم کی احتیاط کرتے رہے۔ایک زائر کے لیے ممکن نہیں جو دو دن کے لیے جاتا ہے اور اب تو زائرین حد سے گزر چکے ہیں حرم اور روضوں کے لیے بکنگ کرواتے وقت گز اور میٹر نوٹ کیے جاتے ہیں کہ حرم سے ہوٹل کتنے گز پر ہوگا۔شاید لوگوں کا بس چلے تو حرم کے صحن میں اپنا بیڈ لگوا لیں اور بیڈ یا صوفے پر بیٹھ کر تسبیح کرتے رہیں، زیارت کرتے رہیں۔ائمہ طاہرینؑ اور اولیائے اکرامؒ کا یہ دستور رہا ہے کہ جب بھی وہ مقامات مقدسہ کی زیارات کو آتے تو دور پڑاؤ ڈالتے تاکہ بے حرمتی نہ ہو۔پھر جب زیارت کو آتے تو کسی حساب کے ساتھ قریب آتے۔معصومین علیہم السلام کے روضوں پر ائمہ طاہرینؑ کے مقامات آج بھی موجود ہیں جو کہ روضوں سے دور واقع ہوئے ہیں۔حالانکہ اس وقت آبادی نہ تھی مگر تقدس کے پیش نظر انھوں نے قیام کیا تو دور کی جگہ کو منتخب کیا۔انسان جب زیارات مقامات مقدسہ کو جائے تو اُسے خصوصی طور پر مختلف امور پر توجہ کرنی چاہیے اور آداب زیارت کے احکامات پڑھ کر سمجھ کر جانا چاہیے۔

صادق آل محمدؑ امام جعفر صادق علیہ السلام نے جناب مفضل سے پوچھا کہ اے مفضل کیا تم میرے جد مظلوم سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کو جاتے ہو؟ مفضل نے جواب دیا ہاں مولاؑ میں آپ کی جد مظلوم کی زیارت کو جاتا ہوں۔امامؑ نے فرمایا! تمہارا زیارت پر نہ جانا، جانے سے بہتر ہے۔مفضل نے پریشان ہو کر کہا مولاؑ آپ نے یہ کیا فرما دیا۔یہ سن کر تو میری کمر ٹوٹ گئی۔مولاؑ نے فرمایا تم وہاں دوستوں، عزیز و اقارب کے ساتھ جاتے ہو، کھاتے پیتے ہو، کیا تمہیں نہیں معلوم میرے جد مظلومؑ تین دن کے بھوکے پیاسے تھے اُن کے زائر میں بھی یہ خصوصیات ہونی چاہیے۔

روایت میں ہے کہ نجف میں یہ رہا کرتے تھے اور نجف میں ایک دستور چلا آرہا ہے کافی عرصہ سے جمعرات اور جمعہ کے دن نجف کے مدرسے میں چھٹی ہوتی ہے جو کہ اکثر علماء مجتہدین اور طالب علم جمعرات کو نجف سے کربلا جاتے ہیں۔

شب جمعہ کربلا میں گزارتے ہیں پھر جمعہ کے دن واپس نجف پہنچتے ہیں، تو ان کے زمانے میں بھی یہ دستور تھا۔ اب جو نجف سے کربلا آتے ہیں، اب ایک مسئلہ آ گیا کہ جب کوئی آدمی سفر کرے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ سفر میں ہمیشہ اپنی چار رکعت کی نماز دو رکعت پڑھے لیکن اگر کسی واجب کام کو چھوڑ کر سفر کیا جائے تو اس میں یہ حکم ہے کہ کوئی سہولت نہیں ملے گی، پوری نماز پڑھنا پڑے گی۔ مقدس" نجف سے کربلا جب بھی آتے ہیں زیارت کے لیے بنابریں احتیاط کسر نماز بھی پڑھتے اور پوری نماز بھی پڑھتے، اتنی احتیاط دین کے معاملے میں اور اس پرہیزگاری کے ساتھ زندگی گزاری۔

۹۹۳ ہجری مقدس اردبیلیؒ دنیا سے رخصت ہوئے نجف اشرف میں امیر المومنینؑ کے حرم اطہر میں داہنے کنارے کے نیچے مقدس اردبیلیؒ کو دفن کیا گیا۔ جبکہ وائیں کنارے کے نیچے علامہ حلیؒ کی قبر موجود ہے۔

ایک شاگرد نے آپ کے انتقال کے بعد انہیں ایک مرتبہ خواب میں دیکھا اور یہ دیکھا کہ وہ بہترین لباس پہنے ہوئے ہیں سونے کا تاج سر پر رکھا ہوا ہے۔ اور امیر المومنینؑ کے حرم سے باہر آ رہے ہیں۔ وہ حیرت سے دیکھتا ہے آپ پلٹ کے جواب دیتے ہیں کہ میں نے جو عمل کیے تھے عمل نے مجھے اتنا فائدہ نہیں پہنچایا جتنا اس قبر والے کی محبت نے مجھے فائدہ پہنچایا ہے۔

(علی علیہ السلام سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ جیسے مولاؑ چاہتے ہیں ویسے بنا جائے۔ شہید مرتضیٰ مطہریؒ نے فرمایا: مولائے کائنات کی زندگانی کا احاطہ کرنا انسانی عقول کے بس کی بات نہیں ہے۔ مگر حضرت علی علیہ السلام کی دو قوتیں آج بھی معاشرے میں برسر پیکار ہیں ایک قوت جاذبہ اور دوسری قوت دافعہ۔ کائنات میں جتنی خوبیاں ہو سکتی ہیں وہ آپ کی ذاتِ اقدس میں سموئی ہوئی ہیں۔ ان کو آپؑ نے جذب کیا تھا یہ آپؑ کی قوت جاذبہ ہے اور جن چیزوں کو رد کیا یعنی جھوٹ، مکر، فریب، غیر اللہ کے آگے جھکنا وغیرہ وغیرہ، یہ آپؑ کی قوت دافعہ ہے۔ شہید مرتضیٰ مطہریؒ کہتے ہیں شیعیانِ علیؑ کی قوت جاذبہ اور قوتِ دافعہ وہی ہونی چاہیے جو علیؑ کی تھی یعنی جن چیزوں کو آپؑ نے اپنے اندر جذب کیا وہ بھی جذب کریں اور جن چیزوں کو رد کیا، وہ بھی رد کریں۔ مگر نام نہاد شیعیانِ حیدر کرارؑ نے جو علیؑ کی قوتِ جاذبہ تھی اُسے اپنی قوتِ دافعہ بنا لیا اور جو آپؑ کی قوت دافعہ تھی اُسے اپنی قوتِ جاذبہ بنا لیا یعنی جن چیزوں کو علیؑ نے جذب کیا، انھوں نے رد کیا اور جو آپؑ نے رد کیا وہ انھوں نے جذب کیا، تو یہ کیسی محبت ہے؟ علیؑ کے شیعہ صرف وہ ہیں جن کی قوتِ جاذبہ اور دافعہ آپؑ جیسی ہے، محبت علیؑ کی حقیقت تو یہی ہے باقی سب جھوٹ ہے۔)

☆☆☆

بسم تعالیٰ

محمد بن حسین شیخ بہائیؒ

۹۵۳ھ - ۱۰۳۱ھ

برادرانِ اہل سنت کے نزدیک حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ خداوند قدوس ہر سو سال بعد ایک ایسا عالم پیدا کرتا ہے جو دین کی دوبارہ تجدید کرتا ہے۔ ان معنوں میں کہ وہ لوگ دین کو رفتہ رفتہ چھوڑ چکے ہوتے ہیں۔ اُس عالم کے علمی جہاد کی وجہ سے وہ لوگ دوبارہ دین کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں۔ دسویں صدی کا مجدد علامہ شیخ بہائیؒ کو قرار دیا گیا ہے۔ شیخ بہائیؒ جن کو کبھی بہاوالملت کہا جاتا ہے، کبھی بہاؤالدین کہا جاتا ہے اور کبھی بہاؤالدین والملت کا لقب دیا جاتا ہے، کبھی شیخ الاسلام اور کبھی شیخ المسلمین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ شیخ بہائیؒ کا تعلق امیر المومنین حضرت علیؑ کے صحابی جناب حارث ہمدانیؓ کی نسل سے ہے۔ نویں صدی میں آپ متولد ہوئے بمطابق ۷ محرم ۹۵۳ھ بروز جمعرات، نام محمد رکھا گیا۔

آپ کا تعلق لبنان کے اس علاقے سے ہے جسے جبل عامل کہا جاتا ہے اگرچہ آپ کی ولادت جبل عامل کے ایک قصبے میں ہوئی مگر بعد میں نامساعد حالات کی وجہ سے انہیں ترک وطن کر کے ایران آنا پڑا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ بہت سی کتابوں کو شیخ بہائیؒ نے اپنے بعد یادگار کے طور پر چھوڑا ہے۔ جن سے لوگ آج تک استفادہ کر رہے ہیں۔ فقہ میں جبل المتین، عروۃ الوثقیٰ اور جامع عباسی جیسی کتابیں لکھیں۔ جن میں صحیح انداز سے شیعہ فقہ کی توضیح کی گئی ہے اور علم حدیث کے بہت سے مسائل کو حل کیا گیا ہے۔ علم النجوم پر ایک کتاب خلاصۃ الحساب لکھی۔ آپ کا شمار فارسی زبان کے انتہائی نامور شاعروں میں ہوتا ہے۔ شاعری کے موضوع پر کشکول نامی عظیم کتاب چھوڑی ہے اس میں آپ کی مثنوی نان وحلوہ اور مثنوی شیر وشبر بھی ہے۔ مثنوی نان وحلوہ مکہ میں دوران حج وسفر حج لکھی۔ فارسی زبان پر تحقیق کرنے والے علماء اور سکالرز اور مغربی دنیا کے مفکرین نے متفقہ طور پر تسلیم کیا کہ شیخ بہائیؒ کی کتاب درحقیقت مولانا رومیؒ کی مثنوی کا تعارف ہے اگر شیخ بہائیؒ یہ مثنوی نہ لکھتے تو مولانا رومیؒ بھی یہ مثنوی نہ لکھ پاتے۔ شاعری میں یہ بلند وبالا مقام، اس کے علاوہ علم انجینئرنگ، علم نجوم، علم سحر، علم تعویذ، علم ریاض، علم ہیت، علم فلکیات کے بھی بہت بڑے عالم تھے۔

شیخ بہائیؒ نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی جو ایک نامور عالم ملا عبداللہ یزدی کے شاگرد تھے۔ ملا

عبداللہ یزدی وہ عالم دین ہیں جنھوں نے ایک کتاب ایسی لکھی حاشیے کے نام سے کہ اُس دور سے لے کر آج تک کے علماء جتنے بھی ہیں۔ چاہے شیعہ ہوں یا سنی سب کے سب اس کو پڑھتے ہیں۔ علم منطق کی کتاب اور سب کے سب ان کے روحانی شاگرد ہیں مُلا عبداللہ یزدی صاحب معرفت اور بزرگ تھے۔

اُن کے بارے میں مشہور ہے جب ایک مرتبہ وہ دیکھتے ہوئے کہ مجھے آخری زمانے میں کہاں رہنا چاہیے۔ مختلف علاقوں کو دیکھتے ہوئے اصفہان پہنچے کہ آخری عمر یہاں گزارنا چاہیے۔ رات کے وقت اصفہان پہنچے، سارا خاندان وقبیلہ ساتھ ہے، سارا سامان سواری کے جانوروں پر سوار ہے، ملازموں نے سامان اُتارنا شروع کیا۔ مغرب کے وقت پہنچے ہیں اصفہان میں، آخری وقت آ گیا رات کا، ایک مرتبہ اپنے آگے پیچھے نظر دہرائی اور اپنے ملازموں سے کہا کہ واپس سارا سامان اپنے جانوروں کی پیٹھ پر رکھ دو۔ ہم اس شہر میں نہیں رہیں گے۔ ہمیں اس شہر سے نکل جانا ہے، حیران ہو کر سوال کیا گیا آخر اس کا سبب کیا ہے؟ کہا اُس وقت جو میں نے نظر دہرائی تو میں نے چاروں طرف دیکھا اصفہان کے اندر ۱۲ ہزار ایسے مقامات نظر آئے، جہاں شراب کا دور چل رہا ہے۔ جس شہر کے اندر اتنی کثرت کے ساتھ تاریکی میں خدا کی نافرمانی ہو رہی ہو یہاں پر رہنا عذاب خدا کو مول لینے کا سبب ہے۔ پتہ نہیں کہ کس وقت عذاب خدا آ جائے اور ہم بھی اس کی لپیٹ میں آ جائیں۔

یہ کہہ کر حکم دیا کہ سارا سامان جانوروں کی پیٹھ پر لادا جائے۔ سامان کو دوبارہ لادا گیا اور رکھتے رکھتے صبح کی نماز کا وقت قریب آ گیا۔ جب ملازم سارا سامان رکھ کر فارغ ہوئے اور اطلاع دینے آئے کہ چلیے ہم سارا سامان جانوروں پر لاد چکے ہیں۔ کہا کہ اب اُتار لو سارے سامان کو اب ہم نے اسی شہر میں رہنا ہے۔ لوگ بڑے حیران ہوئے اور کہا کہ اب آپ کا ارادہ بدلنے کا سبب کیا ہے؟ کہا اس وقت جو چاروں طرف نگاہ ڈالی ہے تو مجھے ستر ہزار مصلے نظر آئے ہیں جو نماز شب کے لیے لوگ آ کر کھڑے ہوئے ہیں اور ان نیک وکاروں کی وجہ سے ان گناہگاروں کے گناہوں کے باوجود اس جگہ پر عذاب نہیں آئے گا۔ یہی مقام رہنے کے لیے بہتر ہے۔

شیخ حسین بہائیؒ کے والد بزرگوار بھی ان کے شاگرد تھے۔ شیخ بہائیؒ جن کا تذکرہ کیا جا رہا ہے نسب کے اعتبار سے خاندان کے اعتبار سے حارث ہمدانی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جو امیر المومنینؑ کے جلیل القدر صحابی ہیں اور علم کے اعتبار سے ملا عبداللہ یزدی جیسے بزرگ کے شاگردوں میں آتے ہیں۔

شیخ بہائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس منزل اور مقام تک پہنچے۔ شاید ہماری پوری تاریخ شیعیت میں خواجہ نصیر الدین طوسیؒ کے علاوہ ایسا کوئی مجتہد نہیں گذرا کہ جسے دنیا کے اتنے سارے علوم میں اتنا کمال اور اتنی مہارت ہے۔ جتنی شیخ بہائیؒ کو مہارت تھی بلکہ بعض علوم میں تو یہ خواجہ نصیر الدین طوسیؒ سے بھی آگے بڑھ گئے تھے۔ اسی لیے ان کے بارے میں مشہور و معروف ہے کہ اُن کے جتنے بھی شاگرد تھے۔ جس زمانے میں یہ تعلیم دیا کرتے تھے اور ان کے شاگردان سے تعلیم حاصل کیا کرتے تھے مگر جب چھٹی کا زمانہ آیا کرتا تھا۔ گرمیوں کی چھٹیاں، ماہ رمضان کی چھٹیاں یا ماہ عزاء کی چھٹیاں تو اس میں اُن کے شاگرد زیادہ علم حاصل کیا کرتے تھے۔ زیادہ استفغار کرتے تھے۔ اس لیے کہ عام دنوں میں علم دین دیا کرتے تھے اور چھٹیوں کے زمانے میں دنیا کے عجیب و غریب علوم کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

اُن کے شاگردوں کو اتنی مہارت تھی علم دین کے علاوہ دوسرے علوم کی، کہا جا سکتا ہے۔ شیعہ تاریخ ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کی تاریخ، ان کے زمانے میں پوری دنیا میں اس قسم کی کوئی ہستی نہیں تھی۔ جو دین اور دنیا کے اتنے علوم پر حاوی تھی۔ تو اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ شیخ بہائیؒ نے اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ زیادہ تر سیاحت میں گزارا۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ ابتدائی زندگی میں کوئی نہ کوئی علم ضرور حاصل کیا ہے۔ چار سال مکہ کی سرزمین میں رہے، دو سال مصر کی سرزمین میں رہے، اپنے والد کے ساتھ گھومتے رہے۔ حتیٰ کہ سیاحت کرتے کرتے یہ سری لنکا تک گئے۔

یہاں کے بارے میں ان کا ایک بہت مشہور واقعہ ہے۔ یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب یہ خود طالب علم تھے، عالم تھے، مگر مجتہد نہیں بنے تھے۔ یہاں پر بھی انہوں نے کچھ علوم حاصل کیے ہیں۔ کہتے ہیں ایک مرتبہ میں اس علاقہ کے ایک پہاڑ پر گھوم رہا تھا کہ اتنے میں میں نے دیکھا کہ ایک شخص غار سے نکل کر آیا ایک دم سے وہ شخص آیا اور میں حیران ہو کر رہ گیا کہ یہ اس ویرانے میں تنہائی میں جہاں کوئی دور تک نظر نہیں آتا یہ کون آدمی ہے۔ یہ کہاں سے نکل کر آ گیا۔ چنانچہ فوراً میں ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا۔ اس حالت میں کہ میں نے اسے دیکھا کہ میری نگاہ تو اس پر پڑ رہی ہے لیکن وہ مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ نہ ہی دیکھا۔ میں نے دیکھا وہ باہر نکل کر آیا ہے اور آنے کے بعد غار کے باہر آ کر بیٹھ گیا اور ایک مرتبہ با آواز بلند کہا کہ دسترخوان لایا جائے میں نے دیکھا کہ دسترخوان اڑتا ہوا آ رہا ہے وہ دسترخوان اس آدمی کے سامنے آ کر ٹھہر گیا اور اس میں ہر قسم کے کھانے رکھے ہوئے تھے۔ اس آدمی نے اس دسترخوان کو دیکھا اور پھر چاروں طرف نظر ڈالی اور کہا وہ شخص جو مجھے چھپ چھپ کر دیکھ رہا ہے وہ باہر آ جائے اور میرے ساتھ آ کر کھانے میں شریک ہو۔

شیخ بہائی کہتے ہیں یہ جو میں نے سنا تو حیران ہوا۔ پہلے تو سمجھا کہ وہ شخص کسی اور کو پکار رہا ہے۔ مگر چاروں طرف دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا تو میں سمجھ گیا کہ میری ہی جانب اس کا خطاب ہے چنانچہ میں جھاڑیوں کے پیچھے سے نکلا۔ وہاں جا کر بیٹھا۔ اس نے استقبال کیا مجھے دستر خوان پر بٹھایا۔ ہم دونوں نے کھانا کھانا شروع کیا یہ منظر دیکھ کر میں اتنا پریشان اور ڈرا ہوا تھا اور اتنا حیران تھا کہ میری زبان حرکت نہیں کر رہی تھی۔ جیسا وہ کہہ رہا تھا ویسا میں عمل کر رہا تھا جب ہم نے کھانا کھالیا تو دستر خوان پر تو دنیا بھر کے کھانے تھے ہم نے تو تھوڑا سا حصہ کھایا باقی کھانا اسی طرح پڑا ہوا تھا اس نے ایک مرتبہ کھانوں کو اُٹھایا اور ایک ایک کر کے زمین پر انڈیلنا شروع کر دیا۔ اب میں نے گفتگو شروع کی اور کہا اے شخص یہ نعمات خدا ہیں یہ رزق الٰہی ہے اس کی اس طرح توہین کیوں کر رہا ہے یہ زمین پر کیوں پھینک رہا ہے۔ اس نے کہا تمہیں پتہ نہیں یہاں پر کتنے ہی ایسے جانور ہیں جن کے رزق کا خدا نے مجھے ہی ذریعہ بنا رکھا ہے میں کھانے کے بعد ان کے لیے یہ چھوڑ دیتا ہوں اور وہ آ کر اپنا رزق حاصل کرتے ہیں۔ اس کے بعد جب سارے برتن خالی کر دیے اس نے ایک مرتبہ فضاء کی جانب دیکھا اور کہا کہ دستر خوان واپس جاؤ۔ شیخ بہائی کہتے ہیں کہ یہ میں نے دیکھا کہ دستر خوان خود اٹھا اور ہوا میں تیرتا ہوا غائب ہو گیا۔ شیخ بہائیؒ نے اس واقعہ کو صرف اتنا ہی نقل کیا، اس واقعہ کی مزید تفصیل نہیں بتائی کہ شیخ بہائیؒ کی کیا گفتگو ہوئی اور یہ کون آدمی تھا لیکن شیخ بہائیؒ کے بعد کے حالات یہ بتا رہے ہیں کہ لازمی طور پر شیخ بہائیؒ نے اس آدمی سے کوئی نہ کوئی استفادہ کیا تھا اس کے بعد شیخ بہائی کی اگلی منزل میں اس قسم کے کئی معجزات اور کرامات ہمیں نظر آتے ہیں۔

شیخ بہائیؒ کی ابتدائی زندگی اپنے والد کے ساتھ گزری۔ والد نے انہیں تعلیم دی اور اس کے بعد ان کے والد ہی ان کو لے کر نکلے اور والد کے ساتھ کئی علاقوں میں گھومتے رہے۔ مکہ میں گئے، مصر میں گئے اور ایک وقت آیا کہ ان کے والد نے مزید سفر سے انکار کر دیا۔ جب مصر سے پلٹ کر یہ لوگ واپس مکہ حج کے لیے آئے تو ان کے والد نے کہا کہ اب میرا بوڑھاپا ہے اب میں یہ چاہتا ہوں کہ مکہ کی مقدس زمین پر مروں تاکہ اس سرزمین پر موت کی وجہ سے مرنے کے بعد کی منزلیں اور قیامت کی منزل میرے لیے آسان ہو۔ وہاں سے شیخ بہائیؒ اپنے والد سے جدا ہو گئے اور اس کے بعد شیخ بہائیؒ کا سفر جاری رہا بلکہ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ شیخ بہائیؒ درمہ تک گئے تھے اور سارے علاقہ کی سیاحت کی تھی۔ ادھر ان کے والد اپنے ارادہ پر قائم تھے کہ مکہ میں رہنا ہے، مقدس سرزمین ہے تاکہ یہاں پر میرا انتقال ہو تو مرنے کے بعد اور قیامت میں آسانی ہو لیکن ان کے والد کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ آخری زمانہ میں ایک رات انہوں نے خواب دیکھا کہ قیامت آ چکی

ہے اور میدانِ قیامت میں وہ کھڑے ہیں اور اس وقت حکم ہوا جاؤ دنیا سے۔ بحرین کے علاقے کو کاٹو اور وہاں اسے دنیا سے نکال کر جنت میں شامل کردو۔ اس لیے کہ یہ علاقہ جنت میں شامل ہونے کے قابل ہے۔ جب یہ خواب دیکھا اور آنکھ کھلی تو دل میں ایک مرتبہ یہ خیال پیدا ہوا کہ بحرین کا علاقہ اتنا مقدس ہے کہ قیامت کے دن جنت میں شامل ہوگا تو وہاں جا کر رہنا چاہیے چنانچہ مکہ کو چھوڑ کر بحرین میں پہنچے۔ بحرین میں ایک شیعہ عالم تھے۔ بحرین میں ہمیشہ شیعہ کے بہت بڑے بڑے علماء گزرے ہیں۔ اگر بحرین کو جنت میں شامل کرنے والا خواب صحیح ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ بہرحال وہاں پہنچے۔ بحرین کے علماء سے کچھ مناظرے ہوئے، مقابلے ہوئے آخرکار ان کی علمیت کو سب نے مانا اور آخری وقت تک وہاں رہے۔ ۸ ربیع الاول سن ۹۸۴ ہجری کو جب شیخ بہائیؒ کی عمر تقریباً تیس سال کے قریب تھی۔ ان کے والد کا بحرین ہی میں انتقال ہوا لیکن اس وقت یہ سفر کر رہے تھے اور علوم کو مختلف علاقہ جات سے حاصل کر رہے تھے کیونکہ قدرت نے ان کو ایک بڑے کام کو انجام دینے کے لیے زندہ رکھا ہوا تھا۔

درحقیقت مملکتِ ایران پر صحیح معنوں میں شیعیت کو مستحکم کرنے کی ذمہ داری قدرت نے ان کے حوالے سے کرنا چاہی تھی۔ اس لیے یہ والد سے جدا ہو گئے، گھومتے رہے اور دنیا کے ہر اُس حصے میں پہنچے جہاں کچھ نہ کچھ ملا، انھوں نے حاصل کیا اور استفادہ کیا اور فقط ایک دینی عالم اور مجتہد ہی نہیں بنے بلکہ یگانہ روزگار شخصیت بن گئے۔

انجینئرنگ اور ریاضی اتنی زبردست تھی شیخ بہائیؒ کی کہ آج اتنی ترقی کے باوجود دنیا ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ بطور مثال ایران میں مسجد چہل ستون ہے۔ جس کے بیس ستون دریا کے کنارے اس طرح بنائے گئے ہیں کہ جب آپ سامنے کھڑے ہو کر دیکھیں تو چالیس ستون نظر آتے ہیں۔ بیس ستونوں کا عکس کچھ اس انداز سے دریا پر پڑتا ہے کہ پورے چالیس ستون ایک جیسے نظر آتے ہیں۔ وہ پوری مسجد شیخ بہائیؒ کی تیار کردہ ہے۔ اصفہان میں تین پُل ہیں ان میں سے ایک پُل شیخ بہائیؒ نے اپنی نگرانی میں بنایا تھا اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ لوگ سمجھ لیں گے جو دریا کے بہاؤ کو جانتے ہیں۔ کہ دریا جب بہتا ہے تو درمیان میں اور کنارے میں ایک جیسا بہاؤ نہیں ہوتا۔ بیچ میں زیادہ ہوتا ہے اور کناروں میں کم ہوتا ہے۔ مگر یہ پُل آج کل کا ڈیم یا بند نہیں۔ یہ پُل شیخ بہائیؒ نے اس طرح تعمیر کروایا کہ اس کے تینتیس دروازے ہیں اور سیلاب آئے، طوفان آئے یا پانی کم ہو جائے یا عام دن ہوں تو ہر دروازے سے یکساں طور پر پانی نکلتا ہے۔ یہ کوئی ڈیم نہیں یہ پانچ سو سال پہلے اپنے سامنے بنوا کر اپنی نگرانی میں اتنی مہارت کے ساتھ اس پُل کو بنوایا تھا کہ آج تک لوگ اس مسئلے کو نہیں سمجھ سکے ہیں۔

اصفہان میں ایک عمارت ہے اس کے دو مینار ہیں۔ ۱۳۰ اور ۵۰ فٹ کے ان میناروں کو آج تقریباً پانچ سو سال ہو چکے ہیں۔ ان کی خوبی یہ ہے کہ اگر ایک مینار پر ایک آدمی چڑھے اور اس کے اوپر کھڑے ہو کر مینار کو ہلائے تو وہ ہلنے لگتا ہے اور اس کے تیس فٹ کے فاصلے پر اس کو ہلتا دیکھ کر دوسرا مینار خود بخود ہلنے لگتا ہے۔ کیا انجینئرنگ، کیا معجزہ، کیا کمال ہے۔ پانچ سو سال گزر گئے اب تک اس کا راز معلوم نہیں ہو سکا۔ یہ شیخ بہائی کا تیار کردہ مینار ہے۔

اسی طرح اصفہان میں ایک حمام تھا، اگرچہ انگریزوں نے اسے تباہ کر دیا۔ مگر آج تک یہ حمام شیخ بہائی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی خوبی یہ تھی کہ ایران کی زیارات پر جانے والے جانتے ہیں کہ وہاں گھر پر نہانے کا رواج نہیں تھا۔ اب تقریباً تیس سال پہلے سے گھروں میں غسل خانے بنانے کا رواج شروع ہوا ہے، ورنہ پہلے نہ تھا۔ خیر لوگ اس حمام پر جاتے تھے نہانے کے لیے، اس حمام کی خوبی یہ تھی اس کا جو ذخیرہ تھا ٹینک تھا۔ اس میں پانی ہمیشہ گرم ملے گا۔ کوئی گیزر، بجلی وغیرہ نہیں ہمیشہ پانی گرم ملے گا۔ آپ اس میں پانی بھر دیں چاہے سردی ہو یا گرمی ہو، پانی آپ کو گرم ملے گا۔ جب فتح علی شاہ کے زمانے میں انگریز یہاں پہنچے تو وہ بڑے حیران ہوئے۔ کہ آخر یہ کیا ہے اور یہ حمام جس میں بیسیوں نہانے کے لیے کمرے بنے ہوئے ہیں کا پانی اڑھائی سو سال گزر گئے اب تک گرم ہے۔ نہانے والوں کے لیے سردی کے موسم میں گرم پانی سے نہانا کتنا اہم ہے۔ پھر ایک مرتبہ انھوں نے اس حمام کے ٹینک کو توڑ کے دیکھیں اس کا راز کیا ہے؟ توڑا تو دیکھا کہ اس کے نیچے فقط ایک مشعل جل رہی ہے۔ اور اس مشعل کو اتنے کمال کے ساتھ اس اینگل اور زاویے پر لگایا گیا کہ جس کی وجہ سے اڑھائی سو سالہ ذخیرہ پانی گرم رہتا چلا آ رہا تھا۔ انگریز اس راز کو نہ پا سکا مگر اب اس کا راز معلوم ہوا ہے کہ اصفہان کے گندے پانی سے جو گیسیں پیدا ہوتی تھیں۔ اُسے شیخ بہائی نے اس طرح سے حمام کے نیچے سے گزارا تھا کہ اس کی گیس حمام گرم کرنے کا ایندھن تھی۔ یہ شیخ بہائی کی اپنی نگرانی میں تیار کردہ حمام تھا، یہ ہمارے علماء کا مختلف علوم پر مہارت کا ایک ادنیٰ ثبوت ہے۔ اگر آج شیخ بہائی زندہ ہوتے اور پاکستان میں ہوتے تو یقیناً یہاں بجلی کے مسائل لوڈشیڈنگ نہ ہوتی وہ کوئی حل نکال لیتے۔

یہی شیخ بہائی انھوں نے نجف کے اندر جو روضہ امیر المومنینؑ تعمیر ہوا تھا۔ اس میں گہرا حصہ لیا تھا۔ شاہ عباس نے اپنی حکومت کو بڑھایا۔ یہاں تک کہ بغداد، نجف اور کربلا پر اس کا قبضہ ہو گیا اور قبضہ ہونے کے بعد معصومینؑ کے روضوں کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ نجف اشرف میں شیخ بہائی نے امیر المومنینؑ کے روضے کی تعمیر میں بہت زیادہ حصہ لیا اور اس روضے کے

اندر انجینئرنگ کے بہت سے کمال آپ کی وجہ سے ہیں۔ لوگ زیارت کر کے آجاتے ہیں انہیں پتہ ہی نہیں ہوتا۔

یہ پانچ سو سال پہلے کی بات ہے شیخ بہائیؒ نے امیر المومنینؑ کے روضے کو اس طرح تعمیر کروایا۔ مثلاً سب سے پہلے تو اس کے اندر یہ خوبی ہے کہ جب کبھی سردی ہو یا گرمی۔ جاڑا ہو یا برسات۔ نجف میں جب بھی سورج نکلتا ہے اس کی پہلی کرن روضہ امیر المومنینؑ پہ آکر پڑتی ہے۔ مولائے کائناتؑ کے قدموں میں سورج پہلے سجدہ کرتا ہے پھر نجف میں طلوع ہوتا ہے۔ اس خوبی کے ساتھ روضہ کو تعمیر کروایا گیا کہ جب بھی سورج نکلے گا اس کی پہلی کرن روضہ پر پڑے گی اس کے علاوہ حرم کے صحن کی جو دیواریں ہیں۔ ان کو اس خوبی سے بنایا گیا ہے کہ چاہے گرمی ہو یا سردی، نماز ظہر کا وقت تو ہمیشہ آگے پیچھے رہتا ہے۔ کبھی ۱۲:۳۰، ۱۲:۳۵، کبھی ۱۲:۰۰ اور کبھی پورے ۱۲:۴۵ بجے۔ اس صحن کی دیوار کو اس مہارت سے بنایا گیا ہے کہ سردی ہو یا گرمی دیوار کا سایہ زمین پر آتا ہے۔ ظہر کا وقت اوّل ہو جاتا ہے۔ کوئی بھی موسم ہو کیسا بھی موسم ہو۔ اس انداز اور اس اینگل سے اسے بنایا گیا ہے۔ اس دیوار کا سایہ زمین پر آئے گا۔ سمجھ لیجئے ظہر کا وقت شروع ہو گیا۔ یہ شیخ بہائیؒ کی انجینئرنگ ہے۔

نجف کے علاقے میں بہت سانپ ہوتے ہیں۔ یہ مشہور واقعہ ہی نہیں بلکہ تجربہ شدہ بھی ہے۔ نجف کا سانپ کسی کو کاٹتا نہیں ہے۔ نجف ایک صحرائی علاقہ ہے اور صحرا میں بے شمار سانپ ہوا کرتے ہیں اور پرانے نجف کی تعمیر اس طرح ہے کہ ان کے تمام گھروں میں تہہ خانے ہیں۔ صحرا اور تہہ خانے۔ یہ دو چیزیں سانپوں کے لیے بہترین ہیں۔ لیکن نجف کی یہ خصوصیت ہے کہ نجف کی حدود میں کوئی سانپ کسی کو کاٹ نہیں سکتا۔ چاہے سانپ ہو یا بچھو تو کہا جاتا ہے کہ نجف میں امیر المومنینؑ کے روضے کی یہ برکت ہے، کرامت ہے کہ زہریلا جانور کبھی کسی کو نہیں کاٹے گا۔ مگر یہ بھی کہا جاتا ہے اس میں بھی شیخ بہائیؒ کے علم کا کمال ہے۔ وہ وہاں ایسا تعویذ رکھ چکے ہیں جس کی وجہ سے کوئی زہریلا سانپ کسی کو کاٹ نہیں سکتا۔

ایک ہمارے ہاں علم ہے علم نجوم اور ایک علم ہے علم جادو۔ یہ دونوں حرام ہیں لیکن ایسی صورت میں جس میں کسی کا مقابلہ نہ کرنا ہو۔ ان علوم کے بغیر جیسے جادوگر ہے۔ دنیا میں تو وہ جادو کرتے ہیں۔ اب جادو کا توڑ جادو ہی ہو سکتا ہے نجومی ہے ایک اس کا توڑ ہی نجومی ہے تو اس وقت واجب ہو جاتا ہے اس علم کو سیکھنا تا کہ وہ سامنے مقابلہ والے کا جواب دے سکے شیخ بہائیؒ کے بارے میں وہ علم نجوم اور علم جادو میں بھی بے انتہا ماہر تھے۔ اس زمانے میں ان دو علوم میں ان کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا تھا بلکہ مشہور ہے کیونکہ ان کے زمانے میں جادو کا رواج عام ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک آدمی

نے ایران میں نبوت کا دعویٰ کر دیا اور کہا کہ میں نبی ہوں۔ اس نے کچھ ایسے معجزات بھی دکھا دیئے جادو کے ذریعے۔ جس سے لوگوں کا اعتماد اس پر بڑھ گیا۔

شاہ عباس کو اس کی اطلاع ملی وہ بہت پریشان ہوئے۔ شیخ بہائی کو بلایا گیا کہ یہ مدعی نبوت ہے۔ اس کی سزا ہے قتل لیکن اس کا فتنہ اتنا بڑا ہے کہ اس کے ماننے والے پیدا ہو گئے ہیں۔ فتنہ یہ ہے کہ اس کے ماننے والے زیادہ ہوتے جا رہے تھے۔ اب اگر ان کو کچلیں تو بغاوت ہو گی خونریزی ہو گی۔ ٹھیک ہے لیکن اس کا اور راستہ نکل آئے تو بہت اچھا ہے۔ شیخ نے کہا، گھبرانے کی کوئی بات نہیں اس کا اور راستہ بھی نکل آئے گا۔ کل آپ اسے بلائیے اپنے دربار میں اور اس سے کہیے کہ وہ بلائے اپنے تمام ماننے والوں کو۔ شیخ بہائی کا حکم تھا شاہ عباس نے مانا۔ اگلے دن نبوت کے دعویدار کو بھی بلایا اور اس کے ماننے والوں کی بہت بڑی تعداد بھی ساتھ آئی۔ شیخ بہائی بھی دربار میں آئے اور جب اسے دیکھا تو سلام کر کے بے اختیار آگے بڑھے شاہ عباس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اسے نبی نبی کہہ کر گفتگو کر رہے ہیں۔ اے نبی خدا تشریف لائیے۔ یہ کیجیے وہ اس طرح ان سے گفتگو کر رہے ہیں۔ اس کے بعد شیخ بہائی کہتے ہیں شاہ عباس سے کہ اس کو محل کے اوپر لے جائیں اور اپنے شہر کا نظارہ کروائیں شاہ عباس تو حکم کا پابند ہے جو شیخ بہائی کہیں گے وہ کرے گا۔ وہ راضی ہو گیا۔ وہ مدعی نبوت بھی چلا اور اس کے ماننے والے بھی چلے اور شیخ بہائی اور شاہ عباس بھی چلے۔ اب اس فتنے کو بھی توڑنا ہے اور ہنگامے کا بھی ڈر ہے، خیر پہنچے چھت کے اوپر۔ شیخ بہائی اس سے گفتگو کرتے چلے آ رہے ہیں۔ آہستہ آہستہ جادو کرتے چلے آ رہے ہیں۔

اس کے بعد کہتے ہیں یہ دیکھئے ہمارا شہر۔ اس نے جو نگاہ ڈالی تو اسے چاروں طرف پانی ہی پانی نظر آیا کہ چاروں طرف سمندر ہے اور بیچ میں یہ خشکی ہے جس کے اوپر یہ کھڑا ہوا ہے۔ خیر اسے احساس تک نہیں ہوا۔ کہنے لگا آپ تو محل سے شہر دکھانے کے لیے لائے تھے یہاں کہاں لے آئے۔ شیخ بہائی نے کہا آپ تو نبی خدا ہیں آپ کو تو علم ہو گا کہ ہم آپ کو کہاں لائے ہیں مگر میں ماننے والوں کو سمجھانا چاہتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ یہ فقرہ آپ کی زبان سے نکلے۔ اس سمندر کے پاس ہمارا ایک شہر ہے میں چاہتا ہوں آپ کو وہاں لے جاؤں اور اس شہر کی آپ کو زیارت کراؤں وہاں سب آپ کی ملاقات کے اشتیاق میں منتظر ہیں۔ آپ وہاں جائیے اور وہ آپ کا کلمہ پڑھنے کو تیار ہیں۔ کہا میں کیسے جاؤں اس سمندر میں کہا کہ آپ تو نبی ہیں آپ کے لیے یہ کون سا مشکل کام ہے۔

کہا ٹھیک ہے ہم نبی ہیں ہر مقام پر تو معجزہ نہیں دکھاتے۔ یہاں پہ مناسب نہیں ہے معجزہ دکھانا۔ کہا ٹھیک ہے ہم پھر

آپ کے لیے کشتی منگواتے ہیں۔ یہ کہہ کر شیخ نے جادو کیا اور ہوا میں اڑتا ہوا ایک پتہ جا رہا تھا۔ وہ محل کی دیواروں میں آ کے ٹکرایا۔ اس کو ایسا محسوس ہوا کے کوئی بڑی کشتی آ گئی ہے، اس نے کشتی کو دیکھا اور شاہ عباس سے کہا کہ ذرا تشریف لے چلیے اور مجھے وہ شہر دکھایئے۔ شیخ بہائی نے کانوں کو پکڑا اور کہا کہ توبہ توبہ ایک نبی سے ہم آگے بڑھ سکتے ہیں۔ آپ نبی ہیں آپ کا مقام بلند ہے پہلے آپ تشریف لے جائیں۔ آپ کے پیچھے پیچھے ہم بیٹھیں گے۔ بس ایک مرتبہ آگے بڑھا لیکن وہاں کوئی کشتی ہوتی تو بیٹھتا۔ وہاں تو پتہ تھا۔ اپنی دو ٹانگیں بڑھا کر کشتی میں بیٹھنا چاہتا تھا۔ کشتی میں کیا بیٹھا وہ تو پتہ تھا۔ بس محل سے زمین پر گرا اور یہ منظر کلمہ پڑھنے والوں نے دیکھا اور جاگے کہ ہم کس کا کلمہ پڑھ رہے تھے۔ اس طرح اس فتنے کا خاتمہ کیا۔ ایسے کتنے ہی لوگ تھے جنہوں نے جادو کے زور پر نبوت و امامت کا دعویٰ کیا۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اب شیخ پر واجب تھا کہ جادو سیکھیں اور اس کا مقابلہ کریں۔

علم طب کو دیکھیں میڈیکل سائنس، اس میں ان کے زمانے میں ان سے بڑا کوئی عالم نہ تھا شیخ بہائی کے زمانے میں علم طب کا بڑا رواج تھا۔ علم طب میں شیخ رئیس بو علی سینا کا بہت بڑا نام اور مقام تھا۔ ان کی ایک کتاب ہے کتاب القانون جو یورپ کی یونیورسٹیوں میں دو سو سال پہلے سے پڑھائی جاتی تھی، بہت عظیم کتاب ہے۔ جس میں دنیا کے سارے امراض اور اُن کا علاج لکھا ہوا ہے۔ شیخ بہائی عالم ہیں، نجوم جانتے ہیں، انجینئرنگ جانتے ہیں، ریاضی جانتے ہیں اور ساتھ ساتھ طب کے ماہر بھی ہیں۔ ساری کتاب بو علی سینا کی ذہن میں ہے کیونکہ ایک واقعہ پیش آیا تھا ان کا واسطہ بو علی سینا کی کتاب کے ایک ماہر سے پڑ گیا تھا اور اس کو انھوں نے شکست دی تھی۔

اب اس میں فقہ کا ایک مسئلہ بھی آتا ہے اگرچہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ آپ اس مسئلے پر عمل نہیں کر سکتے لیکن صرف بطور مثال میں اس واقعے کو پیش کرتا ہوں۔ ہماری فقہ میں ایک اختلافی مسئلہ ہے کہ جو نجس العین جانور ہے یعنی کتا اور سور، وہ پورا نجس ہے۔ اُن کا جسم بھی لیکن اُن کے جسم میں وہ اعضاء جن میں زندگی نہیں ہے۔ دانت ہیں، ہڈیاں ہیں، ناخن ہیں، بال ہیں۔ کیا یہ بھی نجس ہیں۔ یا یہ پاک ہے لیکن باقی تو ہر جگہ اُصول ہے۔ جو بھی نجس ہو جائے، یعنی آدمی مر جائے۔ غسل سے پہلے اس کا جسم نجس ہے تو وہ اعضاء جن میں زندگی نہیں ہوتی۔ دانت، ناخن، بال وغیرہ پاک ہیں۔ کتے اور سؤر کے بارے میں اختلاف ہے۔ اُن کے دانت جن میں زندگی نہیں۔ بال، ناخن اور ہڈی یہ پاک ہیں یا نجس۔ شیخ بہائی کا یہ فتویٰ تھا کہ یہ بھی نجس ہیں اور یہی فتویٰ آقائے خمینیؒ و خوئیؒ و آقائے بروجردیؒ کا ہے۔

شاہ عباس کے دور میں سور کے دانت کا مسئلہ درپیش ہوا۔ فوراً شاہ عباس نے سؤر منگوایا۔ لانے والوں نے شیخ کے سامنے رکھا اور کہا ہم گئے تھے جنگل میں شکار پر، یہ بہت بڑا سؤر ہمیں راستے میں نظر آیا۔ ہم نے اس کا شکار کیا لیکن جب اس کے دانت دیکھے گئے تو اس پر لفظ اللہ لکھا ہوا تھا۔ لفظ اللہ یہ تو ایک ایسا نام ہے جو بغیر وضو کے چھونا جائز نہیں۔ یہ ایک سؤر کے دانتوں پر کیسے؟ شیخ بہائیؒ نے دیکھا اور کہا کہ سید مرتضیٰؒ کا فتویٰ صحیح تھا دانتوں کے بارے میں۔ سید مرتضیٰؒ کے مطابق دانت پاک ہیں کیونکہ ان میں زندگی نہیں ہوتی، اس لیے یہ پاک ہیں۔ اب آج کے مجتہد نہ اس فتویٰ کو مانتے ہیں اور نہ ہی اس واقعے سے نتیجہ نکالتے ہیں لیکن شیخ بہائیؒ نے کہا کہ سید مرتضیٰؒ کا فتویٰ صحیح تھا کیونکہ یہ دانت پاک ہیں۔ اس لیے ان پر لفظ اللہ نظر آ رہا ہے کیونکہ ان میں زندگی نہیں ہوتی۔

بس اتنا سننا تھا کہ دربار کا جو سب سے بڑا حکیم تھا وہ کھڑا ہو گیا اور بولا! یہ تو آپ نے غلط کہا، بوعلی سینا کا کہنا کہ دانتوں میں بھی زندگی ہوتی ہے۔ شیخ بہائیؒ نے کہا کہ ہمیں بوعلی سینا کی بات سے کوئی مقصد نہیں، ہمارے معصومؑ کی روایت ہے کہ اس میں زندگی نہیں ہوتی، کہا کہ نہیں ہوتی ہے، بوعلی سینا کی بات صحیح ہے کیونکہ وہ ایک طبیب تھا، شیخ بہائیؒ نے کہا نہیں ہم تو امامؑ کی بات مانیں گے، اس نے سنا اور بیٹھ گیا مگر مذاق میں اپنے شاگردوں سے کہنے لگا کہ دیکھو کیسے لوگ ہیں جو طب کا مسئلہ ہے، میڈیکل سائنس کا مسئلہ ہے، سب مانتے ہیں بوعلی سینا کی بات اور یہ کہتے ہیں کہ ہم امامؑ کی بات مانیں گے۔ امامؑ کو اس بارے میں کیا پتہ (نعوذ باللہ)۔

بس اتنا سننا تھا کہ شیخ بہائیؒ کو جلال آ گیا کہ تم بوعلی سینا کے بارے میں بات کرتے ہو۔ جسے کتاب بھی لکھنا نہیں آتی ہے۔ سنو بوعلی سینا کی کتاب کا فلاں صفحہ کھولو۔ وہاں پر اس نے دانتوں کے امراض لکھے ہیں۔ وہاں پہ اُس نے لکھا ہے کہ دانتوں میں زندگی نہیں ہوتی اور اس کی کتاب اٹھارہ جلدوں میں ہے۔ اس کی آخری جلد کھولو وہاں پہ دانتوں کا پھر تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ دانتوں میں زندگی ہوتی ہے جو آدمی پہلے کچھ لکھے بعد میں کچھ لکھے۔ جو شخص پہلی جلد میں لکھے زندگی نہیں اور آخری جلد میں لکھے زندگی ہے ایسے شخص کی بات کو مانے یا امامؑ کی بات کو مانے۔ جس کی اول سے لے کر آخری حرف تک کلام میں کوئی غلطی نہیں ہوتی۔ وہ آدمی سنتا ہے اور حیران ہو کر پوچھتا ہے کہ کیا آپ نے وہ کتاب پڑھی ہے کہا پڑھی ہی نہیں ہے میں تم کو پڑھا بھی سکتا ہوں۔ یہ ساری کی ساری کتاب اب بھی میرے ذہن میں موجود ہے پھر یہ مناظرے آگے بڑھے اور کتاب لا کر اُسے دکھا دیا۔ شیخ بہائیؒ کی یہ زندگی ہے اور اس پوری زندگی کے ساتھ شیخ بہائیؒ نے قوم

شیعیت کی خدمت کی ۔ کوئی جادوگر بن کر دین کے خلاف آیا تو اس کا مقابلہ کیا۔ کوئی نجومی آیا تو اس کا مقابلہ کیا۔ ہر ایک کا مقابلہ کیا۔ شیخؒ نے دین کی خدمت کی یہاں تک کہ ایک دن آیا کے شیخ بہائیؒ کے شاگرد نقل کرتے ہیں ۔ ۱۰ شوال ۱۰۳۱ھ کا سن تھا۔ شیخ بہائیؒ اصفہان کے ایک قبرستان میں گئے ۔ جانے کے بعد ایک قبر کے قریب پہنچے ۔ اپنی عبا کو زمین پر بچھایا اور اس پر بیٹھے اور قبر کے اوپر ہاتھ رکھا۔ شیخ بہائیؒ کے شاگرد کہتے ہیں کہ ہم حیران ہو گئے ۔ ایک عجیب وغریب زبان میں شیخ نے گفتگو کی ۔ قبر کے اندر سے جواب آنا شروع ہو گیا۔ کافی دیر تک مردے سے شیخ بہائیؒ کی گفتگو ہوتی رہی ۔ پھر شیخ اُٹھے ،عبا کو جھاڑا اور کاندھے پر رکھا پھر ایسے خاموش ہوئے کہ گھر آنے تک کسی سے گفتگو نہ کی ۔ گھر میں داخل ہوئے ۔ اُس کے بعد آٹھ دن شیخؒ نے زندگی گزاری۔

بیک وقت اتنی مہارت حاصل تھی ۔ شیخ بہائیؒ کو انسان حیران ہو جاتا ہے لیکن اس تمام تر مہارت کے باوجود شیخ بہائیؒ نے اپنی پوری زندگی ذاتی طور پر کسی فائدے یا نفع کے لیے نہیں گزاری تھی بلکہ ایک ایک عمل کا مقصد دین کی خدمت تھا۔ شیخ بہائیؒ نقل فرماتے ہیں ایک میرا انتہائی قریبی دوست تھا۔ جو انتہائی مقدس شخص تھا تو میں جب بھی دنیا کے کاموں سے تھک جاتا تھا۔ آرام کرنا چاہتا تھا تو میں اس دوست کی ملاقات کو چلا جاتا تھا۔ اُس کے پاس بیٹھ کے کچھ وقت گزارتا تھا۔ ایک لمحے کے لیے ساری تھکن دور ہو جاتی تھی ۔ میرا یہ دوست ایک انتہائی نیک اور باعمل تھا اور یہ اصفہان کے باہر ایک مکان میں رہتا تھا جو ایک قبرستان سے منسلک تھا۔ اُس نے شہر کو چھوڑا ہوا تھا اس لیے کہ اصفہان اس وقت کا دارالحکومت تھا ایران کا اور اصفہان نصف جہان کا محاورہ فارسی میں اب تک چلا آ رہا تھا کہ آدھی دنیا سمجھا جاتا تھا اصفہان کو۔ اب جو بڑا شہر ہوتا ہے اس میں ہر ممکن پابندی کے باوجود، شریعت کے تقدس، تقویٰ اور پرہیزگاری کو بچانا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ شخص انتہائی مقدس اور پرہیزگار تھا اس لیے یہ شہر سے باہر رہا کرتا تھا۔ شیخ بہائیؒ نقل کرتے ہیں کہ حسب معمول جب میں تھکن محسوس کر رہا تھا تو میں زیارت کے سلسلے میں اس کے پاس گیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ زیارت المومن، عبادت المومن۔ مومن کی زیارت خود عبادت ہے۔ خیر جب میں اس کے پاس گیا تو وہ مجھے پریشان اور فکرمند نظر آ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اُس کے ذہن میں کوئی مسئلہ ہے۔ خیر میں نے اس سے پوچھا کہ تم اتنے پریشان کیوں ہو؟ تو اُس نے جواب دیا کہ کل میں نے ایک عجیب وغریب واقع دیکھا اور سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس واقعے کا کیا مطلب ہے۔ شیخ بہائیؒ نے کہا کیا واقعہ؟ اس نے کہا کہ معمول کے مطابق کل میں اس قبرستان میں گیا تھا۔ میرا طریقہ ہے کہ کم از کم دن میں ایک مرتبہ قبروں کی

زیارت کرتا ہوں اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتا ہوں اور ان کو دیکھ کر اپنا حشر اور آنے والی منزل کو یاد کرتا ہوں۔

قبر کی زیارت کی بھی کافی تاکید ہے کیونکہ یہ دلوں کو مرنے سے بچاتی ہے۔ خیر وہ کہتا ہے میں قبرستان میں داخل ہوا، ایک قبر کے پاس کھڑے ہو کر اس کے لیے دُعا کر رہا تھا کہ یکا یک پہلے تو میرے ناک میں بدبو آئی پھر میرے ناک میں خوشبو آئی اور دیکھا کہ ایک خوبصورت جوان ایک شاہانہ لباس پہنے ہوئے آہستہ آہستہ قبرستان میں داخل ہو رہا ہے۔ وہ چلتا آ رہا ہے آگے بڑھ رہا ہے۔ کسی قبر پر نہیں رُک رہا۔ آہستہ آہستہ وہ چلتا ہوا ایک ایسی قبر پر آ کر رُکا جو بالکل نئی قبر تھی اور ایسا لگتا تھا کہ وہ آج ہی بنائی گئی تھی اور وہ آ کر کھڑا ہوا۔ لوگ پہلے قبرستان آتے تھے اس لیے میں نے توجہ نہ کی اور میں اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑی دیر گزری کہ میری ناک میں بدبو آئی اور ایسی کراہت آمیز کہ پہلے کبھی اس کا مشاہدہ نہ کیا تھا۔ میں نے نگاہ کی دیکھا کہ ایک خوفناک بھیانک کتا قبرستان میں داخل ہو رہا ہے۔

اب میں دیکھ رہا ہوں کہ کتا کہاں جاتا ہے تب کتا بھی اسی تازہ قبر پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ جہاں وہ جوان کھڑا تھا لیکن اب جو میں نے کتے کو وہاں پر دیکھا تو گھبرا گیا کہ وہ نوجوان مجھے نظر نہ آ رہا تھا۔ قبرستان کا صرف ایک دروازہ تھا۔ جس کے قریب میں کھڑا ہوں اس نوجوان کو داخل ہوتے تو دیکھا لیکن وہ کدھر سے نکلا، کب نکلا، کیسے نکلا؟ اب میں حیران و پریشان چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ چلو وہ تو چلا ہی گیا۔ اب یہ کتا جو ابھی یہاں پہ تھا وہ بھی ایک مرتبہ غائب ہو چکا ہے اور نظر نہیں آتا ہے۔ اب شیخ بہائیؒ کے دوست کہتے ہیں کہ میں اس قبر کے قریب کھڑا ہو کر اُس نئی قبر کو دیکھ رہا تھا۔ یکا یک اس قبر میں سے کسی کے چیخنے کی آواز اور کسی جانور کی آواز سنی، جو اپنے شکار پر حملہ کرتا ہے اور اس کے فوراً بعد میں نے چیخنے کی آواز سنی۔ میں نے گھبرا کر اُس قبر کی جانب دیکھا کہ وہی نوجوان جو تھوڑی دیر پہلے غائب ہو گیا تھا۔ وہ ہاتھ ٹیک کر قبر سے باہر آ رہا ہے پھر میں نے دیکھا کہ وہ آہستہ آہستہ میری جانب آ رہا ہے۔ میں نے دیکھا کہ اُس کا لباس پاؤں کی جانب سے پھٹا ہوا ہے۔ اُس کی ٹانگ کا کچھ حصہ کٹا ہوا ہے اور خون بہہ رہا ہے۔ لگتا ایسے ہے جیسے کسی جنگلی جانور نے ٹانگ پر حملہ کر کے اُس کے گوشت کو نوچ کر کھایا ہے۔

وہ قریب آیا۔ ایک مرتبہ میں نے اُسے روکا اور پوچھا۔ بتاؤ تو صحیح تم کون ہو؟ تم قبر کے اندر کس طرح گئے، تمہیں زخمی کس نے کیا، تمہاری یہ کیا حالت ہے؟ تو ایک مرتبہ وہ نوجوان جواب دیتا ہے۔ شیخ بہائیؒ کے دوست کو۔ یہ مرنے والا وہ ہے جو آج کے دن مرا تھا۔ رات قریب آ رہی ہے۔ اس لیے یہ خدا کا حکم تھا۔ اُس کے نیک اور برے اعمال بھیجے گئے۔ میں

اس نوجوان کے نیک اعمال تھا تا کہ جا کر اُس کی مدد کروں اور وہ کتا جو اس نوجوان کے بُرے اعمال ہیں اب وہ اس کی قبر میں گئے تا کہ اُسے سزا ہو۔ اب جب ہم دونوں قبر میں جمع ہوئے تو چونکہ اس نے بُرے اعمال زیادہ اور نیک اعمال کم کیے تھے تو کتا طاقتور ہو گیا اور میں کمزور ہو گیا اور میں نے اس مرنے والے شخص کو بچانا چاہا۔ کیونکہ میں کمزور تھا اس وجہ سے اس کتے نے مجھ پر حملہ کر کے مجھے باہر نکال دیا۔ اب قیامت تک یہ مرنے والا ہے اور یہ کتا ہے اور اس کے بُرے اعمال ہیں۔

کاش یہ زندگی میں نیک اعمال زیادہ کرتا۔ یہ مجھے اتنا طاقتور بنا دیتا کہ جب یہ کتا بُرے اعمال قبر میں داخل ہوئے تھے تو میں اس کو نکالتا۔ جس طرح اُس نے مجھے نکالا ہے۔ اب یہ دوست کہتا ہے یا شیخ میں نے یہ ماجرا دیکھا تو سہی لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ صحیح ہے یا غلط ہے۔ شیخ بہائیؒ جیسا عالم دین جو تمام جہات سے معصومینؑ کے علوم پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں، وہ ایک مرتبہ جواب دیتے ہیں کہ اے شخص! جو کچھ تم نے دیکھا وہ صحیح ہے۔ اس لیے کہ وہ ہمارے عقیدے میں شامل ہے اور ہمارے پاس مسلسل روایتیں موجود ہیں کہ اعمال کو مجسم کیا جاتا ہے۔ اعمال کو کوئی شکل دی جاتی ہے اور اس کو قبر میں بھیجا جاتا ہے اور قیامت کے دن بھی اس طرح اس کے اعمال ساتھ ساتھ ہوں گے۔

شیخ بہائیؒ نے اپنی کتاب کشکول میں ایک اور اہم واقعہ لکھا ہے۔ جب بھی کوئی پریشانی اور مصیبت نازل ہوتی ہے تو شاہ عباس کی عادت ہے کہ وہ فوراً شیخ بہائیؒ کو بلاتا ہے اور شیخ بہائیؒ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ دین کا کوئی مسئلہ ہو تو وہ شیخ بہائیؒ کو بلاتا ہے۔ شاہ عباس کے زمانے میں سلطنت روم اس وقت ایک طاقتور سلطنت تھی۔ یورپ کے علاقے میں روم کی سلطنت، یہاں کا حاکم عیسائی تھا۔ ایران کے علاقے میں شاہ عباس کی حکومت جو ایک مومن حقیقی تھا اور روم کے حاکم سے تعلقات تھے اور ایسے کہ مسلسل مناظرہ اور مباحثہ ہوتا رہتا تھا۔ وہ اپنے دین کی حقانیت کے لیے کچھ دلیلیں یہاں بھجواتے تھے اور شاہ عباس ان دلیلوں کا جواب اسلام کی جانب سے عیسائیت کی خرابیاں سلطان روم کو بھجواتے تھے۔

غرضیکہ اس طرح کی بحث مناظرے کا سلسلہ سالوں سے چل رہا تھا لیکن ایسی گفتگو کے دوران ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا کہ جس کی وجہ سے پہلی مرتبہ شاہ عباس نے اپنے آپ کو کمزور محسوس کیا اور اسے خطرہ محسوس ہونے لگا کہ ایسا نہ ہو کہ کمزور عقیدے والے مومنین آہستہ آہستہ بہک جائیں اور دین اسلام کو چھوڑنا شروع کر دیں۔ اس لیے اب تک ساری گفتگو علمی گفتگو تھی۔ دلیل جاتی ہے دلیل آتی ہے۔ دلیل کا جواب دیا جاتا ہے کہ اب سلطان روم نے صرف زبانی دلیل ہی نہیں ایک معجزہ اپنے مذہب کی حقانیت کا پیش کیا۔ اگر میرا مذہب غلط ہے تو اس کا جواب دو اگر میرا مذہب سچا ہے تو مانو۔ تو

وہ معجزہ کیا ہے کہ ایک شخص سلطان روم کے سفیر کے ساتھ شاہ عباس کے دربار میں داخل ہوتا ہے اور سفیر روم کے ہاتھ میں ایک خط ہے جو شاہ عباس کے حوالے کیا جاتا ہے۔ اس میں لکھا تھا کہ اے شاہ ایران تم نے اب تک ہمارے مذہب کی سچائی کو تسلیم نہیں کیا لیکن آج ہم اس شخص کو تمہارے پاس اپنے سفیر کے ساتھ بھجوار ہے ہیں جس کا دعویٰ ہے کہ میں نے عیسائیت پر عمل کر کے عیسائیت کے اُصولوں کی روشنی میں ایک ایسی طاقت حاصل کر لی ہے کہ اب دنیا کی کوئی بھی چیز مجھ سے پوشیدہ یا چھپا کر رکھی جائے تو میں فوراً بتا سکتا ہوں کہ یہ کیا چیز پوشیدہ کی گئی ہے۔ اس کا یہ کہنا ہے کہ مجھے یہ طاقت صرف اور صرف عیسائیت پر عمل کرنے کی وجہ سے ملی۔ اگر ہمارا دین غلط تو بتاؤ اسے یہ طاقت کیسے ملی، یا تو یہ ثابت کرو کہ آدمی جھوٹ بول رہا ہے اس کے پاس کوئی طاقت نہیں ہے یا پھر یہ مانو کہ تم غلط ہو اور وہ دین سچا ہے جس کے ذریعے اسے یہ قوت اور طاقت ملی ہے شاہ عباس کے پاس خط پہنچا اور وہ آدمی بھی پہنچا۔ شاہ روم کے سفیر کے ساتھ۔

اب ایک مرتبہ درباریوں کو پتہ چلا تو لوگوں نے اس کا امتحان لینا شروع کر دیا۔ وہاں شروع میں مذاق اور ہنسی ہر ایک کا خیال تھا کہ ہم ہنسی مذاق کر رہے ہیں لیکن اس انداز سے بعض اوقات گمراہی پھیلا کرتی ہے۔ جب ایک مرتبہ دیکھا گیا کہ مذاق، مذاق میں کبھی شاہ امتحان لے رہے ہیں، کبھی وزیر لے رہے ہیں، کبھی درباری، کبھی امیر اور کبھی سپہ سالار۔ اس کا امتحان لے رہے ہیں لیکن دیکھا گیا وہ واقعاً اپنی بات میں سچا ہے۔ جتنی اس کی آزمائش اور امتحان لیا جائے۔ وہ ہر چیز کا جواب دینے کے لیے فی الفور تیار ہے۔ اگر اس کی آنکھوں کے سامنے یا کئی سو گز دور چھپا کے رکھو وہ ایک لمحے میں حساب کتاب کر کے بتا دیتا ہے کہ کون سی چیز چھپائی گئی اور کہاں چھپائی گئی۔ بات شروع، شروع میں مذاق تھی مگر عام آدمی جن کے عقیدے کمزور ہوتے ہیں، جن کے پاس علم کی کمی ہوتی ہے۔ انھوں نے دیکھا کہ یہ اتنا بڑا شخص ہے کہ اس کے پاس اتنی بڑی قوت اور طاقت ہے، لوگ متاثر ہونے لگے، لوگوں کی عادت میں یہ ہے اور یہ ہمیشہ علم کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ فرض کیجئے کسی آدمی نے دعویٰ کیا کہ میں جنات کو بلا سکتا ہوں۔ اس کی دو باتیں صحیح ہو گئیں۔ کہ سب کے سب بڑے خلوص دل کے ساتھ اس کے پاس جاتے ہیں کہ یہ تو بالکل سچا ہے۔ ہمارے سامنے کی بات ہے کہ یہاں بھی یہی ہوا کہ دیکھا گیا اس کا جو بھی امتحان لے رہا ہے۔ اس کا یہ جواب دیتا ہے۔ عوام بہکنے لگے۔ عقیدہ لرزنے لگا۔

شاہ عباس کو پریشانی ہوئی فوراً شیخ بہائیؒ کو اطلاع دی کہ یا شیخ اب وقت آپڑا ہے، اسلام پر آپ نائب امامؑ ہیں۔ تشریف لائیے اور اس خطرے کو آ کر ختم کیجئے۔ شیخ نے کہلوا دیا کہ کل میں آ رہا ہوں اتنے بجے دربار میں آ رہا ہوں۔ اسے

اطلاع دے دینا خیر بات طے پا گئی، اگلے دن سلطان روم کے سفیر کو تو پتہ ہے کہ شیخ کی اس ملک میں کتنی عزت اور مقام ہے وہ اپنے آدمی کو تیار کر کے لایا ہے کہ تم نے اگر ان کو شکست دے دی تو بس اس کے بعد کوئی ہمیں کامیابی سے نہیں روک سکتا۔ یہ آخری ہستی ہے اگر ایک مرتبہ یہ شکست کھا گئے تو پھر پورا ملک ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔ ہر ایک کا عقیدہ ہمارے جیسا ہوگا۔ اگلے دن شیخ دربار میں آئے۔ اب درباری، فوجی، سپہ سالار اور خود شاہ ہر ایک کی توقع یہ ہے کہ شیخ آ کر اس کی بات کو غلط ثابت کریں گے مگر شیخ نے ایک مرتبہ آ کر صرف اتنا کہا کہ اے شخص یہ تو بعد میں فیصلہ ہوگا کہ کون سا مذہب سچا ہے اور کون سا مذہب جھوٹا لیکن پہلے میں تمہارا امتحان لینا چاہتا ہوں کہ تم اپنے دعوے میں سچے بھی ہو یا نہیں۔

اب سارے کے سارے حاضرین حتیٰ کہ شاہ عباس بھی پریشان ہو گئے اس لیے کہ یہ تو ہر ایک کو معلوم ہے کہ یہ آدمی تو سچا ہے۔ ہم شیخ کو بتا چکے ہیں کہ سینکڑوں مرتبہ ہم اس کو آزما چکے ہیں کہ یہ اپنے دعوے میں سچا ہے اب یہ کیا غضب کر رہے ہیں شیخ۔ اب اس نے ایک مرتبہ شیخ کو شکست دے دی تو بعد میں جو کچھ ہوتا رہے اگر یہ خبر باہر عوام کو پہنچ گئی کہ ہمارا مجتہد شکست کھا گیا ہے تو اس کے بعد عقیدے انتہائی بگڑ جائیں گے لیکن شیخ کو کون روکے۔ یہ دینی کام تھا کہ جس میں نائب امام کو مشورہ دینا غلط سمجھا جاتا ہے۔ نائب امام کی اطاعت کو اپنا فرض سمجھا جاتا ہے تو اگرچہ دیکھ رہے ہیں کہ خطرہ ہے مگر خاموش ہیں۔ وہ نائب امام ہیں وہ جو کچھ کہیں گے ہم کو اس پر عمل کرنا ہے اور ماننا ہے اور شیخ کی اس بات کو سنتے ہی سارے درباری پریشان ہوئے۔ وہاں عیسائیت کا نمائندہ خوش ہوا کہ بس اب ہم نے میدان جیت لیا ہے۔ وہ بھی ڈر رہے تھے اگر شیخ نے پہلے آ کر علمی بحث شروع کر دی۔ ہم اس کا تو مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں۔ وہ ڈر رہے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ اب جو دیکھا کہ وہ خود ہمارے جال میں پھنس گئے ہیں۔ بس ایک مرتبہ خوشی کی کیفیت میں شیخ بہائی سے کہتے ہیں کہ ہم تیار ہیں آپ کا جس طرح دل چاہے ہمارا امتحان لیجئے۔

شیخ نے ایک مرتبہ عبا کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور پھر بند مٹھی کو باہر نکالا اور اس کی آنکھوں کے سامنے مٹھی کو رکھا۔ بتاؤ تو سہی اس وقت میرے ہاتھ میں کیا چیز ہے۔ اب تو درباری، وزیر، بادشاہ بہت گھبرائے کہ اگر کوئی امتحان ہی لینا تھا تو ذرا مشکل امتحان لیتے، اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لے کے کہہ رہے ہیں بتاؤ میرے ہاتھ میں کیا ہے۔ اس کا جواب تو وہ ایک لمحے میں دے دے گا مگر لوگ گھبرا رہے ہیں تو ایک مرتبہ گھبراہٹ حیرت میں بدل رہی ہے۔ اتنی دیر ہو گئی۔ اب تک اس کا جواب نہیں آیا۔ اس کا کیا ماجرا ہے۔

شاہ عباس ایک مرتبہ حیران ہو کر اس آدمی سے سوال کرتا ہے۔ عیسائیت کے نمائندے سے کہ بتاؤ تو سہی تمہارا علم اس وقت کام نہیں کر رہا ہے۔ اس نے کہا نہیں میرے علم نے تو ایک لمحے میں ہی بتا دیا۔ اس شخص کے ہاتھ میں کیا چیز ہے لیکن اب میری عقل کام نہیں کر رہی۔ کہ یہ چیز اس کے ہاتھ میں کیسے آسکتی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ میں دھوکا کھا گیا ہوں۔ شاہ عباس اور حیران ہوا اور کہا ایسی کون سی چیز ہے جو تیرے خیال میں ہمارے نائب امام کے پاس نہیں ہوسکتی۔ کہا کہ ایک چیز ایسی ہے جو دنیا میں کسی کے پاس نہیں ہوسکتی۔ اس لیے کہ میرا علم بتا رہا ہے کہ اب اس کے ہاتھ میں جنت کی مٹی ہے۔ جنت کی مٹی دنیا میں اس کے پاس کیسے آئی۔ یہ میری سمجھ میں نہیں آرہا۔ اس آدمی کی اس بات کو سنتے ہی جتنا وہ حیران تھا۔ اب اتنے وہ صاحبان ایمان حیران ہو گئے۔ سب شیخؒ کی طرف متوجہ ہوئے۔

یا شیخؒ اگر آپ کے ہاتھ میں جنت کی مٹی تھی تو آج سے پہلے آپ نے اس کی زیارت کیوں نہ کروائی۔ اس عیسائی کے لیے لائے اور ہم صاحبان اسلام کو آپ نے محروم کیا۔ شیخ بہائیؒ ایک مرتبہ مسکرا کر کہتے ہیں۔ دن اور رات تم دیکھتے رہتے ہو، ہر وقت تمہارے سامنے آتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ تم سمجھ نہیں پاتے ہو۔ اب تو لوگ اور حیران ہوئے ایسی کون سی مٹی ہے۔ کہا یا شیخؒ اپنی مٹھی کھولیے۔ شیخ نے مٹھی کھولی تو سب نے دیکھا کہ ایک تسبیح شیخ بہائیؒ کے ہاتھ میں رکھی ہے اور حیران ہوئے کہ یہ تسبیح کس چیز کی ہے کہا کہ یہ کربلا معلی کی خاک شفاء کی بنی تسبیح ہے کہ جس کے بارے میں اس عیسائی کا یہ علم کہہ رہا ہے کہ یہ جنت کی مٹی ہے۔ وہ عیسائی سنتا ہے۔ گھبرا کے کہتا ہے کہ تم نے اسے کسی دنیا کی جگہ سے اٹھایا ہے۔ کہا ہاں یہ کربلا معلی کی خاک مقدسہ ہے۔ گھبرا کے کہا کہ کربلا کسے کہتے ہیں؟ شیخ نے تھوڑا سا تذکرہ کیا۔ بس اتنا سننا تھا کہ بے اختیار کہا ''اشهد ان لا الـه الا الله واشهد ان محمد رسول الله'' کلمہ پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ شیخ بہائیؒ کی خدمات کا ایک انداز ہے کہ جب بھی کوئی پریشانی دین کو لاحق ہوتی ہے، آگے بڑھ کر اس کا مقابلہ کرتے ہیں اور جس طریقے کا سامنے والا ہوتا ہے۔ اسی طریقے کا جواب شیخ دیتے ہیں۔

لیکن صرف دین کی حد تک کوشش نہیں ہے۔ کبھی دنیاوی معاملات میں شیخ بہائیؒ شاہ عباس کی مدد کرتے ہیں۔ شاہ عباس کو ایک پریشانی ہوگئی۔ پریشانی یہ ہوگئی کہ اس کا ایک خاص دسترخوان ہوتا تھا وہ اس پر بیٹھ کر کھانا کھایا کرتا تھا۔ اب کوئی بادشاہ کتنا ہی دین دار اور پرہیزگار کیوں نہ ہو جائے لیکن بادشاہ، بادشاہ ہے جو نعمتیں اس کے دسترخوان پر ہوتی ہیں وہ کسی عام انسان کے دسترخوان پر تو ہو ہی نہیں سکتی ہیں اور یہی تصور کر کے کہ ٹھیک ہے میں دیندار ہوں مگر کوئی حرام چیز تو

نہیں کھا رہا۔ خدا نے حیثیت دی ہے۔ اس لیے حلال چیزیں کھا رہا ہوں تو شاہ عباس کا دسترخوان ایک ایسا ہی دسترخوان تھا۔ مگر یہاں مسئلہ یہ تھا کہ شاہ عباس حیران ہو جاتا ہے کہ دسترخوان پر وہ اور اس کے خاص ساتھی بیٹھتے ہیں مگر چند دنوں سے یہ ماجرا پیش آنے لگتا ہے کہ جب بھی دسترخوان پر کھانا کھایا جاتا ہے۔ کھانے کے دوران خود بخود کھانا کم ہونے لگتا ہے۔ کچھ روٹیاں خود بخود غائب ہو گئیں، کچھ سالن خود بخود ختم ہو گیا، کھانے کے دوران خود بخود کھانا غائب ہونے لگتا ہے۔

ایک دن دیکھا شاید ہم سے غلطی ہو گئی ہے، شاید غنودگی ہے، دوسرے دن تیسرے دن، کئی دن یہ دیکھا تو شاہ عباس پریشان ہو گئے۔ اس مسئلے کا حل کیا ہے؟ اس کا راز کیا ہے کہ یہ کھانا خود بخود غائب ہو جاتا ہے۔ پریشان ہیں اگرچہ یہ بہائی کا کام نہیں تھا مگر شیخ کو خط لکھا کہ یہ مسئلہ ہے آپ بتایئے تو سہی اس کا کیا ماجرا ہے۔ شیخ کو جیسے ہی یہ اطلاع ملی۔ معلوم ہو گیا اس نے اپنے وعدے کو نہیں مانا اور وہ غلطی کر گیا ہے۔ شیخ بہائیؒ کے شاگردوں میں سے ایک نوجوان ایسا تھا۔ اس کی بڑی خواہش تھی کہ وہ علوم مخفیہ کو سیکھے۔ جادو ہے، نجوم ہے۔ کہ شیخ نے ان علوم پر بھی مہارت حاصل کی تھی۔ اس زمانے کے حالات کی وجہ سے اب اس شیخ کے شاگرد کو بڑی پریشانی ہے مگر شیخ منع کرتے ہیں۔ اس زمانے کے اندر اس کی ضرورت ہے۔ تیسرا جو زمانہ آئے گا۔ اس میں نہ نجوم کی ضرورت ہے۔ نہ جادو کی ضرورت ہے اس لیے تیرے لیے اس علم کو سیکھنا حرام ہے۔ اس نے جب دیکھا کہ شیخ یہ علم اسے دینے کے لیے تیار نہیں۔ کہا کہ اچھا آپ ایسا کیجئے وہ سرمہ مجھے عطا کر دیجئے کہ جس کی خصوصیت ہے کہ جب اسے کوئی اپنی آنکھ میں لگاتا ہے وہ لوگوں کی نظروں میں غائب ہو جاتا ہے۔ یہ صاحب قصص العلماء والے نے تحریر کیا ہے کہ شیخ بہائیؒ کے پاس من جملہ دوسری ذہانتوں اور کرامتوں کے علاوہ ایک ایسا سرمہ چشم بھی تھا کہ وہ جس کی آنکھ میں لگایا جائے وہ لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہو جاتا تھا۔ اب شیخ کے شاگرد نے پہلے تو بڑی کوشش کی شیخ کی خدمت کر کے شیخ کے قریب آ کر ہر ممکن طریقے سے تاکہ شیخ سے ان علوم کو حاصل کرے۔ وہ تو نہ مل سکے، پھر سرمے کی خواہش ظاہر کی اب شیخ اسے کیسے منع کریں۔ ایک مرتبہ اسے کہا بس وعدہ کر کہ جب دین کو کوئی ضرورت آئے گی۔ اس کے علاوہ تو کبھی اسے استعمال نہیں کرے گا۔

اس نے شیخ سے وعدہ کر لیا تو وہ وعدہ کر کے سرمہ لے کر چلا گیا اور آج جب شیخ بہائیؒ کو شاہ عباس کی طرف سے اطلاع ملی کہ روزانہ دسترخوان سے کھانا خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ تو شیخؒ فوراً سمجھ گئے کہ وہ نوجوان ہے۔ جوانی میں ہر کوئی اس قسم کے کام کرتا ہے۔ عمر کے تقاضے سے اس نے اپنے وعدے کو وفا نہ کیا۔ یہ یقیناً اس کی شرارت ہے۔ آنکھ میں سرمہ لگا کر پہنچ

جاتا ہوگا دستر خوان پہ۔ اس کھانے کو استعمال کرتا ہوگا۔ اب شیخ بہائیؒ ایک مرتبہ شاہ عباس اعظم سے کہتے ہیں کہ میں اس سلسلے کو تو ختم کرا دوں گا مگر شرط یہ ہے کہ کوئی قصوروار نکلا تو اسے سزا نہیں دی جائے گی۔ بلکہ سیدھا آپ میرے پاس بھیج دیں گے۔ شاہ عباس تو ویسے ہی شیخ بہائیؒ کے حکم کا غلام ہے۔ راضی ہو گیا کہا کہ آپ ایسا کریں کہ جب آپ دستر خوان پر بیٹھیں تو دیکھیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ پھر کسی بہانے سے آپ باہر جائیے اور باہر آنے کے بعد اس کمرے کو بند کر کے اس کے چاروں طرف اس طرح آگ کو جلایا جائے کہ اس کا دُھواں فوراً کمرے میں داخل ہو جائے اور جب کافی دھواں پہنچ جائے کمرے کے اندر تو اس کے بعد جو کچھ ہو مجھے اطلاع دیجئے گا۔

اگلا دن آیا شیخ بہائیؒ کے بتائے ہوئے طریقے پر شاہ عباس دستر خوان پر بیٹھا اس نے دیکھا کہ کھانا خود بخود غائب ہو رہا ہے تو ایک مرتبہ بہانہ بنا کے باہر نکلا۔ اس کے وزیر اور درباری بیٹھے ہیں۔ وہ خود باہر نکلا، باہر نکلتے ہی اس نے ایک مرتبہ دروازے کو بند کیا۔ چاروں طرف آگ کو اس طرح جلایا گیا کہ اس کا دھواں اندر جانے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھولا تو یہ دیکھا کہ اس دھوئیں کی وجہ سے سارے لوگوں کو تکلیف ہو رہی ہے مگر ان میں ایک نئے آدمی کا اضافہ ہو چکا ہے۔ یہ کون تھا اس سے پہلے شاہ عباس نے اسے دیکھا تک نہ تھا لیکن اس کا شیخ سے وعدہ تھا۔ اسے گرفتار کر کے شیخ بہائیؒ کے پاس پہنچایا اور خود شاہ عباس پہنچا اور شیخ بہائیؒ نے پورا واقعہ بتایا کہ میں نے اس لیے دھوئیں کی بات کی تھی کہ جب دھواں آنکھوں کو لگے گا تو آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے اور آنسو کی نمی جو ہے وہ اس سرمہ کو دھو دے گی۔ سرمہ صاف ہو جائے گا اور یہ نظر آ جائے گا لیکن اس کے بعد اس سے سرمہ لے لیا اور تنبیہ کر کے کہا کہ توبہ کرنا واجب ہے۔ شیخ بہائیؒ نے اسے آرام سے رخصت کر دیا۔

اس انداز سے شیخ بہائیؒ کی زندگی تھی کہ فقط یہ نہیں کہ علم دین یا علم دنیا میں ماہر ہیں۔ ہر مسئلے کو حل کرنے کے لیے تیار اور ہر علم میں ماہر ہیں اور ہر مسئلے کا جواب دیتے ہیں۔ اگرچہ شیخ بہائیؒ کی ولادت لبنان میں ہوئی مگر بعد میں نامساعد حالات کی وجہ سے انہیں ترک وطن کر کے ایران آنا پڑا اور اسی ایران میں ۷۸ سال کی عمر میں ۱۲ شوال سن ۱۰۳۱ ہجری انگریزی حساب سے سن ۱۶۲۱ عیسوی کا سال چل رہا تھا۔ اصفہان میں شیخ بہائیؒ کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد ان کو اصفہان سے مشہد مقدس منتقل کیا گیا۔ جہاں آج بھی آٹھویں امام کے جوار میں ان کی قبر ہے۔ شیخ بہائیؒ نے ۷۸ سال عمر پائی۔

☆☆☆

بسم تعالیٰ

قاضی نوراللہ شوستری شہید ثالثؒ

۹۵۶ھ - ۱۰۱۹ھ

مذہب اہل بیتؑ کی بنیاد رکھی جانے کے بعد سے لے کر آج تک راہ حق میں لاکھوں لوگ اپنی جان کا نذرانہ پیش کر چکے ہیں۔ اِن میں خواص بھی شامل ہیں اور عام لوگ بھی۔ ان قربانیاں دینے والے لوگوں میں مجتہدین اکرام اور فقہ محمدؐ وآل محمدؑ کے ماہر سب سے آگے آگے نظر آتے ہیں۔ یہ انہی قربانیوں کا ثمر ہے کہ آج ہم آرام واطمینان کے ساتھ بیٹھ کر آل محمدؑ کا کلمہ پڑھتے ہوئے دین کے اُصولوں پر عمل پیرا ہیں۔

شہید مجتہدین اکرام کی فہرست میں چند نام نہایت اہم ہیں۔ جن کی شہادت کے باعث شیعیت کو دوام حاصل ہوا علامہ حلّیؒ کے زمانے سے لے کر آج تک کا جو زمانہ ہے اس میں چند مجتہدین گزرے ہیں جن کی قربانیوں کو خصوصی اہمیت حاصل ہوئی اور اِن کی قربانی نے ایک بہت اہم کردار ادا کیا۔ اِن میں سرفہرست شہید اوّل جمال الدین مکیؒ ہیں۔ پھر اس کے بعد شہید ثانی شیخ زین الدین ہیں۔ شہید ثالث قاضی نوراللہ شوستریؒ یا علامہ محمد تقیؒ ہیں۔ علماء پاک وہند کے مطابق شہید ثالث قاضی نوراللہ شوستریؒ ہیں اور علمائے ایران وعراق کے نزدیک شہید ثالث علامہ محمد تقیؒ ہیں اگر ہم تیسرے شہید علامہ محمد تقیؒ کو مانے تو پھر چوتھے شہید قاضی نوراللہ شوستریؒ ہیں اور پانچویں شہید آیت اللہ باقر الصدرؒ ہیں۔

آپ کا اسم گرامی نوراللہ لقب قاضی اور کنیت ابوالمجد ہے۔ ایک اور لقب آپ کا ضیاء الدین ہے والد گرامی کا نام محمد شریف الحسینی ہے، آپ چوتھے امام زین العابدین علیہ السلام کی نسل سے تھے، چوتھے امامؑ کی نسل میں سے ایک امام زادے شام اور یورپ کے درمیان ایک مقام پہ آباد ہوئے تھے جسے مرعش کہا جاتا تھا اس طرح سے وہاں کے سب سادات مرعشی کہلاتے ہیں۔ سادات مرعشی نے ایران اور عراق میں بہت نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ مراجعہ اعظام میں سے نہایت اہم مراجعہ آقائے سید شہاب الدین مرعشی نجفی کا تعلق بھی اس سادات مرعشی سے تھا۔ قاضی نوراللہ شوستریؒ بھی سادات مرعشی میں سے ہیں۔ سن ۹۵٦ ہجری میں آپ ایران کے صوبہ کوزستان کے ایک شہر شوستر میں پیدا ہوئے۔ بمطابق ۱۵۴۹عیسوی ابتدائی تعلیم اپنے آبائی شہر میں اپنے والد اور چچا سے حاصل کی۔ جب آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی تو شوستر سے ترک وطن کر کے مشہد مقدس تشریف لائے اور وہاں کے حوزہ علمیہ میں جلیل القدر علماء سے تعلیم حاصل کرنے لگے۔

۱۸برس تک یہ سلسلہ چلتا رہا اور پھر آپ کی عمر ۳۵ برس ہوئی تو یہ وہ زمانہ تھا یعنی ۹۹۳ ہجری جبکہ سرزمین ہندوستان میں شیعہ علماء کی انتہائی کمی تھی اور انتہائی ضرورت بھی کہ وہاں جا کر دین اہل بیتؑ کی تبلیغ کی جائے چنانچہ آپ نے مشہد مقدس سے ہجرت کی اور ہندوستان پہنچے یعنی دوسرے لفظوں میں بہشت کو چھوڑ کر جہنم کا رُخ کیا۔ صرف اور صرف دین کی خاطر اور اس طرح سے عمر عزیز کا باقی حصہ یعنی تقریباً ۲۸ سال ہندوستان میں بسر کیے۔ تا آن کہ انتہائی بے دردی کے ساتھ آپ کو جہانگیر بادشاہ کے حکم پر شہید کر دیا گیا اور آپ کی لاش مبارک کو کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیا گیا جو تین روز تک بے گور و کفن پڑی رہی کہا جاتا ہے کہ ان کی شہادت کے بعد ہی شیعیت نے صحیح معنوں میں ہندوستان میں قوت حاصل کی۔

ہندوستان میں شیعیت کی آمد کچھ اس طرح سے ہے کہ بنو اُمیہ کے مظالم جب انتہا کو پہنچے تو سادات اکرام نے سرزمین عرب کو چھوڑ کر ایران میں پناہ لی تا آینکہ بنو عباس کی حکومت قائم ہوگئی۔ خاندان بنو عباس نے خراسان کو اپنا مرکز بنایا تو یوں یہ علاقہ بھی آل محمدؐ کے ماننے والوں کے لئے انتہائی خطرناک ہوگیا۔ چنانچہ آل محمدؐ کے ماننے والوں کی ایک کثیر تعداد وہاں سے ہجرت کرنے لگی۔ ہندوستان وہاں سے قریب ترین علاقہ تھا چنانچہ سادات اکرام کی ہندوستان آمد شروع ہوگئی۔

بعض مورخین کے مطابق محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ حجاج ابن یوسف کے حکم پر کیا تھا جو لاکھوں مسلمانوں کا قاتل تھا اور خصوصی طور پر اُس نے لاکھوں محمدؐ و آل محمدؐ کے ماننے والوں کو بھی قتل کیا تھا۔ محمد بن قاسم سے حجاج بن یوسف نے سندھ پر حملہ اس لیے بھی کروایا تھا کہ یہاں کے حاکم راجہ داہر نے سادات اکرام کو اپنی پناہ میں لینے کا ارادہ کیا تھا جو حجاج کے مظالم سے گھبرا کر سرزمین حجاز' بصرہ و کوفہ کے علاقے چھوڑ کر آئے تھے۔ حجاج بن یوسف کے مطابق وہ سب اُس کے مجرم تھے۔ اُس نے ہندو راجہ سے اُن کی واپسی چاہی۔ ہندو راجہ داہر نے انکار کر دیا۔ جس کی سرکوبی کے لیے حجاج ابن یوسف نے محمد بن قاسم کو لشکر دے کر بھیجا۔ جس نے اس علاقہ کو فتح کیا۔ اس طرح ٹھٹھہ سے لے کر ملتان تک جو سندھ کا پرانا علاقہ تھا۔ سادات کرام پہنچے، اکثر وہ تھے جو امام زادے تھے یا نسل سادات سے تعلق رکھتے تھے۔

بنو اُمیہ اور بنو عباس تو باعث تھے ہی کہ سادات وہاں سے ہجرت کریں جبکہ چنگیز خاں اور ہلاکو خان کے دور میں بھی بہت سے لوگ ہجرت کر کے ہندوستان آئے اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے ایک وقت ایسا آیا کہ دہلی میں اُنہوں نے قوت حاصل کر لی اور دہلی آل محمدؐ کے ماننے والوں کا مرکز بن گیا یہاں تک کہ محمود غزنوی نے ہندوستان فتح کر

لیا۔ حاکم ظالم فیروز اپنی کتاب میں لکھتا ہے بڑے فخر کے ساتھ کہ بحمد اللہ میرے زمانے میں رافضیوں (شیعوں) کا زور ہونے لگا تھا لیکن میں نے اُس وقت تک آرام نہ کرلیا جب تک ایک ایک کر کے اِن کا خاتمہ نہ کردیا۔ اس طرح سے جو بچ گئے وہ منتشر ہو گئے۔ کچھ لوگ کشمیر چلے گئے اور ایک بڑی تعداد میں لوگ ہندوستان کے جنوبی علاقوں دکن، میسور وغیرہ چلے گئے۔

جنوبی ہندوستان میں شیعیت کی ترویج ایک انتہائی نامور عالم ملا محمد طاہر کی وجہ سے ہوئی اور دین اہل بیت اس خطہ میں اس انداز سے پہنچا کہ جمعہ کے خطبوں میں بارہ آئمہ طاہرینؑ کے نام داخل کر دیے گئے۔ حکومت کا سرکاری مذہب اثنا عشری قرار دیا گیا۔ اس علاقے میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں ایک ایک کر کے اِن تمام ریاستوں میں دین شیعہ پھیلنے لگا اور ترقی کرنے لگا۔

ان ریاستوں کے علاوہ ہندوستان میں آل محمدؑ کے ماننے والے تقیہ کی حالت میں زندگی گزارنے لگے۔ ان کی ہر ممکن کوشش تھی کہ ہمیں ایک مرکز مل جائے کوئی ایسی ذات مل جائے کوئی ایسا عالم مل جائے جس کے سہارے ہم اس سرزمین ہندوستان میں مذہب اہل بیتؑ کو ترقی دے سکیں۔ مجموعی طور پر ہندوستان میں دشمنان اہل بیتؑ کی فضا تھی اور وہ انتہائی متعصب و دشمن اہل بیتؑ تھے۔

یہ اُس دور کی بات ہے جب خاندان مغلیہ کا بادشاہ ہمایوں حکمران تھا۔ جب ہمایوں کو شیر شاہ سوری نے شکست دی تو ہمایوں کو تخت چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ ہمایوں نے ہندوستان سے فرار ہو کر ایران میں پناہ لی ایران کا حکمران تہماسپ تھا۔ یہ انتہائی عالم دوست اور دین آل محمدؑ کی تبلیغ کا خواہش مند تھا۔ ہمایوں کو معلوم تھا کہ ایران ایک ایسی طاقت ہے کہ جہاں مجھے فوجی طاقت مل جائے تو اپنے دشمن کو شکست دے کر دوبارہ اپنی حکومت قائم کر سکتا ہوں۔

ہمایوں کئی سال تک ایران میں رہا۔ تہماسپ کی بہن نے اپنے بھائی کو مشورہ دیا کہ یہ مہمان ایسے ہی یہاں رہ رہا ہے۔ اسے آہستہ آہستہ دین اہل بیتؑ سے آگاہ کرو تا کہ جو حقائق آج تک اسے نہیں معلوم وہ معلوم ہو جائیں۔ دونوں بادشاہوں کو شعر و شاعری کا شوق تھا۔ لہٰذا بہن کے مشورہ پر قصیدہ خوانی کی محفل منعقد کی جانے لگیں اور ذکر محمدؐ و آل محمدؑ قصائد میں پڑھنا شروع ہو گیا۔ کئی سال گزر گئے ہمایوں ایران کے ماحول میں ہے اس کا لشکر اور وہ خود آل محمدؑ کے دین کی حقانیت سے آگاہ ہونے لگے۔ ہمایوں نے کئی سال کی مہمانی کے بعد اپنی خواہش کا اظہار بادشاہ تہماسپ سے کہا کہ میں چاہتا

ہوں کہ مجھے ایک مرتبہ پھر ہندوستان کا تخت مل جائے آپ میری مدد کریں۔ طہماسپ نے چند شرائط پیش کیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ تمہاری سرزمین میں آل محمدؐ کے ماننے والے جو ہیں ان پر کسی قسم کا ظلم و ستم نہیں کیا جائے گا آج تک جو مظالم کئے گئے ہیں ان کی تلافی کی جائے ہمایوں نے شرائط قبول کرلیں۔ فوج کی تیاری شروع ہوئی اس میں نہ صرف فوجی تھے بلکہ تمام شعبہ زندگی کے ماہرین بھی شامل تھے۔

خاص طور پر ماہر تعمیرات یہ پاکستان و ہندوستان میں آج جتنی بھی قدیم تعمیرات آپ کو نظر آتی ہیں یہ سب ایرانی فن کاروں کی مرہون منت ہیں۔ ہندوستان کی ترقی میں ایرانیوں کا بڑا ہاتھ رہا ہے یہاں تک کہ کھانا پکانے کے ماہرین نے ایرانی کھانے ہندوستان میں رائج کئے۔

جو خاص خاص لوگ ہمایوں کے ساتھ ہندوستان آئے اُن میں اس ناچیز مؤلف کے جد سید شیر علی بھی شامل تھے۔ جو اُس وقت شیراز کے گورنر تھے۔ اس ایرانی فوج کے ذریعے جو سب کے سب شیعہ تھے۔ ہمایوں نے اپنی بادشاہت دوبارہ حاصل کرلی اور ہمایوں نے سید شیر علی کو خوشاب کی ریاست دی۔ سید شیر علی کی اولاد میں سے چواسیدن شاہ والے بزرگ پیدا ہوئے اور پھر اُن کی نسل سے شمس العلماء سید میر حسن اُستاد علامہ اقبالؒ جو مؤلف کے پردادا ہیں۔ (حوالہ کتاب شمس العلماء میر حسن، اقبال اکیڈمی)

خیر یہ بات ضمنی طور پر آگئی ایرانی فوج کی مدد سے دوبارہ ہمایوں کی سلطنت قائم ہوئی۔ ایرانی فوج واپس ہوئی۔ کچھ رہ گئے جو رہ گئے وہ شیعہ تھے۔ مگر ہندوستان کی ساری عوام تقریباً مخالفوں میں سے تھے۔ ہمایوں کے فوج لانے کی وجہ سے آہستہ آہستہ شیعیت کو قوت و طاقت ملنے لگی اور پھر مالک کی کرم نوازی سے ملکہ ہند حمیدہ بانو محب اہل بیت تھیں چنانچہ ہندوستان میں رفتہ رفتہ ہمایوں کے دور میں پہلی مرتبہ عزاداری کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ چند سال کے بعد ہمایوں ایک دن اچانک مینار کی سیڑھی سے گر کر زخمی ہوا اور پھر انتقال کرگیا۔ اس کے بعد اس کا بارہ سالہ بیٹا اکبر تخت نشین ہوا۔ بیرم خان اس کا سرپرست اور نگہبان مقرر ہوا بیرم خان شیعہ تھا۔ لیکن دربار کے اکثر لوگ ہندوستان کے رہنے والے تھے اور اکثریت مخالفوں کی تھی۔ فوج بھی ہندوستان کی تھی ایرانی فوج واپس جا چکی تھی۔ ایک مرتبہ درباریوں نے الزام لگایا کہ" بیرم خان شیعہ ہے اور اپنے ہم عقیدہ لوگوں کو حکومت کے اعلیٰ عہدے دے رہا ہے اس لئے اسے برطرف کیا جائے۔ اکبر بالکل جاہل اور بچہ تھا اُسے کچھ معلوم نہ تھا لوگوں کی باتوں میں آکر بیرم خان کو اس کے عہدے سے ہٹادیا۔ بیرم خان عازم

حج ہوا لیکن راستہ میں ایک افغان کے ہاتھوں صرف اس لیے شہید کر دیا گیا کہ شیعہ تھا۔

بیرم خان کی شہادت کے بعد اکبر درباری ملاؤں کے درمیان گھر گیا جو انتہائی سخت دشمن تھے۔ ان کا کردار نام اور ذاتی دولت جمع کرنے کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ مغلیہ خاندان کے خزانے سونے کی اینٹوں سے بھرے پڑے تھے جن کو حاصل کرنے کے لیے تمام درباری کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے تھے۔ یہ وہ دور تھا کہ اگر کسی آدمی کے بارے میں ذرہ سا بھی شک وشبہ ہو جاتا کہ یہ آل محمدؐ کا ماننے والا شیعہ ہے تو اُسے علی الاعلان قتل کر دیا جاتا۔ درباری ملاؤں نے چاروں طرف سے اکبر کو گھیر لیا ان کی پوری کوشش ہوتی کہ کسی ایسے آدمی کو اکبر کے قریب نہ آنے دے جس کے بارے میں ذرا سا بھی شک ہو کہ یہ شیعہ ہے۔ اتنا سخت شیعہ دشمنی کا ماحول تھا کہ اگر کسی مرنے والے کے بارے میں اُس کے دفن ہونے کے بعد پتہ چلتا کہ یہ محبِ اہل بیتؑ تھا تو اُس کی قبر کی بے حرمتی عام تھی۔ میر مرتضٰی خان دہلی کے ایک انتہائی مقدس بزرگ تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو تمام اہل دہلی ان کے جنازے میں شامل ہوئے۔ چند دنوں بعد جب وصیت نامہ کھولا گیا تو معلوم ہوا کہ آپ شیعہ تھے۔ اُن کی قبر کو کھودا گیا اور یہ کہہ کر لاش قبرستان کے باہر پھینک دی کہ یہ تو آل محمدؐ کا ماننے والا ہے۔ اسے کوئی حق حاصل نہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے کا۔

چنانچہ اس دور میں جتنے بھی محبِ اہل بیتؑ تھے جن کو تھوڑی بہت سمجھ تھی وہ سب ہندوستان کے جنوبی علاقوں کا رُخ کر گئے تھے۔ جہاں پر اہل بیتؑ سرکاری مذہب بن چکا تھا ایک بڑی تعداد شیعہ علماء کی وہاں پہنچی تھی حتیٰ کہ ایک عالم جن کا نام ملا احمد تھا دین اہل بیتؑ قبول کر چکے تھے۔

قصہ کچھ یوں ہے ملا احمد ٹھٹھہ کے اہلِ سنت علماء میں سے ایک بڑے عالم دین تھے۔ ایک رات عالم خواب میں آپ کو شرف زیارت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ ہوا۔ آپ نے دیکھا کہ امیر المومنینؑ تشریف فرما ہیں اور آپ کے ہاتھ میں ایک تفسیر ہے۔ آپ نے ملا احمد سے فرمایا دیکھو یہ تفسیر کشاف ہے اس تفسیر میں اس آیت کو پڑھنا۔

"انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنو الذین یقیمون الصلوٰۃ و یو تون الزکوٰۃ وھم راکعون۔"

کہ تمہارا خدا ولی ہے اور رسولؐ ولی ہے اور وہ صاحبان ایمان ہیں جو حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں

اس کی تفسیر ضرور پڑھنا بس ملا احمد کی آنکھ کھل گئی ملا احمد اُس وقت فقط امیر المومنینؑ کو خلیفہ راشدین میں چوتھے نمبر پر مانتے تھے۔ اب ملا احمد نے تفسیر کشاف کو بہت ڈھونڈا مگر نہ مل سکی۔ اُس وقت ان کے علاقے میں یہ تفسیر تھی ہی نہیں ملتی

کہاں ہے۔اُدھر ایران کے ایک عالم دین جن کا نام ملا محمد حسن تھا وہ ہندوستان آرہے تھے جس دن وہ روانہ ہونا چاہتے تھے رات کو خواب میں انہوں نے دیکھا کہ امیر المومنینؑ تشریف لائے ہیں اور آپ کے دستِ مبارک میں تفسیر کشاف ہے۔مولاؑ فرماتے ہیں اے میرے ماننے والے تو ہندوستان جارہا ہے اس تفسیر کو لے جا اور ٹھٹھہ میں تجھے ایک مرد مومن ملے گا۔جن کا نام احمد ہے یہ تفسیر اسے دے دینا۔آنکھ کھولی مولا کا حکم تھا۔تفسیر کو خریدا اور عازم سفر ہوئے۔ہندوستان کے مختلف شہروں کی سیر کرتے ہوئے جب ٹھٹھہ پہنچے تو خواب یاد آیا۔لوگوں سے معلوم کیا پتہ چلا فلاں عالم یہاں موجود ہیں۔اس تفسیر کے آخری صفحہ پر اپنا خواب اور مولاؑ کا حکم لکھا اور کسی کے ہاتھ تفسیر ملا احمد کو بھیج دی۔

ملا احمد بہت پریشان تھے کہ پورے ہندوستان میں ڈھونڈا یہ تفسیر نہ مل سکی۔آپ مایوس تھے کہ مایوسی حیرت میں بدل گئی جب اُس شخص نے تفسیرِ کشاف آپ کو پیش کی۔بے اختیار آنکھوں میں آنسو آگئے۔آخری صفحہ پر اُس عالم دین کا خط دیکھا اور آنے والے سے فوراً کہا کہ مجھے اُن کی قدم بوسی کے لیے لے کر چلو۔قدم بوسی کرنے کے بعد اپنا خواب بیان کیا اور اُس آیت مبارکہ اور اُس کی تفسیر کو پڑھا اور جب اصل حقائق معلوم ہوئے تو آنکھوں سے پردہ ہٹ گیا حقیقت کو پالیا۔اس کے بعد اہل سنت کے جتنے علما تھے اُن سے مباحثہ کیا لیکن کسی کی بات سے دل مطمئن نہ ہوا۔فوراً ٹھٹھہ چھوڑ دیا، مشہد مقدس پہنچے، وہاں جا کر علوم اہل بیتؑ حاصل کیے اور جب مشہد مقدس سے واپس سفر اختیار کر رہے تھے تو معلوم ہوا کہ ہندوستان کے علاقے دکن کے ایک حاکم نے مشہد مقدس سے ایک آدمی کو بلوایا ہے۔جس کا نام فتح اللہ شیرازی ہے آپ عالم بھی تھے اور اس کے علاوہ بہت بڑے سائنسدان بھی، فلسفے کے انتہائی ماہر اور علم ریاضی میں یکتا۔اُن کو اُس زمانے کا بوعلی سینا کہا جاتا تھا ملا احمد آپ کے ہمراہ ہوئے اور دونوں دکن پہنچ گئے دکن ہندوستان کے جنوب میں واقع اور دہلی آگرہ شمال میں، جنوب میں مومنوں کی حکومت اور دہلی آگرہ میں مخالف لوگوں کی۔

آگرہ میں ایک بہت بڑے عالم تھے جن کا نام تھا ملا مبارک آپ کا خاندان یمن سے ہجرت کر کے سندھ میں آیا ہوا اور پھر یہاں سے ہجرت کر کے آگرہ پہنچے جو اُس زمانے کی حکومت کا مرکز تھا۔پورے ہندوستان میں اُن کے پائے کا عالم نہ تھا مگر اکبر درباری' سازشی ملاؤں میں گھرا تھا۔ملا مبارک کو بے انتہا تنگ کیا گیا اذیتیں دی گئیں۔قسم قسم کے الزامات لگائے گئے۔

آپ کے ہاں دو یگانہ روزگار بیٹے پیدا ہوئے ایک کا نام فیض اور دوسرا ابوالفضل فیض ایک ایسا نام جس نے

تفسیر قرآن کریم لکھی۔ پوری تفسیر میں کہیں ایک نکتہ والا حرف نہیں آنے دیا انتہائی ذہین اور ابوالفضل کی ذہانت کا انداز کیجئے کہ بچپنے کا واقعہ ہے۔ ذہانت دیکھ کر اُستاد نے امتحان لینا چاہا سب شاگرد قالین پر بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ ابوالفضل کے بیٹھنے کی جگہ پر قالین کے نیچے ایک کاغذ رکھ دیا۔ اب ابوالفضل آیا اور اپنی جگہ پر بیٹھ گیا اور فوراً بے چین ہو گیا کبھی اوپر دیکھ رہا ہے کبھی نیچے۔ اُستاد نے پوچھا کیا بات ہے کہا اُستاد محترم میں غور کر رہا ہوں کہ فرش کچھ اُونچا ہو گیا ہے یا پھر چھت کچھ نیچی ہو گئی ہے۔ بے اختیار اُستاد نے کہا مرحبا' مرحبا سبحان اللہ۔

ملا مبارک بظاہر شیعہ نہ تھے لیکن شیعوں سے تعلقات تھے۔ حتیٰ کے اپنی ایک بیٹی کا نکاح بھی ایک شیعہ سے کر دیا۔ لہٰذا آپ کو اتنا تنگ کیا گیا کہ مجبوراً شہر چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کرنا پڑی لیکن جب فیض اور ابوالفضل کی شہرت اکبر کے دربار تک پہنچی تو خود اکبر نے فیض کو دعوت نامہ بھیجا کہ میں آپ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔

فیض نے پہلی ہی ملاقات میں اکبر کو اپنا گرویدہ بنا لیا اور اکبر نے انہیں اپنا وزیر اعظم بنا لیا۔ فیض دین دار اور قابل آدمی تھا۔ تمام اسلامی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا آہستہ آہستہ مائل بہ شیعیت ہونے لگا مگر شیعہ نہ ہوا۔ فیض نے اپنے بھائی ابوالفضل کو دربار میں بلایا ابوالفضل فیض سے بھی زیادہ ذہین تھا۔ اکبر انتہائی متاثر ہوا اور اُسے بھی اپنا وزیر اعظم بنا لیا۔ ابوالفضل نے اپنے علم سے جان لیا تھا کہ مذہب حقہ کونسا ہے لہٰذا وہ پوشیدہ طور پر شیعہ ہو گیا اور اس طرح سے بیرم خان کے بعد اکبر کے محل میں پہلی مرتبہ آلِ محمدؐ کے ماننے والے داخل ہو گئے۔

دونوں بھائیوں نے جب دیکھا کہ نام نہاد علماء اکبر کو بے وقوف بنا رہے ہیں اور انہوں نے ایسا نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے کیا ہے تو دونوں نے فیصلہ کیا کہ ان علماء کو یہاں سے نکالنا چاہیے۔ فیض جنوبی ہندوستان گئے اور وہاں ان کی ملاقات فتح اللہ شیرازی سے ہوئی۔ فیض انتہائی متاثر ہوئے حاکم دکن نے فتح اللہ شیرازی کو ارسطو زماں کا خطاب دیا تھا۔ فیض نے واپسی پر اکبر کو بتایا اکبر حیران ہوا اور اُس نے فوراً فتح اللہ شیرازی کو اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی۔

حاکم دکن مجبور تھا فتح اللہ شیرازی نے ملا احمد کو ساتھ لیا اور دونوں اکبر کے دارالحکومت آگرہ پہنچ گئے۔ اب یہاں چار محبِ اہلبیتؑ جمع ہو گئے۔ فیض' ابوالفضل' فتح اللہ شیرازی اور ملا احمد۔

اکبر کی حکومت میں شیعوں کی حالت بہت بری تھی اور زندہ رہنے کے لیے انہیں جزیہ دینا پڑتا تھا یا پھر قتل کر دیا جاتا تھا۔ ایسے حالات میں ان سب کا اکٹھا ہو جانا پروردگار عالم کا خاص لطف و کرم تھا۔ فتح اللہ شیرازی کے دوست حکیم

عبدالفضل گیلانی بھی ایک مشہور سائنس دان تھے وہ بھی آ گئے۔ اکبر کی نگاہ میں اُن کی انتہائی عزت تھی۔ انہوں نے ایک تالاب میں ایک کمرہ بنایا تھا۔ پانی کے نیچے مگر پانی کمرہ میں داخل نہ ہوتا تھا دروازہ کھول دیا سامنے پانی ہے مگر پانی کمرہ میں داخل نہ ہو سکتا تھا۔

اکبر کی حکومت پورے ہندوستان میں پھیل چکی تھی اور حکومت کو چلانے والے یہی پانچ چھ افراد تھے۔ فتح اللہ شیرازی نے مسلسل ایسی ایجادات کی تھیں جن پر اکبر کی فتح کا دارومدار تھا، یہاں تک کہ اکبر فتح اللہ شیرازی کا محتاج ہو گیا۔ فتح اللہ شیرازی پہلے شخص تھے جنہوں نے ۱۲ گولیوں والی بندوق بنائی تھی اس سے پہلے رواج تھا ایک گولی ڈالو بندوق چلاؤ پھر دوسری گولی ڈالو۔ آپ کی بندوق بیک وقت ۱۲ گولیاں فائر کرتی تھی اس بندوق نے تہلکہ مچا دیا۔

پہلی مرتبہ آپ نے قلعہ توڑنے والی توپ بنائی۔ ایک خاص قسم کی سیڑھی ایجاد کی جس کا بٹن دبانے سے آدمی پہلی سیڑھی سے کھڑا ہو کر خود بخود پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جاتا تھا۔ آپ نے ایک خاص قسم کی دوربین بنائی جو آج کل کے راڈار سے ملتی جلتی تھی اس دوربین سے سومیل سے آنے والے لشکر کا گھر بیٹھے پتہ چل جاتا تھا۔

محمدؐ و آل محمدؐ کے ماننے والوں کا یہی طریقہ ہے کہ جب ہر کوئی مخالف ہو تو اتنے علوم حاصل کرو کہ خود ظالم بادشاہ، حکمران بھی ان علوم کی وجہ سے محتاج ہو جائے۔ اب یہ سب مختلف قسم کے ماہرین جمع ہو گئے لیکن ایک مسئلہ جو بدستور موجود تھا کہ اِن میں کوئی فقیہہ نہ تھا لہٰذا آپس میں مشورہ کیا گیا تو حکیم عبدالفضل گیلانی نے اپنے دوستوں کو بتایا کہ مشہد مقدس میں ایک بہت بڑے عالم ہیں قاضی نوراللہ شوستریؒ مشہد مقدس میں اور پورے ایران میں ان کی شہرت ہے اگر وہ یہاں تشریف لے آئیں تو ہمارا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ایران میں شاہ عباس اعظم کی حکومت قائم ہو رہی تھی جس کے نزدیک علماء کی بہت قدر و قیمت تھی۔ اُس کے زمانہ میں علماء کو اعلیٰ ترین عہدہ مل رہا تھا کہ قاضی نوراللہ شوستریؒ کو ہندوستان آنے کی دعوت دی گئی کہاں مشہد مقدس جنت نشان اور کہاں ہندوستان اور درباری سیاست لیکن تمام نعمتوں کو چھوڑ کر قاضی نوراللہ شوشتریؒ صرف اور صرف دین کی خاطر قربانی دینے کیلئے تیار ہو گئے۔ کیا خوب فرمایا:

''وہاں کی زحمتیں وہاں کی پریشانیاں وہاں کی مصیبتیں اگر دین آل محمدؐ کی تبلیغ کے لیے ہوں تو یہاں کی نعمتوں سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔''

۹۹۳ ہجری شوال کا مہینہ آپ کے نام خط آتا ہے کہ آپ ہندوستان تشریف لائیے۔ جیسے ہی دعوت نامہ ملا آپ

مشہد مقدس جوار امام رضا علیہ السلام کو چھوڑ کر عازم ہندوستان ہوئے اور شہر لاہور میں آپ کی تشریف آوری ہوئی۔ ان دنوں اکبر لاہور میں تھا، لاہور کے شاہی قلعہ کی تعمیر ہو رہی تھی، قاضی نور اللہ شوستریؒ حالت تقیہ میں تھے۔ آپ کا استقبال کرنے کے لیے فیض، ابو الفضل، فتح اللہ شیرازی۔ حکیم عبدالفضل گیلانی اور ملا احمد موجود تھے۔ دربار آراستہ ہوا اکبر نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ کا تعارف کروایا گیا۔ تعارف کرواتے ہوئے کہا گیا کہ آپ تمام علوم کے ماہر ہیں ہر علم کو جانتے ہیں۔ (کیوں ایسا نہ ہو مکتب محمدؐ و آل محمدؐ کے فقیہ، مجتہد کی یہ خصوصیت ہے کہ تمام علوم پر اُس کی نگاہ ہوتی ہے) ایک مرتبہ اکبر نے ایک کام اُن کے سپرد کیا۔ اکبر نے کہا میں پورے ہندوستان کا حکمران ہوں۔ پورے ہندوستان کا نظام میں نے سنبھال لیا ہے مگر کشمیر کا علاقہ میرے لیے بڑا خطرناک ثابت ہو رہا ہے، سارا پہاڑی علاقہ ہے، نہ وہاں کی آبادی معلوم ہو سکی ہے، نہ رقبہ، نہ وہاں کی کوئی پیمائش ہے۔ یہ کام ہو نہیں پا رہا، آپ یہ کام کر دیں تو میں انتہائی ممنون ہوں گا۔

آپ نے قبول کیا دو سال کا عرصہ گزرا اور تمام اعداد و شمار، آبادی، رقبہ، اہم مقامات وغیرہ وغیرہ اکبر کے سامنے رکھ دیے۔ ذرا سوچیے! کتنی زحمت آپ نے اُٹھائی ہو گی۔ سہولتیں تو تھیں نہیں، کیسے چپہ چپہ چھانا ہو گا۔ اکبر بہت متاثر ہوا۔ اُنہی دنوں لاہور کے چیف جسٹس قاضی معین الدین بہت بوڑھے ہو گئے اور انہوں نے اکبر سے کہا اب میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ اکبر نے فوراً قاضی نور اللہ شوستریؒ سے گزارش کی کہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسا عالم ہندوستان میں موجود ہے آپ قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول فرمائیں۔

لقب قاضی اکبر بادشاہ کا دیا ہوا ہے آپ نے کہا میری ایک شرط ہے یہ شرط قبول ہو تو میں یہ عہدہ قبول کرتا ہوں مجھے پابند نہ کیا جائے کہ میں ایک فقہ کے مطابق فیصلہ کروں مجھے اجازت دی جائے کہ ہر فقہ جس سے چاہوں اس کے مطابق جواب دوں۔ چار فقہ جن کو تمام مسلمان مانتے ہیں یعنی حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی۔ ایک مقدمہ میں چاہے حنفی فقہ سے جواب دوں، چاہے تو مالکی، شافعی یا حنبلی سے۔ اکبر نے کہا کوئی بات نہیں، آپ کو اجازت ہے آپ انہی چار فقہوں میں رہیں۔ جس کے بارے میں تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ان چاروں فقہ میں سے کسی ایک کو بھی مانو تو تم جنتی ہو۔ آپ انہی چار فقہوں میں رہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔

چنانچہ اس طرح سے قاضی نور اللہ شوستریؒ ہندوستان کے قاضی القضاۃ بنے اور انہوں نے عہدہ سنبھالتے ہی اپنے دین کی ترویج شروع کر دی۔ کچھ عرصہ گزرا کچھ لوگ چونکے پریشان ہوئے کچھ علماء گھبرائے یہ جو فیصلے کرتے ہیں سارے

کے سارے وہ فیصلے ہیں جو فقہ جعفریہ کے ہیں۔ اکبر کے دربار میں شکایتیں پہنچنے لگیں۔ اکبر نے سوال کیا آپ کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ آپ سارے فیصلے فقہ جعفریہ کے مطابق کرتے ہیں اس الزام میں کتنی صداقت ہے۔ قاضی نوراللہ شوستری نے فرمایا میں اپنے عہد پر قائم ہوں۔ مخالفین پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے اکبر نے اُنہیں کہا کہ مقدمات کی تفصیل پیش کریں اور فیصلے بھی ایک ایک کر کے مقدمے اور اُن کے فیصلے پیش ہونے لگے کہ یہ مقدمہ اور یہ فیصلہ فقہ جعفریہ سے۔ ایک مرتبہ اکبر سے قاضی نوراللہ شوستریؒ نے پورے اطمینان قلب سے کہا کہ یہ فیصلہ تو فقہ جعفری سے نہیں فقہ حنبلی سے ہے۔ یہ فقہ جعفری سے نہیں یہ تو فقہ حنفی سے ہے یہ فقہ شافعی سے ہے کوئی ثابت کر دے کہ ایسا نہیں ہے۔ آپ نے ثابت کر دیا کہ ایسا ہے اس انداز سے قاضی نوراللہ شوستریؒ نے فیصلے کیے تھے کہ ہر فیصلے ہر مسئلہ کا حل فقہ جعفریہ کے مطابق بھی ہو اور دوسری فقہ میں بھی ہو، ہر فیصلے کو مسلمانوں کی چار فقہوں میں سے کسی نہ کسی فقہ میں ثابت کر دیا۔ اندازہ کریں آپ کی بصیرت اور ذہانت کا کہ اپنی فقہ پر بھی عبور حاصل ہے اور بقیہ مسلمانوں کی فقہ پر بھی۔ آپ فقہ میں اتنے ماہر تھے کہ ہمارے علماء انہیں شیخ مفیدؒ شیخ طوسیؒ اور علامہ حلّیؒ کی صف میں کھڑا کرتے ہیں۔

تمام مخالفین سخت پریشان بھی ہوئے اور اکبر کے سامنے شرمندہ بھی لیکن ایک دن ایسا مسئلہ پیش آ گیا جو خود اکبر سے متعلق تھا۔ اگر یہ آج کے دور میں مسئلہ پیش آتا تو قاضی نوراللہ شوستریؒ کچھ نہ کر سکتے لیکن یہ اُس دور کی بات ہے کہ جب تعصب تو انتہا پر تھا لیکن علمی معاملوں میں خیانت نہیں ہوتی تھی۔ جھوٹی حدیثیں نہیں لکھی جاتی تھیں۔ تاریخ کو اس انداز میں مسخ نہیں کیا جاتا تھا، جس انداز میں آج کیا جا رہا ہے۔

معاملہ اکبر سے متعلق تھا متعہ کا مسئلہ آ گیا تھا۔ اکبر کا ذاتی مسئلہ تھا قاضی نوراللہ شوستریؒ نے کہا کہ بالکل جائز ہے۔ اکبر کے دربار میں ایک مرتبہ شور مچ گیا علماء نے کہا یہ تو حرام ہے، یہ تو زنا ہے۔ یہ تو کسی فقہ میں بھی جائز نہیں۔ قاضی نوراللہ شوستری نے کہا یہ جائز ہے حرام نہیں امام مالک کی فقہ میں ثابت کر دیا۔ فقہ مالکی کے علماء کو بلوایا گیا انہوں نے تصدیق کی کہ واقعاً امام مالک بھی متعہ کو جائز سمجھتے ہیں اور یہ ان کی فقہ میں بالکل جائز ہے۔ اکبر یہ منظر دیکھ رہا تھا وہ تو مطمئن ہو گیا لیکن مخالفین سارے کے سارے علماء جل بھن گئے اور پریشان بھی ہوئے کہ ایک تو ان کا عالم آ گیا پھر وہ قاضی القضاۃ بن گیا، اب اپنے دین کو پھیلا رہا ہے، فیصلے اپنے مطابق کر رہا ہے، ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سازشیں ہونے لگیں۔

۹۹۶ ہجری میں ملا احمد پر لاہور میں حملہ ہوا اور آپ شدید زخمی ہو گئے۔ اکبر نے حکم دیا کہ قاتل کو قتل کر دیا جائے،

ملا احمد تین دن تک تڑپ تڑپ کر شہید ہو گئے۔ ملا احمد کے دفن کے بعد اکبر کشمیر کی طرف چلا گیا۔ ملا احمد کی قبر کو کھودا گیا، لاش کی بے حرمتی کے بعد جلا دیا گیا اور راکھ کو اُڑا دیا۔ آپ کے اسی شہر لاہور میں یہ سانحہ پیش آیا۔ دو سال گزرے فتح اللہ شیرازی کا انتقال ہو گیا۔ سات سال گزرے فیض کا انتقال ہو گیا۔ یہاں تک کہ دربار میں ابوالفضل رہ گئے لیکن قاضی نور اللہ شوستری ہیں کہ اپنا کام کرتے جا رہے تھے۔ رفتہ رفتہ دشمنان آل محمدؐ پر فقہ اہل بیتؑ کامیاب ہونے لگی۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد دو سے اڑھائی ہزار تک پہنچ گئی آہستہ آہستہ اپنے شاگردوں کو تعلیم دیتے گئے اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بھیجتے رہے۔

خود حالت تقیہ میں تھے۔ جہانگیر کے زمانے میں ایک واقع کے نتیجے میں آپ نے اپنے تقیہ کو ختم کیا۔ اکبر کے زمانے میں بھی ایک مشکل وقت آپ پر آیا تھا جب آپ ظاہر ہو گئے تھے لیکن اُس وقت بات ٹل گئی تھی اگر چہ آپ دوران گفتگو بہت احتیاط کرتے تھے لیکن پھر بھی ایک دن بے اختیار آپ کی زبان سے نکلا حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا! بس جیسے ہی آپ نے یہ ارشاد فرمایا تمام علماء نے پکڑ لیا اور لکھا اپنے فتویٰ میں، علیہ السلام کا لفظ صرف انبیاءؑ کے لیئے خاص ہے۔ غیر نبی کو علیہ السلام کہنا جائز نہیں یہ تو غیر نبی ہیں اور چونکہ علیؑ کو انہوں نے علیہ السلام کہا ہے۔ اس لیے یہ توہین رسالت کے مجرم اور واجب القتل ہیں۔ یہ فتویٰ تیار ہو کر اکبر کے دربار میں پہنچا۔ لیکن ایک عالم نے جو غیر شیعہ تھا مگر متعصب نہیں تھا، اُس نے بھرے دربار میں ایک شعر پڑھا جس کے بعد یہ مسئلہ ختم ہو گیا۔ تاریخ میں یہ شعر موجود ہے۔

(سبحان اللہ)

گر لحمک لحمی حدیث نبویؐ ہے
بے صل علی نام علیؑ بے ادبی ہے

علیؑ کے بارے میں حدیث نبویؐ تیرا گوشت میرا گوشت اور تیرا خون میرا خون اگر یہ حدیث نبویؐ ہے اور اس کو سب مانتے ہیں تو اس صورت میں علیہ السلام کے بغیر نام علیؑ لینا بے ادبی ہے۔ علیہ السلام کے ساتھ نام لینا بے ادبی نہیں ہے بلکہ بغیر علیہ السلام کے علیؑ کا نام لیا تو یہ اُس رسول کی توہین ہے کہ جس کا گوشت علیؑ کا گوشت اور جس کا خون علیؑ کا خون ہے۔

اکبر کا انتقال ہوا اکبر کے انتقال سے پہلے آخری شیعہ وزیر کو جہانگیر کے حکم سے ایک سفر کے دوران قتل کر دیا گیا۔ جہانگیر کو تخت ملا جو مخالفین کے درمیان گھرا ہوا تھا اس کے ذہن کو اسی انداز میں بنایا گیا تھا۔ لیکن خدا کی شان اور قدرت

دیکھیے اس کے محل میں نور جہاں کی صورت میں ملکہ ہندوستان موجود تھی جو شاگرد تھی خاص نور اللہ شوستری کی اور دین محمدؐ آل محمدؐ کے لیے ایک آسرا تھی۔ جہانگیر نور جہاں سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔

جہانگیر کے دور میں ایک گروہ شیخ احمد سرہندی کا کھڑا ہوا جو مجدد الف ثانی بھی کہلاتے ہیں انھوں نے مل کر قاضیؒ نور اللہ شوستری کے خلاف محاذ بنالیا وہ پریشان تھے، گھبرائے ہوئے تھے کہ ہندوستان میں اتنی کثرت کے ساتھ دین آل محمدؐ پھیل رہا ہے۔ دو ہزار کے قریب ان کے شاگرد ہیں جو بستی بستی گاؤں گاؤں پہنچ رہے ہیں اگر چند سال یہ شخص زندہ رہا تو ایسا نہ ہو کہ سوائے اس دین کے باقی سارے دین ہندوستان سے ختم ہو جائیں۔ قاضیؒ نور اللہ شوستری تنہا ہو گئے تھے آپ کے ساتھی موجود نہ تھے دربار پر اُن کا قبضہ ہو چکا تھا۔ نور جہاں کی کوشش تھی کہ کوئی سازش کامیاب نہ ہو سکے بار ہا جہانگیر کو منع کیا۔ اُدھر علماء مسلسل جہانگیر کو بھڑ کا رہے تھے جہانگیر نے کہا کوئی ایسا ثبوت لے کر آؤ جس سے پتہ چلے واقعی یہ شخص دشمن دین ہے۔ انہوں نے ایک معروف الزام لگایا جو ہر آل محمدؐ کے ماننے والے پر لگا دیا جاتا ہے کہ یہ صحابہ کا دشمن ہے یہ صحابہ کو بُرا بھلا کہا کرتا ہے۔

قاضیؒ نور اللہ شوستری دو معرکۃ الآراء کتابیں لکھ رہے تھے۔ آج صدیاں گزرنے کے بعد بھی ہر عالم ان کتب کا محتاج ہے۔ ایک کتاب کا نام ''مجالس المومنین'' ہے اس میں پیغمبرؐ سے لے کر تمام آئمہ طاہرینؑ اور صحابیوںؓ کے حالات بیان کیے ہیں۔ دوسری کتاب لکھ رہے تھے ''احقاق الحق''۔ علامہ حلیؒ نے کتاب لکھی نہج الحق جس کا جواب دیا ایک شافعی عالم نے ''ابطال الباطل'' یعنی باطل جو کتاب لکھی گئی۔ علامہ حلیؒ کی کتاب کو غلط ثابت کیا۔ آپ نے اس شافعی عالم فضل ابن دوس کی کتاب کا جواب لکھا۔ جس میں پورا شیعہ مذہب سمٹ کر آ گیا۔ یہ کتاب اتنی قیمتی اور قابل قدر کتاب ہے کہ نجف اشرف اور قم سے کئی بار شائع ہو چکی ہے۔ ابھی چند سال پہلے آقائے سید شہاب الدین مرعشی نجفی نے قم سے ۱۵ جلدوں میں اس کتاب کو دوبارہ شائع کروایا۔ ہر جلد ۷۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، ساتھ اپنا نوٹس اور حاشیہ بھی لگایا ہے کہ اگر کوئی عالم شیعہ مذہب کو سمجھنا چاہے تو اس کتاب کے بغیر نہیں سمجھ سکتا۔

قاضیؒ نور اللہ شوستری اس کتاب کو بہت چھپا کر رکھا کرتے تھے۔ اس کتاب کو سامنے نہیں آنے دیتے تھے ان کے شاگردوں میں ایک شاگرد بڑا محب اہل بیتؑ کہلوانے لگا اور انتہائی خدمت گزاری کرتا۔ اُس نے آپ کے دل پر اپنا سکہ جمالیا اور پھر ایک دن یہ کتاب ایک رات کے لیے پڑھنے کے لیے لے گیا۔ قاضیؒ نور اللہ شوستری کو معلوم تھا کہ اس کتاب کا

باہر جانا کتنا خطرناک ہو سکتا ہے لیکن اس کی خدمات ایسی تھیں کہ انکار نہ کر سکے۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ نے اُسے کتاب نہیں دی تھی بلکہ اُس نے موقع پا کر چرائی تھی اور لے کر فوراً علماء کے پاس پہنچا۔ وہ تو پہلے سے تیار بیٹھے تھے اس کتاب کو دیکھ کر ایک فتوٰی تیار کر لیا۔ جس پر تاریخ کے مطابق ۴۲ علماء کی مہریں لگیں تھیں اور کچھ کے مطابق ۵۵ مہریں لگیں تھیں اور لکھا تھا کہ یہ شخص دین خدا سے خارج ہے۔ واجب القتل ہے۔ یہ فتوٰی جہانگیر کے پاس پہنچا جہانگیر نے دریافت کیا کہ ایسے مجرم کی کیا سزا ہو سکتی ہے اُنہوں نے کہا یہ چار سزاؤں کا مستحق ہے۔ تحریر تیار کی گئی پہلے ۱۰۰ کوڑے مارے جائیں۔ سیسہ گرم کر کے اس کو پلایا جائے۔ اس کی گدی سے زبان کو نکالا جائے پھر اس کے سر کو کاٹا جائے۔

جب تحریر تیار ہو گئی، جہانگیر حکم جاری کرنے لگا تو نور جہاں نے انتہائی کوشش کی کہ جہانگیر حکم جاری نہ کرے۔ مگر ناکام رہی اور جب جہانگیر دستخط کرنے لگا تو نور جہاں نے جہانگیر کا ہاتھ پکڑ لیا، سردیوں کے دن تھے، قریب انگیٹھی جل رہی تھی جہانگیر نے ایک دھکتا ہوا کوئلہ اُٹھایا اور نور جہاں کی کلائی پر رکھ دیا نور جہاں انتہائی نازک اندام تھی۔ چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی اور حکم نامہ پر دستخط ہو گئے۔

قاضی نور اللہ شوستری کے گھر پر حملہ ہوا۔ انہیں گرفتار کر کے دربار میں لایا گیا بڑا نازک وقت تھا۔ تمام زندگی تقیہ کی حالت میں گزری، بڑی خدمات تھیں اگر معافی مانگ لیں یا اعلان کر دیں کہ یہ بالکل غلط ہے۔ میں تمام مسلمانوں کا عقیدہ مانتا ہوں اور اُس پر کاربند ہوں تو شاید بچ سکتے تھے۔ ایک دوست جو خود حالت تقیہ میں تھا۔ اُس وقت دربار میں موجود تھا اُس نے کہا جہانگیر کے سامنے جا کر اپنے عقیدے کو چھپا لینا اور کہنا غلط فہمی ہو گئی تھی۔ میں آپ کے سارے عقیدوں کو مانتا ہوں۔ مگر اُس وقت قاضی نور اللہ نے کمال استقامت سے جواب دیا۔ اب میرے لیے حالت تقیہ میں رہنا صحیح نہیں ہے۔ میری شہادت ہندوستان میں دین آل محمدؐ کی ترویج کے لیے بہت ضروری ہے۔ اگر کوئی ایسا آدمی جس کا کوئی نام نہ ہو۔ جس کی کوئی حیثیت نہ ہو اگر وہ تقیہ کرے تو اس کے لیے واجب ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ اب وہ وقت آیا ہے کہ میری شہادت دین اہل بیتؑ کی خدمت کر سکتی ہے۔ اس لیے میں قطعاً ایسا نہیں کروں گا۔ ایک ایک کر کے الزام لگایا گیا۔ سارے الزامات کو تسلیم کیا اور کہا یہ حق اور سچ ہی ہے اور یہی میرا عقیدہ ہے۔

۲۶ ربیع الاول ۱۰۱۹ھ جہانگیر کے حکم سے کوڑے مارنے کیلئے لباس اُتار کر سولی پر لٹکایا گیا۔ ۶۳ سال کا بوڑھا آج پھر ایک حسین، نہ زین پر ہے نہ زمین پر۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ پندرہویں کوڑے پر شہید ہو گئے علماء کا حکم تھا ۱۰۰ کوڑے مارے جائیں چاہے لاش پر کوڑے مارے جائیں۔ بقیہ کوڑے مارنے سے پہلے گدی میں سوراخ کر کے زبان کو کھینچ کر باہر نکالا گیا پھر بقیہ کوڑے مارے گئے۔ایک برتن میں لوہے یا تانبے کو اتنا گرم کیا گیا کہ وہ پگھل گیا آپ کے سر پر ڈالا گیا۔ یہاں تک کہ سر جل گیا سر کی ہڈیاں پگھل گئیں اور مغز باہر آ گیا۔ انتہائی مظلومیت اور بے دردی کے ساتھ ان کو شہید کیا گیا، گویا کہ سر پگھلا دیا گیا، سر کاٹ دیا گیا۔ جہانگیر کا حکم آیا کہ ان کے لاشہ کو آگرہ شہر کے باہر کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پر پھینک دیا جائے۔ چنانچہ آپ کی لاش کو بے گور و کفن کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیا گیا۔

تین دن تک بے گور و کفن لاش پھر کربلا کی یاد تازہ کر گئی۔ تیسری رات جہانگیر نے خواب میں پیغمبر اسلام کو دیکھا کہ آپ انتہائی حالت جلال میں ہیں اور جہانگیر سے کہا تو نے میرے بیٹے پر اتنا ظلم کیا اب لاش کو کیوں دفن نہیں ہونے دیتا۔ جہانگیر کی آنکھ کھل گئی۔ اگلے دن اعلان کروایا کہ جو دفن کرنا چاہے کر سکتا ہے اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔

دوسری طرف آگرہ کے قریب ایک علاقہ ہے گوالیار وہاں ایک ایرانی تاجر رہتا تھا اُس نے خواب میں جناب سیدہ کونین صلوات اللہ علیہا کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا! میرے بیٹے کا لاشہ آگرہ کے باہر بے گور و کفن پڑا ہے اگر تو میرا ماننے والا ہے تو میری یہ خدمت انجام دے اور جا کر اپنے ہاتھوں سے میرے بیٹے کی لاش کو دفن کر۔ اس بندہ خدا نے دیگر ایرانی تاجروں کو اکٹھا کیا۔ اپنا فوجی دستہ لیا اور آگرہ کے باہر کوڑے کے ڈھیر پر پہنچا دیکھا کہ بے گور و کفن لاشہ پڑا ہے اور ایک افغانی مسافر گریہ کر رہا ہے آپ کو نہایت احترام کے ساتھ دفن کیا گیا۔

آپ کا روضہ آج بھی آگرہ میں مرجعہ خلائق ہے۔ دفن ہونے کے بعد سے مسلمان کیا ہندو بھی منتیں مانگتے ہیں جو بہت جلد پوری ہوتی ہیں۔ آپ شہید ثالث کے نام سے مشہور ہیں اور آپکو یہ اعزاز حاصل ہے کہ کربلا کے بعد دو مقامات ایسے ہیں جن کی زیارت کا ثواب بھی کربلا کی زیارت کا ثواب ہے ایک تہران میں حضرت شاہ عبد العظیمؒ کا روضہ اور دوسرا آگرہ میں شہید ثالث کا روضہ اور کیوں نہ ہو ایسا جناب رسول خداؐ اور جناب سیدہ کونینؑ نے اپنا بیٹا کہا ہے۔ آپکی شہادت کے بعد خون رنگ لایا آپ کے شاگردوں کو نئی قوت ملی اور دین کی ترویج تیزی سے ہونے لگی۔

☆☆☆

بسم تعالیٰ

ملا محمد فیض کاشانیؒ

۱۰۰۷ھ - ۱۰۹۱ھ

علمائے کرام میں سے ایک عالم کا تذکرہ مقصود ہے جنہیں عام طور پر ملا محمد محسن فیض کاشانیؒ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ہماری تاریخ کے اُس دور میں یہ عالم پیدا ہوئے جس دور میں ظلم وستم میں کچھ کمی آچکی تھی۔ جو پیغمبر اسلامؐ کی وفات سے لے کر ۹ ویں اور ۱۰ ویں ہجری تک مسلسل جاری رہا، چونکہ یہ وہ دور تھا جب دنیا کے ایک بڑے علاقے کی حکومت خود ان کے ہاتھ میں آگئی تھی جو عقیدتاً آل محمدؐ کے ماننے والے تھے۔ اس لیے وہ ظلم وستم کا دور تھوڑے سے عرصہ کے لیے تھوڑی سی مدت کے لیے رُک گیا۔ اسی دور میں ہمارے علمائے اعلام نے موقع کو غنیمت سمجھ کر دین کی وہ خدمت کی، وہ احسان کیا ملت پر اور اسی کے صدقے میں اور اسی کے سبب سے آج تک پورا دین محفوظ ہے اور نہ صرف محفوظ ہے بلکہ ظاہری اعتبار سے بھی روز بروز ترقی کر رہا ہے۔

ان کا اصل نام محمد ہے لیکن عام طور پر انہیں محسن کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ان کے والد کا نام شاہ مرتضیٰؒ اور ان کے دادا کا نام شاہ محمود تھا ان کو ان کی علمی قابلیت اور صلاحیت کی وجہ سے ان کے استاد نے فیض کا لقب عطا کیا تھا۔ یہ ایران کے ایک شہر ''کاشان'' کے رہنے والے تھے اس لیے ان کا پورا نام ملا محمد محسن ابن شاہ مرتضیٰؒ ابن شاہ محمود فیض کاشانیؒ ہے لیکن عام طور پر ملا محمد فیض کاشانیؒ یا فقط کاشانی کے نام سے بھی مشہور ہیں۔

تاریخ میں ان کی پیدائش گیارھویں صدی کی ابتداء تھی اور گیارھویں صدی کے بالکل آواخر میں ان کا انتقال ہوا تھا۔ ان کی ولادت کا سن ۱۰۰۷ ہجری ہے ایران کے ایک شہر کاشان میں آنکھ کھولی اور جس گھرانے سے ان کا تعلق تھا وہ انتہائی صاحب علم گھرانہ تھا۔ ان کے والد خود اپنے زمانے کے ایک بہت بڑے عالم تھے، پھر ان کے جتنے بھائی ہیں، وہ سب علماء کی فہرست میں شامل ہیں اور ان کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ ان کی اولاد، ان کے بھتیجے، ان کے بھانجے، ان کے والد، سب کے سب عالم تھے لیکن اپنے پورے خاندان میں سب سے نمایاں ہستی ان ہی کی تھی۔ ۸۴ سال کی عمر کے بعد ۱۰۹۱ ہجری میں کاشان کے شہر میں ہی ان کا انتقال ہوا اور کاشان میں ایک مقام ہے جسے قوہ کرامات کہا جاتا ہے۔ اسی جگہ ان کی قبر ہے اور آج تک یہ قبر مبارک موجود ہے۔

ملا فیض کاشانی کے بارے میں ہمارے علماء یہ بھی لکھتے ہیں کہ ابتدائی دور کے کچھ علماء کو چھوڑ کر علامہ حلیؒ تک علامہ حلیؒ کے بعد سے لے کر آج تک سوائے علامہ مجلسیؒ کے کوئی ایسا عالم نہیں گزرا جس نے اتنی کثیر تعداد میں کتابیں لکھی ہوں۔ جتنی کثیر تعداد میں ملا فیض کاشانی نے لکھی ہیں دو سو سے زیادہ ان کی ضخیم کتابیں ہمیں نظر آتی ہیں جن میں مشہور ترین کتاب تفسیر صافی ہے اور کتاب وافی ہے ملا فیض کاشانی کے اساتذہ میں سید ماجد کربئی کا اور ملا صدرالدین شیرازی کا تذکرہ کیا جاتا ہے ۔ یہ دونوں ان کے نمایاں استاد تھے لیکن ان کے علاوہ انہوں نے شیخ بہائیؒ سے بھی ایک اجازت نامہ حاصل کیا تھا اور ان کے شاگردوں میں ہمیں نمایاں ترین نام علامہ محمد باقر مجلسیؒ کا نظر آتا ہے جنہیں علامہ مجلسی کہا جاتا ہے۔

ان کے شاگردوں میں علامہ مجلسیؒ کا ہونا خود ان کی عظمت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اب ملا محمد فیض کاشانیؒ کی خدمات کا بھی تذکرہ ہو جائے جیسا کہ آپ نے پہلے پڑھا کہ ظلم وتشدد کا وہ دور کم سے کم سرزمین ایران پر ختم ہوتا نظر آرہا تھا جو صدیوں سے چلا آرہا تھا۔ جس کے نتیجے میں آل محمدؐ کے ماننے والوں کو اور سادات اکرام کو ظاہری اعتبار سے دربدر ہونا پڑا تھا۔ سن ۹۲۷ ہجری میں شاہ اسماعیل صفوی نے ایران پر قبضہ کیا اور آہستہ آہستہ یہ حکومت ایک مذہبی حکومت میں تبدیل ہونے لگی۔ جس میں نمایاں حصہ محقق ثانیؒ کا ہے اور شیخ بہائیؒ کا، شیخ بہائیؒ کی خدمت کے نتیجے میں آہستہ آہستہ ایران کے اندر ایک مذہبی حکومت قائم ہو رہی تھی لیکن شیخ بہائی کی موت کے بعد یہ سلسلہ ایک مرتبہ پھر معطل ہو گیا۔

اس سے پہلے کہ شیخ بہائی اس حکومت کو مکمل طور پر ایک مذہبی حکومت میں تبدیل کرتے سن ۱۰۳۱ ہجری میں وہ انتقال کر گئے ۔ یہی وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کی سرزمین پر آل محمدؐ کے ماننے والے نئے نئے مصائب وظلم کا نشانہ بن رہے تھے۔ ایران میں آل محمدؐ کے ماننے والوں کو ایک فراغت کا موقع مل رہا تھا اور ہندوستان میں نئے نئے مظالم کا آغاز ہو رہا تھا۔

ابتدائی تعلیم انہوں نے کاشان اور قم میں حاصل کی۔ کاشان اور قم قریب قریب علاقے ہیں چنانچہ ان کی زندگی کا ابتدائی حصہ اس طرح گزرا کہ کبھی قم میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور کبھی اپنے وطن کاشان آجاتے ہیں اور اسی طرح سے تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ ایک مرتبہ ایران کے تمام لوگوں کو اطلاع ملی کہ سید ماجد بحرینی نام کے ایک عالم ایران تشریف لے آئے ہیں۔ یہ بحرین کے ایک بہت بڑے عالم تھے اور اپنے زمانے کے عظیم علماء میں سے ایک عالم تھے۔ وہ ایران کے حالات کو دیکھ کر اور ایران میں علماء کی کمی کو محسوس کر کے ہجرت کر کے نجف سے شیراز کی جانب تشریف لاتے ہیں اور شیراز میں آکر انہوں نے قیام کیا ان کے آنے سے شیراز ایک علمی مرکز بن گیا۔ پورے ایران کے طالب علم کھنچ کھنچ کے شیراز پہنچنے لگے۔

ملا محسن فیض کاشانی تو اس وقت ایک نوجوان طالب علم تھے۔ ان کے دل میں ایک تمنا پیدا ہوئی کہ اب بڑا عالم ہمارے ملک میں آ گیا ہے میں ان کے پاس جا کر تعلیم حاصل کروں۔ لیکن ان کے والد راضی نہ ہوئے۔ ان کے والد کے ذہن میں یہ خیال تھا کہ قم خود ایک بہت بڑا مرکز ہے اور پھر کاشان میں ہمارا پورا خاندان علماء کا خاندان ہے۔ اسے ساری تعلیم تو یہیں مل جائے گی، شیراز جا کر یہ کیا کریں گے۔ باپ اور بیٹے میں بحث ہوئی ادب اور تہذیب کے اندر بیٹے کا اصرار تھا کہ میں شیراز جانا چاہتا ہوں، اتنا بڑا عالم آیا ہے اور باپ کا کہنا تھا کہ قم ایک بہت بڑا مرکز ہے۔ یہاں تعلیم حاصل کرو لیکن جب یہ اختلاف زیادہ بڑھا تو یہ طے پایا کہ خود قرآن کریم سے استخارہ لیا جائے اور قرآن کریم کے استخارے کے مطابق عمل کیا جائے۔ قرآن کریم سے استخارہ دیکھا گیا اور جس وقت قرآن کریم کو کھولا گیا تو سورۂ توبہ کی ۱۲۲ ویں آیت سامنے آئی۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ. ؏ (سورۃ توبہ، آیت ۱۲۲)

ترجمہ:

"کہ کیا ہو گیا ہے تم لوگوں کو اور تم میں سے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ کیوں گھر سے باہر نہیں نکلتے تا کہ جا کے علم دین اور فقہ حاصل کریں اور علم حاصل کرنے کے بعد جب اپنی قوم کی طرف پلٹ کے واپس آئیں، انہیں ڈرائیں تا کہ قوم والے ان کی بات کو مانیں۔"

سورہ توبہ کی یہ وہ آیت ہے کہ جس میں علم دین حاصل کرنے کے لیے گھر سے نکلنے کا حکم دیا گیا ہے اور جو لوگ گھر سے نہیں نکلتے، قرآن ان کی مذمت کر رہا ہے فلولا نفر تم لوگ کیوں نہیں نکلتے ہو۔ اب جو قرآن کو کھولا گیا تو اتنی واضح آیت نظر آئی کہ اس کے بعد تقریباً یہ مسئلہ طے پا گیا تھا مگر ان کے والد کا دل پھر بھی نہیں مان رہا تھا۔

قم اور کاشان علمی مرکز ہیں پورا خاندان علماء کا خاندان ہے۔ آخر کس انداز سے ان کو رخصت کیا جائے۔ ابھی اسی تذبذب کی حالت تھی قرآنی استخارے کے باجود ان کے والد یہ فیصلہ نہ کر پائے تو آخر ان کے والد کا اپنا ایک طریقہ تھا۔ وہ یہ کہ ان کے والد عام طور پر استخارہ جو دیکھتے تھے، وہ ایک دیوان سے دیکھتے تھے جو امیر المومنینؑ کی جانب منسوب ہے۔ آپ کے علم میں ہو گا یہ کتاب قاعدہ شاعری کا ایک دیوان ہے، جسے دیوان حضرت علیؑ کہا جاتا ہے اور شیعہ اور سنی تمام

مکاتب فکر میں یہ دیوان رائج تھا۔ اب یہ پورا کا پورا مولا علیؑ کی شاعری کا مجموعہ ہے۔ یا اس میں کچھ چیزیں ملائیں گئیں۔ یہ ایک الگ بحث ہے لیکن ان کے والد کو اس دیوان پر بڑا بھروسہ تھا۔ آیت قرآنی تو اپنے مقام پر مان گئے تھے مگر پھر بھی ان کا دل نہیں مان رہا تھا کہ میں اپنے بیٹے کو شیراز کیوں بھیجوں جب کہ اتنا بڑا مرکز علمی قم قریب موجود ہے۔ آخر انہوں نے کہا کہ میں اپنے دستور پر ضرور عمل کروں گا۔ اور دیوان علیؑ سے دیکھوں گا کہ وہاں اس کا جواب کیا آتا ہے۔

ان کے والد نے دیوان امیر المومنینؑ کو کھولا اور اسی دیوان امیر المومنینؑ سے استخارہ کیا ایک خاص انداز سے جب اس کو کھولا گیا تو وہاں بھی کھلتے ہی دو شعر سامنے آئے اور ان دو شعروں کا ترجمہ یہ ہے کہ اپنے اپنے وطن سے غربت اختیار کرو بلند مقامات کی طلب میں اور سفر کرو کیوں کہ سفر میں پانچ فوائد ہوتے ہیں۔ مولا علیؑ سے منسوب شعر آدمی کی مصیبتیں پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں۔ اور اس کے بعد رزق کمانے کا ذریعہ ہاتھ میں آتا ہے اور سفر سے علم ملتا ہے اور مختلف آداب حاصل ہوتے ہیں اور صحبت ماجد (ماجد کے معنی یہ ہیں کہ بزرگ لوگ ان کی صحبت ہوا کرتی ہے۔) اب یہ دو شعر دیوان امیر المومنینؑ سے ایسے حسب احوال آئے کہ خصوصیت کے ساتھ اس کا جو آخری لفظ تھا۔ ان کا نام تھا سید ماجد بحرینی اور اس دیوان کے شعر کا آخری لفظ یہ ہے کہ سفر کی حالت میں تمہیں علم حاصل ہوتا ہے، آداب حاصل ہوتے ہیں اور ماجد کی صحبت حاصل ہوتی ہے۔ اگر چہ مولا علیؑ نے ماجد کا لفظ دوسرے معنوں میں استعمال کیا تھا یعنی بزرگ لوگ لیکن اس وقت ایسا حسب حال آگیا کہ تمہیں ماجد کی صحبت حاصل ہوتی ہے کہ باپ اس پر تیار اور آمادہ ہو گئے کہ اپنے بیٹے کو شیراز بھیجا جائے، چنانچہ یہ تائید معصومؑ بھی محسوس ہوئی اور تائید خدا بھی خیر باپ اور بیٹے نے دیوان امیر المومنینؑ کو بھی دیکھا قرآن کی آیت کو بھی دیکھا، سامان سفر باندھا اور کاشان سے علم دین حاصل کرنے کے ارادے سے نکلے اور شیراز پہنچے۔

وہاں جا کر ملا ماجد بحرینی کی شاگردی اختیار کی۔ یہ اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم تھے اور شیخ بہائیؒ اور میر باقر داماد کے ساتھیوں میں سے تھے۔ ہماری دنیا کے علوم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کا تعلق عقل سے ہے، منطق ہے، فلسفہ ہے۔ ایک وہ جس کا تعلق قرآن اور حدیث سے ہے تو سید ماجد بحرینی ایک فقیہ تھے قرآن کی تعلیم ان کو دی، حدیث کی تعلیم ان کو دی، دین کے سارے علوم بتائے اسی زمانے میں شیراز میں ایک بہت بڑے فلسفی آئے ہوئے تھے جن کا نام ملا صدرہ شیرازی تھا۔

تاریخ اسلام کے فلسفیوں میں سے ایک عظیم فلسفی ہیں ملا صدرہ شیرازی۔ علامہ اقبالؒ نے انہی کے حالات پر ریسرچ

کر کے پی، ایچ، ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی اور بہت ہی بڑے فلسفی تھے دنیا کے بڑے بڑے فلسفیوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ملا صدرا ایک عرفانی شخصیت ہیں۔ وجہ شہرت کتاب ''اسفار اربعہ'' ہے۔ خدا کی طرف سیر وسلوک کے چار سفر، اسفار اربعہ کہلاتے ہیں۔

علمی، فلسفی اور عرفانی زندگی کا نچوڑ اسفار اربعہ کی صورت میں آج ہمارے پاس ہے جو اپنے فن کی سب سے دقیق کتاب شمار ہوتی ہے۔ فلسفے کی اس سے اوپر کوئی عمیق کتاب نہیں ہے۔ اس سے پہلے ابن سینا کی کتاب تھی'' شفا اور ارشادات'' لیکن اب یہ کتاب ہے، کہا کے میں نے ۱۰ سے ۱۵ سال گوشہ نشینی اختیار کی اور قم مقدسہ سے وابستہ ہو کر سیر و سلوک کی منازل طے کیں۔ ایک دوسری وجہ شہرت یہ ہے کہ آپ سے پہلے محدثین، عرفا اور فلاسفہ کے درمیان باہمی اختلافات رہتے تھے۔ آپ کی وجہ سے ان مسائل میں بہتری کی جانب پیشرفت ممکن ہوئی۔

ملا صدرہ نے علمی رشد اور الٰہی عنایات کی بنیاد پر اس تنازعہ کو ختم کر کے عالم اسلام کی وہ خدمت انجام دی ہے۔ جس کی نظیر سابقہ صدیوں میں نظر نہیں آتی ہے۔

اتفاق سے ایک ہی زمانے میں اور ایک ہی شہر میں ان کو دو فلسفی مل گئے کہ ایک دین کے علوم میں سب سے بڑا ماہر اور ایک فلسفے اور منطق کے علوم میں سب سے بڑا ماہر۔ چنانچہ ان دونوں کے پاس جا کے تعلیم حاصل کی اور دونوں کی صحبت سے ایسا استفادہ کیا کہ جب تعلیم حاصل کر کے نکلے تو دونوں علوم میں ان سے زیادہ کوئی ماہر نہ تھا۔

ملا صدرہ شیرازی ان کی قابلیت کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ اب ہر آدمی کے دین کی ایک ساخت ہوتی ہے۔ دنیاوی علوم میں بھی ایک آدمی کو سائنس پسند ہے ایک آدمی کو کامرس پسند ہے اگرچہ یہ دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے گئے تھے مگر ان کو زیادہ شوق منطق اور فلسفے کا تھا اور ان کا ذہن اس طرف زیادہ لگ رہا تھا۔ چنانچہ ان کے استاد نے ان کو خوش ہو کر فیض کا لقب دیا کہ تم فیض ہو سب کو فائدہ پہنچانے والے اور اپنی بیٹی کی شادی بھی ان سے کردی۔ چنانچہ یہ ملا صدرہ شیرازی کے داماد بھی بن گئے یہ ملا صدرہ شیرازی جو ہیں یہ بھی شیخ بہائی کے ساتھی ہیں۔ تو ان کے دونوں استاد ایسے ہیں جو شیخ بہائی اور میر باقر داماد کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ چنانچہ ان کی شاگردی کا سلسلہ شیخ بہائی تک جا پہنچا ہے۔

اب انہوں نے علوم حاصل کیے اور علوم حاصل کر کے اپنے شہر کو واپس آئے تا کہ علم دین کی تبلیغ کریں چونکہ یہ فلسفے اور منطق میں زیادہ ماہر تھے۔ اس لیے شروع شروع میں ان کی باتیں عام لوگوں کے ذہنوں میں نہ آسکیں اور کچھ لوگ ان

کے مخالف ہو گئے ۔ کچھ لوگ ان کے دشمن بھی ہو گئے ۔ حتیٰ کہ صاحبان علم میں سے بھی کچھ لوگوں نے ان کی کتابوں کو دیکھ کر کہہ دیا کہ ان کی کتابوں میں کچھ گمراہ کن باتیں ہیں ۔ تھوڑا تھوڑا صوفیوں کے عقیدے کو ماننے والے تھے لیکن ان پر الزام لگایا گیا کہ یہ شیعیت کو مانتے ہی نہیں بلکہ ایک صوفی بزرگ ہیں جنہوں نے شیعیت کے دائرے میں رہ کر شیعیت کو تباہ کرنا چاہا۔

غرض یہ کہ ان کے زمانے میں ان پر بڑے عجیب عجیب الزام لگائے تھے لیکن انہوں نے ہمیشہ خاموشی اختیار کی اس لیے کہ خود انتہائی متقی اور پرہیزگار انسان تھے ۔ ان کے تقویٰ کا اندازہ اس سے کریں کہ خود بھی متقی تھے اور ہر ایک کو بھی متقی سمجھتے تھے ۔ ایک مرتبہ یہ کاشان کے بازار سے گزر رہے تھے، ان کی جیب میں چاقو تھا کہ کسی کا دھکا لگا اور چاقو ان کی جیب سے بازار میں گر پڑا اور یہ آگے بڑھ گئے ۔ گھر جا کر بھول گئے ایک سال بعد ان کو یاد آیا کہ میری جیب سے ایک چاقو نکل کے بازار میں گرا تھا۔ فوراً اپنے خادم کو بلایا اور کہا جاؤ کہ فلاں مقام پر بازار میں چاقو گرا تھا وہ اُٹھا کے لے آؤ ۔ اس نے حیران ہو کر کہا کب کی بات ہے انہوں نے بتایا کہ ایک سال کی بات ہے وہ بے انتہاء حیران ہوا کہا کہ ایک سال گزر گیا ہے ۔ اب وہاں کون سا چاقو ہوگا ۔ اب ان کے حیران ہونے کی باری تھی کہا کہ میں مسلمانوں کے ملک میں رہتا ہوں کافروں کے ملک میں نہیں ہوں ۔ پس میں مسلمانوں کے ملک میں ہوں اور سب کے سب مسلمان ہیں بھلا کس نے اس چاقو کو ہاتھ یا ٹھوکر لگائی ہوگی ؟؟ ۔

سب کو پتہ ہے کہ مسلمان کے مال کا کتنا احترام ہے مجھے یقین ہے کہ چاقو اب تک وہاں پڑا ہوگا اور کسی مسلمان نے وہاں نگاہ کر کے بھی اس کی طرف نہ دیکھا ہوگا ۔ اب یہ ایک الگ بات ہے کہ چاقو ملے گا یا نہیں خود تقویٰ اور تقدس کی اتنی منزل پر تھے کہ جب یہ سنا خادم کی زبانی کہ ایک سال گزر گیا ہے ۔ وہ چیز تو کھو چکی ہوگی ان کو یقین نہیں آیا اور یہی اس روایت معصومؑ کا مطلب بھی ہے کہ امامؑ نے فرمایا جب کسی کی کوئی چیز گر پڑے اگر لوگ یہ عادت بنالیں کہ کوئی اس کو ہاتھ نہ لگائے گا تو خدا کی قسم کسی کی کوئی چیز کھوئی نہیں جاسکتی ۔ یعنی کبھی گم ہی نہ ہوگی ، کبھی ہمدردی پیدا ہوئی ۔ اسے اٹھالیا کہ میں پہنچادوں گا مالک کو تو اٹھانے کے بعد مالک کو تو پہچان نہیں سکا وہاں سے چیز کو اٹھالیا تو اب مسئلہ یہ ہے کہ جیسے بھی ہو جتنی کوشش کرے مالک تک پہنچانا فرض ہے ۔ اتنے مقدس اور پرہیزگار یہ بزرگ تھے اور سب کو اپنے جیسا سمجھتے تھے ۔

ان کے کردار کی عظمت کا اندازہ اس سے بھی کریں کہ ان کے شہر میں اتفاق سے محمد نام کے دو شخص تھے ۔ ایک ملازم

تھا مسجد کا، جو جھاڑو لگاتا تھا، دریاں بچھاتا تھا اور صفائی کرتا تھا اس کا نام محمد تھا اور ایک شہر کا سب سے بڑا رئیس تھا اس کا نام بھی محمد تھا۔ دونوں کا نام محمد تھا۔

اب جب یہ اپنے شہر واپس آئے اور رفتہ رفتہ ان کا جو علم تھا اس کی وجہ سے شہرت بڑھنے لگی، کچھ لوگ جو ان کی باتوں کو فلسفے اور منطق کی وجہ سے نہ سمجھ سکے۔ وہ ان کے خلاف بھی ہوئے ان پر الزامات بھی لگائے گئے۔ لیکن عام آدمیوں کے درمیان ان کی شہرت بڑھنے لگی یہ اپنے شہر کے انتہائی باعزت لوگوں میں سے ایک تھے۔ اب شہر کا جو مالدار آدمی تھا جس کا نام محمد تھا۔ اس نے خواہش کی کہ کسی حوالے سے میرا ان کے ساتھ رشتہ بن جائے تاکہ میں بھی شہرت حاصل کروں۔ چنانچہ اس نے ایک آدمی کو تلاش کیا ایک سفارش کرنے والے کو اور کہا کہ میں خود گیا تو معاملہ اور ہو جائے گا تم جاؤ، تم جانتے ہو کہ میں کتنے بڑے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، جاؤ ملا فیض کاشانی کی ایک چھوٹی بیٹی ہے۔ چاہتا ہوں اس سے میرا رشتہ ہو جائے۔

چنانچہ اس آدمی کو بیچ میں ڈالا گیا اسے یقین تھا کہ اتنا بڑا رشتہ آ رہا ہے۔ ملا فیض کاشانی فوراً مان جائیں گے انکار کی اس میں گنجائش کیا ہے۔ کس کو اتنا بہترین رشتہ ملتا ہے۔ چنانچہ وہ گیا اور جا کر کہا کہ محمد کو تو آپ جانتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں میں بالکل جانتا ہوں۔ کہا کہ بس وہ چاہتا ہے کہ آپ کی چھوٹی بیٹی سے رشتہ کرے۔ کہا ٹھیک ہے مجھے کہیں نہ کہیں شادی کرنا تھی میں راضی ہوں۔ خیر اس نے کہا کہ میں جا کر بات کرتا ہوں، انتظام کرتا ہوں۔ خوشی خوشی واپس آیا اور آ کر خبر دی کہ مبارک ہو جیسا ہم لوگ سوچ رہے تھے ویسا ہی ہوا اور وہ اپنی بیٹی کا رشتہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اب اس نے انتظامات کرنا شروع کیے شادی کے۔ شہر کا سب سے مالدار شخص ہے معمولی سی شادی تو نہیں ہوگی۔ چنانچہ وہ انتظام میں لگا رہا۔ چند دن گزرے ملا فیض کاشانی متفکر ہو گئے، وعدہ ہو گیا، بات طے پا گئی، اسلامی شادی آسان ترین شادی ہوتی ہے۔ کس چیز کی دیر ہے فوراً ایک مرتبہ جو مسجد میں جھاڑو لگاتا تھا۔ اسے پیغام بھجوایا کہ تمہاری ہونے والی بیوی میرے پاس ہے۔ اب آؤ اور لے جاؤ کب تک اپنی ہونے والی بیوی کو میرے پاس رکھو گے۔

اس نے سنا تو حیران و پریشان رہ گیا۔ لیکن پھر اس نے دیکھا بہر حال عمدہ موقع ہے شاید میری شادی کبھی نہ ہو سکے اور اتنے بڑے گھرانے میں اتنے عظیم خاندان میں ایک مرتبہ فوراً تیار ہو گیا دوستوں کو بلایا ساتھیوں کو بلایا اور کہا کہ کل میں اپنی بیوی کو لے کر آ رہا ہوں۔ یہ خبر اس کو مل گئی جس نے اصل میں رشتہ بھجوایا تھا۔ گھبرا گیا پریشان ہوا فوراً اس نے ایک

آدمی کو دوڑایا کہ کہو کیا غضب کر رہے ہو، رشتہ تو میں نے بھجوایا تھا اور اپنی بیٹی کو وہاں رخصت کر رہے ہیں۔ آدمی آیا یہ پیغام بھجوایا ہے محمد نے، انہوں نے کہا اچھا وہ محمد تھا جو میرے پاس رشتہ کے لیے آیا اس نے کہا آپ محمد کو جانتے ہیں۔ میں مسجد والا آدمی، دن رات مسجد میں آتا ہوں اسی محمد کو دیکھتا ہوں، میں نے اسی کو سمجھا اور میں راضی ہو گیا کہ دین دار ہے، مقدس ہے، متقی ہے، پرہیزگار ہے، پیسہ نہیں تو کیا ہوا، عزت نہیں تو کیا ہوا لیکن تقوئی میں کردار میں کسی قسم کی کمی نہیں چنانچہ میں نے اس سے بات کر لی ہے، اس سے وعدہ کر لیا ہے اور اب جب میں اپنی زبان سے وعدہ کر چکا ہوں تو فقط دولت یا بڑے خاندان کو دیکھ کر میں اپنی زبان سے نکلی ہوئی بات کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا اب تو میری بیٹی کی شادی اسی سے ہوگی اور اسی کے گھر میں بیٹی رخصت ہو کر جائے گی۔ بے شک وہ بہت مالدار ہے بے شک وہ بہت بڑے خاندان سے تعلق رکھتا ہے، لیکن میری بیٹی اسی کے گھر میں جائے گی جو مسجد کا خادم ہے کیونکہ میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں اور میرے منہ سے یہ بات نکل چکی ہے۔ کہنا بہت آسان ہوتا ہے لیکن جب گی اولاد کا معاملہ ہو تو آدمی یہ سوچے کہ جب تک واقعا کردار اتنا عظیم نہ ہو اور خوف خدا دل میں اتنا زیادہ نہ ہو اس وقت تک کسی کے لیے ممکن نہیں ہے اس انداز سے عمل کرنا یہ ہمارے علمائے کرام تھے یہ ان کا تقدس تھا وہ ان کے کردار کی عظمت تھی جس کی وجہ سے خدا نے انہیں آخرت کی برکت کے ساتھ دنیا کی برکتیں بھی عطا کیں۔

اتنے عظیم کردار کی مالک وحامل ہستی فلسفہ اور منطق سے لگاؤ زیادہ تھا اس لیے بعض باتیں ان کی کتاب میں ایسی آ گئیں کہ عوام نہ سمجھ سکے بلکہ بعض علماء نے بھی ان پر بے انتہا اعتراضات کیے۔ حتیٰ کہ انہوں نے ایک پوری کتاب لکھی اس موضوع پر جس میں صاف صاف بیان کیا کہ میں انہی ساری چیزوں کو مانتا ہوں جو عام مسلمان مانتے ہیں۔ میرا کوئی الگ عقیدہ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اپنی موت کے بعد آ کر ان کو صفائی پیش کرنا پڑی۔ ملا احمد نراقیؒ آج سے تقریباً ۱۲۰ سال پہلے کے مجتہد تھے، جیسے آقائے خوئیؒ تھے، آقائے خمینیؒ تھے، وہ خود اپنے والد کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔

میرے والد ملا مہدی نراقیؒ نے کہا کہ میں ایک رات کو سویا تو خواب میں، میں نے دیکھا کہ کوئی بزرگ آتے ہیں اور آنے کے بعد کہا کہ میں تم سے ایک کام لینا چاہتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں تو کہا کہ میرا نام ملا محمد فیض کاشانیؒ ہے اور لوگوں نے میرے بارے میں قسم قسم کے الزامات لگائے کبھی کہا گیا کہ میں صوفی ہوں کبھی کہا گیا کہ میں خلاف اسلام باتیں کر رہا ہوں کبھی کہا گیا کہ میں نئے نئے عقائد کو پھیلا رہا ہوں۔ یہ سب غلط ہیں کہ میں نے ایک کتاب لکھی ہے،

اس کا نام ہے ''انصاف'' تم اس کتاب کو پڑھو اور لوگوں تک اس کتاب کو پہنچاؤ اور بتاؤ میرے بارے میں ساری باتیں غلط ہیں۔

اب ان کے والد کی آنکھ کھل گئی۔ ان کے والد نے اس سے پہلے ملا فیض کاشانی ؒ کو دیکھا تھا اور نہ ان کی کتابوں کو پڑھا تھا۔ اگلے دن صبح نکلے تلاش کے لیے کہ انصاف نام کی کتاب کہاں ہے اور جب وہ کتاب ملی تو پتہ چلا واقعاً اس کے اندر ملا فیض نے اپنے اوپر کیے جانے والے ایک ایک اعتراض کا جواب دیا تھا۔ اس سے ان پر ثابت ہوگیا کہ یہ خواب بالکل سچا تھا اور وہ حقیقت میں میرے خواب میں آئے تھے۔

ایک بہت ہی مشہور عالم ہیں ملا محمد طاہر، یہ اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم تھے وہ قم رہا کرتے تھے اور قم کے امام جمعہ بھی تھے امام جماعت بھی تھے۔ ''ملا محمد طاہر ان کے ساتھیوں میں سے ہیں انہی فیض کاشانی ؒ کے'' ذرا آپ یہ بھی دیکھیے حقیقی علماء کے آپس کے حالات کیسے ہوتے ہیں اگر کبھی اختلاف بھی ہو جائے تو کس انداز سے اس اختلاف کو دُور کیا جاتا ہے، اور اس کے بعد سوچئے کہ ہم نے اپنے ذہنوں میں علماء کے خلاف کتنا غلط خیال بیٹھا رکھا ہے۔ ملا محمد طاہر اس زمانے کے بہت بڑے عالم تھے۔ وہ قم میں رہا کرتے تھے اور ملا فیض کاشانی ؒ کاشان میں رہتے تھے۔ کاشان بہر حال مرکز تو نہیں ہے مگر قم تو ایک مرکز تھا اور یہ وہاں کے شیخ الاسلام تھے۔ یہ لقب ان کو حکومت نے دیا تھا امام جماعت تھے۔ قم کے اور امام جمعہ تھے اپنے زمانے میں۔ انہوں نے قم میں جمعہ قائم کروایا تھا اور بڑی سختی کراتے تھے جمعہ کے بارے میں کیونکہ ان کے نزدیک جمعہ واجب تھا اور جو جمعہ میں شریک نہ ہوتا تھا۔ اس کو سزا دی جاتی تھی اور ہر ایک کو جمعہ میں آنا پڑتا تھا۔

یہ وہی ملا محمد طاہر ہیں کہ ایک روایت ان کے حوالے سے کتابوں میں موجود ہے۔ روایت ہے کہ جو اکثر علماء پڑھتے ہیں کئی وجوہات بتائی جاتی ہیں قم کی فضیلت کے بارے میں، جس میں ایک روایت ملا محمد طاہر کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ احادیث میں ہے کہ پیغمبر اسلام کی نگاہ پڑی دیکھا کہ دنیا میں لوگوں کے درمیان ایک لمبا سا آدمی ہے جو میز پر بیٹھا اور لال رنگ کی ٹوپی اس نے پہن رکھی ہے اور وہ اپنی باتیں کہہ رہا ہے۔ جس سے لوگ بھٹک رہے ہیں، گمراہ ہو رہے ہیں، پس پیغمبر اسلامؐ نے سوال کیا جبرائیلؑ سے اے جبرائیلؑ یہ کون سا علاقہ ہے، یہ کون لوگ ہیں تو جبرائیلؑ نے کہا اے اللہ کے رسولؐ یہ ایک ایسا علاقہ ہے جو آپؐ کے شیعوں کی منزل اور مرکز ہے اور آپ کی آلؑ سے محبت کرنے والوں کا مقام ہے۔ ان میں وہ سب ہیں جو آپؐ اور آپ کی آلؑ سے محبت رکھتے ہیں۔ آپؐ کے شیعہ ہیں۔ یہ جو ان کے درمیان لمبا سا آدمی

سرخ رنگ کی ٹوپی پہنے ہوئے ہے، یہ شیطان ہے جو اِن کو گمراہ کرنے کے لیے اِن کو بہکانے اور سیدھے راستے سے ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے۔ بس اتنا سننا تھا کہ روایت میں ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے ایک مرتبہ شیطان کو دیکھا اور کہا قم یا ملعون۔ اے ملعون یہاں سے کھڑا ہو جا، یہاں سے دُور ہو جا۔ چنانچہ پیغمبر اسلامؐ نے چونکہ اسے دیکھ کے لفظ قم کہا تھا یعنی یہ وہ مقام ہے کہ جہاں سے شیطان کو اٹھا دیا گیا۔ بس اس علاقے کا نام قم پڑ گیا۔

اب یہ جو علماء سے قم کے بارے میں روایت سنتے ہیں اگر چہ کئی روایتیں ہیں۔ مگر خاص طور پر یہ روایت ملا محمد طاہر کے حوالے سے آئی، خود کہتے ہیں اور ان کے بارے میں تاریخوں میں لکھا ہے کہ یہ ملا فیض کاشانیؒ کے بارے میں کچھ بدگمانی کا شکار رہے طویل عرصہ تک، آخر عمر میں ایک مرتبہ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ میں نے ساری زندگی کتنا بڑا گناہ کیا ہے۔ ایسے مقدس اور نیک عالم کے خلاف میرے دل میں یہ خیال کیسے آیا۔ اب چل کے ان سے معافی مانگنا چاہیے۔ ہمارے علماء کی عظمت و کردار دیکھیں، یہ ذہن میں خیال آیا کہ میں نے اپنے دل میں ان کے خلاف برائی رکھی اب مجھے چلنا چاہیے اور چل کر ان سے معافی مانگنا چاہیے۔ اگر چہ قم سے کاشان کا فاصلہ بہت زیادہ نہیں لیکن کم بھی نہیں۔ اب یہ سارا فاصلہ انہوں نے پیدل طے کیا اس لیے کہ میں معافی مانگنے جا رہا ہوں۔ ایک بدگمانی کے خلاف جو میرے دل میں ان کے بارے میں تھی۔ سارا فاصلہ پیدل طے کیا اور پیدل چل کے ان کے گھر کے دروازے پر پہنچے اور گھر کے دروازے پر جا کر ایک فقرہ کہا۔ ان کا نام ملا محسن کاشانیؒ ہے ان کے دروازے پر ملا طاہر آ رہے ہیں۔ ان کا نام ہے محسن بس یہ ان کے دروازے پر پہنچ کا آواز لگائی۔

"یا محسن قد اتاک المسی" نماز میں تکبیرۃ الاحرام کے موقع پر اس دُعا کو پڑھنا مستحب ہے کہ اے احسان کرنے والے ایک گناہ گار تیرے دروازے پر آیا ہے۔ یہ معصومؑ کی بتائی ہوئی دُعا ہے جو تکبیرۃ الاحرام کے موقع پر پڑھی جاتی ہے۔ اب اس میں لفظ محسن ہے خدا کے لیے کہ اے احسان کرنے والے پروردگار لیکن محسن ان کا نام بھی تھا اور اپنے آپ کو گناہ گار سمجھ رہے تھے۔ آنے والے ملا طاہر تو بس جب دروازے پر پہنچے تو وہی فقرہ دُعا کا استعمال کیا کہ اے محسن تیرے دروازے پر ایک گناہ گار پہنچا ہوا ہے۔ بس اتنا سننا تھا کہ بے اختیار دروازہ کھول کر ملا محسن کاشانیؒ باہر آئے اور باہر آ کے ملا طاہر کو جو اپنے دروازے پر دیکھا یہ دونوں اپنے اپنے زمانے کے بڑے عالم تھے۔ اتنے بڑے عالم کو اپنے دروازے پر اتنا لمبا سفر کیے ہوئے دیکھا اور فقرہ ادا کرتے ہوئے کہ "یا محسن قد اتاک المسی" بے اختیار آگے بڑھے ان سے مصافحہ کیا گلے

سے لگا کے معانقہ کیا اور تاریخ کا فقرہ ہے کہ اب دونوں نظر جھکائے ہوئے کھڑے ہیں۔ ان کو اپنے آپ سے حیا آ رہی ہے۔ ان کو ان سے شرم آ رہی ہے ان کو یہ خیال آ رہا ہے کہ اتنے بڑے عالم کے بارے میں بدگمانی میرے ذہن میں کیوں تھی اور ان کو یہ خیال آ رہا ہے کہ اتنے بڑے عالم پیدل چل کے میرے دروازے پر آئے ہیں کہیں میں گنہگار نہ ہو جاؤں۔ غرض یہ کہ اس کے بعد معاملے کو طے کیا گیا اور پھر اسی طرح یہ پیدل چل کے واپس گئے کہ ایک عالم کے خلاف تھوڑے عرصے کے لیے بھی صحیح مگر میرے دل میں بدگمانی آئی، اب اس کی کم از کم یہ سزا تو ہونا چاہئے کہ میں پیدل چل کر آؤں اور پیدل چل کے جاؤں۔

ملا فیض کاشانیؒ کے بڑھاپے کا واقعہ ہے۔ اس زمانے میں ایران کے ایک شہر شیروان میں زلزلہ آیا کافی زلزلے آئے اس زمانے میں حتیٰ کہ ۱۰۸۴ ہجری کا یہ واقعہ ہے۔ مشہد مقدس میں بھی زلزلہ آیا اور روزہ امام علی رضا کو کافی نقصان پہنچا تھا شیروان میں بھی کافی زلزلہ آیا اور کئی شہروں میں زلزلے آئے مسلسل زلزلے آئے اور ایسے زلزلے آئے کہ جس میں بے انتہا جانی نقصان ہوا، بے انتہا، مالی نقصان ہوا۔ اس زمانے کا جو حاکم تھا اس وقت دورہ کرتے ہوئے خراسان کے علاقے سے گزر رہا تھا، وہاں اس کو مسلسل اطلاعات موصول ہونے لگی کہ آج فلاں علاقے میں زلزلہ آیا کل فلاں علاقے میں زلزلہ آیا۔ دو دن بعد اطلاع آئی کہ فلاں علاقے میں زلزلہ آیا، اتنے آدمی مارے گئے، اتنا نقصان ہوا، اتنی عمارتیں گریں۔ وہ بڑا پریشان ہو گیا اس نے کئی آدمیوں سے دریافت کیا کہ بھائی اس کا اعلاج کیا ہے؟ مگر زلزلے کی بات کون بتا سکتا ہے لیکن ایک مرتبہ اس کی ملاقات ملا فیض کاشانیؒ سے ہوگئی یہ بہت بڑے عالم مگر دربار سے دور رہنے والے، ان سے اس نے پوچھا کہ بھائی زلزلے آج کل بہت زیادہ آ رہے ہیں کیا انہیں کوئی روکنے کا طریقہ ہے۔ ملا فیضؒ نے جواب دیا ہاں یہ جو زلزلے آ رہے ہیں اس میں کوتاہی تیری طرف سے ہے اور تو سبب بنا ہے کہ اتنے سارے زلزلے آ رہے ہیں۔

ایک حاکم وقت کے سامنے بلا کسی خوف کے اتنا کہہ دینا یہ وہی کہہ سکتا ہے جسے نہ کوئی لالچ ہو اور نہ کوئی خوف ہو سوائے خدا کے اس نے سنا حیران ہو گیا شیخ بہائی ایران کی حکومت کو مذہبی حکومت بنا رہے تھے۔ کام مکمل نہ ہوا تھا بیچ میں انتقال کر گئے لیکن بہر حال تھوڑا بہت اثر تو موجود تھا ایک عام آدمی کی زبان سے حاکم سنے تو قتل کر دیتا لیکن ایک عالم سے سنا تو خاموش ہو گیا۔ فقط اتنا کہا کہ میرا اس میں کیا قصور ہے کہا کہ تمہیں پتہ نہیں کہ معصومینؑ کی روایات سے ثابت ہے کہ اتنی کثرت کے ساتھ زلزلے اسی وقت آتے ہیں جب عدالتوں میں رشوت زیادہ چلنے لگتی ہے۔ جتنی زیادہ رشوت فیصلے کے

وقت لی جائے گی رشوت اسلام میں حرام ہے اس حد تک کہ اگر تم حق پر بھی ہو تو پھر بھی رشوت نہیں دے سکتے ہو۔ اب یہ فرماتے ہیں کہ اتنے زیادہ زلزلے اسی لیے آرہے ہیں کہ عدالتوں کے جج حد سے زیادہ رشوت لے رہے ہیں اور ان کی رشوت سبب بن رہی ہے کہ تمہیں اس پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس نے ایک مرتبہ سوال کیا کہ پھر کیا کروں کس طرح سے اس رشوت کو روکوں۔ ایک عام آدمی ہوتا۔ وہ کچھ طریقے بتاتا سختی کرو، تنخواہیں بڑھا دو، عادل رکھو، دین دار رکھو مگر یہ ملا فیض کاشانی کا ایک احسان ہے کہ خدمت دین کی ایک مرتبہ کہا ایک ہی طریقہ ہو سکتا ہے تم فقیہ عادل کو یعنی مجتہد کو لاؤ اور اسے عدالتوں میں جج بناؤ اور اس کے بعد یہ ساری پریشانیاں دُور ہو جائیں گی۔

حاکم نے سنا سنتے ہی کہا اچھا اب میں جا رہا ہوں، مشہد کی جانب، وہاں پہ آج کل فلاں مجتہدین موجود ہیں۔ میں ان کی خدمت میں جاؤں گا اور گزارش کروں گا کہ جج کا عہدہ آپ سنبھالیں اور وہ مشہد کی طرف روانہ ہوا وہاں پہنچ کر ایک مجتہد کی خدمت میں گئے اور کہا اس عہدے کو آپ ہی سنبھال لیجئے گا۔ مجتہد نے صاف صاف انکار کر دیا کہ مجھے تمہارا عہدہ نہیں لینا۔ ملا محسن کاشانی نے کہا پھر تمہیں حق ہے کہ تم انہیں مجبور کرو اس لیے کہ فقیہ عادل پر واجب ہو جاتا ہے کہ اگر اسے عدالت کا محکمہ مل رہا ہو تو وہ انکار نہیں کر سکتا ہے۔ تم انہیں مجبور کرو اور زبردستی کرو کہ وہ اس عہدے کو قبول کریں۔ حاکم نے کہا انشاء اللہ ایسا ہی کروں گا یہ کہہ کر چلا گیا مگر اتفاق سے مشہد جانے سے پہلے راستے میں بیمار ہوا اور اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے کے ہاتھ میں حکومت آئی۔ جب یہ گفتگو ہو رہی تھی ملا کاشانی اور بادشاہ وقت کے درمیان تو اس کا بیٹا بھی یہ گفتگو سن رہا تھا۔ اس کے بیٹے کے ہاتھ میں حکومت آئی فی الحال کوئی زلزلہ نہیں ہے۔ فی الحال کوئی قدرتی آفت نہیں ہے مگر ملا فیض کاشانی" نے اس انداز سے گفتگو کی تھی کہ بیٹے کے ذہن میں یہ خیال تازہ ہے اس کا نام تھا شاہ سلیمان اس کے ذہن میں یہ خیال ہے کہ مجھے اس پر عمل کرنا ہے۔ چنانچہ اس نے خاص طور پر علامہ مجلسیؒ کو دعوت دے کر بلایا اور ایران کی حکومت کی عدالت کا محکمہ ان کے حوالے کیا علامہ مجلسی" کے ہاتھ میں یہ محکمہ آیا ساری رشوتیں ایک دن میں ختم ہو گئیں۔ سارے غلط قاضی" ایک دن میں ختم کر دیئے گئے۔ اس کے بعد تمام شراب ضائع کر دی گئی۔ حرام چیز کو جلا دیا گیا اور واقعاً چند ہی مہینوں میں پورا ایران ایک مذہبی حکومت کے دائرے میں آ گیا۔

علامہ مجلسیؒ کے زمانے میں شیخ بہائی" کے بعد پہلی جو مذہبی حکومت ولایت فقیہ کے سائے میں قائم ہوئی۔ ان کی بنیاد رکھنے والوں میں ملا کاشانی بھی ہیں۔ نہ حاکم کو اس طرح سمجھاتے نہ اس کی سمجھ میں اس طرح بات آتی نہ ہی علامہ مجلسی" کا

کام اتنا آسان ہوتا خود علامہ مجلسیؒ ایک عظیم شخصیت ہیں وہ خود بھی یہ کام کر سکتے ہیں مگر ان کا اتنا وقت بچا لیا ملا فیض کاشانیؒ کا ایک اور عظیم احسان ہے مگر یہ بہت اہم گفتگو ہے ہمارے بچوں اور نوجوانوں کے لیے کہ پتہ تو چلے کہ ایران جس منزل پر آج ہے تو ان لوگوں کا خون جگر ہے۔ ان لوگوں کی قربانیاں ہیں کہ آج اس منزل پر پہنچا ہے۔ دین کے نظام کو قائم کرنا اور برکتوں کو حاصل کرنا یہ کوئی بٹن نہیں ہے کہ دبایا اور حاصل ہو گیا اور یہ سب کچھ ہو گیا اس میں قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ صدیوں تک کام کرنا پڑتا ہے تب کوئی نتیجہ ہمارے سامنے آتا ہے تو آج یہ ایران جس منزل پر ہے ان میں کن علمائے کرام کا حصہ ہے وہ بھی آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ خود اپنے آپ کو ان برکتوں کا حق دار بنانا چاہتے ہیں تو اس انداز سے اپنے آپ کو بدلئے جس انداز سے ایران میں تبدیلی آئی۔ خیر ان کا یہ ایک احسان ہے ایران کی حد تک کہ ایران میں ایک ایسی حکومت قائم ہو گئی ان کی وجہ سے، ایک احسان ان کا پوری ملت پر ہے اور وہ یہ کہ احادیث امامؑ کے سلسلے میں کچھ علماء نے واقعاً بڑی قربانیاں دی ہیں۔

معصومینؑ ہی کے زمانے سے احادیث کو لکھنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور سب سے پہلا دور ہمارے سامنے مولا امیر المومنینؑ کا آتا ہے کہ جب مولائے کائناتؑ اپنے سامنے حدیثیں لکھوایا کرتے تھے اور ان میں سب سے نمایاں نام ابورافع کا ہے۔ ابورافع حضورؐ کے صحابیوں میں سے تھے۔ مکے میں اسلام قبول کیا تھا لیکن سب نے ہجرت کی تھی مگر انہوں نے مکے سے ہجرت نہیں کی۔ جنگ بدر کے بعد یہ مکے سے ہجرت کر کے مدینے آئے تھے اور پیغمبرؐ سے آکر ملے جب امیر المومنینؑ کے ہاتھ میں خلافت آئی تو ابورافع کو بیت المال کا نگران مقرر کیا تھا اور وہ مشہور روایت ایک مرتبہ امیر المومنینؑ کی ایک بیٹی کو کسی شادی میں شرکت کے لیے ایک ہار کی ضرورت پڑی تو ابورافع سے کہا کہ بیت المال میں ایک خوبصورت ہار ہے اگر چند لمحوں کے استعمال کے لیے دے دو تو میں واپس آکر اس ہار کو لوٹا دوں گی۔ علیؑ کی بیٹی کی خواہش تھی مگر رافع علیؑ کے مزاج سے واقف تھے اس لیے کہ اگر ہار دو اور گم ہو جائے تو اس کی قیمت کے برابر پیسے رکھوانے پڑیں گے۔ ابورافع نے علیؑ کی بیٹی کی خواہش پر پہلے اس کے برابر ضمانت لی اور ہار دیا مگر یہ اطلاع بھی مولاؑ کو پہنچ گئی تو جلال میں آگئے کہا پہلی غلطی ہے اس لیے معاف کیا جاتا ہے لیکن اگر میری بیٹی بغیر پیسے جمع کروائے ہوئے ہار لے جاتی تو میں اس کا ہاتھ کٹوا دیتا اور اگر ابورافع بغیر ضمانت کے یہ ہار دے دیتے تو ابورافع کا ہاتھ کٹوا دیتا۔ یہی ابورافع امیر المومنینؑ اور پیغمبرؐ کے ساتھی تھے اور امیر المومنینؑ کے حکم سے انہوں نے حدیث کی پہلی کتاب لکھی۔ سادات کرام ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ امام حسنؑ

کے پوتے موسیٰ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے بابا سے یعنی امام حسنؑ کے بیٹے عبداللہ سے کسی نے مسئلہ پوچھا کہ اس کا جواب تو دیجئے آپ امامؑ کے بیٹے ہیں امام زادے ہیں امام حسنؑ کے بیٹے ہیں اور فوراً مجھ سے کہا جاؤ اور گھر سے ابورافع کی کتاب لے کر آؤ یہ مسئلہ اس میں لکھا ہوا ہے وہ کتاب منگوائی کتاب کو کھول کے مسئلہ پڑھا اور سامنے والے کو بتایا اس کو ہم زبان میں طبقہ کہتے ہیں۔ یہ پہلا طبقہ تھا حدیث کا کہ جس میں امیرالمومنینؑ نے اپنے ہاتھ سے حدیثیں لکھی تھیں۔ اس کے بعد دوسرا طبقہ دوسری جماعت آئی۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے زمانے میں اس کے بعد تیسرا گروہ آیا چوتھے امامؑ کے زمانے میں جنہوں نے صحیفہ کاملہ کو لکھا اور اسی کے بعد چوتھا گروہ آیا۔ پانچویں اور چھٹے امام کے زمانے میں جنہوں نے چار سو کتابیں لکھی لیکن ان چار سو کتابوں کو لکھنے کے بعد الگ الگ کتابیں ہوگئیں، چھوٹی حدیثیں زیادہ بن گئیں اور غیبت صغریٰ میں لوگوں کی پریشانی زیادہ بڑھ گئی تو یہ طے پایا کہ ان چار سو کتابوں کو دوبارہ جمع کر کے ایک کتاب میں رکھا جائے۔ پھر اکثر کتابیں ضائع ہوئیں، اُموی، عباسی مظالم اور ہلاکو خان کے مظالم کے دوران، تا کہ ہر پڑھنے والے کے لیے آسانی رہے۔

چنانچہ تین آدمیوں نے اس کا بیڑا اٹھایا سب سے پہلے محمد یعقوب کلینیؒ نے ''اُصول کافی'' لکھی اور قم میں شیخ صدوقؒ نے ''من لایحضرہ الفقیہ'' کتاب لکھی اور ان دونوں کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد شیخ طوسیؒ نے دو کتابیں چار کتابیں ہو گئیں۔

اس زمانے میں جب یہ کتاب لکھی گئیں اس وقت بھی ان کتابوں کو لکھنے کے باوجود حدیثوں پر اتنی تحقیق نہیں ہوئی تھی اتنی جانچ پڑتال نہیں ہوئی تھی۔ جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا۔ حدیثوں کو سمجھنا اور مشکل ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ جب ایران میں مذہبی حکومت قائم ہوگئی تو اب پہلا کام یہ سوچا گیا کہ باقی سارے کام تو ہم بعد میں بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن آل محمد کی حدیثوں کو بچانا ہمارا اولین وقت ہے۔ خواجہ نصیرالدینؒ کی کتاب جو کئی سالوں کی محنت کے بعد لکھی حاکم وقت کے سامنے پیش کی، اس نے اس کو اُٹھا کے دریائے دجلہ میں ڈال دیا۔ پانی کے چھینٹے اڑے تو اس نے کہا کہ کتنا اچھا منظر ہے، کتنے اچھے طریقے سے پانی بلند ہو رہا ہے۔ چودہ چودہ سال، بیس بیس سال کی محنتیں ایک لمحے میں ضائع ہو رہی تھی لیکن اس وقت مجبور تھے، ہاتھ بندھے ہوئے تھے زبانیں کٹ رہی تھیں۔ اگر پتہ چل جاتا کہ اس کے پاس آل محمد کی حدیث ہے تو اسے قتل کر دیا جاتا چنانچہ مجبوری تھی۔ آج جب ان کے ہاتھ میں حکومت آ گئی یہ دیکھا گیا کہ حالات کچھ بدل گئے ہیں تو اب سوچا گیا کہ

پہلے کسی اور چیز کی جانب توجہ نہ کریں اگر چہ ہم نے اب تک ساری زندگی غربت میں گزاری ہے یہ نہیں سوچا علماء نے کے جائیدادیں بنالیں، اپنی حالت کو بدل لیں، موقع غنیمت ہے پتہ نہیں کب تک یہ زمانہ ہمیں عافیت اور سکون کا ملتا ہے ہوسکتا ہے کل پھر دشمنان اہل بیتؑ کا قبضہ ہو جائے'' اور خاص طور سے اس لیے کہ ایران میں ایک اسلامی حکومت قائم ہوگئی تھی لیکن مسلسل اس پر ترکی کی جانب سے حملہ کیا جارہا تھا۔ جہاں اس وقت خلافت قائم تھی، خلیفہ وقت کا سلسلہ چل رہا تھا، ابھی بند نہیں ہوا تھا، بنوعباسیہ کے خلیفے ختم ہو گئے تھے مگر اب ان کا مرکز ترکی بن گیا تھا۔

اب ترکی نے شاہ عباس کے زمانے میں بار بار ایران پر حملے کیے اور عظمت دیکھیں ہمارے علماء کی، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ شاہ عباس بہرحال ایک انسان ہے، غیر معصوم ہے، وہ عاجز آ گیا ایک مرتبہ اس نے سوچا کہ میں کب تک بچاؤ کرتا رہوں گا۔ ایک مرتبہ آگے بڑھ کر اس نے حملہ کر دیا۔ اب جو آگے بڑھ کر اس نے حملہ کیا تو یہ فقہ شیعہ کے مطابق غلط تھا پہلے اسے مجتہد سے پوچھنا چاہیے تھا۔ چنانچہ ترکی کے حاکم نے دیکھا کہ یہ ان کی فقہ کے اعتبار سے غلط ہے یہ تو حملہ ہو گیا ہے ترکی ایک ہی لمحے میں ختم ہو جائے، فوراً ترکی کے خلیفہ کا وزیر بھاگا بھاگا نجف میں آیا اور آنے کے بعد کہا کہ غضب ہو گیا اس طرح حملہ ہو گیا ہے۔

آپ بتائیے کہ آپ کی فقہ کا کیا حکم ہے؟ کہا یہ غلط حملہ ہے پہلے مجتہد سے اجازت لینا چاہیے تھی۔ شیخ بہائیؒ کا انتقال ہو گیا ایران میں کوئی بڑا مجتہد نہ تھا۔ چنانچہ ترکی کے خلیفہ کی خواہش ہوئی اور فوراً نجف کے علماء نے فتوٰی لکھ بھیجا کہ یہ غلط ہے فوجوں کو واپس بلانا واجب اور شاہ عباس پیش قدمی کر رہا ہے۔ فوجیں بڑھ رہی ہیں۔ علاقوں پر قبضہ ہو رہا ہے۔ ہر طرف سے کامیابی مل رہی تھی اس کے باوجود جب مجتہد کا فتوٰی آتا ہے ادھر فتوٰی کا آنا تھا اُدھر فوجوں کو واپس بلالیا مؤمن ایسے ہوتے ہیں کہ مجتہد کے فتوٰی کو بغیر چوں و چرا کے قبول کر لیتے ہیں۔ حقیقت میں یہی لوگ امامؑ کے ماننے والے ہوتے ہیں کہ امامؑ کے ماننے والے کا فتوٰی آیا نجف سے اور ادھر فوجوں کو واپس بلالیا گیا کہا کہ اگر ہمارے مجتہدین اس کے خلاف ہیں تو ٹھیک ہے جتنا نقصان ہوگا ہم برداشت کریں گے مگر اس طرح حملہ نہیں کریں گے۔

اب زمانہ ایسا تھا یہ معلوم تھا کہ ہمیں تھوڑا سا وقت تو مل گیا ہے مگر بار بار چاروں طرف سے حملہ ہو رہا ہے۔ خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ کل پھر ہم دشمنوں کے نرغے میں آجائیں۔ پہلا کام (احادیث آل محمدؐ کی حفاظت) کریں، باقی سارے کام فقہ کے مسئلے ہیں، قرآن کی تفسیریں ہیں، یہ تو ہم دشمنوں کے بیچ میں بھی لکھ سکتے ہیں۔ مگر آل محمدؐ کی حدیثیں بہت مشکل ہیں

دشمنوں کا غلبہ ہو جائے گا۔ کوئی آل محمدؐ کا نام سننے کو تیار نہ ہوگا۔ یہ کام کرلو اس اعتبار سے تین آدمی اپنے اپنے مقام پر اس کام میں معروف ہو گئے۔ جن میں سب سے پہلے ملا فیض کاشانیؒ تھے۔ یہ سب سے پہلے آدمی تھے جنہوں نے ایک کتاب لکھی ''الوافی'' اور ایک کتاب ''الکافی'' ہے۔ ان کی کتاب ''الوافی'' جو چودہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ ان چودہ کتابوں میں کیا کچھ نہیں لکھا بلکہ چار کتابیں اور ہو گئیں، اس کے فوراً بعد محمد حسن حر عاملیؒ نے ''وسائل الشیعہ'' لکھی اور ان کے بعد فوراً علامہ مجلسیؒ نے ''بحارالانوار'' جیسی عظیم کتاب لکھی۔

علامہ مجلسیؒ نے ساری حدیثیں جس میں فقہ کے علاوہ دوسری حدیثیں بھی تھیں سب کو ایک جگہ جمع کیا تو ان کی کتاب ۱۲۰ جلدوں کی بن گئی۔ اب ایک عجیب اتفاق پیش آیا وہ یہ کہ ان تین آدمیوں نے مل کر یہ عظیم کام کیا اور ان تینوں کے نام محمد کے نام سے شروع ہوتے ہیں۔ محمد محسن فیض کاشانیؒ، محمد ابن حسن حر عاملیؒ اور محمد باقر مجلسیؒ چنانچہ ان تینوں کو ملا کر محمدون ثلاثہ کہا جاتا ہے۔ احادیث کے سلسلے میں اتنا عظیم کام کیا ہے ملا محمد فیض کاشانیؒ نے کہ اس کے بعد ہی شیخ حر عاملیؒ ''وسائل الشیعہ'' لکھ سکے کہ جس کے بارے میں ہے کہ اگر آج بھی ایک مجتہد سے وسائل الشیعہ چھین لی جائے تو وہ اپنے آپ کو بے بس جانے گا۔ یقیناً باقی کتابیں موجود ہیں مگر اس انداز سے اس کتاب میں ساری حدیثیں آگئیں کہ آج ایک مجتہد اس کے بغیر اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتا ہے لیکن آغاز کرنے والے محمد فیض کاشانیؒ تھے جنہوں نے پہلی مرتبہ اس کام کا آغاز کیا اور یہ عظیم کتاب لکھی۔ اس کے علاوہ ان کی ''تفسیر صافی'' علماء کی مقبول ترین کتاب ہے، دو جلدوں میں ہے تقریباً دو یا ڈیڑھ ہزار صفحے کی لیکن مختصر سی کتاب ہے۔ یہ شیعوں کی بہترین تفسیروں میں سے ہے ''تفسیر صافی'' یہ ساری علمی خدمات کرنے کے بعد دو سو کتابیں لکھیں جن کی تفسیر ایسی شاندار ہے کہ اس دن سے آج تک ہر دینی مدرسے میں پڑھائی جاتی ہے اور ہر عالم پڑھتا ہے۔ حدیث کی ایسی کتاب اور اس کے بعد مسلسل حدیث پر کام ہونا شروع ہو گیا۔ ان سب کا صلہ یقیناً ملا فیض کاشانیؒ کو ملے گا اور پھر ایران کا وہ ماحول بنایا کہ علامہ باقر مجلسیؒ کو ایران میں حکومت اسلامی قائم کرنے کا موقع ملا اور اس کے بعد ایران ترقی کرتے کرتے حقیقی معنوں میں اسلامی نظام رائج کر چکا ہے۔ یہ ساری دینی خدمات انجام دے کر جب ۱۰۹۱ ہجری کا سن آیا اور اس وقت ان کی عمر چوراسی (۸۴) سال ہو چکی تھی تو اسی سال اپنے ہی وطن کاشان میں ان کا انتقال ہوا اور کاشان ہی کے ایک علاقے میں ان کو دفن کیا گیا، جہاں آج تک ان کی قبر موجود ہے اور جانے والے جاتے ہیں اور ان کے توسط سے اپنی حاجات خدا کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں اور یقیناً یہی علمائے کرام

تھے جن کا علم، خدمات اور احسانات سبب بنے کہ آج ہمارے ہاں اجتہاد نے اتنی ترقی کی۔

ملا محمد فیض کاشانی نے دوسو سے زیادہ کتب تحریر فرمائیں۔ جن میں سے چند تصانیف درج ذیل ہیں۔

۱۔ کتاب صافی تفسیر قرآن دو جلدوں میں

۲۔ کتاب تفسیر اصفی یہ تفسیر صافی سے

۳۔ کتاب وافی جو کافی کی شرح ہے، پندرہ جلدوں میں ہے

۴۔ کتاب شافی، کافی سے انتخاب ہے۔ اس کی دو جلدیں ہیں۔ ہر جلد میں بارہ کتابیں ہیں۔

۵۔ کتاب نوادر میں وہ احادیث جمع کی گئی ہیں جو مشہور کتب اربعہ میں ذکر نہیں ہوئیں۔ سات ہزار ابیات پر مبنی ہے۔

۶۔ کتاب معتصم الشیعہ

۷۔ کتاب نخبہ ابواب فقہ کا خلاصہ کیا گیا ہے۔ جو تقریباً ۳۳۰ باب میں ہے۔

۸۔ کتاب تطہیر

۹۔ کتاب علم الیقین اصول دین میں ہے۔

۱۰۔ کتاب معارف جو علم الیقین کا خلاصہ اور لب لباب ہے جو تقریباً چھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔

۱۱۔ کتاب اصول المعارف، عین الیقین کے اہم نکات کا خلاصہ ہے۔

۱۲۔ کتاب محجۃ البیضا در احیاء حیاء۔

۱۳۔ اسرار دین میں حقائق پر کتاب

۱۴۔ کتاب قرۃ العیون

۱۵۔ کتاب توحید کے بارے میں کلمات مکنونہ۔

۱۶۔ کتاب جلاء العیون اذکار قلب کے بیان میں دوسو بیس ۲۲۰ اشعار ہیں۔

۱۷۔ یہ کتاب تشریح ہے ہیت عالم، اس کے اجسام، ارواح کی کیفیت کے بارے میں اور حرکات افلاک و عناصر وانوع بسائط

۱۸۔ کتاب انوار الحکمۃ یہ علم الیقین سے

۱۹۔ کتاب لباب قول

۲۰۔ کتاب لُب (ا) اور یہ دنیا کے حادث ہونے کے بارے میں قول کا خلاصہ

۲۱۔ کتاب میزان القیمہ اس میں روز قیامت اور کیفیت میزان کے متعلق جو باتیں ہیں اس کی تحقیق ہے۔

۲۲۔ کتاب مراۃ الاخرہ

۲۳۔ کتب ضیاء القلب، احکام خمسہ کی تحقیق

۲۴۔ کتاب تنویر المذاہب یہ قرآن کی تفسیر پر حاشیے ہیں۔

۲۵۔ شرح صحیفہ سجادیہ

۲۶۔ کتاب سفینۃ النجاۃ

۲۷۔ حق المبین

۲۸۔ کتاب اصول اصلیہ جو دس اصلوں پر مشتمل ہے

۲۹۔ کتاب تسہیل السبیل در حجت یہ سید ابن طاؤس علوی کی کشف الحجہ سے انتخاب ہے۔

۳۰۔ کتاب نقد الاصول الفقہیہ یہ علم اصول فقیہ کا خلاصہ ہے۔ یہ آپ کی پہلی کتاب ہے آغاز جوانی میں لکھی گئی۔

۳۱۔ کتاب اصول العقاید، دین کے پانچوں اصولوں کی تحقیق میں ہے۔

۳۲۔ کتاب منہاج النجاۃ اس علم کے بیان میں جس کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

۳۳۔ کتاب خلاصہ الاذکار

۳۴۔ کتاب ذریعہ الفراغہ (یعنی ذریعہ نجات) آئمہ علیہم السلام سے منقول مناجات پر مبنی ہے۔

۳۵۔ مختصر الاوراد (مختصر وظیفے)

۳۶۔ یہ ایک اعمال کی کتاب ہے شریعت مطہرہ میں جو اہم اعمال ہیں ان پر مبنی ہے۔

۳۷۔ کتاب خطب، اس میں سو سے اوپر خطبات ہیں جو سال کے تمام جمعوں اور عیدین سے متعلق ہیں۔

۳۸۔ کتاب شہاب ثاقب زمانہ غیب میں نماز جمعہ کے فرض عین ہونے کی تحقیق میں ہے۔

۳۹۔ کتاب ابواب الجنان، وجوب نماز جمعہ اس کی شرائط، آداب اور احکام کے بارے میں ہے۔

۴۰۔ اذکار نماز

۴۱۔ کتاب مفاتیح الخیر نماز کے فقہ اور اس کے ملحقات کے بارے میں ہے

۴۲۔ فقہ کی کتاب طہارت

۴۳۔ اذکار الطہارۃ، طہارت سے متعلق دعائیں

۴۴۔ کتاب ترجمۃ الزکواۃ فارسی میں ہے۔

۴۵۔ ترجمۃ العقاید فارسی زبان میں ہے۔

۴۶۔ کتاب الصیام یہ بھی زکوٰۃ کی کتاب کی طرح ہے۔

۴۷۔ سانح غیبی نامی رسالہ کا ترجمہ اس میں ایمان وکفر کے معنی اور مراتب ایمان وکفر پر تحقیق ہے۔

۴۸۔ راہ صواب۔

۴۹۔ شرائط ایمان

۵۰۔ کتاب ترجمۃ الشریعہ

۵۱۔ اہم ترین اذکار پر مشتمل کتاب جو خلاصۃ الاذکار سے مختصر کر کے لیا گیا ہے۔

۵۲۔ کتاب رفع ودفع جس میں آفات وبلیات سے بچنے کا طریقہ قرآن ودعا کے ذریعہ اور تعویذ ودواء پر مبنی ہے۔

۵۳۔ آئینہ شاہی نامی رسالہ

۵۴۔ وصف خیل نامی

۵۵۔ زاد السالک

۵۶۔ نخبہ صغریٰ

۵۷۔ متعلقات نخبہ صغریٰ

۵۸۔ رسالہ ضوابط خمس

۵۹۔ رسالہ جومان اموات

۶۰۔ رسالہ غنیۃ الانام

۶۱۔ رسالہ محاکمہ

☆☆☆

بسم تعالیٰ

محمد بن حسن بن علی حرُ عاملیؒ

۱۰۳۳ھ - ۱۱۰۴ھ

کچھ ہستیاں دُنیا میں ایسی ہیں جن پر آقا و مولا امام مہدی علیہ السلام کی خصوصی نگاہ کرم رہی ہے۔ یہ وہ ہستیاں ہیں کہ جن کا تذکرہ یقیناً خود آئمہ معصومینؑ کی نگاہ میں بھی پسندیدہ ذکر ہے کہ یہی وہ علماء ہیں، یہی وہ دین کے خادم ہیں، یہی وہ آل محمدؐ کے پیغام کو عام کرنے والے ہیں کہ جن کی قربانیوں نے آج جس حالت میں دین کو ہم تک پہنچایا اور قیامت تک اس دین کے باقی رہنے کے اسباب مہیا کیے۔ ویسے تو اس دین کی حفاظت کرنے والا خود خدا ہے اور آل محمدؐ کی قربانیاں ہیں مگر ظاہری اعتبار سے کچھ اسباب بھی ہوتے ہیں۔ یہی علماء، یہی مجتہدین سبب بنے ہیں کہ آج اتنے مظالم کے دور گزرنے کے باوجود دین اہلبیتؑ اسی طرح قائم ہے کہ جس طرح پیغمبرؐ نے اُمت کے سامنے پیش کیا تھا۔

ایسی ہی ایک عظیم ہستی کا ذکر کہ جیسے جیسے آپ ان کے واقعات و حالات کا مشاہدہ کریں گے۔ ویسے ویسے دل ان کی عظمت کا اقرار کرتے جھکتا چلا جائے گا۔ اس عظیم عالم کا نام محمد ہے اور ان کے والد کا نام حسن ہے ان کے دادا کا نام علی ہے اور پردادا کا نام حسین ہے۔ ان کا مشہور لقب حرُ ہے اور یہ لبنان کے جنوبی علاقے میں واقع جو پہاڑی سلسلہ ہے جسے جبل عامل کہا جاتا ہے وہاں ایک چھوٹے سے گاؤں میں جس کا نام مشغر ہے۔ ۸ رجب سن ۱۰۳۳ ہجری کو جمعہ کے دن پیدا ہوئے۔ چونکہ جبل عامل کے رہنے والے ہیں عاملی کہلاتے ہیں تو پورا نام ان کا کہلوا تا ہے محمد ابن حسن ابن علی ابن حسین حر عاملیؒ یہ اپنے زمانے کے قاضیؒ القضاض بھی تھے اور شیخ الاسلام بھی تھے لیکن مختصراً ان کو شیخ حر عاملی کہا جاتا ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے ہی خاندان کے بزرگوں سے حاصل کی۔ اپنے والد سے، اپنے چچا سے، اپنے والد کے ماموں سے اور اپنے نانا سے۔

یہ ایسی عظیم ہستی ہیں کہ ۳۰۰ سالوں میں کوئی ایسا عالم نہیں گزرا کہ جو مقام اجتہاد تک پہنچا ہو اور اس کے بعد ان کی کتابوں کا محتاج نہ ہوا ہو۔ مجتہد ہونے کے بعد بھی ہر عالم کو ان کی کتابوں کا محتاج ہونا پڑا ہے ان کی سب سے مشہور و معروف کتاب وسائل الشیعہ ہے۔ جو چھ زخیم جلدوں پر مشتمل ہے اسؑ کے بعد آئمہؑ کے معجزات پر مشتمل کتاب اثبات الہدیٰ ہے۔ عقیدہ رجعت پر ایک کتاب رجعت کے نام سے لکھی ہے۔ آئمہؑ کے قصیدوں کا ایک دیوان ہے جس میں ۲۰ ہزار اشعار ہیں۔ ایک کتاب شریعت کے واجبات اور حرام پر لکھی کہ جتنے واجبات شریعت میں ہیں ان کا تذکرہ انہوں نے

اسی کتاب میں کیا ہے اور جتنے حرام ہیں ان سب کا تذکرہ بھی کیا ہے ان کے حساب سے ایک ہزار چار سو اڑتالیس چیزیں حرام ہیں تو پوری کتاب ہے واجبات اور حرام کے موضوع پر۔

لبنان کے جنوب میں ایک پہاڑی سلسلہ ہے جسے ''جبل عامل'' کہا جاتا ہے جب حضرت ابوذر غفاریؓ کو مدینے کی حکومت نے اپنے لیے ایک بڑا خطرہ جان کر جلاوطن کیا تھا مدینے سے شام کی طرف کہ شام کا حکمران بڑا سخت ہے جو حضرت ابوذر غفاریؓ کو خاموش کر دے گا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ اس وقت مسلمانوں کی دولت جمع کرنے کے تصور کے خلاف جہاد کر رہے تھے شام کے حکمران نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو ہر ممکن طریقے سے خاموش کرنے کی کوشش کی۔ مگر جو پیغمبر اسلامؐ کے دور اور کفار کی اذیتوں کو برداشت کیے ہوئے ہو وہ بھلا کسی حاکم سے کیسے خاموش ہو سکتا تھا۔ چنانچہ حاکم شام نے مجبور ہو کر حضرت ابوذر غفاریؓ کو شام سے لبنان کی طرف جلاوطن کر دیا، جہاں وہ دو سال تک رہے۔ دو سال جو اس لبنان کے علاقے میں حضرت ابوذر غفاریؓ رہے تو کچھ اس انداز سے شیعیت کی بنیادوں کو مستحکم کیا کہ اس دور سے لے کر آج تک لبنان کے اس علاقہ میں ہر قسم کے مظالم ہوئے ہر قسم کے ظالموں نے وہاں اپنی پوری حد تک کوشش کی کہ وہاں شیعیت کا نام و نشان مٹا دیا جائے مگر وہاں شیعیت قائم رہی بلکہ روز بروز ترقی کرتی چلی گئی اور پھر ایک واضح فرق ہمیں لبنان کی شیعیت اور باقی شیعیت میں ہمیں نظر آتا ہے اور وہ یہ کہ جو لبنان کے اندر شیعیت آئی وہ پیغمبر اسلامؐ کے ایک صحابی کے ذریعے آئی۔ امیر المومنینؑ کے ساتھی کے ذریعے آئی۔ آئمہ علیہم السلام کی سیرت کو آنکھوں سے دیکھتے ہوئے جناب ابوذر غفاریؓ نے شیعیت کی بنیاد رکھی۔ اس لیے لبنان میں وہ شیعہ نہیں جو اپنے آپ کو نام کا شیعہ کہتے ہیں بلکہ لبنان علماء کا مرکز اور مجتہدین کا گڑھ ہے۔ فقہاء کا وطن ہے اور اتنی کثرت کے ساتھ وہاں سے علماء نکلے ہیں اور انہوں نے شیعیت کی خدمت کی ہے کہ آدمی بعض اوقات حیران ہو جاتا ہے کہ یہ اتنا بابرکت علاقہ ہے۔ اس سے پہلے جتنے علماء جن کے حالات کا جائزہ آپ نے لیا، اکثریت وہ ہے کہ جس کا تعلق لبنان کے اس مختصر سے علاقے سے ہے شہید اول" یہیں کے شہید ثانی "یہیں کے شیخ بہائی" یہیں کے محقق ثانی" یہیں کے شیخ حر آملی" یہیں کے آیت اللہ باقر الصدر" یہیں کے آیت اللہ موسیٰ الصدر" یہیں کے جناب سید حسن نصر اللہ یہیں کے، حزب اللہ یہیں کی جس نے اسرائیل سمیت سپر پاورز کو کئی بار ناکوں چنے چبوائے۔

الحمد للہ! ایک کثیر تعداد ہر دور میں علماء کی وہاں موجود رہی۔ ایران کی شیعیت آئی تو انہی کی وجہ سے، عراق میں یا

عرب میں شیعیت باقی بچی تو اتھی کی وجہ سے کیونکہ ایک صحابی رسولؐ نے وہاں دین اہل بیتؑ کو عام کیا تھا۔جنہیں معلوم تھا کہ آل محمدؐ اس شیعہ کو چاہتے ہیں کہ جو علم حاصل کرے جو ساتھ ساتھ دین میں کچھ بھی حاصل کرے اس لیے جب پہنچے ابوذر غفاریؓ تو کچھ اس انداز سے وہاں کے لوگوں کو تعلیم دی کہ ہمیشہ وہاں کے علم عمومی کے ساتھ ساتھ علم فقہ اور علم دین حاصل کرنے کا بھی رواج رہا۔

خود اپنی کتاب اثبات الہدیٰ میں شیخ حرعاملیؒ یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ۱۰ سال کی میری عمر تھی۔ جب میں بیمار پڑا اور انتہائی شدید بیمار پڑا یہاں تک کہ روز بروز میری بیماری میں اضافہ ہونے لگا۔ایک وہ وقت آیا جب میرا سارا خاندان میرے بستر کے چاروں طرف جمع ہوگیا۔سب رونے لگے،سب ماتم کرنے لگے،ہر ایک کو یقین تھا کہ بس اب میرا آخری وقت ہے اور اس وقت کے ایک لمحے کے لیے میری آنکھ لگی سارے گھر والے مایوس ہو چکے ہیں سب کو یقین ہے کہ آخری وقت ہے اور علماء کا گھرانہ ہے علماء کا خاندان ہے ایک مرتبہ آنکھ لگی خواب کی حالت میں کیا دیکھتے ہیں کہ تمام معصومینؑ تشریف لا رہے ہیں تمام بارہ کے بارہ معصومینؑ پیغمبر اسلامؐ کے ہمراہ کمرے میں داخل ہو رہے ہیں اور اس کے بعد پیغمبرؐ کو اور امیر المومنینؑ کو سلام کیا انہوں نے بھی سلام کا جواب دیا اور پھر مجھ سے مصافحہ کیا۔پیغمبر اکرمؐ آگے بڑھ گئے۔امیر المومنینؑ آگے بڑھے امیر المومنینؑ نے سلام کیا امیر المومنینؑ کو انہوں نے سلام کیا جواب سلام ملا،مولاؑ نے ہاتھ بڑھائے انہوں نے بھی مصافحہ کیا خود یہ بیان کرتے ہیں یہاں تک کہ جب چھٹے امامؑ کی باری آئی میں نے انہیں بھی سلام کیا انہوں نے بھی سلام کا جواب دیا پھر مجھ سے مصافحہ کیا اور پھر تھوڑی سی گفتگو بھی کی تو ایک ایک کر کے سارے معصومینؑ ان سے مصافحہ کرتے جاتے ہیں اور آگے بڑھتے جارہے ہیں یہاں تک کہ دیکھا کہ سب سے آخر میں میرے زمانے کے امامؑ میرے بستر کے قریب آتے ہیں، میں ان کو سلام کرتا ہوں۔امامؑ سلام کا جواب دیتے ہیں اور مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھاتے ہیں۔امامؑ کے ہاتھوں کو تھام لیتا ہوں۔امامؑ سے مصافحہ کرتا ہوں تو بے اختیار میری زبان پر یہ فریاد آگئی کہ مولاؑ! میرے دل میں یہ تمنا تھی کہ میں علم حاصل کر کے عالم بن کے آپ کے دین کی خدمت کروں۔مگر اس وقت میری تمنا پوری ہونے کا امکان نظر نہیں آرہا ہے اور میرا آخری وقت قریب آگیا میں دنیا سے بڑی مایوسی کی حالت میں جارہا ہوں۔ زمانے کے امامؑ ایک مرتبہ مسکرائے اور مسکرانے کے بعد کہا کہ اتنے مایوس نہ ہو ابھی تمہاری موت کا وقت نہیں آیا ہے۔ ابھی تمہیں ایک طویل عمر عطا ہونے والی ہے لو یہ پانی پیو یہ کہہ کر زمانے کے امامؑ نے ایک پیالہ پانی کا آگے بڑھایا جو امامؑ

کے ہاتھ میں تھا (یہ جو امامؑ کے ہاتھ میں پیالہ ہے اس کا تذکرہ شیخ حرعاملیؒ نے اپنی کتاب میں کئی مقام پر کیا ہے)
اس کا سارا پانی پی لیا بس ایک مرتبہ اس پانی کا پینا تھا کہ غشی کی کیفیت دور ہوگئی۔ بخار اتر گیا، گھر والے جو اتنی دیر سے انہیں بے ہوش ہوتا دیکھ کر یقین کر رہے تھے کہ آہستہ آہستہ روح جسم کا ساتھ چھوڑ رہی ہے۔ یہ دیکھ کے ایک مرتبہ حیران ہو گئے کہ انگڑائی لے کر بستر پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اب نہ کوئی بخار ہے اور نہ ہی بیماری ہے نہ کوئی کمزوری ہے، سارے گھر میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ایک دوسرے کو مبارک باد دی جانے لگی یہ کہتے ہیں میں اس وقت خاموش تھا لیکن چند دنوں کے بعد میں نے اپنے گھر والوں کو جن میں میرے چچا اور والد بھی موجود تھے۔ میں نے ان کو یہ واقعہ سنایا تو خود شیخ حرّ عاملیؒ کے بچپن کا یہ واقعہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ابتداء ہی سے آئمہ معصومینؑ کی ایک خاص توجہ ان کی جانب تھی شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے ذریعے سے ایک عظیم کام لینا تھا۔

چنانچہ اسی کتاب اثبات الہدیٰ میں ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عید کا دن تھا ہم لوگ اپنے گاؤں مشغر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بہت سے دوست جمع تھے سب کے سب علماء ہیں۔ متقی اور پرہیزگار لوگ ہیں۔ صاحب معرفت ہیں۔ ایک مرتبہ میں نے باتوں باتوں میں کہا کہ اس سال تو عید میں اتنے سارے لوگ ہیں۔ اب آئندہ سال پتہ نہیں ہم میں سے کون زندہ ہو اور کون مر جائے کیا پتہ آئندہ سال یہاں پر کتنے لوگ جمع ہو سکیں۔ بات کی تو اکثر لوگ خاموش رہے مگر ان کے دوستوں میں سے ایک دوست محمد نے فوراً آگے بڑھ کر ایک جواب دیا اور شیخ حرّ عاملیؒ کہتے ہیں ان کے لہجے میں نہ مذاق تھا اور نہ ایسا لگ رہا تھا کہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ بلکہ پورے یقین کے ساتھ کہا کہ تم تو اگلے سال کی بات کرتے ہو۔ مجھے تو معلوم ہے کہ میں ۲۶ سال زندہ رہوں گا اور ۲۶ عیدین اور دیکھوں گا۔

شیخ حرّ عاملیؒ ایک مرتبہ حیران ہو کر سوال کرتے ہیں کہ کیا تمہارے پاس علم غیب ہے جو تم علم غیب سے بتا رہے ہو۔ کہا نہیں علم غیب نہیں مگر مجھے بتانے والے نے بتایا کہ ایک رات میں سو رہا تھا، بیماری کی حالت تھی، بخار کی شدت تھی طبیعت بگڑتی جا رہی تھی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ امام مہدی علیہ السلام تشریف لاتے ہیں، ایک پیالہ ان کے ہاتھ میں ہے، وہ پیالہ میرے ہونٹوں سے لگاتے ہیں اور جب میں اس کے پانی کو پیتا ہوں تو یہ کہہ کر امامؑ چلے گئے کہ ہم نے تمہیں ۲۶ سال کی زندگی عطا کی چنانچہ مجھے یقین ہے کہ ابھی میں ۲۶ سال تک زندہ رہوں گا۔ شیخ حرّ عاملیؒ کہتے ہیں کہ پتہ نہیں میرے ذہن میں کیا خیال آیا کہ میں نے ایک ڈائری میں یہ واقعہ اور تاریخ لکھ لی کہ ۱۰۴۷ ہجری کا سن تھا۔ میں مشہد مقدس میں پہنچا ہوا تھا کہ

ایک مرتبہ میرے دل میں اپنے دوست شیخ محمد کے بارے میں خیال آ گیا تو واقعہ میں نے پڑھا فوراً حساب لگایا پتہ چلا کہ یہی ۳۶واں سال ہے جو گزر رہا ہے مجھے یقین ہو گیا کہ بس عنقریب میرے دوست کی وفات کی اطلاع آنے والی ہوگی اور کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرا یقین بڑھ گیا کہ میں نے دیکھا کہ چند ہی دنوں کے بعد میرے چھوٹے بھائی کا ایک خط وطن سے آیا اور سارے حالات لکھنے کے ساتھ ساتھ آخر میں اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ پچھلے دنوں میں فلاں فلاں شخص کا انتقال ہوا ہے اور میں نے دیکھا ان انتقال کرنے والوں کی فہرست میں میرے دوست شیخ محمد کا نام بھی موجود ہے۔

جب ان کی عمر کے چالیس سال مکمل ہو رہے تھے تو آخر ایک مرتبہ یہ اپنے وطن کو چھوڑ کر نکلے اس لیے کہ اس زمانے میں جبل عامل یعنی لبنان کے باہر ایران اور عراق میں علماء کی انتہائی قلت تھی اور ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ علماء کی ایران میں بہت کمی تھی۔ شیخ حرُ عاملی کو خبر ملتی ہے۔ چنانچہ یہ اپنے وطن کو چھوڑ کر چلے پہلے انہوں نے ارادہ کیا کہ میں سب سے پہلے عراق میں جتنی زیارات ہیں ان سب سے فارغ ہولوں چنانچہ یہ دو سال عراق میں رہے دو سال تک انہوں نے عراق میں قیام کیا۔

عراق میں قیام کے دوران پھر ایک مرتبہ ان کے ساتھ معجزہ پیش آیا زمانے کے امامؑ کا، خود یہ لکھتے ہیں کہ میں عراق میں ٹھہرا ہوا تھا۔ جب میں کاظمین کے علاقے میں پہنچا زیارات کے سلسلے میں تو ایک رات میں سویا اور خواب میں دیکھا کہ لوگ دوڑے جا رہے ہیں ایک مکان کی جانب جس کو میں جانتا تھا کہ ایک ابراہیم نام کے مردِ مومن کا مکان ہے میں نے کسی سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو۔ کہا اس مکان میں زمانے کے امام تشریف فرما ہیں میں نے امام کا نام سنا میں بھی امامؑ کی زیارت کے لیے اس مکان کی جانب بڑھنے لگا اور مکان میں داخل ہوا میں نے دیکھا کہ ایک ہستی تشریف فرما ہے لوگ آگے بڑھتے ہیں ہاتھوں کا بوسہ لیتے ہیں قدموں کے اوپر گرتے ہیں اور ساتھ بیٹھ جاتے ہیں اب پتہ چل گیا کہ یہی امام مہدی علیہ السلام ہیں چنانچہ یہ کہتے ہیں میں نے سلام کیا سب لوگوں کی طرح میں بھی آگے بڑھا امامؑ کے ہاتھوں کا بوسہ لیا اور اس کے بعد سوال کیا کہ آپ ایک معجزہ دکھائیں۔ آپ اپنی امامت کے لیے کوئی معجزہ دکھائیں۔

اس ہستی نے بس ایک مرتبہ مسکرا کے صرف اتنا جواب دیا کہ ابھی میں غیبت میں ہوں اس وقت میں معجزہ نہیں دکھاتا۔ جب میرا ظہور ہو جائے گا تو اس وقت جس قسم کا معجزہ چاہتا ہے اس کی خواہش کرنا میں وہ معجزہ پیش کر دوں گا۔ بس ایک مرتبہ جواب آ گیا امامؑ کی طرف سے میں خاموش بیٹھا رہا تھوڑی دیر تک دیکھتا رہا کہ امامؑ لوگوں سے گفتگو کر رہے ہیں

سوالات کے جواب دے رہے ہیں آخر میں امامؑ نے ایک غلام کو حکم دیا کہ میں جانا چاہتا ہوں میرے لیے گھوڑا لے کر آؤ ایک گھوڑا لایا گیا جس کے اوپر زین کسی ہوئی موجود تھی۔ امامؑ گھوڑے کے قریب تشریف لے گئے۔ گھوڑے کو دیکھا پھر ایک مرتبہ آپؑ نے فرمایا: کہ مجھے زین کی ضرورت نہیں ہے میں اس زین کو لے کر کیا کروں گا۔ میں نے یہ زین عالم کو بخشی ہے یہ کہہ کر میری جانب اشارہ کیا ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ غلام بڑھا اس نے گھوڑے کی زین اتاری اور اتار کر میرے ہاتھ میں رکھ دی۔ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ بزرگ ہستی اس نے مجھے معجزہ بھی کوئی نہیں دکھایا۔ میں اس سے زین کیسے لے لوں گا۔ یعنی دل میں یہ خیال تھا کہ امامؑ ہیں بھی یا نہیں۔ لیکن ادھر میرے دل میں یہ خیال آیا اور ادھر انہوں نے میری طرف مسکرا کے دیکھا کہ یہ کیسا خیال تو اپنے دل میں لے کر آیا ہے۔ اب یہی زین میری جانب سے تیرے لیے معجزہ ہے اور آئندہ اگر تجھے کوئی بھی آفت و مصیبت آئے گی تو گھبرانا نہیں یہی زین تجھے آفت و مصیبت سے بچائے گی۔

شیخ حرُعاملیؒ کہتے ہیں کہ میری آنکھ کھل گئی اور جب میری آنکھ کھلی تو پتہ چلا کہ فقط بات ملاقات کی ہی نہیں تھی بلکہ زین بھی میرے پاس موجود تھی میں نے انتہائی عقیدت و احترام کے ساتھ اس کو چوما مجھے یقین ہو گیا کہ یہ زمانے کے امامؑ کا ہدیہ اور تحفہ ہے اور اس کے بعد تفصیل نہیں بتائی شیخ حرُعاملیؒ نے مگر فقط اتنا لکھا ہے کہ اس کے بعد بڑی بڑی پریشانیاں مجھ پر آئیں مگر جب جس مصیبت و پریشانی میں یہ زین میرے ساتھ ہوتی تھی تو وہ مصیبت و پریشانی فوراً دور ہو جاتی تھی اور میں اس آفت و بلا سے نجات پا جایا کرتا تھا۔

آپ نگاہ معصومینؑ میں ایک پسندیدہ شخص ہیں دو سال یہ عراق میں رہے اور دو سال عراق میں قیام کے بعد اب یہ ایران کی طرف چلے کیونکہ ایران میں اس وقت علماء کی بہت ضرورت تھی۔

شیخ حرعاملیؒ کچھ عرصہ اصفہان میں ٹھہرے اور پھر یہاں سے ہجرت کر کے مشہد مقدس پہنچے اسی کو اپنا وطن بنایا۔ ایک بار پھر حج کو گئے مگر مشہد مقدس ہی سے حج کو گئے اور اپنے پرانے وطن کو چھوڑ دیا۔ مشہد مقدس میں رہ کر شیخ حرُعاملیؒ نے تاریخ شیعہ کا ایک عظیم ترین کارنامہ انجام دیا۔ ایک اہم ترین کتاب لکھی کہ شاید اس کتاب کے لکھنے میں امامؑ کی جانب سے ان کی جو حوصلہ افزائی ہوئی ہے۔ اس کا کوئی دخل ہو اگر چہ شیخ حرُعاملیؒ نے اس کا تذکرہ تو نہیں کیا ہے مگر ایک واقعہ اثبات الہدیٰ نامی کتاب میں لکھتے ہیں کہ جب میں مشہد مقدس میں آ چکا تھا اور جس زمانے میں مشہد مقدس میرا وطن تھا اس زمانے میں ایک رات میں سویا تھا خواب میں دیکھا کہ لوگ مشہد سے نکل نکل کر باہر جا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ تو

لوگوں نے بتایا کہ آج زمانے کے امامؑ آئے ہیں اور مشہد کی مغربی جانب جو باغ ہے اس میں امامؑ تشریف فرما ہیں امامؑ کی آمد کی میں نے خبر جو سنی تو میں بھی باہر نکلا اور اس مجمع کے ساتھ چل کر امامؑ کے پاس پہنچا لیکن بہت سارے لوگ آ رہے تھے۔ باغ کے اندر لوگ موجود تھے۔ اس باغ کے درمیان میں ایک مکان بنا ہوا تھا اس میں ہر ایک کو جانے کی اجازت نہیں مل رہی تھی صرف چند لوگوں کو غلام اندر جانے کی اجازت دیتا تھا۔

خیر میں بھی گیا اجازت طلب کی مجھے اجازت دے دی گئی، میں باغ کے اندر داخل ہو گیا، میں نے دیکھا امامؑ کو پہچان لیا ہم سب کے سب وہاں بیٹھے تھے کہ اتنے میں کھانا آ گیا میں نے دیکھا کہ یہ کھانا تو بہت ہی کم لگ رہا ہے مشکل سے ایک آدمی کا پیٹ بھر سکتا ہے اور یہاں اتنی کثیر تعداد میں لوگ بیٹھے ہیں لیکن عجیب برکت تھی اس کھانے میں ایک مرتبہ کھانا جو کھایا تو اتنا لذیذ کھانا میں نے ساری زندگی میں کبھی نہیں چکھا تھا اور اتنی برکت ہوئی کہ سب نے کھانا کھایا اور پھر اتنا ہی واپس چلا گیا جتنا آیا تھا شیخ حرؔ عاملیؒ نے کہا کہ اس کے بعد میں نے جاننا چاہا کہ لوگ کتنے ہیں، میں نے دیکھا فقط چالیس تو ایک مرتبہ میرے دل پہ مایوسی چھانے لگی پھر میں نے امامؑ سے کہا کہ فقط یہ چالیس آپ کے مددگار ہیں؟ امامؑ نے مسکرا کے کہا کہ انہیں کم نہ سمجھو ان میں سے ہر ایک ایسا ہے کہ اگر میں حکم دوں تو میرے حکم کی خاطر وہ اکیلا ساری دنیا کو قتل کرنے کے لیے نکل کھڑا ہو۔ تعداد کم ہے مگر ان کا حوصلہ بہت زیادہ ہے۔

آج الحمد للہ حزب اللہ کی صورت میں مولاؑ کی فوج لبنان میں موجود ہے۔ شام کا دفاع کر رہی ہے حرم پاک کا دفاع کر رہی ہے اور الحمد للہ، الحمد للہ اُن کا حوصلہ ایسا ہی ہے ایک ایک جوان سینکڑوں پر بھاری ہے۔ تعداد کم ہے مگر ان کا حوصلہ بہت بلند ہے، خیر اس کے بعد فرماتے ہیں کچھ اور ہماری گفتگو ہوئی اور پھر امامؑ آرام کے لیے اپنے کمرے میں تشریف لے گئے تو ہم سب کے سب لوگ باہر آئے جب ہم باہر آئے تو میں باغ میں چل رہا تھا تو ایک مرتبہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا۔ کہ میں امامؑ کے پاس گیا اور باہر آ گیا لیکن آج امامؑ نے مجھے کچھ عطا نہیں کیا آج امامؑ نے مجھے کوئی تحفہ نہیں دیا بس یہ خیال آتے ہی میں پلٹ کے اس دروازے کے قریب آ کر بیٹھ گیا کہ جہاں امامؑ تشریف فرما تھے اور میں ابھی بیٹھا ہی تھا کہ یکا یک دروازہ کھلا غلام باہر آیا اس کے ہاتھ میں ایک لباس تھا وہ لباس لا کر مجھے دیا کہ امامؑ نے یہ تمہارے لیے بھجوایا ہے اور تمہاری کامیابی کی دعا کی ہے اور کہا کہ ابھی تم سے ایک بہت بڑا کام لینا ہے خود کہتے ہیں۔ کہ آنکھ کھلی تو وہ لباس بھی میرے پاس موجود تھا۔

شیخ حر عاملیؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مشہد میں سو رہا تھا میں نے خواب کی حالت میں دیکھا کہ جیسے میں امامؑ کے سامنے پہنچ گیا ہوں امامؑ کو سلام کیا امامؑ نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا مولا مجھے چار مسئلے آپ سے پوچھنا ہیں کہا کاغذ پر لکھ کر لاؤ نیچے میں جواب تحریر کروں گا اور میں نے وہ کاغذ پر لکھ کر امامؑ کی خدمت میں پیش کیے تو میں نے دیکھا کہ امامؑ نے وہ لے کر ان چاروں کا جواب لکھا۔

اسی طرح ایک اور واقعہ یہ نقل کرتے ہیں امامؑ سے ملاقات کے واقعات تو بہت سارے ہیں مگر میں وہ واقعات رقم کر رہا ہوں جو ان کی زندگی میں کوئی خاص اہمیت رکھتے ہیں شیخ حر آملیؒ کہتے ہیں۔ یہ مشہد مقدس کا واقعہ ہے ایک مرتبہ میں سویا خواب میں پھر ملاقات میری امامؑ سے ہوگئی میں نے امامؑ کو دیکھا تو سوال کر لیا کہ مولا آپ کے ظہور کا وقت کون سا ہے آپ کے ظہور کی تاریخ کیا ہے؟ امامؑ نے فقط اتنا جواب دیا یہ خدائی راز ہے بس یقین رکھو کہ ہمارے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے۔ لیکن اس کی صحیح تاریخ ہم کسی کو نہیں بتا سکتے ہیں۔ اس وقت میرے ذہن میں بہت سوال تھے لیکن اس سے پہلے کہ میں امامؑ سے کچھ کہتا ایک ایک کر کے امامؑ جواب دینے لگے تیرے پہلے سوال کا یہ جواب ہے تیرے دوسرے سوال کا یہ جواب ہے تیرے تیسرے سوال کا یہ جواب ہے۔

یہ ہماری تاریخ کے وہ عالم ہیں جنہیں عجیب انداز سے امامؑ کی طرف سے تحفے ملے ہیں۔ انھیں امامؑ کی طرف سے سوالات کے جوابات ملے اب امامؑ سے باقاعدہ خط و کتابت ہوئی اور انھوں نے امامؑ سے وقت ظہور کے بارے میں بھی سوال کر لیا ورنہ یہ ہمت بہت کم لوگوں کو ہوتی ہے۔ آپ تاریخوں میں دیکھیں کتنے ہی ایسے علماء کے حالات ملیں گے کہ جن کی امامؑ سے ملاقات ہوئی ایک مرتبہ امامؑ کو دیکھا اتنا رعب طاری ہوا کہ امامؑ کے جلال کو دیکھ کر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ بڑے بڑے علماء کے ساتھ یہ ہوا۔ یہ شیخ حر عاملیؒ کی عظمت ہے کہ مسلسل ان کی زمانے کے امامؑ سے ملاقات ہوتی رہی۔ کئی بار ہوئی لیکن وہ کون سا کام تھا جس کا تذکرہ اس دن امامؑ نے اپنے غلام سے کروایا۔ جب ان کو خلعت اور لباس بھجوایا تھا اور فرمایا کہ یہ لباس لے لو اور عنقریب تم سے بہت بڑا کام لیا جانے والا ہے اب پتہ نہیں وہ کون سا کام تھا۔ امامؑ ہی نے انہیں حکم دیا یا خود سے انہوں نے کام شروع کیا لیکن اتنا عظیم کام کیا ہے شیخ حر عاملیؒ نے مجتہد بننے کے بعد انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے وسائل الشیعہ کے نام سے یہ چھ جلدوں پر مشتمل کتاب ہے۔ وسائل شیعہ کتاب لکھنے میں آپ کے ستره سال صرف ہوئے۔

یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ آج تک اور آج سے لے کر ظہور امام تک ایسی بابرکت ہے کہ کوئی مجتہد اس کے بغیر اجتہاد کر نہیں سکتا ہے اور فتویٰ دے نہیں سکتا ہے یہ عظیم ترین شخصیت ہے شیخ حرعاملیؒ کی کہ ۳۷۰ سال سے جتنے مجتہد گزرے ہیں چاہے وہ موجود دور کے ہوں یا ان کے زمانے کے فوراً بعد، کے سب کے سب ان سے استفادہ کر رہے ہیں سب کے سب ان کے احسان مند ہیں۔

سترہ سال کی محنت کے بعد یہ کتاب انہوں نے لکھی ہے دین اہل بیتؑ کے اور دین خدا کے یقیناً محسن ہیں جنہوں نے سترہ سال کی محنت میں دنیا کی ہر نعمت کو اپنے اوپر حرام کر کے دین کی خدمت کی۔ سن ۱۱۰۴ھ شہر طوس آج کا مشہد مقدس ۷۱ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ ظاہری اعتبار سے اس دنیا سے رخصت ہو گئے مگر اس کتاب کی صورت میں ایک ایسا احسان کر گئے شیعیت کے اوپر کہ رہتی دنیا تک شیعیت ان کے اس احسان کو مانتی رہے گی اور تسلیم کرتی رہے گی۔ آپ اُن خوش نصیب ترین میں سے ہیں جن کو مرنے کے بعد بھی عظمت سے نوازا گیا آپ کا مدفن مشہد حرم امام رضا علیہ السلام کے صحن امام خمینیؒ میں ہے۔

☆☆☆

بسم تعالیٰ

آخوند مُلاّ محمد باقر مجلسیؒ

۱۰۳۷ھ - ۱۱۱۱ھ

آخوند خراسانیؒ خواب کے عالم میں کسی مکان پر پہنچے پھر جب کمرہ کا دروازہ کھولا گیا تو اس میں داخل ہوتے ہی ان کی نظر پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ اطہارؑ کے رخسار و چہرہ نورانی پر پڑی جو ایک ہی صف میں تشریف فرما تھے، سلام عرض ارادت کے بعد، حضرت صاحب الامرؑ نے جو آخر میں تشریف فرما تھے ان کی تعظیم اور احترام کرتے ہوئے اپنے پاس بٹھایا، اتنے میں دروازہ کھلا اور محمد تقی مجلسیؒ عرق گلاب کی بوتل لیے ہوئے اندر آئے پہلے آنحضرتؐ اور آئمہؑ کے دست مبارک پر اس کے بعد آخوند خراسانی پر گلاب پاشی کی اور باہر چلے گئے۔ چند ہی لمحوں کے بعد وہ پھر کمرے میں داخل ہوئے۔ مگر اس طرح کہ ان کی بغل میں ایک نومولود کپڑے میں لپٹا ہوا تھا۔ وہ آنحضرتؐ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کر کے بولے، کہ یا رسول اللہؐ اس بچے کے لیے دُعا فرمائیں کہ خدا اسے دین اسلام کے مروجین میں قرار دے، آنحضرتؐ نے اس بچے کے توشک (توشک، گرم کپڑا جس میں بچے کو لپیٹا گیا تھا) کو پکڑ کر دُعا کی اور پھر اسے امیر المومنینؑ کے حوالے کر کے کہا کہ اس کے حق میں دُعا کیجئے بعد میں تمام آئمہ اطہارؑ بچے کو علی الترتیب ایک دوسرے کے سپرد کرتے گئے یہاں تک کہ حضرت ولی العصرؑ کی باری آئی، آپؑ نے دُعا کے بعد بچے کو آخوند خراسانیؒ کو سونپ کر کہا اس کے حق میں دُعا کرو چنانچہ آخوند خراسانیؒ نے بھی حضرتؑ کے حکم پر اس بچے کے توشک کو پکڑا اور دُعا کی۔

آخوند خراسانیؒ کے ہونٹوں پر دُعا جاری تھی کہ آنکھ کھل گئی گلاب کی خوشبو ان کے مشام میں بسی ہوئی تھی۔ آئمہ اطہار علیہم السلام کی دعاؤں کی آواز کان میں آ رہی تھی اور ان کے نورانی چہرہ کا تصور آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا تھوڑی دیر بعد سکون ہوا، دل ٹھہرا اپنے عزیز دوست ملا محمد تقی مجلسیؒ کی محبت نے جوش مارا انہوں نے سمجھ لیا کہ خداوند کریم نے انہیں گرانبہا موتی عنایت کیا ہے۔ جسے پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ اطہارؑ کی تائید حاصل ہے۔

وہ عراق کی زیارت سے مشرف ہو کر واپس آ رہے تھے، انہوں نے طے کیا کہ پہلے مشہد مقدس جائیں گے، پھر اصفہان جہاں مجلسیؒ رہتے تھے تاکہ اپنی آنکھوں سے ان کی زندگی میں آئے ہوئے اس عظیم تغیر کو ملاحظہ کریں اور خود گواہ ہو سکیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ وقت آ گیا کہ جس چھوٹے سے قافلہ میں آخوند خراسانیؒ شریک تھے وہ شہر اصفہان سے نزدیک

ہونے لگا اور ہر لمحہ، باغ، چمن، مساجد کے بلند منارے یکے بعد دیگرے سامنے آ کر اپنا اپنا جلوہ دکھانے لگے، آخوند خراسانیؒ کے لباس میں اب بھی ضریح وحرم آئمہ اطہارؑ کے عطر کی خوشبو بسی ہوئی تھی۔ انہوں نے خود کو ایسے شہر میں پایا جو اس زمانے میں خوبصورت پکی سڑکوں، محلات، مساجد و بزرگ مدارس علمیہ کی وجہ سے بلند پایہ عظمت کا مالک تھا۔ بالآخر اصفہان کی گلیوں، بازاروں اور سڑکوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے وہ محلہ مسجد جامع میں پہنچ گئے۔ جیسے ہی محمد تقیؒ کے مکان پر پہنچے تقی مجلسیؒ اپنے دیرینہ ومحبوب دوست کے استقبال کے لیے باہر آ گئے دونوں بغلگیر ہوئے اور محبت ولطف نے دونوں کو خنداں ومتبسم کیا۔ مگر مجلسیؒ کی آنکھوں میں سرور وشادمانی کی پریاں ناچ رہی تھیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اخوند خراسانیؒ کی آمد سے ایک ساعت پہلے ہی انہیں فرزند نرینہ عنایت فرمایا تھا ایسے موقع پر انہوں نے آخوند خراسانیؒ جیسے فاضل ومتقی کی زیارت عتبات مقدس سے لوٹ کر آنے کو موجب خیر وبرکت جانا اور اسے فال نیک قرار دیا۔

مجلسیؒ بڑی انکساری کے ساتھ اپنے دوست کو اوپر لے آئے اور تھوڑی دیر تک خیر مقدم واحترام ومحبت کا اظہار کر کے چلے گئے واپس آئے تو گلاب کی بوتل لیے ہوئے اسے آخوند خراسانیؒ کے ہاتھوں پر چھڑکا اور پھر باہر نکل گئے اب جو آئے تو ایک نومولود کو گود میں لیے ہوئے تھے بچے کو آخوند خراسانیؒ کی آغوش میں ڈال کر کہا کہ یہ نونہال آج ہی دنیا میں آیا ہے میری استدعا ہے کہ آپ اس کیلئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے اسلام کے مبلغین ومروجین میں قرار دے آخوندؒ نے بچے کے لیے دعا کی اس کے بعد وہ خواب بیان کیا جو انہوں نے زیارتوں سے پلٹتے وقت دیکھا تھا۔ اور سفارش کی کہ اس بچہ کی تعلیم وتربیت میں کوتاہی نہ ہونے پائے کیوں کہ اس کی پیشانی پر جو نور دمک رہا ہے وہ وہی نور ہے جو پیغمبرؐ وآئمہ اطہارؑ کی دعا سے ظہور میں آیا ہے۔

یہ خواب سن کر اور تعبیر کو حقیقت کے روپ میں دیکھ کر بچے سے 'محمد تقی مجلسیؒ کی محبت اور بڑھ گئی انہوں نے اپنے دوست کے خواب کو آئمہ اطہارؑ کے مرقد مطہر سے اپنے لیے لائی ہوئی بہترین سوغات سمجھا۔

پہلی دلنشیں آواز جس نے اس بچے کو باہر کی دنیا سے آشنا کیا وہ اذان واقامت کی صدا تھی۔ اس کی مادر گرامی کا مہر محبت سے پُر دامن جو خود ہی علم وفضیلت کے خانوادہ میں پلی بڑھی تھیں اس کے درس کی پہلی جماعت ٹھہرا، والد نامدار کو خاندان عصمت وطہارت سے جو عشق وتعلق تھا، اس نے بچے کا نام محمد باقر رکھنے پر اُکسایا، انہوں نے بچے کی ماں کو ہدایت کی کہ اسے پاکی وطہارت کے ساتھ دودھ پلائے۔

محمد باقر مجالس عزائے اہلبیتؑ و ماتم حسینؑ کے ماحول میں اپنی ماں کی چھاتی سے دودھ پیتے تھے ایسا دودھ جو اشک عزائے اہلبیتؑ کے ہمراہ انہیں دیا جاتا تھا۔ اس عمل نے ان کی سرشت میں محبت اہلبیتؑ کو گھول دیا اور ان کے دل میں حضرت علیؑ کے خانوادہ عنبرین کے عشق نے جگہ بنالی وہ اپنی ماں کی آغوش میں ورق سادہ یا لوح سفید جیسے تھے۔ جس پر پہلی بار عفت و پاکدامنی کے قلم سے ولایت و تعبد کی نورانی تحریر جلوہ گر ہو رہی تھی۔ آنے والے کل میں ماں کے ہاتھ کی جنبش و حرکت سے گہوارے میں اس کی نشو و نما ہوتی رہی اور قرآن کی دلنشین آواز سے اس کی شخصیت کی تشکیل ہونے لگی، شیر خواری کے دوران اسے پاک و عابدہ و زاہدہ ماں کا دامن ملا اس کے بعد عالم فاضل باپ کی سرپرستی ہوئی۔

محمد باقرؒ مسائل دینی سے آگاہ عابدہ عورتوں کی گود اور حلقہ میں رہے۔ یہی نہیں بلکہ محمد باقرؒ مسائل دینی سے آگاہ ایسی عابدہ عورتوں کی گود اور حلقہ میں رہے جنہوں نے اپنے زمانے کے بزرگوں سے فضیلت کا حصول کیا تھا۔

ان کی بہن آمنہ بیگم ایک افضل و پارسا خاتون تھیں۔ جن کا شمار نابغہ روزگار خواتین میں ہوتا تھا۔ وہ علم و دانش اور فقہ کے اُصول و مبانی پر اس قدر عبور رکھتی تھی کہ ان کے شوہر ملا صالح مازندرانی جو اپنے عہد کے صف اوّل کے علماء و مدرسین میں گنے جاتے تھے۔ ان سے قواعد کے مشکل مسائل دریافت کرتے تھے اور وہ انہیں حل کیا کرتی تھیں' ان کی دادی جان کی قناعت، سادگی، زہد و پارسائی زبانزد خاص و عام تھی اور سبھی ان کا احترام کرتے تھے۔

ایک بار ملا محمد باقر مجلسیؒ کے دادا ملا مقصود علی کو ایک سفر پر جانا پڑا وطن سے نکلنے سے پہلے وہ اپنے دونوں بیٹوں مجلسی کے والد اور چچا کو علامہ بزرگ ملا عبداللہ شوستری کے پاس لے گئے تاکہ ان کی غیر موجودگی میں بچے ان بزرگوار سے استفادہ علمی کرتے رہیں۔ استاد شوشتری کے پاس قیام کے دوران عید کا دن آیا، استاد نے تین تومان مجلسیؒ کے والد کو دیئے تاکہ اپنی ضرورت پوری کریں۔ مگر انہوں نے استاد کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا:

میں اپنی ماں کی اجازت حاصل کئے بغیر اسے خرچ نہیں کر سکتا، جب گھر پہنچے اور ماں سے اجازت چاہی تو محمد باقر مجلسیؒ کی دادی نے بیٹے سے کہا کہ تمہارے باپ کی کل آمدنی ۱۴ غازبگی ''سکہ رائج الوقت'' ہے اور ہم نے اس رقم میں زندگی بسر کرنے کی عادت ڈال لی ہے۔ اگر ہم اس کو بدل دیں گے تو پھر مجبور ہوں گے کہ اس کے بعد اپنی حاجت کے لیے تمہارے استاد ملا عبداللہ شوشتری یا ان کے علاوہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں، جو میرے لیے ناپسندیدہ بات ہے۔ جب ملا محمد تقی مجلسیؒ نے رقم اپنے استاد کو لوٹائی اور اس کا سبب بیان کیا تو ملا عبداللہ نے ان کی ماں کے فضل و قناعت سے بہت

خوش ہوئے اور محمد باقر کی دادی کے حق میں دُعا فرمائی۔

کبھی کبھی خدا کے بندے دنیا کی ہاؤ ہو اور شور و تلاطم کے درمیان دعا کے سجادے پر بیٹھ کر خود کو ایسا محسوس کرتے ہیں۔ جیسے وہ کسی ننھی منھی کشتی پر آرام سے بیٹھے ہوں اور ذکر الٰہی و عبادت کی نسیم انہیں دوسری دنیا میں لے جا رہی ہو۔ بادلوں کو چیرتی ہوئی وہ کشتی لطافت و خوبصورتی کی طرف کھینچی چلی جاتی ہے۔ محمد باقرؒ کے والد جو صاحب کرامات اور بلند پایہ عارف تھے۔ اکثر و بیشتر ہمیشہ صحیح و روحانی خواب دیکھتے اور اسے ربانی الہام سمجھتے تھے۔ خود انہی کا بیان ہے کہ ایک رات تہجد کی نماز سے فراغت کے بعد مجھ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اس وقت جو بھی دُعا کروں گا مستجاب ہو گی۔ مگر ساتھ ہی اس فکر میں بھی پڑ گیا کہ دنیاوی امور کے لیے دُعا کروں یا آخرت کے بارے میں؟ اسی وقت گہوارے سے محمد باقرؒ کی صدائے گریہ بلند ہوئی تو میں نے فوراً بارگاہِ ربُّ العزت میں ہاتھ اُٹھا دیا اور کہا:

خدایا بحق محمدؐ و آل محمد علیہم السلام اس بچے کو احکام سید الانبیاءؐ کا ناشر دین کا مروج قرار دے اور اسے اپنی تمام توفیقات سے بہرہ ور فرما!

والد ماجد کی خندہ پیشانی' اور ہر کس و ناکس کے لیے ان کے دروازے کا کھلا رہنا لوگوں کو حوصلہ دیتا تھا کہ ان کے پاس جا کر فیض یاب ہوں اور اپنے سوالات و مشکلات کو ان بزرگوار کے سامنے رکھیں اور ان کی مسیحا نفسی سے حیات تازہ پائیں، غلط و صحیح میں امتیاز کر سکیں۔ محمد باقر زیادہ تر اپنے والد کے پاس ہی رہتے تھے۔ مطالعہ و درس کے ساتھ ساتھ لوگوں کی مشکلات و ضروری مسائل و ان کی ذہنیت سے وقفیت حاصل کرتے تھے اور والد کے دیئے ہوئے جوابات کو اپنے مضبوط حافظے میں رکھتے جاتے تھے وہ خود کہتے ہیں:

مجھے یاد ہے کہ ایک دن کوئی شخص ہانپتا کانپتا، خوفزدہ حالت میں میرے والد کے پاس آیا اور کہا کہ کل رات میں نے خواب میں ایک سفید شیر دیکھا جس کی گردن میں کالا ناگ لپٹا ہوا تھا، دونوں نے مجھ پر حملہ کیا وہ مجھے مار ڈالنا چاہتے تھے، میرے باپ نے کہا کہ کیا کل رات تم نے پنیر اور انار کا رس استعمال کیا تھا؟ اس آدمی نے حامی بھری، تو فرمایا کہ تم کو کچھ نہیں ہو گا تیرا خواب انہی دونوں چیزوں کا اثر ہے جو تو نے کھائی تھیں۔

ان کے والد نے اپنی تمام عمر ریاضت مجاہدہ نفس و تہذیب اخلاق و عبادت ترویج حدیث اور لوگوں کی حاجت روائی اور ان کی راہنمائی میں گزار دی۔ ان کی بلند ہمتی سے شیعہ شہروں میں احادیث اہل بیتؑ نے رواج پایا اور اس کے نور

ہدایت سے بہت سے گروہ فیضیاب ہوئے لیکن وہ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو صرف قلم و بیان تک محدود رہتے ہیں اور اپنے آپ کو کتاب خانہ و مسجد میں محصور کر لیتے ہیں بلکہ وہ عوام کے درمیان جاتے اور بڑی تواضع وانکساری سے ان کی بات سنتے جو مختلف نظریات کی حامل اور باہم کافی متفاوت ہوتی تھیں، نیز جب بھی فرصت ملتی ان کی محافل و مجالس میں شرکت بھی فرماتے تھے۔

عقائد شیعہ کا دفاع اور لوگوں کی راہنمائی کرتے تھے۔ ننھے منے محمد باقر نے اپنے لیے اس کمسنی میں والد کی سرگرمیوں، حرکات و سکنات کو نمونہ اور تختۂ مشق بنایا اور معاشرہ میں قدم رکھنے اور زمانے کی اونچ نیچ کا سامنا کرنے سے پہلے ہی انہوں نے عوام اور ان کے مسائل سے نمٹنے کے لیے صحیح راستہ دریافت کر لیا۔

وہ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میرے والد کے ایک دوست نے آ کر اپنے پڑوسی کی شکایت کی اور کہا کہ یہ شخص پوری ٹولی کے ساتھ رات سے صبح تک شراب نوشی اور لہو و لعب میں مشغول رہتا ہے۔ ملا محمد تقی مجلسیؒ نے اس سے کہا کہ ایسا کرو کہ آج رات کو اپنے یہاں اس پڑوسی اور اس کے ہمراہیوں کو کھانے کی دعوت دے دو، میں بھی آؤں گا۔ ملا محمد تقیؒ کے دوست نے بلا چوں و چرا یہ مشورہ مان لیا اور ان لوگوں کو ڈھونڈنے چلا گیا، ان کے سردار نے دعوت کو قبول کرتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ ایسا کیا ہو گیا کہ تم ہمارے گروہ میں آ گئے؟ میزبان کچھ نہ بولا! اور گھر لوٹ آیا، کھانے کا بندوبست کیا۔

جب رات ہو گئی تو ملا محمد تقیؒ دیگر مہمانوں سے پہلے آ کے اپنی جگہ پر بیٹھ گئے، جب مہمان لوگ گھر میں داخل ہوئے اور ان کی نگاہ ملا محمد تقی پر پڑی تو تعجب میں ڈوب گئے۔ ان کے سردار نے ایک روحانی کی موجودگی کو عیش و ناؤ نوش میں مانع جانتے ہوئے کوشش کی کسی حیلے بہانے سے ان کو ہٹا دے اس لیے محمد تقی سے مخاطب ہو کر کہا: کہ بتاؤ کہ: ''تمہاری عادت اچھی ہے یا ہم جو کرتے ہیں وہ بہتر ہے۔''

ملا محمد تقی مجلسیؒ نے نہایت میٹھے لہجے میں کہا کہ: یہ اچھی بات ہے کہ ہم میں سے ہر کوئی اپنی عادتوں کو بیان کرے اس کے بعد فیصلہ کیا جائے گا۔ سردار! ان کے نرم لہجے و مہذب انداز گفتگو سے خوش ہوا کیوں کہ اس نے تو سخت لہجہ اختیار کیا تھا۔ وہ بولا کہ یہ اچھی بات ہے پھر چپ ہو گیا' اور چند لحظہ بعد بولا کہ: ہمارے اوصاف میں سے ایک وصف یہ ہے کہ جب کسی کا نمک کھا لیتے ہیں تو اس سے غداری اور خیانت نہیں کرتے۔

تب ملا محمد تقیؒ نے مناسب موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا کہ: تم نے جو بات کہی وہ مجھے تسلیم نہیں ہے لیکن سردار نے کہا یہ تو ہمارے گروہ کے مسلمہ اصولوں میں سے ہے۔ ملا محمد تقی مجلسیؒ نے اپنی نورانی نظروں سے پہلے انہیں ٹٹولا اور خاموش ہو گئے۔ پھر اپنی عیسیٰ نفسی کو کام میں لاتے ہوئے گویا ہوئے۔ تم نے اب تک اللہ کا نمک کھایا ہے؟ ملا محمد تقی مجلسیؒ کے اس جملے نے ان کے غرور و بغاوت کی دہکتی ہوئی آگ پر ٹھنڈے پانی کا کام کیا۔ ان کا سر جھک گیا اور پوری مجلس پر خاموشی طاری ہو گئی۔ سب کی پیشانی پر خجالت کا رنگ جھلکنے لگا، ہر ایک کی نظریں نیچی ہو گئیں اور بغیر کچھ کہے سنے ایک ایک کر کے سبھی گھر سے باہر چلے گئے، بیچارہ میزبان یہ سب دیکھ رہا تھا اس کے پورے جسم میں سنسنی دوڑ گئی' ملا محمد تقیؒ کے پاس آ کر بولا: آقا یہ تو بدتر ہو گیا، ملا محمد تقیؒ نے کہا صبر کرو، دیکھو آگے کیا ہوتا ہے۔ اور چند لمحوں کے بعد ملا محمد تقی مجلسیؒ بھی اپنے گھر لوٹ آئے۔ صبح تڑکے کسی نے ملا محمد تقی کا دروازہ کھٹکھٹایا جب انہوں نے دروازہ کھولا تو کیا دیکھا کہ رات والی ٹولی کا سردار کھڑا ہوا ہے' اس نے فوراً ملا محمد تقی مجلسیؒ کو سلام کیا اور کہا:

کل رات آپ کی بات نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے غسل کیا اور توبہ کی اب آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ مجھے دینی مسائل کی تعلیم دیں۔ ملا محمد تقی مجلسیؒ مسکرائے' کشادہ روئی سے اس کا استقبال کیا اور اس کی خاطر تواضع فرمائی۔

صبح کو اذان کی صدا و تلاوت قرآن کی آواز اس بچے کو خواب سے بیدار کرتی تھی۔ اس کے اردگرد جو بھی وسائل روزانہ نظر آتے تھے۔ سب ہی میں بوئے صداقت و پاکبازی تھی۔ وہ کتابوں کے اوراق اُلٹتا، اپنی ننھی ننھی انگلیوں سے قلم پکڑتا اور کچھ کلمات لکھتا رہتا' ایسا کہ تم کہو گے کہ وہ ایک عظیم کام کے لیے بے تابی کا اظہار کرتا تھا۔

درس و بحث کا سلسلہ اپنے والد کے حضور میں چار سال کی عمر میں شروع کیا۔ اس عمر میں وہ خدا کی شناخت رکھتا تھا۔ دوزخ و جنت کے مفہوم سے واقف تھا۔ نماز شب پڑھتا تھا اور نماز صبح کو با جماعت ادا کرتا تھا اور اپنے دوست کم سن بچوں کو اکثر ان آیات و احادیث کے حوالہ سے نصیحت کرتا تھا۔ جو اس نے اپنے باپ سے سیکھی تھیں۔ اس کے دو بڑے بھائی ملا عزیز اللہ و ملا عبداللہ کی کوشش و محنت بھی اس میں شامل تھی۔ کیونکہ اس سن و سال میں بھی اس بچے کی پیشانی پر فضل و علم کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ اسی طرح گھر میں اس کے عالم و فاضل بہنوئیوں خصوصاً ملا صالح مازندرانی اور بہن آمنہ بیگم کی آمد و رفت یہ سب اس کی شخصیت کی تشکیل میں شامل تھیں لیکن محمد باقر کی تربیت و فکری ارتقاء و رشد کا بھاری بوجھ ان کے والد کے شانوں پر تھا۔ جو جامع مسجد اعظم اصفہان کی امامت جمعہ کی ذمہ داری بھی سنبھالے ہوئے تھے۔

کون باپ؟ پہلا شخص جس نے صفوی حکومت کے قیام کے بعد شیعہ احادیث کو نشر کرنا شروع کیا اور شیعہ احادیث کو اکٹھا کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ اہلبیتؑ کے کلام سے محبت کے تخم اور تشیع کے قیمتی ورثہ کی حفاظت کی لگن نے اسی زمانے میں محمد باقرؒ کے دل میں پھولنا پھلنا شروع کر دیا اور ان کے مستقبل کے طریقہ کار پر اس کی چھاپ بیٹھ گئی۔ دن رات گزر رہے ہیں ایک فصل چلی جاتی ہے تو دوسری آجاتی ہے لیکن اسے نہ تو سردی نہ گرمی، نہ وقت کی اونچ نیچ، نہ ہی زمانہ کے حوادث اس کی منتخب کردہ رائے سے باز رکھ پاتے ہیں۔

چنانچہ اس کے علم و معرفت کا شہرہ علم کی جستجو کرنے والوں میں بڑھتا گیا اور کوچہ و بازار کے لوگوں کی زبان پر ان کا نام چڑھ گیا۔ وہ خود موٹی موٹی کتابیں بغل میں دبائے متانت و وقار کے ساتھ ایک اُستاد سے دوسرے استاد کے محضر میں جاتے تھے اور ہر جگہ ان کے ساتھ اہلبیتؑ کے عاشق کی دُعائے خیر ہوتی تھی۔

انہوں نے تھوڑی ہی مدت میں ایک کے بعد دوسرے مراحل علم کو طے کر لیا۔ اس طرح کہ جوانی ہی میں ان کے چہرہ سے ذہانت کی نورانیت مترشح ہوتی تھی۔ جو بھی ان کو دیکھتا تھا ان کے روشن مستقبل کی پیش بینی کرتا تھا۔ ان کی فطانت و ذہانت کا حال یہ تھا کہ چودہ سال کی عمر میں اسلام کے عظیم فلسفی ملا صدرا سے اجازہ روایت حاصل کر لیا اور پھر اپنے دیگر اساتذہ جیسے علامہ حسن علی شوستری، امر محمد موسی استر آبادی، مرزائے جزائری، شیخ حر عاملی، ملا محسن استر آبادی ملا محسن فیض کاشانی، ملا صالح مازندرانی کی مجلس درس میں زانوئے ادب تہہ کر کے علم و معرفت کے ہر خرمن سے خوشہ چینی کی۔ علم کی تشنگی نے ان کا صبر و قرار چھین لیا تھا حتیٰ کہ نامور اساتذہ کی مجلس درس بھی ناقابل رفع تشنگی کو دور نہ کر پاتے تھے۔ ہر حجرہ و مدرسہ کے ہر کونے میں، بلکہ جہاں بھی کسی صاحب نظر و مجتہد کو پا جاتے تھے۔ اخلاص و تواضع کامل کے ساتھ ان کے شاگرد بن جاتے تھے۔ اس کوشش اور انتھک لگن کے صدقہ میں انہیں اکیس سے زائد استاد ملے اور ان کے مختلف افکار و عقائد سے انہوں نے استفادہ کیا۔ ساتھ ہی ان کی نظروں میں محترم و معزز بھی ہوئے۔ اس دوران بھی وہ دیگر جوان طلباء کی طرح زیادہ تر علم و تقویٰ کا ذخیرہ کرنے میں لگے رہے تا کہ بعد میں اپنے نظریہ کا اظہار کر سکیں۔

زیادہ زمانہ نہیں گذرا کہ اس نے صرف ونحو معانی و بیان، اصول و فقہ و کلام جیسے تمام علوم حاصل کر لیے۔ علم آموزی کے تعلق سے وہ نہ بجھنے والی پیاس رکھتا تھا اگرچہ اس نے عنوان شباب ہی میں حوزہ علمیہ کے صف اوّل کے اساتذہ میں جگہ بنالی تھی۔ منبر پر جا کر ہر درس کو اپنے خوبصورت انداز میں دلیل و برہان کے ساتھ پڑھایا کہ شاگردوں کو گمان ہو جاتا کہ

استاد نے اس فن میں اپنی پوری عمر گزاری ہے۔

اس کا اجتہاد درس دوسرے شہروں کے سینکڑوں طلبہ کو حوزہ علمیہ اصفہان کی طرف کھینچ لاتا تھا۔ وہ اصفہان جو اس زمانے میں تشیع کا مرکز مانا جاتا تھا۔ جو طلبہ اصفہان آتے ہیں ان کے درس کا سراغ لگانے میں مشغول ہو جاتے تھے۔ وہ مدرسہ عبداللہ میں نماز جماعت پڑھاتے تھے اور درس دیتے تھے مگر اپنے والد کے بعد مسجد جامع موندان میں نماز و درس میں مشغول ہوگئے۔ جامع موندان جوان طلاب سے پُر ہو جاتی تھی جو اس کے نور و علم معرفت سے اپنے دِلوں کو جلا دینے کے متمنی ہوتے۔ ایسوں کی تعداد ہزار تک پہنچ جاتی تھی۔ سید نعمت اللہ جزائری بھی اسی زمانہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ حوزہ علمیہ اصفہان میں علوم دینی کی تحصیل کی غرض سے تشریف لائے تھے وہ فرماتے ہیں: اگرچہ وہ جوان تھے مگر جملہ علوم میں اتنا نفوذ پیدا کرلیا تھا کہ اس زمانے کا کوئی عالم ان کے درجہ تک نہیں پہنچ سکا۔ جب وہ مسجد جامع اصفہان میں موعظہ کرتے تھے تو ان سے فصیح تر خوش بیان واعظ ہماری نظر میں نہیں آتا تھا۔ وہی حدیث جس کا ہم رات میں مطالعہ کرتے صبح کو جب ان سے سنتے تو وہ اسے ایسے انداز میں بیان کرتے کہ لگتا جیسے ہم نے اسے پہلے کبھی سنا ہی نہ تھا۔

ان کی تواضع و بزرگواری ایسی تھی کہ حوزہ کے بہت سے بزرگ صرف اپنی ارادت کے اظہار اور جوان طلاب کو علامہ مجلسیؒ کی جلالت قدر بتانے کی خاطر ان کے درس میں حاضر ہوا کرتے تھے، مثلاً شیخ محمد فاضل اگرچہ خود مجلس، درس و مباحثہ رکھتے تھے۔ علامہ کے حلقہ درس میں شامل ہوتے اور عملی طور پر طلاب کو انکساری کا سبق سکھاتے تھے۔ خود علامہ کا یہ حال تھا کہ شاگردوں سے کہتے تھے میں ان سے جو فائدہ اٹھاتا ہوں، وہ زیادہ ہے اس فائدہ سے جو وہ مجھ سے اٹھاتے ہیں۔

علامہ ایک باریک بین و موشگاف فلسفی و صاحب نظر تھے۔ درس و بحث میں ان کا شیوہ یہ تھا کہ صرف اپنے آپ پر انحصار کرتے تھے۔ اس طرح کہ اولاً مختلف فرقوں اور مکاتب کا تعارف ان ہی کے دلائل کے ذریعہ شاگردوں سے کرتے اور پھر اپنے مستحکم استدلال و حسن کلام سے کام لے کر ان کے عقائد و افکار کو باطل کرتے تھے۔ ان کی مثال سر منبر ایک شمع فروزاں کی تھی جو جل رہی تھی اور طلاب کا عالم یہ تھا کہ پروانوں کی طرح ان سے نزدیک پہنچنے میں ایک دوسرے پر سبقت کی کوشش کر رہے تھے۔

ایک دن پیغمبرؐ و اہلبیتؑ پر صلوٰۃ بھیجنے کے بعد علامہ نے فرقہ دہریہ کا اپنے شاگردوں سے تعارف شروع کیا اور حسب عادت پہلے ان کے اپنے دلائل پیش کئے، اب ان دلائل کو رد کرنا تھا کہ ناگہاں طلبہ کی بلند آواز نے ان کی بات کاٹ دی،

نگاہیں آواز کی طرف لگ گئیں، استعجاب نے ہر شاگرد کے ذہن میں جگہ بنالی، طلبہ نے علامہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ ان دلائل کے مطابق تو یہ فرقہ حق پر ہے؟ اور یہ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھے اور دروازہ مسجد کی طرف چلے تاکہ مسجد سے باہر نکل جائیں، مسجد میں سناٹا چھا گیا اور نگاہیں استاد کے چہرے پر ٹک گئیں، سب کے سب علامہ کے ردعمل کے انتظار میں تھے، علامہ نے بڑی نرم و پدرانہ شفقت والے لہجے میں کہا: ذرا ٹھہر جایئے اور ان کے دلائل کے جواب کو بھی سن لیجئے فیصلہ اس کے بعد ہی ہوگا۔

مگر شاگردوں نے علامہ کی بات کو سنی ان سنی کرتے ہوئے مجلس درس ترک کر دی۔ علامہ نے اس بے صلاحیتی پر سر جھکالیا اور ہمیشہ کے لیے مجلس درس کو معطل کر دیا۔

اس واقعہ نے ان کے افکار بلند و پاک پر غم و اندوہ کا غلاف چڑھا دیا۔ اس سے نجات و رہائی کے لیے وہ کسی روشنی کی تلاش میں تھے۔ سوچتے سوچتے خیال آیا کہ اگر طلاب فلسفیانہ مباحث میں بندگی و تعبد کے دروازے سے داخل نہیں ہوں گے تو لازمی طور پر تفکر کے دوازے سے ہو کر مسجد کے باہر چلے جائیں گے جیسا کہ ہوا۔ اور اگر وہ عشق اہلبیتؑ کے چشمہ کوثر سے سیراب ہوئے بغیر فلسفہ کے سمندر میں گھس پڑے تو نہ صرف یہ کہ خدا کے نزدیک نہیں ہوسکیں گے بلکہ اکثر انحراف و ارتداد کی طرف نکل جائیں گے۔ انہوں نے اس کا تجربہ عنفوان شباب میں کیا تھا جبکہ طلاب روایات واحادیث پیش کرنے کے بجائے اپنے زیادہ اوقات عقلی مباحثہ میں صرف کرتے تھے۔ انہوں نے خود بھی محسوس کیا تھا اور بارہا اپنے اساتذہ خصوصاً والد بزرگوار و ملا محسن فیض کاشانیؒ سے سنا تھا' لیکن یقین نہیں کرتے تھے مگر جب ایک دن خود اپنے درس میں اس کا تلخ مشاہدہ کر لیا تو سوچنے لگے کہ ایک ایسا قاموس ہونا چاہیے جس سے طلاب علوم خصوصاً فلسفہ کے طلبہ تطبیق کر سکیں اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ آئندہ بھی حوزہ ہائے علمیہ کا چراغ آج ہی کی طرح روشن رہے تو چاہیے کہ یہ تمام گفت و شنید' تفسیر و تدریس ایک مقام پر آ کر ختم ہو جائے اور طلاب اپنے افکار کی بلندی پر مسرت کے ساتھ پرچم بندگی و تعبد کو نصب کر دیں۔

چنانچہ علامہ مجلسیؒ نے اپنے استاد محسن فیض کے راستہ کو اپنا لیا اور علم عقلی کو چھوڑ کر طاقت و تعبد کی گرمی لیے ہوئے اس نور کی طرف دوڑ پڑے جو روایات واحادیث کی بلند چوٹی پر چمک رہا تھا۔ آپ نے درس و بحث میں کتب اربع کو شامل کرنے کا اقدام کیا اور اصول کافی و تہذیب کی شرح لکھی۔ چونکہ من لا یحضرہ الفقیہ کی شرح والد کر چکے تھے اس لیے اسے چھوڑ دیا اور استبصار کی شرح کے لیے اپنے ایک شاگرد کو آمادہ کیا۔ علامہ نے ان طلاب میں روایات مطالعہ و تحقیق کا شوق بھڑکایا جو

مدتوں سے اس دنیا سے دور و جدا ہو چکے تھے' اور کتب اربعہ کو حوادث روزگار سے محفوظ رکھنے اور اسے آئندہ نسل کے حوالے کرنے کی غرض سے بغیر کسی کم وکاست و تحریف کے اعلان کیا کہ: اگر طلاب میں ہر ایک کتب اربعہ کو لکھے تو اسے ایک انعام دیا جائے گا۔

چنانچہ طلاب بڑے ذوق و شوق سے کتب اربعہ کو نقل کرنے میں لگ گئے اور اس کے نسخوں کو علامہ کی خدمت میں پیش کرنے لگے' اور علامہ اپنے قلم سے ان نسخوں کی پشت پر ان کے لیے اجازہ تحریر کرنے لگے۔ طلاب و اہل علم و روحانی افراد علامہ کے اس اجازہ کو جو کتاب کی پشت پر لکھا ہوتا تھا' اپنے لیے فخر و مباہات کا سرمایہ جانتے تھے اس لیے انہوں نے پہلے سے زیادہ ان نسخوں کے تحفظ میں کوشش شروع کر دی تا کہ اسے بطور یادگار اپنی اولاد کو سونپ سکیں۔

علامہ نے سوچا کہ صرف کتب اربعہ کی تدریس اور بعض دیگر کتب مثلاً ارشاد مفید' قواعد علامہ و صحیفہ سجادیہ کو سمجھنا و پڑھنا ہی ان کتب کو برباد و نابود ہونے سے بچا سکتا ہے، ان کو فکر تھی کہ ان ہزاروں کتب شیعہ جسے غارت گروں کو دشمنوں نے جلا کر خاکستر کر دیا تھا، نیز روایات کے سینکڑوں چھوٹے بڑے نسخے و مجلات جو حوادث روزگار سے محفوظ رہ گئے ہیں یا صندوقوں میں بند ہیں۔ یا انہیں دنیا کے دور دراز علاقوں میں پہنچا دیا گیا ہے' اس کا تصور علامہ کے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔ دوسری طرف اہل تسنن کا خشک تعصب تھا جو تشیع کے گراں بہا ذخیروں کی نابودی کے در پے تھا۔

اس کے علاوہ شرق و غرب کی دو بڑی سنی حکومتوں کے ہاتھوں ایران کی شیعہ صفوی حکومت کے سقوط و زوال کا خدشہ' پھر دربار و معاشرہ میں صوفیوں کا قوی نفوذ اور بہت سی روایات میں تحریف کرنے کا ان کا منصوبہ، کتب روایات و احادیث سے طلاب کی بے توجہی اس طرح کے کئی اہم وجوہ و اسباب تھے جو اہل بیتؑ کے آثار کو پیش از پیش معرض خطر نابودی ڈالے ہوئے تھے۔ علامہ دل میں سوچتے تھے کہ اہل بیتؑ کے بکھرے ہوئے بیش بہا موتیوں کو اطراف و اکناف سے جمع کیا جائے اور اسے ایک محراب بنام "بحار الانوار" کے قالب میں سجا دیا جائے تا کہ صرف طلاب ہی نہیں بلکہ تمام شیعہ اس محراب میں قبلہ قلوب یعنی کلام اہلبیتؑ کی طرف نماز عشق کے لیے کھڑے ہو جایا کریں اور اس ذریعہ سے راستہ کو کنویں سے اور درست کو غلط سے متمیز کر سکیں تا کہ ہر زمانے میں ہر مکتب و مسلک والا اگر کسی موضوع و مطلب کے بارے میں کچھ جاننا چاہے تو قوم شیعہ "بحار" کی حسین محراب کی طرف اشارہ کر دے۔

میں نے آغاز کار میں معروف و رائج کتب کا مطالعہ کیا اس کے بعد دوسری وہ کتابیں جو اجداد زمانہ یا دیگر مختلف

اسباب سے متروک و مہجور ہو گئی تھیں۔ ان کو ڈھونڈ نکالا، جہاں بھی حدیث کی کتاب کا سراغ ملتا، اسے ہر قیمت پر حاصل کرتا تھا۔ مشرق و مغرب ہر جگہ تلاش کرتا رہا یہاں تک کہ بہت سے نسخوں کو جمع کر پایا، اس دینی فہم میں دینی برادروں کی ایک جماعت نے میری مدد کی اور وہ ہر شہر، ہر قصبہ نیز دور دراز مقامات تک پہنچے اور خدا کے فضل سے لازم ضروری مصادر و مآخذ ہمارے پاس آ گئے۔ اس کے بعد میں نسخوں کی تصحیح میں مشغول ہو گیا، پھر اس کی نقول تیار کی گئیں اور اسی تصحیح و تنقیح کتب کے دوران ان کے مواد و طلب سے آشنا ہوا مگر کتب کی ترتیب و تنظیم کو مناسب پایا، نہ تحقیق کرنے والوں کے لیے احادیث کی فصل و مختلف ابواب میں تقسیم ہی کر پائے۔ اس لیے میں نے ترتیب فہرست پر کمر ہمت باندھی جو ایسی ہو کہ ہر طرح سے دلچسپ و جاذب توجہ ہو۔ مگر ۱۰۷۰ ہجری میں اس فہرست کو نا تمام چھوڑ دیا بلکہ تمام کتابوں کی فہرست سازی سے ہاتھ کھینچ لیا کیونکہ مقبولیت عامہ بھی نہیں نظر آئی دیگر یہ کہ معاشرہ کے سربراہوں کو بد عنوان و ناپسندیدہ پایا......

مجھے خوف ہوا کہ کہیں میرے بعد تکثیر شدہ نسخے متروک و مہجور نہ ہو جائیں یا غارت گروں کی لائی ہوئی مصیبت میری محنت و زحمت پر پانی نہ پھیر دے اس لیے میں نے اپنا راستہ بھی بدل دیا خدا سے مدد مانگی اور کتاب بحار الانوار کو مرتب کیا...... اس پر بار و ثمر کتاب میں ۲۸ علمی کتب کے ۳۰۰ ابواب ملیں گے جو ہزارہا احادیث پر مشتمل ہیں۔ تم اس کے ذریعے سے بہت سی علمی کتابوں سے واقف ہو گے جس کا اسلوب بالکل جدید ہے اور علمی پایہ بے سابقہ ہے۔ لہٰذا اے میرے دینی بھائیو! جو دل میں اماموں کی ولایت اور زبان پر ان کی مدح و ثناء رکھتے ہو، اس خوان نعمت کی طرف جلد آؤ اور اعتراف و یقین کے ساتھ میری کتاب ہاتھوں ہاتھ لو اور کامل اعتماد کے ساتھ اسے پکڑو اور ان لوگوں میں نہ ہو جاؤ کہ جو کسی بات کو زبان پر تولاتے ہیں مگر ان کے دل خالی ہوتے ہیں۔

زمانے کی مخالف فضا اور دشمنان اہلبیتؑ کے ہاتھوں قیمتی و بنیادی امہات الکتب اور ان کے مآخذ کی بربادی کے خطرے نے علامہ کو مجبور کیا کہ جہاں تک ممکن ہو زیادہ سے زیادہ روایات و احادیث اہلبیتؑ کی جمع آوری میں مشغول ہو جائیں۔ فرصت کی کمی اور کثیر مشاغل نے اتنا موقع نہ دیا کہ روایات کی تصحیح و تنقیح بھی کریں چنانچہ اسی باعث انہوں نے مقدمہ بحار الانوار میں لکھا ہے کہ:

میں چاہتا ہوں کہ اگر موت مہلت دے دے اور فضل خدا مددگار ہو تو ایک کامل شرح بحار الانوار کی لکھوں جو بہت سے ایسے مقاصد و مطالب پر مشتمل ہو، جن کا علماء کی تصنیفات میں ذکر نہیں ہوا ہے نیز اہل عقل و دانش کے استفادہ کے لیے

قلم کو اچھی طرح استعمال کروں۔

علامہ کی کتاب مرآۃ العقول جس میں انہوں نے بڑی محنت وکم مثال دقت نظر سے کام لے کر ''کافی'' کی روایات کی تحقیق کی ہے اور ہر حدیث کی صحت ودرستی کا تجزیہ کیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے ہمیں بخوبی معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ واقعاً علامہ تھے اور احادیث کی تحقیق ان کے لیے آسان ومرغوب ترین کاموں میں سے ہے لیکن اگر وہ بحار الانوار کی ایسی موشگافی ودقت نظر سے تحقیق کرتے تو یقیناً اس کے لیے بہت زیادہ وقت درکار ہوتا۔

علامہ کے تواضع واخلاص کا عالم یہ تھا کہ دوسروں کی معمولی وکم ترین مدد وکوشش کا اظہار ضروری سمجھتے اور اس کا شکریہ ادا کرتے تھے۔ علامہ مجلسیؒ بحار الانوار کی پچیسویں جلد میں لکھتے ہیں کہ: میرے ایک شاگرد نے حال میں چند کتابیں ڈھونڈ نکالی ہیں اور مجھے اس کی اطلاع دی ہے۔ یہاں پر سوال یہ اُٹھتا ہے کہ جو شخص اپنے شاگرد کے چھوٹے سے کام کی اتنی قدر کرتا ہے کہ اس کے تحریری اظہار میں بھی کراہت محسوس نہیں کرتا تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ بحار الانوار کی تالیف میں ان افراد کی کلی زحمات کا ذکر نہ کرے اور ان کا نام نہ لے۔

باوجود اس کے کہ بیشتر ایام حیات میں علامہ بیماری کا شکار رہے اور آشوب چشم اور دیگر امراض ان کو تکلیف دیتے اور لکھنے پڑھنے سے باز رکھتے تھے لیکن ان میں سے کوئی بیماری انہیں اس راہ سے دور نہ کرسکی جس کا انہوں نے انتخاب کیا تھا، نہ بلند مقاصد میں رکاوٹ بن سکی جسے انہوں نے دل میں بسا لیا تھا۔ وہ ان ایام میں بھی موعظہ ونقل اخبار کرتے اور مسکراتے رہتے' ان کے اخلاق فاضلہ کی پیشانی پر تل کی طرح ان کا ہنس مکھ چہرہ بشاشت وشوخی طبع تھی جو اسے اور دلکش بنا کر طلاب کے چہرے سے خستگی وتھکاوٹ کو پونچھ دیتی تھی اور ان کی امید بندھا دیتی تھی۔

بطور مثال شاگردوں کو عاریتاً دی ہوئی کتابوں کو جب واپس لیتے تو کبھی کبھی ان کے صفحات میں روٹی کے ریزے پاتے اس لیے جب کسی اور شاگرد کو اپنی کتابیں امانتاً دیتے تو مذاقاً اس سے کہتے: میاں دسترخوان تو ہے نا تمہارے پاس روٹی کھانے کے لیے؟ شاگرد علامہ کے اس سوال پر تعجب کرتا تھا، علامہ متبسم انداز ہی میں بات کو جاری رکھتے ہوئے کہتے: مطلب یہ ہے کہ اگر نہ ہو تو تمہیں دسترخوان دیدوں تاکہ کتاب پر روٹی رکھ کر نہ کھاؤ تم پر کتاب کی حفاظت واحترام لازم ہے اور دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ کتاب کو دھوپ میں چھوڑ دو یا اس سے کیڑے مکوڑے مارنے لگو۔ وہ شاگردوں کو فعالیت کی نصیحت کرنے اور ساتھ ہی عوام کے ساتھ اچھے برتاؤ' امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے کا طریقہ بھی سکھاتے تھے اور طلاب کے ساتھ محبت کا رشتہ استوار

کرتے رہتے۔ علامہ کا پدرانہ انداز طلاب کے لیے سب کچھ تھا اور چونکہ علامہ ان سے ایسا پر لطف سلوک کرتے اس لیے طلاب ان سے بہت خوش رہتے اور ایسے استاد کی شاگردی پر فخر ومباہات کرتے تھے۔

ان کے شاگردوں میں تیز بین وانتھک کوشش کرنے والوں میں سے ایک سید نعمت اللہ جزائریؒ تھے جو اپنے دوستوں کے ساتھ حال ہی میں ان کے حلقہ درس میں شامل ہوئے تھے اور فقر وتنگدستی کی حالت میں زندگی گزارتے تھے۔ انہوں نے جلد ہی علامہ کی توجہ کھینچ لی آپ نے ان کے دوستوں کا ماہانہ مقرر کر دیا اور سید جزائری کو اپنے گھر لے گئے اور اپنے پاس چار سال تک رکھا۔ سید کی ایسی تربیت کی کہ انہیں عالم جلیل اور پایہ کا مجتہد بنا دیا اور جب مرزا تقی دولت آبادی نے محلہ حمالہ میں مدرسہ قائم کیا تو وہاں انہیں مدرس مقرر کر دیا' سید جزائریؒ نے استاد کے سایہ تلے علم ومعرفت کی اتنی تحصیل کی کہ انہیں اخلاق واطوار وعلمی مطالب کے بیان میں استاد کا آئینہ مانا جانے لگا وہ مختلف مسائل کا بیان اس انداز سے کرتے کہ لگتا مجلسی تقریر کر رہے ہیں۔ علامہ کی طرح ان کا مسلک بھی معتدل تھا اور ہمیشہ دلیل وحقیقت کی پیروی کرتے تھے۔

سید کے ساتھ اعلیٰ روابط وتعلقات استاد وشاگرد سے گزر کر گہری دوستی میں تبدیل ہو گئے تھے۔ اس طرح کہ علامہ جہاں بھی جاتے اپنے ہمراہ سید کو بھی لے جاتے، ایک دن علامہ اپنے کسی مرید وعقیدتمند کے مہمان تھے اور سید کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے، میزبان نے ان کے لیے مرغ بریاں تیار کیا تھا علامہ کے احترام میں مرغ کی پلیٹ کو ان کے سامنے رکھ دیا کھاتے وقت چونکہ سید کا ہاتھ پلیٹ تک نہیں پہنچتا تھا اس لیے انہوں نے اسے اپنی طرف ذرا سا کھسکا لیا۔ علامہ نے سید کی یہ حرکت دیکھتے ہی مزاحاً ان سے کہا کہ: سیدنا! مگر تم تو مردوں کو منتقل کرنے کو حرام جانتے ہو؟ سید کے پروردہ استاد تھے علامہ کی طرف رخ کر کے بولے، ٹھیک ہے مگر انہیں مقامات مقدسہ کی طرف منتقل کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

سید کہتے ہیں کہ باوجودیکہ علامہ نے مجھے اپنے شاگردوں میں منتخب کر لیا تھا اور میں شب وروز ان کے ساتھ رہتا تھا بلکہ راتوں کو ان کی مدد کی خاطر انہی کے کمرے میں سوتا بھی تھا اور وہ اضمحلال دور کرنے کی غرض سے میرے ساتھ مذاق کرتے رہتے تھے لیکن ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے جب بھی ان کے پاس جانا چاہتا تھا ان کی ہیبت وعظمت میرے دل کو اس قدر تپاں کر دیتی کہ مجھے تھوڑی دیر دروازہ کے پیچھے ٹھہرنا پڑتا تاکہ میری حالت معمول پر آ جائے۔

جمعہ کے دن، اصفہان کی جامع مسجد مختلف نسل وقوم کے افراد سے پر تھی۔ لوگ گزشتہ ہفتوں کی طرح علامہ کے موعظہ کا انتظار کر رہے تھے تاکہ ان ساعتوں میں جو خدا وملائکہ خدا کی ہوتی ہیں انہیں بھی خدا کی رضا وخوشنودی حاصل ہو جائے۔

مجمع کی صلوات کے ساتھ علامہ منبر پر تشریف لے گئے اور خدائے یکتا و ہمتا کی حمد و رسول خدا و اہل بیت عصمت و طہارت علیہم السلام پر صلوات سے کلام کی ابتدا فرمائی۔ مگر آج علامہ کی لحن و طرز ادا گزشتہ دنوں سے متفاوت تھی' انہوں نے صلوات و سلام اور اقرار شہادتین کے بعد اعتقادات تشیع کو یکے بعد دیگرے بیان کرنا شروع کر دیا پھر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: یہ میرے اعتقادات تھے میری خواہش ہے کہ آپ نے جو سنا ہے اس کی گواہی دیں۔

اسی وقت حکم دیا کہ ان کا کفن لایا جائے کفن دیکھتے ہی لوگ رونے لگے پوری مسجد میں غم و اندوہ کی لہر دوڑ گئی، مؤمنین، طلاب و علامہ کے شاگرد سب کی نگاہیں اس متبرک کفن پر جم گئیں۔ علامہ ان دنوں میں شیخ الاسلامی، ملاباشی اور امامت جمعہ کے عہدوں پر فائز تھے۔ اس کے علاوہ ان کی بے حساب خدمات دینی بہت سے سنن حسنہ کی بنیاد رکھنا جو احادیث اور روایات سے ماخوذ تھی' کفن پر چالیس مؤمنین کی شہادت لکھنا ان میں سے ایک تھا۔ اس کے سوا علامہ نے حوزہ علیہ کے فکری و ثقافتی نظام میں مسلک و مشرب کی بنا ڈالی تا کہ اصولین اور اخبارین کے درمیان کی دیوار ڈھے جائے۔

عالم تشیع میں علامہ کی خدمات اس قدر زیادہ اور ایسی ہیں کہ وہ علماء اسلام میں "باب الائمہ" کے لقب سے مشہور ہیں۔

ایک دن شیخ محمد حسن اصفہانی صاحب جواہر الکلام نے اپنے جلسہ درس میں فرمایا:

کل رات میں نے خواب میں ایک بہت بڑا جلسہ دیکھا جس میں بہت سے متقدمین و متاخرین علماء بیٹھے ہوئے تھے میں نے دربان سے اجازت لی اور اس نورانی محفل میں شریک ہو گیا مجمع میں علامہ مجلسیؒ کو دیکھا کہ تمام علماء کے آگے بیٹھے ہوئے تھے مجھے تعجب ہوا دربان سے اس کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا: کہ علامہ مجلسیؒ اماموں کی نظر میں "باب الائمہؑ" کے لقب سے مشہور ہیں اور یہ اس لیے کہ علامہ نے زوار اہل بیت علیہم السلام کے لیے سنت چاووشی برقرار رکھی ہے یعنی وہ ہراول دستہ جو زوار کا نقیب بن کر انہیں آگے بڑھاتا رہتا ہے۔

ان مؤمنین کی نگاہ میں جنہوں نے ماہ رمضان ۱۱۱۱ھ کے چھبیس روزے پورے کر لیے ہوں، نور ایمان اپنی چمک دکھانے لگتا ہے، بھی عید الفطر کے انتظار میں دن گننے لگتے ہیں مگر علامہ جو اپنی عمر کے ۷۳ رمضان گزار چکے تھے۔ ان کی حالت جدا تھی۔ ان کی آنکھوں میں سرور و شادمانی موجیں مار رہی تھی۔ ایسا سرور جو اس سے قبل والے رمضان کے مہینوں میں کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ یہ رویت ہلال کی مسرت نہ تھی بلکہ دوست کے دیدار کا سرور تھا۔ چند دن بیمار ہوئے، بستر سے نکل کر سجادہ نماز پر آتے نماز و تسبیح و ذکر و درود کے بعد افطار کر کے پھر بستر پر چلے جاتے' شاید مؤمن کے لیے بستر مرگ

سے زیادہ دلکش و حسین جگہ کوئی اور نہ ہو۔ وہ بستر جو اسے عالم خاک سے جدا کرنے کا دریچہ بنتا ہے۔ اور پھر ایک محراب بن جاتی ہے جس میں وہ خدا سے ملاقات کرتا ہے ایسا بستر جو اسے منافقت' شور و غل' غرور جاہ' زخم زبان اور غیر خدا کے تمام رنگ و بو سے رہائی دلا دیتا ہے۔ وہ ایک نرم و گداز بادل کی طرح سے اپنے کندھے پر سوار کر کے چل پڑتا ہے اور لطافت و حسن کا نظارہ کرتا ہوا اس جگہ پہنچا دیتا ہے جہاں سوائے اسلام کے کوئی کلام ہوتا ہے نہ تعبد و بندگی کے علاوہ کوئی مقام و رتبہ، علامہ بستر پر آرام سے لیٹے لیٹے سر کو کرے کے مختلف گوشوں کی طرف پھراتے رہتے اور قلم و کاغذ و کتابوں اور سجادہ و مہر "سجدہ گاہ" کو جوان کی زندگی کا حاصل اور دفاع حریم اہلبیت علیہم السلام کا واحد اسلحہ تھا' دیکھتے رہتے' شمع کی مدھم روشنی میں ان کی دردناک و منور آنکھوں میں ایک بڑا غم بیٹھا ہوا تھا۔ بعد میں واقع ہونے والے حادثات کی تصویریں آنکھوں کے سامنے سے یکے بعد دیگر گزر رہی تھیں، حکومت کا بکھراؤ اصفہان کا قحط و گرسنگی، محمود افغان کا حملہ اصفہان کا سقوط، کتابوں کی آتشزدگی، علماء کا قتل، یہ تمام خدشات درد و غم کو بڑھا دیتے تھے۔

ایک لحظہ کے بعد انہوں نے ان متحرک تصاویر کو آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیا۔ ذہن کو ان چیزوں سے پاک و صاف کیا جو ان کے سفر آخرت میں مانع تھا۔ نگاہ کو در و دیوار، کتاب و قلم اور ہر شے سے پھیر کر دروازہ پر جما دیا اور اس کے انتظار میں محو ہو گئے، جس کے عشق میں ہر مؤمن زندہ رہتا ہے اسی کے عشق میں اپنی جان پر سختیاں مول لیتا ہے، اسی کے عشق میں زخم زبان کو برداشت کرتا ہے، اسی کے عشق میں کھاتا پیتا اور سوتا جاگتا ہے اور آخر میں اسی کے عشق میں جان کو ملک الموت کے حوالے کر دیتا ہے اور عشق لقاء الہی کے دریا میں ڈوب جاتا ہے۔

۲۷ رمضان کی صبح شہر اصفہان کو غم کے ہالہ نے گھیر لیا تھا جیسے شہر ایک ایسی خبر کے انتظار میں تھا جسے سن کر وہ ملبوس عزا پہن لے۔ پورے شہر پر موت کے سناٹے کی حکمرانی تھی، روزہ دار لوگ دروازے بند کر کے سوئے ہوئے تھے مگر اس سے بے خبر تھے کہ شہر کے تمام گلی کوچوں میں عزا ان کی مسرت پر گرد و غبار بکھیر رہی ہے۔ ایک شخص جو اکثر آپ کی بدخواہی میں لگا رہتا تھا ایک خواب دیکھتا ہے، صبح ہوتے ہی وہ اپنے دوست کے گھر جاتا ہے اور اپنا خواب یوں بیان کرنے لگتا ہے:

میں نے گذشتہ شب خواب دیکھا کہ علامہ مجلسیؒ دنیا سے گزر گئے ہیں ہم دونوں علامہ کے دروازہ پر پہنچے تو مجلسیؒ سو رہے تھے ناگہاں پیغمبرؐ اور جناب امیرؑ داخل ہوئے' پیغمبرؐ نے ان کا دایاں ہاتھ اور حضرت امیرؑ نے بایاں ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اُٹھو! چلیں اور انہیں اپنے ہمراہ لے گئے۔ دوست کی نگاہ سے وحشت ٹپک رہی تھی، اس نے بالکنت یہ فقرہ ادا کیا،

میں نے بھی کل رات ایسا ہی خواب دیکھا ہے۔

دونوں آگے کچھ نہ بولے اور تیزی سے علامہ کے گھر کی طرف چل دیئے گلیوں اور سڑکوں کو پار کرتے ہوئے لب پر یہی دعا کہ وہ زندہ ہوں تاکہ ان سے معافی طلب کی جائے، اسی فکر میں گم راستہ طے کرتے رہے اور پتہ نہ چلا کہ کتنی مسافت طے کر چکے ہیں ناگہاں اپنے تئیں علامہ کے مکان کے دروازہ پر پایا، گھر میں داخل ہوں یا نہ ہوں، ابھی یہ فیصلہ کر نہ پائے تھے کہ علامہ کے مکان سے نالہ وشیون کی آوازیں آنے لگیں۔

سلام ان پر اس دن جب وہ دنیا میں آئے اور جب دنیا سے گئے اور جس دن وہ خداوند سبحان کی بارگاہ میں پلٹائے جائیں گے۔

☆☆☆

بسم تعالیٰ

آقا محمد باقر وحید بہبہانیؒ

۱۱۱۸ھ - ۱۲۰۶ھ

آقا محمد باقر بن ملا محمد اکمل بہبہانی وقت کے بہت بڑے عالم زمانہ کی نادرالوجود شخصیت فاضل بلا ثانی، اُصول وفروع کی مضبوط عمارت، پروردگار کی طرف سے حامل علوم، لوگوں کے مقتداء نمایاں کرامات کے حامل، اُصول وفروع رجال کی بنیادیں ڈالنے والے، تحقیق وتدقیق میں بے مثال تھے۔ آپ کی ولادت اصفہان میں ۱۱۱۸ھ میں ہوئی۔ کچھ عرصہ بہبہان میں رہے پھر کربلائے معلی چلے گئے۔ اپنے والد ماجد کے شاگردوں میں سے ایک تھے۔ ملا محمد اکمل علم وورع، تقویٰ میں اپنے زمانہ میں بے مثل تھے۔ ملا محمد اکمل کی والدہ شیخ نورالدین بن ملا صالح کی بیٹی تھیں۔ ملا صالح احمد مازندانی وہ ہستی ہیں کہ ان کی زوجہ ملا محمد تقی مجلسی کی صاحبزادی ہیں۔ ان کے دس بیٹے تھے اور نورالدین چھوٹے فرزند تھے۔ ملا محمد اکمل کو آقا جمال خوانساریؒ، ملا میرزائی شیروانیؒ، شیخ قاضیؒ، آخوند ملا محمد باقر مجلسیؒ اور آقا محمد باقر بہبہانیؒ کو اپنے والد محمد اکمل سے اجارہ ملا ہوا تھا۔

آقا محمد باقرؒ کچھ عرصہ کربلا میں رہے لیکن گزربسر بڑی مشکل سے ہوتی تھی تو ارادہ کیا کہ کربلا سے نکل کر کسی اور شہر چلے جائیں۔ ایک شب خواب میں جناب امام حسین علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ نے آقا محمد باقر سے فرمایا کہ میں اس بات سے راضی نہیں ہوں کہ تم میرے جوار اور میرے شہر سے نکل کر کہیں اور جاؤ چنانچہ آقا نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور اسی ارضِ مقدس میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ ان کے دو بیٹے علماء میں سے ہوئے۔ ان میں سے ایک آقا محمد علی جو بڑے تھے اور دوسرے آقا عبدالحسین جو ان سے چھوٹے تھے۔ آقا محمد علی کی ولادت ۱۱۴۴ھ میں کربلا میں ہوئی اور اس زمانہ ہی سے جب والد تحصیل علم کر رہے تھے ان کے فہم وادراک کا ہر طرف شہرہ ہو چکا تھا۔ علامہ صبغۃ اللہ آفندی اس بات کے خواہش مند تھے کہ آقا محمد علی سے مباحثہ ومذاکرہ کریں اور آقا محمد علی بھی یہی چاہتے تھے کہ وہ کچھ عرصہ صبغۃ اللہ سے درس حاصل کریں۔ والد سے اجازت چاہی تو انھوں نے اجازت نہ دی۔ جب ان کا اصرار بڑھا تو معاملہ استخارہ پر چھوڑ دیا گیا تو استخارہ میں یہ آیت نکلی

ترجمہ: ''لقمانؑ نے اپنے بیٹے سے کہا جب وہ ان کو نصیحت فرمارہے تھے کہ اے میرے بیٹے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دینا، بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔'' (سورۂ لقمان: آیت ۱۳)

پس آقا محمد علی نے باپ کی بات سنی اور ان کی نصیحت کو قبول کیا۔ آقا محمد علی فاضل و جامع علوم تھے۔ اصول فقہ و کلام تاریخ میں اپنے وقت کے یکتا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں یگانۂ روزگار تھے۔ آپ نے کئی لوگوں پر حد جاری کی اور انھیں قتل کیا تھا۔ ایک دفعہ جب شیخ جعفر نجفی کرمانشاہ میں آقا محمد علی کے پاس آئے تو دیکھا کہ دس بیس آدمی ماحوتی قبا ئیں پہنے اور تیری شالیں کاندھے پر ڈالے کھڑے ہیں۔ شیخ نے ان سے کہا بیٹھ جاؤ لیکن انھوں نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ تو شیخ نے آقا محمد علی سے کہا کہ ان کو بیٹھنے کی اجازت دے دیں۔ آقا محمد علی نے کہا کہ یہ میرے ملازم ہیں اور ان کو یہاں کھڑے ہی رہنا چاہیے۔ کیونکہ مجھے کتنوں کو ہی قتل کرانا ہوتا ہے اور حد جاری کرنی ہوتی ہے۔ اگر یہ بیٹھ جائیں تو میں یہ کام کیسے انجام دے سکوں گا۔

اس زمانہ میں ایک شخص نور علی شاہ پیدا ہو گیا تھا جو خود کو مرشد سمجھتا تھا اور اس کے تقریباً چار، پانچ سو مرید تھے۔ وہ اپنی چادر تانتا تو اس پر سنہری گنبد لگایا کرتا تھا۔ وہ اصفہان پہنچ گیا اور لوگوں کو دھوکا دیئے جا رہا تھا۔ جو بھی اس کے پاس جاتا تو وہ اپنے اس تخت کے نیچے جس پر وہ بیٹھا ہوتا تھا۔ ہاتھ ڈالتا اور تازہ روٹی اور گرم گرم کباب نکالتا تھا اور کہتا کہ یہ میری کرامت ہے اور اصل بات یہ تھی کہ اس تخت کے نیچے ایک راستہ بنایا ہوا تھا اور اس کے قریب ایک نان بائی اور کباب بنانے والے بٹھایا ہوا تھا تو وہ اپنا ہاتھ اس سوراخ میں لے جاتا تھا اور تازہ کباب اور نان باہر نکال لایا کرتا اس طرح لوگوں کو شک وشبہ میں مبتلا کر رہا تھا۔ آخوند ملا محمد علی نوری نے اس کو کافر قرار دیا۔ پھر آقا محمد علی نے نور علی شاہ کے قتل کا حکم دیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔

آقا محمد باقر بہبہانیؒ کی ایک کرامت ایک ثقہ عالم عبدالکریم بن آقا سید زین العابدین لاہجی نے یہ بتائی کہ ان کے والد نے بتایا کہ ہم عتبات عالیات میں تحصیل علم کرتے تھے اور یہ مرحوم آقائے بہبہانی کی عمر کے آخر زمانے کی بات ہے اور آپ ضعف و بڑھاپے کی وجہ سے چونکہ ان کے قویٰ بہت کمزور اور ناقص ہو گئے تھے۔ درس دینا ترک کر چکے تھے اور ان کے شاگرد تدریس کا کام کرتے تھے لیکن آقا ایک درسی مجلس قائم کیے ہوئے تھے۔ جس میں شرح لمعہ کو سطحی طور پر پڑھایا کرتے تھے۔ ہم چند افراد صرف برکت اور تبرک کے طور پر ان کی مجلس درس میں جایا کرتے تھے۔ اتفاقاً ایک روز مجھے

احتلام ہوگیا اور میری نماز قضا ہوگئی اور آقا کے درس کا وقت آپہنچا تھا۔ تو میں نے دل میں سوچا کہ میں درس میں چلا جاتا ہوں تاکہ درس رہ نہ جائے پھر حمام جاؤں گا اور یہ سوچ کر مجلس میں پہنچ گیا۔ ابھی آقا تشریف نہیں لائے تھے کہ اتنے میں وہ آگئے بڑے ہشاش بشاش نظر آرہے تھے پھر انھوں نے تمام لوگوں پر نگاہ ڈالی اور اچانک ان کے چہرہ پر ہم وغم کے آثار ظاہر ہوگئے اور کہا کہ آج درس نہیں ہوگا۔ اس لیے سب اپنے اپنے گھر جائیں۔ شاگردوں نے ایک ایک کر کے اٹھنا اور نکلنا شروع کیا۔ جب میں نے اٹھنا چاہا تو آقا نے کہا: تم بیٹھے رہو۔ چنانچہ میں بیٹھا رہا جب سب لوگ چلے گئے تو آقا نے مجھ سے کہا کہ جہاں تم بیٹھے ہو فرش کے نیچے پیسے رکھے ہیں۔ انہیں اٹھاؤ اور جاؤ غسل کرو اور اس کے بعد کبھی بھی حالت جنابت میں ایسی مجالس میں شرکت نہ کرنا۔ میں انتہائی متحیر ہوا اور وہ پیسے لے کر حمام گیا اور غسل کیا۔

مرزا محمد تنکابنی ایک دفعہ شہید ثالث حاجی ملا تقی کے کتب خانہ گئے تو انھوں نے ایک قصہ سنایا کہ جب آقا کی کتاب 'فوائد' اصفہان لائی گئی اور اصفہان کے علماء نے اسے دیکھا تو کہا کہ یوں لگتا ہے کہ اس کتاب کے مؤلف نے کسی خاتون سے درس پڑھا ہے۔ جب آقا کے سامنے یہ بات کہی گئی تو آقا کہنے لگے کہ وہ لوگ ٹھیک کہہ رہے ہیں کیونکہ میں نے آغاز سے سیوطی تک اور اس کا حاشیہ اپنی پھوپھی سے پڑھا ہے۔

آپ کے شاگرد بہت ہیں اور سب ہی اپنے وقت کے فضلاء اور اپنے زمانے کے یکتا لوگوں میں سے تھے۔ ان میں ان کے داماد آقا سید محسن کاظمینی، میرزا ابوالقاسم قمی، میرزا محمد مہدی شہرستانی، میرزا یوسف تبریزی، آخوند ملا مہدی نراقی، حاجی محمد ابراہیم کلباسی اور شیخ ابوعلی صاحب کتاب منتہی المقال وغیرہ بہترین علماء فضلاء ہیں۔ مرزا محمد تنکابنی کہتے ہیں کہ ان کا ہر شاگرد کسی ایک فن میں بے اندازہ مہارت رکھتا تھا۔ آقا سید محسن فن اصول میں منطق میں لاثانی تھے اور میرزا قمی فقیہ تھے۔ آخوند ملا مہدی جامع العلوم تھے اور آقا بحر العلوم اور آقا محمد علی فاضل، جامع علوم اور مختلف فنون میں باکمال تھے۔ میرزا محمد مہدی شہرستانی تفسیر میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ شیخ ابوعلی اور ان کے صاحبزادے آقا محمد علی علم رجال میں یگانہ تھے۔ قصہ مختصر ان سب کا اتنے علوم کا حاصل کرنا اور ان میں کمال پانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ آقا خود ان سب فنون سے وابستہ تھے جس کی وجہ سے ہر شاگرد کسی ایک فن یا سارے فنون کا ماہر ہوگیا۔

آقا قواعد کلیہ معین کرنے میں بے مثل تھے اور ہر مسئلہ کی وضاحت کے لیے اس قدر دلیلیں دیتے تھے کہ مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا تھا۔ اسی طرح فروعات نکالنے اور فقہ پر محیط ہونے کے اعتبار سے ان کا جواب نہیں کیونکہ آقا بے شک

عبادات کا بڑا اہتمام کرتے تھے اور بڑا وقت اس میں صرف کرتے تھے لیکن ان کی تالیفات زیادہ تر عبادات پر ہیں تو اس کے معنی یہ نہیں کہ باقی ابواب فقہ میں کمزور رہے ہیں۔ جیسا کہ آپ کی تالیفات دیکھنے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے اور یہ مسئلہ بالکل امام حسین علیہ السلام کی شجاعت والا مسئلہ ہے کہ تمام أئمہ بھی شجاعت رکھتے تھے لیکن انہیں اس قسم کے جہاد کی ضرورت نہ پیش آئی (ورنہ وہ بھی امام حسینؑ کی طرح شجاعت کا مظاہرہ کرتے) اور آقا کا معاملہ بھی یہی ہے کہ اگر ان کی تالیفات دیکھی جائیں تو انھوں نے معاملات کے موضوع پر بھی بہت کچھ لکھا ہے اور سب ہی میں بڑی تحقیق اور چھان بین سے کام لیا ہے۔ خصوصیت سے شرح ارشاد اُردبیلی پر ان کا حاشیہ جو انھوں نے ابتدائے متاجر سے آخر کتاب تک لکھا نہایت تحقیق پر مبنی ہے۔

مشہور ہے کہ آقا جب بھی سید الشہداء کی زیارت سے مشرف ہوتے تو پہلے اس چوکھٹ کا بوسہ لیتے جہاں جوتیاں اتاری جاتی ہیں اور اپنا چہرہ اور داڑھی اس آستان پر ملتے تھے۔ پھر نہایت خضوع وخشوع اور روتے ہوئے حرم مبارک میں داخل ہوتے تھے اور زیارت کرتے تھے اور امام حسینؑ کے مصائب میں اظہارِ غم کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔

ایک دفعہ سردی کے موسم میں آپ کی زوجہ نے ایک سویٹر آپ کے لیے بُنا۔ آپ نے وہ پہنا اور چونکہ مغرب کا وقت ہو گیا تھا۔ مسجد چلے گئے اتنے میں ایک اوباش آدمی سر سے ٹوپی اتار کر ننگے پاؤں آقا کی خدمت میں دوڑتا ہوا آیا اور عرض کیا کہ میرا سر ننگا ہے ٹوپی نہیں ہے اور سردی سخت پڑ رہی ہے۔ میرے لیے کچھ انتظام کریں۔ آپ نے فرمایا تمہارے پاس چاقو ہے کہا ہاں، چنانچہ اس سے چاقو لیا اور سویٹر کی ایک آستین کاٹ کر اسے دی اور کہا کہ یہ آستین سر پر لپیٹ لو اور رات گزار لو تو صبح تمہارے لیے کچھ اور انتظام کیا جائے گا۔ گھر آئے تو بیوی نے دیکھا کہ آقا کے سویٹر کی ایک آستین نہیں ہے تو بڑی ناراض ہوئیں کہ میں نے اتنے دنوں محنت کر کے تمہیں سویٹر بنا کر دیا اور تم نے آستین کاٹ کر بیکار کر دیا۔

ایک دفعہ ان کے بیٹے عبدالحسین نے اپنی بیوی کے لیے قیمتی پوشاک خریدی۔ جب آپ گھر پہنچے تو پوچھا کہ یہ عورت کون ہے۔ کسی نے کہا: آپ کی بہو ہے آقا عبدالحسین نے اس کو نئے کپڑے بنا کر دیئے ہیں۔ آقا محمد باقر نے عبدالحسین پر بہت ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا کہ آئندہ ایسا مت کرنا۔ آقا عبدالحسین نے یہ آیت پڑھی۔ ترجمہ:

"کہہ دو کہ اللہ کی زینتوں کو جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں کون حرام کرتا ہے"

(سورۂ اعراف: آیت ۳۲)

ان کو اور غصہ آیا اور فرمایا کہ میں نے بھی یہ آیت سنی ہوئی ہے لیکن ہمارے پڑوس میں بہت سے فقراء ہیں۔ جو ہمارے فقر کو دیکھ کر تسلی پاتے ہیں۔

آپ کا مقبرہ جناب سید الشہداءؑ کے رواق میں آنحضرتؑ کے پائین پا واقع ہے اکثر آپ دوسروں کی نیابت میں عبادت کیا کرتے اور اس کا معاوضہ و اجرت غریب طالب علموں جیسے میرزا قمی وغیرہ کو دیدیا کرتے تھے۔ ان کی ساٹھ (۶۰) کے قریب تالیفات ہیں ان میں سے ایک کتاب شرح مفاتیح ہے، وہ کتاب طہارت نماز، روزہ، زکوٰۃ و خمس پر مشتمل ہے، "مدارک کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے اور" مدارک" پر حاشیہ کتاب صلوٰۃ کے آخر تک لکھا ہے۔

اس کتاب میں صاحب مدارک نے جن چیزوں سے غفلت برتی ہے۔ اس پر تنبیہ کی ہے، اس کے بعد انھوں نے صاحب مدارک کو خواب میں دیکھا اور صاحب مدارک نے اپنی غفلتوں کا اعتراف کیا ہے اور آپ کی اس تنبیہ پر رضا مندی کا اظہار کیا ہے اور ارشاد اُردبیلی کی شرح پر حاشیہ کتاب متاجر کے شروع سے لے کر آخر کتاب تک اور وافی پر حاشیہ، اصل برأت پر رسالہ اور اس میں تفصیل مذاہب بھی لکھی۔ رسالہ در حیل شرعیہ متعلقہ بر باء اور اجتہاد کے بارے میں رسالہ اور اس کے متعلق احادیث اور جو کچھ بھی اس کے متعلق ہے سب لکھا، اجتہاد پر جو شبہات کیے جاتے ہیں ان کو دور کیا ہے۔ ایک رسالہ معاملات پر اور ایک فارسی میں رسالہ طہارت، نماز، زکوٰۃ، خمس و روزہ کے متعلق، قیاس کے بارے میں رسالہ اور جبر و اختیار کے مسئلہ کے حل کے بارے میں رسالہ اور دو فاطمی نسب رکھنے والی عورتوں کو ایک شخص کے نکاح میں جائز ہونے کے مسئلہ پر رسالہ۔ اصول دین پر رسالہ، اس بارے میں رسالہ کہ ننھی بچی سے اس لیے عقد کیا جائے کہ اس کی ماں پر نظر ڈالنا حلال ہو جائے۔ اس کا کیا فساد واقع ہوگا، نماز جمعہ کے مستحب ہونے کے بارے میں رسالہ اور حجیت استصحاب پر رسالہ اور ایک مناظرہ پر رسالہ جو علمائے اہل سنت سے ہوا تھا کہ خدا دیکھا جا سکتا ہے، دیباچہ مفاتیح پر رسالہ اور شراب، انگور، کھجور کے بارے میں حکم پر مبنی رسالہ اور زوال سے پہلے رویت ہلال پر عدم اعتماد پر رسالہ، مفاتیح پر متفرق حواشی۔ تہذیب پر حواشی اور فوائد حواشی۔ رسالہ در دماء معفو عنہا، مجاہدات کے احکام میں رسالہ اور ایک رسالہ ایمان، اسلام و حکم منکر کے بارے میں رسالہ اور احکام حیض غیر تامہ پر رسالہ۔ لوگوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں، مجتہد و مقلد اس بارے میں رسالہ کہ بعض اولادِ ائمہ اطہارؑ کے نام خلفاء کے ناموں پر کیوں رکھے گئے اور ایک حاشیہ میرزا جان کے حاشیہ پر لکھا جو شروع مختصر و فوائد حائریہ پر لکھا گیا ان چیزوں کے بارے میں جن کا جاننا فقیہ کے لیے لازمی اور ضروری ہے، اس سے متعلق ہے

شمار فوائد ہیں جن میں پہلے کو عتیق (پرانا) اور دوسرے کو جدید کہتے ہیں۔ فارسی میں سوال و جواب پر مبنی کتاب اور معالم پر حاشیہ جو اپنے بیٹے کے لیے لکھا تھا اور طہارت وصلوٰۃ پر رسالہ یہ دونوں آخری کتابیں ان کی زندگی کی آخری تالیفات تھیں

ابن خلکان اہل سنت کے قاضیوں میں سے تھا اور ۶۰۰ ھ میں موجود تھا اور ابن حاجب کا ہم عصر تھا۔ اس نے عربی میں تاریخ لکھی ہے، جو اہل سنت میں بڑی قابل اعتماد ہے اور تاریخ ابن خلکان کے نام سے مشہور ہے اس تاریخ میں اور اسی طرح اہل سنت سے اوروں نے بھی یہ کہا ہے کہ ہر ہجری صدی کے آغاز میں مذہب امامیہ کا ایک مروج ومؤسس ہوتا ہے چنانچہ پہلی صدی ہجری کے مروج مذہب حضرت جعفر بن محمد الصادقؑ کو مانا گیا ہے، دوسری صدی ہجری کے امام آخر الزمان علیہ السلام (آپؑ پر درود وسلام) کو تسلیم کیا ہے اور تیسری صدی کے مروج فرقہ ناجیہ محمد بن یعقوب کلینیؒ کو سمجھا ہے اور اسی طرح ساتویں صدی ہجری کے محقق طوسی خواجہ نصیر الدینؒ مانے گئے ہیں اور آگے چل کر گیارہویں صدی ہجری کے مروج شریعت بیضا آخوند ملا باقر مجلسیؒ ہیں۔ علماء کا قول ہے کہ اس مذہب مروج گیارہویں صدی ہجری میں آقا بہبہانی نے واقعی طور پر ترویج مذہب شیعہ فرمائی۔ ان سے پہلے اخباری مسلک والوں کا زور اور کثرت تھی۔ آپ نے ان کو جڑ سے اکھاڑا اور علمائے عراق وعرب وعجم نے کھلم کھلا اور کلی طور پر آپ کے انوار مقدسہ سے فیض اٹھایا اور سب ہی نے یا تو براہِ راست ان سے تعلیم پائی یا ان کے شاگردوں سے یا ان کے شاگردوں کے شاگردوں سے چنانچہ ان کا تمام علماء پر بے انتہا اور کامل طور پر حق بنتا ہے۔ دیگر مکاتب فکر نے آپ کو گیارہویں صدی کا مجدد قرار دیا۔

☆☆☆

بسم تعالیٰ

آقا سید محمد مہدی بحرالعلومؒ

۱۱۵۵ھ - ۱۲۱۲ھ

آقا سید محمد مہدی بن سید مرتضیٰ بن سید محمد حسینی طباطبائی بروجردی، غروی المسکین، بحرالعلوم، خالص علماء کے آداب و رسوم کو زندگی عطا کرنے والے، زمانہ کی نادرالوجود شخصیت، فلک کج مدار کا عجوبہ، مسائل کی تحقیق کرنے والے، مشکلات کو حل کرنے والے، بہت سے فنون کے مالک، آسمان سیادت وسعادت، زاہد و پاکیزگی کے سورج، معقولات میں شیخ الرئیس اور منقولات میں محقق اول کی مانند بلکہ بلاشبہ ان سے بھی افضل اور تفسیر میں ایسے کہ گویا وہی اشراف اسلاف ہیں ـ آپ کی ولادت باسعادت شب جمعہ شوال المکرم ۱۱۵۵ھ میں ہوئی۔ آپ کے والد نے اسی رات خواب میں دیکھا کہ حضرت امام رضا علیہ السلام (آپ اور آپ کے آبائے طاہرین اور اولاد پاکیزہ پر ہزاروں درود وسلام) نے ایک شمع محمد بن اسماعیل کو دی جو والد ماجد بحرالعلوم کے گھر کے اوپر روشن کردی اور اس سے عجیب وغریب روشنی نکل رہی تھی۔ اسی رات اسی گھر میں بحرالعلوم پیدا ہوئے۔

آپ نے اپنے والد ماجد سے تعلیم حاصل کی۔ آپ کے والد بھی عالم پرہیزگار، متقی اور صالح شخص تھے۔ پھر شیخ یوسف صاحب حدائق کے شاگرد ہوئے۔ پھر نجف اشرف تشریف لے گئے اور وہاں کے فضلاء سے درس حاصل کیا۔ جیسے شیخ محمد مہدی فتونی، شیخ محمد تقی وغیرہ سے۔ پھر کربلا واپس آئے اور استاد المجتہدین مؤسس بہبہانی آقا محمد باقر کی خدمت میں رہے اور پھر نجف آئے اور بہت سے فضلاء نے آپ کو گھیر لیا۔ مؤسس بہبہانی کے بعد عراق، عرب وعجم میں آپ کی شہرت کا علم لہرانے لگا۔

ایک عالم نے حکایت بیان کی کہ میرے والد بعض اوقات نجف اشرف میں ان کے درس میں حاضر ہوتے رہتے تھے ایک دن دوران درس دیکھا کہ اہل سنت میں سے ایک ترک شخص جو نجف میں رہتا تھا۔ آپ کی ملاقات کو آیا۔ سید نے کہا کہ تفسیر قاضی اٹھاؤ اس کا درس شروع کریں۔ پس تفسیر قاضی شروع کی اور وہ سنی عالم بھی بیٹھا رہا اور فیض یاب ہوتا رہا۔ سید نے کلمات کو الف سے ے تک بکھیر کر رکھ دیا۔ جبکہ انھوں نے پہلے سے مطالعہ بھی نہیں کیا تھا۔ سارے حاضرین اس پر حیرت زدہ ہو گئے۔

آپ کی تالیف کردہ کتابیں کم ہیں۔ غالباً اس وجہ سے کہ وہ مطالعہ اور دقیق مسائل کے حل میں زیادہ معروف رہتے تھے۔ ان کی تالیفات میں ایک شرح بر وافیۃ الاصول کہ اس کی وجہ سے اس کتاب کے الفاظ کچھ واضح ہوئے ہیں اور شرح مفاتیح کے بارے میں ایک کتاب مصابیح بڑی اچھی کتاب ہے، آپ نے امام مظلوم کی مصیبت پر بہت سے مرثیے کہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ بحر العلوم اور ان کے استاد باقر بہبہانی ایک مجلس عزا میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ذاکر نے گانے کی آواز میں پڑھنا شروع کر دیا۔ بحر العلوم کو بہت غصہ آیا اور اس کو اس حرکت سے روکا۔

آپ اعتکاف بہت کیا کرتے تھے۔ آپ نے بہت سے اہل کتاب اور علماء اہل سنت سے بحث و مباحثہ کیا، ان پر الزامات عائد کیے اور ان کو دین ائمہؑ پر منتقل کر دیا۔ دو سال تک مکہ معظمہ میں مجاوری کی۔ وہاں تقیہ کی حالت میں رہتے تھے اور اہل سنت کی نماز پڑھاتے۔ وہاں مدرسین مسجد الحرام میں رات کو فانوس جلا کر چار بجے تک تدریس کرتے تھے۔ وہ بزرگوار بھی جب تک وہاں رہے لوگوں کو کتب عامہ سے درس دیا کرتے تھے۔ سات گھنٹے تک درس ہوتا تھا اور چونکہ مذہب عامہ میں سلام کے جواب میں سلام کے صیغہ کو ہی لوٹانا اور اسلام علیک کے جواب کو شرط لازم مانتے ہیں اگر کوئی کہے اسلام علیک تو جواب میں لازمی ہے کہ کہیں علیک السلام اور اسلام علیک ہی نہیں کہہ سکتے۔ لیکن مذہب امامیہ میں دونوں طرح سے جائز ہے۔ ایک دن اہل سنت میں سے کوئی سیّد کے پاس آیا اور کہا: سلام علیک۔ سیّد نے مذہب عامہ کا خیال کیے بغیر کہہ دیا کہ سلام علیک۔ پھر اچانک خیال آیا کیونکہ وہ تقیہ فرماتے تھے تو کہا: تسالمنا یعنی ہم نے ایک دوسرے کو سلام کیا یعنی تم نے مجھ پر سلام کیا تو میں تجھ پر سلام کر رہا ہوں۔ پھر اس شخص نے کہا علیک السلام اور سید نے بھی کہا علیک السلام اور چونکہ علیؑ کا نام لینا عامہ کے نزدیک بعض مقامات پر قابل اتہام ہوتا ہے تو ایک دن آپ کی مجلس میں عامہ میں سے کوئی آیا تو آپ تواضع برتتے ہوئے اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے اور بے خیالی میں کہا: یا علی۔ پھر متوجہ ہوئے کہ غلطی ہو گئی تو فوراً ہی بولے یا عظیم یعنی میں نام خدا لے رہا تھا نہ کہ نام امیر المومنینؑ۔

ایک اور حیرت انگیز قصہ یہ ہے کہ ایک شخص امام جمعہ؛ اشہر کے لوگوں میں سے بے حد پرہیزگار تھا وہ صرف جمعہ کے دن ہی آیا کرتا۔ نماز جماعت پڑھاتا اور واپس چلا جاتا، راستہ بھر کسی سے بات چیت نہیں کرتا تھا، نہ کسی اور جگہ جاتا۔ وہ اپنے شہر کے مشاہیر میں سے تھا۔ ایک دن بحر العلوم مسجد میں تشریف لے گئے اور امام جمعہ کے پیچھے نماز جمعہ ادا کی اور پھر اس کے ساتھ اس کے گھر چلے گئے تو دیکھا کہ اس کے کتب خانہ میں بہت سی علمی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ بحر العلوم نے اس

شخص سے پوچھا کہ آپ کے کتب خانہ میں کس قسم کی کتابیں ہیں تو اس شخص نے جواب دیا۔ فیھا ما تشتہیہ الانفس وتلذ الاعین یعنی یہاں ہر وہ چیز ہے کہ جس کی نفس خواہش کرے اور آنکھ سے لذت اُٹھائے وہ کہنا چاہتا تھا کہ ہر طرح کی کتابیں میرے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ تو بحر العلوم نے اس کو اپنی غلطی پر متنبہ کرنا چاہا اور عوام الناس کی چند کتابوں کے نام لیے اور کہا کہ کیا یہ کتابیں تمہارے کتب خانہ میں ہیں؟ اس نے کہا کہ یہ تو نہیں ہیں۔ بحر العلوم نے کہا کہ ابو حنیفہ نے ایک کتاب رجال پر لکھی تھی کیا وہ کتاب ہے؟ اس نے کہا وہ بھی نہیں ہے لیکن وہ کتاب میری نظر سے گزر چکی ہے اور میں اسے پڑھا ہوا ہے۔ بحر العلوم نے فرمایا کہ اس کتاب میں انھوں نے جعفر بن صادق علیہ السلام کا وصف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں ان کی شاگردی کرتا تھا اور ہر روز ستر مسئلے ان سے سیکھتا تھا۔ اب بحر العلوم نے تعجب کا اظہار کیا کہ جعفر بن محمدؑ کے علم کی کیا منزلت تھی کہ ابو حنیفہ جیسے معتبر عالم، یگانہ روزگار ان سے ستر مسئلے سیکھ لیتا تھا اور جعفر بن محمدؑ کے شاگرد بہت تھے اور ان میں اکثر فضلاء و علماء تھے لیکن ان کی خدمت میں جاتے، مستفید ہوتے اور سیکھتے تھے تو پھر جعفر بن محمدؑ سے لوگ کس قدر فیض یاب ہوتے تھے اور جتنا وہ خود جانتے تھے، جس کی انہوں نے کسی کو تعلیم بھی نہ دی، وہ کتنا ہوگا تو جعفر بن محمدؑ کی عظمت کا کیا کہنا کہ ابو حنیفہ جیسا عالم ان کی اس قدر تعریف و تعظیم کر رہا ہے۔

امام جمعہ نے یہ سب کچھ سنا اور خاموش رہا۔ سید بحر العلومؒ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے کہ گھر واپس جائیں۔ ساتھ ہی امام جمعہ بھی کھڑے ہو گئے اور سید بحر العلومؒ کے ساتھ ساتھ ان کے گھر کے دروازے تک آئے تو سید بحر العلوم نے کہا آیئے تشریف لایئے تھوڑی دیر آرام کیجئے۔ امام جمعہ نے کہا مجھے بیٹھنا نہیں ہے میں صرف آپ کا گھر دیکھنا چاہتا تھا۔ اس دن کے بعد سے تقریباً ایک سال کا عرصہ گزر گیا تو ایک دن امام جمعہ نے سید کو بلوایا۔ سید امام جمعہ کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ امام جمعہ زمین پر پڑے ہیں اور جان کنی کی کیفیت ہے پھر امام جمعہ نے سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا اور سید سے تنہائی میں کہا کہ جس دن سے آپ نے جعفر بن محمدؑ کی منزلت واضح فرمائی۔ میں اسی دن شیعہ ہو گیا تھا۔ تقیہ کیے ہوئے تھا کسی کو بھی میرے متعلق یہ بات معلوم نہیں۔ اب جب وقت آخر آگیا ہے تو میں آپ کو اپنا وصی بنا رہا ہوں۔ آپ مذہب شیعہ کے مطابق غسل و کفن دیں اور نماز جنازہ و تدفین کا انتظام کریں۔ بس اتنا کہا اور اس کی روح پرواز کر گئی۔ سید بحر العلوم نے اس کو غسل دیا اور کفن، نماز، تدفین سب مذہب شیعہ کے مطابق انجام دیا گیا

ایک شب سید بحر العلومؒ نے کہا کہ رات کا کھانا کھانے کی مجھے بالکل خواہش نہیں ہے۔ پھر بہت سا کھانا ایک برتن میں

لیا اور اسے اٹھایا اور نجف کی گلیوں میں نکل گئے۔ ایک گھر کے پاس پہنچے کہ صاحب خانہ نے نئی شادی کی تھی لیکن اسے اور دلہن دونوں کو کچھ کھانے کے لیے میسر نہ تھا۔ بحرالعلوم نے دروازہ پر دستک دی۔ دولہا باہر نکلا۔ بحرالعلوم کہتے ہیں کہ اس وقت مجھے بھی زور کی بھوک لگ رہی تھی پس اس کھانے کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ دلہن کے لیے بھجوایا اور دوسرے حصے سید اور دولہا نے استعمال کیے۔

سید بحرالعلومؒ کی کرامات بہت ہیں اور ان کا ذکر محتاج بیان نہیں۔ لیکن اس طرح زبان زد خاص و عام نہیں کہ ان پر شک وشبہ کیا جائے اور اب تک جو حالات بیان ہوئے ہیں ان میں چند ہی کرامات کا تذکرہ ہو سکا ہے۔ ایک قصہ یہ ہے کہ ملا زین العابدین کبر السنی میں سید بحرالعلومؒ کے شاگرد تھے۔ بڑے متقی پرہیزگار تھے، نجف میں رہا کرتے تھے۔ کاظمین سے سامرہ تک آخوند ملا زین العابدین ہم سفر رہے اور سامرہ میں ایک ہی عمارت اور ایک ہی کمرے میں ٹھہرے۔ آخوند ملا زین العابدین سید بحرالعلومؒ کے حالات بیان کیا کرتے تھے کہ میں ان کا شاگرد تھا اور وہ جہاں بھی تشریف لے جاتے میں ہم رکاب رہتا تھا۔ ایک دفعہ ان کی خدمت میں سامرہ پہنچے اور چند دن وہاں قیام کیا اور بالکل اتفاقی امر تھا کہ میرزا قمی زیارت سامرہ کے لیے تشریف لے آئے اور ایک دن سید بحرالعلومؒ سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ میرزا چونکہ سید بحرالعلومؒ سے زیادہ سن رسیدہ تھے۔ چنانچہ سب ان کے پاس بیٹھ گئے۔ میرزا نے سید بحرالعلومؒ سے کہا کہ میں ذرا آپ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ پس سب لوگ اُٹھ گئے۔ آخوند ملا زین العابدین نے کہا کہ میں نے بھی اٹھنا چاہا لیکن سید بحرالعلومؒ مجھے بہت چاہتے تھے کہنے لگے یہ تو میرے خاص دوست ہیں اور محرم اسرار ہیں۔ بہر حال جب مجلس میں خلوت ہو گئی تو میرزا نے سید بحرالعلومؒ سے کہا کہ اپنا کوئی خاص واقعہ مجھے بتائیے میں اس سے فیض مند ہونا چاہتا ہوں لیکن سید بحرالعلومؒ نے بتانے سے انکار کیا کہ میرا کوئی ایسا واقعہ نہیں۔ میرزا نے بہت اصرار کیا۔ آخر سید بحرالعلومؒ نے کہا کہ پرانے وقتوں کی بات ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ صدیقۃ الکبریٰ جناب فاطمہ زہراؑ کی خدمت میں مشرف ہوا ہوں تو میری جدہ ماجدہؑ نے مجھے ایک پیالہ دال کھلائی۔ میں نے کبھی ویسی دال پہلے نہ کھائی تھی۔ بڑی مزیدار تھی اور بعد میں بھی مجھے ویسی کہیں نہیں ملی۔ حتیٰ کہ بڑی مدت بعد خراسان کی زیارت کا شرف پایا اور نیشاپور میں میزبان دال لے کر آیا تو وہ ویسی ہی دال تھی جو خواب میں کھائی تھی اور ظاہراً بھی ویسی ہی لگ رہی تھی۔ میں نے میزبان سے پوچھا کہ اس دال کا نام کیا ہے۔ کہنے لگے کہ ہمارے شہر میں اس کو آش فاطمہؑ کہتے ہیں۔ قصہ مختصر جب میں خواب میں دال کھا چکا تو جدہ ماجدہ

فاطمہؑ نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا اپنے جد بزرگوارؐ کی زیارت کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کی کہ بے شک میری انتہائے آرزو یہی ہے تو صدیقہ کبریٰ سلام اللہ علیہا مجھے ایک کمرے میں لے آئیں، میں کمرے کے دروازے کے پاس کھڑا ہو گیا دیکھا کہ جناب پیغمبر کمرے کے درمیان میں بیٹھے ہوئے ہیں اور امیر المومنینؑ دروازے کی چوکھٹ پر تشریف فرما ہیں۔ میں نے سلام عرض کیا۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ اب میں سوچنے لگا کہ جہاں بھی بیٹھتا ہوں تو میری نشست امیر المومنینؑ کے مقام سے اونچی ہوگی۔ کیونکہ وہ تو چوکھٹ پر بیٹھے ہیں پھر میرے ذہن میں آیا کہ کمرے کے ایک گوشے میں بیٹھنا چاہیے کیونکہ اگر ایک سیدھی لائن صدر مجلس سے چوکھٹ تک کھینچی جائے اور ایک دوسری لائن صدر سے گوشہ خانہ تک کھینچی جائے تو جو خط چوکھٹ تک کھینچا جائے گا اور وہاں امیر المومنینؑ تشریف فرما ہیں۔ وہ میرے مقام کے مقابلہ میں صدر مجلس سے بالاتر اور قریب تر ہوگا اور وہ خط جو گوشہ تک ہوگا وہ پیغمبرؐ سے زیادہ فاصلہ پر اور پست تر ہوگا۔ پس اس خیال سے گوشہ میں بیٹھ گیا۔ جب رسول مقبولؐ نے یہ دیکھا تو تبسم فرمایا کہ بیٹا تم صحیح سوچ رہے تھے۔ پھر میں نے رسول مقبولؐ سے ایک سوال کیا اور آپؐ نے جواب عنایت فرمایا۔ میرزا قمی نے پوچھا کہ وہ سوال و جواب کیا تھا۔ بحر العلوم نے کہا وہ میں بتانا نہیں چاہتا۔ جتنا بھی میرزا قمی نے اصرار کیا انھوں نے انکار کیا۔

نیز ملا زین العابدین کہتے تھے کہ بحر العلوم کا قاعدہ یہ تھا کہ اگر کوئی رات کو ان کے کھانے کے وقت پہنچتا اور کھانا نہ کھاتا تو وہ بہت بُرا مناتے تھے۔ ایک رات یہ ہوا کہ مغرب کے وقت۔ بحر العلوم مرقد اطہر عسکریینؑ کے مابین پشت پر نماز پڑھ رہے تھے اور ہم کچھ اصحاب بھی ان کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ نماز میں تشہد کو تمام کیا اور السلام علینا والا جملہ بھی پڑھ لیا اور ابھی السلام علیکم نہ کہا تھا کہ خاموش ہو گئے اور بالکل نہ بولے ہم نے سوچا کہ شاید کوئی سہو یا بھول چوک عارض ہو گئی ہے۔ پھر کچھ وقت گزرا اور پھر انہیں نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ ہم سب کو بڑی حیرت ہوئی لیکن ان بزرگوار کی ہیبت اس قدر تھی کہ کسی کو اُن سے یہ پوچھنے کی ہمت نہ تھی کہ وجہ سکوت دریافت کرے۔ آخوند ملا زین العابدین کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دوست سے کہا کہ آج رات کو ہم کھانا نہ کھائیں گے اور یہ عرض کریں گے کہ آپ اپنی خاموشی کا سبب نہیں بتائیں گے تو ہم کھانا نہیں کھائیں گے اور چونکہ وہ اس بات پر کبھی راضی نہیں ہوتے کہ کوئی ان کی مجلس میں ہو اور رات کا کھانا نہ کھائے تو لازماً وجہ بتا دیں گے۔

پس شام کے وقت بیٹھے رہے، بحر العلوم نے کہا کھانا کھاؤ تو ہم نے عرض کی کہ اگر آپ نماز میں خاموشی کا سبب ارشاد

فرمادیں تو ہم کھانا کھائیں گے ورنہ نہیں۔ ان بزرگوار نے کہا تم کھانا کھاؤ پھر میں وجہ سکوت بیان کردوں گا۔ پس ہم نے کھانا کھالیا اور پھر سے سکوت کا سوال کیا ان بزرگوار نے فرمایا کہ جب میں نے سلام کا پہلا صیغہ پڑھا تو میں نے دیکھا کہ جناب امام عصر عجل اللہ فرجہ اپنے جدّ اور والد ماجدؑ کی زیارت کے لیے حرم کے اندر تشریف لائے ہیں۔ میری زبان میں لکنت پیدا ہوگئی اور امامؑ کی ہیبت سے بولنے کی طاقت نہ رہی اور چونکہ حالت نماز میں تھا۔ کھڑا ابھی نہیں ہوسکتا تھا اور نہ نماز کو توڑ سکتا تھا کہ امام عصر علیہ السلام کا احترام و تعظیم بجالاؤں اور میری زبان میں اتنی لکنت تھی بلکہ بند ہوگئی تھی کہ امامؑ نے اتنے میں اپنے جدّ اور والد ماجدؑ کی زیارت سے فراغت پالی اور واپس تشریف لے گئے تب میرے حواس بجا ہوئے اور زبان میں حرکت پیدا ہوئی اور میں نے دوسرا صیغہ پڑھا۔

میرزا قمی نے آپ کی ایک اور کرامت بیان فرمائی کہ ایک رات مسجد سہلہ میں عبادت میں مصروف تھے کہ وہ کہتے ہیں کہ ناگاہ میں نے مناجات کی ایسی آواز سنی کہ دل تڑپ اُٹھا۔ میں اس آواز کی طرف گیا تو دیکھا کہ وہاں سے نور بلند ہو رہا ہے اور بالکل روز روشن کا سماں ہے اور کوئی شخص بیٹھا ہے۔ میں نے سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا اور فرمایا: سید مہدی بیٹھو۔ میں بیٹھ گیا۔ بحر العلوم نے اپنے ہاتھ سید مہدی کی گردن میں حمائل کردیے اور کہا کہ اگر میں یہ کہوں کہ میں نے حضرت قائمؑ کی زیارت کی تو تم مجھے جھٹلاؤ گے کیونکہ یہ تمہاری شرعی ذمہ داری ہے اور اس کے بعد بحر العلوم نے کوئی بات نہ کی۔

سید جواد عاملی، صاحب کتاب مفتاح الکرامہ در شرح قواعد، بحر العلوم کے شاگردوں میں سے تھے اور شیخ محمد حسن نجفی صاحب جواہر الکلام نے ابتداء میں سید جواد کی شاگردی اختیار کی تھی۔ سید جواد نے تذکرہ کیا کہ ایک رات میں نے دیکھا کہ میرے استاد بحر العلوم نے امیر المومنینؑ کے صحن کا پھاٹک کھولا اور آنحضرتؑ کے حرم کی جانب روانہ ہوگئے، انھوں نے مجھے نہ دیکھا تھا۔ میں چپکے چپکے ان کے پیچھے گیا۔ پس میں نے دیکھا کہ رواق کا پھاٹک جو مقفل تھا اس کا تالا خود بخود کھل گیا اور وہ وہاں سے گزر کر جانب حرم چل پڑے۔ اسی طرح حرم کا دروازہ بھی کھل گیا۔ آپ نے اپنے جد کو سلام عرض کیا اور مرقد منور سے جواب سلام آیا۔ مجھے بڑا خوف محسوس ہوا اور میں واپس لوٹ گیا۔

نیز سید جواد کہتے ہیں کہ ایک دن میرے استاد بحر العلوم دروازہ شہر سے نکل کر نجف سے باہر چلے گئے میں ان کے پیچھے ہولیا۔ یہاں تک کہ ہم مسجد کوفہ میں داخل ہوگئے۔ میں نے دیکھا کہ آپ مقام صاحب الامرؑ پر حاضر ہوئے ہیں اور

امام زمانہ سے گفتگو فرما رہے ہیں اس دوران ایک مسئلہ بھی دریافت کیا تو جواب ملا کہ احکام شرعی میں ظاہری دلائل دیکھنے کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ تمہاری ذمہ داری یہی ہے کہ ان دلائل سے استفادہ کرو اور حقیقی احکام کی تم پر کوئی ذمہ داری نہیں۔

آخوند ملا زین العابدین سلماسی کہتے ہیں کہ بحرالعلوم ہر شب جمعہ نجف کی گلیوں میں چکر لگاتے اور فقراء کے لیے روٹی اور کھانے پینے کی اشیا لے جاتے۔ ایک مرتبہ کچھ دنوں کے لیے آپ نے درس مؤخر کر دیا، پس طلباء نے مجھ سے سفارش کرانا چاہی تو میں نے آنجناب کی خدمت میں عرض کی تو انھوں نے کہا اب میں درس نہیں دوں گا۔ چند روز بعد پھر طلباء نے میرے ذریعہ معلوم کرنا چاہا کہ آخر درس نہ دینے کی وجہ کیا ہے؟ میں نے پھر آنجناب سے عرض کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ان سارے طلباء سے میں نے نصف شب میں کبھی بھی گریہ وزاری اور مناجات کی آوازیں بلند ہوتی ہوئی نہیں سنیں کیونکہ میں اکثر راتوں میں نجف کی گلیوں میں پھرتا رہا اور ایسے طالب علموں کا کوئی حق نہیں ہے کہ انہیں درس دیا جائے۔ جب طلباء کو اس بات کا علم ہوا تو بہت روئے پیٹے اور راتوں کو ان کی گریہ وزاری اور مناجات کی آوازیں ہر جانب سے بلند ہونے لگیں۔ بعد میں آنجناب نے دوبارہ اپنے درس کا آغاز کر دیا۔

ایک دفعہ جب آپ مسجد کوفہ میں تھے تو ایک دن اپنے ملازمین اور دوستوں سے فرمائش کی کہ اتنے اتنے کھانے کی تیاری کرو فلاں تعداد میں سوار آنے والے ہیں اور سب بھوکے ہیں۔ چنانچہ مطابق حکم کھانا تیار کیا گیا کہ اچانک دیکھا کہ اتنی ہی تعداد میں لوگ نہ ایک کم نہ ایک زیادہ وارد ہو گئے، ان بزرگوار کے دستر خوان پر کھانا کھایا اور پھر چلے گئے۔

آپ کے پوتے آقا سید حسین نجف کے فقہاء سے تھے اور آپ کے بھائی کے پوتے حاجی میرزا محمود بروجرد میں تھے اور صاحب کرامت تھے۔ جب بھی کسی مجلس میں تشریف رکھتے تھے، قرآن ساتھ ہوتا تھا اس کی تلاوت کرتے رہتے تھے، سید صادق بھی ان کے ہم قبیلہ تھے، تہران میں رہتے تھے اور ان میں سے کوئی بھی کسی محفل میں جاتا تھا تو قرآن اپنے ساتھ لے کر آتا تھا اور پڑھتا رہتا تھا۔ یہ بڑی خوبی کی اور قابل تعریف بات یہ ہے کیونکہ عالم ہو یا غیر عالم چاہے محبت علمی میں ہی کیوں نہ ہوں، بعض اوقات اس کا اختتام کسی جھگڑے، بدنیتی یا فضول قسم کے مباحثے پر ہوتا ہے اور اگر دنیاوی باتیں ہوں تو غیبت کے بغیر انجام پذیر نہیں ہوتیں۔

سید صدر الدین نہاوندی ششتری کی عادت تھی کہ ان کی جائے نماز بچھی رہتی اور نماز پڑھتے رہتے اور بس اس کام میں مشغول رہتے ان کا تعلق ششتر سے تھا لیکن نہاوند میں بھی رہا کرتے تھے۔ ایک فاضل انسان تھے لیکن ہمیشہ نماز کے

لیے کمزور رہے ان کے بارے میں مشہور یہ تھا کہ وہ اہل باطن اور با کرامت شخصیت تھے اور مرحوم آقا سید صادق تنکابنی کے پیش نماز اور اصلاً لنگرود کے رہنے والے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ عتبات سے اصفہان لوٹتے ہوئے میں نہاوند سے عبور کیا کیونکہ میں نے سید کی کرامات کے متعلق سنا ہوا تھا اور کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا بلکہ چاہتا تھا کہ کسی کرامت کا میں بھی مشاہدہ کروں اس لیے میں سید کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجھے بڑے با اخلاق اور باصفا لگے اور وہاں لوگ بھی ان سے بڑا خلوص رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ شہزادے بھی ان کی رعایت وحمایت کیا کرتے تھے۔ یہ سمجھ کر کہ شاید فتح علی شاہ کے بعد ان کے لطف وکرم سے وہ سلطنت کے مالک بن جائیں۔ سید نے حال احوال پوچھنے کے بعد یہ سوال کیا کہ آپ کا یہاں کیسے آنا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ ہر جگہ آپ کی کرامات کا شہرہ سن کر میں نے چاہا کہ آپ کے فیض عام سے بہرہ یاب ہوں اور کوئی کرامت اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کروں۔ سید نے کہا کہ مجھے تو کوئی کرامت حاصل نہیں اور میری کرامتوں کا شہرہ یوں ہو رہا ہے کہ ہر آدم زاد اپنی ماں سے پیدا ہوتا ہے اور اسی وقت جنوں کا کوئی بچہ اپنی ماں سے متولد ہوتا ہے اور اس جن بچے کو اسی انسانی بچہ کا ہمزاد قرار دیتے ہیں اور میرا بھی ایک ہمزاد ہے لیکن اتفاق یہ ہوا کہ میرا ہمزاد جنوں کے بادشاہوں کے طبقہ کا ہے اور میرے اس ہمزاد نے پانچ جن میرے لیے بھیج دیئے ہیں جو میرے گھر میں رہتے ہیں اور میری خدمت کرتے ہیں۔ مثلاً کبھی گھر کے برتن پانی سے خالی ہوتے ہیں تو اچانک تم دیکھو گے کہ وہ پر آب ہو گئے ہیں اور کبھی کوئی بچہ جھولے میں رونے لگتا ہے تو تم دیکھو گے کہ وہ بغیر کسی کے جھلائے، جھولا جھولنے لگتا ہے۔ کبھی گھر میں لکڑی نہیں ہوتی، اچانک لکڑیوں کا ڈھیر لگ جاتا ہے۔ کبھی آگ بجھی ہوئی ہوتی ہے، اچانک بغیر کسی کے سلگائے ہوئے سلگ اٹھتی ہے تو لوگ جب یہ کام یوں ہوتے دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ یہ کرامت ہے حالانکہ یہ کوئی کرامت نہیں بلکہ یہ جن خدمات انجام دیتے ہیں۔ یہ آپ کی کسر نفسی تھی۔

بعض اوقات انسان اچانک ملول ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ نہیں سمجھ پاتا۔ جب امام مہدی علیہ السلام شیعوں کے اعمال نامہ دیکھتے ہیں تو ان کے گناہوں کو دیکھ کر ملول خاطر ہوتے ہیں اور چونکہ امام قطب عالم امکان ہیں اور جب قلب رنج وغم محسوس کرتا ہے تو اس کا اثر تمام اعضاء پر ہوتا ہے اس طرح امام کا ملال سارے عالم امکان کے باسیوں کے دلوں پر اثر ڈالتا ہے اور ممکن یہ ہے کہ جس شخص کے اعمال کی بناء پر امام کی طبیعت مکدر ہوتی ہے تو جو امام سے اس شخص کا باطنی ربط ہے اس کی بناء پر وہی ملول دکھتا ہے جبکہ دوسرے احساس نہیں ہوتے۔

☆☆☆

بسم تعالیٰ

مجتہد عالی قدر سید دلدار علی غفران مآبؒ

۱۱۶۶ھ - ۱۲۳۵ھ

کوئی ڈھائی سو سال پہلے کی بات ہے، نصیر آباد (جائس) کے ایک دلدار نوجوان کسان نے اپنے کھیت سے ناطہ توڑا، اپنے دیس سے دور نکلا، بہت دور تک نکل گیا، پھر پلٹا تو اس کا 'کسان' کھو چکا تھا، اس کے کھیت کی چک بندی چکنا چور ہو چکی تھی۔ اب وہاں پودے نہیں بلکہ تا حد نظر سر ہی سر تھے اس کا 'ہل' بے ساختہ بدل کر قلم بن چکا تھا اب وہ گیان دھیان کا کسان بنا علم کی فصلیں اُگانے لگا وہ اصلاح سے صاف کیے ہوئے معاشرے کے دانوں کو بازار میں اتارنے لگا۔ اُس کی فصل اُس کا سونا وہ پیلی دھات نہیں جو دنیا کو چکراتی رہتی ہے اور عالمی معاشیات پر اپنا راج بنائے رکھے ہے، بلکہ علم کا سونا ہے۔ یہ ہیرے تاج میں جڑے جانے والے کٹے کٹائے اور آنکھوں کے چوندھیاتے پتھر نہیں بلکہ روشن خیالی اور فکری دمک کی طرح ہیں۔ اس کے موتی بھی مردہ سی پڑی سیپ کے پیٹ میں پلنے والے ساحر نگاہ دانے نہیں بلکہ تازہ تازہ ہاتھ آئے اجتہاد کے نئے نئے جواہر ہیں۔

وہ علم کی فصل بونے والا کسان کوئی اور نہیں عہد ساز، علم پناہ، غفران مآبؒ آیۃ اللہ سید دلدار علی نقوی اعلیٰ اللہ مقامہ ہیں۔ وہ ہندوستان میں علم دین کی بہار لانے والے، قوم وملت کے مصلح ومحسن اور قلم کے سورما ہیں۔ ان کا خاص تاریخ ساز کارنامہ ہندوستان کو 'اصول فقہ' اور 'اجتہاد' سے روشناس کرانا تھا۔ انہوں نے اجتہاد کو اولاد کی طرح پالا پوسا اور بڑا کیا کہ ان کی اولاد 'خاندان اجتہاد' ہو گئی۔ یعنی ان کی اولاد اور اجتہاد باہم مترادف ہو گئے۔ 'خاندان اجتہاد' میں علم دین اور اجتہاد کی روایت بہت دور تک اور دیر تک پہنچتی رہی۔ آج بھی عمامے اس خاندان کا سر اونچا کیے ہوئے ہیں۔ اجتہادی خدمات کے ساتھ ساتھ یہ خاندان قوم وملت کی فکری تربیت بھی کرتا رہا۔

آیۃ اللہ سید علی معروف بہ دلدار علی ابن سید محمد معین ابن سید عبد الهادی نصیر آبادی سادات نقوی میں طاہر ابن جعفر تواب ابن حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔

آپ کے مورث اعلیٰ سید نجم الدین سبزوار ایران سے سالار مسعود غازی کی نصرت کے لئے ایک فوج کے سردار کی حیثیت سے ہندوستان تشریف لائے اور ضلع رائے بریلی میں قصبہ ودیا نگر کو فتح کیا بعد ہی اس کا نام جائس مشہور ہو گیا پھر

آپ ہی کی اولاد میں سے سید زکریا نے قلعہ پٹاک پور کو مسخر کر کے اس کا نام اپنے بزرگ سید نصیر الدین کے نام پر نصیر آباد رکھا۔

اسی نصیر آباد میں ۱۱۶۶ھ میں ایک شب جمعہ کو سید محمد معین کے گھر ایک نابغہ روزگار بچہ پیدا ہوا جس کا نام دلدار علی رکھا گیا پھر وہیں نشوونما اور ابتدائی تعلیم ہوئی ذوق علم قدرت کی طرف سے بچپن ہی میں بے چین کئے ہوئے تھا اور اس تشنگی کو دور کرنے کے لیے وطن کی سرزمین بے آب نظر آتی تھی اسی لیے مسافرت اختیار کی اور اس وقت کہ جب ذرائع آمد و رفت دشوار تھے ہندوستان کے مختلف شہروں کا سفر کر کے سندیلہ میں شارح سلم ملا حمد اللہ کے صاحبزادے ملا حیدر علی سے الہ آباد میں سید غلام حسین دکنی سے رائے بریلی میں مولوی باب اللہ شاگرد ملا حمد اللہ سے صرف ونحو معانی و بیان وغیرہ اور علوم عقلیہ، منطق وفلسفہ وریاضی کی تکمیل کی پھر فیض آباد تشریف لے گئے اور وہاں بحر العلوم مولوی عبد العلی صاحب سہالوی سے بعض مسائل عقلیہ پر مباحثہ ہوا وہاں سے لکھنؤ تشریف لائے۔ یہاں اس وقت نواب آصف الدولہ مرحوم کی حکومت تھی اور نواب سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خاں کا اقتدار تھا۔ انہیں احساس ہوا کہ ہندوستان میں اب تک کوئی شیعہ عالم ایسا نہیں ہوا جو درجۂ اجتہاد پر فائز ہو اس طرح خداوند عالم نے ان کو جناب غفرانمآبؒ کی اتنی امداد کی توفیق عطا فرمائی کہ آپ تکمیل علم کے لیے عتبات عالیات کی طرف روانہ ہوئے۔

پہلے عراق پہنچے اور کربلائے معلی میں صاحب ریاض آقا سید علی طباطبائی اور آقا سید مہدی موسوی شہرستانی نیز خود ان بزرگوں کے استاد، استاد اکبر آغا باقر بہبہانی سے اور نجف اشرف میں بحر العلوم آقا سید مہدی طباطبائی سے فقہ اور اصول اور علم حدیث کی تکمیل کی۔ اس کے بعد ۱۱۹۳ھ میں مشہد مقدس (ایران) کی طرف رخ کیا اور جناب سید محمد مہدی ابن سید ہدایت اللہ اصفہانی سے اکتساب علوم کیا اور بعد تکمیل ہندوستان مراجعت فرما ہوئے اور مرزا حسن رضا خاں کی خواہش سے لکھنؤ میں قیام فرمایا اور سلسلۂ تصنیف وتدریس وتبلیغ شروع کیا چند ہی سال میں کچھ کتابیں تصنیف کر کے عراق بھیجیں اور مذکورہ بالا اساتذہ نے اجازات روانہ فرمائے۔

اس وقت ہندوستان میں فرقۂ شیعہ کے افراد بڑے دور جہالت سے گزر رہے تھے۔ اقلیت میں ہونے کے ساتھ کوئی علمی ودینی سرچشمہ قریب نہ ہونے کی وجہ سے دوسرے فرقوں اور مذاہب کی رسوم کو اختیار کئے ہوئے تھے۔ احمد کبیر کی گائے شیخ سدو کا بکرا میران جی کے گلگلے اور بھوانی جی کی منتیں ایسی رسوم شیعوں میں رائج تھیں۔ جناب غفرانمآبؒ

نے ایک طرف موعظہ و نصیحت سے داخلی اصلاح فرمائی اور ان سب رسوم کا قلع قمع کیا، دوسری طرف دوسرے فرقوں کے علماء کا مقابلہ کیا اس وقت ایک محاذ شیعیت کے خلاف اہلسنت کا تھا اور دوسری طرف صحیح تعلیمات شریعت کے خلاف اخباریت کا تھا تیسرا بے مغز صوفیت کا جس کے نتیجہ میں پیری مریدی کا زور تھا اور احکام شرعیہ سے قطعی بے پروائی برتی جاتی تھی جناب غفران مآبؒ نے تن وتنہا ان تمام محاذوں پر مقابلہ کیا۔

اہلسنت کے محاذ کی قوت اس سے ظاہر ہے کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تحفۂ اثنا عشریہ اسی دور میں لکھی جس پر ڈیڑھ سو برس گزرنے کے بعد آج تک اہلسنت کی جانب سے مناظرہ کا دار و مدار ہے۔ تحفہ کے مختلف ابواب کے جواب میں خود جناب غفرانمآبؒ نے قلم اُٹھایا اور پانچ کتابیں پانچ بابوں کے جواب میں لکھیں صوارم الالٰہیات، باب الٰہیات کے جواب میں حسام الاسلام، باب نبوت کے جواب میں خاتمہ صوارم، اثبات امامت میں احیاء السنہ، مبحث معاد و رجعت اور ذوالفقار باب دوازدہم کی رد میں۔ اس کے علاوہ رسالۂ غیبت بھی شاہ عبدالعزیز دہلوی ہی کی رد میں ہے نیز کچھ ابواب کا جواب اپنے شاگردوں سے لکھوایا جیسے جناب مفتی سید محمد قلی موسوی نیشاپوری جنہوں نے دو بابوں کے جواب میں تَـقْـلِـيْـبَ الْمَكَائِدِ اور تَشْيِيْدُ الْمَطَاعِنِ دو کتابیں لکھیں۔

جناب مفتی سید محمد قلی نیشاپوری موسوی، میر سید حامد حسین قلی موسوی نیشاپوری کے والد بزرگوار تھے۔ آپ کا شمار جناب غفرانمآبؒ کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔ میر سید حامد حسین قلی موسوی نیشاپوری کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اُنھوں نے عبقات الانوار جیسی کتاب لکھی جس کی نظیر آج بھی پوری دنیا میں نہیں ملتی۔ یہ وہ کتاب ہے جس نے قلعہ باطل کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا۔ میر سید حامد حسین قلی موسوی نیشاپوری سن ۱۲۴۶ھ میں ہندوستان کے شہر میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار سید محمد قلی موسوی سادات سے تھے اور ۲۷ویں پشت سے آپ کا تعلق امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ آپ کا سارا خاندان اہل علم و زہد و تقویٰ کے لیے مشہور ہے آپ کے خاندان کا تعلق نیشاپور سے ہے۔ ساتویں صدی عیسوی میں دُشمن کے حملہ کے باعث آپ کے اجداد نے ہندوستان ہجرت کی۔

میر سید حامد حسین قلی موسوی نیشاپوری کے والد بزرگوار جناب غفرانمآبؒ کے شاگرد تو تھے ہی مگر یہ سعادت آپ کے فرزند کو حاصل ہوئی کہ آپ جناب غفرانمآبؒ کے بڑے فرزند سید محمد سلطان العلماء اور جناب غفرانمآب کے پوتے سید مرتضیٰ خلاصۃ العلماء کے شاگرد خاص تھے۔

دوسرا محاذ یعنی اخباریت کا بھی بڑا زور آور تھا جس کے بڑے سرگروہ اکبرآباد (آگرہ) کے باشندے مرزا محمد بن عبدالصانع نیشاپوری تھے جو عراق میں جا کر مقیم ہو گئے تھے اور آخر میں مجتہدین کے خلاف ناقابل برداشت سخت کلامیوں کے نتیجہ میں کسی نے جوش اشتعال میں آ کر انہیں قتل کر دیا اور اسی طرح مرزا محمد مقتول مشہور ہوئے ان کے اثرات اس وقت ہندوستان میں بہت زیادہ تھے اخباریوں کی مایہ ناز کتاب اس وقت فاضل استرآبادی ملا محمد امین کی فوائد مدینہ تھی چنانچہ جناب غفرانمآبؒ نے اسی کتاب پر قلم اُٹھایا اور اساس الاصول اس کی رد میں لکھی۔

یہ اخباریین پر بڑی شدید ضرب تھی چنانچہ مرزا محمد اکبرآبادی نے اس کی رد معاول العقول کے نام سے لکھی جناب غفرانمآبؒ نے اپنے بعض شاگردوں کی طرف سے اس کا جواب مطارق کے نام سے تحریر فرمایا اور آخر غفرانمآبؒ کی مساعی سے اخباریت کا چراغ ہندوستان سے ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔

صوفیت کے مقابلہ میں جناب غفرانمآبؒ نے شہاب ثاقب کتاب لکھی جس میں صوفیا کے اصلی خط وخال کو بالکل بے نقاب کر کے پیش کر دیا گیا۔ مواعظ اور تبلیغات کے ذریعہ اس میں جو حیرت انگیز کامیابی حاصل ہوئی ہے اس کا آنکھوں سے مشاہدہ ہو رہا ہے کہ سوا سندھ اور پنجاب کے دور دراز مقامات کے جہاں آواز پوری طرح پہنچ نہ سکی تھی یوپی اور اس کے قریب کے تمام علاقوں میں شیعوں کے اندر پیری ومریدی خانقاہوں اور اولیاء کے مزارات کا نام ونشان تک نہیں ہے ان تینوں محاذوں پر مدافعانہ مجاہدات کے علاوہ شیعوں کی ذہنی مذہبی تربیت کے لئے ایک طرف مواعظ کا سلسلہ قائم فرمایا۔ دوسری طرف عزائے امام حسینؑ کی ترویج واشاعت میں پورا انہماک صرف کیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں دو کتابیں بھی تحریر فرمائیں۔ ایک کتاب اِثَارَۃُ الْاَحْزَانِ عَلَی الْقَتِیْلِ الْعَطْشَانِ اور دوسرے مُسَکِّنُ الْقُلُوْبِ عِنْدَ فَقْدِ الْمَحْبُوْبِ اور تعمیری شکل میں ایک عزاخانہ لکھنؤ میں تعمیر کرایا جو حسینیہ غفرانمآبؒ کے نام سے دنیائے شیعت میں مشہور ہے اور دوسرا حسینیہ اپنے وطن نصیرآباد میں بنوایا جس کے آثار شکستہ اس وقت تک موجود ہیں اس کے علاوہ آصف الدولہ کا امام باڑہ بھی اس دور کی یادگار ہے۔

ان تمام خدمات میں سے ہر ایک میں جتنا کام غفرانمآبؒ نے بذات خود کیا ہے وہ کسی ایک شخص کی پوری زندگی کا کارنامہ بن سکتا تھا چہ جائیکہ ان تمام خدمات کو مجموعی حیثیت سے بوقت واحد انجام دینا یہ بغیر مخصوص تائید وتوفیق الٰہی کے خیال میں نہیں آ سکتا پھر مستقل علمی خدمات اور مختلف فنون میں تصانیف یہاں تک کہ فلسفہ میں شرح ہدایۃ الحکمۃ ملا صدرا کا

حاشیہ اور منطق میں حمد اللہ کا حاشیہ یہ پوری زندگی کے کارنامے وہ ہیں جن کا مثل و نظیر غفرانمآبؒ کے بعد آپ کے اخلاف و تلامذہ اور بعد کے طبقات میں بھی نہیں ملتا جب کہ اب حالات اطمینان بخش ہو چکے تھے اور ایک ماحول تیار ہو گیا تھا اور یوں کہنا چاہئے کہ ان تمام شعبوں میں بنیادیں قائم ہو کر تھوڑی دیواریں بھی تعمیر ہو گئی تھیں صرف انہیں اونچا کرنا تھا پھر بھی غفرانمآبؒ کی سعی ہمہ گیری کسی شخصیت میں نظر نہیں آتی۔

مذکورہ تمام امور کے علاوہ پھر طلاب کی تدریس و تربیت جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں جہاں کہیں بھی علم ہے اس کی انتہا غفرانمآب طاب ثراہ تک ضرور ہوتی ہے۔ جس کے تفصیلی تذکرہ کی اس مقام پر گنجائش نہیں ہے۔

ہندوستان میں پہلی نماز جمعہ قائم کرنے کی سعادت

مایہ ناز سکالر، عالم دین محقق جناب ڈاکٹر قلب صادق جو آپ ہی کی اولاد میں سے ہیں۔ راقم طراز ہیں:۔

کوفہ اور شام کے بازاروں میں شریکۃ الحسین بی بی نے اور دربار یزید میں امام سجادؑ نے جن حالات میں جو خطبے دیئے ان کو ان کے اثرات کی روشنی میں دیکھئے تو کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے دربار نمرود میں حضرت ابراہیمؑ اور دربار فرعون میں موسیٰ کلیم اللہ کی خطابت کو پیچھے چھوڑ دیا۔ ان خطبات کو خطابت کا شاہکار کہنا ان کی ہتک ہے یہ خطابت کے شاہکار نہ تھے معجزے تھے۔

حضرت شریکۃ الحسین بی بی اور امام زین العابدینؑ کے انہی خطبات نے ہماری مجلسوں کی بنیاد رکھی۔ بعد کے آئمہ اہلبیتؑ نے سخت ترین حالات میں بھی ان مجلسوں کو قائم رکھا اس لئے کہ آپ حضرات جانتے تھے کہ ان مجلسوں کے یہ آنسو اگر ملت کے لئے چشمہ آب حیات بن سکتے ہیں تو دشمنوں کے لئے بلائے جاں بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ ان حضرات کی اس انجام بینی کو تاریخ نے دیکھا اور صحیح پایا۔ بنی امیہ اور بنی عباس کے سات سو برس سے بھی زائد کے سفاکانہ دور اقتدار میں غم حسینؑ میں بہنے والے یہی آنسو ہمارے لیے آب و حیات بنے رہے اور یہی آنسو تھے جو وقتاً فوقتاً انقلابی تحریکوں کی شکل میں ظالم حکومتوں کو تھپیڑے دیتے رہے۔ آنسو بنام تلوار کا یہ معرکہ آج بھی برپا ہے۔ آمریت و ملوکیت کے نمک خوار آج بھی یزید کو ''امیر المومنین'' قرار دے کر اپنے آقاؤں کے اقتدار کے ڈولتے سنگھاسن کو سنبھالنے کی کوشش کر رہے ہیں اور عدل و مساوات کی دائمی انقلابی تحریکوں کا نعرہ آج بھی یہی ہے کہ:

''کربلا تاج کو برداشت نہیں کر سکتی''

برصغیر پر نظر ڈالیں تو یہاں بھی مذہب کی تجدید واحیاء میں خطبہ ہی کارفرما دکھائی دے گا۔ ۱۲۰۰ھ/۸۶۔۱۷۸۵ء میں سادات نصیر آباد ضلع رائے بریلی کا ایک نوجوان سید دلدار علی جو باب مدینۃ العلم کے آستانے سے سند اجتہاد لے کر ہندوستان پلٹا تھا، لکھنؤ آیا تو شمالی ہند میں شیعوں کی پہلی نماز جمعہ و جماعت برپا ہوئی۔ چونکہ سید دلدار علیؒ کی لکھنو آمد وزیراعظم سرفراز الدولہ کے بلاوے اور حکمران آصف الدولہ کی منظوری سے ہوئی تھی۔ اس لئے اودھ کا حکمراں بھی مقتدیوں کی صفوں میں موجود تھا تو اسی دلدار علی غفرانمآبؒ نے وزیراعظم کے منع کرنے کے باوجود خطبہ کا موضوع وہی کمزوریاں قرار دیں جو رعایا کے ساتھ حکمران میں بھی پائی جاتی تھیں مگر اس ایک خطبہ نے ہمیشہ کے لئے حکومت کا مزاج بدل دیا۔ عیش کوشیاں عبادت میں تبدیل ہوگئیں۔ عشرت کدوں کی جگہ مسجدوں نے لے لی اور مقبروں کی جگہ امام باڑے بننے لگے اور اودھ کی حکومت نے شریعت سے مفاہمت کی راہ اختیار کرلی اور پھر آگے چل کے شریعت کے ہاتھ پر بیعت ہی کرلی۔

مملکت اودھ میں عزاداری کو زبردست فروغ میسر ہوا لیکن اس دوران محض مرثیہ گوئی پروان چڑھتی رہی جو انجام کار انیس و دبیر کے ذریعہ ان بلندیوں تک پہنچی کہ جنھیں بعد میں آنے والا کوئی مرثیہ گو چھو بھی نہ سکا لیکن خطابت عزاء روضہ خوانی سے آگے قدم نہ بڑھا سکی۔

تاہم مولانا دلدار علی غفرانمآبؒ کے فرزند اکبر سلطان العلماء سید محمد (رضواں مآب) نے اپنے بیانات میں ذکر فضائل میں نکتہ آفرینی کی شروعات کی اور پھر اسی خانوادے کی ذی علم جلیل شخصیت سید محمد حسین عرف جناب علن صاحب (متوفی ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء) نے مصائب میں جزئیات کی توجیہ اور علمی موشگافیوں کی ابتدا کی لیکن خطابت معراج کمال پر شمس العلماء مولانا سبط حسن مرحوم کی بدولت پہنچی۔ آپ کو جہانِ خطابت میں وہی مرتبہ حاصل ہوا جو دنیائے مرثیہ میں انیس کو حاصل ہوا تھا۔ انیس کو خدائے سخن کا خطاب ملا تو مولانا سبط حسن کو خطیب اعظم کا لقب ملا۔

چنانچہ عزاخانہ غفرانمآب کے مقدس قبرستان میں واقع مرحوم کے سنگ مزار پر جو عبارت درج ہے یوں تو اس کی ہر سطر مادہ تاریخ پر مشتمل ہے مگر اس کی پہلی سطر "قبر خطیب اعظم" ہے جس سے سنہ وفات ۱۹۳۴ء برآمد ہوتا ہے۔ مولانا سبط حسن کے معاصر ایک دوسرے نامور خطیب تھے مولانا محمد رضا مرحوم، جن کی تقاریر میں فلسفیانہ رنگ غالب ہوتا تھا۔ گویا مرثیہ کے میدان کے مانند آسمان خطابت پر بھی بیک وقت دو آفتاب درخشاں ہوئے انیسِ خطابت سبطِ حسن تھے تو دبیرِ خطابت محمد

رضا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ مرثیہ گوئی گوشہ گیر ہوتی گئی اور میدان بیان فضائل و مصائب اہلبیتؑ پر شہسواران خطابت کا قبضہ ہوتا چلا گیا۔ ان نامور خطباء کے تفصیلی بیان کے لئے ایک دفتر درکار ہے مگر میں یہاں اختصار کی کوشش کے باعث محض دو ایسے واقعہ لکھنا چاہتا ہوں جو میرے علاوہ اب شاید ہی کسی کو معلوم ہوں۔ ان میں سے ایک کا تعلق میرے والد مرحوم سے ہے اور دوسرے کا مجلس شام غریباں سے یعنی ایک کا تعلق ایک خطیب عزاء سے اور دوسرے کا تاریخ عزاء سے۔

میرے والد مولانا سید کلب حسین مرحوم اپنے عصر کے صاحب طرز خطیب ہوئے اور صف اوّل میں جگہ حاصل کی مگر ان کی خطابت کی ابتدا اتفاقی طور پر ہوئی تھی یہ واقعیت شاید کسی کو بھی نہیں معلوم ہو۔

یہ بات حقیر سے خود مرحوم نے فرمائی تھی کہ ان کے خواب و خیال میں بھی خطابت نہ تھی۔ حسینیہ غفرانمآب کی مجالس میں ایک حدیث خواں ذاکری کیا کرتے تھے۔ محرم سے چند دن قبل اچانک ان کا انتقال ہو گیا۔ یہ زمانہ والد ماجد کے عنفوانِ شباب کا تھا۔ فرمایا کہ ''ان کا انتقال ہوا تو والد مرحوم (یعنی راقم کے جد مرحوم مولانا آقا حسن) نے کہا کہ ''کبن (یہ عرفیت تھی) اس سال امام باڑے کی مجلسیں تم کو پڑھنا ہیں۔'' فرماتے تھے کہ ''یہ سن کر میں سکتہ میں آ گیا۔ مگر سرتابی کہاں ممکن تھی۔'' تو پہلے سال کی مجلسیں یوں پڑھیں کہ ایک لمبے رجسٹر پر مسودے لکھے، اتنی ہمت نہ تھی کہ مجمع سے آنکھیں چار کر سکتے اس لئے وہ رجسٹر منھ کے بالکل سامنے رکھ کر گویا لکھی مجلسیں سنایا کرتے تھے۔

یہ تھی اس نامور خطیب کی خطابت کی ابتداء جس نے آگے چل کر خطیب اعظم مرحوم کے دور ہی میں اپنے منفرد طرز خطابت کا لوہا منوالیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کو اکثر خود اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کا علم نہیں ہوتا۔ والد مرحوم طویل القامت تھے، ورزشی بدن تھا۔ آواز ایسی عجیب و غریب تھی کہ قریب بیٹھنے والوں کی سماعت پر بار نہ ہوتی تھی مگر بغیر لاوڈ اسپیکر کے بھی ہزاروں کے مجمع کے آخری سرے تک فضائل و مصائب کے واہ اور آہ کے ہنگاموں سے گزرتی ہوئی مجلس کی آخری فرد تک پہنچ جاتی تھی۔ زبان انتہائی سادہ مگر غضب کی تاثیر رکھنے والی تھی۔ فرماتے تھے کہ میں نے اپنی زبان ''طلسم ہوش ربا'' سے مانجھی ہے اور انیس کے مرثیوں سے اسے جلا بخشی ہے۔

شام غریباں جو ہندو پاک بلکہ ہندوستانیوں اور پاکستانیوں کی عزاداری (خواہ کسی خطۂ ارض میں ہوں) کا جز و لازم بن گئی ہے اس کی ابتداء ۱۹۲۴ء میں لکھنؤ میں ہوئی۔ میرے والد مرحوم اس بات کے ناقل ہیں کہ ۲۴ کا عاشور تھا، ''حسینیہ غفرانمآب کی عصرِ عاشور کی مجلس ختم ہو چکی تھی مغرب کا وقت قریب آ رہا تھا۔ اہلِ خاندانِ اجتہاد اور بعض دیگر افراد جن

میں اتفاق سے کچھ ایرانی مہمان بھی تھے امام باڑے کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے کہا کہ ایک مجلس اس وقت بھی ہو جائے۔ مجلس برپا ہوئی وراس کا نام مجلس شامِ غریباں قرار دیا گیا اس مجلس کو میرے والد مرحوم کے حقیقی ماموں مولانا سبط محمد ہادی صاحب اجتہادی نے خطاب فرمایا۔ مولانا مرحوم (متوفی ۱۹۶۴ء) اپنے دور میں بیانِ مصائب کے بادشاہ سمجھے جاتے تھے۔ حسینیہ کا طویل وعریض خام صحن، اس میں جابجا قبروں کے نشانات، جھٹ پٹا وقت اور پھر پڑھنے والا مصائب خوانی کا ماہر، یادگار مجلس ہوئی اور بہت مشہور ہوئی۔ اس کے بعد اس مجلس کو والد مرحوم ۱۹۶۲ء تک پڑھتے رہے۔ غالباً ۱۹۴۴ء سے یہ مجلس مہاراجکمار محمود حسن خاں (آف محمود آباد) کی کوششوں سے آل انڈیا ریڈیو کے لکھنو اسٹیشن سے نشر ہونے لگی اور اس طرح اس کی مقبولیت نے برصغیر کو اپنے دائرے میں لے لیا۔ ۱۹۶۳ء میں والد مرحوم کے مرض الموت کے دوران اس مجلس کو ناچیز نے پڑھا۔ پھر برادر مرحوم مولانا کلب عابد صاحب اپنے سالِ انتقال ۱۹۸۶ء تک اسے پڑھتے رہے اور اب ان کے فرزند عزیزی کلب جواد سلمہ اسے پڑھ رہے ہیں۔ مجھے کہنے میں کوئی باک نہیں کہ شام غریباں کی مجلسیں اب ساری دنیا میں ہوتی ہیں مگر جو لذت غم یہاں ملتی ہے وہ کہیں اور نہیں ملتی اور جو "شام غریبانیت" یہاں نظر آتی ہے وہ بس اسی حسینیہ کے لئے مخصوص ہے۔

(واضح رہے کہ پورے لکھنو میں مجلسِ شامِ غریباں صرف یہی ایک ہوتی ہے بقیہ عزاخانوں میں صرف ۹ محرم ہی تک مجلسیں ہوتی ہیں۔)

۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوا تو سابق مغربی پاکستان اور حال کے پاکستان نے نامور خطیب ہندوستان سے درآمد بھی کئے اور خود بھی پیدا کئے۔ حافظ ذوالفقار علی شاہ، حافظ کفایت حسین، علامہ اظہر حسن زیدی اور خاص طور پر علامہ رشید ترابی نے فن خطابت کو اپنے اپنے منفرد انداز میں بام عروج تک پہنچایا اور اب بھی پاکستان بلند پایہ خطیبوں سے بالکل ہی خالی نہیں ہے۔ مگر غیر منقسم ہندوستان میں خطابت کی بنیاد عشق اہلبیت اور علمِ حدیث وقرآن پر تھی۔ مگر اب آہستہ آہستہ عشق آل کی جگہ ہوسِ مال اور قرآن وحدیث کی جگہ سطحی خطابیات لئے جا رہے ہیں۔ جس کے نتیجے میں سستے مناظرے کا دروازہ کھل گیا ہے۔ مسلکی اختلافی مسائل کا بیان علمی بنیادوں پر ہوتا، مثبت ہوتا، داعیانہ انداز پر ہوتا، تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔ مگر اکثر وبیشتر اس نے منفی رجحان اختیار کرلیا۔ زبان بھی کچھ معیار سے گرگئی۔ انداز بھی کچھ عامیانہ سا ہو گیا۔ اس قسم کے دو طرفہ مناظرے بازی کا بھیانک نتیجہ یہ ہوا کہ نظریوں کی جنگ ختم ہوگئی۔ اور نظریوں کی جگہ فرقوں نے لے لی اور ایک فرقہ

دوسرے کے سامنے خم ٹھونک کر اور تلواریں سونت کر کھڑا ہو گیا اور پھر اس سے جو آگ بھڑکی اس کا بجھانا مشکل ہو گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہندو پاک دونوں جگہوں پر یہ رنگ اب پھیکا پڑتا جا رہا ہے اور ان مجلسوں کو اب زیادہ پسند کیا جانے لگا ہے جہاں سے انسان صرف لطف لے کر ہی نہیں بلکہ کچھ سمجھ کر اٹھے اور جہاں سننے والے کو صرف مزا ہی نہیں روح و دماغ کو غذا بھی ملے۔

جناب ڈاکٹر قلب صادق کی اس مختصر تحریر سے قارئین بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہندوستان میں نماز جمعہ، عزاداری اور مجلس شام غریباں اور ریڈیو سے نشر ہونا جناب غفرانمآبؒ ہی کی برکتوں کا باعث ہے۔ جبکہ اس کے اثرات پوری دُنیا پر مرتب ہوئے اس کی مثال پاکستان ہے جہاں اب بیسیوں ریڈیو اور ٹی وی چینلز بہت سے علماء کی مجلس شام غریباں براہ راست (Live) نشر کرتے ہیں۔

تصانیف:

جناب غفرانمآبؒ کی تصانیف پر اگر نظر ڈالی جائے تو وہ اتنی مقدار میں ہیں جس سے خیال ہو سکتا ہے کہ ان کا مشغلہ سوائے تصانیف کے کچھ تھا ہی نہیں۔

ان کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) عماد الاسلام: جس کا اصلی نام مرآۃ العقول ہے یہ کتاب علم کلام میں اتنی بسیط و ضخیم ہے جس کی مثل دُنیائے تشیع کیا پورے عالم اسلامی میں بھی موجود نہیں ہے شیعوں میں تو علم کلام کی کتابوں میں اس کے پہلے محقق طوسیؒ کی تجرید تھی جسے صرف ایک رسالہ سمجھنا چاہئے اور پھر علامہ حلیؒ کی شرح تجرید یہ بھی تین چار سو صفحات کی بس ایک جلد ہے اہلسنت میں علم کلام کی اہم کتابیں شرح مقاصد اور شرح مواقف ہیں ان میں سے ہر ایک زیادہ سے زیادہ چھ سات سو صفحات کی کتاب ہے لیکن سب سے پہلی اور شاید آخری کتاب عماد الاسلام ہے جس کی پانچ جلدیں ہیں جن میں سے توحید بڑے سائز کے تقریباً چار سو صفحات کی، عدل دو سو صفحات کی، نبوت تین سو صفحات کی، امامت تقریباً چھ سو صفحات کی اور معاد پانچ سو صفحات کی ہے۔ اس طرح مجموعاً تقریباً بیس بائیس سو صفحات کی کتاب ہے۔ جس کے مقابل نہ اس کے پہلے کوئی کتاب لکھی گئی تھی اور نہ اس کے بعد لکھی گئی ہے پھر یہ کسی ایسی کتاب کی جلدیں نہیں ہیں جس میں صرف منقولات ہوں اور مؤلف کا کام بس دوسری کتابوں کی عبارتوں کا نقل کرنا ہو بلکہ یہاں عقلی مباحث ہیں جن میں محنت ہی نہیں قابلیت بھی درکار ہے اور دماغ سوزی کی

ضرورت ہے اگر غفران مآبؒ نے عمر بھر میں یہی ایک کتاب لکھی ہوتی تو ان کے دیگر مشاغل کو دیکھتے ہوئے یہ خارق عادت امر تھا چہ جائیکہ ان کے مصنفات میں سے صرف ایک ہے اس کی تین جلدیں ہیں توحید، عدل اور نبوت مطبوعہ عمادالاسلام میں جو جناب قدوۃ العلماء طاب ثراہ نے قائم کیا تھا طبع ہوئیں مگر امامت اور معاد کی جلدیں اب تک منظر عام پر نہ آسکیں۔

(۲) شہاب ثاقب: یہ تقریباً چار سو صفحات کی کتاب صوفیا کی رد میں ہے جس میں ان کے اقوال واعمال پر شدید ناقدانہ نظر اوران کے کفریات ومزخرفات پر بہت تیز روشنی ڈالی گئی ہے افسوس ہے کہ یہ کتاب طبع نہیں ہوئی۔

(۳) ذوالفقار۔ یہ شاہ عبدالعزیز کی کتاب تحفۂ اثناعشریہ کے بارہویں باب کی رد ہے جو تقریباً تین سو صفحات کی ہے اور مطبع مجمع البحرین لدھیانہ میں جسے ارسطو جاہ رجب علی خاں اعلی اللہ مقامہ نے قائم کیا تھا طبع ہوئی۔

(۴) صَوَارِمُ الْاِلٰهِيَّاتِ۔ یہ تحفۂ اثناعشریہ کے باب الٰہیات کی رد میں ہے۔

(۵) حُسَامُ الْاِسْلَام۔ یہ تحفہ کے باب نبوت کا جواب ہے۔

(۶) خاتمہ کتاب صوارم۔ یہ اثبات امامت میں ایک علیحدہ رسالہ ہے۔

(۷) اِحْیَاءُ السُّنَّةِ۔ یہ تحفہ کے مبحث معاد ورجعت کی رد ہے۔

(۸) رسالۂ غیبت: یہ بھی شاہ عبدالعزیز دہلوی کے اقوال کی رد میں ہے اور شاہی مطبع لکھنؤ میں طبع ہوا تھا۔

(۹) اساس الاصول۔ یہ اخباریین کی مایہ ناز کتاب فوائد مدینہ مصنفہ محمد امین استرآبادی کی رد میں ہے جو لکھنؤ کے شاہی مطبع میں طبع ہوئی تھی۔

(۱۰) مواعظ حسینیہ: یہ لکھنؤ میں قیام جمعہ وجماعت کے بعد جو مواعظ ارشاد فرمائے گئے تھے ان کا مجموعہ ہے۔

(۱۱) شرح حدیقۃ المتقین۔ مصنفہ مولانا محمد تقی مجلسیؒ کتاب الصوم یہ اصل کتاب بھی فارسی میں تھی اور اسکی شرح بھی فارسی میں ہے جو اس وقت کی عام فہم زبان سمجھی جاتی تھی۔

(۱۲) شرح حدیقۃ المتقین کتاب الزکوۃ

(۱۳) رسالہ دربارۂ نماز جمعہ۔ یہ عراق سے واپسی اور لکھنؤ میں قیام کے ابتدائی دور میں غالباً اس وقت تحریر فرمایا تھا جب لکھنؤ میں نیا نیا نماز جمعہ وجماعت کا دور دورہ ہوا ہے اور ابھی عامۂ مومنین کو پوری طور پر نماز جمعہ کی اہمیت کا احساس نہ تھا تو

اس وقت یہ رسالہ تحریر فرمایا گیا۔

(۱۴) حاشیہ صدرا: یہ فلسفہ کی مشہور کتاب شرح ہدایۃ الحکمۃ مصنفہ صدر المتالہین شیرازی کا حاشیہ ہے جس کی مدح وثنا جناب سید محمد مرتضیٰ صاحب فلسفی نونہروی نے معراج العقول میں اپنے استاد مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی کی زبانی نقل کی ہے۔

(۱۵) رسالہ مثناۃ بالتکریر: یہ بحث صدرا کی بہت مشہور ہے اس رسالہ میں اس کی تشریح کی گئی ہے۔

(۱۶) مُنْتَهَى الْأَفْكَارِ: اصول فقہ میں معالم کو ایک منفرد مسلم حیثیت حاصل تھی سب سے پہلے صاحب قوانین نے معالم کے بہت سے نظریات سے اختلاف کیا اور کچھ جدید نظریات اختیار کئے جناب غفرانمآبؒ اور صاحب قوانین ایک ہی استاد کے شاگرد تھے آپ نے قوانین کے مضامین کا علمی جائزہ لینے کے لئے کتاب تحریر فرمائی یہ کتاب انجمن یادگار علماء کی جانب سے علامہ ہندی اعلی اللہ مقامہ نے قائم فرمایا تھا تصویر عالم پریس لکھنؤ میں چھپ کر شائع ہوئی۔

(۱۷) اِثَارَةُ الْاَحْزَانِ عَلَى الْقَتِيْلِ الْعَطْشَانِ: یہ کتاب عربی میں حالات سید الشہداءؑ میں ہے جس میں کتب معتبرہ سے روایات واقعۂ کربلا کو درج فرمایا ہے:

(۱۸) مُسَكِّنُ الْقُلُوْبِ عِنْدَ فَقْدِ الْمَحْبُوْبِ آپ کے نہایت عزیز فرزند مولانا سید مہدی نے ۱۲۳۱ھ میں رحلت فرمائی ان کے انتقال سے جناب غفرانمآبؒ کو شدید صدمہ ہوا انہیں تاثرات میں یہ کتاب تحریر فرمائی جو شہیدؒ ثانی کی کتاب مُسَكِّنُ الْفُؤَادِ عِنْدَ فَقْدِ الْاَحِبَّةِ وَ الْاَوْلَادِ کے رنگ میں ہے اس میں حالات حضرت سید الشہداء بھی خاص انداز میں درج کئے ہیں۔

(۱۹) اجازۂ جناب سلطان العلماء طاب ثراہ: یہ وہ اجازہ ہے جو آپ نے فرزند اکبر کے لئے تحریر فرمایا تھا اس میں روایت و روایت کے بہت سے مباحث کے علاوہ اپنے اساتذہ کے مختصر حالات بھی تحریر فرمائے ہیں نیز آخر میں بڑے بیش قیمت وصایا ہیں:

(۲۰) رسالہ در جواب سوالات محمد سمیع صوفی

(۲۱) رسالۂ ارضیین عربی: اس میں مختلف طرح کی زمینوں کے شرعی احکام استدلالی طور پر تحریر فرمائے ہیں۔

(۲۲) رسالۂ ذہبیۃ: سونے اور چاندی کے برتنوں کے احکام میں۔

(۲۳) رسالہ رد نصاریٰ

(۴۴) مطارق: یہ اساس الاصول کے جواب میں مرزا محمد اکبر آبادی مقتول کی کتاب معادل العقول کا جواب ہے جو بعض تلامذہ کے نام سے لکھا گیا تھا۔

(۴۵) رسالہ دراعیہ کفن:

تصانیف کے اس عظیم الشان ذخیرہ کے بعد جناب غفرانمآبؒ کے شاگردوں کی فہرست اور اور ان شاگردوں کے مقامات عالیہ اور علمی جلالت پر نظر پڑتی ہے تو پھر سوا حیرت کے کوئی چارۂ کار نہیں رہتا۔

یہ شاگرد بھی ایسے ہیں کہ ان میں بس صرف کوئی ایک فرد ہوتی تو وہ اپنے استاد کا کارنامہ قرار پا سکتی تھی چہ جائیکہ اتنی باکمال فردیں بوقتِ واحد کسی استاد کے شاہکاروں میں داخل ہوں۔

پھر وہ موجود زمانہ نہیں تھا کہ کسی بڑے استاد کے منتہی شاگرد ابتدائی تعلیم کسی اسکول میں حاصل کئے ہوتے ہیں۔ پھر کسی کالج میں داخل ہو کر مختلف درجوں کی تعلیم الگ الگ استادوں سے حاصل کرتے ہیں معانی، بیان میں کسی سے اور منطق میں کسی سے اور ادب میں کسی سے استفادہ کرتے اور پھر آخر میں جا کر دو ایک سال اس بڑے استاد سے پڑھ لیتے ہیں اور پھر شرف و امتیاز کی خاطر اسی بڑے استاد کے شاگرد کی حیثیت سے دنیا میں اپنا تعارف کراتے ہیں خصوصاً ہمارے مدارس کے فارغ التحصیل اور سند یافتہ حضرات اپنی استعداد علمی مختلف مدرسین و علماء کے گھروں پر جا جا کر ان سے پڑھ درست کرتے ہیں مگر چونکہ سند یافتہ وہ اس مدرسہ کے ہوتے ہیں لہٰذا وہ محسوب ہوتے ہیں۔ اس مدرسہ کے پرنسپل صاحب قبلہ کے تلامذہ میں اس دور میں جب جناب غفرانمآبؒ لکھنؤ میں تشریف لائے ہیں علمی مدارس نہیں تھے۔ دینی کالج نہیں تھے بہت سے اساتذہ و علماء نہیں تھے اس کے معنی یہ ہیں کہ جناب غفرانمآبؒ اپنے بیٹوں اور شاگردوں کے لئے اکیلے مدرسہ تھے۔ پھر جب ان صاحبزادوں اور شاگردوں کی مختلف فنون میں خصوصی مہارت کو دیکھا جاتا ہے جو موجودہ دور کے اکسپرٹ والے نظام کے مطابق ہے یعنی ایک طرف جناب سلطان العلماء بڑے قبلہ و کعبہ فرزند اکبر اور مفتی محمد قلی صاحب ہیں جو علم کلام کے ماہر خصوصی ہیں۔ ایک جانب سبحان علی خاں مصنف وجیزیہ ہیں جو مناظرہ میں دستگاہ خاص کے مالک ایک سمت جناب سید العلماء علیین مکاں فرزند پنجم اور علامۃ العلماء سید احمد علی صاحب محمد آبادی ہیں جو فقہ و اصول یگانۂ روزگار ہیں اور ایک رُخ پر میر علی بخش صاحب کشوری ہیں جو ادب میں فرد فرید ہیں۔ پھر ایک طرف مولانا سید علی صاحب اور مولوی یا دعلی نصیر آبادی مفسر قرآن ہیں۔

اور ایک جانب سید نظام الدین حسین صاحب ہیئت وریاضی اور معقولات کے استاد کامل ہیں اور مرزا زین الدین احمد خاں ادب اور عروض وقوافی کے ممتاز ماہر ہیں تو یہ کہنا بالکل درست معلوم ہوتا ہے۔ کہ غفرانمآبؒ بذات خود ایک مدرسہ نہیں بلکہ عربی زبان اور دینی علوم کی ایک پوری یونیورسٹی تھے جس کا ہر شاگرد پھر خود اپنے شعبہ میں تعلیم کا ایک مدرسہ اور تصنیف کا ایک ادارہ بن گیا۔

ذیل میں ان کے شاگردوں کے نام مختصر تعارف کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) سلطان العلماء مولانا سید محمد رضواں مآبؒ جناب غفرانمآبؒ کے بڑے صاحبزادے آپ اپنے والد بزرگوار کی علمی تربیت کا نمایاں مرقع تھے اور جناب غفرانمآبؒ کے بعد وہ ریاستِ علمیہ کے سچے معنی میں تاجدار ہوئے۔

(۲) مولانا سید علی صاحب غفرانمآبؒ کے دوسرے بیٹے تھے سب سے پہلے اردو زبان میں مذہبی علوم کے منتقل کرنے کا آپ کو خیال پیدا ہوا اور مکمل تفسیر قرآن دو جلدوں میں تحریر فرمائی یہ اردو زبان میں دُنیائے شیعیت کی سب سے پہلی تفسیر ہے۔ (۳) مولانا سید حسن جناب غفرانمآبؒ کے تیسرے بیٹے اردو زبان میں علمِ کلام کی سب سے پہلی کتاب باقیات الصالحات کے مصنف (۴) چوتھے بیٹے مولانا سید مہدی عنفوان شباب میں باپ کی زندگی میں انتقال کیا۔ معقول و منقول میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ (۵) جناب سید العلماء سید حسین علیین مکاں اپنے وقت کے اعلم دُنیا تھے (۶) محقق کاظم مرزا کامل علی صاحب جناب غفرانمآبؒ کے قدمائے تلامذہ میں سے تھے۔ مولانا احمد علی صاحب محمد آبادی نے اپنی کتاب سفر السعادۃ میں اپنے حالات میں ان کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ طالب علمی میں جب وہ لکھنؤ آئے تو پہلے غفرانمآبؒ کے شاگردِ رشید مرزا کاظم علی صاحب سے ملے اور کچھ عرصہ تک ان سے تعلیم حاصل کی پھر انہیں کے ذریعہ سے جناب غفرانمآب تک پہنچے اور ان کے شاگرد ہوئے۔ (۷) مرزا محمد خلیل جناب غفرانمآبؒ کے بڑے عزیز شاگرد تھے ان کے انتقال پر اپنے تاثرات کا اظہار غفرانمآبؒ نے عماد الاسلام کے دیباچہ میں کیا ہے (۸) علامۃ العلماء حاج سید احمد علی آبادی معقولات و منقولات میں بہت بلند پایہ تھے عربی اشعار بھی نظم فرماتے تھے جو جناب مفتی میر محمد عباس صاحب کی ظل ممدود میں درج ہیں۔ نیز عربی نثر بھی ادبی رنگ میں تحریر فرماتے تھے۔ آپ نے اپنا سفر نامہ حج وزیارات "سفر السعادۃ" کے نام سے لکھا ہے جس میں اپنے اور نیز اپنے استاد جناب غفرانمآبؒ اور استاد زادوں کے مختصر حالات بھی درج فرمائے ہیں۔ یہ جناب مولوی علی میاں صاحب کامل کے والد بزرگوار تھے (۹) مفتی محمد قلی صاحب موسوی نیشاپوری کنتوری، جناب مولانا

حامد حسین صاحب مصنف عبقات الانوار کے والد بزرگوار اور جناب ناصر الملة کے جد امجد تھے۔ علم کلام میں خاص پایہ رکھتے تھے۔ تحفہ کے متعدد ابواب کی رد میں "تَشْیِیْدُ الْمَطَاعِنِ" "تَقْلِیْبُ الْمَکَائِد" اور "سیف ناصری" وغیرہ آپ کی کتابیں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ (۱۰) سبحان علی خاں صاحب آپ الہ آباد کے کمبوہ خاندان کے مورث اعلیٰ تھے۔ حکومت اودھ میں وزیر کے درجہ پر بھی تھے فن کلام ومناظرہ کی تکمیل جناب غفران مآب صاحب سے کی تھی آپ کی کتاب "وجیزہ" رد اہلسنت میں بہت بلند پایہ ہے (۱۱) مرزا فخر الدین احمد خاں معروف بمرزا جعفر صاحب (۱۲) مولوی سید یاد علی صاحب نقوی نصیر آبادی آپ نے فارسی زبان میں تفسیر تحریر فرمائی جو ہندوستان میں شیعوں کی پہلی فارسی تفسیر ہے۔ (۱۳) میر مرتضیٰ صاحب مصنف رسالہ "اسرار الصلاۃ" (۱۴) سید غلام حسین صاحب (۱۵) سید محمد باقر صاحب واعظ۔ (۱۶) سید شاکر علی صاحب (۱۷) سید علی صاحب (۱۸) حاجی سید نظام الدین حسین صاحب (۱۹) مرزا جواد علی صاحب (۲۰) حکیم مرزا علی شریف صاحب محشی کتب کلامیہ وطبیہ ومصنف رسالۂ طیبہ (۲۱) سید مرتضیٰ صاحب (۲۲) مرزا محمد رفیع عرف مرزا مُغل صاحب غافل (۲۳) مولوی سید بہاؤ الدین صاحب (۲۴) مولوی سید اصغر ابن سید بہاؤ الدین صاحب (۲۵) حکیم مرزا علی صاحب (۲۶) سید حمایت حسین عرف میر علی بخش صاحب کنتوری عربی ادب اور شاعری میں یکتائے زمانہ تھے آپ نے اساس الاصول کا اردو ترجمہ کر کے ہماری زبان میں اصول فقہ کا بھی ایک ذخیرہ فراہم کیا۔ (۲۷) مرزا اسمٰعیل صاحب جو زیارات سے مشرف ہونے کے بعد تبلیغ دین کے لئے حیدر آباد تشریف لے گئے۔ (۲۸) مرزا محمد علی صاحب سفر زیارت کے بعد مکہ معظمہ گئے پھر واپس نہیں آئے (۲۹) سید سجاد علی صاحب جائسی آپ نے عماد الاسلام کے مقدمات کا اردو میں ترجمہ کیا۔ (۳۰) مرزا زین الدین احمد خاں عرف مرزا محسن صاحب آپ ادب اور عروض وقوافی کے فن میں کامل تھے۔ (۳۱) مولوی سید اعظم علی صاحب (۳۲) ملا علی نقی قزوینی (۳۳) مولوی سید علی نقی ابن سید بہاؤ الدین صاحب (۳۴) مولوی سید بنیاد علی صاحب (۳۵) میر خدا بخش صاحب مختار آفرین علی خاں (۳۶) مولوی مُنو علی خاں جو سُنی سے شیعہ ہوئے تھے (۳۷) سید امان علی صاحب (۳۸) مولانا سید عبد العلی دیو کھٹوی جو فیض آباد کے خاندان پیش نماز کے مورث اعلیٰ ہیں (۳۹) مولانا سید محمد صاحب ابن سید عبد العلی صاحب مذکور (۴۰) مولوی سید کلب علی صاحب ابن عبد العلی صاحب مذکور (۴۱) مولوی سید اشرف علی صاحب بلگرامی۔ غالباً عربی کتاب رَوضُ الجِنانِ فِی مُنْتَھی الجِنانِ آپ ہی کی تصنیف ہے۔

مبلغین کا تقرر:

آپ نے مختلف اطراف میں ہدایت وتعلیم دین کے لئے مبلغین کے تقرر کی ابتدا بھی فرمادی تھی۔ چنانچہ مولانا عبدالعلی صاحب اوران کے صاحبزادے فیض آباد تشریف لے گئے مرزا اسماعیل صاحب حیدرآباد دکن گئے۔ امروہہ سے محلہ گزری کے مولوی سید محمد عبادت صاحب نے لکھنؤ جاکر جناب غفرانمآب ؒ سے امامت جماعت کا اجازہ حاصل کیا اور مسائل شرعیہ کی تعلیم کے لئے جناب غفرانمآب ؒ نے شیخ حرعاملی کی کتاب بدایۃ الہدایہ مرحمت فرمائی کہ اختلافی مسائل میں احتیاطی احکام کی مومنین کو تلقین فرمائیں سبحان علی خاں صاحب مرحوم کے خاندان سے الہ آباد میں خدمات دینیہ کی بنیاد قائم ہوئی۔

وفات:

لکھنؤ میں پینتیس برس کامل اس جہاد زندگی میں مصروف رہ کر تقریبا ستر برس کی عمر میں ۱۹ رجب ۱۲۳۵ھ کو رحلت فرمائی اوراپنے بنا کردہ امام باڑے کی صحنچی میں دفن ہوئے۔

فرزند اوّل:

۱۷ صفر ۱۱۹۹ ہجری کوآپ کے پہلے فرزند آیت اللہ سید محمد المعروف بہ سلطان العلماء کی ولادت لکھنؤ میں ہوئی۔ زمانہ رضاعت وایام طفولیت نے نورانی گہواروں میں نشوونما پائی۔ جناب غفران مآب نے اسی زمانہ میں حضرت حجۃ منتظر کوخواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: ”میں تیرے پسر کی پرورش کا متکفل ہوں“، اکثر اس پر فخر کیا کرتے تھے۔

تمام علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل اپنے والدعلامہ سے کی۔ غفران مآب ؒ کے بعد ہندوستان میں یہ اجتہاد کا نقش ثانی تھا۔ سلطان العلماء نے اپنے والد کی حیات ہی میں مرجعیت کی مسند حاصل کی تھی ان کے بعد تو ہندوستان کا چپہ چپہ ان کے فروغ کمال سے جگمگا اٹھا۔ فرقۂ شیعہ جس قدر بھی اس وجود محترم پر ناز کرے بجا ہے۔ آج بھی لکھنؤ میں سینکڑوں چشمے اسی دریائے ناپیدا کنار کے جاری ہیں۔ بچپن ہی سے جبین اقبال چمک رہی تھی ہر دل عزیز اور محبوب قلوب تھے۔ آغوش عطوفت علماء آپ کا گہوارہ تھی۔

۱۸ سال کی عمر میں درجۂ اجتہاد پر فائز ہوئے۔ ۱۲۱۷ھ میں جناب غفران مآب نے اجازہ اجتہاد دیا۔

جب غفران مآبؒ نے انتقال کیا اس وقت سلطان العلماء کا خورشید کمال نصف النہار پر تھا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بنیاد دین غفران مآبؒ نے قائم کی، عمارت کو سر بفلک سلطان العلماءؒ نے کیا غفران مآبؒ نے آخری عہد میں ایک وصیت نامہ تحریر کیا اور ۲۳ جمادی الاولی ۱۲۳۵ ہجری کو اپنے سامنے سلطان العلماء کو اپنا وصی و قائم مقرر کیا۔

۱۹ رجب کو جناب سید دلدار علی اعلیٰ علیین میں قیام پذیر ہوئے۔ اس وقت سے سلطان العلماء نے اپنے تمام اوقات کو فضلائے ہندوستان کی تعلیم و تربیت کے لئے وقف کر دیا۔ عموماً تمام ہندوستان اور خصوصاً لکھنؤ ان کے کمالات علمیہ سے چھلک گیا بڑے بڑے زبردست عالموں نے ان کے فضل و کمال کا اعتراف کیا۔

سلطان العلماء محاسن ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے حسن و جمال ہیئت و اجلال ظاہری بھی حد کمال تک تھا۔ منبر پر ان کی خاص شان ہوتی تھی عمامہ و جامہ سفید، ان پر اس قدر زیب دیتا تھا کہ لوگ دیکھا کرتے تھے۔ عاشور کے دن اپنے امام باڑہ میں مصائب امام مظلوم بیان کیا کرتے تھے سر پر سبز عمامہ دوش پر سیاہ عبا ہوتی۔ آنکھوں سے متصل آنسو جاری ہوئے تھے اور صورت خود ایک مرثیہ ہوتی تھی۔ گریہ گلو گیر ہوتا تھا مشکل سے چند فقرے حدیث کے بیان کر کے منبر سے اتر آتے تھے دیر تک گرد ہجوم رہتا تھا۔

راتوں کو بہت کم سوتے تھے اور جس کام کو شروع کرتے تھے اس کو نہایت محنت اور جانفشانی سے انجام دیتے تھے۔

شان و جبروت کا یہ عالم تھا کہ سلاطین ملک کے سر پر تخت نشینی کے وقت تاج شاہی انہیں کے ہاتھوں سے رکھا جاتا تھا۔ اس عہد کے علماء و فضلاء کے اسناد و اجازات انہیں کی مہر سے معزز و مفتخر ہوتے تھے نماز اموات عمائد و سلاطین، نماز جمعہ و عیدین مخصوص انہیں کی ذات سے تھی۔

تقرر محکمۂ مرافعہ سے قبل تمام اراکین کے مقدمات حدود و قصاص اور دیگر احکام شرعی کا نفاذ انہیں کی رائے اور فتاویٰ پر موقوف تھا۔ سلاطین وقت پیچیدہ مقدمات انہیں کے سپرد کر دیتے تھے ان کے فیصلے عدل و انصاف سے ہم وزن اور بغیر رو رعایت ہوتے تھے۔ سلاطین سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے علم و حکمت، شجاعت و جلادت ان کی خاص صفات تھیں۔ اعلان کلمہ حق میں کبھی کسی کا لحاظ نہیں کیا، احکام شریعت کا نفاذ اکثر سلاطین کی مرضی کے مخالف کیا چنانچہ واجد علی شاہ نے کسی مسئلہ کی نسبت کہلا بھیجا کہ اس پر نظر ثانی و تجویز ثانی کیجئے جواب میں کہلا بھیجا: حلال محمد حلال الی یوم القیامہ و حرام محمد حرام الی یوم القیامۃ۔

زمانہ غدر میں چیف کمشنر نے جہاد کے متعلق کچھ کہا، فرمایا کہ ہمارے مذہب میں جہاد غیبت امامؑ میں جائز نہیں۔ بشرائط ہا بہ شروط ہا چیف کمشنر نے کہا کہ اگر آپ کا امامؑ آجائے! فرمایا: ان کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ بھی ہوں گے جیسا حکم دونوں کا ہوگا اس کی تعمیل واجب ہوگی۔

نصیر الدین حیدر بادشاہ نے ایک نکاح پڑھنے کے لئے طلب کیا وہاں پہنچ کر صاف کہہ دیا کہ شرعی صورت سے افتراق شوہر اول سے ثابت نہیں اس لئے میں نکاح نہیں پڑھ سکتا۔ بادشاہ کا چہرہ غصہ سے متاثر ہوا آپ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہہ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

ایک دن سلطان موصوف نے شبیہہ جنازہ حضرت امام حسینؑ پر نماز جنازہ پڑھانے کے لئے طلب کیا۔ جب ایوان شاہی میں داخل ہوئے تو بعض اراکین نے اصرار کیا کہ آج مصلحت اسی میں ہے کہ آپ تعمیل حکم شاہی میں انکار نہ فرمائیں۔ اتنے عرصہ میں بادشاہ مع خدم و حشم سراپردۂ شاہی سے سیاہ لباس پہنے برآمد ہوئے اور استدعائے نماز جنازہ کی آپ نے کہا کہ شرعاً یہ صورت جائز نہیں نہ میری یہ مجال ہے کہ جنازہ امام کی نماز پڑھوں اس لئے کہ نماز جنازۂ امام، امام ہی پڑھا سکتا ہے نصیر الدین حیدر یہ سن کر خاموش ہوگئے۔

محمد علی شاہ بادشاہ نے بعد تعمیر مسجد جامع حسین آباد میں نماز عید الفطر کی استدعا کی جواب میں کہلا بھیجا کہ اس میں بعض اراضی مملکت نعیم خان کی شامل ہے تاوقتیکہ اس کا معاملہ اور مصالحہ شرعی صورت پر نہ ہوگا۔ نماز نہیں پڑھاؤں گا چنانچہ بعد تحقیقات ایک معقول معاوضہ خان موصوف کو دیا گیا اس وقت آپ نے نماز پڑھائی۔

یوں تو تمام سلاطین اودھ کے عہد میں آپ کا پایہ اعزاز بلند رہا لیکن محمد امجد علی شاہ بادشاہ مخصوص ارادت کیش عقیدت مند تھے محکمہ مرافعہ شرعیہ آپ کے متعلق کیا جن میں آپ صدر الشریعہ تھے اور باقاعدہ مفتی اور اہل قلم اور اہالیان دفتر عصا بردار خاص برادر وغیرہ مقرر کئے گئے جن میں صدر کے احکام کے موافق حکم سنایا جاتا تھا۔

ایک مقدار کثیر خیرات و مبرات و ذکوۃ کی سرکار شاہی سے آتی تھی جس میں تین لاکھ سے زیادہ رقم صرف زکوۃ کی ہوتی تھی جو مستحقین کو تقسیم ہوتی تھی۔

امجد علی شاہ بادشاہ نے ایک مہر کندہ کرا کے بھجوائی جس میں یہ عبارت تھی۔

''مجمع علوم دین و مرجع سادات مومنین حافظ احکام شرع مبین، مجتہد العصر سلطان العلماء''

اس عبارت کے ساتھ ''مورد اعتقاد امجد علی شاہ'' کی بھی تجویز شاہی تھی آپ نے جب سنا تو منظور نہیں کیا بلکہ مورد عنایات پسند کیا چنانچہ اسی طرح کندہ ہوا۔ ہمیشہ منشیان دفتر شاہی یہی القاب لکھا کرتے تھے امجد علی شاہ کی عقیدت روز بروز آپ کے ساتھ بڑھتی ہی گئی۔

اسی زمانہ میں سلطان العلماء کے ایما اور سید العلماء کی کوشش سے ایک مدرسہ بھی جاری ہوا یہ مدرسہ مقبرہ نواب جنت آرام گاہ میں تھا چاروں طرف دالان اور حجرے تھے جس میں طلباء رہتے تھے اور تقریباً تیس مدرس تھے جس میں بڑے بڑے علماء و فضلاء اور اس عہد کے اکمل افراد مجتمع تھے۔ مدرسین کی بیش قرار تنخواہیں مقرر تھیں طلباء کو وظائف ملتے تھے اکثر امجد علی شاہ ہوادار پر سوار ہو کر مدرسہ کا معائنہ کرنے آتے تھے اور چاروں طرف دورہ کرتے تھے امراء کے یہاں سے تقریبات میں جس قدر طعام یا تحف و ہدایا آتے تھے وہ سب طلباء کو بھیج دیتے تھے اور خاص طور سے الطاف شاہانہ ان پر مبذول تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس زمانہ میں تحصیل علم کا شوق لوگوں میں پیدا ہو گیا سلطان العلماء ان امور میں برابر محرک رہتے تھے۔

سلطان العلماء بے حد متواضع اور منکسر تھے ہمیشہ اپنے چھوٹے بھائی (سید العلماء) کو اپنے نفس سے مقدم رکھتے تھے اور تمام امور دینی و دنیوی انہیں کے متعلق کر دیئے تھے یہاں تک کہ ایک روز ان کی نماز جماعت میں بحیثیت ماموم شریک ہوئے۔

حلم و مروت کا یہ حال تھا کہ ہر شخص سے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے تھے اور مطلب برآری کرتے تھے علاوہ ان رقوں کے جو آپ کے پاس آتی تھیں اپنے ذاتی مصارف سے بھی ہمیشہ بذل و ایثار کرتے تھے اپنے نفس کے واسطے کوئی سامان راحت نہ تھا، نہ کبھی کوئی بلند عمارت تعمیر کرائی، نہ قیمتی لباس، نہ طعام لذیذ کی طرف رغبت ہوئی۔

جب انتقال ہوا تو سوائے کتب خانہ کے ایک درہم بھی نہ نکلا جو ورثہ پر تقسیم ہوتا یا اس سے تجہیز و تکفین کی جاتی۔

تقریر و تحریر نہایت پر زور تھی بذلہ سنج و لطیفہ گو بھی تھے، زاہد خشک نہ تھے جواب نہایت برمحل دیتے تھے کسی رئیس نے باہر سے ایک خط لکھا اس نے آپ کے نام کے ساتھ سید محمد بہادر لکھ دیا آپ نے جواب میں اپنے نام کے نیچے سید محمد بے بہادر لکھا۔

ان کے زور قلم کا اندازہ ان کی تصنیفات سے ہو سکتا ہے میدان مناظرہ میں ان کا خامۂ دوزبان ذوالفقار تھا۔ کلام

نہایت مستدل اور مضبوط ہوتا تھا۔ اپنی تحریروں میں اپنے نام کے ساتھ محمد ابن علی صاحب ذوالفقار لکھتے تھے۔

تصنیفات

(۱) کتاب مبسوط ردتحفہ اثنا عشریہ در مبحث امامت (۲) سیف ماحق در اثبات حکم مسح رجلین (۳) حاشیہ بر شرح سلم ملا حمد اللہ (۴) اصل اصول رد اخباریین (۵) حاشیہ شرح صغیر از سید علی طباطبائی (۶) صمصام قاطع (۷) طعن الرماح در قصہ فدک (۸) ضربت حیدریہ در دو جلد (۹) ثمرۃ الخلافۃ در کلام (۱۰) عجالہ نافعہ در کلام (۱۱) سم الفار (۱۲) برق خاطف (۱۳) رسالہ در نماز جمعہ (۱۴) شرح زبدۃ الاصول (۱۵) فوائد نصیریہ در احکام زکوٰۃ و خمس (۱۶) کشف الغطاء (۱۷) گوہر شاہوار در فضلیت آئمہ ہدیٰ بر قرآن مجید (۱۸) احیاء الاجتہاد، و اصول فقہ (۱۹) سبع مثانی در قرأت و تجوید (۲۰) بارقہ ضیغمیہ (۲۱) بوارق موبقہ (۲۲) مسئلہ التضیق والوسعہ فی القضا (۲۳) رسالہ در تحقیق نجاست عرق جب بحرام (۲۴) بشارت محمدیہ (۲۵) ازالۃ الغی (۲۶) رسالہ استبداد بکر (۲۷) رسالہ حفظ الحافظین۔

شب پنجشنبہ ۲۲ ربیع الاول ۱۲۸۴ء کو انتقال کیا لکھنؤ میں وہ دن بھی ایک تاریخی دن تھا۔ بیت الشرف سے وامحمدا کا شور بلند تھا لکھنؤ میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں سے رونے کی آواز نہ آرہی ہو دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ کسی جنازہ کے ساتھ اتنا مجمع نہیں دیکھا گیا۔ ۱۲ بجے دن کو حسینیہ غفران مآبؒ میں یہ زندہ جاوید دفن کیا گیا۔ چادر کفن کا ایک ایک تار تبرکا لوگ لے گئے اس حادثۂ جانکاہ میں مفتی سید محمد عباس قبلہ نے حسب ذیل تاریخ کہی:

مات مجتهد العصر

۱۲۸۴ھ

قبلۂ دیں کعبۂ ایمان جناب مجتهد

کرو جو دش رونق محراب و منبر داشتند

فرزند دوم:

سید علی بن علامہ سید دلدار علی غفران مآبؒ

۱۸ ماہ شوال ۱۲۰۰ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے ایک سال چند ماہ جناب سلطان العلماء سے چھوٹے تھے۔ اپنے والد علامہ جناب غفران مآبؒ سے تکمیل علوم کی اور اکثر علوم میں مہارت تام حاصل کی۔ خصوصاً علم قرأت و تجوید میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ فضل و تقدس میں یکتائے روزگار تھے۔ ہمیشہ مواعظ و ہدایت خلائق و قامت جمعہ و جماعت میں مصروف رہتے تھے۔ نہایت خوش گفتار اور شیریں سخن تھے، حسن بیان کا اثر خاص طور پر قلوب میں ہوتا تھا جود وسخا و صلاح و مروت ان کے خاص جوہر تھے۔

۱۲۴۵ھ میں ہندوستان سے کربلائے معلّٰی روانہ ہوئے وہاں کے علماء نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آئے خصوصاً فاضل سید کاظم رشتی نے آپ کی نہایت قدر و منزلت کی۔ ۱۲۴۶ھ میں واپس آئے اور عرصہ تک مشغلہ تدریس، تصنیف جاری رہا۔ دوبارہ ۱۲۵۶ھ ہجری میں کثیر التعداد رفقا کے ساتھ پھر سفر کیا اور مختلف قسم کی تکلیفیں اُٹھائیں۔ شہر بشہر اور دیار بہ دیار ہوتے ہوئے وارد خراسان ہوئے اور مشرف بہ زیارت ہو کر مع تمام احباب و رفقا کربلائے معلّٰی پہنچے اور وہیں ۱۸ رمضان المبارک ۱۲۵۹ھ کو ۵۸ سال ۱۱ ماہ کی عمر میں انتقال کیا۔ آقا سید مجاہد ابن آقا سید علی طباطبائی کے پہلو میں دفن ہوئے۔

تصانیف:

(۱) تفسیر قرآن دو جلد ۱۲۵۳ھ میں امجد علی شاہ بادشاہ اودھ کی فرمائش سے تصنیف کی۔ (۲) رسالہ در بحث فدک (۳) رسالہ در اثبات حلت متعہ (۴) رسالہ در تجوید (۵) رسالہ دیگر در اثبات متعہ (۶) رسالہ در رد اخباریین (۷) رسالہ در اثبات جواز عزائے سید الشہداء۔

فرزند سوئم:

مولانا السید حسن بن حضرت غفران مآب طاب ثراہ

۲۱ ماہ ذیقعدہ ۱۲۰۵ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور تحصیل علوم عقلیہ و نقلیہ اپنے والد ماجد اور برادر محترم جناب سلطان

العلماء سے کی، علم وعمل وحلم وزہد وتقویٰ اور تمام مکارم الاخلاق میں بے نظیر تھے۔ نہایت منکسر المزاج اور کم سخن تھے۔ باوجود علم وفضل کے جب کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تو احتیاطی اقوال بیان کیا کرتے تھے اکثر باقتداء جناب سید العلماء نماز پڑھتے تھے باوجود بزرگی کے جناب سید العلماء کا نہایت احترام کرتے تھے۔ ہمیشہ شدت حیا سے نگاہیں نیچی رہتی تھیں۔ صاحبانِ احتیاج کی مخفی اعانت کرتے تھے۔ آخر عمر میں گوشہ نشینی اختیار کی تھی، سوائے عبادت الٰہی کوئی شغل نہ تھا اکثر بعد نماز نام بنام مومنین کے لئے دعائے خیر کرتے تھے بیشتر صائم النہار قائم اللیل رہتے تھے۔ محراب عبادت میں کثیر الذکر طویل الرکوع والسجود تھے۔ نماز ظہرین مسجد میں پڑھا کر مغرب تک مشغول وظائف رہتے تھے بعد عشاء تعقیبات میں مصروف ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ تمام مومنین اپنے اپنے مقام پر چلے جاتے تھے گھر سے باہر کم نکلتے تھے مگر نماز کے لئے یا کفالت مساکین کے لئے۔

تصانیف:

(۱) حواشی اقلیدس (۲) رسالہ عربیہ درانچہ بہ انشاء اللہ گفتن تعلق دارد (۳) رسالہ دراحکام اموات (۴) رسالہ در علم تجوید (۵) تذکرۃ الشیوخ والشبان، مواعظ (۶) کتاب مبسوط درعلم کلام

۱۱ماہ شوال ۱۲۶۰ھ کولکھنؤ میں انتقال کیا ۵۴ سال دوماہ ۲۰ یوم کی عمر تھی۔ حسینیہ غفران مآبؒ میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ۔

فرزند چہارم:

مولانا السید مہدی طاب ثراہ بن حضرت غفران مآبؒ

جناب غفران مآب مولانا سید دلدار علی صاحب کے فرزند جن کی ولادت ۱۲۰۸ھ میں بمقام لکھنؤ ہوئی۔ اپنے والد ماجد کی خدمت میں زانوے تلمذ تہ کیا اور تمام علوم عقلیہ ونقلیہ سے فارغ ہوئے۔

سید العلماء طاب ثراہ جناب سید ہادی صاحب (فرزند جناب سید مہدی صاحب) کے اجازہ میں تحریر فرماتے ہیں: ”سید مہدی مرحوم ہم تینوں بھائیوں سے فضل وکمال میں سبقت لے گئے تھے نہایت دقیق النظر تھے درس کے وقت ہمیشہ روئے خطاب والد مرحوم کا انھیں کی طرف ہوتا تھا۔ نہایت جدید الذہن تھے عمر کا زیادہ حصہ شب بیداری میں بسر کیا۔

ہمیشہ تحقیق مسائل و تنقیح دلائل میں اجتہاد کرتے تھے ان امثال میں کوئی اس مرتبہ پر فائز نہ تھا۔ بااین ہمہ خلوت وعزلت ہمیشہ محبوب رہتی ہے اور لذات دنیوی سے محترز رہے، موت کو بیشتر یاد کیا کرتے تھے یہاں تک کہ عنفوان شباب میں مریض ہوئے اور ۲۳ سال کی عمر میں آخر ماہ ذی الحجہ ۱۲۳۱ھ میں انتقال کیا۔ جناب غفران مآبؒ عالم ضعیفی میں اس جانکاہ صدمہ سے بے حد متاثر ہوئے۔ حالت غم میں کتاب مسکن القلوب تحریر کی جس میں مصائب مظلوم کربلا کا تذکرہ ہے۔

اولاد میں صرف عمدۃ العلماء سید ہادی صاحب کو یادگار چھوڑا جن کی عمر ان کی وفات کے وقت ۳ سال تھی۔ تصنیف و تالیف کی فرصت ہی زمانہ نے نہ دی تاہم بعض حواشی و تحقیقات مسائل ان کی یادگار ہیں۔

حسینیہ غفران مآب میں اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ رحمہ اللہ

فرزند پنجم:

مجتہد ذی قدر سید حسین علیین مکاں

آپ کا نام نامی اور اسم گرامی اپنے جد امجد ثالث آئمہ اطہار خامس، اہل کساء حضرت سید الشہداء علیہ وعلی جدہ وابیہ وامہ وخیہ المعصومین الاف التحیۃ والثناء کے نام مبارک پر سید حسین ہے۔ علیین مکان لقب ہے۔ آپ اعلیٰ حضرت آیۃ اللہ فی العالمین حجۃ اللہ علی الانام اجمعین علامہ دہر وحید عصر جناب سید دلدار علی غفران مآب اعلی اللہ مقامہ ورفع درجاۃ فی دار الکرامہ کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کا شجرہ عالیہ چوبیسویں پشت پر عاشر ائمہ معصومین حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے اتصال پذیر ہو جاتا ہے۔

آپ کی ولادت باسعادت بتاریخ چودہ ربیع الثانی ۱۲۱۱ھ ایک ہزار دو سو گیارہ ہجری کو سرزمین لکھنؤ پر ملک ہندوستان میں واقع ہوئی۔ خورشید کمال آپ کی ولادت کا مادۂ تاریخ ہے۔ آپ اپنے چار برادران بزرگ سید محمد، سید علی، سید حسن اور سید مہدی کے بعد تولد ہوئے۔ اسوۃ المتکلمین، قدوۃ المجتہدین، اکرام الناس حضرت علامہ مفتی سید محمد عباس اعلی اللہ مقامہ اپنی کتاب اوراق الذہب میں رقم طراز ہیں کہ بعض باوثوق حضرات کا بیان ہے جب آپ کے برادر بزرگ جناب سید مہدی اعلی اللہ مقامہ اپنے تین برادران سید محمد، سید علی اور سید حسن اعلی اللہ مقامہم کے بعد تولد ہوئے تو جناب کے والد ماجد حضرت غفران مآب اعلی اللہ مقامہ نے حضرت جناب سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی عالم خواب میں زیارت

کی۔امام عالی مقام علیہ التحیۃ والسلام نے حضرت علامہ غفران مآب اعلی اللہ مقامہ سے سبب دریافت کیا کہ آپ نے اپنے فرزندان کے نام تجویز کرنے میں جس ترتیب کو ملحوظ رکھا تھا اپنے اس چوتھے فرزند کا نام تجویز کرتے وقت اس ترتیب کا لحاظ کیوں نہیں کیا۔ کیونکہ ترتیب مذکور کا تقاضا یہ تھا کہ چوتھے فرزند کا نام سید حسین رکھا جائے نہ کہ سید مہدی، تو حضرت علامہ علیہ الرحمۃ نے جوابا عرض کیا کہ میرا یہ فرزند میری زندگی کے ان ایام مین پیدا ہوا کہ جب میں کبیر السن ہو چکا ہوں۔قوئی ضعف پذیر ہوگئے ہیں لہٰذا مجھے یہ خیال دامن گیر ہوا کہ اب میرا کوئی اور فرزند تولد پذیر نہیں ہوگا اور یہ میرا آخری فرزند ہوگا۔اس لئے میں نے اس کا نام قائم آل محمد علیہم السلام کے نام پر سید مہدی تجویز کیا کیونکہ قائم آل محمدؑ سلسلہ معصومینؑ کے آخری فرد ہیں۔

حضرت سید الشہداء علیہ التحیۃ والثناء نے ارشاد فرمایا کہ واقعہ اس طرح نہیں ہے، جیسا آپ کو خیال ہوا بلکہ عنقریب آپ کا ایک اور پاکیزہ فرزند ہوگا۔لہٰذا جب وہ تولد پذیر ہوتو اس کا نام میرے نام پر تجویز کیجئے گا۔چنانچہ جیسے حضرت امام عالی مقام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بشارت دی تھی ایسے ہی ہوا کہ اللہ جل شانہ، نے حضرتؒ علامہ غفران مآبؒ کو بعد از سید مہدی ایک اور فرزند عطا فرمایا جس کا نام آپ نے اپنے جد امجد حضرت امام حسین علیہ السلام کے ارشاد پاک کے مطابق سید حسین رکھا جو یہی ہمارے ممدوح حضرت علامہ فہامہ ملقب بہ علیین مکان ہیں۔

آپ اپنے عہد طفولیت اور زمانہ بچپن میں ہمیشہ لہو ولعب اور کھیل کود سے کنارہ کش رہے۔ابتدائی نشو ونما کے زمانہ میں بھی آپ مسلسل تحصیل علوم وفنون میں مصروف رہے۔دیگر بچوں کی طرح کھیل کود وغیرہ سے کوئی محبت نہ تھی۔ ہمیشہ اپنے اوقات کو اکتساب کمالات میں صرف کیا آپ نے علوم وفنون کا تمام تر استفادہ اپنے والد ماجد حضرت غفران مآب اعلی اللہ مقامہ اور اپنے برادر بزرگ سلطان العلماء حضرت سید محمد رضوان مآب رضوان اللہ علیہ سے کیا۔

آپ نے اپنے فرزند ارجمند افضل المتکلمین مخزن مدرسین عمدہ اساتذہ عظام زبدۂ جہابذۂ کرام ممتاز العلماء جناب سید محمد تقی اعلی اللہ مقامہ کے لئے جو اجازۂ اجتہاد تحریر فرمایا اس میں آپ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی ابتدائی تعلیم بھی اور انتہائی بھی اپنے والد علام اعلیٰ حضرت غفران مآب اعلیٰ اللہ مقامہ سے حاصل کی۔اسی اثناء میں والد گرامی کی طبع اقدس کچھ عرصہ کے لئے ناساز ہوگئی تو والد ماجد نے میرا درس برادرم بزرگ جناب سلطان العلماء سید محمد رضوان مآب علیہ الرحمہ کے سپرد کر دیا۔چنانچہ ایک زمانہ تک میں نے کچھ علوم حکمیہ فنون رسمیہ اور قدرے علوم دینیہ اپنے برادر بزرگ

سے حاصل کئے۔ جب والد بزرگوار کو مرض سے افاقہ حاصل ہوگیا تو پھر میرے اسباق والد گرامی کی خدمت میں عود پذیر ہو گئے۔

فرماتے ہیں کہ کتاب مرآۃ العقول کو جو عماد الاسلام فی علم الکلام کے لقب سے ملقب ہے۔ میں نے اپنے والد گرامی کی خدمت میں پڑھا۔ یہ کتاب والد بزرگوار کی تصانیف عالیہ میں سے ہے۔ نیز کتب حدیث کا ایک حصہ بھی جیسے کہ شیخ بہاؤ الدین عاملی علیہ الرحمہ کی شرح اربعین، اصول کافی و فروع کافی اور کتاب منتقی الجمان کو والد ماجد سے پڑھا۔ سترہ سال کی عمر میں آپ جمیع علوم وفنون کی تکمیل کر کے فارغ التحصیل ہو گئے اور مدارج اجتہاد میں سے اعلیٰ مرتبہ پر فائز اور کامران ہوئے۔ آپ کا شمار بھی اُن مجتہدین میں ہوتا ہے جو بالغ ہونے سے پہلے درجہ اجتہاد تک پہنچے آپ اگر چہ عمر میں اپنے تمام بھائیوں سے چھوٹے تھے لیکن میدان علم وفضل میں اکثر پر فوقیت رکھتے تھے۔ اور وجہ اس کی آپ کی طبع وقاد کی جودت، ذہن وراک کی حدت اور تیزی تھی۔ کیونکہ آپ اپنی ذہانت وفطانت کے اعتبار سے تمام علماء زمانہ وفضلاء روزگار کے سرتاج تھے۔ آپ نے نہایت بلند پایہ تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل تصنیفات وتالیفات عالیہ کا خزانہ اہل دنیا کو عطا کیا۔

صاحب تذکرۃ العلماء تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے ایک روز آنجناب کی زبان درفشان سے سنا کہ آپ نے فرمایا:
سات سال کی عمر میں، میں نے رسالہ تجزی فی الاجتہاد کی تصنیف شروع کی بعد ازاں حکم ظن رکعتین اولیین کے متعلق ایک رسالہ تصنیف کیا لیکن انتہائی شرم وحیا کے باعث یہ رسالہ جات میں کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتا تھا۔ البتہ اپنے بڑے بھائی جناب علامہ سید مہدی طاب ثراہ سے ان چیزوں کے متعلق مذاکرہ اور مکالمہ کا اتفاق ہوتا رہتا تھا۔ وہ مجھ سے تقریباً تین سال بڑے تھے وہ جو کچھ لکھتے تھے مجھے دکھا دیتے تھے اور میں جو کچھ لکھتا ان کی نظر سے گزار دیا کرتا۔ حتیٰ کہ وہ وقت آ گیا کہ والد ماجد نے مجھے اجازہ اجتہاد تحریر کر دینے کے بارے میں مجھ سے کلام فرمایا تو میں عرض گذار ہوا کہ اولاً حضور میرے ان رسالہ جات کو ملاحظہ فرمائیں جن کو میں تا حال تصنیف کر چکا ہوں تا کہ مجھے ان کے حسن وقبح سے آگاہی حاصل ہو کہ آیا وہ حضور والا شان کی نگاہ عالی میں طرز مناسب اور معیار صحت وصواب کا درجہ حاصل کر سکتی ہیں یا نہیں؟

چنانچہ میری اس عرض داشت کو شرف قبولیت حاصل ہوا اور میں نے اپنا تصنیف شدہ رسالہ ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ والد بزرگوار جب اس رسالہ کے مضامین کو سماعت فرمارہے تھے اس دوران میں انھوں نے فرمایا کہ تقریر کا اسلوب اور تحریر کا طرز اور متانت تو اس بلند معیار پر ہے جو ایک مبتدی اور نو آموز سے صادر نہیں ہو سکتا لیکن ابھی رسالہ اختتام پذیر

نہ ہوا تھا کہ بزرگوارم کی طبیعت بوجھل ہوگئی اور رسالہ کا ملاحظہ التوا میں پڑ گیا۔ لہٰذا برادرم معظم سلطان العلماء علامہ سید محمد رضوان مآب علیہ الرحمہ کو آنجناب والد بزرگوار نے فرمایا وہ رسالہ مذکور کو ملاحظہ کریں اور پھر اس کی کیفیت کے متعلق انہیں مطلع کریں۔ چنانچہ حضرت سلطان العلماء طاب ثراہ نے تعمیل حکم کرتے ہوئے رسالہ ملاحظہ فرمایا اور اسے بہت پسند فرمایا لیکن میں چونکہ اپنے تمام برادران سے خورد و سال تھا لہٰذا میں نے چاہا کہ میری جودت تحریر اور تبحر علمی کا حال ظہور پذیر ہو۔ اس لئے برادرم سلطان العلماء سے اس امر کے عدم اظہار کی التجا کی۔

آپ اپنے والد ماجد کے ارشادات کا تاثر لیتے اور ان کے ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی ہمیشہ سعی اور کوشش کیا کرتے۔ چنانچہ آپ نے جناب عمدۃ العلماء سید محمد ہادی قدس سرہ کے لیے جو اجازہ تحریر کیا تھا اس میں آپ نے یہ تذکرہ فرمایا ہے کہ پدرم بزرگوار جناب اعلیٰ حضرت غفران مآب اعلی اللہ مقامہ ہمیشہ فاضل طلبہ کو استنباط مسائل کے بارے میں پوری کوشش صرف کرنے اور انتہائی طور پر محنت کو بروئے کار لانے کی ترغیب دلایا کرتے۔ اور بڑی تاکید کے ساتھ انھیں اس امر پر آمادہ کرتے رہتے تھے اور فرمایا کرتے تھے میں نے ان ممالک میں علم دین کو رائج کرنے، فقاہت و اجتہاد کی بنیاد قائم کرنے اور علوم آئمہ اطہار کی نشر و اشاعت کے متعلق بڑی کوشش سے کام لیا ہے اور علم دین کے راستوں اور رشد و ہدایت کے طریقوں سے ہر قسم کے خس و خاشاک کو دُور کر کے انہیں خوب واضح اور روشن کر دیا ہے۔ مگر مجھے خطرہ ہے کہ کچھ مدت گزرنے اور میرے دنیا سے انتقال کر جانے کے بعد یہ آثار کہیں مٹ نہ جائیں اس لئے تمہیں بڑی توجہ، محنت اور جانفشانی سے کام کرنا چاہیے۔

والد ماجد کی ان ہدایات وارشادات کے باعث میں نے ابتداء سے ہی دامن ہمت کو سمیٹے رکھا اور کمسنی کے زمانہ میں ہی مسائل دقیقہ کو حل کرنے اور تحقیقات انیقہ پر مشتمل رسائل کی تصنیف و تالیف میں مصروف رہا۔ رسالہ تجزی فی الاجتہاد، مسئلہ شک در رکعتین اولیین، مسئلہ تقلید اموات میرے اس جذبے کے ثمرات ہیں۔

ان رسالہ جات میں سے بعض اعلیٰ مقام غفران مآب اعلی اللہ مقامہ کی خدمت اقدس میں پیش کئے آنجناب نے ملاحظہ فرما کر پسند کیا۔ تحسین سے نوازا اور فرمایا کہ یہ کلام تو ایک فاضل ماہر کے کلام کی مثل ہے۔ مبتدی اور نو آموز افراد کے کلام میں جو خامیاں پائی جاتی ہیں ان میں سے اس کلام کا دامن پاک ہے۔

آپ کا سلسلہ اجازہ روایت احادیث اپنے والد ماجد اعلیٰ حضرت سید دلدار علی غفران مآب اعلی اللہ مقامہ اور

بزرگ سلطان العلماء حضرت علامہ سلطان العلماء سید رضوان مآب طاب ثراہ کے واسطہ سے جناب مستطاب مستغنی عن الالقاب، بحر ذاخر فقید ماہر محقق نحریر عدیم النظیر استاد الکل فی الکل آقا محمد باقر بہبہانی طاب مرقدہ سے اتصال پذیر ہوتا ہے۔نیز جناب سید المحققین سند المدققین رئیس الفقہاء الفخام یعسوب العلماء العلام مولانا آقا سید علی طباطبائی عطر اللہ مرقدہ سے اور جناب عالم عامل فاضل کامل، فقیہ جلیل مجتہد عدیم البدیل بحر العلوم مولانا سید مہدی طباطبائی نجفی روح اللہ ضریحہ سے اور جناب علامہ فخر خاصہ وعامہ سید السادات منبع الفضل والافادات متکلم عدیم العدیل مجتہد بے بدیل مولانا محمد مہدی ہدایت اللہ موسوی اصفہانی مشہدی طاب مشہدہ وطہر مرقدہ سے اور جناب عالم نبیل فاضل جلیل فقیہہ ربانی مرزا محمد مہدی بن ابن القاسم موسوی شہرستانی سقی اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ سے اتصال والحاق پذیر ہوتا ہے۔

آپ کے زمانہ میں مومنین ممالک ہندوسندھ، دکن بنگال، پنجاب اور کشمیر آپ کے کمال علم وعمل، جود وسخا، تواضع و تورع، تقویٰ اور عفاف کا بصدق دل اعتراف واقرار کرتے ہوئے آپ کے عقیدت مندان اور آپ کی تقلید سے مشرف تھے۔ان علاقہ جات کے شاہان وقت بھی آپ کی تعظیم وتکریم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے خصوصا بادشاہ دین پناہ ثریا جاہ مصلح الدین ابوالمظفر محمد امجد علی شاہ جنت مکان انار اللہ) برھانہ کو جناب علامہ سے انتہائی عقیدت اور کمال خلوص حاصل تھا۔چنانچہ شاہ عالی جاہ مذکور نے از خود حضرت علامہ کے نام نامی واسم گرامی کی نقرئی مہر تیار کرائی۔چاندی ہی کے الفاظ میں آنجناب کے درج ذیل خطابات اس پر کندہ کرائے اور آپ کی خدمت میں اسے پیش کیا۔خطابات یہ تھے۔حاوی علوم دین حامی سادات ومومنین حافظ احکام الہ المجتہد العصر سید العلماء اور تمام دفاتر مملکت کے اہلکاروں اور محررین کے نام حکم عالی صادر ہوا کہ جناب حضرت علامہ کے اسم گرامی کو ہمیشہ انھیں القاب سے ملقب کر کے تحریر کیا جائے۔

کتاب مستطاب حدیقہ، سلطانیہ کی تصنیف وتالیف بھی اسی شاہ ذی جاہ کی خواہش سے عمل میں لائی گئی اور حضرت علامہ کے ایماء پر اس نیک بخت بادشاہ نے طلبہ علوم دین کے لئے ایک مدرسہ بھی قائم کیا جس میں علماء کبار وفضلاء ذی وقار کی مناسب مشاہرہ پر بحیثیت مدرس تعیناتی حضرت علامہ ہی کی رائے عالی پیرائے کے مطابق عمل میں لائی گئی اور طلباء کے لئے وظائف بھی مقرر کیے گئے۔

نیز بادشاہ دین پناہ سکندر جاہ ابوالمنصور ناصر الدین سلطان عالم محمد واجد علی شاہ نور اللہ مرقدہ بھی حضرت علامہ

سے برابر راہِ عقیدت خلوص پر ہی گامزن رہے اور ہمیشہ آپ کی انتہائی تعظیم وتکریم بجالاتے رہے۔ مدرسہ عالیہ کو اسی طور پر جاری اور قائم رکھا۔

یہ سب حضرت علامہ کے کمالات عالیہ کے اثرات تھے اور انہیں کمالات کے پیش نظر جناب کے برادر بزرگ سلطان العلماء نے جو اپنے مقام پر مجمع علوم دین مرجع سادات ومومنین محافظ احکام الہ العالمین کی شان عالی سے مشرف اور رضوان مآب کے ایسے بلند پایہ لقب سے ملقب تھے۔ حضرت علامہ سید العلماء کو اپنی ذات والاصفات پر مقدم کر دیا تھا اور تمام امور کو ان کی رائے عالی پیرائے پر موقوف اور ان کے سپرد کر دیا تھا اور آپ کی نگاہ میں اپنے اس برادر خورد کی جو شان اور عظمت تھی اس کی عکاسی وہ الفاظ بھی کرتے ہیں جو آپ نے اپنے برادرزادہ ممتاز العلماء حضرت علامہ سید محمد تقی اعلیٰ اللہ مقامہ کے اجازہ کی تحریر میں حضرت سید العلماء علیین مکان طاب ثراہ کی شان عالی شان میں استعمال فرماتے ہیں۔ چنانچہ آپ ان کی شان میں لکھتے ہیں:

السیدع الا لمعی والحبر اللوزعی ذی النظر الصائب والذهن الثاقب، عالی الکعب فی الفنون العظیم طویل الباع فی العلوم النقلیه، الراتع فی ریاض الاجتهاد والافاده الکارع من حیاض احادیث الجدودة الساده، سید العلماء العاملین سند الفقهاء الکاملین عین الانسان و انسان العین اُخی و صنوی و مهجة قلبی السید الحسین لا زال قریر العین محفوظا عن اصابة العین

یہ الفاظ جن معنوی بلندیوں، عظمتوں اور لطافتوں کے حامل ہیں انہیں ایک عربی داں ہی سمجھ سکتا ہے اور ان کی تصویر کشی کے لئے ایسی طولانی شرح درکار ہے کہ دامن وقت وقرطاس میں جس کی وسعت نہیں۔

حضرت علامہ علیین مکان اعلی اللہ مقامہ فی دارالکرامہ کے ہمسر علماء عتبات عالیات نجف اشرف وکربلائے معلی وغیرہ سب آپ کے کمال فضل واجتہاد کو تسلیم کرتے اور آپ کو بڑی عزت وتوقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ سب کے قلوب مبارکہ میں آنجناب کی محبت ومودت کی کھیتیاں سرسبز اور لہلہاتی رہتی تھیں باہم خط وکتابت اور مراسلات کے ابواب کھلے رہتے تھے۔

کتاب تذکرۃ العلماء نیز ایسے معتمدین کرام کے بیان سے کہ جو حضرت علامہ کی خدمت بابرکت میں عموماً حاضر رہتے تھے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علامہ نے اپنے شب وروز کے اوقات کو اس طرح تقسیم کر رکھا تھا کہ ابھی رات کا کچھ

حصہ باقی ہوتا تھا کہ آپ مسجد میں تشریف لے جاتے تھے اور طلوع صبح صادق تک نوافل شب اور اذکار وغیرہ میں مشغول رہتے۔ صبح صادق کے بعد نماز فریضہ باجماعت بجالاتے اور پھر ادعیہ وتعقیبات میں مصروف ہو جاتے۔ جب فراغت ہو جاتی تو اندرون خانہ تشریف لے جاتے اور ضروری کاغذات ملاحظہ فرماتے اور پھر کچھ وقت تصنیف وتالیف میں صرف کرتے۔

جب کسی قدر دن بلند آجاتا تو بیرون خانہ تشریف لاتے اتنے تک بکثرت لوگ جمع ہو جاتے۔ طلبہ کرام، فضلاء عظام اور طالبین فتاوی وغیرہ کا ہجوم ہو جاتا اولاً آپ طلباء کرام کو درس دیتے جن میں سے اکثر فضلاء کبار اور علماء عالی وقار ہوتے۔ بعد ازاں ہر حاجت مند کی حاجت روائی کے لئے مناسب وقت صرف فرماتے۔ جب آفتاب عالم تاب زوال پذیر ہوتا تو نماز باجماعت کے لئے مسجد میں تشریف لے جاتے اور بعد از تعقیبات نماز عصر واپس مراجعت فرما کر اپنے برادر بزرگ حضرت سلطان العلماء سید محمد قدس سرہ کی خدمت اقدس میں تشریف لے جاتے کچھ دیر وہاں توقف فرما کر پھر اپنے دولت کدہ پر واپس تشریف لاتے اور دوبارہ تدریس طلبہ میں مشغول ہو جاتے۔ نماز مغرب دولت کدہ پر ہی باجماعت ادا کر کے استفادہ اور طلب رشد وہدایت کرنے والوں کے لئے مجلس قائم کرتے ان کو درس دینے کے بعد افتاء مسائل میں مصروف ہو جاتے۔ کبھی کبھی تو نصف شب تک مسائل پر دستخط ثبت فرمانے میں مشغول رہتے۔

آپ بالالتزام سارے سال میں بروز جمعہ، دوشنبہ اور پنجشنبہ اور ماہ رمضان المبارک میں ہر روز نماز عصر کے بعد موعظہ فرمایا کرتے جس میں تفسیر قرآن، تصحیح عقائد، توضیح حقائق ودقائق پر مشتمل بیانات سے حاضرین کو مستفیض فرماتے لوگ آپ کے پُر از تاثیر مواعظ ونصائح سماعت کرنے کے لئے جوق در جوق جمع ہوتے اور ہدایت ورشد کے بیش قیمت موتیوں سے اپنے دامن بھر کے واپس ہوتے۔

تصانیف وتالیفات:

بکثرت تصانیف وتالیفات آپ کے قلم حق رقم سے ظہور پذیر ہوئے جن کی فہرست مندرج ذیل ہے:

۱۔ رسالہ تجزی فی الاجتہاد

: یہ رسالہ آپ نے سترہ سال کی عمر میں تصنیف فرمایا جیسا کہ تذکرۃ العلماء سے ظاہر ہوتا ہے۔

۲۔ رسالہ تحقیق جواز تقلید میت و عدم آں

۳. رسالہ مسئلہ شک در رکعتین اولین.

یہ دونوں رسالے بھی آپ نے اپنی عمر کے ابتدائی دور میں تصنیف فرمائے۔

۴. مناهج التدقيق و معارج التحقيق

یہ عدیم النظیر اور لاجواب کتاب تحقیقات دقیقہ و استدلالات انیقہ پر مشتمل ہے۔ حضرت علامہ اعلی اللہ مقامہ نے اپنے فرزند ارجمند افضل المتکلمین فخر المدرسین ممتاز العلماء سید محمد تقی جنت مآب کے لیے جو اجازہ تحریر فرمایا تھا۔ اس میں آپ نے تذکرہ فرمایا کہ کتاب مناہج التدقیق و معارج التحقیق کو میں نے نہایت عمدہ طرز و طریق پر تصنیف کیا ہے۔ اسے میں نے دلائل اور تنقیح مسائل سے پُر کیا ہے اور اقوال مختلفہ کے نقض و ابرام کو ایسے نہج پر بیان کیا ہے کہ اہل حق نے اسے بہت پسند کیا۔ اس میں تدقیقات کا ایک حصہ بیان کیا کہ جو علماء اسلاف کی کتابوں میں نہیں پایا جاتا ہے لیکن بعض امراض کے عارض ہو جانے کے باعث وہ کتاب پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکی۔ انتہیٰ اس کتاب کا مقصد ثانی احکام صلوٰۃ سے متعلق ہے۔ جس میں اوقات نماز یومیہ سے لے کر سلام تک کے احکام بیان ہوئے ہیں اور یہ ایک ضخیم جلد بن گئی ہے۔

۵.: وجیز رائق

اجازہ مذکورہ میں خود حضرت علامہ فرماتے ہیں کہ ''وجیز رائق'' کو میں نے بہترین اور بلند پایہ طریقہ پر تالیف کیا ہے۔ احکام طہارت کا ایک شطر وافی اس میں تحریر کر دیا ہے۔ اس کتاب کا باب الطہارت طبع ہو چکا ہے۔

۶. روضة الاحكام

حضرت علامہ نے اجازہ مذکورہ میں ہی تحریر رمایا ہے کہ مقلدین کی ایک جماعت نے پرزور اصرار کیا تھا کہ ''روضۃ الاحکام'' کی تالیف کو انجام دیا جائے۔ مگر میں دیگر چند رسائل متفرقہ میں مشغول ہو گیا۔ اس وجہ سے اس کتاب کے اتمام کی نوبت نہیں آ سکی۔ انتہیٰ اس کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ یہ کتاب ایک مقدمہ اور چار مقاصد پر مشتمل ہے۔ کیونکہ اس کتاب میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس کا تعلق مسائل فقہ کے طالب کی بصیرت سے ہوتا ہے یا اصل مسائل فقہ سے۔ شق اوّل مقدمہ ہے اور شق ثانی میں اگر نیت شرط ہو تو عبادات کہلاتے ورنہ اگر اس میں ایجاب و قبول دونوں متحقق اور موجود ہوں تو وہ عقود کہلاتے ہیں۔ اور اگر اس میں صرف ایجاب کا وجود ہو تو وہ ایقاعات کہلاتے ہیں اور اگر ایجاب و قبول میں سے کوئی بھی معتبر نہ ہو تو وہ احکام کہلاتے ہیں علم فقہ کے ارکان صرف یہی چار ہیں۔ انتہیٰ کلامہ۔

مقدمہ بھی اور مقصد اوّل بھی کہ جو احکام طہارت، صلوٰۃ و صوم کے بیان میں ہے یہ مطبوع ہو چکے ہیں اور مقصد

چہارم بھی طبع ہو چکا ہے کہ جو بیان میراث میں ہے۔

۷: . رساله مبسوط در احکام میراث بعبارة عربی

۸: کتاب مستطاب حدیقة سلطانیه مذکور:

بعدازاں اس کتاب کے ابواب کی فہرست تحریر کی ہے۔

۹: رساله وسیلة النجاة فارسی در اصول دین تا آخر مبحث نبوت

۱۰: رساله در بیان مسئله جلالة الطهارة.

۱۱. رساله منع از بیع مائعات نجس و متجسس

۱۲. رساله طرد المعاندین در جواز لعن بر اهل نفاق

یہ رسالہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

۱۳. حاشیه بر ریاض المسائل مشهور بشرح کبیر بر کتاب الصوم و کتاب الهبه و کتاب الصدقه.

۱۴. تعلیقات بر شرح هدایة الحکمة ملا صدر الدین شیرازی.

۱۵: رساله تحقیق النسبة بین الحقیقة والمجاز.

۱۶. تفسیر سوره الحمد یہ نہایت ہی مبسوط تفسیر ہے۔

۱۷: تفسیر سوره بقره: از شروع تا چند آیات

۱۸: تفسیر سوره هل اتی علی الانسان.

۱۹. تفسیر سورة توحید.

۲۰. تفسیر آیه کریمه: کنتم خیر امة اخرجت للناس. متضمن بر نقض کلام، فخر رازی.

۲۱: المجالس المفجعة

۲۲. الفوائد فی تنقیح العقائد، ملقب به افادات حسنیه

یہ علامہ علیہ الرحمہ کی آخری تصنیف ہے، جو شیخ احمد احسائی اور اس کے شاگرد سید کاظم رشتی کے اقوال کی تردید میں تحریر فرمائی.

صاحب تذکرۃ العلماء نے مصنفات سید العلماء علیین مکان کے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت علامہ کو شب و روز مسائل متفرقہ کے جوابات تحریر کرنے کا اتفاق ہوتا ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آپ بعض مسائل کی تفصیل پر کما

حقہ خامہ فرسائی فرمادیتے۔ لہٰذا اگر تمام مسائل کو جمع کیا جائے تو ان کی کئی ضخیم جلدیں بن جائیں گی۔ اس طرح آپ نے بذریعہ مواعظ حسنہ جن مسائل عالیہ کی تشریح فرمائی، ان کا دامن بھی نہایت وسیع ہے لیکن علامہ رحمہ اللہ نے چونکہ ان چیزوں کی تدوین کا قصد نہیں فرمایا اس لئے ان کا تذکرہ نہیں کیا جاتا۔

باوجود مشاغل کی اس کثرت اور بہتات کے آپ بعض اوقات قرآن مجید کے متن کی کتابت کا ثواب بھی حاصل کرنے کی سعی اور کوشش فرماتے رہتے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ آپ کے دست مبارک کا لکھا ہوا قرآن مجید کا ایک نسخہ حضرت علامہ علیہ الرحمہ کے پوتے عالم عامل فاضل کامل مجتہد علی الاطلاق المشہور بین الآفاق کریم ابن کریم جناب مستطاب سید محمد ابراہیم اعلی اللہ مقامہ کے پاس موجود پایا گیا جس کا خط بہترین تھا اور اس کے گرداگرد حضرت علامہ ہی کے دست مبارک کے لکھے ہوئے بکثرت حواشی موجود تھے اور اس کے آخر میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی:

قد وقع الفراغ من كتابة القرآن المجيد والفرقان الحميد بتائيد الله سبحانه و حسن توفيقه على يد اقل الخليقة بل لا شئى فى الحقيقة اقل العباد عملا و اكثرهم زللا ابن العلامة المرحوم الساكن فى جوار رحمة ربه الكريم السيّد دلدار على رفع الله درجاته فى جنات النعيم السيّد حسين صانه عن كل شئى و رزقه شفاعة سيّد البشر رسول الثقلين صلى الله عليه و آله فكان ذلک يوم الاحد لخمس بقين من شهر جمادى الاخرة سنة سنة اربعين بعد الف و مأتين من الهجرة النبوية على الصادع بها الف الف تسليم و تحية

صاحب تذکرہ العلماء تحریر کرتے ہیں کہ حضرت علامہ نور اللہ مضجعہ و اعلی اللہ مقامہ تائیدات ربانیہ سے مؤید اور فیوضات یزدانیہ کا مہبط تھے۔ ورنہ باوجود مشاغل کی اس کثرت اور طبع کے نحیف اور کمزور ہونے کے ایک فرد بشر سے کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایسے کارنامے اس کے دست ہائے مبارکہ پر ظہور پذیر ہوں اور اتنی مشقتوں اور تکالیف کو برداشت کر سکے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی حد تک صفات ملائکہ سے متصف کیا تھا کیونکہ آپ خورد و نوش اور کھانے پینے کے معاملہ اور راحت و آرام اور نیند وغیرہ کے سلسلہ میں بہت کم مقدار اور اقل قلیل صورت پر اکتفاء فرماتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ نہایت نحیف الطبع تھے۔ قد و قامت میانہ تھا اور چہرہ مبارک پر ہر وقت نورانیت برستی رہتی تھی۔ رخ انور سے نور ساطع ہوتا دکھائی دیتا تھا۔ اس کمزوری اور ضعف کی صورت میں شب و روز تصنیف و تالیف تدریس و موعظہ و حل مسائل وغیرہ میں مصروف رہنا ہی اگرچہ اپنے مقام پر ایک خارق عادت امر اور کرامت کی شان رکھتا ہے لیکن یہی نہیں اس کے علاوہ آپ

سے جو کرامت صادر ہوئے لکھتے ہیں ان کی تفصیل کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔

اسوہ المتکلمین قدوۃ المجتہدین اکرم الناس مفتی سیّد محمد عباس قدس سرہ کتاب اوراق الذہب میں تحریر کرتے ہیں کہ لکھنؤ میں ایک سال حبس باراں ہوگیا بارش رک گئی۔ لوگوں نے درگاہ رب العزت میں تضرع اور زاری شروع کی۔ حضرت علامہ سید حسین علیین مکان اعلی اللہ مقامہ نے صحرا میں جا کر نماز استسقاء باجماعت ادا کی ابھی آپ نے چادر کو حرکت نہ دی تھی کہ بارش شروع ہوگئی اور اتنی کثرت سے مینہ برسا کہ ہر طرف پانی ہی پانی ہوگیا۔

باوجود ضعف ناتوانی کے بطریق مذکور مشقتیں اور تکالیف برداشت کرنے کے باعث متعدد امراض و عوارض لاحق ہوگئے بالآخر روحانی صدمات اور جسمانی امراض کی تاب نہ لا سکے اور شب شنبہ ستر ماہ صفر ۱۲۷۳ھ ندائے یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیہ فادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی، پر صدائے لبیک بلند کردی اور عالم قدس کو رحلت پذیر ہوگئے۔

آپ کی نماز جنازہ کے لئے اس کثرت سے لوگوں کا اجتماع اور اژدحام ہوگیا کہ لکھنؤ کی تاریخ میں اتنا اجتماع کسی کے جنازہ پر دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ سب سوچنے لگے کہ کس مقام پر نماز جنازہ ادا کی جائے۔ جس میں اس قدر آدمیوں کا انبوہ سما سکے۔ بالآخر تجویز کیا گیا کہ نواب آصف الدولہ کے امام باڑہ کے صحن میں نماز جنازہ ادا کی جائے جو کہ شہر لکھنؤ کی عمارتوں میں سے سب سے بڑی اور وسیع ترین عمارت ہے چنانچہ آپ کے برادر بزرگ حضرت مولانا سلطان العلماء سید محمد رضوان مآب اعلیٰ اللہ مقامہ نے اسی امام باڑہ آصفیہ میں نماز جنازہ پڑھائی اور امام باڑہ غفران مآب میں غربی حجرہ میں اپنے والد ماجد غفران مآب رضوان اللہ علیہ کی پائنتی کی جانب مدفون کردیئے گئے تا حال سنگ سفید کی ایک لوح اور چوب صندل کی ضریح قبر اقدس پر نصب ہے۔ مدت عمر اکسٹھ سال دو ماہ اور تین روز ہوتی ہے۔

تاریخ وفات سید العلماء سید حسین علیین مکان

حسین ابن علی آبروی علم و عملی
کہ سید العلماء نقش خانمش بودی
نماند و ماندی اگر بودی پنج سال دیگر
غم حسین علی سال ماتمش بودی

مرثیۂ سید العلماء از مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ

زیں خرابی کہ در جہاں افتاد
بگزراز خاک کا سماں افتاد

چشم و دل غرق خون یک و دگراست
زیں کشاکش کہ درمیاں افتاد

می کشد بے سناں و دشنہ و تیر
غم برا احباب مہرباں افتاد

شعلہ در چرخ نا گرفت گرفت
لرزہ بر عرش نگہاں افتاد

جست از سدرہ طائر قدسی
کش ازاں نخل آشیاں افتاد

زیں قیامت کہ نے بہنگام است
در حرم شور الاماں افتاد

آنچناں جوش خورد از تف غم
کاب زم زم ز ناوداں افتاد

برد اللہ گرد مضجع او
نقش بستند بردر و دیوار

از فراز فلک گزار مسیح
می نہ سوز در تاب شعلہ شمع

سوئے این پست خاک داں افتاد
بال پروانۂ چراغ مزار

مردن خواجہ چوں بہ کعبہ شنید
مرگ سید حسین آساں نیست

مردہ آساز نردباں افتاد
دھر آرد چیں کسے دشوار

خون زغم در دل کلیم افسرد
از صفر روز رفت جچوں دہ و ھفت

لاجرم عقدہ برزباں افتاد
شب شنبہ بزاد روز شمار

گر فرو وافتد آسماں بہ زمیں
ماہ و تاریخ گر امام رضاً ست

باقضا در ثمی تواں افتاد
ماہ و تاریخ سید العلما ست

گشت داغ غم حسینِ علی
آں امام ہمام یزداں داں

تازہ در ماتم حسین علی
قھرماں قلم رو ایماں

از زباں ھابہ معرض آثار
آں کہ گر نطق ار نشاں نہ دھد

خون فرو می چکدم گفتار
نه رسد کس به معنی قرآن

عالمی راست در نهان و عیان
آنکه گردون بدین توانائی

دل غم اندوز و دیده دریا بار
باشدش گوئے در خم چوگان

درد ایں سر فشرده پا در دل
آنکه باوے بهشت و دوزخ را

اشک آن سود و یده بر رخسار
چاره نبود ز بردن فرمان

ماجرا از خرد پژوهش رفت
صفت ذات وے بشرط و جوب

گفت می بیں ودم مزن زنهار
در نه گنجد یه حیز از امکان

دیده بلشی که خواجه چون می زیست
جوهرش را عرض بود اسلام

لختی آن فروفرخی یاد آر
ایں نهاید اگر نباشد آں

رگ برگے از و نیافت گزند
از اولی الامر ثامن و ضامن

دل موری ازو ندید آزار

که نجات نفوس راست ضمان

دادش چون بخواب باز پسین

حسب دعوت بمامن مامون

با دل شاد و دیدهٔ بیدار

گشت مهر سپهر دین مهمان

☆☆☆

بسم تعالیٰ

آقا سیّد ابراہیم بن سیّد محمد باقر موسوی

پیدائش - وفات ۱۲۶۴ھ

ہر جگہ شہرت رکھنے والے، یگانہ روزگار اور علم فقہ و علم اصول و رجال میں بے مثل، تدریس میں تمام مدرسین پر فوقیت رکھنے والے، پرچم تدقیق، مینار تحقیق، فقاہت کا طور تھے۔ آپ کا درس ہر ایک کے لیے متوسط ہو یا مستفید و مفید ہر ایک اپنے حسب حال آپ سے بہرہ ور ہوتا تھا۔ کربلا معلّٰی میں رہا کرتے تھے اور حضرت سید الشہداءؑ کے حایر مبارک کے صحن سے متصل جو مسجد مدرسۂ سردار کی ہے اس میں تدریس فرمایا کرتے تھے اور آپ کی مجلسِ درس میں سات سو، آٹھ سو بلکہ ہزار طالب علم، فقہا، مجتہدین مسئلہ کا استنباط کرنے والے افراد موجود ہوتے تھے۔ مثلاً آقا شیخ زین العابدین بارفروش، آقا سیّد حسین ترک، آقا سیّد اسد اللہ مجلل حجۃ الاسلام اور آقا شیخ مہدی کجوری جو شیراز کے تھے، مرحوم آقا سیّد ابوالحسن تنکابنی، حاجی محمد کریم مجتہد لاہجی، مرحوم شیخ عبدالحسین طہرانی، مرحوم ملا علی محمد ترک، جناب حاجی ملاّ علی کنی سلمہ اللہ، میرزا محمد حسین ساروی، میرزا محمد محسن اردبیلی، آقا میرزا صالح عرب، آقا میرزا رضائی دامغانی، شیخ محمد طاہر گیلانی، ملا محمد صادق ترک اور آقا جمالائی محلاتی وغیرہ جن میں سے ہر ایک اپنے میدان میں با کمال تھا۔

آپ دو درس دیا کرتے تھے۔ بعض اوقات اس قدر اژدہام ہو جاتا تھا کہ طلباء کی کثرت کی وجہ سے مسجد چھلک اٹھتی تھی اور سائبان لگانے پڑتے تھے۔ مسجد کا نصف صحن طلاب اور علماء سے بھر جاتا تھا۔ ایک درس علم اصول پر ہوتا تھا کہ جس میں وہ اپنی ذاتی کاوشوں اور افکار کے نتائج پیش کیا کرتے تھے جس میں آپ اپنی عبارت پڑھتے اور پھر اس کی تشریح کرتے اور دوسرا درس محقق اول کی کتاب شرائع کا۔ اس کتاب کی عبارت کی دو دو سطریں طلباء پڑھتے جاتے اور آپ ایک ایک مسئلہ پر وضاحتی تقریر کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ عالم خواب میں اپنی جدہ طاہرہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو دیکھا کہ دوات و قلم عنایت فرما رہی ہیں اور ارشاد فرما رہی ہیں کہ اے فرزند فقہ لکھو۔ آپ کی تالیفات میں کتاب ضوابط الاصول دو جلدوں میں ہے اور مشہور یہ ہے کہ اس کو آپ نے مکہ میں دو ماہ میں تالیف کر لیا تھا اور یہ آپ کی ایک کرامت ہے اور اس کی تالیف اسی سال ہوئی جب طاعون کی وبا پھوٹ پڑی تھی۔ آپ نے یہ نسخہ اس طرح لکھا کہ اکثر صفحات کی سطروں میں اوّل و آخر کے حروف یکساں ہوتے تھے

مثلاً ایک صفحہ پر اگر ہر سطر کے شروع میں الف آیا ہے تو اس صفحہ کے ہر سطر کے آخر میں نون یا لام تھا وغیرہ دو ماہ کی مدت میں اصول کے تمام قواعد اس متانت کے ساتھ اور مذکورہ طرز پر کہ اوّل سطر و آخر سطور میں ہم آہنگی باقی ہے یہ سوائے تائید الٰہی اور پروردگار عالم کی بے انتہا نوازش کے سوا کچھ نہیں۔

دوسری کتاب اصول میں نتائج الافکار ہے جو تقریباً معالم کے برابر ہے اس میں بھی اصول کے تمام پہلو، دلائل، اقوال موجود ہیں اور بڑی فصیح و بلیغ عبارت میں ہے اور آپ اسی کتاب کو موضوع بنا کر درس دیا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ علم اصول میں ایسی فصاحت، بلاغت اور خوبیوں کے ساتھ کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔ آپ کے شاگردوں نے اس پر بہت سی شرحیں لکھی ہیں جیسے آقا شیخ مہدی کجوری، آقا سید ابوالحسن تنکابنی ساکن قزوین وغیرہ نے۔

کتاب نتائج دو چھوٹی جلدوں میں ہے۔ ایک رسالہ حجیت ظن میں پوری تفصیل سے تالیف کیا ہے۔ بہت عمدہ رسالہ ہے اور اس میں بڑی تحقیق سے کام لیا گیا ہے۔ کتاب دلائل الاحکام جو شرائع الاسلام کی شرح ہے جو اوّل طہارت سے لے کر حدود و قصاص تک لکھی گئی ہے اور کئی جلدوں میں ہے۔

ایک فارسی رسالہ طہارت، نماز، روزہ میں ہے ایک نادر مفصل رسالہ طہارت و صلوٰۃ میں ہے۔ مناسکِ حج میں رسالہ، غیبت اور اس کی فروعات کے حرام ہونے کے بارے میں رسالہ، اور نمازِ جمعہ کے بارے میں رسالہ اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے قوائد فقہیہ سے پانچ سو قاعدے جمع کیے تا کہ قوائد کلیہ تالیف کردوں لیکن کتاب دیات میں قوائدِ کلیہ نہیں ملے اور جو ہے وہ بر بنائے دلیل ہے۔

آپ کا حافظہ بہترین تھا کہ ایک دفعہ جو نظر سے گزر جاتا حفظ ہو جاتا لیکن کہتے یہ تھے کہ جلد ذہن سے اتر جاتا ہے اور یاد نہیں رہتا۔ آپ بہت خوشخط تھے اور خط و نسخ و شکستہ نستعلیق میں اپنے ہم عصروں میں سب سے بڑھ کر تھے اور کہتے تھے کہ میں نے صرف دو ورق مشق کے طور پر لکھے یہ آپ کی ایک کرامت ہے۔ اور آپ یہ بھی کہتے تھے کہ کتاب قوانین کو میں نے ساٹھ مرتبہ دہرایا ہے۔

آپ کا اخلاق اس قدر بلند تھا کہ قلم اس کی تحریر کا یارا نہیں رکھتا۔ علمائے عرب و عجم میں اس قدر خوش اخلاق شخص دیکھا ہی نہیں۔ اگر ایک عام یا غیر عام ممیز بچہ چاہے شرفاء کا ہو یا غیر شرفاء کا ان کے پاس چلا آتا تو اس کے ساتھ تواضع سے پیش آتے اور اس کے لیے اپنی جگہ سے کھڑے ہو جاتے تھے اور یہ کیفیت اہل زمانہ میں کہیں دکھائی نہیں دیتی اور اگر ان کے

سامنے اوّل فول بکتے یا معاذ اللہ ان کو گالیاں بھی دیتے تو وہ خاموش رہتے تھے۔ انتہا یہ ہے کہ ایک دن ایک اعرابی جو سید محمد کاظم رشتی شیخی کے مریدوں میں سے تھا اور شیخیہ اور فقہا میں بڑی منافرت اور چپقلش چلی آ رہی تھی تو وہ بدو شخص آپ کے درس کی مجلس میں گھس آیا اور گالم گلوچ اور بکواس کرنے لگا اس کی کمر میں ایک خنجر چھپا ہوا تھا اور وہ بڑھتا چلا آ رہا تھا اور سید استاد سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے اچانک کسی خدام کو حقیقت حال کا علم ہو گیا اور اس نے اس ملعون کا گریبان پکڑ لیا اس پر بھی استاد نے کہا اسے کچھ نہ کہو اور کوئی سزا نہ دو کیونکہ یہ شخص پاگل ہے۔ خادم اس کو گھسیٹ کر باہر لے گیا اور سید الشہداء کے صحن میں لا کر پھینک دیا اور خوب ڈنڈے مارے۔

ایک اور کرامت جو زبان زد خاص و عام ہے اور ہر جگہ مشہور ہے کہ ہندوستان کے لوگوں نے آپ کو عریضہ لکھا کہ: آپ ہمارے لیے رسالہ تقلید لکھ کر بھجوا دیں تا کہ ہم آپ کی تقلید کر سکیں۔ آپ نے اپنا رسالہ اور دوستوں کے لیے خطوط لکھ کر کسی کو دیئے۔ وہ لوگ ایک کشتی میں سوار ہوئے جب کشتی وسط بحر میں پہنچی تو ایسی مخالف ہوائیں چلنی شروع ہوئیں کہ کشتی الٹنے کی نوبت آ گئی جو سب کے لیے پیغام موت تھا تو انہوں نے سارا مال و اسباب سمندر میں ڈال دیا کہ کشتی ہلکی ہو جائے اور آسانی سے چل سکے چنانچہ وہ خورجین بھی نذر آب ہو گئی جس میں رسالہ اور خطوط تھے۔

اب جو سب ہندوستان پہنچے تو سارا ماجرا لوگوں کو سنایا چنانچہ اہل ہند نے دوبارہ عریضہ لکھا کہ آپ کا رسالہ اور خطوط غرق آب ہو گئے ہیں تو آپ نئے سرے سے پھر رسالہ ارسال فرما دیں تو آپ نے ایک اور نسخہ لکھوا کر پھر ہندوستان بھجوایا۔ کچھ عرصے بعد آپ کی تحریریں اہل ہند کو ملیں اور انہوں نے لکھا کہ آپ کے خطوط مع آپ کے رسالہ کے بخیریت ہمیں موصول ہو گئے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن ہم سیر و تفریح کے لیے ساحل سمندر گئے کہ ایک عجیب و غریب سمندری جانور پڑا ہوا دیکھا جو مردہ حالت میں تھا اور اس کا پیٹ پھولا ہوا تھا۔ ہم نے اس کا پیٹ چاک کیا تو دیکھا کہ اس کے پیٹ میں ایک خورجین ہے۔ ہم نے اس خورجین کو نکال کر اس کا ڈھکنا کھولا تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپ کا رسالہ اور تمام خطوط اس میں موجود ہیں اور وہ بالکل خراب نہیں ہوئے اور نہ ان کو کائی لگی اور نہ پانی کا ان پر کوئی اثر ہوا ہے۔

نیز آپ کی ایک کرامت یہ ہے کہ جب آپ نجف اشرف میں تھے تو شیخ علی کی مجلس میں آیا کرتے تھے۔ خواب میں ایک دن یہ دیکھا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام آپ کو حکم دے رہے ہیں کہ کربلا چلے آؤ۔ آپ نے یہ سمجھتے ہوئے کہ خواب کوئی حجت نہیں ہوتے اس حکم کو پورا نہ کیا تو دوسری بار پھر یہی خواب دیکھا اور اب حضرت امیر المومنین علیہ السلام

نے فرمایا کہ تمہارا پہلا خواب بھی سچا تھا اور تھوڑا سا غصہ کا اظہار بھی کیا لیکن آپ نے اس کے بعد بھی اس بات سے لا پرواہی برتی۔ اب تیسری دفعہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور حکم دیا کہ کربلا جاؤ اور وہیں اقامت گزیں ہو جاؤ اب آپ نے حکم کی پابندی کی اور کربلا آ کر وہیں مقیم ہو گئے۔

آپ کا انتقال ۱۲۶۴ھ میں وبائی بیماری سے ہوا تو کربلا والوں نے ان کے جنازے کو حرم سید الشہداؑ اور حضرت عباسؑ میں طواف کرایا ہر طرف گویا قیامت برپا تھی۔ گلی گلی سے جنازہ گزارا جا رہا تھا اور سب نے سینہ کوبی کرتے ہوئے، مرثیہ پڑھتے ہوئے اور گریبان چاک حالت میں صحن کے مخصوص گوشہ میں ان کے گھر کے قریب دفن کر دیا۔

☆☆☆

بسم تعالیٰ

شیخ اعظم مرتضیٰ انصاریؒ

۱۲۱۴ھ - ۱۲۸۱ھ

(شیخ انصاری ایک ایسے عالم ہیں کہ جن کے کان میں حضرت امام علی علیہ السلام نے سورہ حمد تلاوت فرمائی۔)

شیخ مرتضیٰ انصاریؒ وہ خوش نصیب مرجع تقلید ہین جن کو خود آقا و مولا امام مہدی علیہ السلام نے اپنا نائب مقرر فرمایا۔ فضل و ادب کے بے مثال گھرانے میں عید غدیر کے دن سن ۱۲۱۴ھ شہر دزفول میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ آپ شیخ محمد امین کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت محمد مصطفیٰؐ کے مشہور صحابی جناب جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے ملتا ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ متعبد اور پارساہ خاتون تھیں آپ کی ولادت کی شب آپ نے خواب میں شرف زیارت امام جعفر صادق علیہ السلام حاصل کیا۔ امام علیہ السلام نے قرآن کریم آپ کو عنایت فرمایا اس خواب کی تعبیر میں کیا گیا کہ پروردگار عالم آپ کو ایک فرزند ذی وقار سے نوازے گا اور ایسا ہی ہوا۔

آپ کی والدہ ارشاد فرماتی ہیں کہ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ بغیر وضو کے میں نے اپنے فرزند کو دودھ پلایا ہو۔

تعلیم کے ابتدائی مراحل اپنے والد بزرگوار جناب ملا امین انصاری اور اپنے چچا کے محضر میں حاصل کیئے۔ ۱۲۳۲ھ میں اپنے والد کے ہمراہ عراق میں زیارت مقامات مقدسہ سے مشرف ہوئے۔

ایک دن آقا سید محمد مجاہد فرزند آقا سید علی صاحب ریاض کے درس میں جناب مرتضیٰ انصاری نے اپنے عقائد بیان کئے اور اپنے اُستاد کی توجہ کا مرکز بن گئے اُستاد نے آپ کے والد سے درخواست کی کہ آپ کو حصول تعلیم کیلئے نجف اشرف میں ہی رہنے دیا جائے آپ کے والد نے یہ درخواست قبول کر لی۔

شیخ مرتضیٰ انصاری نے چار سال تک تعلیم کو جاری رکھا یہاں تک کہ داؤد پاشا والئی بغداد نے سلطان روم کے حکم پر کربلا معلیٰ کا محاصرہ کر لیا جس کے نتیجے میں اکثر طالب علم کاظمین ہجرت کر گئے۔ اور شیخ مرتضیٰ انصاری اپنے اصل وطن دزفول پلٹ گئے۔

دوسال بعد آپ نے نجف اشرف جانے کا فیصلہ کیا مگر آپ کی والدہ آپ کی جدائی کو برداشت کرنے میں حائل ہوئیں اور اپنے بیٹے کو سفر کی اجازت نہ دی۔ بیٹے کا اصرار جاری رہا فیصلہ کیا گیا کہ استخارہ کیا جائے۔

آیۂ مبارکہ آئی۔

وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْکِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ○

(سورۃ قصص آیہ ۷)

ترجمہ:

''مت ڈرو اور مغموم مت ہو ہم اُس کو تمہارے پاس پھر لوٹا دیں گے۔''

اُس پرہیزگار خاتون نے حکم الٰہی کے آگے سر تسلیم خم کرلیا اور نجف جانے کی اجازت دے دی۔

شیخ مرتضیٰ نجف اشرف چلے گئے اور شریف العلماء اور جعفر کاشف الغطا کے درس میں شرکت کی اور پھر صاحب جواہر کے قابل ترین شاگرد ہونے کا شرف حاصل کیا۔ آپ نے نجف اشرف کے اساتذہ سے مختلف علوم میں مہارت حاصل کی تا آنکہ آپ شہرت یافتہ بن گئے۔

سن ۱۲۴۰ میں مشہد مقدس زیارت امام رضا علیہ السلام کے لیے تشریف لے گئے پھر اہل کاشان کے اصرار پر چار سال وہاں قیام کیا اس طرح ایران میں آپ کا قیام چھ سال تک رہا۔

آپ کے محترم اساتذہ کے اسم ہائے گرامی ہیں شیخ حسین انصاری دزفولی، شریف العلماء مازندانی، شیخ موسیٰ کاشف الغطاء سید محمد مجاہد، شیخ علی کاشف الغطاء، حاج ملا احمد نراقی اور سید علی شوستری، شیخ مرتضیٰ انصاری خاص طور پر سید علی شوستری جلیل القدر سید کے درس اخلاق میں حاضر ہوتے تھے۔ سید علی شوستری فقہ میں آپ کے شاگرد تھے جبکہ اخلاق اور عرفان میں آپ کے اُستاد تھے۔ سید علی شوستری آخوند ملا حسین قلی ہمدانی کے اُستاد تھے جبکہ آخوند ملا حسین قلی ہمدانی ۳۰۰ اولیاء اللہ کے اُستاد تھے۔ مثلاً میرزا جواد آقا ملکی تبریزی، شیخ محمد بہاری ہمدانی اور سید احمد کربلائی جو کہ اُستاد علامہ سید علی آقا قاضی تھے۔

شیخ مرتضیٰ انصاری نجف اشرف میں اقامت پذیر تھے کہ ۱۲۶۶ھ میں شیخ محمد حسین نجفی صاحب جواہر نے آپ کو مرجع تقلید مقرر فرمایا۔ آپ بستر مرگ پر تھے کہ آپ نے شیخ مرتضیٰ انصاری کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑا اور فرمایا دیکھو میرے بعد

یہ تم سب کا مرجع تقلید ہوگا۔

شیخ باسعید العلماء مازندانی کربلا میں آپ کے ہم درس تھے اور شیخ مرتضٰی انصاری اُن کو اپنے پر ترجیح دیتے تھے۔ ان سب سے صاحب جواہر کی وفات کے بعد جب لوگوں کا اصرار بڑھا کر مرجعیت قبول کیجئے تو آپ نے انکار کیا اور شیخ باسعید العلماء مازندانی کو خط لکھا کہ آپ مجھ پر فوقیت رکھتے ہیں مرجعیت قبول کیجئے۔ جب ہم کربلا میں شریف العلماء سے پڑھتے تھے تو آپ مجھ پر حاوی تھے۔ لہٰذا آپ مرجعیت کے مجھ سے زیادہ حق دار ہیں۔

سعید العلماء نے جواب لکھا ہاں صحیح ہے مگر میں آپ لوگوں کے اُمور میں گرفتار ہوں اور معذرت طلب ہوں۔ اس کے بعد آپ حضرت علی علیہ السلام کے حرم میں تشریف لے گئے اور مدد کی درخواست کی، آپ نے مرجعیت قبول نہ کی اور لوگوں کے اصرار پر فرمایا جب تک اس کی توثیق وقت کے امامؑ، امام مہدی علیہ السلام نہ فرمائیں گے ہیں یہ عہدہ قبول نہ کروں گا۔

چند دن گزرے آپ درس دینے میں مصروف تھے اُس وقت ایک ذی وقار شخص وارد ہوا اور سوال کیا شیخ مرتضٰی انصاری یہ بتاؤ کہ اگر کسی عورت کا شوہر مسخ ہو جائے تو کیا وہ عدت طلاق گزارے یا عدّت موت؟

آپ نے کہا الحمدللہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت میں لوگ مسخ نہیں ہوئے اس لیے یہ مسئلہ کتب میں نہیں لکھا ہے۔

اُس نے کہا فرض کرو اگر ایسا ہو جائے تو عورت کیا کرے؟ کیا عدت طلاق گزارے یا پھر عدّت موت۔

آپ نے کہا اگر پتھر کی صورت میں مسخ ہوا ہے یا ایسی چیزوں میں مسخ ہوا ہے جو جان نہیں رکھتی تو عدت موت گزارے اور اگر حیاتات وغیرہ یا وہ چیزیں جو جان رکھتی ہیں میں مسخ ہوا ہے تو عدت طلاق گزارے۔

آپؒ نے تین مرتبہ فرمایا ہٰذا مجتہد، ہٰذا مجتہد، ہٰذا مجتہد اور ایک دم تشریف لے گئے۔ آپ کو معلوم تھا کون ہیں، آپ نے طلباء سے کہا جاؤ جلدی، جا کر دیکھو کہاں تشریف لے گئے مگر جانے والے جا چکے تھے اب تصدیق کے بعد آپ نے مرجعیت قبول کی۔

۱۲۶۶ھ سے لے کر ۱۵ سال تک حوزہ علمیہ نجف اشرف کے سر پرست اعلیٰ اور تمام شیعیان جہاں کے مرجع قرار پائے اور تمام جہان شیعہ نے آپ کی تقلید کی۔

شیخ مرتضیٰ انصاری بزرگ علماء اکرام اور فقہا میں ممتاز ترین مقام رکھتے ہیں اور آپ کا لقب خاتم الفقہاء والمجتہدین" قرار پایا۔

آپ کی کرامات فرداں ہیں۔ اختصار کی خاطر چند تمرکن پیش خدمت ہیں آپ کا ایک شاگرد بیان کرتا ہے کہ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد نجف اشرف شیخ مرتضیٰ انصاری کے درس میں شریک ہوا۔ مگر مجھے اُس اعلیٰ پایہ درس میں کچھ سمجھ نہ آتی تھی اور سب کچھ میرے سر سے اوپر گزر جاتا تھا۔ یہاں تک کہ میں نا اُمید ہو گیا۔ آخر کار میں روضہ مبارک امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام پر حاضر ہوا اور گریہ وزاری کے ساتھ مدد کی گزارش کی۔ ایک رات خواب میں شرف زیارت امیر المومنینؑ حاصل ہوا آپ نے کرم کی انتہا کی اور میرے کان میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی۔

اگلے روز مجھے درس سمجھ میں آنے لگا اور میں روز بروز آگے بڑھنے لگا یہاں تک کہ چند روز میں بات کرنے کے قابل ہو گیا۔

ایک روز شیخ سید مرتضیٰ انصاری منبر پر تشریف فرما تھے اور میں بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہا تھا مگر پھر غلطی کر گیا۔ اُس دن درس ختم ہونے کے بعد شیخ میرے قریب آئے اور میرے کان میں آہستہ سے کہا۔

وہ جس نے تمہارے کان میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی تھی اُس نے میرے کان میں بسم اللہ سے لے کر پوری سورہ حمد ولا الضالین تک پڑھی تھی یہ فرمایا اور چلے گئے۔

جب ایسا ہوا تو میں سمجھ گیا کہ آپ صاحب کرامت ہیں اس لیے کہ اس سے پہلے میں نے اپنا واقعہ کسی کو نہیں بتایا تھا۔

ایک شخص جو گرفتار تنگی معاش تھا اپنے دوست سے کہنے لگا کہ اگر تم میرا ساتھ دو تو تمہارا اور میرا معاشی مسئلہ حل ہو سکتا ہے اور یہ تنگ دستی ختم ہو سکتی ہے اگر کہتے ہو تو میں اپنا منصوبہ تمہیں بتاتا ہوں ایسا ہے کہ آج کل شیخ مرتضیٰ انصاری کے پاس بہت مال و دولت آئی ہے ہم کیوں نہ اُن کے گھر داخل ہوں، موقع غنیمت جان کر دولت حاصل کر کے تقسیم کر لیں۔ میں نے اُس کو بہت منع کیا مگر وہ نہ مانا اور مجھے بھی بہت مجبور کیا کہ میں اُس کا ساتھ دوں میں اس شرط پر رضامند ہوا کہ میں گھر کے باہر کھڑا رہوں گا اور اندر وہ خود جائے گا۔

رات بہت بیت چکی تھی ہم شیخ انصاری کے گھر کی طرف روانہ ہوئے وہ بڑی مشکل سے بیرونی حصہ کے اندر داخل ہوئے مگر میں نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔ میرا دوست سیڑھیوں سے باہر کی طرف سے اوپر گیا تا کہ چھت پر چڑھ کر

چھت کے راستے گھر کے اندرونی حصہ میں داخل ہو سکے۔

تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ گھبرایا ہوا پریشان حال میرے پاس آیا۔ میں نے پریشانی کا سبب پوچھا تو کہنے لگا میری بات کا یقین نہیں کرو گے جب تک خود مشاہدہ نہ کر لو میں نے کہا آخر کیا دیکھا ہے اُس نے کہا جب سیڑھیاں چڑھ رہا تھا مجھے ایک سایہ نظر آیا مگر میں نے پرواہ نہیں کی اور چھت پر چڑھنے کے لیے آگے بڑھا، ناگاہ دیکھا کہ ایک مہیب شیر چھت کے اوپر موجود ہے وہ میری طرف لپکا حملہ کرنے کے لیے میں پریشان ہوا مگر رُک گیا کہ شاید کوئی تدبیری بن جائے۔ میں جو بھی طریقہ اپناتا اُس کا خشم بڑھتا جاتا تا آنکہ ناکام ہو گیا۔

میں نے کہا تم ڈر گئے ہوایسا ممکن نہیں تمہارا وہم ہے۔

اُس نے کہا جب تک دیکھو گے نہیں یقین نہیں کرو گے۔ میں سیڑھیوں سے اوپر گیا چھت پر جانے لگا کہ دیکھا ایک خوفناک شیر میری جانب بڑھ رہا ہے اُس کو دیکھ کر مجھ پر لرزا طاری ہو گیا کہ شیر دھاڑا اور میں بے مشکل سیڑھیوں سے نیچے بھاگا اور مجھے پتہ چل گیا کہ شیخ بزرگوار کی کرامتوں میں سے ایک کرامت ہے۔

ایک دن ایک شخص نے شیطان کو دیکھا کہ اُس کے ہاتھ میں مختلف قسم کی رسیاں ہیں اور اُن میں ایک بہت ہی مضبوط اور موٹی رسی ہے۔ اُس نے شیطان سے کہا کہ یہ رسیاں تمہارے پاس کس مقصد کے لئے ہیں۔ اُس نے کہا یہ پتلی رسیاں تم جیسے لوگوں کو باندھنے کے لیے ہیں اور یہ موٹی مضبوط رسی شیخ مرتضیٰ انصاری کو باندھنے کے لیے ہے۔ وہ حیران ہوا اور اُس نے کہا شیخ مرتضیٰ انصاری کو باندھنے کے لیے، شیطان نے کہا ہاں میں اُس کو باندھ لوں گا تم دیکھتے رہنا۔

اُس شخص نے اُسی شب پھر شیطان کو دیکھا جو پریشان تھا اور موٹی رسی شکستہ رسی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ وہ شخص صبح شیخ مرتضیٰ انصاری کی خدمت میں حاضر ہوا اور شیخ کو اپنا خواب سنایا۔ تو شیخ انصاری نے کہا ہاں تمہارا خواب سچا تھا۔ شیطان مجھے باندھنا چاہتا تھا مگر میں نے اپنے وجود کو آزاد کروا لیا۔ بات یہ ہے کہ میرے گھر میں فاقہ چل رہا تھا کھانے کو کچھ نہ تھا مال امام میں سے میرے پاس کچھ رقم تھی۔ میں نے چاہا کہ اُس میں سے بطور اُدھار کچھ خرچ کر لوں پھر لوٹا دوں گا۔ یہ سوچ کر میرے قدم اُٹھے اُس رقم کی طرف میں دو قدم چلا اور یہ وقت تھا جب شیطان مجھے باندھ چکا تھا مگر اس سے پہلے کہ میں تیسرا قدم اُٹھاتا میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے اور میں واپس پلٹ گیا یہ وہ وقت تھا جب رسی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

آپ کے درس میں ۵۰۰ خواص شرکت کرتے تھے جن میں معروف مجتہد علماء اور فقہا ہوتے تھے اور یہ امتیاز صرف

آپ کو حاصل ہوا۔

آپ کے شاگردوں میں شیعہ کے علاوہ دوسرے فقہ کے افراد بھی شامل ہیں اور جتنے بھی آپ کے شاگرد تھے اُن کے بارے میں بے انتہا تعریف وتوصیف کی گئی ہے۔

آپ کے مشہور شاگردوں میں ایک شاگرد شیخ سید جمال الدین اسد آبادی ہیں کہ جنہوں نے ۴ سال ۱۲۶۶ھ سے ۱۲۷۰ھ تک رہنمائی حاصل کی اور علوم کو درک کیا اور پھر شیخ مرتضیٰ انصاری کے حکم پر عازم ہندوستان ہوئے۔

آپ کے دیگر شاگردوں میں مشہور سبزواری شیرازی (تمبا کو تحریک کے موسس) آخوند خراسانی اور آخوند ملا حسین قلی ہمدانی ہیں۔ کلی طور پر کہا گیا کہ آپ کے ۳۱۶ شاگرد تھے۔ اُن میں سے ۱۸ فضلا و عرفاء وفقہا ہیں۔

آپ کی تصنیفات درج ذیل ہیں۔

۱۔ کتاب مکاسب

۲۔ کتاب رسائل

۳۔ رسالہ در طہارت

۴۔ رسالہ تیمم

۵۔ رسالہ برائت

۶۔ رسالہ ترجیع

۷۔ رسالہ خمس

۸۔ رسالہ ذکات

۹۔ رسالہ صلوٰۃ

۱۰۔ رسالہ تقلید

☆☆☆

بسم تعالیٰ

شیخ جعفر کاشف الغطاء

۱۲۲۷ھ - ۱۲۹۴ھ

شیخ جعفر بن شیخ خضر نجفی عظیم عالم، بڑے استاد، فقاہت وجلالت کے آسمان کا آفتاب، زاہد و متقی، بہترین عبادت گزار، صاحب کرامت اور دنیاداری سے پہلوتہی کرنے والے شخص تھے اور انصاف کی بات یہ ہے کہ طہارت سے لے کر دیات تک کے فروعی فقہی احکام کا احاطہ کرنے میں اور فروعات کی کثرت کو سمجھنے میں غیبت امام معصومؑ سے لے کر اب تک کوئی شخص عرصہ وجود میں آیا ہی نہیں ہے اور ان سب سے بڑھ کر احکام کو سمجھنے اور ان کی فروعات کو نکالنے میں آپ شہید اولؒ جیسے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے

الفقہ باق علی بکارۃ لم یمسہ احد الا انا والشہید و ولدی موسیٰ. O

یعنی فقہ تاحال اپنی بکارت پر باقی ہے سوائے اس کے کہ میں، شہید اولؒ اور میرے بیٹے شیخ موسیٰ نے اس کو اس منزل سے آگے بڑھایا ہے اور جو اس بات کا خواہش مند ہے کہ اس بات کو سمجھ سکے تو اس کو شیخ کی کتاب کشف الغطاء اور آپ کی دوسری تالیفات کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور جو شہید اوّل کے بارے میں اس بات کی تصدیق چاہے تو وہ کتاب قواعد شہید کو دیکھے جو فقہ کے قواعد کلیہ پر مبنی ہے۔

شیخ نے اپنا کتب خانہ اپنی اولاد میں جو سب سے زیادہ فقیہ ہو اس کے لیے وقف کر دیا تھا۔ **ماتنا سلوا و تعاقبوا.** شیخ کے بعد ان کے سب سے بڑے بیٹے شیخ موسیٰ ان کے جانشین ہوئے اور تدریس کی اور وہ حقیقتاً ایسے فقیہ تھے جو یکتائے روزگار اور ثانی پدر بزرگوار کہے جا سکتے ہیں اور جو تحقیقات انھوں نے پیش کی ہیں۔ وہ بڑی گہری اور متین ہیں۔ جب شیخ موسیٰ نے دنیا سے کوچ کیا تو ان کے دوسرے بیٹے شیخ علی والد کے جانشین ہوئے۔ ان کے حوزہ علیہ میں بہت سے طلباء تھے اور ان کو محقق ثالث کا نام دیتے تھے۔ وہ جناب قواعد کلیہ کے بنانے اور ان کے استحکام میں بے نظیر تھے اور فروعات کی باریکیوں کے اعتبار سے اپنے والد کی طرح وحید عصر تھے۔ اس بات کا ثبوت ہمیں کتاب عناوین سے ملتا ہے جو سید فتاح بن علی مراغی کی تالیف ہے وہ شیخ موسیٰ اور شیخ علی کے شاگرد تھے اور ان کی یہ کتاب فقہ کے کلی قواعد کی تاسیس (بنیادی طور پر کس طرح بنے) پر مبنی ہے اور ان پر دلیلیں دی ہیں۔ وہ کہاں لاگو ہوتے ہیں اور ان سے کس قدر شاخیں نکلتی ہیں سب اس

میں واضح کیا گیا ہے اور یہ شہید کی قواعد سے بہتر کتاب ہے کیونکہ شہید کی کتاب میں قواعد کلی اور اس کی شاخیں تو بتائی گئی ہیں لیکن ان کو دلائل سے ثابت نہیں کیا گیا بلکہ حکمی اور مصلحت کے طور پر انجام دی گئی ہیں۔ حاجی ملا احمد نراقی کی کتاب "عوائد" میں قواعد کلیہ تو ہیں لیکن وہ اتنی مفید نہیں ہے۔ اول تو یہ کہ اس میں فروع کی کم شاخیں ہیں بلکہ فروع بھی کم ہی ہیں۔ دوسرے یہ کہ سارے قواعد بھی نہیں لکھے گئے بلکہ یوں سمجھیں کہ کتاب عناوین سے نصف قواعد اس میں ہیں۔

تیسرے یہ کہ فلسفیانہ پیچیدگیاں بہت ہیں اور اکثر قواعد جو اسلاف اشراف سے موروثی طور چلے آرہے ہیں ان کو فلسفہ کی گتھیوں میں اُلجھا دیا ہے اور فقہی دستور اور عام فہمی سے دور کیا ہے۔ جیسے بعض اصولیین اصل برائت واصحاب وحجیت ظن میں فلسفیانہ اُلجھنیں پیش کر دیتے ہیں اور عوام کے ذہن سے بالاتر کر دیتے ہیں۔ قواعد فقیہ میں بھی یہی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ غرض یہ کہ کتاب عناوین دوسری کتابوں پر یہ امتیاز رکھتی ہے کہ اس میں قاعدے بکثرت بیان ہوئے ہیں۔ پھر بے شمار دلائل کے ساتھ ان قواعد کو استحکام بخشا گیا ہے پھر شاخوں میں سے شاخیں نکالی ہیں اور ذوق فقاہت اور عام فہمی سے بھی دور نہیں ہے اس کتاب میں پیش کی گئی اکثر تحقیقات مرحوم شیخ علی کی ہیں اور کچھ حد تک شیخ موسیٰ کی بھی جیسا کہ صاحب عناوین نے خود اس بات کا اقرار کیا ہے۔

شیخ کے افتخار کے لیے یہی بات کافی ہے کہ آقا سید ابراہیم جیسے صاحب فخر اور فقیہ کامل جو تحقیق و تدقیق میں یکتائے زمانہ تھے۔ سترہ ماہ تک درس شیخ علی میں شرکت فرماتے رہے اور آپ کی پاکیزگی نفس سے استفادہ کرتے رہے۔ غرض یہ کہ جب شیخ علی والد کے حسب وصیت ان کی جگہ بیٹھ کر درس دینے لگے تو چھوٹے بھائی شیخ حسن نے ان سے کہا کہ والد ماجد کی وصیت یہ تھی کہ جو ان کی اولاد میں زیادہ فقیہ ہو، وہ ان کا جانشین ہو اور وہ تدریس کرے اور میں آپ سے زیادہ فقیہ ہوں۔ شیخ علی نے کہا اس سلسلہ میں جھگڑا کرنا اچھی بات نہیں اور میں اس مسئلہ کو بخوبی حل کر دوں گا۔ میں نجف سے کربلا چلا جاتا ہوں اور تم والد ماجد کی جگہ بیٹھو اگر طلباء نجف میں رہیں اور تمہارے درس میں آتے رہیں تو تم ہی اُفقہ (بڑے فقیہ) ہو اور ان کی وصیت پر عمل پیرا ہو لیکن اگر طلباء تمہارے درس سے بھاگ کر کربلا میں جمع ہو جائیں تو میں اُفقہ قرار پاؤں گا۔ شیخ حسن اس بات پر راضی ہو گئے اور شیخ کربلا چلے گئے لیکن طلباء شیخ حسن کے درس میں شامل نہ ہوئے اور سب کربلا پہنچ کر شیخ علی کے درس میں حاضر ہو گئے۔ جب شیخ حسن نے یہ کیفیت دیکھی تو خود کربلا آئے اور بھائی شیخ علی کو نجف لا کر والد کی جگہ بٹھایا اور خود حلہ چلے گئے اور وہیں اقامت گزیں ہو گئے۔ اس کے بعد زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ شیخ کی وفات ہو گئی۔

پس شیخ حسن نجف آئے اور حسب وصیت والد مرحوم کی جگہ بیٹھ کر تدریس شروع کر دی اور شیخ جعفر نے وصیت کی تھی کہ ہر شب کچھ معین مقدار میں کھانا تیار کیا جائے اور ان کے سب بیٹے پوتے جمع ہوں اور فقہ اور اس کے مقدمات کے متعلق دو گھنٹے ایک دوسرے سے گفتگو کریں، یہ طریقہ جاری ہوا اور مذاکرات ہوا کرتے تھے۔ یہ بڑی پیاری وصیت تھی جس کی وجہ سے سب فقیہ ہو جاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ شیخ جعفر کے خاندان والے خواہ مرد ہوں یا خواتین سارے فقیہ ہوتے تھے۔ اسی طرح کتاب خانہ کو سب سے زیادہ فقیہ فرزند کے لیے وقف کرنا بھی نیز بہت خوب تھا۔ خدا ہمیں بھی ایسی وصیتیں کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

شیخ حسن نے بیان کیا کہ شیخ جعفر کی یہ عادت تھی کہ ہر رات بوقت سحر بیدار ہو جاتے اور گھر کے دروازے پر آ کر بیوی بچوں کو بیدار کر دیتے اور کہتے کہ اُٹھو اور نماز شب ادا کرو۔ پس سب ہی اُٹھ جاتے تھے اور میں بچہ تھا نیند مجھ پر غالب ہوتی تھی۔ جب ہمارے دروازے پر وہ آواز لگاتے کہ اُٹھو تو میں بستر پر پڑے پڑے ہی کہتا، میں تو پہلے ہی نماز میں مشغول ہوں۔ بس مطمئن ہو جاتے اور چلے جاتے اور میں پھر سو جاتا۔

جس سال میر علی محمد باب کا چکر شروع ہوا۔ اس نے اپنا جعلی قرآن دو آدمیوں کے ساتھ عربستان میں اپنے دوستوں کے پاس بھجوایا۔ وہ دونوں بغداد آئے۔ بغداد کے بادشاہ کو خبر ہوئی تو اس نے وہ قرآن ان سے چھین لیا اور دونوں کو قید کر دیا اور قاضیوں، مفتیوں اور پولیس والوں کو جمع کیا اور سب کے سامنے اس قضیہ کو پیش کیا اور انھیں ان دونوں افراد کے قتل کا حکم دیا۔ لیکن چونکہ وہ غیر عرب تھا اس لیے اس نے چاہا کہ ان کے قتل پر علمائے امامیہ کا بھی فیصلہ لیا جائے اور علمائے اہل سنت، علمائے امامیہ سے مناظرہ کریں اور چونکہ شیخ مرحوم جعفر اور ان کی اولاد کو عربی علاقوں میں مقام اتباع و رہبری حاصل ہے۔ جیسا کہ آج تک بھی وہی صورتحال ہے اور تمام علماء پر ان کو فوقیت حاصل ہے اور شیخ حسن اس زمانے میں سب سے بڑے فقیہ تھے۔ اس لیے بادشاہ نے ایک تخت رواں شیخ حسن کے لیے اور ایک میرے استاد آقا سید ابراہیم کے لیے کربلا بھجوایا اور ان بزرگواروں کو بلوایا۔ پس جس دن اجلاس ہونا تھا اور علمائے خاص عام، مفتی اور آفندی آئے۔ پھر شیخ حسن تشریف لائے اور ان کے پہلو میں سید ابراہیم بیٹھ گئے۔ پس مسئلہ پیش کیا گیا تو علمائے عامہ نے کہا یہ قرآن بدعت ہے اور اس کے لانے والے دین میں بدعتی ہیں اور زمین پر فساد پھیلانے والوں میں سے ہیں اور ان کو لازماً قتل کرنا چاہیے۔ شیخ حسن نے کہا کہ یہ کتاب ایک کاغذ ہے اور اس پر کوئی حکم لاگو نہیں ہوتا۔ جب تک اس پر عمل نہ ہو اور صاحب کتاب کے

اعتقاد کے مطابق نہ ہو اور لکھنے کا حکم اس آیت میں کہ تمہارے درمیان ایک کاتب تحریر کرے گا اور لکھوائے اور آیہ فلیملل ولیہ اس بات پر محمول ہے کہ جو کچھ وہ لکھے، وہ لکھوانے والے کی مرضی کے مطابق ہو اور اس کو اس کا علم ہو اور وہ اپنی گواہی بھی دے سکتا ہو، نہ یہ کہ کتب اپنی ذات سے حجت قرار پا جائیں اور یہ دونوں جو کتاب لے کر آئے ہیں۔ اس کے عالم نہیں ہیں کہ اس میں ہے کیا، نہ اس کے مطالب پر ان کا اعتقاد ہے۔ اب ان دونوں کو بلواؤں اور ان کے اعتقادات کے متعلق سوال کرو۔ وہ دونوں اشخاص حاضر کیے گئے اور ان کے اعتقادات کی پوچھ گچھ ہوئی تو انھوں نے کہا کہ اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے ہمیں اس کے متعلق کچھ نہیں معلوم اور ہمارا عقیدہ عام مسلمانوں کا سا عقیدہ ہے۔ اب شیخ نے کہا کہ پھر ان کو قتل کرنا کیونکر جائز ہے کیونکہ وہ تو صرف قاصد ہیں۔ آقا سید ابراہیمؒ نے بھی انہی احکام کی تصدیق کی کیونکہ آقا سید ابراہیمؒ ذرا نرم دل آدمی تھے اور تقیہ سے بہت کام لیتے تھے۔ چنانچہ بادشاہ نے کتاب قبضہ میں کر لی اور ان دونوں آدمیوں کو رہا کر دیا، شیخ اور سید کو بہت سارے ہدیے دیئے۔ ان میں آقا سید ابراہیمؒ کے لیے ایک گھڑی بھی تھی۔ جس کی قیمت مبلغ ساٹھ تومان تھی اور بڑے اعزاز کے ساتھ سید و شیخ کو تخت رواں پر بٹھا کر کربلا و نجف روانہ کیا۔

شیخ جعفر نجفیؒ فقہ اور اس کی فروعات اور کتاب وسنت کی الفاظ فہمی میں بڑی اچھی قابلیت رکھتے تھے بلکہ ائمہؑ کے بعد ہمارے فقہاء میں سے جیسا کہ ان کی کتابوں سے نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ شیخ جعفرؒ اور شہید اولؒ جیسا کوئی نہ ہوا۔ فقہ میں مہارت تین قسم کی ہوتی ہے اول قواعد فقہیہ کو معین کرنا، اس پر استدلال کرنا اور ان قواعد کو مستحکم بنایا اور اس باب میں شیخ علیؒ و حاجی ملا احمد نراقیؒ بالکل کامل افراد تھے۔ دوسرے فروعات نکالنا اور مسائل فقہ پر ہادی ہونا اور فروعات کو قواعد قرار دینا اور اس کی منزلت پر سوائے شیخ جعفرؒ اور شہید اولؒ کے کوئی اور نہ پہنچ سکا۔ تیسرے مسائل فقہیہ کی تحقیق کہ استدلال کے وقت اپنے فتوے کو ہر مسئلہ میں کثیر دلائل کے ساتھ واضح کرے اور یہ مقام صرف مؤسس بہبہانی آقا محمد باقرؒ کا تھا۔ شیخ جعفرؒ کے مشائخ اجازہ آقا محمد باقرؒ و آقا سید محمد مہدی بحر العلومؒ وغیرہ ہیں۔

آپ غذا خوب کھاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ہمیشہ تبریزی من کے لحاظ سے ایک من کھانا، سو درم پیاز، دس دانہ کالی مرچ اور ایک ران بکری کے بچے کی ان کی غذا تھی۔ ہر رات زوجہ سے مقاربت کرتے اور ہر رات دو تہائی شب بیدار رہتے اور عبادت پروردگار میں مصروف رہتے اور کئی سال تک گھر کو رہن رکھ دیتے اور اس سے جو مال ملتا فقراء کو بخش دیتے۔ ایران آتے، وظیفہ لیتے واپس جاتے اور گھر کو رہن سے نکالتے اور ہمیشہ ایک منکوحہ اپنے ہمراہ رکھتے اور سفر میں جہاں بھی شہوت

کا غلبہ ہوتا، چادر کھنچواتے اور حاجت پوری کر لیتے اور کبھی ایسا نہ ہوا کہ نماز شب قضا ہوئی ہو۔ ہمیشہ نماز شب پڑھتے اور دوسروں کو بھی سختی سے پڑھواتے۔

شیخ کی مروت اور نفس کی مخالفت حد کمال تک پہنچی ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ شیخ زنجان گئے ہوئے تھے۔ ایک رات اس علاقہ کے بزرگ سے کہا کہ عقد متعہ کے لیے کوئی لڑکی لاؤ۔ لیکن اس علاقہ کی تمام عورتوں نے اس طرح کے نکاح سے انکار کر دیا۔ اس شخص کی اپنی ایک حسین بیٹی تھی۔ اس نے اپنی بیٹی کو سنوارا، سجایا اور سولہ سنگھار کر کے شیخ کے گھر بھیج دیا۔ جب شیخ گھر میں آئے تو ایسی حسین لڑکی دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ ایک گوشہ میں جا بیٹھے اور اس لڑکی سے پوچھا تم کس کی بیٹی ہو۔ اس نے کہا: فلاں شخص کی۔ کہا کہ کیا تم اس وقت اپنی مرضی اور خوشی سے شیخ سے عقد متعہ پر تیار ہو؟ کہا: ہاں۔ شیخ نے کہا: اتنے حسن و جمال کے باوجود تم اب تک بغیر شوہر کے کیسے رہ گئیں۔ اس نے کہا: میں فلاں شخص کو پسند کرتی تھی لیکن میرے والد اس سے میری شادی کرنے پر تیار نہیں تھے اور جس کو میرے والد چاہتے تھے اس سے ترویج پر میں تیار نہیں تھی۔ شیخ نے کہا جسے تم پسند کرتی ہو وہ کہاں ہے۔ کہاں فلاں جگہ ہے کہا: کیا تم چاہتی ہو کہ اس کے عقد میں آؤ۔ کہا: اب جب میں شیخ کی زوجیت میں آ رہی ہوں تو یہی میرے لیے سرمایہ افتخار ہے۔ شیخ نے دیکھا کہ لڑکی فلاں شخص میں دلچسپی رکھتی ہے۔ چنانچہ اس کے باپ کو بلایا اور پھر اس شخص کو جس سے اس لڑکی کو عشق تھا بلوایا اور اسی رات اس کا نکاح اس شخص سے کر دیا اور حکم دیا کہ حجلۂ عروسی تیار کیا جائے اور لڑکی کو اس شخص کے حوالے کر دیا۔ ان بزرگوار کی ایک کرامت ہے کہ اگرچہ خود شہوت رکھتے تھے اسیر شہوت نہ تھے۔

سنا گیا ہے کہ ایک دفعہ ایک شیخ کوئی مسئلہ دریافت کرنے شیخ کی خدمت میں پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ بہت سا کھانا لایا گیا ہے اور وہاں شیخ کے سوا کوئی اور موجود بھی نہ تھا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ بڑے لوگوں کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ کھانا آتا تو بہت سارا ہے لیکن کھایا سارا نہیں جاتا، جتنا ضرورت ہوتی ہے اتنا استعمال ہو جاتا ہے اور باقی ملازمین کھا لیتے ہیں۔ شیخ نے کھانا شروع کیا اور ساری غذا ختم ہو گئی۔ اس شخص کو بڑا تعجب ہوا اور سوچنے لگا کہ اس شخص نے اتنا کھانا کھایا ہے کہ اب اس کے پیٹ میں ایسا اپھارہ پیدا ہو گا جو اس کے دماغ کو درہم برہم کر کے رکھ دے گا۔ اس وقت اس سے کوئی مسئلہ پوچھنا فضول ہے چنانچہ وہ شیخ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ شیخ نے کہا بیٹھو اور بتاؤ کہ تمہیں کیا کام ہے۔ کہنے لگا کچھ نہیں، کوئی کام نہیں تھا۔ جب بہت اصرار کیا تو اس شخص نے اپنی حاجت کو پیش کیا اور عرض کی کہ آپ کے کھانے کی کثرت کی وجہ

سے میں اس سوال کرنے سے گریز کر رہا ہوں۔ شیخ نے کہا تم اپنا مسئلہ بتاؤ۔ اس نے اپنا مسئلہ بتایا اور شیخ نے تمام مسائل کے حل فتوے کی رو سے مع فروعات کے بیان کیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ پروردگار عالم نے مجھے علم کے لحاظ سے یکتائے زمانہ بنا دیا اور ہمیشہ روحانی لذتوں سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہوں اور کھانے کے لیے مجھے بہت اشتہا عطا فرمائی ہے تاکہ اس نعمت سے سدا لذت اُٹھاتا رہوں اور شہوت بھی مجھے اتنی عطا فرمائی ہے کہ ہر شب مجامعت کروں اور قوت اطاعت و فرمانبرداری سے اس قدر نوازا ہے کہ ہمیشہ نصف شب سے تا صبح حضرت بے نیاز میں راز و نیاز کیا کرتا ہوں اور تمہیں نہ فہم و ادراک میسر ہے جو قوت روحانی ہے، نہ غذاؤں کے استعمال کے لیے وہ بھوک ہے جو جسمانی غذا ہے۔ نہ ایسی قوت شہویہ ہے کہ مباشرت کی لذت اُٹھا سکو اور نہ رات کو جاگنے کی وہ توفیق ہے کہ عبادت میں خدا کے حضور کھڑے رہ سکو۔ تمہیں نہ لذت دنیا ملی اور نہ لطف آخرت، وہ شخص شرمساری اور خجالت کی حالت میں آپ سے رخصت ہوا۔

آپ بہت خوش باش تھے۔ ایک دفعہ اپنے دوستوں کے ساتھ وادیٔ سلام کی زیارت کی خواہش ہوئی تو کچھ لوگوں کے ساتھ آپ روانہ ہوئے۔ ان لوگوں میں ایک شخص میرزا ابوالحسن نام ور خوش مزہ لقب والا تھا۔ وہ گدھے پر سوار تھا۔ سب تو دروازے سے نکل کر ان بزرگوار کے ساتھ وادیٔ سلام کی طرف چلے لیکن میرزا ابوالحسن ایک دوسرے راستہ کی طرف چل پڑا۔ شیخ جعفر نے آواز دی کہ اس راستہ سے کہاں جا رہے ہو، میرزا ابوالحسن نے کہا کہ آپ مجھے معاف فرمائیں کیونکہ میرا گدھا مجتہد ہے اور اپنی مرضی کا مالک ہے جہاں وہ چاہے گا وہیں لے جائے گا۔ شیخ کو اس کی بات پر ہنسی آ گئی۔

یہ بات بھی مشہور ہے کہ شیخ جعفر کہا کرتے تھے کہ میں نے تین سو دفعہ کتاب شرائع کا درس دیا ہے۔ لگتا ہے کہ ابھی وہیں کا وہیں ہے اور ویسی ہی فقاہت اور سمجھنے کا ملکہ اور کیفیتی احاطہ درکار ہے۔ ان کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ فرماتے تھے، اگر ساری کتب فقہ کو دھو یا جائے تو بھی میں اپنے حفظ و ضبط سے طہارت سے لے کر دیات تک ساری دوبارہ لکھ دوں گا اور حقیقتاً ان کا یہی حال تھا جیسا کہ ان کی تالیفات خصوصاً کشف الغطاء سے پتہ چلتا ہے۔ وہ جناب فقہ پر اتنا احاطہ رکھتے تھے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تمام مسائل فقہ دیات تک ان کی انگلی میں انگوٹھی کے نگینہ کی طرح تھے۔ یہ واضح ہے کہ وہ تمام ابواب فقہ پر محیط تھے اور ان کے حافظہ میں ہر چیز اس طرح محفوظ تھی کہ طہارت سے دیات تک آسانی سے فروعات نکال لیا کرتے تھے۔

آپ کی ایک کرامت یہ ہے کہ آپ نے پروردگار سے درخواست کی کہ فقاہت آپ کی اولاد اور بیٹوں، پوتوں میں

نسلاً بعد نسل ہمیشہ عطا ہوتی رہے اور ابھی تک جب کہ ان کی وفات کو سال ہا سال گزر چکے ہیں۔ ان کی اولاد اور پوتے ہوتے چلے آ رہے ہیں اور فقہ کی تعلیم دیتے چلے آ رہے ہیں۔ جبکہ یہ کہیں سے بھی پتہ نہیں چلتا کہ وہ اس بارے میں بڑی محنت و کاوش کرتے ہوں۔ باوجود فقہ میں مہارت رکھتے ہیں اور لگتا ہے کہ فقہ اُن کو ورثہ میں ملی ہے۔ بے شک بچے کو اگر شب و روز بات چیت کے دوران ہی مسائل فقہ اور قواعد اُصول فقہ سمجھا دیئے جائیں تو وہ اس فقہی مسائل کو سمجھنے اور ذہین و ماہر بنانے میں کارگر ثابت ہوتا ہے۔

ایک سال شیخ کا شہر رشت سے گزر ا ہوا تو لوگوں نے خواہش ظاہر کی کہ نماز جماعت پڑھائی جائے۔ شہر کی مساجد میں وسعت کم تھی۔ اور سارے لوگ اس میں نہ آ سکتے تھے۔ چنانچہ سب ایک میدان میں اکٹھے ہوئے اور نماز کے بعد گذارش کی کہ کچھ وعظ فرمائیں۔ شیخ نے فرمایا کہ میں فارسی بخوبی نہیں جانتا۔ جب اصرار حد سے زیادہ بڑھا تو شیخ منبر پر آئے اور فرمایا کہ ایھا الناس تم بھی مرو گے اور شیخ بھی مرے گا تو آنے والے دن کی فکر کرو۔ اے لوگو! تمہارا رشت مثل بہشت ہے۔ بہشت میں محل ہوں گے اور شہر رشت میں بھی محل اور ایسے باغات ہیں۔ جن میں نہریں بہتی ہیں اور بہشت میں حور العین ہوتی ہیں جو نہایت حسین وجمیل ہوتی ہیں، رشت کی خواتین بھی کمال وجاہت میں حور العین سے کم نہیں۔ بہشت میں غلمان ہوں گے اور رشت میں بھی یہی حال ہے اور بہشت میں نماز، روزہ اور دوسری شرعی ذمہ داریاں نہیں ہیں اور رشت میں بھی یہی ہو رہا ہے کہ نماز، روزہ اور عبادات کو کلی طور پر ختم کر دیا گیا ہے۔ پھر منبر کے قریب دیکھا تو ایک ذاکر بیٹھا نظر آیا۔ شیخ نے ذاکر سے کہا کہ اُٹھو اور مصائب حسینؑ بیان کرو یہ کہہ کر منبر سے نیچے اُتر آئے۔

اس شہر کے زیادہ تر علماء تن پرور اور عیاش تھے اور رشت کے امام جماعت نماز نوافل ادا نہیں کرتے تھے۔ لوگوں نے یہ سب باتیں شیخ کو بتائیں تو شیخ نے فرمایا کہ جو بھی نماز، نوافل ادا نہیں کرتا اس کی اقتداء نہ کرو۔ جب جماعت کے اماموں نے شیخ کا یہ قول سنا تو سب نے نماز نافلہ شروع کر دی۔

جس سال شیخ قزوین تشریف لے گئے تو مسجد میں گئے لوگوں نے موعظہ کی خواہش کی تو شیخ مسجد میں منبر پر گئے اور فرمایا: لوگو! کیا تم لوگ شیعہ نہیں ہو؟ تم لوگوں کے یہاں عقد متعہ کا رواج کیوں نہیں ہے۔ پھر کہا کہ یہ کوتاہی علمائے شہر کی وجہ سے ہے اور چونکہ اس زمانے میں حاجی عبدالوہاب قزوین کے علماء کے رئیس تھے۔ شیخ نے ان سے کہا تم اپنی بیٹی کا عقد متعہ کیوں نہیں کر دیتے تا کہ لوگوں کو متعہ سے رغبت پیدا ہو اور وہ تمہاری اتباع کریں۔ شیخ نے کہا میری ایک بیٹی تھی۔ جب

وہ سن بلوغ کو پہنچی تو میں نے اسے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ خداوند عالم نے یہ قرار دیا ہے کہ عورتوں کو شادی کرنی چاہیے اور اب تم بھی شادی کے قابل ہو۔ جس سے بھی تم چاہتی ہو تمہارا نکاح کر دوں۔ پھر میں نے ایک ایک کر کے رشتہ داروں، خاندان والوں کا، علماء کا نام لینا شروع کیے۔ اس نے کسی کو قبول نہ کیا آخر میں میرے پڑوس میں ایک سبزی فروش رہتا تھا۔ میں نے اس کا نام لیا تو وہ خاموش ہو گئی۔ میں نے سمجھ لیا کہ رضامند ہے اس سبزی فروش کو بلایا اور بیٹی کا نکاح اس سے کر دیا۔ اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور وہ اپنے گھر لے گیا۔ ابھی چند دن گزرے تھے کہ میری بیٹی آئی اور شوہر کی شکایت کرنے لگی تو میں اس پر ناراض ہوا اور کہ کہ تم نے اپنی مرضی سے اس شخص کو قبول کیا ہے۔ اب سوائے صبر و شکر اور حوصلہ کرنے کے کوئی اور علاج نہیں ہے اور فوراً اس کو اس کے شوہر کے گھر واپس بھیج دیا۔

شیخ کی کرامات میں ایک یہ واقعہ ہے جو ایک صالح اور قابل اعتبار دوست نے سنایا اور کہا کہ میرے ایک چچا کئی سال سے درد چشم میں مبتلا تھے اور کتنا ہی جراحوں اور ڈاکٹروں سے علاج کرایا، شفایاب نہ ہو سکے۔ پھر انھوں نے سنا کہ شیخ جعفر آئے ہوئے ہیں۔ وہ گئے اور شیخ کے ہاتھ کا بوسہ دیا اور عرض کیا کہ کئی سال سے درد چشم میں مبتلا ہوں اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف اس لیے حاصل کیا ہے کہ آپ دعا فرمادیں کہ خدا مجھے شفا کرامت فرمائے۔ پس شیخ نے اپنا لعاب دہن اس کی آنکھ پر مل دیا اور دعا کی وہ شخص شفایاب ہو گیا اور پھر درد چشم کا عارضہ نہ ہوا۔

آپ نے فتح علی شاہ کو حکومت کرنے کی اجازت دی تھی اور اس کو اپنا نائب قرار دیا تھا لیکن کچھ شرائط کے ساتھ کہ لشکر کے ہر گروپ میں ایک مؤذن ہو اور امام جماعت بھی لشکر میں ہو اور ہفتہ میں ایک دن وعظ کریں تا کہ تعلیمی مسائل حل ہوں، اس کی پوری کیفیت کتاب کشف الغطاء میں جہاد کے سلسلے میں لکھی ہے۔

فتح علی شاہ کے دور حکومت میں ان کی والدہ مقامات مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہوئیں، نجف گئیں اور شیخ کے گھر جا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور شیخ سے عرض کی کہ چونکہ میرا بیٹا بادشاہ ہے۔ لہٰذا اس کی طرف سے اور ہمارے عزیز و اقارب کی طرف سے رعایا اور عوام الناس پر کچھ نہ کچھ ظلم ہو جاتا ہے تو میں آپ سے گذارش کرتی ہوں کہ کوئی عہد اس قسم کا فرمادیں کہ خداوند تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف کر کے ہمیں حضرت صدیقہ کبریٰ کے ساتھ محشور فرمائے۔

ایک دفعہ فتح علی شاہ کسی بات پر جناب شیخ سے دل تنگ ہوا اور بڑا غصہ میں رہا۔ یہاں تک کہ شیخ تہران تشریف لے آئے۔ بادشاہ نے امین الدولہ سے کہ کہ میں شیخ سے ملاقات نہیں کروں گا اور حکم دے دیا کہ شیخ کو محل سرا میں آنے ہی نہ

دینا۔ شیخ ایک دن بادشاہ کی ملاقات کے لیے آپہنچے۔ حاجب، دربان، پہرہ دار اور ملازمین سب ہی نے شیخ کا استقبال کیا اور ہاتھ کا بوسہ دیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ محل سرا میں داخل ہو چکے ہیں تو حیران ہوا کہ دربانوں نے انہیں اندر کیسے آنے دیا تو امین الدولہ سے کہا کہ جب وہ اندر آجائیں تو کوئی ان کی تعظیم وتکریم نہ کرے۔ یہ کیسے ہوسکتا تھا لہٰذا جب شیخ نے محل کی سیڑھیوں سے اوپر جانا چاہا تو زور سے یا اللہ کا نعرہ لگایا۔ سلطان بے اختیار اپنی سیٹ سے اُٹھ کھڑا ہوا، شیخ کا استقبال کرنے کے لیے دوڑا اور شیخ کا ہاتھ پکڑ کر زینہ سے اوپر لے گیا پھر سب بیٹھ گئے۔ جب مجلس تمام ہوئی تو امین الدولہ نے سلطان سے کہا کہ آپ تو یہ فرمار ہے تھے کہ شیخ سے بالکل تواضع نہ برتی جائے لیکن واقعات بالکل مختلف رونما ہوئے۔ سلطان نے کہا جب شیخ نے زور سے یا اللہ کہا تو میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا سانپ میرے منہ کے سامنے موجود ہے اور میرے سینے پر لپٹنا چاہتا ہے تا کہ مجھے کاٹے۔ چنانچہ میں بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور شیخ کا ہاتھ تھام لیا اس کے بعد سانپ غائب ہو گیا۔

شیخ جب اصفہان آئے تو ایک دن سورج طلوع ہوتے ہی آخوند ملا علی نوری کے گھر پہنچ گئے۔ آخوند کے شاگرد تو درس کے لیے جمع ہو چکے تھے لیکن ابھی آخوند باہر نہ آئے تھے۔ جیسے ہی آخوند کو شیخ کی آمد کا علم ہوا، فوراً گھر سے باہر نکلے، رسمی سلام ودعا کے بعد شیخ نے کہا آج میں صبح سویرے ہی آ گیا کیونکہ علی الصبح علم کے لیے جانا مستحب ہے اور میں صبح دم علم کی جانب آ گیا اور آپ کے درس میں پہنچ گیا۔ آخوند نے شرمندگی کا اظہار اور شیخ نے اصرار کیا کہ آپ درس شروع کریں۔ آخوند نے انکار کیا کہ نا ممکن ہے کہ آپ موجود ہوں اور میں درس دوں تو شیخ وہاں سے اٹھ گئے۔

کہتے ہیں اصفہان میں کسی شیخ نے خواب میں دیکھا کہ پیغمبر خداؐ ایک جگہ تشریف فرما ہیں اور آخوند ملا نوری آپؐ کے پہلو میں ہیں۔ بہت سے دوسرے لوگ بھی آپ کے بعد وہاں بیٹھے ہیں اور شیخ جعفر دروازے کی چوکھٹ کے پاس کھڑے ہیں اور پیغمبرؐ امت پر ناراض ہور ہے ہیں کہ گناہ کر رہے ہیں اور ہمارے حکم کے خلاف کر رہے ہیں اور ملا علی نوری معذرت کے طور پر عرض کر رہے ہیں کہ یا رسولؐ ہم گناہ گار ہیں، قصوروار ہیں اور اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرتے ہیں اور خدا سے بخشش کی امید اور آپؐ سے شفاعت کی تمنا کرتے ہیں اور جو دوسرے اہل محفل تھے وہ سب خاموش تھے۔ یہ خواب شیخ کے مرتبہ کی آخوند ملا علی نوری اور دوسرے تمام لوگوں کے مقام پر فوقیت کی دلیل ہے کیونکہ یہ تو سب جانتے ہیں کہ اگر کوئی اجنبی کسی بزرگ کی خدمت میں آتا ہے تو اس کو اپنے تمام رشتہ داروں، اقارب اور دوستوں کے اوپر مقدم کرتا ہے اور اس کی

زیادہ تعظیم و تکریم کرتا ہے تو چونکہ شیخ تو آپ کے رشتہ داروں میں تھے۔ لہٰذا دروازے کی چوکھٹ پر کھڑے تھے اور آخوند کو پہلو میں جگہ دی۔ یہ ایک عام رواج ہے اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ آخوند ملا علی کی افضلیت اور مقام دکھانا مقصود ہو۔

شیخ کسی وقت بھی کسی مقام پر ہوتے اور خصوصاً اصفہان میں تو ان کا طریق کار یہ تھا کہ جس مسجد کے قریب بھی وقت نماز ہو جاتا تو ایک نماز تو خود با جماعت پڑھاتے تھے اور دوسری نماز میں جو مسجد کے پیش نماز ہوتے تھے انہیں مقدم کر دیتے تھے اور ان کی اقتدا کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ جب اصفہان میں تھے تو محلہ بید آباد میں آئے اور مغرب کے وقت مسجد میرزا باقر کے نزدیک پہنچے۔ آپ مسجد میں اندر تشریف لے گئے اور اس مسجد میں مرحوم حجۃ الاسلام آقا سید محمد باقر نماز جماعت پڑھایا کرتے تھے اور سید مسجد میں آچکے تھے کہ شیخ آگئے محراب میں کھڑے ہو گئے اور نماز مغرب پڑھائی اور سب نے ان کی اقتدا کی۔ نماز مغرب کے بعد صفوں پر نگاہ ڈالی دیکھا کہ آخوند ملا علی نوری تشریف فرما ہیں۔ آخوند کی طرف رُخ کیا اور کہا آپ محراب میں تشریف لائیے نماز عشاء ہم آپ کی اقتدا میں پڑھیں گے۔ آخوند ملا علی نوری نے انکار کیا تو شیخ ان کے قریب گئے، آخوند کا ہاتھ پکڑا کر اٹھایا، سامنے لائے اور کہا نماز پڑھائیں تو آخوند نے کہا آپ کو مرتضیٰ علی کا واسطہ مجھ سے اصرار نہ کریں۔ شیخ نے پوچھا کہ آخر آپ اس قدر انکاری کیوں ہیں۔ آخوند ملا علی نے کہا کہ شرائط امامت میرے اندر موجود نہیں ہیں۔ شیخ نے ان کا ہاتھ چھوڑ دیا اور ان پر خفا ہوئے کہ آپ جیسا عالم کہ ستر اسی سال کی عمر ہو چکی اور ابھی تک نماز جماعت کی شرائط آپ کے اندر نہیں ہیں، بڑی حیرت کی بات ہے۔ پھر آقا سید محمد باقر سے فرمایا کہ آپ آگے آئیے۔ پھر سید نے نماز عشاء پڑھائی اور شیخ نے ان کی اقتدا کی۔

ایک دفعہ شیخ تہران گئے اور کچھ مدت وہاں قیام کیا پھر وہاں سے واپسی کا ارادہ کیا تو قیامگاہ سے نکلے اور سواری پر سوار ہو گئے۔ اتنے میں ایک سید آگیا اور شیخ سے کہا کہ میں تنگ دست ہوں اور سو تومان کے اخراجات میرے ذمہ ہیں۔ شیخ نے کہا تو پہلے کیوں نہ آئے اب تو میں جا رہا ہوں لیکن سید بے حد اصرار کرتا رہا۔ اس زمانہ میں امین الدولہ اصفہان کا حاکم تھا۔ شیخ نے اس سید سے کہا کہ جاؤ اور امین الدولہ سے کہو کہ شیخ کہہ رہے ہیں کہ تمہیں سو تومان دے دیں۔ سید نے کہا کہ اگر انہوں نے نہ دیئے تو آپ بھی ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ شیخ نے کہا میں اسی جگہ اپنی سواری پر ٹھہرا ہوں گا جب تک تم واپس نہ آجاؤ۔ چنانچہ شیخ اپنی سواری پر کھڑے رہے اور سید امین الدولہ کے پاس چلا گیا اور شیخ کا پیغام پہنچایا۔ امین الدولہ نے پوچھا اس وقت شیخ کہاں ہیں۔ اس نے کہا: اپنی سواری پر کھڑے ہیں جب تک کہ میں ان کے پاس لوٹ کر نہ جاؤں۔

امین الدولہ نے اپنے ملازمین سے کہا جلدی سے تومان لے کر آؤ۔ ملازمین ایک روپیوں سے بھری ہوئی تھیلی لائے اور اس کی رقم کو گننا چاہا کیونکہ اس میں رقم زیادہ تھی۔ امین الدولہ نے کہا کہ گننا وننا چھوڑو مجھے یہ ڈر ہے کہ زیادہ دیر ہوگی تو شیخ خود یہاں پہنچ جائیں گے اور ہمیں پھر زیادہ زحمت اٹھانی پڑے گی۔ چنانچہ وہ تھیلی یونہی سید کو دے دی۔ سید اسے لے کر شیخ کے پاس آیا۔ شیخ اسی جگہ کھڑے تھے۔ شیخ نے حکم دیا کہ اس کی رقم کو گنا جائے۔ جب گنے تو دوسو (۲۰۰) تومان نکلے۔ سوتومان سید کو دیئے، تو سید سوتومان اور مانگنے لگا۔ شیخ نے کہا تم نے پہلے صرف سوتومان ہی مانگے تھے۔ اس لیے اب اس سے زیادہ نہیں ملیں گے۔ پھر کہا کہ شہر کے فقراء میں اعلان کیا جائے اور شیخ وہیں اتنی دیر تک رکے رہے کہ فقرا میں اعلان ہوا اور وہ جمع ہوئے اور وہ باقی سوتومان اُن میں تقسیم کیے گئے۔ پھر سواری کو ایڑ دی اور چلے گئے۔

شیخ کا ایک طریقہ یہ تھا کہ جماعت کی صفوں کے درمیان اپنا دامن پھیلاتے، فقرا کے لیے درہم اور دینار اکٹھے کرتے اور بعد میں اُن کو تقسیم کر دیتے، جب ظالمین (وہ ظالم ہے جو استطاعت رکھتا ہو اور خمس وزکوۃ نہ دے) کی مخالفت میں جاتا ہوتا اور وہاں مہمان ہوتے، دستر خوان چن دیا جاتا اور اس پر کھانا رکھ دیا جاتا تو کہتے کہ اس کھانے کی قیمت لگاؤ، ظالم کا کھانا نہ کھاؤں گا۔ کھانے کی قیمت لگائی جاتی اور صاحب خانہ کو اس کا معاوضہ دے دیا جاتا پھر حکم فرماتے کہ اب سب کھانا کھائیں۔ ایک رات کسی کے گھر مہمان ہوئے اور کھانے کی قیمت ۳۰ تومان یا اس سے کچھ زیادہ بنی۔ جب یہ رقم مل گئی تو ایک تومان کی اس میں کمی تھی۔ صاحب خانہ نے کہا: کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے آپ لوگ کھانا کھالیں ایک تومان بھی آ ہی جائے گا۔ لیکن شیخ نہ مانے حتیٰ کہ وہ ایک تومان بھی فراہم کیا گیا پھر لوگوں کو اجازت ملی کہ کھانا کھائیں اور یہ ساری رقم جو ملا کرتی تھی سب فقراء میں تقسیم ہوتی تھی۔

اکثر یوں ہوتا تھا کہ کسی کے گھر جاتے اور اس گھر کے متعلق معلومات فراہم کرتے اور صاحب خانہ کہتا کہ میں یہ آپ کو بخش رہا ہوں شیخ کہتے کہ مجھے قبول ہے پھر کہتے کہ قیمت لگانے والے اس کی قیمت لگائیں اور وہ گھر صاحب خانہ کو فروخت کر دیتے اور قیمت لے لیتے اور سب فقراء میں تقسیم کر دیتے۔

اگر قارئین میں سے شیخ کے اس طرح رقوم حاصل کرنے پر شک پیدا ہو تو معلوم ہونا چاہیے کہ اصلاً شیخ کو یقین ہوتا تھا کہ ان لوگوں کے ذمہ خمس، زکوۃ اور ردمظالم وغیرہ ہیں۔ لہٰذا کسی نہ کسی بہانے سے حق اللہ ان سے وصول کر لیتے۔ کیونکہ آپ ولایت عامہ کے عہدہ پر فائز تھے اور مراعات حق فقراء کرنا آپ کے لیے ضروری تھا۔

بعض بڑے بڑے فضلاء بیان کرتے ہیں کہ مرحوم شہید ثالث فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ مرحوم شیخ جعفر قزوین تشریف لائے اور شہید ثالث کے بھائی حاجی ملا محمد صالح کے گھر ٹھہرے۔ وہ گھر ایک باغ پر مشتمل تھا۔ سب باغ میں اِدھر اُدھر لیٹ کر سو گئے۔ میں بھی باغ کے ایک کونے میں جا سویا۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو میں نے سنا کہ شیخ مجھے آواز دے رہے ہیں کہ اُٹھو نماز شب پڑھو۔ میں نے عرض کیا: جی ہاں بس ابھی اٹھا۔ شیخ مطمئن ہو گئے اور میں پھر سو گیا۔ اچانک میری طبیعت خراب ہو گئی اور مجھے لگا کہ میرے دل میں درد ہو رہا ہے اور درد کی شدت سے میں بیدار ہو گیا تو مجھے پتہ چلا کہ کسی دردناک آواز کی وجہ سے میری کیفیت ہوئی ہے۔ میں اس آواز کی سمت چلا۔ جب قریب پہنچا تو دیکھا کہ شیخ نہایت گریہ وزاری اور گریہ و بے قراری کے ساتھ مناجات وفریاد میں مشغول ہیں اور اس نے میرے اوپر ایسا اثر کیا کہ اس رات سے آج پچیس سال ہو رہے ہیں، میں ہر رات باقاعدگی سے اٹھتا ہوں اور مناجات قاضی الحاجات میں مشغول ہو جاتا ہوں۔

کہتے ہیں کہ ایک دن اصفہان میں کچھ مال فقراء میں تقسیم کیا اور جب تقسیم ہو چکا تو نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ دو نمازوں کے بیچ میں ایک سید آ گیا کہ میرے جد کا مال مجھے دے دیں۔ شیخ نے کہا تم دیر سے آئے ہو اب تو کچھ باقی نہیں۔ اس پر سید نے آپ کی داڑھی پہ تھوک دیا۔ شیخ اپنی جگہ سے اُٹھے، اپنا دامن پھیلایا، تمام صفوں میں گردش کی اور کہا کہ جس کو میری داڑھی کا پاس ہے اس سید کی مدد کرے۔ لوگوں نے شیخ کا دامن چاندی سونے سے بھر دیا۔ شیخ نے وہ سب سید کو دے دیا۔ اس کے بعد نماز عصر با جماعت ادا کی۔

ایک دفعہ شیخ قزوین گئے اور حاجی عبدالوہاب کے گھر قیام کیا تو بادشاہ کی کاروان سرا کے تاجروں نے استدعا کی کہ شیخ ان سے ملاقات فرمائیں۔ حاجی عبدالوہاب نے شیخ کو آمادہ کیا تو شیخ اپنے اصحاب اور پاکباز علماء کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ جب بازار میں پہنچے تو شاہ کی کاروان سرا کے تاجروں نے آپ کا استقبال کیا اور جب کاروان سرا کے پھاٹک پر پہنچنے والے تھے کہ اس سے قبل کہ وہ کسی حجرے میں جائیں۔ تاجروں میں اس بات پر جھگڑا ہو گیا کیونکہ ہر ایک کی خواہش تھی کہ شیخ پہلے اس کے گھر آئیں۔ حاجی ملا عبدالوہاب نے تاجروں کے اس جھگڑے کا تذکرہ شیخ سے کیا۔ شیخ وہیں بیٹھ گئے اور کہا کہ جو زیادہ رقم دے گا۔ شیخ پہلے اس کے گھر جائے گا۔ پس بعض تاجروں نے تو درہم و دینار کے کٹورے بھر بھر کے شیخ کی خدمت میں پیش کیے۔ شیخ نے پہلے فقراء کو طلب کیا اور ساری رقم ان میں تقسیم کر دی اور پھر ان تاجروں کے گھر تشریف لے گئے اور

ان سے ملاقات کی۔

ایک دفعہ شیخ اصفہان آئے تو آخوند ملا علی نوری کے ایک فاضل شاگرد نے حکمت کا ایک مشکل مسئلہ جو اس نے آخوند سے سیکھا تھا۔ شیخ کے سامنے رکھا کہ اس کو حل فرمائیں۔ شیخ نے کہا کل صبح میں تمہیں اس کا جواب دوں گا۔ آخوند ملا علی نوری ساری بات سمجھ گئے اور اس پر ناراض ہوئے کہ شیخ فقیہ ہیں (یعنی مسائل فقہ کا بخوبی جواب دے سکتے ہیں نہ کہ مسائل حکمت کا۔) تم ان کو کیوں تکلیف دے رہے ہو۔ تم ان سے اس کا جواب نہ طلب کرو۔ دوسرے دن شیخ نے دو نمازوں کے مابین آواز دی کہ فلاں مسئلہ پوچھنے والا آجائے اور اپنا جواب لے جائے۔ پوچھنے والے نے ان سے جواب لے کر آخوند ملا علی نوری کو دکھایا۔ آخوند حیرت زدہ ہو گئے کیونکہ بالکل قاعدہ کے مطابق جواب لکھا گیا تھا۔ جب آخوند نے شیخ سے ملاقات کی تو پوچھا کہ آپ نے تو علوم عقلی کو کبھی سیکھا ہی نہیں تو اس قدر دقیق مسئلہ کو آپ نے کیسے حل فرما دیا۔ شیخ نے کہا کہ یہ احادیث آئمہ اطہارؑ کے واقعات میں سے ہے (یعنی ائمہ اطہارؑ نے اپنی احادیث میں اس کی توضیح کی ہے۔)

آپ کے ارشادات میں سے ایک ارشاد یہ ہے کہ اگر شہید اور علامہ مجتہد ہیں تو پھر میں مجتہد نہیں ہوں اور اگر آقا سید علی صاحب شرح کبیر مجتہد ہیں تو پھر میں بھی مجتہد ہوں اور اکثر بازار میں بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے تھے تو ان سے عرض کیا گیا کہ بازار میں کھانا پینا خلاف مروت اور عدالت کو سلب کرنے والی شے ہے۔ تو جواب میں فرمایا کہ اگر آقا سید علی بازار میں کھائیں، پئیں تو یہ بات ان کی عدالت کے سلب ہونے کا سبب ہے لیکن اگر میں بازار میں کھاؤں، پیوں تو میری عدالت سلب نہیں ہو سکتی کیونکہ میرے لیے کوئی جلالت نہیں ہے میں تو درویش صفت انسان ہوں۔

آپ کی ایک کرامت کا قصہ یہ ہے کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا کہ مجھے آپ سے خلوت میں بات کرنی ہے۔ شیخ نے خلوت کا انتظام کیا۔ اس شخص نے عرض کی میری دو بیویاں ہیں۔ ایک دن صحرا میں چلا جا رہا تھا۔ وہاں ایک لڑکی نہایت حسین و جمیل دیکھی۔ اسے دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے اور میں نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے اور یہاں تیرا کیا کام ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں جنوں میں سے ہوں اور مجھے تجھ سے عشق ہو گیا ہے۔ اب جب تو گھر جائے تو ایک کمرہ خاص میرے لیے تیار رکھ اور اپنی بیویوں سے لاتعلق ہو جا اور ان سے مجامعت بھی ترک کر دے۔ میں ہر رات تیرے پاس آؤں گی لیکن یاد رکھ کہ یہ راز میرے اور تیرے درمیان رہے اور کسی کو ہرگز کچھ پتہ نہ چلے۔ ورنہ تجھے ہلاک کر دوں گی۔ پس میں گھر آیا اور اس جنی کے کہنے کے مطابق عمل کیا اور اس رات سے اب تک وہ ہر رات میرے پاس آتی ہے اور مجھے اس سے

سماعت کی وجہ سے ضعف و سستی پیدا ہوتی جا رہی ہے اور یوں لگتا ہے کہ میں ہلاک ہونے والا ہوں۔ اس نے مجھے بہت سارا مال و متاع بھی دیا ہے اور وہ ایک علیحدہ کمرے میں رکھا ہوا ہے۔ اب آپ چونکہ نائب امامؑ ہیں۔ آپ میرا علاج کریں اور مصیبت سے نجات دلائیں۔ شیخ نے دو پرچیاں لکھ کر اس شخص کو دیں اور کہا کہ ایک تو اس مال کے اوپر رکھ دے جو جنی نے تجھے دیا ہے اور دوسری پرچی کو ہاتھ میں پکڑے رہنا۔ چنانچہ اس شخص نے وہ رقعہ اسے دکھایا اور کہا کہ یہ شیخ جعفر نے لکھا ہے۔ وہ جنی قریب نہ آئی اور وہیں کھڑی رہی۔ پھر جنی اس مال کی طرف گئی تا کہ اسے اٹھا کر لے جائے تو دیکھا کہ جناب شیخ کا ایک رقعہ اس کے اوپر بھی لکھا ہوا ہے تو کہنے لگی کہ اگر شیخ بزرگوار کا لکھا ہوا نہ ہوتا تو یقیناً میں تجھے ہلاک کر کے دم لیتی۔ پھر غائب ہو گئی اور پھر کبھی لوٹ کر نہ آئی۔

شیخ جعفر کی تالیفات میں کتاب کشف الغطاء ہے کہ جس میں احکام شریعہ کے چہرے پر سے پردے اور حجاب ہٹائے ہیں، اس میں بے شمار فروعات ہیں، اس کے مقدمہ میں اصول عقائد، اصول فقہ اور قواعد فقہی کے بہت سے قواعد کلی تحریر کیے ہیں اور یہ عبادات کے موضوع پر ہے اور بعض مقامات پر مختصر دلائل کی طرف سے بھی اشارہ کیا ہے اور فروع دین پر مشتمل ایسی کتاب ابھی تک تو کوئی تالیف نہیں ہوئی ہے اور متاجر قواعد علامہ کے ابتدائی حصہ کی شرح، رسالۂ صومیہ (روزے کے متعلق) و رسالۂ دماء ثلاث (تین خونوں کے متعلق)، رسالۂ جنائز، رسالۂ عقاید جعفریہ اور دوسرے رسالے ۔خدا ان سے راضی ہو اور ان پر اپنے احسانات فرمائے۔

☆☆☆

بسم تعالیٰ

سید محمد حسین میرزا شیرازیؒ

۱۲۳۰ھ - ۱۳۲۱ھ

سید محمد حسین شیرازی جو میرزا شیرازی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی شہرت اور عظمت کے لیے یہی کافی ہے کہ مرجع بزرگ شیخ مرتضیٰ انصاری کے بعد ۳۰ سال تک تمام شیعوں کے مرجع تقلید رہے ہیں۔

آپ ۱۵ جمادی الاول ۱۲۳۰ھ میں ایران کے شہر شیراز میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد میرزا محمود شیرازی ایک مشہور خطاط تھے۔ میرزا شیرازی بچپن میں ہی اپنے والد بزرگوار کے سائے سے محروم ہو گئے اور آپ کی کفالت کی ذمہ داری آپ کے بھائی اور ماموں کے کندھوں پر آ گئی۔

آپ نے تحصیل علم کا سلسلہ چار سال کی عمر سے شروع کیا اور بیس سال کی عمر سے پہلے ہی اپنے اساتذہ سے اجتہاد کی اجازت لے لی۔ آپ نے ۱۸ سال تک اپنے ہی شہر میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے استاد شیخ محمد تقی کی نصیحت پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے اصفہان کا رخ کیا۔ اصفہان میں آپ نے شیخ محمد تقی رازی اور بید آبادی مدرس سے کسب فیض کیا۔

میرزا شیرازی ۱۲۵۹ھ میں کربلا گئے اور پھر نجف کے حوزہ میں اپنی تعلیم و تحصیل کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ نے نجف میں محمد حسن نجفی، حسن کاشف الغطاء اور سید ابراہیم قزوینی جیسے بزرگ اساتذہ کے دروس میں شرکت کی۔

شیخ نجفی کی وفات کے بعد آپ نے شیراز واپس جانے کا ارادہ کیا مگر شیخ انصاری کے علمی احاطہ سے کسب علم کرنے کی خواہش نے آپ کو نجف اشرف میں رہنے میں مجبور کر دیا اور آپ وہی مقیم ہو گئے۔ آپ شیخ انصاری کی وفات کے بعد عالم تشیع کے واحد مرجع تقلید مقرر ہوئے۔

میرزا شیرازی کے مرجعیت کے دور کا ایک بہت اہم واقعہ تمباکو کی تحریم کی مہم تھی۔ دنیا جانتی ہے کہ انگلستان کا سب سے اہم محکمہ جاسوسی کا تھا اور اس کی سفارشات پر مختلف ملکوں پر قبضہ کیا جاتا تھا۔ مثلاً ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے قدم جمائے اور پھر انگریز کا قبضہ پورے ہندوستان پر ۲۵۰ سال تک رہا۔ اسی طرح سے انگلستان کی کمپنی نے ایرانی شاہ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا، خطرے کی بو سونگھ کر میرزا شیرازی نے چار لفظوں کا فتویٰ جاری کیا ''آج سے تمباکو نوشی حرام ہے'' اس فتویٰ کا جاری ہونا تھا کہ دوکانداروں نے تمباکو سڑکوں پر رکھ کر جلا دیا۔ جب ایسا ہوا تو بڑے بڑے تاجر جنہوں نے

گوداموں میں تمباکو سٹاک کیا ہوا تھا، جلا دیا۔ جب ایسا ہوا تو محل میں ملکہ نے حقے تڑوا دیئے اور تمباکو کو آگ لگا دی۔ شاہ ناراض ہوا اور ملکہ سے کہا کہ تم نے یہ کس کے حکم پر کیا تو ملکہ نے جواب دیا جس کے حکم سے میں تم پر حلال ہوئی ہوں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہی انگریز جس نے ۲۵۰ سال ہندوستان پر حکومت کی اور دوسرے ملکوں پر بھی اُسے اس خطے سے چند سالوں بعد بھاگنا پڑا۔ یہ ہوتی ہے مرجعیت کی طاقت

امام خمینیؒ نے اس بارے میں بہت خوبصورت بیان فرمایا:

اس مرحوم میرزا شیرازی نے سامرا میں رہتے ہوئے تمباکو کو حرام کیا۔ تمباکو کی قرارداد کے ذریعہ سے ایران کو تقریباً اسیر کر لیا گیا تھا۔ انھوں نے ایک جملہ لکھا کہ ''تمباکو حرام ہے'' جس کے نتیجہ میں حتیٰ خود اس ظالم شاہ کے رشتہ دار اور اس کے گھر والوں پر بھی اس فتوے کا اثر ہوا اور حقے توڑ دیے گئے۔ کئی جگہوں پر ایسا تمباکو جس کی قیمت بھی بہت زیادہ تھی میدان میں لے جا کر آگ لگا دی گئی اور بالآخر اس قرارداد کو شکست دے دی گئی اور وہ قرارداد منسوخ ہو گئی۔

انھوں نے دیکھا ہے کہ ایک بوڑھا عالم دین عراق کے ایک گاؤں سے ایک لفظ لکھتا ہے اور ایک پوری قوم (اس کے باعث) قیام کرتی ہے اور وہ قرارداد جو ظلم شاہ اور انگریزوں کے درمیان تھی منسوخ کروا دیتا ہے۔

اس کے علاوہ آپ نے مندرجہ ذیل سیاسی اور اجتماعی فعالیت انجام دیں

☆ ۱۳۰۹ ہجری قمری میں افغانستان کے مظلوم شیعوں کا دفاع

☆ ۱۳۱۱ ہجری قمری میں تشیع میں وحدت کا قیام

☆ ہندوستان، کشمیر، افغانستان قفقاز......اور عراق کے مختلف علاقوں میں تربیت یافتہ مبلغین کو بھیجنا

☆ مسلمانوں کے حقوق کی پامالی کو روکنا

۸۲ سال کی عمر میں عراق کے شہر سامرا میں زہر دیئے جانے کی وجہ سے شہادت کا عظیم رتبہ پایا۔ آپ کی قبر مبارک نجف اشرف میں امام علی علیہ السلام کے حرم مبارک کے حجروں میں سے ایک حجرہ میں ہے۔

شاگرد:

آپ کے شاگردوں میں بہت سے بلند پایہ علماء گزرے ہیں، جن میں سے کچھ معروف علماء مندرجہ ذیل ہیں:

- شیخ فضل اللہ نوری

۲۔ میرزا حسین نوری

۳۔ سید اسماعیل صدر

۴۔ عبدالکریم حائری یزدی (حوزہ علمیہ قم کے بانی)

۵۔ سید محمد کاظم طباطبائی یزدی

۶۔ میرزا محمد تقی شیرازی (میرزای دوم)

۷۔ سید علی قاضی طباطبائی (معروف عارف کامل، استاد آقا بہجت)

تالیفات:

۱۔ فارس نامہ ناصری

۲۔ کلمہ الامام الحسن

۳۔ کتاب الطہارہ تا مبحث وضو

۴۔ کتاب الصلوٰۃ تا بحث

۵۔ رسالہ ای در رضاعی (اعیان الشیعہ ج ۵،۳۰۸)

۶۔ رسالہ ای در مشتق

۷۔ کتاب المکاسب تا پایان معاملات

۸۔ حاشیہ بر نجاۃ العباد

۹۔ تعلیقہ بر کتاب معاملات وحید بہبہانی

۱۰۔ تعلیقہ بر کتاط شرح لمعہ

۱۱۔ رسالہ ای در اجتماع امر و نہی

۱۲۔ دورہ کامل درس اصول شیخ مرتضٰی انصاری

۱۳۔ تعلیقات بر فرائد الاصول تالیف شیخ مرتضٰی انصاری

☆☆☆

بسم تعالیٰ

حجۃ الاسلام حاجی سیّد محمد باقر

حاجی سید محمد باقر ابن سید محمد تقی موسوی، اصفہان میں سکون پذیر تھے۔ حجۃ الاسلام لقب تھا۔ آج ہر کوئی حجۃ الاسلام بن بیٹھا ہے اس وقت ایسا نہ تھا۔ یہ نہایت اہم لقب ہے اور ذمہ داری کے حساب سے بے پناہ ذمہ داری اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ سید محمد باقر یکتائے زمانہ اور پیشوائے وقت تھے۔ علوم عربی، ہیئت، فقہ رجال و درایت میں باکمال، علمائے کرام کی صف میں باعمل عالم، کامل ترین و فاضل ترین لوگوں کے استاد اور زہد وورع اور تقویٰ میں لاثانی تھے۔ ان کا علم احاطہ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ علم و ترقی کے تمام زینے آپ نے طے کئے۔ استنباط مسائل میں باکمال، استدلال میں دقیق اور ان کا حافظہ زمانہ میں ضرب المثل تھا۔ بہت سی کتابوں کے مؤلف ہیں، صلوٰۃ شرائع کی شرح سات جلدوں میں ہے۔ ہر جلد تقریباً ۲۰ ہزار اسفار پر مشتمل ہے اور مسئلہ کے بیچ میں جس جس علم کی ضرورت پڑی اس مسئلہ کو استدال کے ساتھ لکھا ہے چاہے وہ مسئلہ اصول سے متعلق ہو، یا نحو سے یا لغت سے یا رجال سے۔

رسالہ زہرۃ البارقہ، علم اصول میں استعمال ہونے والے الفاظ کے مسائل میں سے چند مسائل اس میں ہیں۔ رسالہ تحفۃ الابرار نماز کے بارے میں سارے اقوال اس میں اکٹھے کیے گئے ہیں اور استدلالی طرز میں ہے اور اس عبادت کی تحقیق میں ایک رسالہ ''من اجتمعت العصابة علی تصحیح ما تصح عنهم'' بڑی چھان بین اور تحقیق کے ساتھ کہ جب بھی رجال پر گفتگو ہو تو ولادت سے وفات تک ہر راوی کا حال معلوم ہو جائے۔ اسحٰق بن عمار کے حالات میں ایک رسالہ، ابراہیم بن ہاشم کے حالات میں رسالہ، ابان بن عثمان کے حالات میں رسالہ، محمد بن عیسیٰ الیقطینی کے تحقیق حال میں رسالہ، اس حکم کی وضاحت میں رسالہ کہ اگر ایک بہن کو طلاق ہو جائے تو دوسری سے نکاح ہو سکتا ہے؟ اور ایک رسالہ موانع نکاح کے علاوہ عورتوں کے قول کا قبول کرنے کے بارے میں نیز یہ کہ کیا ولی نکاح متعہ کی مدت پر اعتراض کر سکتا ہے۔ جیسا کہ شہید ثالث حاجی ملا محمد تقی برغانی کے ترجمہ میں مذکور ہوا اور ایسی ہی بہت سی کتابیں، رسالے اور فتوے جو ان سے لکھے گئے۔ ان کی جتنی بھی تحریریں ہیں جن میں سوالات بھی شامل ہیں جو اسی ہزار اسفار بنتے ہیں۔ ان میں سیوطی پر ایک حاشیہ ہے جو اول کتاب سے بحث تمیز تک ہے۔ سب کو اقوال اور حقیقی چھان بین کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

حجۃ الاسلام کا طریقہ تدریس بڑا دقیق و متین تھا۔ فقہاء کے اقوال کی بڑی تفصیل بیان کرتے تھے اور ان کی عبارتوں کو سمجھانے کے لئے تمام وجوہات اور احتمالات کا ذکر کرتے تھے۔ لوگ کثیر تعداد میں ان کے درس میں شریک ہوتے۔

صاحب قصص العلماء جناب میرزا محمد تنکابنیؒ فرماتے ہیں۔

حاجی سید محمد باقرؒ کی عبادت کا حال لکھنے کی تو میرے قلم میں سکت ہی نہیں۔ ان کی نماز کی کیفیت شیخ محمد حسن صاحب جواہر الکلام کے ترجمہ میں عرفانی تحقیق کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ مناجات خمسہ عشر کو حفظ کئے ہوئے تھے اور رو رو کر ان کو ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔

قصہ مختصر ان بزرگوار کی عبادت کی کیفیت یہ تھی کہ نصف شب سے لے کر صبح تک گریہ وزاری اور تضرع میں مشغول رہتے اور اپنی لائبریری کے صحن میں دیوانوں کی طرح چکر لگاتے اور دعا و مناجات پڑھتے رہتے اور سر و سینہ پیٹتے رہتے اور صبح تک اتنی آہ وزاری کرتے کہ اگر ہمسائے بیدار ہوتے تو سنا کرتے تھے۔ زندگی کے آخری ادوار میں تو اس قدر روتے، ہائے ہائے اور نالۂ بیقراری وگریہ زاری کیا کرتے کہ ان کو ہرنیہ کا مرض لاحق ہو گیا چنانچہ ان کے پیٹ کو کس کر باندھا جاتا، اطباء جتنا علاج کرتے فائدہ نہ ہوتا، آخر ان کو گریہ سے ممانعت کی گئی کہ آپ پر رونا حرام ہے کیونکہ اس سے مرض میں اضافہ ہوتا ہے۔

جب وہ مسجد جاتے تو جب تک وہ بیٹھے ہوتے ذاکرین منبر پر نہ جاتے۔ یہاں تک کہ وہ مسجد سے چلے نہ جائیں۔ اگر ان کی موجودگی میں کوئی ذاکر منبر پر چلا جاتا تو وہاں بیٹھے رہتے اور پھر رونا شروع کر دیتے تھے اور اس انداز پر کوئی گریہ نہ کرتا تھا۔

سورج چھپتے ہی مغرب سے پہلے چراغ روشن کر دیتے اور جیسے ہی سورج نکلتا چراغ گُل کر دیتے۔ کہتے ہیں یہ طریقہ کار کاموں میں کشادگی اور اقبال مندی اور خوشحالی کا سبب ہے۔ حدیث لا اسراف فی السراج (چراغ جلانے میں اسراف نہ کرو) اس مدعا پر گواہ ہے۔

نہانے کے لیے حمام جانے کا اندازہ یہ تھا کہ ہمیشہ بدھ کے روز ضرور غسل کرتے۔ حدیث میں بھی یہ کہا گیا ہے اور یہ بات مشہور ہے کہ بدھ کے دن سر کے بال ترشوانا رزق میں زیادتی کا موجب ہے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ قاضی کو مقدمات میں فراست سے کام لینا چاہیے اور اس سلسلہ میں انہوں نے امیر المومنینؑ

کے فیصلوں کی مثال دی ہے۔ حجۃ الاسلام کے عجیب وغریب مقدمات میں سے ایک یہ ہے کہ ایک عورت آپ کی خدمت میں آئی کہ فلاں گاؤں کے پٹواری نے میری زمین غصب کر لی ہے۔ پٹواری کو بلایا گیا اس نے انکار کیا اور اس نے اصفہان کے چودہ قاضیوں سے چودہ (۱۴) حکم نامہ حاصل کیے ہوئے تھے اور ہر جگہ سے اس عورت کو کورا جواب مل گیا تھا۔ سید نے وہ سارے حکم نامے دیکھے اور ان تحریروں کو اپنے سامنے سب سے اوپر رکھ لیا اور اس عورت سے کہا کہ پٹواری ٹھیک کہہ رہا ہے اور قاعدہ کی رو سے بات کر رہا ہے۔ وہ عورت رونے دھونے لگی اور سید دوسرے مقدموں میں مشغول ہو گئے اور دوسرے مقدمات کے دوران اسی پٹواری سے پوچھا کہ کیا تو نے یہ زمین خریدی تھی۔ اس نے کہا: نہیں، کیا کسی مالک کے لیے کسی چیز کا خریدنا ضروری ہے؟ سید نے کہا: ضروری نہیں ہے۔ پھر مقدمات میں لگ گئے اور پھر بیچ میں سوال کیا کہ یہ زمین تمہیں وراثتاً پہنچی ہے؟ پٹواری نے کہا: نہیں کیا مالک بننے کے لیے میراث سے مال منتقل ہونا ضروری ہے؟ کہا نہیں میرے پاس بھی ایسی املاک ہیں جو میراث میں نہیں ملی ہیں۔ پھر مقدمات دیکھنے لگے پھر درمیان میں پوچھا کہ یہ جائیداد کیا تمہیں کسی معاہدہ یا وصیت کے ذریعہ حاصل ہوئی؟ کہا: نہیں کیا مالک بننے کے لئے اس طرح منتقل ہونا شرط ہے؟ سید نے کہا: بالکل نہیں۔ اسی طرح مقدمات کے بیچ میں تمام شرائط شرعی دریافت کر لیں اور اس نے ہر ایک کو انکار کر دیا کہ ان میں سے کوئی بھی چیز نہیں ہوئی۔ تو سید نے پوچھا تو پھر تم تک یہ جائیداد پہنچی کیسے؟ اس نے کہا: سبب ہونا کیا ضروری ہے آسمان میں ایک سوراخ بنا اور مجھے یہ چیز دیدی گئی۔ سید نے کہا کہ میرے لیے آسمان سے کوئی جائیداد کیوں نہیں آئی جا اور اس عورت کو اس کا حق ادا کر تو نے اُس پر غصب کیا ہے اور ان چودہ حکم ناموں کو پھاڑ دیا اور اس عورت کی خواہش پر اپنے علاقے کے پٹواری کو ایک حکم لکھدیا کہ اس شخص سے زمین لے کر اس عورت کو دیدی جائے۔

ایک اور مقدمہ یہ تھا کہ اصفہان کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات کے بارے میں ایک شخص نے ایک سند تیار کی اور اس پر اصفہان کے بزرگ علماء جیسے آقا جمال خوانساریؒ، آقا حسینؒ اور علامہ مجلسیؒ وغیرہ کی مہریں لگالیں۔ اس نے بڑی چالاکی سے یہ مہریں ان کے جانشینوں سے حاصل کی تھیں۔ غرض اس نے پکے کاغذ تیار کر لیے اور پھر اس گاؤں کے کچھ صاحبانِ اقتدار سے دعویٰ کیا کہ یہ گاؤں میرا ہے اور ان کے خلاف مقدمہ کھڑا کر دیا۔ چند ماہ تک اس مقدمہ پر جرح تعدیل ہوئی رہی۔ آخر کار ان بزرگوار نے قرینہ خلفائے کے زمینداروں اور بعض ذمہ دار افراد کو طلب کیا۔ چونکہ مدعی نے کاغذ کا حلیہ ایسا بنا دیا تھا کہ وہ بہت پرانا معلوم ہوتا تھا تو ان بزرگوار نے ان لوگوں سے کہا کہ تم غور کرو اور اس کاغذ کی مہر کو

دیکھو کہ یہ کس کارخانہ سے کب تیار ہوا اور اس کاغذ کی تیاری کی تاریخ کیا ہے کیونکہ کاغذوں پر ایک سفید مہر لگائی جاتی ہے کہ یہ فلاں کارخانہ سے بنا ہے اور پھر اس کے بننے کی تاریخ اس پر ثبت کردی جاتی ہے تو انہوں نے دھوپ میں غور سے اس کاغذ کو دیکھا اور اس کے بننے کی مہر کو پڑھ لیا اور اس کی تاریخ کا حساب لگا لیا مثلاً بیس سال پہلے وہ کاغذ بنا تھا جبکہ جو کچھ کاغذ پر لکھا گیا وہ پچاس سال کی تحریر بتائی گئی۔ اس طرح انہوں نے کھوج لگا لیا کہ یہ تحریر جھوٹی ہے فوراً اس کو پھاڑ دیا اور اس مدعی کے خلاف اپنا فیصلہ صادر فرما دیا۔

تیسرا مقدمہ تو بہت ہی حیرت انگیز ہے آپ کی عدالت میں ایک شخص نے عرض کیا کہ میں اس شخص سے جس کا نام آقا حسن ہے چار سو تومان کا طالب ہوں۔ سید نے مدعا علیہ سے جواب مانگا۔ تو اس نے کہا: مدعی نے مطالبہ آقا حسن سے کیا ہے اور میں آقا حسن تو نہیں ہوں۔ سید نے اب اس سے کچھ نہ کہا دوسرے مقدمات دیکھنے لگے۔ اور جب بہت سے دعویدار شور وغل مچا رہے تھے اور گواہیاں گزر رہی تھیں، خوب ہنگامہ برپا تھا اس انکاری شخص کی طرف رُخ کر کے کہا: آقا حسن! اس شخص نے عرض کیا: جی جناب! سید نے کہا: اُٹھ اور اس شخص کے چار سو تومان فوراً ادا کرے چنانچہ طرفین اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ دراصل سید نے اس شخص کو بے خبری میں آواز دی گر ذرا بھی ہوشیار ہو جاتا تو پھر کہہ دیتا کہ میں آقا حسن نہیں ہوں۔ اُس زمانے میں شناختی کارڈ وغیرہ تو ہوتے نہیں تھے غرض یہ کہ آپ کے مقدمات کے فیصلے اتنے عجیب وغریب طریقے سے ہوتے تھے مگر سب کا بیان اس کتاب میں نہیں ہو سکتا۔

ابتدائی ادوار میں حجۃ الاسلام انتہائی فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے کہ اس کا تصور بھی ناممکن ہے۔ جب نجف اشرف میں سید بحر العلومؒ کی خدمت میں علم حاصل کرتے تھے تو اُن میں اور حاجی محمد ابراہیم کلباسی میں بڑی دوستی اور محبت تھی ایک دن حاجی کلباسی سید سے ملنے گئے دیکھا کہ وہ زمین پر گرے پڑے ہیں اور بھوک سے غش کھا گئے ہیں۔ حاجی فوراً بازار گئے، مناسب غذا لے کر آئے اور آ کر انہیں کھلائی تب ان کے اوسان درست ہوئے۔

ابتدائی زندگی میں نجاست وطہارت میں بڑی احتیاط برتتے تھے۔ بحر العلومؒ کے گھر کے باہر پانی کا حوض بنا ہوا تھا۔ سید اکثر ان کے گھر آ کر اس حوض سے طہارت کیا کرتے۔ آخر کار ان کے استاد کو ان کی تنگدستی کا علم ہو گیا تو ان سے فرمایا کہ کھانے کے وقت میرے ہاں آ جایا کرو اور اس بات پر بڑے مصر ہوئے۔ سیدؒ مسلسل انکار کرتے رہے آخر سیدؒ نے کہا کہ اب اگر اس بارے میں آپ اصرار فرماتے رہے تو میں نجف سے چلا جاؤں گا۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں نجف میں

رہوں اور آپ کی خدمت میں تحصیل علم کرتا رہوں تو پھر آئندہ ایسی زحمت نہ فرمائیں۔ مجبوراً بحر العلومؒ خاموش ہو گئے۔

جب سید کربلائے معلی میں آقا سید علی صاحب ریاض سے درس لیا کرتے تھے تو آپ کی جوتیوں کی ایڑھیاں کثرت استعمال سے گھس چکی تھیں اور وہ پہننے کے قابل نہ رہی تھیں۔ آقا سید علی نے ایک شخص سے طے کر رکھا تھا کہ روزانہ دو روٹیاں ایک صبح اور ایک شام حجۃ الاسلام کے لیے لایا کرے۔ جب آپ اصفہان آئے تو سوائے ایک رومال کے جس میں ناشتہ اور حوالہ کی کتاب کے اور کچھ ساتھ نہ تھا۔ مرزا محمد تنکابنیؒ کہتے ہیں۔ والد ماجد اور ان میں بڑی دوستی اور بھائی چارگی تھی میرے والد بھی ان دونوں بالکل تنگدست تھے۔ والد صاحب کہتے تھے کہ ایک رات حجۃ الاسلام نے مجھ سے وعدہ لیا کہ میں ان کے گھر آؤں۔ میں پہنچا تو رات گئے انہوں نے اپنا کھانا پیش کیا اور اس میں روٹی کے خشک ٹکڑے تھے۔ جو کئی دن کے بچے ہوئے تھے تو میں نے اور انہوں نے وہی خشک ٹکڑے کھا کر گزارا کیا۔

ان کی تنگدستی کے آخری دنوں کا واقعہ ہے کہ ایک دن تھوڑے سے پیسے لے کر بازار پہنچے کہ اپنے اور بچوں کیلئے کچھ کھانے پینے کا سامان خریدیں تا کہ فاقہ شکنی کا انتظام ہو سکے۔ قصاب سے بکری کا پھیپھڑا خریدا اور گھر کی طرف چل پڑے۔ راستہ میں ایک ٹوٹے پھوٹے مکان پر نظر پڑی، دیکھا کہ ایک بہت نحیف اور لاغر کتیا سو رہی ہے۔ اس کے بچے اس سے چمٹے ہوئے ہیں۔ سب بالکل لاغر و کمزور ہیں ان کی ماں کے پاس دودھ نہیں اور اس سے دودھ کا تقاضا کر رہے ہیں، چیخ چلا رہے ہیں۔ حجۃ الاسلام کو اس کتیا اور بچوں پر رحم آیا۔ انہوں نے اپنی اور اپنے بچوں کی بھوک پر ان کی بھوک کو ترجیح دی اور وہ پھیپھڑا ان کے آگے ڈال دیا۔ وہ سارے کے سارے اس پر جھپٹ پڑے اور اس کو کھانے لگے۔ سید کھڑے یہ منظر دیکھتے رہے جب وہ پھیپھڑا ختم ہو گیا تو کتیا نے اپنا منہ آسمان کی طرف کیا گویا دعا دے رہی تھی۔

جناب حجۃ الاسلام محمد باقرؒ انہیں معصومینؑ کی اولاد تھے۔ جو اپنے بچوں کے اوپر اسیر و مسکین و یتیم کو ترجیح دیا کرتے تھے اور رات بھر بھوکے پیاسے سوتے تھے، آخر کار ان کی شان میں سورہ ھل اتی پیغمبر آخر الزماںؐ پر نازل ہوئی کہ وہ اپنے نفسوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں حالانکہ خود اس کے ضرورت مند ہوتے ہیں۔ القصہ حجۃ الاسلام فرماتے ہیں کہ اس بھوکی کتیا کے واقعہ کے بعد دنیا کی دولت میرے اوپر ٹوٹ پڑی۔ اس شدید فقر و فاقہ کے بعد آپ کی دولت و ثروت بے حد ہوتی چلی گئی اور اللہ نے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا تا کہ آنکھوں والے اور صاحبان یقین اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں۔

مخلوق خدا کی خدمت کا ایک واقعہ آیت اللہ دستغیب نے اپنی کتاب حیرت انگیز واقعات میں لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

آقا میرزا ابوالقاسم نے مرحوم اعتماد الواعظین تہرانی سے نقل کیا کہ ایک سال جب تہران میں روٹی مشکل سے دستیاب ہوتی تھی ایک روز ناصرالدین شاہ کے میر غضب باشی (سزائے موت کے ذمہ دار جلاد) ایک پختہ آبی ذخیرے کی محراب کے پاس پہنچے تو چند کتے کے بچوں کے چیخنے کی آوازیں سُنیں۔ توجہ کرنے پر نظر آیا کہ ایک کتیا نے بچے دیئے ہیں۔ اور وہ بچے اس کے جسم سے چمٹے ہوئے ہیں اور چونکہ اس کے پستانوں میں دودھ نہیں ہے لہٰذا وہ بھوک کی وجہ سے نالہ وفریاد کررہے ہیں۔ میر غضب باشی کو ان پر بہت رحم آیا چنانچہ انہوں نے ایک نانبائی کی دوکان سے جو قریب ہی واقع تھی کچھ روٹی خرید کے کتیا کے سامنے ڈال دی۔ اور اسی مقام پر کھڑے رہے یہاں تک کہ روٹی کھانے کے بعد اس کے پستانوں میں دودھ اُتر آیا اور بچے سکون کے ساتھ اُسے پینے میں مشغول ہوگئے۔

میر غضب باشی نے اس کتیا کی ایک مہینے کی خوراک کی قیمت طے کر کے نانبائی کو نقد پیسے ادا کر دیئے اور کہا روزانہ تمہارے کارندے کو اسی مقدار میں روٹی کتیا کو پہچانا ہوگی۔ اگر ایک روز بھی اس میں غفلت برتی گئی تو میں تمہیں اس کی سزا دوں گا۔

ان ایام میں میر غضب باشی اور ان کے چند رفقاء کی جماعت روزانہ عصر کے وقت سیر وتفریح کے لیے نکلتی تھی اور واپسی پر آپس میں کسی ایک کے گھر مہمان ہو کر شام کا کھانا کھاتی تھی۔ یہاں تک کہ اس رات میر غضب باشی کی میزبانی کا نمبر آیا ان کی ایک زوجہ کا مکان شہر تہران کے وسط میں تھا۔ جہاں ضیافت کے تمام وسائل موجود تھے اور انہوں نے ایک عورت سے تازہ عقد بھی کیا تھا۔ جس کی قیام گاہ دروازہ شہر کے قریب تھی۔ انھوں نے اپنی زوجہ کو کچھ پیسے دیئے اور کہا آج شب میں اتنے مہمان میرے ساتھ آئیں گے۔ ان کے کھانے کا مکمل انتظام رکھنا، عورت نے یہ ذمہ داری قبول کی۔ وہ لوگ عصر کے وقت تفریح کے لیے شہر سے باہر نکل گئے۔ اتفاق سے اس روز چہل قدمی میں دیر لگ گئی اور رات کا اچھا خاصہ حصہ گزر گیا۔ واپسی کے وقت ان کے رفیقوں نے کہا دیر کافی ہوگئی ہے۔ اور ہم بہت خستہ ہو چکے ہیں لہٰذا تمہارے اسی مکان پر ٹھہر جاتے ہیں۔ جو شہر کے کنارے ہے۔

میر غضب باشی نے کہا یہاں کچھ بھی نہیں ہے ہمیں شہر کے درمیان والے مکان پر چلنا ہوگا کیونکہ وہاں پورا انتظام کیا

جا چکا ہے۔ لیکن ان کے رفقاء اس پر راضی نہیں ہوئے اور کہا کہ آج ہم یہیں رہیں گے۔ اور مختصر سی غذا پر قناعت کر لیں گے۔ تم نے دوسرے مکان پر جو اہتمام کیا ہے اس کے لیے کل دیکھا جائے گا۔ میر غضب باشی نے مجبوراً اسے قبول کیا۔ اور کچھ روٹی اور کباب خرید کے انہیں کھلایا پھر سب نے وہیں آرام کیا۔ سحر کے وقت میر غضب باشی کے بے اختیار نالہ و بکا کی آواز سے سب لوگ جاگ اُٹھے۔ اور ان سے اس انقلاب اور گریہ کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا میں نے ابھی امام چہارم حضرت سجادؑ کو خواب میں دیکھا ہے، آپؑ نے فرمایا کہ تم نے جو اس کُتیا کے ساتھ احسان کیا ہے اُسے خداوند عالم نے قبول فرما لیا ہے۔ خدا نے اس نیکی کے باعث آج کی شب تمہاری اور تمہارے رفیقوں کی جانوں کو موت سے محفوظ رکھا۔ کیونکہ تمہاری پہلی زوجہ نے تم سے اپنی ناراضگی کی بنا پر ایک زہر مہیا کر کے باورچی خانے کے فلاں مقام پر رکھ چھوڑا تھا تاکہ تمہاری غذا میں شامل کرے، صبح کو جا کر اس زہر کو اٹھا لو۔ لیکن اس عورت کو کوئی اذیت نہ پہنچانا۔ بلکہ اگر وہ چاہے تو اسے بخوشی آزاد کر دینا۔ دوسری بات یہ کہ خدا تمہیں توبہ کی توفیق عطا فرمائے گا اور تم چالیس روز کے بعد کربلا میں میرے پدر بزرگوار کی قبر مطہر کی زیارت سے مشرف ہو گے۔

پس انھوں نے صبح کو اپنے رفیقوں سے کہا کہ آؤ اپنے وسط شہر والے مکان پر چل کے خواب کی تصدیق کریں۔ چنانچہ وہ سب لوگوں وہاں پہنچے تو عورت نے شکایت کی کہ تم لوگ رات کو کیوں نہیں آئے۔ لیکن انہوں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور اپنے رفقاء کے ساتھ باورچی خانہ میں پہنچ کر اسی نشاندہی کے مطابق جو امامؑ نے فرمائی تھی وہاں سے زہر اُٹھا لیا۔ اور عورت سے کہا کہ رات کو ہمارے بارے میں تیری کیا نیت تھی۔ اگر امامؑ کا حکم نہ ہوتا تو میں تجھ سے اس کا عوض لیتا لیکن اب مولاؑ کے فرمان کے مطابق تیرے ساتھ احسان کروں گا۔ اگر تُو چاہے تو اسی گھر میں رہو، تیرے ساتھ ایسا ہی سلوک کروں گا جیسے تو نے میرے خلاف کچھ بھی نہ کیا ہو۔ اور اگر علیحدگی چاہتی ہو تو طلاق دیدوں گا جو تیری خواہش ہوگی اسے پوری کروں گا۔ عورت نے دیکھا کہ وہ رسوا ہو چکی ہے اور آئندہ ان کے ساتھ زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ لہٰذا طلاق کا مطالبہ کیا۔ اور انہوں نے بھی پوری رضامندی کے ساتھ اسے طلاق دے دی اور اسے خوش کر کے آزاد کر دیا۔

انہوں نے اپنی ملازمت سے بھی استعفاء دے دیا جو منظور کر لیا گیا۔ اس کے بعد توبہ و حقوق و مظالم کی ادائیگی میں مشغول ہو گئے۔ اور چالیس روز کے بعد کربلائے معلیٰ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور وہیں مقیم ہو گئے یہاں تک رحمتِ خداوندی سے واصل ہوئے۔

مخلوقات خداوندی کے ساتھ احسان کے اثرات روایتوں میں کثرت کے ساتھ منقول ہیں خواہ وہ کتنے ہی جیسا کوئی حیوان ہو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ نیکی انجام بخیر ہونے اور مغفرت الٰہی کا سبب بن جاتی ہے۔

اس مطلب کے شواہد بہت سے ہیں۔ منجملہ ان کے بحارالانوار جلد ۱۴ میں کتاب...... حیوۃ الحیوان دمیری سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ایک عورت ایک بیابان میں سفر کر رہی تھی اور سخت پیاسی تھی ۔یہاں تک کہ ایک ایسے کنوئیں پر پہنچی جس میں پانی موجود تھا۔ وہ کسی طرح اس میں اُتری اور پانی پی کر سیراب ہوئی۔ جب باہر آئی تو دیکھا ایک کتا پیاس کی شدت کی وجہ سے وہ مٹی کھا رہا ہے جس میں کچھ نمی موجود ہے۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ یہ کتا بیچارہ میری ہی طرح پیاسا ہے۔ چنانچہ اس پر رحم کھا کر دوبارہ کنوئیں میں اتری اپنے پاؤں کا موزہ پانی سے لبریز کر کے دانتوں میں دبایا اور اوپر آ کر کتے کو سیراب کیا۔

خدا نے اس کے اس عمل کو قبول فرمایا، اور اسے بخش دیا۔

لوگوں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! اگر ہم بھی حیوانات کے ساتھ نیک سلوک کریں تو کیا ہمیں بھی اس کا اجر ملے گا؟ فرمایا، ''نعم فی کُلِّ کَبِدٍ حَرِیٍّ اَجرٌ''

یعنی ہاں، ہر تشنہ جگر کو خنکی پہنچانے اور اسے پانی پلانے کا ایک اجر ہے۔ نیز اسی کتاب میں ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا۔ ''میں شب معراج جب بہشت میں داخل ہوا تو وہاں ایک ایسے شخص کو دیکھا جس نے ایک پیاسے کتے کو سیراب کیا تھا'' جہاں ضرورت کے وقت ایک جانور کے ساتھ احسان کرنا مغفرت و آمرزش اور عاقبت بخیر ہونے کا سبب ہو وہاں ایک انسان اور بالخصوص مومن کے ساتھ نیکی اور اس کی دادرسی کرنے کا کتنا ثواب ہوگا اور اس طرح سے کسی مخلوق کو ناجائز مارنا، تکلیف پہنچانا کتنے گناہ کا سبب ہوگا۔ اور اس طرح سے کسی انسان کا حق غصب کرنا، دھوکہ دینا، مارنا وغیرہ وغیرہ کتنے گناہ کا سبب ہوگا۔ (خیر یہ واقعہ ضمناً آ گیا)

قصہ مختصر کسی نے بڑی کثیر رقم حجۃ الاسلام محمد باقرؒ کے پاس بھیجی کہ یہ معین رقم تاحیات آپ کی ملکیت ہے۔ اس میں جتنا بھی منافع وہ سب آپ کا ہوگا اور یہ اصل زر میری وفات کے بعد فلاں فلاں مصارف میں صرف کیا جائے۔ سیدؒ نے اس مال کو اسی طرح تجارت میں لگایا کہ تھوڑی مدت میں کثیر منافع ہاتھ آیا اور اگر کسی کو مال دیتے تو فروخت کی شرائط طے کر لیتے اور جب مدت معینہ پوری ہو جاتی تو اس چیز میں تصرف کرتے۔ چاہے تو اپنے پاس رکھ لیتے یا فروخت کر دیتے۔

چنانچہ آپ نے شترخانہ اور قاطرخانہ بنایا ہوا تھا۔ مرحوم آقا محمد بید آبادی جو عرفاء اور صاحبانِ باطن سے کیمیادان تھے کا گھر آپ کے احاطہ میں تھا۔ گھر میں بہت سے صحن اور کمرے تھے۔ سات بیٹے تھے اور سب کے لیے اندرونی و بیرونی حصے تھے اور سب کے راستے الگ الگ تھے۔ اور بڑے بیٹے آقا میر زین العابدین کے اصطبل میں شترہ عربی النسل گھوڑے تھے۔ حجۃ الاسلام کی اولاد ان بچوں کی اولاد کے علاوہ سو افراد پر مشتمل تھی۔ ازواج کے علاوہ خادم، کنیزیں، زمینیں، قصبے، محلات بے اندازہ تھے۔ اصفہان میں چودہ سو کاروان سرائیں اُن کی ذاتی تھیں۔ دو ہزار سے زائد دُکانیں تھیں۔ اصفہان کا ایک گاؤں کروند تھا جہاں بے بہا چاول ہوا کرتا تھا۔ گندم، جو اور دوسرے اناج اس کے علاوہ تھے۔ اور بروجرد میں جو املاک تھی ان کی آمدنی سالانہ تقریباً چھ ہزار تومان تھی۔ یزد کی املاک کی آمدنی سالانہ دو ہزار تومان اور شیراز میں جو دیہات تھے ان کی آمدنی بھی چند ہزار تومان ہوا کرتی تھی۔ مجملاً سترہ ہزار تومان سرکاری ٹیکس اصفہان کے دیہاتوں کا ہوتا تھا جو سرکار کو پہنچتا تھا۔ مرحوم فتح علی شاہ نے کہا کہ میں آپ کا ٹیکس معاف کرتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم سارے اصفہان کی مالیات سے یہ ٹیکس کم کر رہے ہو یا وہ پہلے کی طرح ہی رہے گا۔ سلطان نے کہا وہ تو کم نہیں ہو سکتا ورنہ کہیں اور سے کٹوتی کرنی پڑے گی۔ تو سیدؒ نے فرمایا کہ میں اس بات پر ہرگز راضی نہیں ہوں کہ میرے دیہاتوں سے تو ٹیکس ہٹا دو اور دوسروں پر لاگو رکھو۔ میں اپنے دیہاتوں کا ٹیکس بعینہٖ ادا کرتا رہوں گا۔ ایران اور ایران کے علاوہ دوسرے علاقوں اور شہروں سے خیراتی رقوم لوگ لاتے تھے اور اصفہان میں سید کے پاس پہنچا دیتے تھے اور وہ فوراً فقراء میں تقسیم کر دیتے تھے۔

قصہ مختصر متقدمین میں و متاخرین کے علمائے امامیہ میں سے اتنی بے انداز دولت و ثروت کسی کو نصیب نہ ہوئی سوائے علم الہدیٰ سید مرتضیٰ کے وہ بھی بڑے ثروت مند شخص تھے۔

جس سال حجۃ الاسلام مکہ کی زیارت سے مشرف ہوئے تو ان کے کتاب خانہ کی قیمت کا اندازہ لگایا، پچاس ہزار تومان کی کتابیں تھیں۔ مثلاً شرح لمعہ کئی طرح کی تھیں، کھجور کے کاغذ پر۔ جدول طلائی کے ساتھ کوئی نقرئی، کوئی حمائل کی شکل کی وغیرہ۔ آخری عمر تک کتابیں خریدتے رہے۔ مرزا محمد تنکابنیؒ کہتے ہیں جس سال ان کا انتقال ہوا میں ماہِ رمضان میں ان کی مسجد میں پہنچا تو ہر طرح کی چیزیں فروخت کرنے والوں نے اپنی اپنی دُکانیں لگائی ہوئی تھیں۔ ان میں کتابوں کی دکان بھی تھی۔ میں بھی اس دُکان پر پہنچا اور کچھ کتابیں اُٹھائیں۔ ان میں شیخ طوسیؒ کی کتاب تہذیب پر شیخ محمد صاحب معالم

کا حاشیہ تھا اور کچھ ریاضی کی کتابیں تھیں ۔ جب قیمت پوچھی تو بہت قیمت بتائی ۔ میں نے دل ہی دل میں کہا کہ لوگوں کو ان کتابوں کی کیا پہچان ۔ نہ وہ ان کے مؤلفین کے اتنے قدردان ہیں ۔ بہتر ہے کہ آخر ماہ تک میں انتظار کروں ۔ اس وقت تک یہ کتابیں فروخت تو ہوں گی نہیں ۔ یقیناً کتاب فروش انہیں سستی قیمت میں دیدے گا ۔ میں ہمیشہ ان کو دیکھتا رہتا تھا ۔ (کہ ابھی تک نہیں بکی ہیں) یہاں تک کہ ماہ رمضان کا آخری دن آن پہنچا ۔ نماز ظہر وعصر کے بعد میں جناب سید کے ٹھیک پیچھے بیٹھا ہوا تھا ۔ وہ کتابیں وہاں لائی گئیں ۔ ابھی ہم بات چیت ہی کر رہے تھے کہ حجۃ الاسلام بھی آ گئے اور بیٹھ گئے ۔ کتابوں کی فہرست پر نظر ڈالی اور وہ کتابیں جو مجھے مطلوب تھیں ، اُٹھالیں اور قیمت پوچھی اس بار کتاب فروش نے پانچ تومان قیمت بتائی ۔ سیدؒ نے پانچ تومان دیئے اور کتابیں ملازموں کو دیں کہ ان کے گھر پہنچا دیں ۔ میں ان کی کتابوں کی اس بے پناہ قدردانی پر حیران رہ گیا ۔

کہتے ہیں کہ سید کہتے تھے کہ ساری کتابیں میرے پاس ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ لکھنے والا شاید صحیح یا غلط کر دے یا ہو سکتا ہے کہ مخصوص فنون کی کتابیں مخصوص انداز میں لکھی جاتی ہیں اور اس دور میں اسلامی کتابوں کو معرضِ تحریر میں لانا ایک امر محال لگتا ہے ۔

جب سیدؒ نے وفات پائی تو ورثاء نے ترکہ تقسیم کرنا چاہا تو ان کے لائق بیٹے حاجی سید اسد اللہ نے کتاب خانہ اپنے حصہ کے طور پر لے لیا اور دوسری تمام جائیداد باقی تمام ورثاء میں تقسیم ہو گئی ۔

سیدؒ کی شہرت کے کئی اسباب تھے اور اس میں سے ایک آقا سید محمد کی تعریف تھی کہ جب ان سے اصفہان میں پوچھا گیا کہ کیا آقا سید محمد باقرؒ مجتہد ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ان کے اجتہاد کے متعلق مجھ سے سوال نہ کرو بلکہ ان سے پوچھو کہ کیا سید محمد مجتہد ہیں یا نہیں ۔

دوسرے میرزا قمی نے ان کی جو تعریف سلطان فتح علی شاہ سے کی ۔ جب سلطان نے میرزا قمی سے گزارش کی ایک ایسا عالم جو ہر لحاظ سے بے عیب ہو ، مسجد شاہ تہران کے لیے معین کرو جو وہاں نماز پڑھائے اور ہم سب اس کی اقتداء کریں تو میرزا نے جواب میں لکھا کہ آقا سید محمد باقرؒ جو اصفہان میں رہتے ہیں وہی اس منزلت پر فائز ہیں ۔ ان سے بہتر مجھے کوئی دکھائی نہیں دیتا ۔ سلطان ؒ نے حاکم اصفہان کو لکھا کہ سیدؒ مذکور کو تلاش کر کے تہران روانہ کر دو ۔ حاکم نے پوچھ گچھ کی کہ سید محمد باقرؒ کون ہیں اور جب پتہ چل گیا تو ان کے پاس بھیجا کہ آپ کو بادشاہ نے طلب کیا ہے میں انتظام کئے دیتا ہوں آپ سفر

کی تیاری فرمالیں۔ سیدؒ نے انکار کیا تو حاکم ان کی دنیا سے اس کنارہ کشی پر حیرت زدہ رہ گیا اور خود اس آستانہ قدس پر پہنچا اور مسافرت کی درخواست کی۔ سیدؒ منع کرتے رہے تو حاکم نے کہا کہ بادشاہ کے حکم کو ہم ٹال نہیں سکتے اور اس کی مخالفت کا یارا نہیں رکھتے سیدؒ نے کہا کہ میری مرضی جانے کی نہیں ہے۔ تو حاکم مایوس ہو گیا اور یہ سب کچھ سلطان سے عرض کر دیا۔ اب سلطان کو ان کے اوپر اور اعتماد پیدا ہو گیا۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ جب سلطان اصفہان پہنچا تو سیدؒ کو اس سے ملاقات کے لیے لے گئے۔ سلطان نے سیدؒ سے کہا کہ آپ اپنی کوئی خواہش مجھ سے بیان کریں۔ سیدؒ نے کہا: کوئی خواہش نہیں ہے۔ لیکن سلطان نے اصرار کیا تو آخر سیدؒ نے کہا چونکہ آپ کا اصرار ہے اس لیے میں گذارش کرتا ہوں کہ آپ سرکاری بینڈ باجے موقوف کرا دیں۔ سلطان خاموش رہ گیا۔ جب سیدؒ تشریف لے گئے تو سلطان نے امین الدولہ سے کہا کہ یہ سیدؒ تو عجیب ہے کہ ہمارے بینڈ باجوں کو جو ہماری بادشاہت کی علامت ہے موقوف کرانا چاہتے ہیں۔ امین الدولہ نے اس امر پر بادشاہ سے اپنی طرف سے معذرت کی۔

حاجی سید محمد باقرؒ کے بارے میں فرماتے تھے کہ ان کی فضیلت ان کی شہرت سے کہیں زیادہ ہے اور لوگ ان کی فضیلت کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں تو ان کا وہ مقام ہے کہ قلم اس کو کاغذ پر رقم ہی نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ ان کے اسلاف کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی

لو کان البحر مدادا لکلمات ربی (سورہ کہف، آیت ۱۰۹)

ترجمہ:

کہ اگر تمام سمندر سیاہی بن جاتے تو بھی تیرے رب کے کلمات کو لکھ نہ سکتے۔

ابتدائے کار میں جب اصفہان میں آپ کو شہرت حاصل نہ تھی ایک دن آپ کسی کوچہ سے گزر رہے تھے تو دیکھا کہ کچھ بدکردار لوگ لہو و لعب، ڈھول تاشہ میں مصروف ہیں۔ آپ آگے بڑھے اور ناراضگی کا اظہار کیا تو انہوں نے ان کو مارنا چاہا پھر ان لوگوں نے آپ کو پکڑ کر قید کر دیا۔ جب طلاب کو خبر ہوئی انہوں نے امام جمعہ تک خبر پہنچائی۔ امام نے کسی کو بھیج کر اس قید سے خلاصی دلائی۔ آپ کمزور جسم کے مالک تھے اور اکثر صبح کو بغیر ناشتہ رہتے جبکہ روزہ سے بھی نہ ہوتے۔ نماز صبح مسجد میں ادا کرتے اس کے بعد ظہر تک مقدمات میں مشغول رہتے پھر اس صبح کے وضو سے ظہر کی نماز ادا کر لیتے بلکہ شام تک وہی وضو باقی رہتا اور کھانا بھی نہیں کھاتے تھے۔ ہاں کبھی کبھی لیموں کا شربت دن میں پی لیا کرتے تھے۔ اور کبھی

کبھار دن میں کھانا بھی کھالیتے تھے اور یہ سب تعجب خیز باتیں ہیں۔

آپ کے امر بالمعروف کا یہ حال تھا کہ ستر افراد کو آپ نے شرعی حد جاری کر کے قتل کیا اور کتنے ہی ایسے تھے جن پر حد قتل جاری نہیں ہوئی تھی۔ جب پہلی مرتبہ لواطہ (لڑکے سے بدکاری) کی وجہ سے کسی کو قتل کرنے کا حکم دیا تو جس کو بھی کہا جاتا کہ تم قتل کر دو وہ انکار کر دیتا تھا آخر خود کھڑے ہوئے اور ایک وار کیا لیکن وہ کارگر نہ ہوا۔ آخر ایک شخص اٹھا اور اس نے اس مجرم کی گردن ماری۔ پھر خود اس پر نماز پڑھی اور نماز پڑھتے پڑھتے غش کر گئے۔

عرب وعجم میں ان کی تعریف میں اتنے قصائد ہیں کہ جب ان سب کو جمع کیا گیا تو ایک ضخیم دیوان مرتب ہو گیا۔ وہ جناب کبھی کسی سے ملنے جلنے یا کسی کے مہمان بن نہ جاتے تھے اور شہر کے حاکم کی ملاقات کو بھی نہ جاتے تھے۔ صرف اگر سلطان اصفہان آتا تو اس سے ملاقات کرتے تھے اور حاکم اصفہان جب بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو دروازہ سے ہی سلام عرض کرتا اور کھڑا رہتا تھا اور اکثر آپ ادھر متوجہ نہ ہوتے اور کافی دیر بعد نظر پڑتی کہ وہ کھڑا ہے تو اس کو بیٹھنے کی اجازت دیتے لیکن کسی قسم کی انکساری کا اظہار نہ کرتے۔ ان کی لائبریری کے راستے میں تین مال خانے تھے۔ جہاں دربان ہوتے تھے ملازمین بکثرت تھے اور دس ان کے امیر تھے۔

جب زیارت مکہ سے مشرف ہوئے اس وقت محمد علی پاشا مصری کا دور حکومت تھا جو آپ کا ارادت مند تھا تو اس نے باغ فدک آپ کو دیا۔ آپ نے سادات مدینہ کو وہ واگزار کر دیا۔

ماہ صیام کے دنوں میں حجۃ الاسلام کی مسجد میں بائیس ہزار نمازی ہوتے تھے۔ ان میں شیعہ علاقوں کے لوگ اور بعض بیرونی ممالک کے لوگ بھی ہوتے تھے سب جگہ آپ کا حکم نافذ ہوتا تھا اور ہر جگہ آپ کے مقلدین پائے جاتے تھے۔ لیکن علمائے امامیہ میں اتنا دولت مند شخص نہ کسی نے اسلاف میں دیکھا، نہ اخلاف کے ہاں سید مرتضیٰ علم الہدیٰ " بھی صاحب ثروت تھے لیکن حجۃ الاسلام کی دولت بہت زیادہ تھی۔ سید مرتضیٰ " کو بھی بہت سطوت واقتدار حاصل ہوا لیکن حجۃ الاسلام کی سخاوت تو بیان ہی نہیں کی جاسکتی۔ کہ آپ کے نام کے آگے برمکیوں اور حاتم کی تو کوئی حقیقت ہی نہیں۔ آخوند ملا علی خوانساریؒ کہتے ہیں کہ ایک دن میں حجۃ الاسلام کے کتب خانہ میں پہنچا تو دیکھا کہ مال امامؑ کی بابت بہت سا سونا، چاندی ان کے سامنے ڈھیر کیا ہوا ہے کہ اس کی وجہ سے دوسری طرف بیٹھے ہوئے لوگ نظر بھی نہ آتے تھے اور یہ ڈھیر ہمارے درمیان حائل تھا۔ فقراء اور سادات کو اطلاع کر دی گئی تھی۔ وہ سارے کے سارے حاضر ہو گئے وہ ہر ایک کو اس ڈھیر میں

سے مٹھی مٹھی بھر بانٹتے رہے۔ تھوڑی دیر نہ گزری کہ وہ سارا مال ختم ہو گیا۔ میں نے بڑی خوشی اور حیرت کے عالم میں کہا: آپ مال امامؑ کی تقسیم میں بہت تیز رفتار ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں باپ کے مال میں سے بیٹا زیادہ تصرف کرتا ہے۔

میرا محمد تنکابنیؒ کہتے ہیں ایک دن اپنے گھر سے میرزا حسن کے مدرسہ جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک گلی سے گزرا جو سیدؒ کے گھر کے پہلو میں تھی تو میں نے دیکھا کہ لاتعداد فقراء اور سادات تیزی سے سیدؒ کے گھر کی طرف جا رہے ہیں کہ گلی سے گزرنا مشکل ہو گیا۔ میں نے پوچھا کہ آخر قصہ کیا ہے جو یہ اتنے لوگ یہاں اکٹھے ہو رہے ہیں تو مجھے جواب ملا کہ امامؑ کے مال سے ۸۰۰ تومان بروجرد سے حجۃ الاسلام کے پاس آئے ہیں اور انہیں نے حکم دیا ہے کہ فقراء و سادات کو بلایا جائے تا کہ مال امامؑ انہیں تقسیم کر دیا جائے۔ جب سب پہنچ گئے تو سب میں تقسیم کر دیا گیا اور اسی وقت وہ ختم ہو گیا۔

بیدلؔ آپ کے زمانے میں ایک شاعر تھا کی کئی کرامات ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ میں نے مصائب کی کتاب کا کچھ حصہ لکھا تھا کہ مقروض ہو گیا۔ دماغ بے حد پریشان ہوا۔ میرے پاس کچھ باقی نہ تھا۔ میں نے کتاب لکھنا بھی بند کر دی۔ مغرب کے وقت دروازہ پر دستک ہوئی میں باہر نکلا ایک شخص نے روپیوں کی سربمہر تھیلی مجھے دی اور کہا کہ اس سے اپنا قرض ادا کرو اور کتاب مصائب کو مکمل کرو۔

دیگر انہوں نے بتایا کہ میں پیدل کربلا جا رہا تھا اور کافی عرصہ تک کھانے کو کچھ نہ ملا۔ بالکل اکیلا تھا بھوک سے یہ حال تھا کہ چلا نہ جاتا تھا ایک ٹوٹا پھوٹا گاؤں نظر آیا کہ بس اس کی تھوڑی بہت گری پڑی دیواریں ہی باقی رہ گئی تھیں۔ بھوک کی شدت سے دیوار کو ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور چلنے کا دم بالکل نہ تھا اچانک اس ٹوٹی ہوئی دیوار کے ایک سوراخ پر نظر پڑی کہ سوکھی روٹیاں اس میں پڑی ہوئی ہیں۔ میں نے ان روٹیوں میں سے ذرا سی کھائی کہ جان بچ جائے اور پھر سوراخ کو بند کر دیا کہ وہ کھانے کے قابل نہ تھیں۔

بیدلؔ نے ایک قصہ اور سنایا کہ دوران سیاحت ایک دفعہ ایک بیابان میں پہنچا جو آبادی سے بہت دور تھا۔ اور رات سر پر آ پہنچی تھی اور کئی وقت سے میں نے کچھ کھایا، پیا نہ تھا۔ مغرب کا وقت ہوا تو میں اس بیابان میں نماز پڑھنے لگا۔ مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد انتہائی کمزوری کی وجہ سے اپنی جگہ بیٹھا رہا اور ذکر خدا کرتا رہا۔ اچانک ایک شخص کو دیکھا جس نے اپنا دسترخوان کھولا تو اس میں تازہ روٹی رکھی ہوئی تھی۔ اور مجھ سے کہنے لگا کھاؤ۔ میں نے بقدر ضرورت کھایا۔ اس نے باقی روٹی دسترخوان میں رکھی اور چلا گیا۔

ایک دفعہ بیدآں بہت پریشان حال اور مقروض ہو گئے تو اصفہان آئے حجۃ الاسلام کی خدمت میں اپنی پریشانی کا تذکرہ کیا۔ ان بزرگوار نے سوتومان نقد دیئے اور سوتومان کی ایک دستاویز دی کہ بروجرد کے فلاں تاجر کو یہ دینا اور رقم وہ دے، لے لینا۔ بیدآں بروجرد گئے وہ دستاویز اس تاجر کو دی تو اس نے تسلیم نہ کی۔ بیدآں نے یہ معاملہ سید کو بتایا تو انہوں نے ایک اور دستاویز ایک اور تاجر کے لیے لکھ دی۔ اس دوسرے تاجر نے فوراً رقم حوالے کر دی۔ پھر اس پہلے تاجر نے بھی درخواست کی کہ مجھ سے بھی رقم لے لو۔ بیدآں نے پھر سید سے عرض کیا کہ دوسرے تاجر نے رقم دیدی ہے اب پہلا تاجر بھی دینا چاہتا ہے۔ تو اب آپ کا کیا حکم ہے۔ ان بزرگوار نے جواب لکھا تو وہ رقم بھی اس سے لے لو اور یہ بھی میں تمہیں عطا کر رہا ہوں۔ اس طرح کل تین سوتومان انہیں مل گئے۔

عید غدیر کے موقع پر اصفہان کے تاجر سب اپنی اپنی حیثیت کے مطابق سو، دوسو یا اس سے کم یا زیادہ سیدؒ کو پیش کیا کرتے تھے کہ آپ فقراء کو بخش دیجئے۔ ایک دفعہ اتفاق سے عید غدیر کے دن وہ مسجد میں پہنچے اور منبر پر آئے ان کے اردگرد پیسوں سے بھری ہوئی تھیلیاں پڑی ہوئی تھیں۔ چاندی، سونا بھی تھا اور پول سیاہ و دہ شاہی (سکہ رائج الوقت) اور ہزار دینار وغیرہ سب تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ تمام فقراء ایک دروازہ پر جمع ہوں ایک ایک کر کے داخل ہوں اور دوسرے دروازے سے نکل جائیں۔ بہت سے فقیر تھے ہر ایک کو مٹھی بھر رقم دیتے جتنی بھی اس میں آجائے اور ایک گھنٹہ بھر میں سارا مال فقراء کو بخش دیا گیا۔ جب حساب لگایا تو اٹھارہ ہزار تومان بنے، جو ایک گھنٹہ میں فقراء میں تقسیم ہو گئے اور دو دکانیں ایک روٹی کی اور ایک قصائی کی فقراء کے لیے تھیں۔ روٹی کی دکان، گندم بھی ان کی، نانبائی کی تنخواہ بھی انہیں کو دینی ہوتی اور اس طرح قصائی کی دکان کا حساب تھا۔ یہ دو دکانیں صرف فقراء کو روٹی اور گوشت فراہم کرنے کے لیے مخصوص تھیں گویا ایک ہزار افراد بلکہ دو ہزار خاندان ان بزرگوار سے روٹی گوشت کا وظیفہ پاتے تھے۔

ایک شخص نے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں بہت بدحال ہو گیا اور کئی وقت تک کھانے کو کچھ میسر نہ آیا ایک رات ایک گلی سے گزر رہا تھا کہ دیکھا کہ حجۃ الاسلام بھی اس گلی سے گزر رہے ہیں۔ جب میرے قریب سے گزرے تو مٹھی بھر زرِ سرخ مجھے دیئے اور خاموشی سے گزر گئے۔

جس سال رشت میں طاعون کی وباء پھیلی بہت سا مال جس کا وارث و مالک کوئی نہ تھا جمع ہوا۔ فتح علی شاہ سید کی ملاقات کو آیا اور ان سے کہنے لگا کہ اب بادشاہ صاحب عیال ہے۔

وہ ہمیں بخش دو۔ سید نے مبلغ بیس ہزار تومان بادشاہ کو عنایت کر دیئے کہ رشت میں یہ مال صرف کیا جائے اور فقرائے مدینہ کو سالانہ وظیفہ دیا کرتے اور طلباء کی بڑی اعانت کرتے بلکہ روساء، درباریوں، تجار، شہزادوں سے سب کو رقم بطور قرض دلایا کرتے اور محلہ بید آباد میں مسجد تعمیر کی تھی کہ ویسی مسجد دنیا میں بھر میں کہیں نہ بنی۔ اس مسجد کی بنیاد اتنی گہری بنائی گئی کہ زمین کی سطح تک آنے میں مبلغ ساٹھ ہزار تومان اس پر خرچہ آیا۔ آپ کی وفات تک ستر ہزار تومان کے اخراجات باقی تھے۔ مرحوم فتح علی شاہ کے ساتھ کہ وہ علماء کو دوست رکھتا تھا اور ان پر احسان و تکلف کرتا تھا سیدؒ مسجد کو دیکھنے گئے۔ سلطان نے درخواست کی کہ اس مسجد کی تعمیر میں مجھے بھی شریک کر لیجئے۔ سیدؒ نے منظور نہ کیا۔ سلطان نے کہا آپ اس تعمیر کو مکمل کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ سیدؒ نے جواب دیا کہ میرا ہاتھ پروردگار عالم کے خزانہ میں ہے۔

جنت مقام، عالم علیم، حجۃ الاسلام چونکہ امر بالمعروف میں اور احکام کے جاری کرنے اور لوگوں پر اجرائے حدود کا بڑا اہتمام کیا کرتے تھے۔ لہٰذا لوگ آپ کے نور کو بجھانے کی بے شمار کوششیں کرتے تھے۔ جب ایک دفعہ سلطان آپ جیسے عظیم الشان عالم سے ملاقات کے لیے نقارے بجاتا ہوا آپ کی دولت سرا کے دروازے پر پہنچا تو سید نے سلطان کے استقبال کے لیے گھر سے نکل کر دروازے تک آنا چاہا۔ ابھی راستہ میں تھے کہ نقارہ کی آواز سنی۔ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر دیئے اور عرض کی کہ پروردگار اولاد زہراؑ کے لیے اس سے زیادہ ذلت نہ ہو۔ اور پھر گھر کی طرف لوٹ گئے۔ آپ کی کرامت کا اثر یہ ہوا کہ چند ہی دن بعد سلطان دنیا سے کوچ کر گیا اور پروردگار عالم کے محاسبہ کے لیے جا پہنچا۔

ایک دفعہ شیطان صفت لوگوں اور سید المرسلین کی شریعت کو تباہ کرنے والوں نے زہر قاتل آپ کے تیار کھانے میں شامل کر دیا۔ باورچی نے ایک نوالہ بلی کو کھلایا۔ بلی فوراً مر گئی۔ فوراً باورچی خانے میں تالا ڈال دیا گیا اور ایک دفعہ حاکم نے چار شرپسندوں کو ایک ایک سو تومان دینے کا وعدہ کیا کہ وہ رات کو سیدؒ کے گھر جائیں اور انہیں شہید کر دیں۔ وہ شرپسند رات کو نقب لگا کر گھر میں داخل ہوئے، ان کے کتب خانہ کے صحن میں جا پہنچے اور گھر میں ایک درخت کے نیچے چھپ گئے، دیکھا کہ سید گھر میں بیٹھے ہیں، چادر اوڑھے ہوئے ہیں اور چراغ روشن ہے۔ سامنے دعاؤں کی کتاب کھلی ہوئی ہے اور دعا پڑھ رہے ہیں، ابر بہار کی طرح زار و قطار رو رہے ہیں۔ ایک نے بندوق تان کر سینہ کا نشانہ لینا چاہا اچانک اس پر عجب ہیبت طاری ہو گئی اور بدن کپکپانے لگا، ہاتھ کانپے اور قریب تھا کہ بندوق اس کے ہاتھ سے گر جائے اس نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا اس نے بندوق تانی لیکن اس پر بھی یہی کیفیت گزری۔ انہوں نے فوراً وہیں توبہ کی اور واپس چلے گئے جبکہ وہ

بزرگواران کی طرف متوجہ بھی نہ ہوئے:

آخر عمر میں مرض میں گرفتار ہو گئے۔ طبیبوں نے بہت علاج کیا لیکن کارگر نہ ہوا۔ زوال کے قریب حاجی کلباسی آپ کی عیادت کے لیے تشریف لائے، تھوڑی دیر بیٹھے رہے۔ جب اوّل زوال شروع ہوا تو آپ سے رخصت ہو کر واپس چلے گئے۔ سیدؒ نے وضو کیا، نوافل ظہر اور نماز ظہر کھڑے ہو کر ادا کی پھر نڈھال ہو گئے جاء نماز پر بیٹھے بیٹھے ہی ایک دانہ تربت امام حسینؑ کا تناول کیا اور فوراً آپ کی روح آشیانِ قدس کی طرف پرواز کر گئی۔ حاجی کلباسی ابھی اپنے گھر بھی نہ پہنچے تھے۔ راستہ میں ان کو خبر ملی کہ سیدؒ اپنے اجداد طاہرینؑ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ حاجی یہ وحشت ناک خبر سنتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو سیدؒ کے گھر پہنچے اور آپ کے اوپر ماتم کیا۔ آخوند ملا علی اکبر خوانساریؒ نے غسل دیا۔ پھر آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور ہاتھ کفن کے اندر کر دیئے۔ ان کی مسجد کے پہلو میں ایک جگہ بنی ہوئی تھی حسب وصیت وہاں دفن کر دیا۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور ان کو ان کے آبائے طاہرینؑ سے ملحق فرمائے۔

☆☆☆

بسم تعالیٰ

سید روح اللہ موسوی امام خمینیؒ

ولادت سے رحلت تک

۱۳۲۰ھ - ۱۴۰۷ھ

بیس جمادی الثانی ۱۳۲۰ ہجری قمری بمطابق ۲۴ ستمبر ۱۹۰۲ عیسوی کو ایران کے صوبہ مرکزی کے شہر خمین میں بنت رسول حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی طیب وطاہر نسل کے خاندان میں آپ ہی کے یوم ولادت باسعادت پر روح اللہ الموسوی الخمینیؒ کی پیدائش ہوئی۔ وہ اپنے آباؤ اجداد کے اخلاق حسنہ کے وارث تھے۔ جنہوں نے نسل در نسل لوگوں کی ہدایت ورہنمائی اور معارف الٰہی کے حصول کے لیے خود کو وقف کر رکھا تھا۔ یہ وہ گھرانہ تھا جو اعلیٰ علمی مفاہیم سے مکمل طور پر آشنا تھا۔ امام خمینیؒ کے پدر بزرگوار آیت اللہ سید مصطفیٰ مرحوم جو آیت اللہ العظمیٰ شیرازیؒ کے ہم عصر تھے، نجف اشرف میں اسلامی علوم کے اعلیٰ مدارج طے کرنے کے بعد درجہ اجتہاد پر فائز ہوئے اور پھر ایران واپس آگئے اور شہر خمین میں تبلیغ و ہدایت کے فرائض انجام دینے لگے۔ حضرت امام خمینیؒ کی ولادت کو ابھی پانچ ماہ سے زیادہ کا عرصہ نہیں گذرا تھا کہ حکومت وقت کے ایجنٹوں نے ان کے والد بزرگوار کی ندائے حق کا جواب بندوق کی گولیوں سے دیا اور انھیں شہید کر دیا۔

اس طرح حضرت امام خمینیؒ انتہائی کمسنی کے عالم سے ہی رنج یتیمی سے آشنا اور مفہوم شہادت سے مانوس ہو گئے۔ انھوں نے اپنا بچپن اور لڑکپن اپنی والدہ محترمہ ہاجرہ خاتون کے دامن شفقت میں گذارا۔ محترمہ ہاجرہ خاتون خود بھی اہل علم وتقویٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور صاحب زبدۃ التصانیف آیت اللہ خوانساری کی اولادوں میں سے تھیں۔ حضرت امام خمینیؒ نے اپنی پھوپھی محترمہ صاحبہ خانم کے دامن تربیت میں بھی پرورش پائی جو ایک دلیر اور باتقویٰ خاتون تھیں لیکن ابھی آپ پندرہ سال کے تھے کہ آپ ان دونوں شفیق اور مہربان ہستیوں کے سایہ عطوفت سے محروم ہو گئے۔

قم کی جانب سفر:

جب تیرہ سو چالیس ہجری قمری کو آیت اللہ العظمیٰ شیخ عبدالکریم حائری یزدی نے قم کی جانب ہجرت کی اس کے کچھ ہی عرصے کے بعد حضرت امام خمینیؒ بھی قم کی جانب روانہ ہو گئے اور آپ نے بڑی ہی تیزی کے ساتھ دینی اور حوزوی علوم

حاصل کئے اور درجہ اجتہاد پر فائز ہوئے۔ اس زمانے میں آپ نے حوزوی دروس جن اساتذہ سے حاصل کئے ان میں مرحوم آقا میرزا محمد علی ادیب تہرانی، مرحوم آیت اللہ سید محمد تقی خوانساری، مرحوم آیت اللہ سید علی یثربی کاشانی اور زعیم حوزہ علمیہ قم آیت اللہ العظمیٰ حاج شیخ عبدالکریم حائری یزدی رضوان اللہ علیہم کا نام لیا جا سکتا ہے۔ آیت اللہ العظمیٰ حائری یزدی کی رحلت کے بعد حضرت امام خمینیؒ نے دیگر مجتہدین کے ہمراہ کوشش کی کہ آیت اللہ العظمیٰ بروجردی حوزہ علمیہ قم کی زعامت قبول کرلیں اور ان کی یہ کوشش کامیاب بھی ہوئی اور آیت اللہ العظمیٰ بروجردی حوزہ علمیہ قم کے زعیم کی حیثیت سے بروجرد سے قم تشریف لے آئے۔ اس وقت تک حضرت امام خمینیؒ کو حوزہ علمیہ میں فقہ و اصول اور فلسفہ و عرفان میں ایک اعلیٰ سطح کے مدرس اور مجتہد کی حیثیت سے لوگ پہچاننے لگے تھے۔ حضرت امام خمینیؒ نے برس ہا برس حوزہ علمیہ قم کے مختلف مراکز میں جن میں مدرسہ فیضیہ، مسجد اعظم، مسجد محمدیہ، مدرسہ حاج ملا صادق اور مسجد سلماسی شامل ہیں، فقہ و اصول فلسفہ و عرفان اور اخلاق کے درس دیتے رہے۔ عراق میں قیام کے دوران حوزہ علمیہ نجف اشرف میں بھی چودہ برس تک مسجد شیخ اعظم انصاری میں علوم اہل بیتؑ کے پیاسوں کو سیراب کرتے رہے۔ آپ نے نجف اشرف میں ہی پہلی بار اسلامی حکومت کا نظریہ اور اصول پیش کئے۔ جو آپ کے ولایت فقیہ کے سلسلے میں دیئے جانے والے دروس کے دوران انتہائی مدلل انداز میں سامنے آئے۔

حضرت امام خمینیؒ جہاد کے محاذ پر:

اللہ کی راہ میں جہاد کا جذبہ آپ کے اندر بدرجہ اتم موجود تھا۔ آپ نے ظلم و ستم کے خلاف جدوجہد لڑکپن سے ہی شروع کردی۔ اس جدوجہد کو آپ کی علمی اور معنوی ترقی کے ساتھ ساتھ عروج حاصل ہوتا رہا اور پھر ایران کے سماجی اور اسلامی دنیا کے سیاسی حالات نے اس جذبہ کو اور بھی تقویت بخشی۔ سن ۶۲۔۱۹۶۱ میں صوبائی اور ضلعی کونسلوں کی تشکیل کے دوران عوام اور علماء کی تحریک میں بھرپور کردار ادا کرنے کا موقع فراہم ہوا۔ اس طرح علماء اور عوام کی ملک گیر تحریک ایرانی عوام کی جدوجہد کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز ثابت ہوئی۔ پندرہ خرداد کو شروع ہونے والی یہ تحریک دو اہم خصوصیات اپنے اندر لے کر اٹھی۔ ایک حضرت امام خمینیؒ کی متفق علیہ قیادت اور دوسرے اس تحریک کا اسلامی تشخص، چنانچہ آگے چل کر اس تحریک کو ایران کے اسلامی انقلاب سے جانا اور پہچانا جانے لگا۔

حضرت امام خمینیؒ جو پہلی عالمی جنگ کے موقع پر صرف بارہ سال کے تھے۔ اپنی یادوں کو بیان کرتے ہوئے فرماتے

ہیں۔ مجھے دونوں ہی عالمی جنگیں یاد ہیں۔ میں چھوٹا تھا مگر مکتب جاتا تھا اور سابق سویت یونین کے فوجیوں کو خمین میں آتے جاتے دیکھتا تھا۔ پہلی عالمی جنگ کے دوران ہمیں حملوں کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ حضرت امام خمینیؒ ایک مقام پر مرکزی حکومت سے وابستہ بعض خوانین (زمینداروں) اور راہزنوں کا نام بھی لیتے ہیں جو لوگوں کا مال واسباب لوٹتے اور حتیٰ ان کی ناموس پر بھی حملے کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں تو لڑکپن ہی سے جنگ کی حالت میں تھا۔ ہم زلقی اور رجب علی جیسے خوانین (زمینداروں) کے ظلم ستم کا شکار تھے ہمارے پاس بھی بندوقیں تھیں اور میں شاید تازہ سن بلوغ کو پہنچا تھا اور کمسن تھا۔ ہمارے علاقے میں مورچے بنائے گئے تھے اور یہ لوگ (خوانین) حملہ کرکے لوٹ مار کرنا چاہتے تھے، اس وقت ہم اس علاقے میں جا کر مورچوں میں پہرہ دیتے تھے۔ تین اسفند ۱۲۹۹ ہجری شمسی (۱۹۲۱) کو رضا خان کی بغاوت نے جو ناقابل انکار شواہد و ثبوت اور تاریخی اسناد کی بنیاد پر برطانیہ کی حمایت سے انجام پائی اور جس کی منصوبہ بندی بھی خود برطانیہ نے کی تھی اگرچہ سلطنت قاجاریہ کا خاتمہ کردیا اور کسی حد تک زمینداروں کی طوائف الملوکی ختم ہوگئی۔ لیکن اس کے عوض ایک آمر شہنشاہ تخت نشین ہوا اور اس کے زیر سایہ ایران کی مظلوم قوم کی تقدیر پر پہلوی خاندان کی آل اولاد نے زمینداروں اور راہزنوں کی جگہ لے لی۔ ان حالات میں علماء نے جن پر آئینی انقلاب کے واقعات کے بعد انگریزوں کی آلہ کار حکومت کی یلغار تھی اور دوسری طرف وہ مغرب زدہ اور نام نہاد روشن خیال افراد کا نشانہ بن رہے تھے۔ اسلام کے دفاع اور اپنی بقا کے لیے کوششیں شروع کردیں۔

آیت اللہ العظمیٰ حاج شیخ عبدالکریم حائری نے اس وقت قم کے علما کی دعوت پر اراک سے قم کے لیے ہجرت کی اور اس کے کچھ ہی عرصے کے بعد حضرت امام خمینیؒ نے جو اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کی بدولت خمین اور اراک کے حوزہ علمیہ میں مقدماتی اور سطوح (درس خارج سے پہلے کے دروس) کو پایہ تکمیل تک پہنچا چکے تھے، قم کے لیے ہجرت کی اور عملی طور پر قم کے نئے دینی مرکز کی تقویت کے لیے بھرپور طریقے سے کوشش کرنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے آپ کا شمار قم کی چندگنی چنی علمی شخصیات میں ہونے لگا اور آپ فقہ واصول اور فلسفہ وعرفان کے ایک جید عالم کی حیثیت سے معروف ہوگئے۔

۱۰ بہمن ۱۳۱۵ ہجری شمسی (۳۰ جنوری ۱۹۳۷) کو آیت اللہ العظمیٰ حائری کی رحلت کے بعد حوزہ علمیہ قم کا وجود خطرے میں پڑ گیا۔ چنانچہ حوزہ علمیہ قم کے بہی خواہ علماء نے فوراً چارہ اندیشی شروع کردی۔ اس دوران آٹھ برسوں تک آیت اللہ العظمیٰ حجت، آیت اللہ العظمیٰ سید صدرالدین صدر اور آیت اللہ العظمیٰ سید محمد تقی خوانساری رضوان اللہ علیہم نے اس

دینی مرکز کی سرپرستی فرمائی۔ اس دوران بالخصوص رضا خان کی حکومت کے خاتمے کے بعد مرجعیت عظمٰی یعنی ایک بزرگ مرجع کے سامنے آنے کا ماحول سازگار ہو گیا۔ آیت اللہ العظمٰی بروجردیؒ ایک عظیم علمی شخصیت تھے جو مرحوم آیت اللہ العظمٰی حائیری کے مناسب جانشین بن سکتے تھے اور حوزہ علمیہ قم کی زعامت سنبھال سکتے تھے۔ چنانچہ یہ بات آیت العظمٰی اللہ حائیری کے شاگردوں اور خاص طور پر حضرت امام خمینیؒ کی طرف سے آیت اللہ بروجردی کے سامنے رکھی گئی اور حضرت امام خمینیؒ نے آیت اللہ بروجردیؒ کو بروجرد سے قم تشریف لانے اور حوزہ کی زعامت قبول کرنے کے لیے راضی کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس دوران حضرت امام خمینیؒ نہایت باریک بینی کے ساتھ معاشرے اور حوزہ علمیہ پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے اور حالات حاضرہ کے بارے میں کتابوں اور اخبارات کا مطالعہ کرتے رہتے تھے اور ساتھ ہی تہران رفت و آمد اور آیت اللہ مدرس جیسی عظیم علمی اور سیاسی شخصیتوں سے کسب فیض کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ یہ سمجھ گئے تھے آئینی انقلاب اور خاص طور پر رضا خان کے برسر اقتدار آنے کے بعد کی ذلت آمیز صورت حال سے نجات کا واحد راستہ حوزہ علمیہ کی بیداری اور علما کے ساتھ عوام کا معنوی رابطہ ہے۔

حضرت امام خمینیؒ نے اپنے مقدس اور الٰہی مشن کی خاطر ۱۳۲۸ ہجری شمسی (۱۹۴۹-۱۹۵۰) میں آیت اللہ مرتضٰی حائیریؒ کے تعاون سے حوزہ علمیہ کے بنیادی ڈھانچے میں اصلاح کا لائحہ عمل تیار کر کے آیت اللہ العظمٰی بروجردیؒ کو پیش کیا۔ اس اقدام کا حضرت امام خمینیؒ کے شاگردوں اور بیدار طلبہ نے بھرپور خیر مقدم کیا اور اس کی زبردست حمایت کی۔

۱۶ مہر ۱۳۴۱ (۸ اکتوبر ۱۹۶۲) کو صوبائی ضلعی کونسلوں کا بل امیر اسد اللہ کی کابینہ میں پاس ہوا۔ جس کی بنیاد پر انتخابات میں حصہ لینے کے لیے امیدوار کے مسلمان ہونے، قرآن کریم کے ذریعہ حلف اٹھانے، رائے دہندگان اور خود امیدوار کے لیے مرد ہونے کی شرط ختم کر دی گئی۔ البتہ خواتین کے انتخابات میں حصہ لینے کی آزادی کچھ دیگر مقاصد پر پردہ ڈالنے کے لیے تھی۔ پہلی دو شرطوں کو ختم کرنے کا مقصد بہائی عناصر کو ملک کے معاملات میں مکمل طور پر دخیل کرنے کو قانونی شکل دینا تھا کیونکہ شاہ کے لیے امریکہ کی حمایت کی شرط یہ تھی کہ ایران، اسرائیل کے ساتھ اپنے تعلقات کو فروغ دے اور ایران کے تینوں اہم اداروں یعنی مجریہ، مقننہ اور عدلیہ میں سامراجی مسلک بہائیت کے پیروکاروں کی موجودگی اسرائیل کے ساتھ ایران کے تعلقات میں فروغ کو یقینی بنا سکتی تھی۔ البتہ حکومت نے اس بل کے تعلق سے حالات کا اندازہ لگانے میں سخت غلطی کی چنانچہ اس بل کی منظوری کی خبر شائع ہوتے ہی حضرت امام خمینیؒ نے قم اور تہران کے بزرگ علماء سے صلاح

ومشورہ کرنے کے بعد بھر پور احتجاج کیا۔ شاہی حکومت کے عزائم سے پردہ ہٹانے اور اس حساس صورت حال میں علما اور حوزہ علمیہ کی خطیر ذمہ داریوں کا احساس دلانے میں حضرت امام خمینیؒ نے بہت ہی اہم کردار ادا کیا۔ شاہ اور وزیر اعظم کے نام علما اور حوزہ علمیہ کے خطوط اور کھلے مراسلوں نے پورے ملک میں شاہی حکومت کے اس نئے قانون کے خلاف احتجاجی لہر دوڑا دی۔ شاہ اور وزیر اعظم کے نام حضرت امام خمینیؒ کے ٹیلی گراموں کا لب ولہجہ بہت ہی تند اور سخت تھا۔ ایک ٹیلی گرام میں حضرت امام خمینیؒ فرماتے ہیں۔

''کہ میں تمھیں ایک بار پھر نصیحت کرتا ہوں کہ خداوند متعال کی اطاعت اور بنیادی آئین کی پیروی کرو اور قرآن، علما قوم اور مسلمان زعما کے احکام کی خلاف ورزی اور بنیادی آئین سے سرپیچی کے بڑے انجام سے ڈرو اور جان بوجھ کر اور بلاسبب ملک کو خطرے میں مت ڈالو بصورت دیگر علمائے اسلام تمہارے بارے میں اپنے نظریے بیان کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔''

بہر حال صوبائی اور ضلعی کونسلوں کا قضیہ ایرانی قوم کے لیے ایک اچھا تجربہ تھا۔ خاص طور پر اس لیے کہ اس واقعے میں ایرانی قوم نے ایک ایسی شخصیت کو بھی پہچان لیا جو اُمت مسلمہ کی قیادت کے لیے ہر جہت سے مناسب تھی۔

صوبائی اور ضلعی کونسلوں کی تشکیل میں ناکامی کے باوجود شاہ پر امریکہ کے مجوزہ نام نہاد اصلاحی پروگرام کو آگے بڑھانے کے لیے واشنگٹن کا دباؤ جاری رہا۔ شاہ نے دو ماہ ۱۳۴۱ ہجری شمسی (۱۹۶۲ـ۱۹۶۳) کو انقلاب سفید کے نام پر ۶ نکاتی پروگرام کا اعلان کیا اور اس سلسلے میں ریفرنڈم کرائے جانے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت امام خمینیؒ ایک بار پھر میدان میں آگئے اور اس سلسلے میں حکمت عملی تیار کرنے کے لیے علماء قم کا اجلاس بلایا۔ حضرت امام خمینیؒ کی تجویز پر شاہ کے اقدامات کے خلاف بطور احتجاج عید نوروز نہ منانے کا فیصلہ کیا گیا۔ حضرت امام خمینیؒ نے اس سلسلے میں جو اعلامیہ جاری کیا، اس میں شاہ کے انقلاب سفید کو انقلاب سیاہ سے تعبیر کیا گیا اور کہا گیا کہ شاہ کے یہ سارے اقدامات امریکہ اور اسرائیل کے مفادات کی تکمیل کے لیے ہیں۔

شاہ نے امریکہ کو یہ اطمینان دلا رکھا تھا کہ ایرانی عوام اس پروگرام کے حق میں ہیں۔ شاہ کے خلاف علماء کا احتجاج اس کے لیے کافی مہنگا ثابت ہو رہا تھا۔ حضرت امام خمینیؒ شاہ کی پرواہ کیے بغیر کھلے عام شاہ کو اسرائیل کا اتحادی قرار دیتے تھے اور اس کے ظالمانہ اقدامات کی مذمت کرتے ہوئے لوگوں کو اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے کی دعوت دیتے تھے۔

آپ نے بارہ فروردین ۱۳۴۲ (۱/ اپریل ۱۹۶۳) کو اپنے ایک خطاب میں علماء قم و نجف اور دیگر اسلامی ملکوں کے علماء کی طرف سے شاہ کے ظالمانہ اقدامات پر اختیار کی گئی خاموشی پر کڑی تنقید کی اور فرمایا کہ آج خاموشی کا مطلب ظالم و جابر حکومت کا ساتھ دینا ہے۔ حضرت امام خمینیؒ نے اس کے اگلے دن یعنی ۱۳ فروردین ۱۳۴۲ (۲ اپریل ۱۹۶۳) کو اپنا مشہور و معروف اعلامیہ جاری کیا جس کا عنوان تھا۔ ''شاہ سے دوستی یعنی تباہی و بربادی میں تعاون''۔

حضرت امام خمینیؒ کے کلام میں حیرت انگیز تاثیر اور مخاطبین پر آپ کی باتوں کے گہرے اثر کا راز صحیح فکر، مضبوط نظریئے اور عوام کے ساتھ صداقت میں تلاش کرنا چاہئے۔ چنانچہ لوگ بھی آپ کے فرمان پر ہمہ وقت اپنی جان قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔ ۱۳۴۲ ہجری شمسی (۱۹۶۳۔۱۹۶۴) کا نیا سال عید نوروز کے بائیکاٹ سے شروع ہوا اور مدرسہ فیضیہ کے مظلوم طلبہ کے خون سے رنگین ہوگیا۔ شاہ، امریکہ کی مرضی کے اصلاحی پروگرام کو نافذ کرنے پر مصر تھا اور حضرت امام خمینیؒ اس سازش سے لوگوں کو آگاہ کرنے اور عوام کو امریکہ کی مداخلت اور شاہ کی خیانت کے مقابلے میں ڈٹ جانے پر راضی کر رہے تھے۔ چودہ فروردین ۱۳۴۲ (۳ اپریل ۱۹۶۳) آیت اللہ العظمیٰ حکیم نے نجف اشرف سے ایران کے علماء کے نام اپنے ٹیلی گرام میں فرمایا کہ سب کے سب ایک ساتھ نجف اشرف کی طرف ہجرت کریں۔ یہ تجویز علماء کی جان کی حفاظت اور حوزہ کے تقدس کو بچانے کے لیے پیش کی گئی تھی۔ لیکن حضرت امام خمینیؒ نے اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر آیت اللہ العظمیٰ حکیم کے ٹیلی گرام کا جواب ارسال کردیا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ علماء کا ایک ساتھ نجف چلا جانا اور حوزہ (قم کے دینی مرکز) کو خالی چھوڑ دینا مناسب نہیں ہے۔

حضرت امام خمینیؒ نے ۱۲ اُردی بہشت ۱۳۴۲ (۱۹۲۱۔۱۹۲۲)) کو شہدائے فیضیہ کے چہلم کی مناسبت سے اپنے ایک پیغام میں غاصب اسرائیل کے خلاف اسلامی ممالک کا ساتھ دینے کے لیے علماء اور ایرانی عوام سے اپیل کی کہ شاہ اور اسرائیل کے درمیان ہوئے معاہدوں کی مذمت کریں۔

پندرہ خرداد (۴ جون) کی تحریک:

۱۳۴۲ ہجری قمری (۱۹۶۲۔۱۹۶۳) کا محرم جو خرداد کے مہینے سے مصادف تھا آن پہنچا۔ حضرت امام خمینیؒ نے اس مہینے کو شاہ کی ظالم حکومت کے خلاف عوام کی تحریک میں تبدیل کردیا۔ حضرت امام خمینیؒ نے عاشورہ کی شام مدرسہ فیضیہ میں ایک تاریخی خطاب کیا جو پندرہ خرداد (چار جون) کی تحریک کا نقطہ آغاز ثابت ہوا۔ حضرت امام خمینیؒ نے اپنے اسی خطاب

میں بلند آواز کے ساتھ شاہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا!

"کہ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ اس طرح کے کاموں سے باز آجا۔ تجھے بے وقوف بنایا جارہا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ایک دن سب لوگ تیرے جانے پر شکرادا کریں......اگر ڈکٹیٹ کرکے سب کچھ تجھ سے کہلوایا جاتا ہے تو تو اس پر ذرا غور کریں۔ سن لے میری نصیحت شاہ اور اسرائیل کے درمیان ایسا کیا رابطہ ہے کہ ساواک کہتی ہے کہ اسرائیل کے بارے میں کچھ مت بولو۔ کیا شاہ اسرائیلی ہے؟"

شاہ نے تحریک کو کچلنے کا حکم جاری کیا۔ سب سے پہلے چودہ خرداد (۳ جون) کی شام کو حضرت امام خمینیؒ کے بہت سے ساتھیوں کو گرفتار کیا گیا اور پھر پندرہ خرداد (چار جون) کو صبح صادق سے پہلے ساڑھے تین بجے تہران سے آئے ہوئے سیکڑوں کمانڈوز حضرت امام خمینیؒ کے گھر کا محاصرہ کرلیتے ہیں اور جس وقت آپ نماز شب میں مشغول تھے آپ کو گرفتار کرلیا جاتا ہے۔ خوفزدہ شاہی کمانڈوز انتہائی سراسیمگی کے عالم میں آپ کو قم سے تہران منتقل کرنے کے بعد پہلے تو آپ کو فوجی افسروں کی جیل میں بند کردیتے ہیں۔ پھر اسی دن شام کو قصر نامی جیل میں منتقل کردیا جاتا ہے۔ پندرہ خرداد (چار جون) کی صبح ہی تہران کے علاوہ مشہد شیراز اور دیگر شہروں میں حضرت امام خمینیؒ کی گرفتاری کی خبر تیزی کے ساتھ پھیل گئی اور قم میں بھی یہی صورت حال پیدا ہوگئی۔ شاہ کے سب سے قریبی ساتھی جنرل حسین فردوست اپنی سرگذشت میں پندرہ خرداد (چار جون) کی تحریک کو کچلنے میں امریکہ کے کہنہ کار سفارتی اور خفیہ اہلکاروں کے اقدامات اور قریبی تعاون نیز عین اس موقع پر شاہ، دربار، فوج اور ساواک کے سربراہان و اعلیٰ افسران کے خوف و ہراس کا ذکر کرتا ہے اور اس کی منظر کشی کرتا ہے کہ شاہ اور اس کے جنرل کس طرح دیوانہ وار اس تحریک کو کچلنے کا حکم جاری کررہے تھے۔ حضرت امام خمینیؒ کو پندرہ دنوں تک قصر جیل میں رکھنے کے بعد عشرت آباد فوجی چھاؤنی میں منتقل کردیا گیا۔

تحریک کے رہبر کی گرفتاری اور عوام کے وحشیانہ قتل عام کے بعد بظاہر پندرہ خرداد ۱۳۴۲ (۵ جون ۱۹۶۳) کی تحریک کچل دی گئی۔ حضرت امام خمینیؒ نے قید کے دوران شاہ کی خفیہ ایجنسی کے اہلکاروں کے ایک بھی سوال کا جواب نہیں دیا اور فرمایا کہ ایران کی حکومت اور عدلیہ غیر قانونی ہے۔ ۱۸ فروردین ۱۳۴۳ (۷ اپریل ۱۹۶۴) کی شام کو کسی پیشگی اطلاع کے بغیر حضرت امام خمینیؒ کو آزاد کرکے قم ان کے گھر پہنچادیا گیا۔ عوام کو جیسے ہی حضرت امام خمینیؒ کی رہائی کی اطلاع ملی۔ پورے شہر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور مدرسہ فیضیہ سمیت قم شہر کے گوشہ و کنار میں کئی دنوں تک جشن منایا گیا۔ پندرہ خرداد کے واقعے اور

شہدا کی پہلی برسی کے موقع پر حضرت امام خمینیؒ اور دیگر مراجع کرام کے مشترکہ بیان میں شہدا کو خراج عقیدت پیش کیا گیا اور حوزہ علمیہ قم نے بھی ایک علیحدہ بیان جاری کر کے پندرہ خرداد کے واقعہ کی یاد میں اس دن عام سوگ منانے کا اعلان کیا۔

حضرت امام خمینیؒ نے چار آبان ۱۳۴۳ (۲۶ اکتوبر ۱۹۶۴) کو اپنا انقلابی بیان جاری کیا اور اس میں تحریر فرمایا!

''کہ دنیا کو جان لینا چاہئے کہ ایرانی عوام اور پوری دنیا کے مسلمان آج جس طرح کی بھی مشکلات اور مصائب میں گھرے ہیں۔ اس کا باعث امریکہ اور بیرونی طاقتیں ہیں، مسلمان اقوام کو بیرونی طاقتوں سے عام طور پر اور امریکہ سے خاص طور پر نفرت ہے۔ یہ امریکہ ہی ہے جو اسرائیل اور اس کے اتحادیوں کی حمایت کرتا ہے۔ یہ امریکہ ہی ہے جو اسرائیل کو مضبوط بنا رہا ہے تا کہ عرب مسلمان بے گھر ہو جائیں۔''

کیپچولیشن بل کے خلاف حضرت امام خمینیؒ کے بیان کے باعث اسی سال آبان (نومبر) کے مہینے میں ایک اور تحریک کا آغاز ہو گیا۔

۱۳ آبان ۱۳۴۳ (۴ نومبر ۱۹۶۴) کی صبح کو ایک بار پھر مسلح کمانڈوز نے جو تہران سے قم پہنچے تھے۔ حضرت امام خمینیؒ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور حیرت کی بات یہ کہ ان کو ٹھیک اسی حالت میں گرفتار کیا گیا جس حالت میں ایک سال پہلے گرفتار کیا گیا یعنی جس وقت آپ نماز شب میں مشغول تھے۔ حضرت امام خمینیؒ کو گرفتار کر کے سخت پہرے میں مہر آباد ہوائی اڈے پر منتقل کر دیا گیا اور پھر وہاں سے ایک فوجی طیارے کے ذریعہ جو پہلے سے تیار کھڑا تھا آپ کو ترکی جلاوطن کر دیا گیا۔ اسی دن شام کو ساواک نے یہ خبر اخبارات میں شائع کی کہ حضرت امام خمینیؒ کو ملکی سالمیت کے خلاف اقدام کرنے کی وجہ سے جلاوطن کر دیا گیا۔ اس خبر کے شائع ہوتے ہی پورے ملک میں گھٹن ماحول کے باوجود احتجاجی مظاہروں اور عام ہڑتالوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دوکانیں اور تجارتی مراکز بند ہو گئے، عوامی، سیاسی اور مذہبی حلقوں کی جانب سے عالمی اداروں، مراجع تقلید کو احتجاجی مراسلے اور ٹیلیگرام بھیجنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس دوران دینی مراکز اور مدارس میں دروس بھی بند رہے۔ ترکی میں حضرت امام خمینیؒ کی جلاوطنی کی مدت گیارہ مہینے کی رہی۔ اس درمیان شاہی حکومت نے انتہائی سختی کے ساتھ انقلابی عناصر کو کچلنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور حضرت امام خمینیؒ کی عدم موجودگی میں امریکہ کی مرضی کی اصلاحات کے پروگرام پر تیزی کے ساتھ عمل کرنا شروع کر دیا۔ ترکی میں حضرت امام خمینیؒ کی جلاوطنی سے حضرت امام خمینیؒ

کو یہ بہترین موقع ملا کہ آپ اپنی معروف فقہی کتاب تحریر الوسیلہ کی تدوین کا کام شروع کریں۔

۱۳ مہر ۱۳۴۳ (۵ اکتوبر ۱۹۶۴) کو امام خمینیؒ اپنے بڑے بیٹے آیت اللہ الحاج آقا مصطفیٰ خمینیؒ کے ہمراہ ترکی سے عراق بھیج دیئے گئے۔ حضرت امام خمینیؒ بغداد پہنچنے کے بعد کاظمین، سامراء اور کربلا میں ائمہ اطہار علیہم السلام اور شہدائے کربلا کی زیارت کے لیے روانہ ہو گئے اور ایک ہفتے کے بعد اپنی قیام گاہ یعنی نجف اشرف پہنچے۔ نجف اشرف میں آپ کے تیرہ سالہ قیام کا آغاز ایسے عالم میں ہوا کہ اگرچہ وہاں بظاہر ایران اور ترکی کی طرح بندش اور گھٹن نہیں تھی لیکن دشمن کے محاذ کی طرف سے مخالفتوں، آپ کے راستے میں رکاوٹوں اور طعنہ زنی کا سلسلہ شروع ہو گیا اور نہ صرف کھلے دشمنوں بلکہ عالم نما نام نہاد اور دنیا پرست عناصر کی طرف سے حضرت امام خمینیؒ کے خلاف اقدامات اور بیان بازیاں اس قدر وسیع پیمانے پر اور اذیت ناک حد تک پہنچ گئی تھیں کہ حضرت امام خمینیؒ نے اپنے تمام تر صبر و تحمل کے باوجود جس کے لیے آپ خاص شہرت رکھتے تھے بارہا ان برسوں کو اپنی جدوجہد کے انتہائی سخت اور تلخ ترین سال سے تعبیر کیا لیکن یہ مصائب و آلام آپ کو اپنے مشن سے باز نہ رکھ سکے۔

حضرت امام خمینیؒ نے تمام تر مخالفتوں کے باوجود اپنے دروس خارج فقہ کا سلسلہ آبان ماہ ۱۳۴۴ (نومبر ۱۹۶۵) میں نجف اشرف میں واقع مسجد شیخ انصاری میں شروع کیا۔ جو عراق سے پیرس کے لیے آپ کی ہجرت تک جاری رہا۔

آپ کے دروس خارج کو کیفیت کے اعتبار سے نجف اشرف میں دیئے جانے والے دیگر دروس خارج میں اعلیٰ ترین دروس میں شمار کیا جاتا تھا۔ حضرت امام خمینیؒ نے نجف اشرف پہنچتے ہی ایران میں عوام اور اپنے انقلابی ساتھیوں کے نام خطوط اور بیانات ارسال کر کے انقلابیوں سے اپنے روابط کو برقرار رکھا اور انہیں ہر مناسبت پر پندرہ خرداد کی تحریک کے مقاصد کو آگے بڑھانے کی تلقین فرمائی۔

حضرت امام خمینیؒ نے جلاوطنی کے برسوں میں تمام مصائب و مشکلات کے باوجود کبھی بھی اپنی جدوجہد سے ہاتھ نہیں کھینچا اور اپنی تقریروں اور پیغامات کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں کامیابی و فتح کی امید زندہ رکھی۔ حضرت امام خمینیؒ نے ۱۹ مہر ۱۳۴۷ کو فلسطینی تنظیم "الفتح" کے نمائندے سے اپنی گفتگو میں عالم اسلام کے مسائل اور ملت فلسطین کے جہاد کے بارے میں اپنے موقف اور نظریات کی تشریح فرمائی اور اپنے اسی انٹرویو میں فرمایا!

"کہ زکوۃ کی رقومات میں سے کچھ حصہ فلسطینی مجاہدین کے لیے مختص کرنا واجب ہے۔"

۱۹۶۹ میں ایران کی شاہی حکومت اور عراق کی بعثی حکومت کے درمیان دونوں ملکوں کی آبی حدود کے مسئلے پر اختلافات شدت اختیار کر گئے۔ عراقی حکومت نے عراق میں موجود ایرانیوں کی ایک بڑی تعداد کو بدترین حالات میں عراق سے نکال دیا۔

عراق کی حکمران بعث پارٹی نے اس بات کی بہت زیادہ کوشش کی کہ وہ ایران کی شاہی حکومت سے امام خمینیؒ کی دشمنی سے فائدہ اٹھائے۔ امام خمینیؒ کی چار برسوں تک تدریس سعی و کوشش نے کسی حد تک حوزہ علمیہ نجف کے ماحول کو بدل دیا تھا اور اس وقت تک ایران کے اندر انقلابیوں کے علاوہ خود عراق، لبنان اور دیگر اسلامی ملکوں میں بھی امام خمینیؒ کے بے شمار حامی پیدا ہو گئے تھے جو آپ کی تحریک کو اپنے لیے نمونہ اور آئیڈیل سمجھتے تھے۔

حضرت امام خمینیؒ اور (۱۹۷۱-۱۹۷۷) جدوجہد کا تسلسل

۱۳۵۰ کے دوسرے نصف میں عراق کی بعثی حکومت اور شاہ کے درمیان اختلافات اور بھی شدت اختیار کر گئے۔ عراق میں موجود ایرانیوں کو وہاں سے نکالا جانے لگا اور بہت سے ایرانی بے گھر کیے جانے لگے۔ حضرت امام خمینیؒ نے عراقی صدر کے نام اپنے ایک ٹیلی گرام میں عراقی حکومت کے ان اقدامات کی سخت مذمت کی۔ حضرت امام خمینیؒ نے اس صورت حال میں خود بھی عراق سے نکلنے کا فیصلہ کیا لیکن بغداد کے حکام نے حضرت امام خمینیؒ کے عراق سے چلے جانے کے بعد کے نتائج کو بھانپ لیا اور انہیں عراق سے نکلنے کی اجازت نہیں دی۔

پندرہ خرداد ۱۳۵۴ ہجری شمسی مطابق چار جون ۱۹۷۵ عیسوی کو قم کے مدرسہ فیضیہ میں ایک بار پھر انقلابی طلباء نے ایک شاندار احتجاجی اجتماع منعقد کیا جو تحریک کی شکل اختیار کر گیا۔ دو دنوں تک جاری اس ایجیٹیشن کے دوران درود بر خمینی اور مرگ بر پہلوی، خمینی زندہ باد، پہلوی حکومت مردہ باد کے نعرے گونجتے رہے۔

شاہ نے اپنی مذہب مخالف پالیسیوں کو جاری رکھتے ہوئے اسفند ۱۳۵۴ مارچ ۱۹۷۵ ہجری شمسی کو ملک کی سرکاری تاریخ کو بے ہودہ طریقے سے ہجری کے بجائے شہنشاہی شاہوں کی سلطنت کے آغاز کی تاریخ سے تبدیل کر دیا۔ حضرت امام خمینیؒ نے اپنے سخت ردعمل میں فتوی جاری فرمایا!

"کہ بے بنیاد شہنشاہی تاریخوں سے استفادہ کرنا حرام ہے۔"

اس موہوم تاریخی مبدا اور آغاز سے بطور کلنڈر استفادے کی حرمت کے فتوئی کا ایران کے عوام نے اسی طرح سے

خیر مقدم کیا جس طرح سے رستا خیز پارٹی کی حرمت کے فتویٰ کا خیر مقدم کیا گیا تھا اور یہ دونوں ہی شاہی اقدامات شاہ کے لیے ذلت و رسوائی کا سبب بنے اور شاہی حکومت نے مجبور ہو کر ۱۹۷۸ء میں شہنشاہی کیلنڈر سے پسپائی اور اسے ختم کرنے کا اعلان کیا۔

اسلامی انقلاب کا عروج اور عوامی تحریک:

امام خمینیؒ نے جو دنیا اور ایران کے حالات پر انتہائی گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔ ہاتھ آئے موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور آپ نے مرداد ماہ ۱۳۵۶ بمطابق ۱۹۷۷ء میں اپنے ایک پیغام میں اعلان فرمایا کہ اب ملکی اور غیر ملکی حالات اور شاہی حکومت کے جرائم کے عالمی اداروں اور غیر ملکی اخبارات میں بھی منعکس ہونے کی بنا پر علمی حلقوں، محب وطن شخصیتوں، ملک و بیرون ملک ایرانی طلباء اور اسلامی انجمنوں کو جہاں جہاں بھی ہوں یہ چاہیے کہ اس موقع سے فوراً فائدہ اُٹھائیں اور کھل کر میدان میں آجائیں۔ یکم آبان ۱۳۵۶ بمطابق ۱۹۷۷ء کو آیت اللہ حاج آقا مصطفیٰ خمینیؒ کو عراق میں زہر دے کر شہید کر دیا گیا آپ کی شہادت اور ایران میں ان کے ایصال ثواب کے لیے منعقد مجالس اور پرشکوہ تعزیتی جلسے ایران کے حوزہ ہائے علمیہ اور مذہبی حلقوں کے دوبارہ اُٹھ کھڑے ہونے کا نقطہ آغاز ثابت ہوئے۔ حضرت امام خمینیؒ نے اس وقت انتہائی حیران کن طریقے سے اس واقعہ کو خداوند عالم کے الطاف خفیہ سے تعبیر کیا۔ اپنے بڑے لخت جگر کی شہادت پر جس حوصلہ، عزم، بردباری اور صبر کا مظاہرہ کیا۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔

جناب آیت اللہ حاج مصطفےٰ خمینیؒ کی شہادت سے ایک دن پہلے ایک ضرورت مند شخص آپ کے پاس آیا اور کچھ رقم کا مطالبہ کیا۔ اُس وقت آپ کے پاس دینے کے لیے کچھ موجود نہ تھا۔ آپ نے اگلے روز آنے کا کہا جبکہ اگلے روز آپ کے فرزند کی شہادت ہو گئی۔ جنازہ کے پر ہجوم موقع پر لوگوں نے دیکھا کہ آپ کس کی تلاش میں ہیں۔ جب لوگوں نے پوچھا تو آپ نے جواب نہ دیا تا آنکہ اُس مستحق شخص کو ڈھونڈا اور اُسے رقم دیتے ہوئے کہا کہ معاف کرنا کل تمہیں دینے کے لیے میرے پاس کچھ نہ تھا۔ وہ شخص ہکا بکا رہ گیا کہ ایسے جان فزا موقع پر اپنے فرزند کی شہادت کو بھول کر ایک مستحق کی مدد کرنے کا فریضہ پورا کیا جا رہا ہے۔

شاہی حکومت نے روزنامہ اطلاعات میں حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں اہانت آمیز مقالہ شائع کر کے آپ سے انتقام لینے کی کوشش کی۔ اس مقالے کی اشاعت کے خلاف قم میں ہونے والا احتجاجی مظاہرہ، رواں دواں

انقلابی تحریک کو مہمیز دینے کا باعث بنا۔ اس احتجاجی مظاہرے کے دوران متعدد انقلابی طلباء شہید اور زخمی ہوئے۔ شاہ اس احتجاجی مظاہرے میں طلباء کا قتل عام کرنے کے بعد احتجاج کے بھڑکے ہوئے شعلوں کو خاموش نہیں کر سکا۔

حضرت امام خمینیؒ کی عراق سے پیرس ہجرت:

نیویارک میں ایران اور عراق کے وزرائے خارجہ کی ملاقات میں حضرت امام خمینیؒ کو عراق سے نکالنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ۲۴ ستمبر ۱۹۷۸ء کو بعثی حکومت کے کارندوں اور سیکورٹی اہلکاروں نے نجف میں حضرت امام خمینیؒ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ اس خبر کے پھیلتے ہی ایران، عراق اور دیگر ملکوں کے مسلمانوں میں شدید غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ چار اکتوبر کو حضرت امام خمینیؒ نجف سے کویت کی سرحد کی جانب روانہ ہوئے۔ کویت کی حکومت نے ایران کی شاہی حکومت کی ایماء پر آپ کو کویت کے اندر آنے کی اجازت نہیں دی۔ اس سے پہلے لبنان یا شام میں حضرت امام خمینیؒ کی ہجرت کی باتیں گردش کر رہی تھیں لیکن آپ نے اپنے بیٹے (حجۃ الاسلام حاج سید احمد خمینیؒ) سے مشورہ کرنے کے بعد پیرس جانے کا فیصلہ کیا اور ۱۶ اکتوبر کو آپ پیرس پہنچ گئے۔

دو دنوں کے بعد پیرس کے مضافاتی علاقے نوفل میں آپ ایک ایرانی کے گھر میں رہائش پذیر ہو گئے۔ الیزہ پیلیس کے عہدہ داروں نے فرانس کے صدر کا یہ پیغام حضرت امام خمینیؒ کو پہنچایا کہ انہیں کسی بھی طرح کی سیاسی سرگرمیوں کی اجازت نہیں ہے۔ آپ نے بھی اپنے سخت ردعمل میں فرمایا کہ اس طرح کی بندشیں ڈیموکریسی کے دعووں کے منافی ہیں اور اگر میں مجبور ہوا کہ اس ایئرپورٹ سے اُس ایئرپورٹ اور ایک ملک سے دوسرے ملک (مسلسل) ہجرت کرتا رہوں پھر بھی اپنے مشن سے دستبردار نہیں ہوں گا۔

انہی دنوں کی بات ہے آپ کے ایک چاہنے والے نے آپ کی دعوت کی اور خاص طور پر ایک دُنبہ گھر میں ذبح کیا گیا اور آپ کو بتایا کہ یہ حلال گوشت ہے اور اسے آپ کے لیے مہیا کیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ حلال نہیں ہے، یہ حرام ہے اس لیے کہ فرانس کا قانون آپ کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ کیا آپ نے متعلقہ حکام سے اس کی اجازت لی ہے اور اگر نہیں لی ہے تو پھر میں اسے نہیں کھا سکتا۔

بہر حال آپ نے جس عظیم الشان مشن کا آغاز کیا تھا اور جس والہانہ انداز میں عوام نے لبیک کہتے ہوئے ہزاروں جانیں قربان کی تھیں۔ اُن قربانیوں کا ثمر حاصل ہونے کا وقت آ گیا۔ حضرت امام خمینیؒ نے نومبر ۱۹۷۸ء میں انقلابی کونسل تشکیل دی۔ شاہ سلطنتی کونسل کی تشکیل اور بختیار کی حکومت کے لیے اعتماد کا ووٹ لینے کے بعد ۱۶ جنوری ۱۹۷۹ء کو ملک

سے فرار ہو گیا۔ امریکہ جس کے لیے شاہ نے تباہی مول لی تھی اور اُس کے حواری ملکوں نے شاہ کو پناہ دینے سے انکار کر دیا۔ عبرت کا نشان بنے۔ شاہ کو دربدری کے بعد مصر نے پناہ دی اور شاہ نے کہا کہ دُنیا میں اُس کے لیے زمین تنگ ہو گئی ہے۔ شاہ کے فرار کی خبر تہران شہر اور پھر پورے ایران میں پھیل گئی اور لوگ یہ خبر سن کر جشن منانے کے لیے سڑکوں پر نکل آئے۔

وطن واپسی:

جنوری ۱۹۷۹ء میں حضرت امام خمینیؒ کی وطن واپسی کی خبریں نشر ہونے لگیں۔ جو بھی سنتا خوشی سے اس کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں۔ لوگوں نے ۱۴ برسوں تک انتظار کی گھڑیاں گنی تھیں۔ ساتھ ہی امام خمینیؒ کے چاہنے والوں کو آپ کی جان کی سلامتی کے بارے میں بھی تشویش تھی کیونکہ شاہ کی آلۂ کار حکومت نے پورے ملک میں ایمرجنسی لگا رکھی تھی۔ حضرت امام خمینیؒ نے اپنا فیصلہ کر لیا اور ایرانی قوم کے نام اپنے پیغامات میں فرمایا تھا کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان مستقبل ساز اور فیصلہ کن ایام میں اپنے عوام کے درمیان رہیں۔ بختیار کی حکومت نے جنرل ہایزر کی ہم آہنگی سے ملک کے تمام ہوائی اڈوں کو غیر ملکی پروازوں کے لیے بند کر دیا تھا۔ مگر بختیار کی حکومت نے بہت جلد پسپائی اختیار کر لی اور عوام کے مطالبات کے سامنے وہ گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئی۔ امام خمینی ۱۲ بہمن ۱۳۵۷ ہجری شمسی مطابق یکم فروری ۱۹۷۹ء کو چودہ برسوں کی جلاوطنی کے بعد فاتحانہ انداز میں ایران واپس تشریف لائے۔ ایرانی عوام نے آپ کا ایسا عدیم المثال اور شاندار تاریخی استقبال کیا کہ مغربی خبر رساں ایجنسیاں بھی اس کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکیں اور خود مغربی ذرائع ابلاغ کا کہنا تھا کہ تہران میں چالیس سے ساٹھ لاکھ افراد نے امام خمینیؒ کا والہانہ استقبال کیا۔

حضرت امام خمینیؒ کی رحلت، وصال یار فراق یاران:

حضرت امام خمینیؒ نے مشن، نصب العین، نظریات اور وہ تمام باتیں جو لوگوں تک پہنچانی تھیں۔ سب کچھ پہنچا دیا تھا اور عملی میدان میں بھی اپنی تمام ہستی اور پورا وجود الٰہی اہداف و مقاصد کی تکمیل کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اب ۴ جون ۱۹۸۹ کو آپ اپنے کو اس عزیز ہستی کے وصال کے لیے آمادہ کر رہے تھے کہ جس کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لیے آپ نے اپنی پوری عمر مبارک صرف کر دی تھی اور ان کا قامت رعنا سوائے اس عظیم ہستی کے حضور کسی بھی طاقت کے سامنے خم نہیں ہوا اور ان کی آنکھوں نے اس محبوب ذات کے سوا کسی اور کے لیے اشک ریزی نہیں کی۔ حضرت امام خمینیؒ کے عرفانی اشعار و غزلیں سب کی سب محبوب کے فراق کے درد و غم اور وصال محبوب کی تشنگی کے بیان سے ہی عبارت تھیں۔ حضرت

امام خمینیؒ کے لیے وہ عظیم اوران کے شیدائیوں کے لئے وہ جانکاہ لمحہ آن پہنچا۔آپ نے خود اپنے وصیت نامے میں رقم فرمایا ہے: خدا کے فضل و کرم سے پرسکون دل، مطمئن قلب، شاد روح اور پرامید ضمیر کے ساتھ بہنوں اور بھائیوں کی خدمت سے رخصت ہوتا ہوں اورابدی منزل کی جانب کوچ کرتا ہوں۔آپ لوگوں کی مسلسل دُعاؤں کامحتاج ہوں اور خدائے رحمٰن ورحیم سے دعا کرتا ہوں کہ اگر خدمت کرنے میں کوئی کمی یا کوتاہی رہ گئی ہوتو مجھے معاف کردے اور قوم سے بھی یہی امید کرتا ہوں کہ وہ اس سلسلے میں کوتاہی اور کمی کو معاف کرے گی اور پوری قوت، اور عزم وارادے کے ساتھ آگے کی سمت قدم بڑھائے گی۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ حضرت امام خمینیؒ نے اپنی ایک غزل میں اپنی رحلت سے کئی سال قبل یہ شعر کہا تھا:

انتظار فرج از نیمہ خرداد کشم

سالہا می گذرد و حادثہ ہا می آید

۱۳خرداد ۱۳۶۸ ہجری شمسی بمطابق ۳ جون ۱۹۸۹ کی رات دس بج کر بیس منٹ کا وقت محبوب سے وصال کا لمحہ تھا۔وہ دل دھڑکنا بند ہوگیا جس نے لاکھوں اور کروڑوں دلوں کو نور خدا اور معنویت سے زندہ کیا تھا۔اس کیمرے کی مدد سے جو حضرت امام خمینیؒ کے چاہنے والوں نے اسپتال میں نصب کررکھا تھا آپ کی علالت، آپریشن اور لقائے حق کے لمحات کو ریکارڈ کیا گیا۔جس وقت ان ایام کی حضرت امام خمینیؒ کے معنوی اور پرسکون حالات کے محض چند گوشوں کی متحرک تصویریں ٹیلی ویژن سے نشر ہوئیں لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی اور دلوں پر یہ تصویریں اتنا گہرا اثر چھوڑ گئیں کہ جن کا سمجھانا اور بیان کرنا ممکن نہیں مگر یہ کہ کوئی خود اس موقع پر موجود رہ کران معنوی کیفیات کو درک کرے۔آپ کے ہونٹ مسلسل ذکر خدا میں مصروف تھے۔زندگی کی آخری راتوں میں اوراس وقت جب آپ کے کئی بڑے آپریشن ہو چکے تھے۔ عمر بھی ۸۷ برس کی تھی آپ نماز شب (تہجد) بجالاتے اور قرآن کی تلاوت کرتے۔عمر کے آخری لمحات میں آپ کے چہرے پر غیر معمولی اور روحانی وملکوتی اطمینان وسکون تھا۔ایسے معنوی حالات میں آپ کی روح نے ملکوت اعلیٰ کی جانب پرواز کی۔جب حضرت امام خمینیؒ کی رحلت جانگداز کی خبر نشر ہوئی گویا ایک زلزلہ آگیا۔لوگوں میں ضبط کا یارا نہ رہا اور پوری دنیا میں وہ لوگ جو حضرت امام خمینیؒ سے محبت کرتے تھے رو پڑے، ایران سمیت پوری دنیا میں حضرت امام خمینیؒ کے چاہنے والوں میں نالہ وشیون کا شور تھا۔کوئی بھی اس عظیم سانحہ کے پہلوؤں اور عوام کے جذبات کو بیان کرنے کی سکت وتوانائی

نہیں رکھتا۔ ایرانی عوام اور انقلابی مسلمان بجا طور پر اس طرح کا سوگ اور غم منا رہے تھے۔ اپنے رہبر و قائد کو آخری رخصت اور انہیں الوداع کہنے کے لیے سوگواروں کا اتنا بڑا سیلاب تاریخ نے کبھی بھی نہیں دیکھا تھا۔ ان سوگواروں نے ایسی ہستی کو الوداع کہا کہ جس نے ان کی پامال شدہ عزت کو دوبارہ بحال کر دیا تھا۔ جس نے ظالم و جابر شاہوں اور امریکی و مغربی لیڈروں کو پسپائی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مسلمانوں کو عزت و وقار عطا کیا تھا۔ اسلامی جمہوری نظام کی تخلیق کی تھی۔ جس کی بدولت ایرانی مسلمان دنیا کی جابر اور شیطانی طاقتوں کے مدمقابل اُٹھ کھڑے ہوئے اور دس برسوں تک بغاوت جیسی سینکڑوں سازشوں اور ملکی و غیر ملکی آشوب و فتنہ کے مقابلے میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ آٹھ سالہ دفاع مقدس جنگ کے دوران تاریخ شجاعت رقم کی۔ جبکہ مدمقابل ایسا دشمن تھا جس کی مشرق و مغرب کی دونوں بڑی طاقتیں وسیع حمایت کر رہی تھیں۔ لوگوں کا محبوب قائد، مرجع تقلید اور حقیقی اسلام کا منادی ان سے جدا ہو گیا تھا۔

جو لوگ ان مفاہیم کو درک نہیں کر سکے اور یہ سارے واقعات ان کی سمجھ سے بالاتر ہیں اگر حضرت امام خمینیؒ کی تدفین اور تشیع جنازہ کی تصویریں اور فلمیں دیکھیں اور حضرت امام خمینیؒ کی رحلت کی خبر سن کر آپ کے دسیوں چاہنے والوں اور شیدائیوں کی حرکت قلب اچانک رُک جانے اور ان کی موت واقع ہو جانے اور اس سانحے کی تاب نہ لانے کے واقعات سنیں اور تشیع جنازے کے دوران شدت غم سے سینکڑوں بیہوش سوگواروں کو لوگوں کے ہاتھوں اسپتالوں اور طبی مراکز تک پہنچائے جانے کے مناظر، تصویروں اور فلموں میں دیکھیں تو ان کی توصیف کرنے سے عاجز رہ جائیں گے لیکن جنہیں عشق حقیقی کی معرفت ہے اور جنہوں نے عشق کا تجربہ کیا ان کے لیے یہ ساری باتیں اور واقعات سمجھ لینا مشکل نہیں ہے۔ حقیقت میں ایران کے عوام حضرت امام خمینیؒ کے عاشق تھے اور انہوں نے آپ کی پہلی برسی کے موقع پر کتنا خوبصورت نعرہ انتخاب کیا تھا "خمینی سے عشق تمام خوبیوں اور اچھائیوں سے عشق ہے"

بہرحال چودہ خرداد ۱۳۶۸ بمطابق چار جون ۱۹۸۹ء ماہرین کی کونسل نے اپنا اجلاس تشکیل دیا اور حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ خامنہ ای کے توسط سے حضرت امام خمینیؒ کا وصیت نامہ پڑھے جانے کے بعد کہ جس میں دو گھنٹے لگے۔ حضرت امام خمینیؒ کے جانشین اور رہبر انقلاب اسلامی کے تعین کے لئے تبادلہ خیال شروع ہوا اور کئی گھنٹوں کے صلاح و مشورے کے بعد حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای کو، جو اس وقت اسلامی جمہوریہ ایران کے صدر تھے اور حضرت امام خمینیؒ کے قریبی شاگرد، اسلامی انقلاب کی ممتاز شخصیتوں اور پندرہ خرداد کی تحریک کے رہنماؤں میں شمار کیے جاتے تھے اور جنہوں

نے دیگر انقلابی جانبازوں کے ہمراہ حضرت امام خمینیؒ کی تحریک کے تمام مراحل میں ہر طرح کی سختیوں اور مصائب و آلام کا سامنا کیا تھا، اتفاق آراء سے اس عظیم وخطیر ذمہ داری کے لیے منتخب کیا گیا۔ مغربی ممالک اور ملک کے اندران کے حمایت یافتہ عناصر حضرت امام خمینیؒ کو شکست دینے کی برسوں کی کوششوں کے بعد مایوس ہو چکے تھے اور وہ اس امید میں تھے کہ امام کی رحلت کے بعد وہ اپنی سازشوں اور ناپاک منصوبوں میں کامیاب ہو سکیں گے۔ لیکن ایرانی عوام کے فہم و فراست، ماہرین کی کونسل کے بروقت فیصلے اور اس فیصلے کی امام کے تمام پیروؤں اور چاہنے والوں کی طرف سے بھرپور حمایت سے انقلاب دشمن عناصر کی تمام امیدوں پر پانی پھیر گیا اور نہ فقط یہ کہ حضرت امام خمینیؒ کی وفات سے ان کا مشن ختم نہیں ہوا بلکہ اسے نئی زندگی مل گئی۔ کہیں الٰہی افکار و نظریات اور حقائق کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے! (سبحان اللہ)

پندرہ خرداد ۱۳۶۸ مطابق ۵ جون ۱۹۸۹ کے موقع پر تہران اور ایران کے دیگر شہروں اور قصبوں، دیہاتوں سے آئے ہوئے دسیوں لاکھ سوگواروں کا ایک سیلاب تھا، جو تہران کے مصلائے بزرگ (عیدگاہ) میں ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ لوگ اس عظیم مرد مجاہد کو، جس نے اپنی تحریک اور انقلاب سے ظلم وستم کے سیاہ دور میں انسانی اقدار و شرافت کی خمیدہ کمر کو استوار کر دیا تھا اور دنیا میں خدا پرستی اور پاک انسانی فطرت کی جانب واپسی کی تحریک کا آغاز کیا تھا، الوداع کہنے کے لیے آئے تھے۔ آپ کے جنازے کی آخری رسومات میں سرکاری رسومات کا کوئی نام ونشان نظر نہیں آتا۔ ساری چیزیں عوامی اور عاشقانہ تھیں۔ حضرت امام خمینیؒ کا پیکر مطہر جو سبز تابوت میں تھا کروڑوں سوگواروں اور ماتم کنان عزاداروں کے ہاتھوں پر ایک نگینے کی مانند جلوہ نمائی کر رہا تھا۔ ہر کوئی اپنی زبان سے اپنے محبوب قائد سے وقت رخصت محو گفتگو تھا اور اشک غم بہا رہا تھا۔

درودیوار پر سیاہ پرچم لگائے گئے تھے، فضا میں چاروں طرف صرف تلاوت کی آواز سنائی دے رہی تھی اور جیسے ہی رات آئی ہزاروں شمعیں اس مشعل فروزاں کی یاد میں مصلی بزرگ (عیدگاہ) اور اس کے اطراف کے ٹیلوں پر روشن ہوگئیں۔ سوگوار وعزادار کنبے ان شمعوں کے گرد حلقہ بنائے بیٹھے تھے اور ان کی نگاہیں ایک نورانی بلندی پر مرکوز تھیں۔ بسیجیوں (رضاکاروں) کی فریاد ''یاحسین'' نے جو یتیمی کا احساس اپنے سینے میں لیے تھے اور اپنا سر وسینہ پیٹ رہے تھے ماحول کو عاشورائی بنا دیا تھا اور چونکہ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ اب حسینی جماران میں حضرت امام خمینیؒ کی دلنشین آواز نہیں سنائی دے گی اس لیے یہ غم انہیں مارے ڈال رہا تھا۔ لوگوں نے پوری رات مصلی بزرگ (عیدگاہ) میں گزاری۔ ۶ جون ۱۹۸۹

کی صبح ہوتے ہی دسیوں لاکھ سوگواروں نے مرجع تقلید آیت اللہ العظمٰی گلپایگانی کی امامت میں اشکبار آنکھوں کے ساتھ حضرت امام خمینیؒ کے پیکر مطہر پر نماز جنازہ پڑھی۔

۱۲ بہمن ۱۳۵۷ ہجری شمسی مطابق یکم فروری ۱۹۷۹ کو حضرت امام خمینیؒ کی فاتحانہ وطن واپسی اور اُن کے استقبال میں شاندار وعدیم المثال اجتماع اور پھر آپ کی آخری رسومات میں سوگواروں کا اس سے بھی عظیم اجتماع تاریخ کے حیران کن واقعات ہیں۔ خبر رساں ایجنسیوں نے یکم فروری سنہ ۱۹۷۹ کو حضرت امام خمینیؒ کی وطن واپسی کے موقع پر استقبال کے لیے آنے والے عاشقوں اور انقلابیوں کی تعداد ۶۰ لاکھ بتائی تھی اور آپ کے جنازے میں شریک سوگواروں کی تعداد ۹۰ لاکھ بتائی جبکہ حضرت امام خمینیؒ کی دس سالہ قیادت کے دوران انقلاب سے دشمنی، آٹھ سالہ جنگ اور مغربی و مشرقی بلاکوں کی مشترکہ سازشوں کی وجہ سے ایرانی عوام نے بے پناہ سختیاں اور مشکلات برداشت کیں اور اپنے بے شمار عزیزوں کو اس راہ میں قربان کیا تھا۔ چنانچہ یہ فطری امر تھا کہ اب ان کا جوش وخروش بتدریج کم ہوجاتا لیکن ایسا ہرگز نہ ہوا۔ حضرت امام خمینیؒ کے الٰہی مکتب میں پرورش پانے والی نسل کو حضرت امام خمینیؒ کے اس فرمان پر پورا یقین واعتقاد تھا کہ اس دنیا میں زحمتوں، مصیبتوں، مشکلات، فداکاری اور جانثاری کی عظمت ان بلند وگرانقدر مقاصد واہداف کے برابر ہوتی ہے۔

حضرت امام خمینیؒ کے سوگواروں کا جم غفیر ''بہشت زہرا'' (تہران کے قبرستان) میں تدفین کے وقت اپنے مقتدا کی آخری جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب تھا۔ لوگ ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑ رہے تھے جس کی وجہ سے آپ کی تدفین ناممکن ہوگئی تھی۔ اس صورتحال کے پیش نظر ریڈیو سے بار بار اعلان کیا گیا کہ لوگ اب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں تدفین کی رسومات بعد میں انجام دی جائیں گی اور بعد میں اس کا اعلان کیا جائے گا۔

ذمہ داران کو بخوبی علم تھا کہ جیسے جیسے وقت گزرے گا لاکھوں عاشقان امام جو دیگر شہروں سے تہران کے لیے روانہ ہوچکے ہیں تشییع جنازہ اور تدفین کی رسومات میں شامل ہوجائیں گے۔ لہٰذا اسی دن سہ پہر کے وقت سوگواروں کے عالم میں حضرت امام خمینیؒ کے جسد مطہر کی تدفین کی گئی۔ حضرت امام خمینیؒ کی رحلت بھی ان کی حیات مبارک کی مانند ایک اور بیداری و تحریک کا سرچشمہ ثابت ہوئی اور ان کی یاد، تعلیمات وافکار اور ان کا مشن زندہ جاوید بن گیا کیونکہ وہ ایک حقیقت تھے اور حقیقت ابدی ولافانی ہوتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام خمینیؒ کا وصیت نامہ

امام خمینیؒ کا وصیت نامہ مثبت لازوال پہلوؤں کی عکاسی کرتا ہے۔ آج کوئی بھی مسلمان ملک اس پر عمل کر کے تمام مشکلات سے نبرد آزما ہو سکتا ہے اور بڑی سے بڑی سپر طاقت کا گھمنڈ خاک میں ملا سکتا ہے۔

درج ذیل آپ کے وصیت نامہ کا اقتباس ہے جو بہت سے مطالب و مفاہیم کی نشاندہی کرتا ہے۔

حدیث ثقلین کی اہمیت:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

ترجمہ:

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، کتاب اللہ اور اپنے اہل بیتؑ۔ یہ دونوں کبھی بھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی۔ یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر میرے ہاں لوٹ آئیں گی''

ترجمہ: (عربی خطبہ)

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور تُو پاک ہے اے اللہ، درود بھیج حضرت محمدؐ اور ان کی آلؑ پر جو مظہر ہیں، تیرے جمال و جلال کے اور خزانے ہیں، تیری اس کتاب کے اسرار کے، جس میں احدیت جلوہ گر ہے، تیرے اسماء کے ساتھ، حتیٰ کہ وہ خاص (اسم) بھی جسے تیرے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور لعنت ہو ان پر ظلم کرنے والوں پر جو شجرۂ خبیثہ کی جڑ ہیں۔''

امابعد:

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ثقلین کے بارے میں مختصراً کچھ باتیں بیان کروں، نہ ان کے غیبی، باطنی اور عرفانی مقامات کے بارے میں کیونکہ اس ضمن میں مجھ جیسے شخص کا قلم عاجز ہے۔ ان کے اس مرتبے کے متعلق کوئی جسارت کرے کہ جس مرتبے کی ملک سے ملکوتِ اعلیٰ تک اور وہاں سے لاہوت تک کے تمام دائرہ وجود کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ جو ہمارے فہم و ادراک سے ماوراء ہے۔ جس کو برداشت کرنا ہمارے بس سے باہر ہے۔ جس کے بارے میں اگر میں کچھ کہوں تو بھی بجا ہے

کہ اس کے متعلق کچھ کہنا ناممکن ہے اور نہ میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ثقل اکبر اور ثقل کبیر کے بلند و بالا مقام کے حقائق سے دوورہ کر انسانیت پر کیا بیتی ہے۔

ثقل کبیر جو خود ثقل اکبر کے سوا ہر چیز سے عظیم تر ہے کہ وہ تو اکبر مطلق ہے اور نہ میں ان تفصیلات میں جانا چاہتا ہوں۔ ان دو ثقلین پر دشمنانِ خدا اور بازی گر طاغوتیوں کے ہاتھوں کیا گزری۔ معلامات کی کمی اور وقت کی قلت کے پیش نظر مجھ جیسے شخص کے لیے ان دشمنانِ خدا کا شمار کرنا بھی مشکل ہے۔ بلکہ میں نے مناسب یہی سمجھا ہے کہ جو کچھ ان دو ثقلین پر بیتی ہے۔ اس کے متعلق نہایت مختصر اور سرسری اشارہ کرتا چلوں شاید یہ جملہ ''لن یفترقا حتیٰ یردا علی الحوض'' اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجودِ مقدس کے بعد ان دو ثقلین میں سے ایک پر جو کچھ گذرے، دوسرے پر بھی گویا وہی کچھ گذرا ہے اور کسی ایک کو چھوڑ دینا، دوسرے کو نظر انداز کر دینے کے مترادف ہے۔ یہاں تک کہ یہ دونوں نظر انداز شدہ چیزیں حوض کوثر پر رسول اللہ کی خدمت میں پہنچ جائیں اور کیا یہ حوض وحدت کے ساتھ کثرت کا مقام اِتصال ہے اور سمندر میں قطروں کا گم ہو جانا ہے یا کوئی اور چیز کہ جس تک انسانی عقل و عرفان کی رسائی نہیں؟

ثقلِ کبیر اور ثقل اکبر کے ساتھ طاغوتیوں کا رویہ:

کہنا چاہیے کہ مسلمان اُمت بلکہ پوری انسانیت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان دو امانتوں پر طاغوتیوں نے جو ظلم ڈھائے ہیں، قلم انہیں بیان کرنے سے عاجز ہے یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ یہ حدیث ثقلین تمام مسلمانوں میں حدیث متواتر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اہل سنت کی صحاح ستہ اور ان کی دیگر کتابوں میں مختلف مقامات پر مختلف الفاظ میں رسول اللہؐ سے متواتر نقل کی گئی ہے اور یہ حدیث شریف تمام انسانوں خصوصاً مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کیلئے محبت قاطعہ ہے۔ تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ اتمام حجت کے بعد جوابدہی کے لیے تیار رہیں اور اگر بے خبر جاہلوں کے لیے کوئی عذر ہو تو ہو لیکن مختلف فرقوں کے علماء کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کتاب خدا پر جو ودیعت الٰہی اور ورثہ پیغمبر اسلامؐ ہیں، کیا بیتی! حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد سے ایسے افسوسناک مسائل شروع ہو گئے، جن پر خون کے آنسو بہانا چاہیے۔ خود پرستوں اور طاغوتیوں نے قرآن کریم کو اپنی قرآن دشمن حکومتوں کے لیے ایک وسیلہ بنا لیا۔ اُنھوں نے مختلف بہانوں اور پہلے سے کی گئی سازشوں کے ذریعے

قرآن کے حقیقی مفسرین اور اس کے ان حقائق آشناؤں کو منظر سے دور کر دیا۔ جنھوں نے سارا قرآن رسول اللہؐ سے سیکھا تھا اور جن کے کانوں میں ''انی تارک فیکم الثقلین'' کی صدا گونج رہی تھی۔ انھوں نے قرآن کو جو حقیقت میں انسان کے لیے حوضِ کوثر پر پہنچ جانے تک مادی و روحانی زندگی کا عظیم ترین دستور ہے بالکل نظر انداز کر دیا اور عدلِ الٰہی کی حکومت پر خط بطلان کھینچ دیا کہ جو اس مقدس کتاب کے اہداف میں سے تھی اور ہے۔ انھوں نے دینِ خدا اور کتاب و سنتِ الٰہی سے انحراف کی بنیاد رکھی۔ پھر نوبت جہاں تک پہنچی اس کی تفصیل میں جانے سے قلم کو شرم محسوس ہوتی ہے۔ یہ ٹیڑھی بنیاد جوں جوں اوپر اٹھتی گئی۔ گمراہیاں اور انحرافات اتنے ہی بڑھتے گئے یہاں تک کہ وہ قرآن کریم جو دنیا والوں کی رشد و ہدایت اور تمام مسلمانوں بلکہ سارے انسانی کنبے کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے لیے احدیت کے مقام بلند سے کشف تام محمدیؐ پر نازل ہوا تھا تا کہ انسانوں کو اس مقام تک پہنچائے جہاں انہیں پہنچنا چاہیے، علم الاسماء کے اس مظہر انسان کو شیاطین اور طاغوتوں کے شر سے نجات دے۔ کائنات کو قسط و عدل تک پہنچائے اور حکومت کو معصوم اولیائے اللہ علیہم صلوات الاولین و الآخرین کے حوالے کرے۔ تا کہ پھر وہ اس حکومت کو ایسے شخص کے سپرد کر دیں جو انسانیت کے لیے مفید ہو لیکن ان خود پرستوں اور طاغوتیوں نے اس قرآن کریم کو منظر سے یوں ہٹا دیا کہ جیسے ہدایت کے سلسلے میں اس کا کوئی کردار ہی نہ ہو اور نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ قرآن کریم ظالم حکومتوں اور طاغوتیوں سے بھی بدتر خبیث ملاؤں کے ہاتھوں ظلم و فساد کے اجرا اور دشمنانِ خدا اور ظالموں کی بداعمالیوں کی توجیہ کا ذریعہ بن گیا۔

نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سازشی دشمنوں اور جاہل دوستوں کے ہاتھوں میں آ کر یہ تاریخ ساز کتاب صرف قبرستانوں اور مرنے والوں کے لیے ایصالِ ثواب کی مجالس تک محدُود ہو کر رہ گئی اور ابھی تک یہی صورتحال ہے۔ جسے تمام مسلمانوں، انسانوں کی یکجہتی کا ذریعہ اور ان کی کتاب زندگی بننا چاہیے تھا، وہ تفرقہ و اختلاف کا باعث بن گئی یا مکمل طور پر منظر سے ہٹ گئی اور ہم نے دیکھا کہ اگر کسی نے اسلامی حکومت کی بات کی یا سیاست کا نام لیا، جب کہ اسلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن و سنت کے عظیم کردار اس سے چھلک رہے ہیں تو گویا اس نے کسی بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا۔ سیاسی ملا کا لفظ بے دین ملا کا مترادف بن چکا تھا اور ابھی تک صورتحال یہی ہے۔ حال ہی میں بڑی شیطانی طاقتیں منحرف اور اسلامی تعلیمات سے دور ایسی حکومتوں کے ذریعے کہ جنھوں نے اپنے آپ کو جھوٹ موٹ اسلام سے وابستہ کر رکھا ہے۔ قرآن کو مٹانے اور بڑی طاقتوں کے شیطانی عزائم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے قرآن کو خوبصورت

رسم الخط میں چھاپ کر اعتراف واکناف میں بھیج رہی ہیں۔ اس شیطانی حیلے سے قرآن کریم کو منظر سے اوجھل کر رہی ہیں۔ ہم سب نے محمد رضا پہلوی کا شائع کردہ قرآن کریم دیکھا ہے۔ اس نے وہ قرآن کریم شائع کر کے بہت سے لوگوں کو دھوکا دے لیا اور مقاصد اسلامی سے بعض بے خبر ملا اس کے مداح بھی تھے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ شاہ فہد ہر سال عوام کی بے پایاں دولت کا بہت سا حصہ قرآن کریم کی طباعت اور قرآن دشمن مذہب کے تبلیغی مراکز پر خرچ کرتا ہے۔ سراپا بے بنیاد اور خرافاتی مسلک وہابیت کی ترویج کرتا ہے، غافل، اقوام کو بڑی طاقتوں کی طرف ہانکے لیے جاتا ہے اور اسلام اور قرآن کریم و قرآن کے انہدام کے سلسلے میں استعمال کر رہا ہے۔

اسلام کی پیروی، قرآن سے وسیلہ جوئی اور عترت سے وابستگی ہمارے لیے قابل فخر ہے۔

ہمیں اور ہماری قوم کو فخر ہے جو سر تا پا اسلام اور قرآن سے وابستہ ہے کہ وہ ایک ایسے مذہب کے پیرو ہیں جو یہ چاہتا ہے کہ ان حقائق قرآنی کو جو سراسر وحدت انسانیت کے علمبردار ہیں، مقبروں اور قبرستانوں سے نجات دے کر انسانیت کے عظیم ترین نجات دہندہ کی حیثیت سے، اُسے اُن تمام بندشوں سے رہائی دلائے جو اس کے ہاتھ پاؤں اور قلب و عقل پر مسلط ہیں اور اسے فنا، نیستی، غلامی اور طاغوتیوں کی بندگی کی طرف کھینچے لیے جاتی ہیں۔ ہمیں فخر ہے کہ ہم ایسے مذہب کے پیرو ہیں جس کی بنیاد خدا کے حکم پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھی تھی اور امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب جیسا تمام قیود سے آزاد بندۂ خدا، انسانوں کو تمام زنجیروں اور غلامیوں سے رہائی دلانے پر مامور ہے۔

ہمیں فخر ہے کہ کتاب نہج البلاغہ جو قرآن کے بعد مادی و روحانی زندگی کا عظیم ترین دستور انسانیت کو آزادی عطا کرنے والی بلند ترین کتاب ہے، جس کے روحانی اور حکومتی احکام سب سے بڑی راہِ نجات ہیں۔ وہ ہمارے امام معصومؑ کا کلام ہے۔

ہمیں فخر ہے کہ آئمہ معصومینؑ حضرت علیؑ ابن ابی طالب سے لے کر انسانیت کے نجات دہندہ حضرت مہدیؑ صاحب الزمان علیہم الاف التحیۃ والسلام تک جو قادرِ مطلق کی قدرت سے زندہ اور ہمارے، تمام اُمور کے شاہد ہیں۔ ہمارے امامؑ ہیں۔

ہمیں فخر ہے کہ زندگی بخش دعائیں جنہیں ''قرآن صاعد'' (آسمان کی طرف اُٹھنے والا قرآن) کہتے ہیں۔ ہمارے آئمہ معصومینؑ کی ہیں۔ اُئمہ کی مناجات شعبانیہ، حضرت حسین بن علیؑ کی ''دُعائے عرفات''، ''صحیفۂ سجادیہ'' جو آلِ محمدؐ کی زبور

ہے اور ''صحیفہ فاطمیہ'' جو حضرت زہرا مرضیہ پر خدا کی طرف سے القا اور الہام شدہ ہے، یہ سب ہماری ہیں اور ہمارے لیے باعث افتخار ہیں۔

ہمیں فخر ہے کہ باقر العلومؑ ہمارے ہیں۔ جو تاریخ کی عظیم ترین شخصیت ہیں۔ خدا، رسولؐ اور ائمہ معصومینؑ کے سوا کسی نے ان کا مقام نہیں پہچانا اور ان کے سوا نہ کوئی ان کے مقام کا ادراک کر سکتا ہے۔

اور ہمیں فخر ہے کہ ہمارا مذہب جعفری ہے اور ہماری فقہ جو ایک بے پایاں سمندر ہے ہمارے مذہب کے آثار میں سے ہے۔ ہمیں تمام ائمہ پر فخر ہے اور ہم نے ان سب کی پیروی کا عہد کر رکھا ہے۔

ہمیں فخر ہے کہ ہمارے ائمہ معصومین علیہ الصلوۃ والسلام نے دین اسلام کی سربلندی اور قرآن کریم کے عملی نفاذ کے لیے جس کا ایک پہلو حکومت عدل کی تشکیل ہے۔ قید و بند، جلا وطنی کی صعوبتیں جھیلیں اور آخر کار اپنے زمانے کی ظالم اور طاغوتی حکومتوں کے خاتمے کی کوششوں میں شہید ہو گئے اور آج ہمیں فخر ہے کہ ہم قرآن و سنت کے احکام کو نافذ کر رہے ہیں۔ اس عظیم اور تاریخ ساز مقصد کی خاطر ہماری قوم کے مختلف طبقے از خود رفتہ ہو کر اپنے جان و مال اور اپنے اعزا و اقارب کو خدا کی راہ میں قربان کر رہے ہیں۔

خواتین پیروانِ زینبؑ ہیں:

ہمیں فخر ہے کہ خواتین، چھوٹی بڑی، نوجوان اور بوڑھی، ثقافتی اور فوجی سب شعبوں میں موجود ہیں اور مردوں کے شانہ بشانہ یا ان سے بہتر انداز میں اسلام اور قرآنی اہداف کی سربلندی کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ جو عورتیں جنگ کی ہمت رکھتی ہیں وہ فوجی تربیت لے رہی ہیں۔ یہ فوجی تربیت اسلام اور اسلامی مملکت کے دفاع کے لیے اہم واجبات میں سے ہے۔ ان عورتوں نے بڑی مردانگی سے اپنے آپ کو ان محرومیوں سے نکال لیا ہے، جو دشمنوں کی سازشوں اور دوستوں کی اسلام و قرآن سے ناواقفیت میں اُن پر بلکہ اسلام اور مسلمانوں پر ٹھونس رکھی تھیں۔ انھوں نے اپنے آپ کو اُن فضول بندشوں سے آزاد کرا لیا ہے۔ جنہیں دشمنوں نے اپنے مفادات کے لیے نادانوں اور بعض ایسے ملاؤں سے بنوایا تھا۔ جنہیں مسلمانوں کے مفادات کی کچھ خبر نہیں تھی اور جو عورتیں جنگ میں شریک نہیں ہو سکتیں وہ اتنے قابل قدر انداز سے محاذ جنگ کے پیچھے مختلف خدمات انجام دے رہی ہیں کہ اپنی قوم کے دل شدت شوق و جذبہ کی وجہ سے ہل رہے ہیں تو دشمنوں اور ان سے بدتر جاہلوں کے دلوں پر غم و غصے کی وجہ سے لرزاں طاری ہے۔ ہم نے کئی بار دیکھا ہے کہ معزز خواتین حضرت

زینب سلام اللہ علیہا کی طرح فریاد کر رہی ہیں۔ جب کہ وہ اپنے بیٹوں کو قربان کر چکی ہیں، انھوں نے اللہ تعالیٰ اور اسلام کی راہ میں کسی چیز سے دریغ نہیں کیا اور انھیں اس پر فخر ہے۔ وہ جانتی ہیں کہ جو کچھ انھوں نے حاصل کیا ہے وہ بہشت بریں سے بھی بالاتر ہے۔ کہاں دنیا کی ناچیز پونجی؟......

امام زمانہ علیہ السلام کے ملک ایران کے خلاف امریکہ کی عاجزی اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد کا کرشمہ ہے

ہماری پوری ملت بلکہ تمام مسلمان اقوام اور دنیا بھر کے مستضعفین کو یہ فخر ہے کہ اُن کے دشمن جو خدائے بزرگ و برتر، قرآن کریم اور اسلام کے دشمن ہیں وہ ایسے درندے ہیں جو اپنے مذموم و ظالمانہ مقاصد کے لیے کسی جرم و خیانت سے بعض نہیں آتے اور اقتدار تک پہنچنے یا اپنے گھٹیا مفادات کے حصول کے لیے دوست اور دشمن میں بھی تمیز نہیں کرتے۔ ان میں سرفہرست امریکہ ہے جو بذات خود ایک دہشت گرد ہے، اُس نے پوری دنیا میں آگ لگا رکھی ہے اور عالمی صیہونیت کے ساتھ ہم پیمان ہے، جو اپنے مفادات کے لیے ایسے ایسے جرائم کا ارتکاب کرتی ہے۔ جنہیں لکھنے سے قلم کو اور ذکر کرنے سے زبان کو شرم آتی ہے۔ عظیم اسرائیل کا احمقانہ خیال انھیں ہر جرم پر اُکساتا ہے۔ مسلمان اقوام اور دنیا بھر کے مستضعفین کو یہ فخر ہے کہ اُن کے دشمنوں میں اُردن کا دورہ بعض مجرم پیشہ شاہ حسین، حسن اور حسنی مبارک جیسے اسرائیل کے ہم پیالہ اور ہم نوالہ ظالم افراد ہیں جو امریکہ اور اسرائیل کی خدمت میں اپنی قوم کے ساتھ کسی خیانت سے باز نہیں آتے۔ ہمیں فخر ہے کہ ہمارا دشمن صدام ہے۔ جسے ہر دوست اور دشمن اُس کے جرائم اور انسانی اور بین الاقوامی حقوق کی خلاف ورزی کی وجہ سے خوب پہچانتا ہے اور سب جانتے ہیں کہ عراق کی مظلوم قوم اور خلیج کی ریاستوں کے ساتھ اُس کی خیانت، ایرانی قوم کے ساتھ خیانت سے کم نہیں ہے۔ ہمیں اور دنیا کی دوسری مظلوم اقوام کو فخر ہے کہ ذرائع ابلاغ اور عالمی پروپیگنڈے کے ادارے ہر اس جرم اور خیانت کے لیے ہمیں اور دنیا بھر کے تمام مظلوموں کو مطعون کرتے ہیں جن کا حکم انھیں ظالم بڑی طاقتیں دیتی ہیں۔

ہمارے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا افتخار ہوگا کہ امریکہ اپنے تمام تر دعووں اور ہر طرح کی جنگی ساز و سامان کے باوجود اپنی تمام پٹھو حکومتوں، غیر ترقیافتہ مظلوم اقوام کی بے پناہ دولت پر کنٹرول اور تمام ذرائع ابلاغ پر تصرف رکھنے کے باوجود ایران کی غیور قوم اور حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ملک کے مقابلے میں اس قدر عاجز و رسوا ہوا ہے کہ اُسے سوجھ ہی نہیں رہا کہ کہاں پناہ لے، وہ جدھر کا رُخ کرتا ہے اُسے نفی میں جواب ملتا ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد کا کرشمہ

ہے کہ اُس نے مختلف اقوام خصوصاً اسلامی جمہوریہ ایران کی قوم کو بیدار کیا اور ستم شاہی کی اندھیر نگری سے نور اسلام کی طرف اُن کی رہنمائی کی۔

نہ شرقی نہ غربی کی راہ پر ثابت قدم رہیں!

اب میں تمام معزز مظلوم اقوام اور ایران کی عزیز قوم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو سیدھا راستہ نصیب فرمایا ہے، جو نہ ملحد مشرق سے وابستہ ہے اور نہ ظالم اور کافر مغرب سے، اس پر نہایت مضبوطی، ذمہ داری اور پائیداری سے قائم رہیں، نعمت کے شکر سے لمحہ بھر کے لیے بھی غافل نہ ہوں۔ بڑی طاقتوں کے ایجنٹوں کے ناپاک ہاتھ، خواہ یہ ایجنٹ بیرونی ہوں یا ان سے بھی بدتر اندرونی، ان کی پاکیزہ نیت اور آہنی ارادے میں رخنہ نہ ڈال سکیں۔ جان لیں کہ عالمی ذرائع ابلاغ اور مشرق و مغرب کی شیطانی طاقتیں جو کچھ اُلٹا سیدھا ہانک رہی ہیں۔ یہ سب آپ کے الٰہی قدرت کا مالک ہونے کی دلیل ہے۔ خدائے بزرگ و برتر اس دنیا میں بھی انھیں سزا دے گا اور دوسری دنیاؤں میں بھی! بے شک وہی تمام نعمتوں کا مالک ہے اور سب کچھ اس کے دست قدرت میں ہے۔

میں انتہائی سنجیدگی اور عاجزی کے ساتھ تمام مسلمان اقوام سے یہ خواہش کرتا ہوں کہ وہ ائمہ اطہارؑ اور دنیائے انسانیت کے ان عظیم راہنماؤں کی سیاسی، معاشرتی، اقتصادی اور فوجی تعلیمات کی تہ دل سے پیروی کریں اور اس سلسلے میں جان و مال اور عزیزوں کی قربانی کی پرواہ نہ کریں۔ ان تعلیمات میں سے ایک روایتی فقہ ہے پس اولیہ اور ثانویہ احکام یہ دونوں ہی اسلامی فقہ کے مکتب ہیں۔ ان سب میں روایتی فقہ سے سرمو انحراف نہ کریں کہ یہ روایتی فقہ رسالت و امامت کے مکتب کی آئینہ دار اور قوموں کی عظمت اور ان کی رشد و ہدایت کی ضامن ہے اور حق و مذہب کے دشمن خناسوں کو وسوسہ اندازی پر کان نہ دھریں اور جان لیں کہ ایک انحرافی قدم بھی مذہب، احکام اسلامی اور حکومت الٰہی کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔ نماز جمعہ اور نماز باجماعت بھی انہی سے ہیں جو نماز کے سیاسی پہلو کا مظہر ہیں اس سے ہرگز غفلت نہ کریں۔ یہ نماز جمعہ اسلامی جمہوریہ ایران پر خدا کی عظیم ترین نعمتوں میں سے ہیں۔

عزاداری سید الشہداءؑ سے غفلت نہ کریں

اسی طرح عزاداری ائمہ اطہار خصوصاً سید الشہداء مظلوم کربلا حضرت ابی عبداللہ الحسینؑ (آپ پر اللہ تعالیٰ، انبیاء ملائکہ اور صلحاء کا درود و سلام ہو) کے مراسم عزاداری سے کبھی غفلت نہ کریں کہ یہ بھی تعلیمات ائمہ کا حصہ ہیں۔

مکتب رسالت و امامت کے دشمنوں پر نفرین پوری تاریخ کے ظالموں کے خلاف اقوام کی مردانہ وار فریاد ہے!

جان لیں کہ تاریخ اسلام کی اس داستانِ شجاعت کی تجلیل کے لیے ائمہ اطہارؑ کا جو حکم ہے اور اہل بیتؑ پر ظلم کرنے والوں پر جو لعنت و نفرین ہے۔ وہ ابد تک کے لیے پوری تاریخ کے ظالموں کے خلاف مختلف اقوام کی مردانہ وار فریاد ہے! اور جان لیں کہ بنی امیہ (لعین) کے ظلم و ستم کے خلاف لعنت و نفرین اور فریاد، باوجود یہ کہ وہ ختم ہو گئے ہیں اور جہنم واصل ہو چکے ہیں، دنیا بھر کے ظالموں کے خلاف فریاد اور اس ظلم شکن فریاد کی بقاء کی ایک کوشش ہے۔ اور ضروری ہے کہ نوحوں، مرثیوں، ائمہ حقؑ کے مدحیہ اشعار میں پوری شدت کے ساتھ ہر زمانے اور ہر ملک کے ظالموں کے ظلم و ستم اور ان کی بد اعمالیوں کا ذکر کیا جائے اور دور حاضر جو امریکہ، روس اور ان سے وابستہ تمام قوموں کی وجہ سے دنیا اسلام کی مظلومیت کا زمانہ ہے کہ خدا کے عظیم حرم کے غاصب آلِ سعود بھی انہی ظالموں میں شامل ہیں۔ ان سب پر خدا، اس کے ملائکہ اور اس کے رسولوں کی لعنت ہو، پوری شدومد کے ساتھ ان کا ذکر کیا جائے اور ان پر لعنت و نفرین کی جائے۔ ہم سب کو جان لینا چاہئے کہ یہی سیاسی رسومات وحدت مسلمین کا سبب ہیں اور مسلمانوں خصوصاً ائمہ اثنا عشر علیہم صلوات اللہ وسلم کے شیعوں کی قومیت کے محافظ ہیں۔

ضروری ہے کہ میں یہ یاددہانی کروادوں کہ میرا یہ سیاسی اور الٰہی وصیت نامہ صرف ایران کی عظیم قوم کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ تمام اسلامی اقوام اور دنیا کے ہر مذہب و ملت کے مظلوموں کے لیے ہے۔

میرے خدائے بزرگ و برتر سے عاجزانہ دُعا ہے کہ وہ لمحہ بھر کے لیے بھی ہمیں اور ہماری قوم کو اپنے حال پر نہ چھوڑے اور ان فرزندانِ اسلام، عزیز مجاہدین پر لمحہ بھر کے لیے اپنی غیبی عنایات سے دریغ نہ فرمائے۔

روح اللہ موسوی الخمینیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ پُرشکوہ عظیم اسلامی انقلاب جو لاکھوں قیمتی انسانوں، ہزاروں زندۂ جاوید شہیدوں اور ایسے مصیبت زدگان (جو زندہ شہید ہیں) کی قربانیوں کا ثمرہ ہے۔ یہ لاکھوں مسلمانوں اور دُنیا بھر کے مستضعفین کی اُمیدوں کا مرکز ہے۔ اس کی اہمیت اس قدر ہے کہ اس کا حق ادا کرنا زبان و قلم کے دائرے سے باہر ہے۔ میں روح اللہ موسوی خمینی اپنی تمام تر خطاؤں کے باجود خدائے بزرگ و برتر کے عظیم کرم سے مایوس نہیں ہوں اور میرے پُرخطر راستے کا زادِ سفر، کریم مطلق کے کرم سے میری یہی دلی وابستگی ہے۔ میں ایک حقیر طالب علم کی حیثیت سے اپنے دوسرے برادرانِ ایمانی کی طرح اس انقلاب، اس کے ثمرات کی بقاء اور اس کی زیادہ سے زیادہ کامیابی کی اُمید رکھتا ہوں۔ اپنی وصیت کے طور پر موجودہ نسل اور آنے والی قابل احترام نسلوں کو کچھ باتیں عرض کرتا ہوں، اگرچہ بہت سی باتوں میں تکرار بھی ہو سکتی ہے اور اس بخشنے والے خدا سے میری دُعا ہے کہ وہ ان ناصحانہ وصیتوں کے بیان میں مجھے خلوص نیت عطا فرمائے۔

انقلاب اسلامی ایران تحفہ الٰہی اور ہدیہ غیبی ہے:

ا۔ ہم سب جانتے ہیں کہ یہ عظیم انقلاب جس نے ایران کو عالمی لٹیروں اور ظالموں کے چنگل سے نجات دلائی، یہ خدا کی تائیدات سے کامیاب ہوا ہے۔ اگر اس میں خدائی طاقت کارفرما ہوتی تو بتیس ملین افراد کے لیے یہ انقلاب لانا ممکن نہیں تھا۔ ان حالات میں جب کہ خاص طور پر اُن آخری سو سالوں میں اسلام اور عالموں کے خلاف پروپیگنڈہ کیا گیا، دانشور، قلم کار اور مقررین اخبارات و رسائل اور تقاریر میں اسلام اور ملت کی دشمن محفلوں اور مجلسوں میں قوم کے نام پر قوم میں بے حساب تفرقہ اندازی کرتے رہے۔ طرح طرح کے اشعار لکھے گئے، بذلہ گوئی کے مظاہرے کیے گئے، نوجوان نسل جسے اپنے عزیز وطن کی تعمیر و ترقی کے لیے سرگرم عمل ہونا تھا۔ اُسے مفلوج کر دینے کے لیے عیاشی، فحاشی، جوئے اور منشیات کے اڈے قائم کیے گئے۔ فاسد شاہ، اس کے احمق باپ، دیگر حکومتوں اور سپر پاورز کے سفارتخانوں کی طرف سے منعقد کی جانے والی خصوصی محافل کی خیانتوں سے فتنہ و فساد پروان چڑھا۔ حالانکہ یہ سب کچھ قوم کی مرضی کے خلاف اس پر ناروا بوجھ تھا۔ اس سے بدتر یہ کہ یونیورسٹیاں، سکول اور دوسرے تعلیمی ادارے جنہیں ملک کی تقدیر سونپی جاتی تھی، سب سے زیادہ بدحالی کا شکار تھے۔ مغرب زدہ یا مشرق زدہ اساتذہ کا تقرر کر کے اسلام اور صحیح قومی اسلامی ثقافت کے سو فیصد برعکس قومیت اور قوم پرستی کو اُبھارا گیا۔ اگرچہ ان اساتذہ میں کچھ درد دل رکھنے والے مخلصین بھی تھے لیکن انتہائی قلیل تعداد

رکھنے اور بالکل الگ تھلگ کر دیئے جانے کی وجہ سے وہ کوئی مثبت کام انجام نہیں دے سکتے تھے۔ ایسے ہی بیسیوں دوسرے مسائل تھے۔ مثلاً علماء کو گوشہ نشینی پر مجبور کر دینا اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے ان میں سے اکثر کو فکری انحراف میں مبتلا کر دینا وغیرہ۔ ان حالات میں ممکن نہیں تھا کہ یہ قوم متحد ہو کر اُٹھ کھڑی ہو اور پورے ملک میں ایک عقیدہ، اللہ اکبر کے ایک نعرہ اور حیران کن کام کی باگ اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ اس بناء پر اس میں کوئی شک نہیں کرنا چاہیے کہ ایران کا اسلامی انقلاب دوسرے تمام انقلابوں سے مختلف ہے۔ وجود میں بھی جدوجہد کی کیفیت میں بھی اور انقلاب کے بنیادی جذبے کے لحاظ سے بھی! بلاشبہ یہ ایک تحفۂ الٰہی اور ہدیۂ غیبی ہے۔ جو خدا کی طرف سے اس مظلوم اور لٹی ہوئی قوم کو عنایت کیا گیا۔

انقلاب اسلامی کی حفاظت تمام مسلمانوں پر واجب ہے:

۲۔ اسلام اور اسلامی حکومت مظہر خداوندی ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے یہ دنیا و آخرت میں اعلیٰ ترین صورت میں اپنے فرزندوں کی سعادت کا ذمہ لیتا ہے اور یہ قدرت رکھتا ہے کہ ظلم و ستم، شر و فساد اور زیادتیوں پر سرخ قلم پھیر دے اور انسانوں کو مطلوبہ کمال تک پہنچا دے یہ ایک ایسا مکتب ہے جو دوسرے غیر توحیدی مکاتب فکر کے برعکس انفرادی، اجتماعی، مادی، روحانی، ثقافتی، سیاسی، فوجی اور اقتصادی شعبہ ہائے زندگی میں دخیل ہے اور ان پر نظر رکھتا ہے، اس نے انسان اور معاشرے کی تربیت اور مادی و روحانی تربیت کے سلسلے میں معمولی سے معمولی نکتے کو بھی نظر انداز نہیں کیا، اس نے سوسائٹی اور فرد کو کمال کے راستے میں حائل موانع و مشکلات سے آگاہ کیا ہے اور انہیں دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب جب کہ خدا کی تائید و توفیق سے متحد قوم کے توانا ہاتھوں نے اسلامی جمہوریہ کی بنیاد رکھ دی ہے، یہ اسلامی حکومت اسلام اور اس کے ترقی پسند احکام کو عملی صورت میں پیش کر رہی ہے۔ اب یہ ایران کی عظیم الشان قوم پر فرض ہے کہ وہ تمام شعبوں میں اس کی کامیابی اور اس کی حفاظت کے لیے کوشاں رہیں کیونکہ اسلام کا دفاع اور حفاظت تمام فرائض میں سرفہرست ہے آدم سے لے کر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیائے عظام نے اس سلسلے میں غیر معمولی جدوجہد اور ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا ہے۔ کوئی چیز بھی انہیں اس عظیم فرض کی تکمیل سے نہ روک سکی۔ اسی طرح بعد میں متعہد صحابہؓ، ائمہ اسلامؑ نے اس سلسلے میں اپنے حوصلے سے بڑھ کر جدوجہد کی اور اپنی جانوں پر کھیل کر بھی اس کی حفاظت کے لیے کوشاں رہے۔

اب خصوصی طور پر ایرانی قوم اور عمومی طور پر تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اس خدائی امانت کی ہر ممکن طریقے سے حفاظت کریں، اس کی بقاء اور اس کے راستے میں حائل تمام رکاوٹوں اور دشواریوں کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ جس

امانت کا ایران میں سرکاری طور پر اعلان کر دیا گیا ہے۔ جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں عظیم نتائج پیدا کیے ہیں اور مجھے اُمید ہے کہ اس کے نور کا پرتو تمام اسلامی ممالک پر جلوہ گر ہوگا، تمام ممالک اور تمام اقوام کی سوچ اس زندگی بخش امر پر متحد ہو جائے گی اور تاریخ کی عالمی خونخوار اور ظالم بڑی طاقتوں کے ظلم وستم سے دنیا بھر کے مظلوموں کو ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی۔

میں اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہا ہوں، اپنا فرض سمجھ کر کچھ ایسی باتیں جو اس نعمتِ الٰہی کی حفاظت میں موثر ہو سکتی ہیں اور کچھ ایسی باتیں جو اس کے لیے رکاوٹ اور خطرہ بن سکتی ہیں، موجودہ نسل اور آئندہ نسلوں کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں۔ میں بارگاہِ رب العالمین میں سب کی توفیق و تائید کے لیے دُعا گو ہوں۔

وحدت کلمہ اور اتحاد اسلامی انقلاب کی بقا کا راز ہے

الف:

بلاشبہ اسلامی انقلاب کی بقا کا راز وہی ہے جو اس کی کامیابی کا راز ہے اور قوم کامیابی کے راز سے آگاہ ہے۔ آنے والی نسلیں تاریخ میں پڑھ لیں گی کہ اس کے بنیادی رکن خدائی محرک، اسلامی حکومت کی بلند منزل اور اسی منزل کے حصول کے لیے ملک بھر کے عوام کا وحدت کلمہ کے ساتھ اتحاد و اتفاق ہیں۔

میں تمام موجود اور آنے والی نسلوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اگر آپ لوگ چاہتے ہیں کہ اسلام اور خدا کی حکومت برقرار رہے، آپ کا ملک داخلی اور خارجی استعماریوں اور استحصاریوں کی سازشوں سے محفوظ رہے تو اس خدائی محرک کو ہاتھ سے نہ جانے دیجئے جس کے متعلق قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تاکید کی ہے۔ یہی خدائی محرک کامیابی اور بقا کا راز ہے اور اسے فراموش کر دینا موجب تفرقہ و اختلاف ہے۔ بے سبب نہیں ہے کہ دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ۔ ان کے مقامی ایجنٹ افواہیں اور تفرقہ انداز جھوٹ پھیلانے کے لیے اپنے تمام وسائل خرچ کر رہے ہیں اور کئی ملین ڈالر اس کی نظر ہو جاتے ہیں۔ اسلامی جمہوریہ کے مخالفین کا اس علاقے میں دائمی سفر بے وجہ نہیں ہے، بدقسمتی سے بعض اسلامی ممالک کے ایسے صاحبانِ اقتدار جنہیں اپنے ذاتی مفادات کے سوا کسی چیز سے کوئی غرض نہیں، جو اپنی آنکھیں، کان بند کر کے امریکہ کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں اور کچھ نام نہاد علماء بھی ان سے ملے ہوئے ہیں۔ آج کل بھی اور آئندہ بھی جس بات سے ایرانی قوم اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو آگاہ ہونا چاہیے اور اس کی اہمیت کو پیش نظر رکھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ ایسے تباہ کن اور تفرقہ انداز

پروپیگنڈے کو بے اثر کیا جائے۔ تمام مسلمانوں اور خاص طور پر ایرانیوں کو خصوصاً عصر حاضر میں میری وصیت یہ ہے کہ وہ ان سازشوں کے مقابلے میں رد عمل کا اظہار کریں اور ہر ممکن طریقے سے اپنی وحدت وثبات میں اضافہ کر کے کافروں اور منافقوں کو مایوس کر دیں۔

طاغوتی سازشوں کو ناکام بنایئے:

ب:

موجودہ صدی، خصوصاً ان سالوں میں خاص طور پر انقلاب کی کامیابی کے بعد جو اہم سازشیں واضح طور پر دکھائی دے رہی ہیں، ان میں سے ایک سازش ہمہ جہت و پروپیگنڈہ ہے۔ جو مختلف مسلمان اقوام اور خصوصاً ایران کی جانثار قوم کو اسلام سے مایوس کرنے کے لیے کیا جارہا ہے۔ کبھی کھلم کھلا یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام کے احکام چودہ سو سال پہلے وضع ہوئے ہیں۔ یہ اس قابل نہیں ہیں کہ عصر حاضر میں ان پر کار بند ہو کر حکومتیں چلائی جاسکیں یا یہ کہ اسلام ایک رجعت پسند دین ہے۔ ہر نئی چیز اور تمدن کے مختلف مظاہر کا مخالف ہے۔ عصر حاضر میں حکومتیں عالمی تمدن اور اس کے مظاہر سے کنارہ کشی نہیں کر سکتیں، اس طرح کے دوسرے احمقانہ پروپیگنڈے، کبھی نہایت تکلیف دہ اور شیطانی انداز میں، اسلام کے تقدس کی طرفداری کرتے ہوئے یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام اور دوسرے الٰہی مذاہب کا تعلق صرف روحانیات، تہذیب نفوس، دینوی جاہ ومناصب سے ڈرانے، ترک دنیا کی دعوت دینے اور ایسی عبادات واذکار اور ادعیاء سے ہے جو انسان کو خدا کے قریب، دنیا سے دُور کر دے اور حکومت، سیاست، اقتدار اس عظیم اور روحانی مقصد کے خلاف ہیں کیونکہ یہ سب تعمیر دنیا کے لیے ہیں۔ جو انبیائے عظامؑ کے مسلک کے خلاف ہے۔ بدقسمتی سے اس دوسری قسم کے پروپیگنڈے نے بعض بے خبر عالموں اور دینداروں پر اتنا اثر ڈالا کہ وہ حکومت وسیاست میں حصہ لینے کو فسق وفجور کے مترادف سمجھنے لگے اور شاید اب بھی بعض لوگ یہی سمجھتے ہیں اور یہ خیال ایک بہت بڑی مصیبت تھی جس میں اسلام مبتلا ہو گیا تھا۔

پہلے گروہ کے بارے میں تو یہی کہنا چاہیے کہ یا تو انہیں حکومت، قانون اور سیاست کا کچھ پتہ ہی نہیں، یا پھر وہ اپنی مصلحتوں کے پیش نظر جان بوجھ کر خود کو انجان ظاہر کرتے ہیں کیونکہ قسط وعدل کے معیار کے مطابق قوانین کا اجراء، ظالموں اور ظالمانہ حکومت کا سدباب انفرادی اور اجتماعی عدل وانصاف کا فروغ، شر وفساد، منکرات وفحشاء اور طرح طرح کی غلط کاریوں کی روک تھام، عقل، عدل اور استقلال کے معیار کے مطابق آزادی، خود کفیل ہونا، استعمار، استحصال اور

غلامی کا سد باب، معاشرے کو فساد ۔ ہی سے بچانے کے لیے عدل و انصاف کے معیار کے مطابق حدود و قصاص اور تعذیرات اور معاشرے کو عدل و انصاف اور عقل کے تقاضوں کے مطابق چلانا اور ایسی ہی اور سینکڑوں چیزیں ایسی نہیں ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ تاریخ وبشر اور معاشرتی زندگی میں پرانی ہوگئی ہیں۔ ان کے دقیانوسی ہونے کا دعویٰ کرنا تو بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کہ موجودہ صدی میں عقلی اور ریاضی کے اُصول وقواعد تبدیل ہونے چاہیے اور ان کی جگہ نئے قوائد رائج ہونے چاہیے۔ اگر ابتدائے آفرینش میں معاشرتی عدل وانصاف کا اجراء اور قتل وغارت کی روک تھام ہونی چاہیے تھی تو اب چونکہ قرآن پاک مکمل ہے یہ روش پرانی ہوگئی ہے اور یہ دعویٰ کہ اسلام جدید چیزوں کا مخالف ہے جیسا کہ معذول محمد رضا پہلوی کہا کرتا تھا کہ یہ لوگ اس ترقی یافتہ زمانے میں جانوروں پر سفر کرنا چاہتے ہیں۔ یہ دعویٰ ایک احمقانہ اقدام سے کوئی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ اگر تمدن کے مظاہر، نئی چیزوں سے مراد اختراعات، ایجادات اور ترقی یافتہ صنعتیں ہیں جو انسانی تمدن وترقی میں عمل دخل رکھتی ہیں تو اسلام اور کسی بھی توحیدی مذہب نے کبھی ان کی مخالفت نہیں کی اور نہ کبھی کرے گا بلکہ اسلام اور قرآن کریم نے تو علم وصنعت پر بہت زور دیا ہے۔ اگر تہذیب وتمدن سے وہ باتیں مراد ہیں جو بعض پیشہ ور آزاد خیال لوگ کرتے ہیں۔ یعنی تمام منکرات وفحشاء حتیٰ کہ ہم جنس پرستی تک میں آزادی تو تمام آسمانی مذاہب، دانشور اور اہل فہم وفراست اس کے مخالف ہیں۔ اگرچہ مغرب اور مشرق زدہ لوگ اندھا دھند تقلید کرتے ہوئے اس کی ترویج کررہے ہیں۔ البتہ دوسرے گروہ نے نہایت تکلیف دہ سازش تیار کررکھی ہے اور وہ اسلام کو حکومت وسیاست سے جدا سمجھتے ہیں۔ ان احمقوں سے کہنا چاہیے کہ قرآن کریم اور سنت رسولؐ میں حکومت وسیاست کے متعلق جتنے احکام ملتے ہیں اتنے اور کسی بھی چیز کے بارے میں نہیں ملتے۔ بلکہ اسلام کی عبادت سے متعلق اکثر احکام عبادت وسیاست سے مربوط ہیں کہ جن سے غفلت میں یہ سب مصیبتیں کھڑی کی ہوئی ہیں۔ پیغمبر اسلامؐ نے حکومت تشکیل دی جو دنیا کی دوسری حکومتوں کی طرح تھی لیکن اس کی بنیاد معاشرتی عدل وانصاف کے فروغ کے جذبہ پر تھی۔ اسلام کے پہلے خلفاء نے بھی وسیع حکومتیں کیں ہیں اور حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی حکومت جس میں وہی جذبہ زیادہ وسیع اور جامع انداز میں کارفرما تھا، تاریخ کے نمایاں حقائق میں سے ہے اور اس کے بعد بھی حکومت بتدریج اسلام کے نام سے منسوب رہی اور آج بھی اسلام اور رسول اکرمؐ کی پیروی میں حکومت اسلامی کے بہت سے مدعی موجود ہیں۔

میں اس وصیت نامے میں ان حقائق کی طرف صرف اشارہ کرنے پر ہی اکتفا کرتا ہوں لیکن میں یہ اُمید رکھتا ہوں کہ

ادیب، ماہرین سماجیات اور مؤرخین مسلمانوں کو اس غلط فہمی سے نکالیں گے اور یہ جو کہا گیا اور کہا جاتا ہے کہ انبیاءؑ صرف روحانیات سے سروکار رکھتے تھے اور دینوی حکومت واقتدار مردود شے ہے اور انبیاءؑ، اولیاء اور بزرگانِ اُمت اس سے احتراز کیا کرتے تھے اور ہمیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے تو یہ ایک افسوسناک غلط فہمی ہے۔ جس کے نتائج اسلامی اقوام کی تباہی اور خونخوار استعماریوں کے لیے راہ ہموار کرنے کی صورت میں ظاہر ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ مردود تو صرف ایسی شیطانی آمرانہ وظالمانہ حکومتیں ہیں جو اقتدار طلبی اور ایسے منحرف دینوی اسباب کے لیے ہے۔ جن سے خبردار کیا گیا ہے، جو مال و دولت کے حصول، اقتدار پرستی اور طاغوت نوازی کے لیے ہے اور مردود تو وہ دنیا ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے۔ لیکن حق کی حکومت جو مستضعفین کی فلاح و بہبود، ظلم وستم کی روک تھام اور معاشرتی عدل وانصاف کے قیام کے لیے ہو۔ جس کے لیے حضرت سلیمان بن داؤدؑ، اسلام کے عظیم الشان پیغمبرؐ اور آپ کے عظیم اوصیاء نے جدوجہد کی ہے، عظیم فرائض میں سے ہے اور اس کا قیام عظیم ترین عبادت ہے چنانچہ صحیح وسالم سیاست جو ان حکومتوں میں رہی ہے۔ امور لازمہ میں سے ہے۔

ایران کی بیدار اور ہوشیار قوم کو چاہیے کہ وہ اسلامی بصیرت کے ساتھ ان سازشوں کو بے اثر کریں، متحد شعراء وادبا قوم کی مدد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں اور سازشی شیاطین کے ہاتھ کاٹ دیں۔

موجودہ عالمی حالات کے جائزہ اور دوسرے انقلابات سے موازنہ کرنے کے بعد اسلامی انقلاب پر تنقید کریں:

ض:

اسی طرح کی سازشوں میں سے زیادہ تکلیف دہ وہ افواہیں ہیں جو ملک اور شہروں میں وسیع پیمانے پر پھیلائی جارہی ہیں کہ اسلامی جمہوریہ نے بھی عوام کے لیے کچھ نہیں کیا۔ بیچارے عوام جنہوں نے طاغوت کی ظالمانہ حکومت سے نجات پانے کے لیے اتنے ذوق وشوق سے ایثار وقربانی کا مظاہرہ کیا تھا اس سے بدتر حکومت کے تسلط میں آ گئے ہیں، مستکبرین، مستکبر تر اور مستضعفین مستضعف تر ہو گئے ہیں۔ قید خانے ان نوجوانوں سے بھرے ہوئے ہیں جو ملک کا مستقبل ہیں اور سزائیں سابقہ حکومت سے بھی بدتر اور غیر انسانی تر ہیں، اسلام کے نام پر ہر روز کئی لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا ہے۔ کاش انھوں نے اس جمہوریہ کو اسلام کے نام سے منسوب نہ کیا ہوتا۔ یہ دور رضا خان اور اس کے بیٹے کے دورِ حکومت

سے بدتر ہے۔ لوگ مشکلات و مصائب اور ہوشربا گرانی میں غوطے کھا رہے ہیں۔ ارباب بست وکشاد اس حکومت کو کمیونسٹ حکومت کی طرف لیے جا رہے ہیں، لوگوں کا مال ضبط کیا جا رہا ہے، ہر معاملے میں قوم آزادی سے محروم ہوگئی ہے۔ اسی طرح کی اور بہت سی باتیں جن کے پس پردہ باقاعدہ کوئی گہری سازش کارفرما ہے۔ اس بات کی دلیل یہ باتیں باقاعدہ کسی سازش کا نتیجہ ہیں، یہ ہے کہ جب بھی چند دن گذرتے ہیں، ایک ہی بات ہر کونے کھدرے میں اور ہر گلی محلے میں لوگوں کی زبانوں پر آجاتی ہے۔ ٹیکسیوں میں بھی وہی، بسوں میں بھی وہی، جہاں بھی چند لوگ جمع ہوں، وہی بات ہونے لگتی ہے اور جب کوئی ایک بات کچھ پرانی ہو جاتی ہے تو کوئی نئی بات پھیل جاتی ہے اور افسوس یہ ہے کہ بعض ایسے علماء جو شیطانی ہتھکنڈوں سے بے خبر ہیں، ایک دو سازشی لوگوں سے مل کر سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ بات سچ ہے اور اصل بات یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگ جو ان باتوں کو سنتے ہیں اور مان لیتے ہیں دنیا کے حالات، عالمی انقلابات اور انقلاب کے بعد واقعات اور اس کی لازمی عظیم مشکلات سے بے خبر ہیں چنانچہ ان دگرگونیوں سے وہ بے خبر ہیں جو سب کی سب اسلام کے مفاد میں ہیں اور آنکھیں بند کر کے لاعلمی میں ان باتوں کو سنتے ہیں اور خود بھی یا غفلت میں یا جان بوجھ کر ان کے ساتھ مل گئے ہیں۔

میں تاکید کرتا ہوں کہ دنیا کی موجودہ حالت کا جائزہ لیے بغیر، انقلاب اسلامی کا دوسرے انقلابات کے ساتھ موازنہ کیے بغیر، ان ممالک اور اقوام کے حالات کو سمجھنے سے پہلے جن پر انقلاب کے دوران اور ان کے انقلاب کے بعد کیا گذرتا رہا، رضا خان اور اس سے بدتر محمد رضا کے ہاتھوں طاغوت کا شکار ہونے والے اس ملک کی اُن مشکلات کی طرف توجہ کیے بغیر جو ان کی لوٹ مار کے دوران اس حکومت کو وراثت میں ملی ہے۔ طاغوتی دور کی خانماں برباد کرنے والی عظیم وابستگیوں سے لے کر وزارتوں دفاتر، معیشت اور فوج کے حالات، عیاشی کے اڈوں، نشہ آور اشیاء کی دکانوں اور زندگی کے تمام معاملات میں بے راہ روی، تعلیم و تربیت، ہائی سکولوں اور یونیورسٹیوں کے حالات، سینما گھروں، عشرت کدوں کی حالت، جوانوں اور عورتوں کی حالت، علماء، دیندار لوگ اور سچے فرض شناس (متعہد) حریت پسندوں، مظلوم عفت دار خواتین اور مسجدوں کی حالت، پھانسی اور عمر قید کی سزا پانے والوں کے مقدمات کی پیروی، جیل خانوں کا انتظام، ارباب اختیار کی کارکردگی کی نوعیت، سرمایہ داروں، زمینوں کے بڑے غاصبوں، ذخیرہ اندوزوں اور گرانفروشوں کے ساتھ سلوک، عدالتوں اور انقلابی عدالتوں کی دیکھ بھال اور گذشتہ دور کی عدالتوں اور ججوں کے ساتھ اس کا موازنہ، اس دور میں آنے

والے مجلس شورائے اسلامی (پارلیمنٹ) کے ممبروں، حکومتی کابینہ کے افراد، گورنروں اور دیگر حکام کے حال کا جائزہ اور گذشتہ دور کے ساتھ ان کا موازنہ، پینے کے پانی اور شفاء خانہ تک تمام حقوق سے محروم دیہاتوں میں حکومت اور جہاد سازندگی (تعمیراتی جہاد) کی کارکردگی کا جائزہ اور اس کا گذشتہ حکومت کے پورے دور کے ساتھ موازنہ، مسلط کردہ جنگ اور اس کے نتائج مثلاً لاکھوں بے گھر افراد، شہداء کے خاندانوں اور جنگ میں متاثر ہونے والوں لاکھوں افغانی اور عراقی مہاجروں کی مشکل کو مدنظر رکھتے ہوئے امریکہ اور اس کے بیرونی اور اندرونی پٹھوؤں کی طرف سے اقتصادی بائیکاٹ اور پے در پے سازشوں کے پیش نظر حسب ضرورت مسائل سے آگاہ مبلغین اور شرعی قاضیوں کی عدم موجودگی، اسلام کے مخالفین، گمراہ لوگوں اور حتیٰ ناداں دوستوں کی طرف سے جو مسائل پیدا کیے جا رہے ہیں اور بیسیوں اسی طرح کے دیگر مسائل کا اضافہ کریں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ مسائل سے آگاہی سے پہلے، اعتراض، شدید تنقید اور فحش زبان کا استعمال نہ کیجئے اور اس مظلوم اسلام پر رحم کھایئے جو زورمندوں کے سینکڑوں سال کے ظلم اور عام لوگوں کی نادانی کی وجہ سے آج ایک نیا راہ چلنے والا بچہ اور بیرونی و اندرونی دشمنوں کے سامنے ایک کمزور نومولود ہے اور آپ اعتراض کرنے والے سوچ لیجئے کہ کیا بہتر نہیں کہ کچلنے کے بجائے اصلاح اور تعاون کیلئے کوشش کریں اور منافقوں، ظالموں، سرمایہ داروں اور خدا سے نہ ڈرنے والے بے انصاف ذخیرہ اندوزوں کی حمایت کے بجائے مظلوموں، ستم رسیدہ لوگوں اور غریبوں کے حامی بن کر رہیں۔ بلوائی گروہوں اور مفسد دہشت گردوں کی صورت میں رہنے اور بلاواسطہ ان کی حمایت کی بجائے مظلوم علماء سے لے کر فرض شناس خدمت گذاروں تک قتل ہونے جانے والے افراد کی طرف دھیان دیجئے؟

میں نے کبھی کہا ہے نہ کہوں گا کہ آج اس اسلامی جمہوریہ میں اسلام عظیم پر اس کے تمام پہلوؤں کے ساتھ عمل ہو رہا ہے اور کچھ لوگ نادانی، ناسمجھی اور بے انضباطی کے تحت اسلامی قوانین کے خلاف عمل نہیں کر رہے ہیں لیکن عرض کرتا ہوں کہ مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ انتھک لگن کے ساتھ اس ملک کو اسلامی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور کروڑوں کی آبادی والی قوم بھی ان کی حمایت اور مدد کر رہے ہیں اور اگر یہ مٹھی بھر معترضین اور روڑے اٹکانے والے بھی تعاون کریں تو ان مقاصد کا حصول آسان اور جلد ممکن ہو سکے گا اور اگر خدانخواستہ یہ لوگ باز نہ آئیں کیونکہ کروڑوں عوام بیدار ہو چکے ہیں اور مسائل سے آگاہ اور میدان میں حاضر ہیں تو خداوند متعال کی مشیت سے انسانی، اسلامی مقاصد بڑے پیمانے پر جامع عمل

پہنچیں گے اور معترضین اس طوفانی سیلاب کے سامنے نہ ٹھہر سکیں گے۔

موجودہ ایرانی قوم صدر اسلام کی حجازی، کوفی اور عراقی اقوام سے بہتر ہے:

میں جرأت کے ساتھ دعویٰ کرتا ہوں کہ آج کی ایرانی قوم اور اس کی کروڑوں کی آبادی آج کے دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حجازی اور امیر المومنین (علیؑ) وحسین ابن علیؑ کے دور کی کوفی اور عراقی اقوام سے بہتر ہے۔

دور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجاز میں مسلمان بھی ان کی اطاعت نہیں کرتے تھے اور مختلف بہانے بنا کر محاذوں پر نہیں جاتے تھے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں کچھ آیات کے ذریعے ان کی سرزنش کرتے ہوئے عذاب کی وعید سنائی ہے اور اس حد تک ان کو جھوٹ کی نسبت دی کہ نقل (شدہ روایت) کے مطابق آپؐ نے منبر سے ان پر لعنت بھیجی۔ عراق اور کوفہ والوں نے اس حد تک امیر المومنینؑ کے ساتھ غلط سلوک اور نافرمانی کی کہ آنحضرتؑ کے شکوے نقل و تاریخ کی کتب میں مشہور ہیں۔ عراق و کوفہ کے ان مسلمانوں نے سید الشہداءؑ کے ساتھ وہ سلوک کیا اور جن لوگوں نے ان کی شہادت میں اپنے ہاتھوں کو آلودہ نہ کیا۔ یا تو وہ میدان سے فرار ہوئے یا اس تاریخی جرم کے واقعہ ہونے تک بیٹھے رہے۔ لیکن آج دیکھتے ہیں کہ ایرانی قوم مسلح افواج، پولیس، سپاہ (پاسداران) اور بسیج کی مسلح فورسز سے لے کر قبائل اور رضا کاروں کی عوامی طاقتوں اور محاذوں پر موجود افواج سے لے کر محاذ کے پیچھے موجود عوام تک انتہائی جذبہ و شوق سے کس طرح کی قربانیاں دے رہے ہیں اور کتنی رزمیہ داستان تخلیق کر رہے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ پورے ملک کے محترم عوام کتنی گراں قدر امداد کر رہے ہیں اور شہداء کے لواحقین اور جنگ سے متاثرہ افراد اور ان کے متعلقین بہادرانہ انداز کے چہروں اور اشتیاق و اطمینان سے بھرپور گفتار و کردار کے ساتھ ہمارے سامنے آتے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ، اسلام اور ابدی زندگی کی نسبت ان کے عشق و جذبہ اور پختہ ایمان کی وجہ سے ہے۔ حالانکہ نہ وہ حضور اکرمؐ کے محضر مبارک میں ہیں اور نہ امام معصومؑ کی بارگاہ میں اور اس کے اسباب غیب پر ان کا ایمان و یقین ہے اور مختلف پہلوؤں میں کامیابی اور فتح کا راز یہی ہے اسلام کو فخر کرنا چاہیے کہ اس طرح کے فرزندوں کی تربیت کی ہے۔ ہم سب فخر کرتے ہیں کہ اس قسم کے دور اور اس طرح کی قوم کے ساتھ ہیں۔

اسلامی جمہوریہ کے مخالفین غور و فکر سے کام لیں!

میں یہاں ایک وصیت ان افراد کو کرتا ہوں جو مختلف وجوہات کی بنا پر اسلامی جمہوریہ کی مخالفت کرتے ہیں۔ نیز ان

جوانوں* کو چاہیے وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں جو موقع پرست، مفاد پرست، منافقوں اور گمراہ لوگوں کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں کہ وہ غیر جانب دار ہو کر کھلے دل سے بیٹھ کر انصاف کریں اور ان لوگوں کے پروپیگنڈوں کا جائزہ لیں جو چاہتے ہیں کہ اسلامی جمہوریہ کی حکومت شکست کھا جائے، غریب طبقوں کے ساتھ ان کے طرزِ عمل اور سلوک ان کی حمایت کرنے والے عناصر اور حکومتوں کا اور مختلف واقعات میں ان کے موقفوں میں تبدیلی کا بغور کسی خود غرضی کے بغیر جائزہ لیں اور ان لوگوں کے حالات کا مطالعہ کریں جو اسلامی جمہوریہ میں منافقین اور منحرف لوگوں کے ہاتھوں شہید ہوئے، ان کا موازنہ دشمنوں کے ساتھ کریں ان شہیدوں کی کیسٹیں کچھ حد تک، اور مخالفین کی کیسٹیں بھی شاید آپ کے پاس ہوں گی۔ دیکھیے کونسا طبقہ معاشرہ کے محروموں اور مظلوموں کا حامی ہے؟

بھائیوں! آپ ان صفحات کو میری وفات سے پہلے نہیں پڑھیں گے۔ ممکن ہے میرے بعد پڑھ لیں گے۔ اس وقت میں آپ کے درمیان نہیں ہوں گا تاکہ اپنے مفاد کے لیے یا مقام اور اثر و رسوخ کے حصول کی خاطر آپ کی توجہ مبذول کر کے آپ کے جوان دلوں کے ساتھ کھیل سکوں۔

چونکہ آپ شائستہ جوان ہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنی جوانی اللہ، اسلامِ عزیز اور اسلامی جمہوریہ کے لیے وقف کریں تاکہ دونوں جہاں کی بھلائی پا سکیں اور خداوندِ غفور سے چاہتا ہوں کہ آپ کو انسانیت کے سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کرے اور ہمارے ماضی سے اپنی رحمت واسطہ کے ذریعے درگذر کرے، آپ بھی خلوتوں میں اللہ سے یہی دُعا کریں اس لیے کہ وہ ہدایت کرنے والا اور رحمٰن ہے۔

ان تنصرُ اللّٰہ یَنْصُرْکُم ویثبت اقدامکم

اور ایک وصیت ایران کی شریف قوم اور فاسد حکومتوں اور بڑی طاقتوں کے ہاتھوں مجبور و بےبس دیگر اقوام کے لیے کرتا ہوں، عزیز ایرانی عوام کے لیے تاکید کرتا ہوں کہ جو نعمت اپنی عظیم جدوجہد اور اپنے گرڑیل جوانوں کے لہو سے حاصل کی ہے، سب سے عزیز معاملات کی طرح اس کی قدر کیجئے اور اس کی حفاظت و پاسداری کریں اور اسی کی راہ میں جو عظیم الٰہی نعمت اور خداوند عالم کی ایک بڑی امانت ہے۔ جدوجہد کریں اور اس صراط مستقیم میں پیش آنے والی مشکلات سے نہ گھبرائیے۔ اس لیے کہ ان تنصر اللّٰہ یَنْصُرْکُم ویثبت اقدامکم نیز اسلامی جمہوریہ کے مسائل میں دل و جان سے حصہ لیں اور انہیں رفع کرنے کے لیے سعی کریں۔ حکومت و پارلیمنٹ کو اپنی سمجھ لیں، ایک عزیز محبوب کی حیثیت

سے ان کی حفاظت کریں، پارلیمنٹ، حکومت اور ارباب اختیار کے لیے تاکید کرتا ہوں کہ اس ملت کی قدر جان لیں، ان کی بالخصوص غریبوں، محروموں اور ستم رسیدہ لوگوں کی خدمت میں کوتاہی نہ کریں جو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اور سب کی دلی نعمت ہیں، اسلامی جمہوریہ بھی انہی کی مساعی کا نتیجہ ہے اور انہیں کی قربانیوں سے وجود میں آیا ہے۔ اس کی بقاء بھی انہی کی خدمات پر منحصر ہے، خود کو عوام سے اور انہیں اپنا سمجھ لیں، طاغوتی حکومتوں کی جو تہذیب لٹیرے اور احمق، زورمند (حکومتیں تھیں) اور ہیں ہمیشہ مذمت کرتا ہوں، البتہ ایسے انسانی کردار کے ذریعے جو ایک اسلامی حکومت کے لیے زیب دیتا ہوں۔

مسلمان اقوام کی بدبختی کا سبب مغرب و مشرق سے وابستہ حکومتیں ہیں

مسلمان اقوام کے لیے تاکید کرتا ہوں کہ اسلامی جمہوریہ کی حکومت اور مجاہد ایرانی قوم سے سبق لیں، اپنی جابر حکومتوں کو اگر قوموں کے فیصلوں کے سامنے (جو ایرانی قوم کے فیصلوں کی طرح ہیں) سر نہ جھکائیں تو پوری طاقت کے ساتھ اپنی جگہ بٹھا دیجئے۔ اس لیے کہ مسلمانوں کی بدبختی کا سبب مغرب و مشرق سے وابستہ حکومتیں ہیں اور شدت کے ساتھ تاکید کرتا ہوں کہ اسلام اور اسلامی جمہوریہ کے مخالفین کے پروپیگنڈے پر کان نہ دھریں، اس لیے کہ ان سب کی کوشش یہ ہے کہ اسلام کا عمل دخل ختم کر دیں تاکہ سپر طاقتوں کے مفاد کا تحفظ ہو سکے۔

علماء اور دانشوروں کے درمیان اختلافات پیدا کرنا استعماری طاقتوں اور ان کے پٹھوؤں کا شیطانی منصوبہ ہے:

د۔ استعمار اور استحصال کرنے والی سپر طاقتوں کے شیطانی منصوبوں میں سے ایک علماء کو گوشہ نشین کرنے کا منصوبہ ہے جو طویل مدت سے جاری ہے اور مملکت ایران میں رضا خان کے زمانے سے عروج کو پہنچا اور محمد رضا کے زمانے میں مختلف طریقوں اور منصوبوں کے ساتھ جاری رہا۔

رضا خان کے زمانہ میں دباؤ، تشدد لباس چھیننے، (رضا شاہ کے باپ نے پردہ کرنے پر پابندی لگائی تھی اور حکم جاری کیا تھا کہ سر عام پردہ کرنے والی خواتین کے سروں سے چادریں چھین لی جائیں اور اس حکم پر عمل کیا گیا) قید و بند، شہر بدری یا جلاوطنی، بے عزتی نیز دیگر مشابہ طریقوں سے (جاری رہا) اور محمد رضا کے دور میں دوسرے طریقوں منصوبوں کے ساتھ جن میں سے ایک کالج یونیورسٹی والوں اور علماء کے درمیان دشمنی پیدا کرنا تھا۔ اس ضمن میں بڑے پروپیگنڈے کیے

گئے افسوس کا مقام یہ ہے کہ سپر طاقتوں کی شیطانی سازشوں سے دونوں طبقوں کی بے خبری کی وجہ سے اس کے خاطر خواہ نتائج بھی نکلے۔

ایک طرف سے یہ کوشش کی گئی کہ پرائمری اسکولوں سے لے کر یونیورسٹیوں تک کے مدرسین اساتذہ اور وائس چانسلر زمغرب یا مشرق زدہ، اسلام اور دیگر مذاہب سے منحرف لوگوں میں سے منتخب ہو کر کام پر مامور ہوں اور ایماندار، فرض شناس لوگ اس اقلیت میں رہ جائیں تا کہ آنے والے وقت میں حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے والے اس مؤثر طبقہ کی پرورش بچپن سے لڑکپن اور پھر جوانی تک اس انداز سے کریں کہ عام طور پر ادیان سے، بالخصوص اسلام، دین سے وابستہ لوگوں، خاص طور پر علماء و مبلغین سے متنفر ہوں۔ وہ اس زمانے میں انگریزوں کے ایجنٹ اور بعد کے زمانے میں سرمایہ داروں، زمین کے غاصبوں کے حامی، رجعت پسند، تہذیب و ترقی کے مخالف طور پر پہنچوائے جاتے تھے۔ دوسری جانب سے غلط پروپیگنڈوں کے ذریعے علماء مبلغین اور دیانتدار لوگوں کو یونیورسٹیوں اور دانشوروں سے ڈر کر سب پر بے دینی، بے بندو باری اور اسلام و مذاہب کے مظاہر کی مخالفت کا الزام لگاتے تھے تا کہ نتیجہ یہ ہو کہ حکومتی عہدیدار، مذاہب، اسلام، علماء اور دینداروں کے مخالف اور عام لوگ جو دین اور علماء سے عقیدت رکھتے ہیں کابینہ حکومت اور اس سے متعلقہ ہر شے کے مخالف ہو جائیں نیز حکومت، عوام دانشوروں اور علماء کے درمیان گہرے اختلافات، غارت گروں کے لیے اس طرح راستہ ہموار کریں کہ مملکت کے تمام معاملات ان کی گرفت میں ہوں اور قوم کے تمام ذخائر ان کی جیبوں میں چلے جائیں چنانچہ آپ نے دیکھ لیا اس مظلوم قوم پر کیا گذرنے والا تھا۔ اب جب کہ خداوند متعال کے فضل اور قوم کی جدوجہد کی وجہ سے عالم و دانشور سے لے کر بازاری مزدور، کسان اور دیگر طبقات تک سب نے (مل کر) غلامی کی زنجیر اور سپر طاقتوں کے بند کو توڑ ڈالا ہے اور ملک کو ان کے ایجنٹوں کے ہاتھوں سے نجات دلائی ہے، میری تاکید یہ ہے کہ موجودہ اور آنے والی نسل غفلت نہ کریں، یونیورسٹیوں کے عزیز دانشور، غیرت مند جوان، علماء اور اسلامی علوم کے طلباء کے ساتھ دوستی اور مفاہمت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط اور مستحکم بنائیں، غدار دشمن کے منصوبوں اور سازشوں سے غافل نہ رہیں اور کسی شخص یا اشخاص کو جو اپنے قول و فعل کے ذریعے ان کے درمیان نفاق کے بیج بونے کے درپے ہے، دیکھتے ہی نصیحت اور ہدایت کریں اگر اس پر کوئی اثر مرتب نہ ہو تو اس سے منہ پھیر لیں، اسے تنہا چھوڑ دیں، سازش کو جڑ نہ پکڑنے دیں، سازش کا سرا آسانی سے پکڑا جا سکتا ہے اور بالخصوص اگر اساتذہ میں کوئی ایسا نکلے جو انحراف پیدا کرنے کے درپے ہو تو اسے سمجھایئے،

اگر نہ سمجھ پائے تو اُسے اپنے درمیان سے اور کلاس سے دور بھگائیں، یہ تاکید زیادہ علماء اور دینی طلبہ کے لیے ہے۔ یونیورسٹیوں میں سازشیں ایک خاص گہرائی رکھتی ہیں اور ہر محترم طبقہ کو جو معاشرے کا مدبر و مفکر طبقہ ہے۔ سازشوں سے ہوشیار رہنا چاہیے۔

مغرب و مشرق کی اندھی تقلید چھوڑ کر اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ کریں:

ہ۔ استعمار کے شکار ممالک کو اپنے آپ سے بیگانہ کرنا اور انہیں مغرب زدہ یا مشرق زدہ کرنا۔ ان منصوبوں میں سے ایک ہے جس کے (تمام) ممالک میں بالخصوص ہمارے پیارے ملک میں بڑے اثرات مرتب ہوئے، یہاں تک کہ اپنے آپ، اپنی ثقافت اور صلاحیتوں کو حقیر سمجھتے ہوئے مغرب و مشرق کی طاقت کے دو محوروں کو برتر ذات اور ان کی ثقافت کو اعلیٰ اور ان دونوں طاقتوں کو قبلہ گاہ عالم سمجھنے لگے اور ان میں سے ایک کے ساتھ وابستگی کو ناگزیر فرائض میں شمار کرنے لگے۔ اس افسوسناک مسئلہ کی داستان طویل اور ان سے پہنچنے والے دھچکے جواب بھی لگ رہے ہیں، مہلک اور شدید ہیں اور اس سے بھی المناک بات یہ ہے کہ انھوں نے زیر اثر مظلوم قوموں کو ہر میدان میں پسماندہ رکھا اور ان ممالک کو تجارتی منڈیوں میں تبدیل کر دیا، نیز کسی حد تک ہمیں اپنی پیشرفت اور شیطانی صلاحیتوں سے ڈرایا، اسی لیے ہم کسی قسم کی تخلیق کی جرأت نہیں رکھتے، اپنا سب کچھ اپنے اور اپنے ممالک کے مقدر کو ان ہاتھوں سپرد کرتے ہوئے آنکھ، کان بند کر کے ان کے احکامات کے تابعدار ہیں۔ یہ مصنوعی ذہنی خلا باعث بنا ہے کہ ہم کسی بھی معاملہ میں اپنی فکر و دانش پر اعتماد نہ کریں بلکہ مغرب و مشرق کی اندھا دھند تقلید کریں، اگر ہمارے پاس کچھ ثقافت، ادب، صنعت اور تخلیق (صلاحیت) موجود ہو تو مغرب یا مشرق زدہ بے تہذیب لکھاریوں، مقررین نے اس پر تنقید کر کے مذاق اڑایا اور ہماری مقامی فکر، توانائیوں کو کچل کر ان کی حوصلہ شکنی کی اور کر رہے ہیں۔ اجنبی رسم و رواج کو چاہے وہ جتنے گرے ہوئے، نازیبا کیوں نہ ہوں، قول و فعل اور تحریر کے ذریعے فروغ دیا اور ان کے حق میں تعریفوں کے پل باندھتے ہوئے اقوام میں رواج دیا ہے اور دے رہے ہیں، مثال کے طور پر اگر کسی کتاب، تحریر یا قول میں چند فرنگی الفاظ موجود ہوں تو اس کے ماضی الضمیر کی طرف توجہ کیے بغیر فخریہ طور پر اس کو قبول کر کے اس کے کہنے یا لکھنے والے کو دانشور اور روشن خیال سمجھنے لگتے ہیں اور گہوارہ سے لحد تک جس چیز کو دیکھیں اگر کسی مغربی یا مشرقی اصطلاح سے نام رکھا جائے تو مقبول، پسندیدہ اور تہذیب و ترقی کی علامتوں میں شمار ہونے لگتا ہے اور اگر اپنے مقامی الفاظ استعمال کیے جائیں تو ناپسندیدہ، پرانا اور رجعت پسندانہ (گنا جاتا ہے) ہمارے بچوں کا نام اگر

مغربی ہو تو قابل فخر ہوتا ہے اور اگر وہ اپنا مقامی نام رکھتے ہوں تو سر جھکے ہوئے اور پسماندہ ہوں گے اور سڑکوں، گلیوں دوکانوں، کمپنیوں دوا فروشوں، کتب خانوں، کپڑوں اور دیگر اشیاء کے نام غیر ملکی ہونے چاہئیں، چاہے وہ ملک کے اندر بنی ہوئی کیوں نہ ہوں تا کہ عوام میں مقبول ہوں اور انہیں پسند کریں۔

سر سے پیر تک بود و باش، معاشرت اور زندگی کے تمام معاملات میں فرنگی مآبی فخر و سربلندی اور تہذیب و ترقی کا باعث، اس کے برخلاف ذاتی آداب و رسوم کو قدامت پسندی اور پسماندگی تصور کیا جاتا ہے (ان کے ہاں) کسی بھی بیماری اور علالت میں چاہے وہ معمولی اور اندرون ملک قابل علاج کیوں نہ ہو۔ باہر جانا لازمی ہے اور اپنے ماہر ڈاکٹر اور اطباء کی مذمت ان کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے۔ برطانیہ، فرانس، امریکہ اور ماسکو جانا فخر کی بات، حج اور دوسرے مقامات مقدسہ کی زیارت کے لیے جانا قدامت پسندی اور پسماندگی ہے۔ مذہب اور معنویات سے متعلق امور کی طرف بے توجہی، روشن خیالی اور تہذیب کی علامت ہے جب کہ اس کے مقابلہ میں ان معاملات کی پابندی، پسماندگی اور قدامت پسندی کی علامت۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارے پاس سب کچھ ہے۔ معلوم ہے ماضی قریب کی تاریخ میں بالخصوص گذشتہ چند صدیوں کے دوران ہمیں ہر قسم کی ترقی سے محروم رکھا گیا ہے اور ہماری اپنی کامیابیوں کے خلاف غدار حکام بالخصوص پہلوی خاندان اور پروپیگنڈہ مراکز، نیز احساس کمتری اور اپنے آپ کو حقیر سمجھنے کی وجہ سے ہمیں ترقی کے لیے کی جانے والی ہر سرگرمی سے محروم کر دیا گیا۔

ہر قسم کے سامان کی درآمد، عورتوں اور مردوں بالخصوص جوان طبقہ کو درآمد شدہ اشیاء سامانِ آرائش و زیبائش، بیوٹی اور بچگانہ کھیلوں کا عادی بنانا اور خاندانوں کے درمیان مقابلہ پیدا کرنا اور زیادہ سے زیادہ خرچیلا کرنے کا عمل جو کہ اپنی جگہ افسوسناک داستانیں ہیں اور فحاشی کے اڈوں اور عشرت کدوں کی فراہمی کے ذریعے جوانوں کو جو سرگرم عنصر ہیں، تباہی کی طرف دعوت دینا اور اسی طرح کی سوچ سمجھ کر پیدا کی ہوئی مصیبتیں ملکوں کو پسماندہ رکھنے کے ذرائع ہیں۔

میں ہمدردانہ طور پر خادم کی حیثیت سے پیاری قوم کو وصیت کرتا ہوں۔ اب جبکہ وسیع پیمانہ پر ان جھنجھٹوں سے نجات ملی ہے اور موجودہ محروم نسل سرگرمی اور تخلیق میں مصروف ہو گئی ہے ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ ایرانی ماہرین نے کارخانوں ،صنعتوں، ہوائی جہاز وغیرہ جیسے ترقی یافتہ وسائل اور اسی طرح کے دوسرے ذرائع چلانے کی صلاحیت حاصل کر لی ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ (جب کہ) ہم مشرق و مغرب کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے تھے تا کہ اُن کے ماہرین

ان کو چلائیں۔ اقتصادی بائیکاٹ اور مسلط کردہ جنگ کے نتیجہ میں ہمارے عزیز جوانوں نے اپنی ضرورت کے سپیئر پارٹس بنا لیے اور سستی قیمتوں کے ساتھ پیش کر کے ضرورتیں پوری کیں اور ثابت کر دکھایا کہ اگر چاہیں تو ہم کر سکتے ہیں۔

خود اعتمادی اور خود انحصاری پیدا کریں:

ہوشیار، آگاہ اور بیدار رہیں کہ مغرب و مشرق کے پٹھو سیاسی چالباز اپنے شیطانی وسوسوں کے ذریعے آپ کو ان بین الاقوامی لٹیروں کی طرف نہ کھینچیں، اپنے مصمم ارادوں، محنت اور لگن سے دوسروں پر انحصار ختم کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں اور جان لیجئے، آریائی اور عرب نسل، یورپی، امریکی اور روسی نسل سے کم نہیں ہیں۔ نیز اپنی خودی پہچان کر مایوسی کو اپنے آپ سے دور کریں اور دوسروں پر کوئی بھروسہ نہ رکھیں، لمبے عرصہ میں سبھی سب کچھ کرنے اور بنانے کی توانائی موجود ہے اور جہاں ان کی طرح کے انسان نما لوگ پہنچے ہیں آپ بھی پہنچ سکیں گے، شرط یہ ہے کہ خداوند متعال پر بھروسہ رکھیں اپنی ذات پر اعتماد کریں، دوسروں پر انحصار ختم کر لیں، آبرومندانہ زندگی گزارنے کے لیے سختیاں جھیلیں، بیگانوں کی بالا دستی سے نکلیں اور یہ حکومتوں اور ارباب اختیار کا فرض ہے کہ اپنے ماہرین کی، چاہے وہ موجودہ نسل کے ہوں یا آنے والی نسلوں کے، قدر دانی کریں اور ان کی مادی، معنوی امداد کے ذریعہ کام کے لیے حوصلہ افزائی کریں اور پرخرچ گھر کو متاثر کرنے والے سامان کی درآمد روکیں اور جو کچھ اپنے پاس ہے اس پر اکتفا کریں تا کہ خود سب کچھ بنا سکیں۔

نوجوان اپنی آزادی، خودمختاری اور انسانی اقدار کی حفاظت کریں:

نوجوان لڑکوں، لڑکیوں سے میں اپیل کرتا ہوں کہ اپنی آزادی، خودمختاری اور انسانی اقدار کی سختیوں کو برداشت کرنے، مغرب اور ملک دشمن ایجنٹوں کی طرف سے آپ کو پیش کیے جانے والے سامان تعیش، عیش و عشرت، بے راہروی اور فحاشی کے اڈوں میں جانے کے عمل کو ترک کر کے، قربانی دیتے ہوئے بھی کیوں نہ ہو، حفاظت کریں کیونکہ تجربہ نے ثابت کر دکھایا ہے کہ وہ لوگ آپ کی تباہی، اپنے ملک کے مقدر سے آپ کو غافل کرنے، آپ کے ذخائر کو ہڑپ کر لینے آپ کو استعمار کا طوق پہنانے، وابستگی کی ذلت کی طرف کھینچنے اور آپ کے ملک و قوم کو مادی طور پر اپنا دست نگر بنانے کے علاوہ کسی چیز کا نہیں سوچتے ہیں وہ ان ہتھکنڈوں اور اسی قسم کے دوسرے ذرائع سے آپ کو پسماندہ اور ان کے بقول نیم جنگلی رکھنا چاہتے ہیں۔

یونیورسٹیوں کی انحراف سے نجات ملک و قوم کی نجات ہے:

د۔ جیسا کہ اشارہ ہوا اور جس کا کئی بار میں نے ذکر کیا کہ تعلیم وتربیت کے مراکز بالخصوص یونیورسٹیوں پر قبضہ جمانا ان کی بڑی سازشوں میں سے ایک ہے جن سے فارغ التحصیل ہونے والوں کے ہاتھ میں ملک کی تقدیر ہے۔ علماء اور سلامی علوم کی درسگاہوں کے ساتھ ان کا رویہ یونیورسٹی کالجوں میں ان کے مروجہ رویہ سے مختلف ہے ان کا منصوبہ علماء کو راستہ سے ہٹا کر ان کو گوشہ نشین کرنا ہے یا ان کو تشدد اور بے عزتی کا نشانہ بنانا جس پر رضا خان کے زمانہ میں عمل ہوتا تھا لیکن نتیجہ برعکس نکلا، یا تعلیم یافتہ، دوسرے لفظوں میں روشن خیال طبقہ کو پروپیگنڈوں، الزام تراشیوں اور شیطانی حربوں سے الگ کرنا جس پر رضا خان کے زمانہ میں دباؤ اور تشدد کے ذریعے عمل ہوتا تھا اور محمد رضا کے زمانہ میں سختی کے بغیر لیکن اذیت ناک طریقہ سے جاری رہا۔

جہاں تک یونیورسٹیوں کا تعلق ہے، منصوبہ یہ ہے کہ جوانوں کو اپنی ثقافت، ادب اور اقدار سے منحرف کر کے مشرق یا مغرب کی طرف کھینچ لیں اور انہی میں سے حکومتی عہدیداروں کو منتخب کر کے ممالک کا حاکم بنائیں تا کہ جوان کے جی میں آئے انہی کے ذریعے انجام دے سکیں ملک کو تباہی وبربادی اور مغرب زدگی کی طرف کھینچ لیں نیز گوشہ نشینی اور شکست کی وجہ سے علماء کا طبقہ اسے نہ روک سکے اور یہ تسلط ممالک کو لوٹنے اور انہیں پسماندہ رکھنے کا بہترین راستہ ہے چونکہ تکلیف، خرچ اور قومی حلقوں میں شور وہنگامہ کے بغیر تمام چیزیں سپر طاقتوں کی جیب میں ڈالی جاتی ہیں۔

لہٰذا اب جب کہ یونیورسٹیوں اور اعلیٰ تعلیمی اداروں کی اصلاح وتطہیر جاری ہے ہم سب پر فرض ہے کہ ذمہ دار افراد سے تعاون کریں اور ہمیشہ کے لیے یونیورسٹیوں کو منحرف ہونے سے بچائیں اور جہاں ہمیں کوئی انحراف نظر آئے۔ فوری اقدام کر کے اُسے رفع کرنے کی کوشش کریں اور یہ بنیادی کام ابتدائی مرحلہ میں یونیورسٹیوں اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں موجود جوانوں کے طاقتور ہاتھوں سے انجام پذیر ہونا چاہیے اس لیے کہ یونیورسٹیوں کے انحراف سے نجات ملک وقوم کی نجات ہے۔

لہٰذا میں پہلے نونہالوں اور نوجوانوں کو اور پھر والدین اور ان کے دوستوں کو اور اس کے بعد حکام اور محب وطن دانشوروں کو وصیت کرتا ہوں کہ اس اہم معاملہ میں جو آپ کے ملک کو نقصان پہنچنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ دل وجان سے کوشش کر کے یونیورسٹیاں آنے والی نسل کے حوالے کریں اور آنے والی تمام نسلوں کو تاکید کرتا ہوں کہ اپنی، اپنے پیارے ملک کی اور اسلام کے انسان ساز دین کی نجات کی خاطر یونیورسٹیوں کو انحراف اور مغرب زدگی یا مشرق زدگی سے محفوظ رکھ کر ان کی

پاسداری کریں اور اپنے اس انسانی، اسلامی عمل کے ذریعے ملک سے بڑی طاقتوں کے ہاتھ کاٹ کر انہیں مایوس کر دیں، خدا آپ کا حامی وحافظ رہے

اراکین پارلیمنٹ کی فرض شناسی ایک اہم معاملہ ہے:

مجلس شورائے اسلامی (پارلیمنٹ) کے اراکین کی فرض شناسی اہم معاملات میں سے ایک ہے ہم اس بات کے شاہد ہیں کہ اسلام اور مملکت ایران کو تحریکِ مشروطہ سے لے کر مجرم پہلوی حکومت کے دور تک ناپاک اور گمراہ پارلیمنٹ سے کتنے بڑے المناک نقصانات پہنچے اور ہر دور سے زیادہ برا اور خطرناک نقصان اس مسلط کردہ فاسد (پہلوی) حکومت کے زمانے میں پہنچا اور ان ناچیز، پھوبجرموں کی وجہ سے ملک وقوم کو شدید مصیبتوں اور بربادیوں سے گذرنا پڑا۔

ان پچاس سالوں میں ایک مظلوم اقلیت کے مقابلہ میں ایک گمراہ بناوٹی اکثریت اس بات کا باعث بنی رہی کہ برطانیہ، روس اور آخری دور میں امریکہ کے جی میں جو آئے انہی خدا سے بے خبر گمراہوں کے ہاتھوں انجام دے اور ملک کو تباہی وبربادی کے دہانے پر پہنچا دے۔ مشروطہ تحریک کے بعد رضا خان سے پہلے مغرب زدہ لوگوں، خانوں، سرداروں، زمین کے غاصبوں اور پہلوی حکومت کے زمانے میں اس ظالم حکومت اور اس کے ایجنٹوں اور کاسہ لیسوں کی وجہ سے تقریباً آئین کی اہم دفعات میں سے کسی ایک پر بھی عمل نہیں ہوا۔

اب جبکہ خدا کی عنایت اور عظیم اشان قوم کی ہمتوں سے ملک کی تقدیر عوام کے ہاتھ میں آئی ہے، اراکینِ پارلیمنٹ عوام ہی میں سے اور ان ہی کی مرضی سے حکومت اور ریاست کے والیوں (سرداروں) کی مداخلت کے بغیر مجلسِ شورائے اسلامی (پارلیمنٹ) میں آئے ہیں، امید ہے کہ اسلام اور ملکی مفادات سے متعلق ان کی فرض شناسی کے ذریعے ہر قسم کے انحراف کا سدِ باب کیا جائے گا۔

قوم کا ہر طبقہ اپنی صلاحیتوں کے مطابق اسلام اور وطن کی خدمت کرے

قوم کے حال اور مستقبل کے لیے میری وصیت یہ ہے کہ اپنے عزمِ صمیم اور اسلام وملکی مفادات کی نسبت اپنی فرض شناسی کے ذریعے ہر مرحلۂ انتخابات کے دوران اسلام اور اسلامی جمہوریہ کے لیے متعہد (جو اکثر معاشرہ۔ متوسط طبقہ اور محروموں میں سے ہوتے ہیں) اور صراطِ مستقیم سے مغرب یا مشرق کی طرف نہ بھٹکنے والے، گمراہ مکاتب فکر کی طرف رجحان نہ رکھنے والے، تعلیم یافتہ، دورِ حاضر کے مسائل اور اسلامی اصولوں سے باخبر اراکینِ پارلیمنٹ کا [illegible]ب کریں اور

محترم علماء کی برادری خصوصا مراجع عظام کے لیے وصیت کرتا ہوں کے معاشرے کے مسائل سے بالخصوص صدارتی و پارلیمانی انتخابات جیسے مسائل سے اپنے آپ کو دور نہ رکھیں اور ان سے، لاتعلق نہ رہیں۔

آپ سب گواہ ہیں اور آنے والی نسل سن لے گی کہ بوڑھے (برطانوی) مشرقی اور مغربی استعمار کے چالباز سیاسی ہاتھوں نے علماء کو میدان سے باہر نکال دیا جنہوں نے تکلیفوں اور سختیوں سے مرجعیت کی بنیاد رکھی تھی اور علماء نے بھی سیاسی چالبازوں کے فریب کا شکار ہو کر ملکی اور مسلمانوں کے معاملات میں دخل دینا اپنی شان کے منافی سمجھ کر میدان مغرب زدہ لوگوں کے لیے کھلا چھوڑ دیا اور مرجعیت، آئین، ملک اور اسلام پر وہ بلائیں نازل ہوئیں جن کے ازالہ کے لئے طویل عرصہ درکار ہے۔

اب جب اللہ تعالیٰ کے کرم سے رکاوٹیں دور ہوگئیں ہیں ہر طبقہ کے لیے سرگرم ہونے کی کھلی فضاء میسر آگئی ہے اور کوئی عذر باقی نہ رہا لہٰذا مسلمانوں کے معاملات میں تساہل معاف نہ ہونے والے بڑے گناہوں میں شمار ہوگا۔ ہر ایک پر اپنی صلاحیت اور حلقہِ اثر کے حساب سے لازم ہے کہ اسلام اور وطن کی خدمت کرے اور سنجیدگی کے ساتھ دو محوروں سے وابستہ مشرق زدہ یا مغرب زدہ اور اسلام کے عظیم مکتب فکر سے منحرف افراد کے اثر و رسوخ کو روکے اور جان لیں کے اسلام اور اسلامی ممالک کے دشمن جو وہی عالمی لٹیرے سپر طاقتیں ہیں آہستہ آہستہ مکاری سے ہمارے ملک اور دوسرے اسلامی ممالک میں داخل ہو کر قوموں کے ذریعہ ممالک کو استحصال کے جال میں پھنسا لیتے ہیں۔ آپ کو ہوشیار ہو کر چوکس رہنا پڑے گا پہلا فیصلہ ان قدم اٹھانے کا احساس لے کر مقابلے کے لیے تیار ہو جائیں اور انہیں موقع نہ دیں خدا آپ کا حامی و نگہبان ہو۔

پارلیمنٹ، مجلس خبرگان، نگران کونسل، قیادت کی کونسل اور رہبر کے انتخاب کا معیار اور ان کی بھاری ذمہ داریاں:

اس دور اور آنے والے ادوار کے اراکین پارلیمنٹ (مجلس شورائے اسلامی) سے میری خواہش ہے کے اگر خدانخواستہ منحرف عناصر خفیہ سازش کر کے سیاسی چال چل کر اپنی رکنیت عوام پر ٹھونسنے کی کوشش کریں تو مجلس (پارلیمنٹ) ان پر اعتماد ختم کر دے اور کسی ایک بھی خراب، پٹھو عنصر کو مجلس (پارلیمنٹ) میں نہ آنے دیں۔ میں تسلیم شدہ مذہبی اقلیتوں کو وصیت کرتا ہوں کہ پہلوی حکومت کے دور سے عبرت لیں اور ایسے نمائندوں کو منتخب کریں جو اپنے دین اور اسلامی

جمہوریہ کی نسبت متحد، جہاں خوار طاقتوں سے غیر وابستہ، الحادی، گمراہ اور ناخالص مکاتب فکر کی طرف رجحان نہ رکھنے والے ہوں۔

تمام اراکین سے میری درخواست ہے کہ نہایت نیک نیتی اور بھائی چارہ سے اپنے اراکین کے ساتھ رویہ رکھیں اور سب مل کر سعی کریں کہ خدانخواستہ قوانین اسلام سے منحرف نہ ہوں اور سب اسلام اور اس کے آسمانی احکامات کے ساتھ وفادار رہیں تاکہ دنیا و آخرت کی بھلائی پا سکیں۔ موجودہ اور آنے والی نسلوں کی نگران کونسل (شورائے نگہبان) سے میری تاکید کے ساتھ گذارش ہے کہ پوری تندہی اور طاقت کے ساتھ اپنے اسلامی وملی فرائض انجام دے اور کسی بھی طاقت سے مرعوب نہ ہو۔ شریعتِ مطہرہ اور آئین کے خلاف قوانین کو کسی رعایت کے بغیر روک دے اور ملک کی ضرورتوں کی طرف توجہ دیں۔ جنھیں کبھی ثانوی احکام کے ذریعہ اور کبھی ولایت فقیہ کے تحت پورا کیا جانا چاہیے۔

نیز شریف عوام کے لیے میری یہ وصیت ہے کہ ہر قسم کے انتخابات کے دوران میدان میں رہیں چاہے صدارتی الیکشن اور اراکینِ مجلسِ شورائے اسلامی (پارلیمنٹ) کے انتخابات ہوں یا مجلس خبرگان (ماہرین کی کونسل) کی طرف سے قیادت کی کونسل یا رہبر منتخب کرنے کے لیے ہونے والے انتخابات اور جن افراد کا انتخاب کریں۔ انھیں ایسے اُصولوں کے تحت منتخب کرنا چاہئے جو معتبر ہوں۔ مثال کے طور پر قیادت کی کونسل یا رہبر کے تقرر کے لیے خبرگان (ماہرین) کے انتخاب میں دقت کریں کہ اگر سہل انگاری سے کام لیتے ہوئے شرعی اور قانونی ضوابط کے تحت اہلِ خبرہ کا انتخاب نہ کریں تو اسلام اور ملک کو ایسے نقصانات پہنچ سکتے ہیں جن کا ازالہ بھی شاید ممکن نہ ہو۔ اس میں سب اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔

اس طرح مراجع اور بڑے علماء سے لے کر تاجر، کسان، مزدور اور ملازم طبقوں تک ملت کے عدم مداخلت کی صورت میں سب کے سب ملک اور اسلام کی تقدیر کے ذمہ دار ہوں گے۔ چاہے موجودہ نسل میں یا آنے والی نسلوں میں اور بعض موقعوں پر حصہ نہ لینا اور تساہل برتنا ایسا گناہ ہوسکتا ہے جو گناہانِ کبیرہ میں سرِ فہرست ہو۔ لہٰذا واقعہ کے پیش آنے سے پہلے اس کا اعلاج کرنا چاہیے۔ ورنہ معاملہ سب کے قابو سے نکل جائے گا اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے۔ جس کا احساس شریعت کے بعد آپ اور ہم نے کیا ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی بڑا اعلاج نہیں ہے کہ عوام پورے ملک میں اسلامی ضوابط اور آئین کے مطابق اپنے اوپر عائد ذمہ داریاں نبھائیں، صدر مملکت و اراکین پارلیمنٹ کے انتخاب کے لیے متحد، روشن خیال، معاملات کے رموز سے واقف، طاقتور استحصالی ممالک سے غیر وابستہ، تقویٰ، اسلام اور اسلامی جمہوریہ کی نسبت متعہد کی

شہرت رکھنے والے تعلیم یافتہ طبقہ کے ساتھ نیز پرہیزگار، اسلامی جمہوریہ کی نسبت متعہد مذہبی رہنماؤں اور علماء سے مشورہ کریں اور خیال رکھیں کہ صدرِ مملکت و اراکین مجلس (پارلیمنٹ) ایسے طبقے سے تعلق رکھتے ہوں جو معاشرہ کے غریب لوگوں کی محرومی اور مظلومی کا احساس کرتے ہوئے ان کی اور ان کی بھلائی کی طرف متوجہ ہوں۔ سرمایہ داروں، زمین کے غاصبوں، خوشحال اور عیش و عشرت میں غرق اونچے لوگوں میں سے نہ ہوں جو غربت کی تلخی اور بھوکے یا برہنہ پا لوگوں کے دُکھ درد نہیں سمجھ سکتے ہیں۔

ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ صدرِ مملکت اور اراکینِ مجلس (پارلیمنٹ) اگر شائستہ اسلام کے پابند (متعہد) اور ملک و قوم کے ہمدرد ہوں تو بہت سی مشکلات پیدا نہیں ہوں گی اور اگر کچھ مشکلات موجود ہوں تو رفع ہو جائے گی۔ یہی بات قیادت کی کونسل یا رہبر کے انتخاب کے لیے خبرگان (ماہرین) کے انتخابات میں بھی اہم خصوصیت کے ساتھ مدِ نظر رکھنی چاہیے کہ اگر اہل خبرہ جو عوام کی طرف سے منتخب ہوتے ہیں، نہایت توجہ کے ساتھ ہر زمانے کے لیے مراجع عظام اور تمام ممالک کے علماء دین دار طبقہ اور فرض شناس (متعہد) دانشوروں کے مشورے سے مجلس خبرگان میں پہنچیں تو رہبری یا قیادت کی کونسل کے لیے شائستہ ترین اور سب سے متعہد شخصیتوں کے انتخاب سے بہت سی مشکلات و مسائل پیدا نہیں ہوں گے یا تو شائستہ طریقہ سے رفع ہو جائیں گے۔ آئین کی دفعہ ایک سو نو اور دفعہ ایک سو دس پر نظر ڈالنے سے اہل خبرہ کے انتخاب کے لیے عوام اور رہبر یا قیادت کی کونسل کے انتخاب کے لیے اراکین مجلس، خبرگان کی بھاری ذمہ داری واضح ہو جاتی ہے کہ انتخاب میں معمولی سی بے پرواہی اسلام، ملک اور اسلامی جمہوریہ کو کتنا نقصان پہنچا سکتی ہے۔ بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہونے کے امکان کے پیش نظر ان کا وظیفہ الٰہی بنتا ہے۔

رہبر اور قیادت کی کونسل کا منصب بھاری اور خطرناک ذمہ داری ہے:

اس دور میں (جو سپر طاقتوں اور ان کے ملکی و غیر ملکی پٹھوؤں کی طرف سے اسلامی جمہوریہ اور درحقیقت اسلامی جمہوریہ کی آڑ میں اسلام پر حملہ کا دور ہے اور آنے والے ادوار میں رہبر اور رہبری کی کونسل کے لیے میری وصیت یہ ہے کہ اپنے آپ کو اسلام، اسلامی جمہوریہ، محروموں اور مستضعفوں کی خدمت کے لیے وقف کر دیں اور یہ نہ سوچیں کہ رہبری بذاتِ خود ان کے لیے ایک تحفہ اور بلند مقام ہے بلکہ یہ ایک بھاری اور خطرناک ذمہ داری ہے کہ اگر خدانخواستہ اس میں نفسانی خواہشات کی وجہ سے کوئی لغزش سرزد ہو جائے تو اس کا نتیجہ اس دُنیا میں ابدی ذلت اور دوسرے جہان میں خداوند

قہار کے غضب کی آگ ہو گی

خداوند ہادی ومنان سے نہایت انکساری اور خضوع سے میری دُعا ہے کہ ہمیں اور آپ کو اس خطرناک امتحان سے سر خرو کر کے اپنے حضور میں بلا کر نجات دلا دے۔ نیز یہ خطرہ کسی حد تک موجودہ اور آنے والے صدر مملکت، حکومتوں اور ذمہ داریوں کے حساب سے مختلف درجہ کے ارباب اختیار کے لیے بھی موجود ہے انہیں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر اور اپنے آپ کو اس کے سامنے جواب دہ سمجھنا چاہیے۔ خداوند متعال ان کو کامیاب کرے۔

عدلیہ اور اسلامی نظام عدل کا نفاذ:

ح۔ عدلیہ اہم معاملات میں سے ایک ہے جس کا تعلق عوام کی جان و مال اور ناموس سے ہے۔ رہبر اور قیادت کی کونسل کو میری وصیت یہ ہے کہ عدلیہ کے اعلیٰ ترین منصب پر تقرری کے لیے جو ان کے اختیار میں ہے۔ قابل، تجربہ کار، شرعی و اسلامی امور اور سیاست میں صاحب نظر افراد کو مقرر کرنے کی کوشش کریں اور عدلیہ کی اعلیٰ کونسل سے میری درخواست ہے کہ عدلیہ کے معاملہ کو جو گذشتہ حکومت کے دور میں افسوسناک اور غم انگیز صورت اختیار کر گیا تھا۔ سنجیدگی سے درخواست کرنے کی کوشش کرے اور اس اہمیت کی حامل ذمہ داری سے ان کا عمل دخل ختم کر دیں جو لوگوں کی جان و مال سے کھیلتے ہیں اور جس چیز کی ان کے ہاں اہمیت نہیں ہے وہ اسلامی عدالت ہے۔

نیز آہستہ آہستہ عدالتوں کو تبدیل کر دیں اور لازمی اسلامی معیاروں پر نہ اُترنے والے ججوں کی جگہ شرائط پر مکمل طور پر اُترنے والے ججوں کو مقرر کریں۔ جو انشاء اللہ دینی درسگاہوں بالخصوص قم کے حوزۂ مبارکہ کی سعی وکوشش سے تعلیم و تربیت پا کر نا مزد ہو جائیں گے تا کہ انشاء اللہ جلد پورے ملک میں اسلامی انصاف نافذ ہو جائے میں موجودہ آنے والے زمانہ کے محترم ججوں کو وصیت کرتا ہوں کہ عدالت کی اہمیت کے متعلق معصومینؑ کی احادیث، عدلیہ کے بڑے خطرے اور قضاوت کے بارے میں ناحق نقل ہونے والی باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس حساس معاملہ کو نبھائیں اور اس منصب کو نا اہل لوگوں کے ہاتھ میں جانے نہ دیں۔

جو اہلیت رکھتے ہیں وہ اس معاملہ کو نبھانے سے دامن نہ چھڑائیں، نا اہل لوگوں کو موقع نہ دیں اور سمجھ لیں کہ جس طرح اس مقام کا خطرہ بڑا ہے، اس کا اجر و جزا اور ثواب بھی عظیم ہے اور وہ جانتے ہیں کہ قضاوت کے اہل افراد کے لیے قضاوت کرنا واجب کفائی ہے

دینی درسگاہیں اوران کو صحیح خطوط پر چلانے کا معاملہ:

ط۔ مقدس حوزہ ہائے علمیہ کے لیے میری وصیت یہ ہے کہ بارہا میں نے عرض کیا ہے کہ اس زمانہ میں جہاں اسلام اور اسلامی جمہوریہ کے مخالفین اسلام کو ختم کرنے کے لیے کمربستہ ہوگئے ہیں اور اس شیطانی مقصد کی تکمیل کے لیے ہر قسم کا حربہ آزمارہے ہیں اوران کے مذموم عزائم کے لیے اہم اور اسلام وحوزہ ہائے علمیہ کے لیے خطرناک راہوں میں سے ایک راہ گمراہ اور تخریب کار افراد کو دینی درسگاہوں میں داخل کرنا ہے۔ جس کا مختصر مدت میں بڑا خطرہ ناشائستہ افعال واخلاق اور گمراہ کن طریقوں کے ذریعہ دینی درسگاہوں کو بدنام کرنا ہے اور لمبے عرصہ میں اس کا بہت بڑا خطرہ ایک یا ایک سے زیادہ مکار لوگوں کا اعلیٰ منصوبوں تک پہنچنا ہے جو اسلامی علوم سے واقفیت کے ذریعہ صاف دل عوام کے مختلف طبقوں اور گروہوں میں اثر ورسوخ بڑھا کر ان کو اپنی طرف مائل کرتے ہوئے موقع پاتے ہی اسلامی علوم کی درسگاہوں، اسلام عزیز اور ملک پر ضرب لگاتے ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ لٹیرے بڑی طاقتوں کے پاس معاشروں کے درمیان نیشنلسٹوں، بناوٹی خیالوں اور عالم نماؤں کو مختلف صورتوں میں ایسے افراد ذخیرہ ہیں جو بہت ہی خطرناک اور سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والے لوگ ہیں اور اسلامی پرہیزگار اور محب وطن کے بہروپ میں یا دوسرے بہانوں سے صبر وتحمل کے ساتھ تیس چالیس سال تک رہتے ہیں اور مناسب موقع پر اپنا مشن پورا کرتے ہیں۔

اور ہماری عزیز قوم نے انقلاب کی کامیابی کے بعد اس مختصر عرصہ میں مجاہد خلق، فدائی خلق۔ تودہ والوں اور دوسری شکلوں میں کئی مثالیں دیکھی ہیں۔ ہوشیاری سے اس قسم کی سازشوں کو ناکام بنانا سب پر فرض ہے، سب سے اہم دینی درسگاہیں ہیں جن کو صحیح طور پر اُستوار کرنا زمانے کے مراجع کی تائید کے ساتھ محترم اساتذہ اور تجربہ کار فضلاء کی ذمہ داری ہے۔

اور شاید "نظم ونسق بدنظمی میں ہے" کے نظریہ والی اصطلاح انہی منصوبہ سازوں اور سازشیوں کی مذموم اصطلاحات میں سے ہو۔ بہرحال میری وصیت یہ ہے کہ تمام ادوار بالخصوص موجودہ دور میں جہاں منصوبے اور سازشیں سرعت وشدت اختیار کرگئی ہیں، دینی درسگاہوں کو منظم کرنے کی تحریک لازم اور ضروری ہے، علماء اساتذہ اور جلیل القدر فضلاء وقت نکال کر دقیق اور صحیح پروگرام کے تحت حوزہ علمیہ بالخصوص حوزہ علمیہ قم اور دوسرے بڑے حوزوں کو زمانے کے اس موڑ پر تباہ ہونے سے بچائیں۔ علماء واساتذہ کرام پر لازم ہے کہ فقاہت سے متعلقہ دروس فقہ اور اصول فقہ کے حلقوں میں مشائخ

عظام کے طریقہ سے (جو اسلامی فقہ وفقاہت کے تحفظ کا واحد راستہ ہے) نہ بھٹکیں اور سعی کریں کہ دقیق کاموں، بحث ونظر اور تخلیق وتحقیق میں روز افزوں اضافہ ہو اور روایتی فقہ کو محفوظ رہنا چاہیے۔ جو سلف صالح کی میراث اور اس سے منحرف ہونا تحقیق وتدقیق کے اُصولوں میں کمزوری کے مترادف ہے۔ نیز تحقیق در تحقیق کا عمل فروغ پانا چاہیے البتہ علم کے دوسرے شعبوں میں ملک ودین کی ضرورتوں کے مطابق پروگرام بنیں گے اور ان شعبوں میں افراد کی تربیت ہونی چاہیے اور سب سے اعلیٰ اور گراں قدر حوزوں میں سے ایک جس کی ہمہ گیر سطح پر تعلیم وتدریس جاری رہنی چاہیے۔ اسلام کے معنوی علوم ہیں مثلاً علمِ اخلاق، تہذیب نفس اور اللہ کی طرف سیر وسلوک جو جہادِ اکبر ہے، خدا ہمیں اور آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

انتظامیہ، وزراء اور حکام، قوم بالخصوص مستضعفوں کی خدمت کرے:

انتظامیہ ان شعبوں میں سے ہے جس کی اصلاح، تطہیر اور نگرانی ضروری ہے۔ ممکن ہے پارلیمنٹ پیش رفتہ اور سوسائٹی کے لیے مفید قوانین کی منظوری، نگران کونسل اس کو نافذ کرے اور متعلقہ وزیر اس کا اعلان بھی کر دے لیکن جب غیر صالح انتظامی افراد کے ہاتھ میں پہنچے تو وہ انہیں مسخ کر دے اور برخلاف ضابطہ یا کاغذی کارروائیوں اور خوامخواہ کی لیت ولعل کے ذریعے (جس کی انہیں عادت ہوگئی ہے) یا جان بوجھ کر عوام کو پریشان کرنے کے لیے دھیرے دھیرے تساہل کی وجہ سے ایک مسئلہ کھڑا ہو جائے۔

موجودہ دور اور دیگر ادوار کے متعلقہ وزراء کے لیے میری وصیت یہ ہے کہ وہ خزانہ جس سے آپ اور وزارتوں کے ملازمین روزی کھاتے ہیں، قوم کی ملکیت ہے اور سب کو چاہیے کہ وہ قوم بالخصوص مستضعفوں کی خدمت کرے، عوام کو تنگ کرنا اور فرائض کی ادائیگی کی خلاف ورزی کرنا حرام اور خدانخواستہ کبھی کبھار خدائی غضب کا سبب بنتا ہے آپ سب کو قوم کی حمایت کی ضرورت ہے۔ یہ عوام بالخصوص محروم طبقوں کی تائید ہی تھی جس کی وجہ سے کامیابی حاصل ہوئی اور ملک وملکی ذخائر سے ستم شاہی کا تسلط ختم ہو گیا اور اگر کسی دن ان کی تائید سے محروم ہو گئے تو آپ برطرف کر دیئے جائیں گے اور شہنشاہی حکومت کی طرح عام کی جگہ ستم پیشہ افراد عہدوں پر فائز ہو جائیں گے لہٰذا اس محسوس حقیقت کو بھانپتے ہوئے قوم کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کی جانی چاہیے اور غیر اسلامی وغیر انسانی سلوک سے گریز کرنا چاہئے، اسی لیے آنے والی پوری تاریخ میں ملک کے وزراء کو تاکید کرتا ہوں کہ گورنروں کی تقرری کے لیے لائق، دین دار، متعہد، دانشمند اور عوام کے ہمنوا لوگوں کو منتخب کریں تاکہ ملک میں زیادہ سے زیادہ پرامن فضاء قائم ہو اور جان لینا چاہئے کہ اگرچہ وزارتوں میں اپنے دائرہ

کار کا نظم و نسق درست کرنے اور اسے سلامی رنگ دینے میں ہر وزیر کی اپنی ذمہ داری ہے لیکن ان میں سے کچھ خاص اہمیت کے حامل ہیں مثلاً وزارتِ خارجہ جس کے تحت ملک سے باہر سفارت خانے ہیں۔ میں نے کامیابی کی ابتداء سے ہی وزرائے خارجہ کو سفارت خانوں کی طاغوت زدگی کی طرف متوجہ کرتے ہوئے انہیں اسلامی جمہوریہ کے لیے موزوں سفارتخانوں میں بدلنے کی تاکید کی لیکن ان میں سے کچھ لوگ کوئی مثبت اقدام نہیں کرنا چاہتے یا نہ کر سکتے تھے اور اب جبکہ فتح کو تین سال گزر رہے ہیں اور موجودہ وزیر خارجہ نے اس کام کے لیے اقدام کیا ہے، اُمید ہے محنت اور وقت صرف کر کے یہ اہم کام پایۂ تکمیل کو پہنچے گا اس دور اور آنے والے ادوار میں وزراءِ خارجہ کے لیے میری وصیت یہ ہے، آپ کی ذمہ داری بہت بھاری ہے۔ وزارتوں اور سفارتخانوں کی اصلاح اور تغیر و تبدل کے شعبہ میں بھی اور خارجہ پالیسی، ملکی مفادات و خودمختاری کے تحفظ اور ہمارے ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرنے والے ممالک کے ساتھ اچھے تعلقات برقرار رکھنے کے سلسلے میں بھی اور ہر اس معاملہ سے سختی کے ساتھ پرہیز کرے، جس میں وابستگی کا اس کے تمام پہلوؤں کے ساتھ معمولی شائبہ بھی موجود ہو۔ نیز جان لینا چاہیے کہ بعض معاملات میں ہو سکتا ہے وابستگی کی کچھ ظاہری آنکھوں کو دھوکہ دینے والی خوبی بھی نظر آجائے اور زمانۂ حال میں اس کا کوئی نفع یا فائدہ بھی ہو لیکن نتیجتاً ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر دے گی نیز اسلامی ممالک کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے، (ان کے) حکام کو بیدار کرنے اور اتحاد و یکجہتی کی طرف دعوت دینے کی سعی و کوشش کریں، اللہ آپ کے ساتھ ہے۔

دنیا کے مسلمان عالمی ایمانی برادری کی تشکیل کے لیے ایک دوسرے کی طرف اُخوت کا ہاتھ بڑھائیں:

اسلامی ممالک کے عوام کے لیے میری وصیت ہے کہ امید نہ رکھیں (اپنے) مقصد تک پہنچنے کیلئے (جو اسلام اور اسلامی احکام کا نفاذ ہے) باہر سے آکر کوئی آپ کی مدد کرے گا، آپ کو بذاتِ خود اس بنیادی عمل کے انجام کے لیے جدوجہد کرنا ہوگی جو آزادی اور استقلال کا ضامن ہے۔ اسلامی ممالک کے علماءِ کرام اور خطبائے عظام حکومتوں کو دعوت دیں کہ وہ غیر ملکی بڑی طاقتوں کے ساتھ وابستگی سے اپنے آپ کو نجات دلائیں اور اپنے عوام کے ساتھ مفاہمت پیدا کریں۔ اس صورت میں فتح و کامرانی ان کے قدم چومے گی، نیز عوام کو اتحاد کی دعوت دیں اور نسل پرستی سے جو اسلامی اُصول کے خلاف ہے، پرہیز کریں اور اپنے برادرانِ ایمانی کی طرف خواہ وہ کسی بھی ملک یا نسل سے تعلق رکھتے ہوں، اُخوت کا ہاتھ بڑھائیں۔ اس لیے کہ اسلامِ عظیم نے ان کو بھائی قرار دیا ہے اور اگر ایک دن حکومتوں اور عوام کی ہمت اور اللہ تعالیٰ کی

تائید سے یہ ایمانی برادری وجود میں آ گئی تو آپ دیکھیں گے کہ مسلمان دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہوں گے۔ اس دن کی اُمیدوں کے ساتھ جب پروردگار عالم کی مشیت سے یہ برادری اور برابری حاصل ہو جائے گی۔

تبلیغ اسلام اور اسلام کے نورانی چہرہ کو اجاگر کرنا تمام طبقات کی دینی ذمہ داری ہے

تمام ادوار بالخصوص اس دور میں جو خاص اہمیت کا حامل ہے۔ میں وزارت ارشاد کے لیے وصیت کرتا ہوں کے باطل کے مقابل حق کی تبلیغ اور اسلامی جمہوریہ کے حقیقی رُخ کو اُجاگر کرنے کے لیے سعی کرے۔ اس وقت جبکہ ہم نے سپر طاقتوں کا تسلط اپنے ملک سے ختم کر دیا ہے، ہم بڑی طاقتوں سے وابستہ ذرائع ابلاغ کے پروپیگنڈہ حملوں کی زد میں ہیں۔

کون کون سے جھوٹ کے پلندے اور الزام تراشیاں ہیں جو سپر طاقتوں کے پٹھو بولنے اور لکھنے والوں نے اس نو بنیاد اسلامی جمہوریہ کے خلاف نہ کی یا نہیں کر رہے ہیں؟

مع سلف اسلامی خطہ کی اکثر حکومتیں جن کو حکم اسلامی کی رو سے ہماری طرف اُخوت کا ہاتھ بڑھانا چاہیے، ہماری اور اسلام کی دشمنی پر اُتر آئی ہیں، سب ہر طرف سے ہم پر حملہ آور ہو کر جہانخواروں کی خدمت کر رہی ہیں (جبکہ) ہماری پروپیگنڈہ طاقت بہت زیادہ کمزور ہے آپ کو پتہ ہے کہ آج دنیا پروپیگنڈہ پر چل رہی ہے۔ نہایت افسوس ہے کہ نام نہاد روشن خیال لکھاری جن کا جھکاؤ دو محوروں میں سے ایک کی طرف ہے۔ اپنے ملک وقوم کی خودمختاری اور آزادی کے بارے میں سوچنے کی بجائے، خود غرضیاں، موقع پرستیاں اور انحصار طلبیاں ان کے لحہ بھر کے لیے اپنے ملک وقوم کے مفادات کو مدِ نظر رکھنے، سابقہ ظالم حکومت اور اس جمہوریہ میں آزادی واستقلال کا موازنہ کرنے، آرام اور کچھ سامان تعیش منگوا کر ملنے والی شرافت مندانہ باوقار زندگی کو ستم شاہی حکومت سے ملنے والی چیزوں سے موازنہ کرنے (جو وابستگی آقا کے غلام نوکروں کے فساد کے کیڑوں اور ظلم و برائی کے سرچشموں کی تعریف وتوصیف سے پر تھیں) حکومت اور عوام کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر طاغوتیوں اور ظالموں کے خلاف زبان وقلم کا استعمال کرنے کا موقع نہیں دیتی۔

اور امرِ تبلیغ صرف وزارتِ ارشاد ہی کی ذمہ داری نہیں بلکہ تمام دانشوروں، مقرروں، ادیبوں، شاعروں اور فنکاروں کی ذمہ داری ہے۔ وزارتِ خارجہ کو سعی کرنی چاہیے کے سفارت خانوں کے تبلیغی رسائل وجرائد ہوں اور اسلام کے نورانی چہرے کو دنیا والوں کے سامنے اُجاگر کریں تا کہ اگر یہ چہرہ اپنے اس حسن وجمال کے ساتھ جس کی طرف قرآن وسنت نے اس کی تمام خصوصیتوں کے ساتھ دعوت دی ہے، اسلام دشمنوں کے نقاب اور دوستوں کی کج فہمیوں سے نکل کر جلوہ گر ہو

جائے تو پوری دنیا پر اسلام کا غلبہ ہو جائے گا اور اس کا با افتخار پرچم ہر جگہ لہرانے لگے گا۔

اتنی مصیبت آمیز اور غم انگیز بات ہے کہ مسلمانوں کے پاس ایسی متاع ہے۔ جس کی تخلیق عالم سے لے کر آج تک کوئی نظیر ملتی (لیکن) اس انمول موتی کو جس کی ہر انسان کو اپنی آزاد فطرت کے مطابق طلب رہتی ہے۔ دنیا کے سامنے نہ لا سکے بلکہ خود بھی اس سے غافل اور کبھی گریزاں رہے۔

بہت اہم، مقدر ساز اُمور میں سے ایک نرسری اسکولوں سے لے کر یونیورسٹیوں تک کی تعلیم و تربیت کے مراکز ہیں۔ جن کی غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر میں نے مکرر طور پر ذکر کیا اور اشارہ کر کے گزر رہا ہوں۔ لٹی ہوئی قوم کو سمجھ لینا چاہیے کہ گزشتہ نصف صدی میں جس چیز سے ایران اور اسلام کو ٹھیس پہنچی ہے وہ یونیورسٹیاں ہیں۔

اگر یونیورسٹیاں اور دوسرے تعلیم و تربیت کے مراکز اسلامی و ملی پروگرام کے تحت ملک کے مفاد میں بچوں اور جوانوں کی (صحیح) تہذیب و تربیت کرتے تو کبھی ہمارا ملک برطانیہ اور اس کے بعد امریکہ اور روس کے چنگل میں نہ پھنستا اور کبھی خانماں برباد، تباہ کن معاہدے ہماری لٹی پٹی قوم پر نہ ٹھونسے جاتے اور کبھی غیر ملکی مشیروں کے لیے ایران کے دروازے نہ کھلتے اور کبھی بھی ایران کے ذخائر اور اس مصیبت زدہ قوم کا طلائے سیاہ (تیل) شیطانی طاقتوں کی جیب میں نہ جاتا اور کسی صورت میں بھی پہلوی خاندان اور اس کے پٹھو قومی املاک کو ہڑپ کر کے ملک سے باہر اور اندرونِ ملک مظلوموں کی لاشوں پر پارک اور محل تعمیر نہ کر سکتے، غیر ملکی بینکوں کو ان مظلوموں کی کمائی سے پُر نہ کر سکتے اور اپنے متعلقین کی عیاشی اور لہو و لعب پر خرچ نہ کر سکتے تھے۔ اگر مقننہ، انتظامیہ، عدلیہ اور دوسرے اداروں کے چشمے اسلامی و قومی یونیورسٹیوں سے پھوٹتے تو آج ہماری قوم خانہ برباد وسائل سے دو چار نہ ہوتی۔ اگر بے داغ شخصیتیں اسلامی اور ملی رجحانات کے اس صحیح مفہوم کے ساتھ (نا ان مفاہین کے ساتھ جو آج اسلام کے نام پر دکھایا جاتا ہے) یونیورسٹیوں سے مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ میں آتی تو ہمارا آج، موجودہ آج سے، ہمارا ملک موجودہ ملک سے مختلف ہوتا اور ہمارے محرومین، محرومیت کی قید سے آزاد اور ستم شاہی کی بساط ظلم، فحاشی اور منشیات کے اڈے، عشرت کدے (جن میں سے ہر ایک کا نوجوان نسل کی بربادی میں اہم اور بھرپور کردار تھا) ختم ہو جاتے اور آج قوم کو یہ تباہ کن اور انسانیت کی بنیادیں ہلا دینے والا ورثہ وراثت میں نہ ملتا اور اگر یونیورسٹیاں اسلامی اور عوامی ہوتیں تو معاشرہ کے لیے سینکڑوں، ہزاروں اساتذہ فراہم کر سکتی تھیں لیکن اتنی غم انگیز اور افسوسناک بات ہے کہ کالج اور یونیورسٹیاں لوگوں کے زیر انتظام ہوتی تھیں اور

ہمارے پیارے (بچے) ایسے افراد کے ہاتھوں تعلیم و تربیت حاصل کرتے تھے جو ایک مظلوم و محروم اقلیت کو چھوڑ کر باقی سب ایسے مغرب زدہ اور مشرق زدہ لوگ تھے جن کے ہاتھ میں پہلے سے طے شدہ اور املاء شدہ پروگرام اور منصوبوں کے مطابق یونیورسٹیوں میں کرسیاں ہوتی تھیں، ناچار ہمارے پیارے اور مظلوم نوجوان سپر طاقتوں کے ایجنٹ ان درندوں کے ہاتھوں پرورش پا کر قانون سازی، حکومتی اور عدالتی عہدوں پر براجمان ہوتے اور ان کے یعنی ظالم پہلوی حکومت کے احکامات کے مطابق عمل کرتے تھے۔ آج اَلْحَمْدُ لِلّٰہ یونیورسٹیاں مجرموں کے چنگل سے رہا ہو گئی ہیں۔ لہٰذا ہر زمانے میں قوم اور اسلامی جمہوری حکومت کی ذمہ داری ہے کہ منحرف مکاتب فکر سے تعلق مشرق و مغرب کی طرف جھکاؤ رکھنے والے فاسد عناصر کو ٹریننگ سنٹرز، یونیورسٹیوں اور تعلیم و تربیت کے دوسرے مراکز میں گھسنے نہ دیں اور پہلا قدم رکھتے ہی انہیں روکیں تا کہ کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو اور (ان پر) گرفت کمزور نہ پڑ جائے، تربیتی مراکز، کالج اور یونیورسٹیوں کے عزیز نوجوانوں کے لیے میں وصیت کرتا ہوں کہ وہ خود دلیری سے گمراہیوں کے خلاف ڈٹ جائیں۔ تا کہ ان کی اور ان کے ملک و ملت کی خودمختاری اور آزادی محفوظ رہے۔

فوج، سپاہِ پاسداران، سرحدی پولیس اور پولیس سے لے کر (انقلابی) کمیٹیوں، رضاکاروں اور قبائل تک تمام مسلح فورسز خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ یہ لوگ جو اسلامی جمہوریہ کے طاقتور اور باہمت بازو ہیں۔ اور سرحدوں، شاہراہوں، شہروں اور دیہاتوں کے رکھوالے، امن و امان کے محافظ اور قوم کے لیے سکھ چین فراہم کرنے والے لوگ ہیں۔ عوام، حکومت اور پارلیمنٹ کی خاص توجہ کے حقدار ہیں اور اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ دُنیا میں بڑی طاقتوں اور تخریبی پالیسیوں کے لیے ہر وسیلہ اور ہر عنصر سے زیادہ کارآمد مسلح افواج ہیں۔ جن کے ہاتھوں سیاسی چال بازیاں چلتی ہیں، بغاوتیں ہوتی ہیں اور حکومتوں کے تختے اُلٹ دیئے جاتے ہیں اور بے ایمان سُود خوران کے کچھ قائدین کو خرید لیتے ہیں اور ان کے ذریعے اور بکے ہوئے کمانڈروں کی سازشوں سے ممالک پر غلبہ حاصل کرتے ہیں اور مظلوم قوموں پر اپنا تسلط برقرار کرتے ہیں اور ملکوں کی آزادی و خودمختاری چھین لیتے ہیں۔ اگر کلیدی عہدوں پر ایماندار کمانڈر ہوں تو کبھی ملک دشمن عناصر کے لیے بغاوت کرانے یا کسی ملک پر قبضہ کرنے کا امکان نہیں رہتا، اگر کبھی وقت آن پڑے تو وہ فرض شناس کمانڈروں کے ہاتھوں شکست کھائیں گے اور ناکام ہو جائیں گے۔

ایران میں بھی عوام کے ہاتھوں زمانہ کا یہ معجزہ رونما ہوا (اس میں) فرض شناس مسلح افواج اور ایماندار محب وطن

کمانڈروں کا اچھا خاصا کردار رہا ہے اور تقریباً دوسال کے بعد صدام تکریتی کی مسلط کردہ لعنتی جنگ جو امریکہ اور دوسری طاقتوں کی شہ پر اور ان کی مدد سے ٹھونسی گئی تھی ۔ جارح ، بعثی افواج کی سیاسی و عسکری شکست سے روبرو ہے ۔ ایک بار پھر مسلح عسکری ، انتظامی ، سپاہ پاسداران اور عوامی طاقتوں نے قوم کی بے دریغ حمایت سے محاذوں اور محاذوں کے پیچھے بڑے قابل فخر کارنامے انجام دے کر ایران کا سر فخر سے بلند کیا ۔ نیز اندرونِ ملک کی شرارتیں اور سازشیں جو اسلامی جمہوریہ کو ختم کرنے کے لیے مغرب و مشرق سے وابستہ کٹھ پتلیوں نے شروع کر رکھی تھیں ۔ (انقلابی) کمیٹی ، سپاہِ پاسداران ، بسیجیوں اور پولیس کے جوانوں کے طاقت ور ہاتھوں سے ، غیور قوم کی مدد سے خاک میں مل گئیں اور یہی جانثار پیارے نوجوان ہیں جو راتوں کو جاگتے ہیں اور سب گھرانے سکون کی نیند سوتے ہیں ، خدا ان کا حامی و ناصر ہو ۔

لہٰذا عمر کے ان آخری لمحوں میں تمام مسلح طاقتوں کے لیے میری برادرانہ وصیت یہ ہے کہ اے میرے عزیزو جو اسلام سے عشق کرتے ہو اور خدا سے وصال کے شوق میں محاذوں اور پورے ملک میں اپنے کام انجام دے رہے ہو ۔ آپ لوگ بیدار اور ہوشیار رہیں کہ سیاسی چالبازوں اور مغرب زدہ و مشرق زدہ پیشہ ور سیاستدانوں اور مجرموں کے خفیہ ہاتھ ان کی غداری اور جرم کے ہتھیاروں کی تیز دھار نے پس پردہ ہر طرف سے اور ہر گروہ سے زیادہ آپ عزیزوں کی طرف رُخ کیا ہوا ہے اور آپ عزیزوں سے جنھوں نے جاں فشانی سے انقلاب کو فتح سے ہمکنار اور اسلام کو زندہ کیا ہے غلط فائدہ اٹھا کر اسلامی جمہوریہ کو ختم کرنا چاہتے ہیں ، اسلام اور ملک و قوم کی خدمت کے نام سے قوم اور اسلام سے جدا کر کے دو جہانخوار محوروں میں سے ایک کی جھولی میں گرانا چاہتے ہیں اور آپ کی محنتوں اور جان نثاریوں پر سیاسی چالوں اور اپنے آپ کو اسلامی و قومی ظاہر کرتے ہوئے باطل کی لکیر کھینچنا چاہتے ہیں ۔

فوج اور دیگر مسلح ادارے سیاست سے دور رہیں :

مسلح افواج کے لیے میری تاکید کے ساتھ وصیت ہے کہ حکومت کے اس قانون پر سختی سے عمل کریں کہ فوج پارٹیوں ، جماعتوں اور سیاسی محاذوں میں شامل نہیں ہو سکتی اور مسلح فورسز چاہے وہ فوجی ہوں انتظامیہ کے افراد ہوں یا پاسداری اور بسیجی وغیرہ کسی بھی پارٹی یا جماعت میں شامل نہ ہوں اور اپنے آپ کو سیاسی چالوں سے دور رکھیں ۔ اس صورت میں وہ اپنی عسکری طاقت کی حفاظت کرنے اور جماعتی اختلافات سے دور رہ سکتے ہیں ۔ کمانڈروں پر فرض ہے کہ اپنے ماتحتوں کو پارٹیوں میں شامل ہونے سے منع کریں اور کیونکہ انقلاب پوری قوم کا ہے اور اس کی حفاظت سب پر لازم ہے ۔

(لہٰذا) حکومت، عوام، دفاعی کونسل اور پارلیمنٹ کا شرعی اور قومی فریضہ ہے کہ اگر مسلح فورسز میں سے کچھ لوگ چاہے وہ کمانڈرز اور اعلیٰ درجہ کے لوگ ہوں یا دوسرے درجے کا طبقہ اگر کوئی حرکت کرنا چاہیں یا پارٹیوں میں شامل ہو جائیں جس کا (نتیجہ) بغیر کسی شک وشبہ ان کی تباہی ہے، یا سیاسی کھیلوں میں مداخلت کریں تو پہلے ہی دم پر ان کی مخالفت کریں، رہبر اور قیادت کی کونسل کی ذمہ داری ہے کہ سختی سے اس کو روکیں تاکہ ملک نقصان سے محفوظ رہ سکے۔ نیز تمام مسلح قوتوں کو اپنی اس خاکی زندگی کے آخر میں مشفقانہ وصیت کرتا ہوں کہ اسلام کے لیے جس طرح آج وفادار ہیں اسی طرح ہمیشہ وفادار رہیں، کیونکہ اسلام ہی خود مختاری اور حریت پسندی کا دین ہے، خداوندِ متعال سب کو نورِ ہدایت کے ذریعہ اعلیٰ انسانی مقام کی طرف دعوت دیتا ہے۔ آپ اور آپ کے ملک وملت کو ان طاقتوں کے ساتھ وابستگی اور انحصار سے نجات دلاتا ہے جو آپ کو غلام بنانے کے سوا کچھ نہیں چاہتیں، اور آپ کے پیارے ملک اور قوم کو پسماندہ رکھتے ہوئے تجارتی منڈیوں میں تبدیل کرتی اور ظلم وستم سہنے کی ذلت میں مبتلا رکھتی ہیں۔ آبرومندانہ انسانی زندگی کو خواہ وہ کتنی مشکلات کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، بیگانوں کی غلامی پست زندگی پر ترجیح دیں، چاہے اس میں حیوانی خواہشات کی تکمیل ہو اور جان لیجیے کہ جب تک ترقی یافتہ صنعتوں کی ضروریات کے سلسلے میں دوسروں کے سامنے اپنے ہاتھ پھیلائیں گے اور گداگری میں عمر گزاریں گے۔ آپ میں تخلیق اور ترقی کی صلاحیتیں نہیں اُبھریں گی۔

جنگ، اقتصادی بائیکاٹ اور غیر ملکی ماہرین کی ملک بدری خدا کا ایک تحفہ تھا:

طویل تجربہ سے آپ نے دیکھ لیا کہ اس مختصر عرصہ میں اقتصادی بائیکاٹ کے بعد وہی لوگ جو کسی بھی چیز کی تخلیق سے قاصر نظر آتے تھے اور فیکٹریوں کو چلانے سے عاجز تھے، انہوں نے اپنی فکر پر زور دیا اور فوج اور کارخانوں کی بہت سی ضرورتیں خود پوری کیں۔

یہ جنگ، اقتصادی بائیکاٹ اور غیر ملکی ماہرین کی ملک بدری خدا کا ایک تحفہ تھا جس کا ہمیں پتہ نہیں تھا

آج اگر حکومت اور فوج جہانخوار (طاقتوں) کے ساز وسامان کا بذاتِ خود بائیکاٹ کریں اور سعی اور کوشش کے ذریعہ تخلیق کی راہ کو فروغ دیں تو اُمید ہے ملک خود کفیل ہو جائے گا اور دشمنوں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے نجات مل جائے گی۔

نیز یہاں اس بات کا اضافہ کرنا چاہیے کہ اس تمام مصنوعی پسماندگی کے باوجود غیر ملکی بڑی صنعتوں کی ضرورت ہمارے لیے ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے اور اس بات کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ترقی یافتہ علوم میں ہم دو محوروں میں سے

ایک کے ساتھ وابستہ ہو جائیں۔

حکومت اور فوج کو سعی کرنی چاہیے کی متعہد طلباء کو ایسے ممالک میں بھیجیں۔ جہاں ترقی یافتہ صنعتیں ہیں لیکن وہ استعماری یا استحصالی ممالک نہیں ہیں اور امریکہ یا روس یا ان ممالک میں بھیجنے سے گریز کریں جوان دو محوروں میں سے ایک کی راہ پر گامزن ہیں، مگر یہ کہ انشاء اللہ ایک دن ایسا آجائے کہ یہ دونوں طاقتیں اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے انسانیت اور انسان دوستی کی راہ اپنا لیں اور دوسروں کے حقوق کا احترام کریں یا انشاء اللہ دنیا کہ (مستضعفین)، بیدار قومیں اور فرض شناس مسلمان ان کو اپنی جگہ پر بیٹھا دیں۔ اس دن کی دعاؤں کے ساتھ۔

ذرائع ابلاغ اسلام اور ملکی مفادات کا پرچار کریں:

(م) ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات، سینما گھر اور تھیٹر قوموں بالخصوص جوان نسل کو تباہ و برباد کرنے کے موثر ذرائع ہوتے تھے۔ گزشتہ ایک صدی کے دوران خصوصاً اس کے دوسرے نصف میں ان ذرائع ابلاغ کو اسلام مخالف پروپیگنڈوں، خدمت گزار علماء کی مخالفت اور مغربی و مشرقی سامراج کے پروپیگنڈوں کے لیے استعمال کیا گیا اور ان سے ہر قسم کے سامان بالخصوص آرائش و زیبائش کے لیے مارکیٹ بنانے، عمارتوں اور ان کی آرائشوں زیبائش میں تقلید، غذائی اجناس، لباس وغیرہ جیسی چیزوں میں تقلید کا کام لیا گیا۔ اس طرح کردار و گفتار، لباس وغیرہ تمام زندگی کے معاملات میں، انگریزی طرز اپنانا بالخصوص عیاش یا نیم عیاش خواتین میں ایک بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ اُٹھنے بیٹھنے اور گفتگو کے انداز اور گفتار و تحریر میں مغربی الفاظ کا استعمال اس حد تک رائج تھا جس کا سمجھنا عوام کے لیے ناممکن اور اپنے برابر کے طبقات کے لیے بھی مشکل نظر آتا تھا۔ ٹی وی فلمیں مغرب یا مشرق کا چربہ ہوتیں تھیں جو نوجوان عورتوں اور مردوں کو زندگی، کام کاج ،صنعت و پیداوار اور (علم) و دانش کے معمول کے راستے سے منحرف کر کے اپنے آپ اور اپنی شخصیت سے غافل یا اپنی اور اپنے ملک کی ہر چیز حتیٰ کہ ثقافت و ادب اور قیمتی ورثہ سے جن میں سے بہت سی چیزیں غداروں کے ایجنٹوں کے ذریعے مشرقی یا مغربی لائبریریوں اور عجائب گھروں میں منتقل ہو گئی ہیں۔ متنفر اور بدگمان کر دیا۔

جرائد فحش، افسوس ناک مضامین اور تصاویر کے ساتھ اور اخبارات اپنی ثقافت اور اسلام کے خلاف مضامین کی دوڑ لگاتے ہوئے فخر کے ساتھ عوام بالخصوص جوانوں کے مؤثر طبقہ کو مغرب یا مشرق کی طرف بلاتے تھے۔

برائی کے اڈے، عشرت کدے، جوئے اور لاٹری کے اڈے، سامان زیبائش آرائش اشیاء اور کھلونوں کی دکانیں اور

شراب خانے بالخصوص مغرب سے درآمد ہونے والی چیزیں اس کے علاوہ ہیں۔

تیل، گیس اور دوسری معدنیات کی برآمد کے عوض گڑیائیں، کھلونے، آرائشی گفٹ پیپر درآمد کیے جاتے تھے اور اسی طرح کی سینکڑوں چیزیں جن سے میری طرح کے لوگ بے خبر ہیں اور اگر خدانخواستہ ان غیرت مند نوجوانوں، اسلام اور وطن کے ان فرزندوں کو جن سے ملت کی اُمیدیں وابستہ ہیں۔ مختلف شیطانی منصوبوں اور سازشوں کے ذریعہ فاسد حکومت، ذرائع ابلاغ اور مشرق پسند یا مغرب پسند روشن خیالوں کے ہاتھوں قوم سے بیگانہ اور دامن اسلام سے دُور ہونے میں دیر نہ لگتی یا اپنی جوانی بُرائی کے اڈوں میں تباہ کر ڈالتے یا جہان خوار طاقتوں کے ہاتھوں پڑ کر ملک کو بربادی کی طرف کھینچ لیتے۔ خداوند متعال نے ہم پر اور ان پر کرم کیا اور سب کو مفسدوں اور لٹیروں کے شر سے محفوظ رکھا۔

اب آج کے دور اور آنے والے ادوار کی پارلیمنٹ، صدر جمہوریہ اور بعد کے صدور اور ہر زمانے کی نگران کونسل، عدالتی کونسل اور حکومت کو میری وصیت ہے کہ خبر رساں اداروں، اخبارات و جرائد کو اسلام اور ملکی مفاد سے منحرف نہ ہونے دیں اور سب کو معلوم ہونا چاہیے کہ آزادی مغربی مفہوم کے ساتھ جو جوانوں، لڑکوں اور لڑکیوں کی تباہی کا باعث بنتی ہے۔ اسلام اور عقل کی رو سے قابلِ مذمت ہے۔ اسلام، اجتماعی پاکیزگی اور ملکی مفادات کے خلاف پروپیگنڈے، مضامین، تقریریں، کتابیں اور جرائد حرام ہیں اور ہم سب پر، تمام مسلمانوں پر اس کا انسداد فرض ہے اور خرابی پیدا کرنے والی آزادیوں کو روکنا چاہیے، اگر ہر اس چیز کا سنجیدگی سے سد باب نہ کیا جائے جو شرعی نقطہ نگاہ سے حرام، قوم اور مملکت اسلامی کے مفادات کے خلاف، اسلامی جمہوریہ کی حیثیت کے منافی ہے تو سب ذمہ دار ہوں گے، اگر عوام یا حزب اللہ جوان مذکورہ اُمور میں سے کسی ایک کو دیکھ لیں تو متعلقہ اداروں کی توجہ اس طرف مبذول کرائیں اگر وہ سستی کریں تو خود اس کو روکنے کے ذمہ دار ہیں خدا سب کا مددگار ہو۔

ایک جانثار قوم کا راستہ قتل، دھماکوں، بموں اور بے تکی اوٹ پٹانگ جھوٹی باتوں سے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

(ن) گروہوں، چھوٹی جماعتوں اور ایسے افراد کے لیے جو قوم، اسلامی جمہوریہ اور اسلام کے خلاف سرگرم عمل ہیں۔ میری وصیت اور نصیحت (پہلے ملک کے اندر اور باہر ان کے سربراہوں کے لیے) یہ ہے کہ آپ ایک طویل تجربہ سے گزریں ہیں۔ ہر قسم کے حربے نے جو آزمایا گیا ہے، ہر قسم کی سازش نے جو کی گئی ہے ہر ملک یا مقام نے جس سے آپ

متوسل ہوتے ہیں آپ کو جو اپنے آپ کو عاقل اور دانا سمجھتے ہیں یہ سکھایا ہوگا کہ ایک جان نثار قوم کا راستہ قتل، دھماکوں، بموں اور بے تکی اوٹ پٹانگ جھوٹی باتوں سے تبدیل نہیں کیا جاسکتا اور کبھی بھی کسی حکومت یا اقتدار کا تختہ ان غیر انسانی اور نامعقول طریقوں سے اُلٹا نہیں جاسکتا، خصوصاً ایرانی قوم کی طرح کی ایک قوم جس کے چھوٹے بچوں سے لے کر بڑے بوڑھوں تک اپنے نصب العین، اسلامی جمہوریہ، قرآن اور مذہب کی راہ میں جان نثاری کرتے اور قربانی دیتے ہیں۔ آپ کو تو معلوم ہے۔ (اگر معلوم نہیں تو آپ کی سوچ بہت سیدھی سادی ہے) کہ قوم آپ کے ساتھ نہیں، فوج آپ کی مخالف ہے اور اگر بر فرض محال آپ کے ساتھ ہوتیں اور آپ کی دوست تھیں آپ کی ناشائستہ حرکتیں اور آپ کی شہ پر کیے جانے والے جرم نے ان کو آپ سے الگ کر دیا اور دشمن بنانے کے علاوہ کوئی کام آپ نہ کر سکے۔ میں عمر کے اس آخری دور میں آپ کو خیر خواہانہ نصیحت کرتا ہوں کہ پہلے تو اس طاغوت کی ستائی ہوئی، اذیت دیدہ قوم کے ساتھ لڑ رہے ہیں۔ جس نے اپنے بہترین جوانوں اور فرزندوں کو قربان کر کے دو ہزار پانچ سو سال کے ظلم پر مبنی شاہی نظام کے بعد اپنے آپ کو پہلوی حکومت اور مشرق و مغرب کے جہانخواروں کے ظلم سے نجات دلائی ہے، انسان کتنا ہی گندہ کیوں نہ ہوں اس کا ضمیر کیسے راضی ہوگا کہ ایک مقام تک پہنچنے کی اُمید پر اپنے ملک اور قوم کے ساتھ اس طرح کا رویہ رواں رکھے اور ان کے چھوٹے بڑوں پر رحم نہ کرے۔ میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ ان بے فائدہ اور بے عاقلانہ سرگرمیوں سے بعض آجائیں اور جہانخواروں کے دھوکہ میں نہ آئیں اور جہاں بھی ہوں اگر کسی جرم کا ارتکاب نہیں کیا ہے تو اپنے ملک اور اسلام کی آغوش میں واپس آجائیں اور توبہ کرلیں اس لیے کہ خداوند ارحم الراحمین ہے اور اسلامی جمہوریہ اور قوم انشاء اللہ آپ کو معاف کر دے گی اور اگر کوئی جرم کیا ہے تو حکم خدا کے مطابق آپ کا انجام طے ہے پھر بھی راستہ کے بیچ میں سے واپس آئیں اور توبہ کرلیں اور اگر جرأت ہو تو سزا کے لیے تیار ہو جائیں اور اپنے اس عمل سے اپنے آپ کو اللہ کے دردناک عذاب سے نجات دلا دیں۔ ورنہ جہاں پر بھی ہوں گے اس سے زیادہ اپنی عمر بے کار نہ گزرنے دیں، کسی اور کام میں مشغول ہو جائیں، اسی میں بہتری ہے۔

اس کے بعد ان کے اندرون و بیرون ملک چاہنے والوں کو وصیت کرتا ہوں کہ کیوں اپنی جوانی ان لوگوں کے لیے لٹا رہے ہیں جو آج ثابت ہو گیا ہے کہ جہانخوار طاقتوں کے لیے کام کر رہے ہیں، ان کے عزائم کی تکمیل کر رہے ہیں اور نہ بھی میں ان کے جال میں پھنس گئے ہیں؟ اور اپنی قوم کے ساتھ کس کے لیے بے وفائی کر رہے ہیں، آپ ان کے ہاتھوں دھوکہ

کھائے ہوئے لوگ ہیں اور اگر ایران میں ہیں تو صاف دیکھ رہے ہیں کہ کروڑوں طاقتیں اسلامی جمہوریہ کے وفادار اور اس پر جان نثاری کر رہے ہیں اور اعلانیہ دیکھ رہے ہیں کہ موجودہ حکومت اور نظام دل و جان سے عوام اور غریبوں کی خدمت کر رہے ہیں اور وہ لوگ جو عوامی ہونے اور عوام (خلق) کے مجاہد اور فدائی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں۔ مخلوق خدا کے ساتھ دشمنی پر اُتر آئے ہیں اور آپ سادہ لوح نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے ساتھ اپنے اور جہانخوار طاقتوں کے دو محوروں کے عزائم کی تکمیل کی خاطر کھیل رہے ہیں اور خود یا تو بیرون ملک دو مجرم محوروں میں سے ایک کی آغوش میں بیٹھ کر خوشحال زندگی گزارنے میں مصروف ہیں یا تو ملک کے اندر پر شکوہ بڑے بڑے محلوں میں بد بخت مجرموں کے گھروں کی طرح امیرانہ زندگی گزارتے ہوئے اپنے جرم جاری رکھے ہوئے ہیں اور آپ جوانوں کو موت کے منہ میں دھکیل رہے ہیں۔ ملک کے اندر اور باہر موجود آپ نوجوانوں کو میری پدرانہ نصیحت ... ہے کہ غلط راہ چھوڑ دیں اور معاشرہ کے محروموں کے ساتھ جو دل و جان سے اسلامی جمہوریہ کی خدمت کر رہے ہیں متحد ہو جائیں اور ایک آزاد، خود مختار ایران (کی تعمیر) کے لیے سرگرم ہو جائیں تا کہ ملک وقوم دشمنوں کے شر سے محفوظ رہ سکے۔ اور سب مل کر آبرومندانہ زندگی گزار لیں، کب تک اور کس کے لیے ایسے لوگوں کے حکم کے تابع ہیں جو اپنے ذاتی مفاد کے علاوہ کچھ نہیں سوچتے اور سپر طاقتوں کی آڑ میں بیٹھ کر اپنی قوم کے ساتھ نبرد آزما ہیں اور آپ کو اپنے مذموم مقاصد اور ہوسِ اقتدار کی خاطر قربان کر رہے ہیں؟ آپ نے انقلاب کی کامیابی کے ان برسوں میں دیکھا کہ ان کے دعوے ان کے رویہ اور عمل سے مختلف ہے اور یہ دعوے صرف سادہ دل نوجوانوں کو بہکانے کے لیے کیے جاتے ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ قوم کے طوفانی سیلاب کے سامنے آپ کی کوئی طاقت نہیں ہے اور آپ کی سرگرمیوں کا نتیجہ اپنے آپ کو نقصان پہنچانے اور اپنی عمر کو برباد کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں نکلے گا۔ میں نے اپنا فرض جو ہدایت ہے ادا کر دیا ہے اور اُمید ہے اس نصیحت کو جو میری موت کے بعد آپ تک پہنچے گی اور اس میں اقتدار پرستی کا شائبہ نہیں ہے، سن لیں گے اور اپنے آپ کو اللہ کے دردناک عذاب سے نجات دلائیں گے۔ خداوند منان آپ کو ہدایت دے اور آپ کو سیدھا راستہ دکھائے۔

بائیں بازو کی جماعتیں بیگانوں کے ہاتھ میں نہ کھیلیں اور ملک کی تعمیر وترقی میں مصروف ہو جائیں:

کمیونسٹوں اور فدائی خلق چھاپہ ماروں کی طرح کے بائیں بازوں والوں اور بائیں بازو کی طرف رجحان رکھنے والے تمام گروہوں کو میری وصیت ہے کہ آپ نے مکاتب فکر اور اسلام کے مکتب کا ان لوگوں کے ذریعہ جنہیں ادیان بالخصوص

اسلام کی صحیح شناخت ہے، مطالعہ کیے بغیر کیوں ایسے مکتب فکر کی پیروی پسند کر لی جسے آج کل دنیا میں شکست ہوتی ہے اور کیا وجہ ہے کچھ ازموں سے (جن کی حقیقت اہل تحقیق کے نزدیک کھوکھلی ہے) اپنا دل بہلا رہے ہیں اور آپ کے لیے کون سا محرک ہے۔ جس کی روح سے آپ اپنے ملک کو روس یا چین کی جھولی میں ڈالنا چاہتے ہیں اور اپنے ملک کے ساتھ تو دہ پسندی کے نام سے لڑ رہے ہیں یا اپنے ملک اور مظلوم عوام کے خلاف بیگانوں کے مفاد میں سازشیں کر رہے ہیں؟

آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ کمیونزم کی پیدائش کے زمانے سے ہی اس کے دعویدار دنیا کی سب سے زیادہ آمر، اقتدار پرست اور انحصار پرست حکومتیں تھیں اور ہیں کتنی قومیں عوامی طاقتوں کے حامی ہونے کے دعویدار روس کے ہاتھ پاؤں تلے کچل کر صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔ روسی قوم مسلمان اور غیر مسلمان آج تک کمیونسٹ پارٹی کی آمریت کے دباؤ میں ہاتھ پیر مار رہی ہے اور ہر قسم کی آزادی سے محروم اور دنیا کے آمروں کے تشنج سے زیادہ تشنج کی حالت میں رہ رہی ہیں۔ اسٹالین کا (جو پارٹی کے نام نہاد درخشاں چہروں میں سے ایک تھا) آنا جانا، اس کی آن بان اور ٹھاٹھ باٹھ کو ہم نے دیکھ لیا۔ آج جب آپ دھوکہ کھانے والے لوگ اس نظام کی محبت میں جان قربان کر رہے ہیں۔ روس اور اس کے دوسرے حلیفوں کے ہاتھوں مثلاً افغانستان میں عوام ان کے ظلم سے ہلاک ہو رہے ہیں۔

اس صورت میں آپ لوگ جو عوام کے حامی ہونے کے دعویدار ہیں۔ ان مظلوم عوام پر جہاں آپ کا ہاتھ پہنچ سکتا تھا، کس طرح کے جرم رواں رکھے اور عامل کے شریف باشندوں کو جنہیں آپ اپنا کٹر حامی تصور کرتے تھے اور ان میں سے بہت سے لوگوں کو دھوکہ دے کر عوام اور حکومت سے لڑنے کے لیے بھیجا، ہلاک کر ڈالا کون سا جرم ہے؟ جو آپ نے نہیں کیا اور آپ غریب عوام کے حامی چاہتے ہیں کہ ایران کی محروم و مظلوم قوم کو روسی آمریت کے سپرد کر دیں اور اس طرح کی غداری فدائی خلق اور محرومین کے حامی کے روپ میں جاری رکھی ہوئی ہے۔ البتہ تو وہ پارٹی اور اس کے دوست، ساز باز اور اسلامی جمہوریہ کے حامی ہونے کا لیبل لگا کر اور دوسرے گروہ، اسلحہ، قتل اور دھماکوں کے ذریعہ۔

میں پارٹیوں اور جماعتوں کو وصیت کرتا ہوں کہ (چاہے وہ جو دائیں بازوں والوں کے نام سے مشہور ہیں اگر چہ شواہد اور قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ امریکی کمیونسٹ ہیں اور چاہے وہ پارٹیاں) جو مغرب سے شہ پاتیں ہیں اور ان کی پیروی کرتی ہیں اور چاہے وہ جنہوں نے کردوں اور بلوچیوں کی خودمختاری اور طرف داری کے نام پر ہتھیار کے ذریعہ کردستان اور دوسرے خطوں کے محروم عوام کو زندگی سے محروم کر دیا ہے اور صوبوں میں جمہوری حکومت کی

ثقافتی، صحت، اقتصادی اور تعمیر نو کی خدمت میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہیں۔ مثلاً حزب ومو کرات (ڈیموں کریٹک پارٹی اور کمولہ (پارٹی)) قوم سے آملیں اور اب تک تجربہ نے ثابت کر دکھایا ہے کہ آپ ان علاقے کے عوام کو بے بس کرنے کے علاوہ کوئی کام نہ کر سکے اور نہ کر سکتے ہیں۔ لہٰذا آپ، آپ کی قوم اور آپ کے علاقوں کا مفاد اسی میں ہے کہ حکومت کی کوششوں میں شریک ہو جائیں، بغاوت، بیگانوں کی خدمت اور وطن کے ساتھ غداری سے باز آجائیں اور ملک کی تعمیر و ترقی میں مصروف ہو جائیں اور یقین کر لیں کہ ان کے لیے اسلام مجرم مغربی طاقت اور آمر مشرقی محور سے زیادہ اچھا اور عوام کی انسانی اُمنگوں پر بہتر طریقے سے پورا اُترتا ہے۔ اور مسلمان جماعتوں کے لیے جو غلطی سے کبھی مغرب کی طرف اور کبھی مشرق کی طرف جھکاؤ کا اظہار کرتی ہیں اور کبھی منافقین (خلق) کی (جن کی غداری کا اب پتہ چلا ہے طرف داری کرتے تھے اور اسلام کے بدخواہ دشمنوں پر کبھی خطا اور غلطی سے لعنت بھیجتے تھے اور ان کو مطعون کرتے تھے۔ میں وصیت کرتا ہوں کہ اپنی غلطی پر سخت مؤقف اختیار نہ کریں اور اسلامی جرأت کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کرلیں اور حکومت، پارلیمنٹ اور مظلوم قوم کے ساتھ رضائے الٰہی کی خاطر یک آواز ہمسفر ہو جائیں۔ اور تاریخ کے ان مستضعفوں کو متکبروں کے ہاتھ سے نجات دلا دیں۔ مرحوم مدرس اس متعہد، پاکیزہ سیرت، پاکیزہ فکر عالمِ دین کا قول ذہن نشین کرلیں جو انہوں نے اس زمانے کی بے جان مجلس (پارلیمنٹ) میں کہا تھا۔

''اب جبکہ ہمیں برباد ہونا ہے تو ہم اپنے ہی ہاتھوں کیوں ہوں''۔ میں بھی آج اس شہید راہِ حق کی یاد میں آپ برادرانِ ایمانی سے عرض کرتا ہوں کہ اگر ہم امریکہ اور روس کے مجرم ہاتھوں سے صفحہ ہستی سے مٹ جائیں اور باوقار سرخ لہو'' میں ڈوبے ہوئے'' اپنے رب کے حضور پیش ہو جائیں اس بات سے بہتر ہے کہ ہم مشرق کے سرخ اور مغرب کے سیاہ جھنڈے تلے خوشحال امیرانہ زندگی گزاریں اور انبیاء عظامؑ، آل محمدؐ، مسلمین اور بزرگانِ دین مبین کا شیوہ اور مشن ہے جس کی ہمیں پیروی کرنی چاہیے اور اپنے آپ کو مطمئن کر لینا چاہیے کہ اگر ایک قوم کسی بھی وابستگی کے بغیر رہنا چاہے تو رہ سکتی ہے اور دنیا کے طاقت ور ترین لوگ، کسی قوم پر اس کے ارادے کے بغیر کوئی چیز ٹھونس نہیں سکتے۔ افغانستان سے درسِ عبرت لینا چاہیے باوجود یہ کہ غاصب حکومت اور بائیں بازو کی پارٹیاں روس کے ساتھ تھیں اور ہیں لیکن اب تک عوامی طاقتوں کو نہیں کچلا جا سکا۔

اس کے علاوہ آج دنیا کی محروم قومیں بیدار ہو چکیں ہیں اور جلد یہ بیداریاں جدو جہد تحریک اور انقلاب میں بدل

جائیں گی اور اپنے آپ کو متکبر ظالموں کے چنگل سے آزاد کر لیں گی اور آپ اسلامی اقدار کے پابند مسلمان اس بات کے شاہد ہیں کہ مشرق و مغرب سے کٹ کر رہنے کا عمل'' اپنی برکتیں دکھا رہا ہے اور مقامی مفکر دماغ کام کرنے لگے ہیں اور خود کفالت کی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں اور جو چیزیں مشرقی و مغربی غدار ماہرین ہماری قوم کے لیے ناممکنات میں جلوہ گر کر رہے تھے۔ آج وسیع پیمانے پر ملت کی فکر و عمل سے انجام پا چکی ہیں اور انشاء اللہ طویل دورانیہ میں انجام پائے گی اور صد افسوس کہ یہ انقلاب دیر سے برپا ہوا اور کم سے کم محمد رضا کی جابرانہ بادشاہت کے ابتدائی دور میں نہیں آیا اور اگر آ جاتا تو لٹا پٹا ایران اس ایران سے مختلف ہوتا۔

دانشوروں اور فن کاروں کو قوم کا دستِ بازو بننا چاہیے:

ادیبوں، شاعروں، مقرروں، دانشوروں، معترضین اور ان لوگوں کے لیے جو ابھی تک ذہنی اُلجھاؤ میں مبتلا ہیں، میری وصیت یہ ہے کہ اسلامی جمہوریہ کی پالیسیوں کے خلاف اور پارلیمنٹ، حکومت اور تمام خدمت گاروں کے خلاف بد گمانی، بدخواہی اور بدگوئی میں اپنا سارا زور صرف کر کے وقت ضائع کرنے اور اس فعل سے اپنے ملک کو بڑی طاقتوں کی طرف ہانکنے کی بجائے کسی رات کو تنہائی میں اپنے خدا کے حضور میں حاضر ہوں، اگر خدا پر اعتقاد نہیں رکھتے تو اپنے ضمیر کی عدالت میں حاضر ہو جائیں اور اپنے باطنی جذبات کا جن سے اکثر انسان خود بے خبر ہوتے ہیں جائزہ لیں۔ دیکھیں کہ کس معیار اور کس انصاف کی رو سے آپ جنگی محاذوں اور شہروں میں شہید ہونے والے نوجوانوں کے خون سے چشم پوشی کرتے ہیں اور ایک ایسی قوم کو اعصابی جنگ میں کیوں مبتلا کر رہے ہیں جو اندرونی و بیرونی ظالموں اور لٹیروں کے پنجے سے نکلنا چاہتی ہیں اور جس کے افراد نے اپنی اور اپنے فرزندوں کی جانیں قربان کر کے آزادی حاصل کی ہے اور اب مزید قربانیاں دے کر اس کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کیوں ایسی قوم کے خلاف اختلاف انگیزی اور خائنانہ سازشیں کر رہے ہیں اور کیوں متکبروں اور ظالموں کے لیے راستہ ہموار کر رہے ہیں؟ کیا بہتر نہیں ہے کی آپ اپنی فکر قلم اور قوت بیان سے اپنے ملک کی حفاظت کے لیے پارلیمنٹ، حکومت اور قوم کی راہنمائی کریں؟ کیا آپ کے شایانِ شان نہیں ہے کہ اس مظلوم اور محروم قوم کی مدد کریں اور اپنے تعاون سے اسلامی حکومت کو مزید مستحکم بنائیں؟ کیا آپ کے خیال میں یہ پارلیمنٹ، صدر مملکت، حکومت اور عدلیہ سابقہ حکومت سے بدتر ہیں؟ کیا آپ کو وہ مظالم بھول گئے ہیں جو گذشتہ لعنتی حکومت نے اس مظلوم اور بے سہارا قوم پر ڈھائے ہیں؟ کیا آپ کو یاد نہیں ہے کہ یہ اسلامی ملک اس زمانہ میں امریکہ کا

ایک فوجی اڈہ بنا چکا تھا اور اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا تھا جو کسی کالونی سے کیا جاتا تھا؟ پارلیمنٹ حکومت اور افواج تک ان کے قبضہ میں تھیں کہ، ان کے مشیر، صنعت کار اور ماہرین اس قوم اور اس کے ذخائر کے ساتھ کیا سلوک کیا کرتے تھے؟ کیا آپ بھول گئے ہیں کہ ملک بھر میں فحاشی پھیلا دی گئی تھی اور عشرت کدے، جوا خانے، شراب خانے، شراب فروشی کی دکانیں اور سینما گھر بنائے گئے جو نوجوان نسل کو تباہ و برباد کرنے کا بہت بڑا سبب ہیں، کیا آپ سابقہ حکومت کے ذرائع ابلاغ اور ان کے سراپا فساد انگیز اخبارات ورسائل کو بھول گئے ہیں؟ اور اب جبکہ شر و فساد کی اس گرم بازاری کا نام ونشان بھی باقی نہیں، آپ چلا رہے ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ مل گئے ہیں جو کھلم کھلا اسلام کو برا بھلا کہتے ہیں اور اس کے خلاف مسلح یا زبان قلم سے جدوجہد کر رہے ہیں جو مسلح جدوجہد سے بھی زیادہ خطرناک ہے، محض اس لیے کہ منحرف گروہوں کے کچھ نوجوان اسلام اور اسلامی جمہوریہ کو بدنام کرنے کے لیے بدعنوانی کے مرتکب ہو رہے ہیں اور اسلام اور اسلامی جمہوریہ کے مخالفین جو زمین پر فساد پھیلانے والے ہیں، ان کے قتل پر بھی آپ کو اعتراض ہے۔ خدا نے جن لوگوں کا خون بہانا جائز قرار دے دیا ہے آپ انہیں نور نظر کہتے ہیں اور جن چالبازوں نے ۱۴ اسفند (۵ مارچ) کا سانحہ برپا کیا اور بے گناہ نوجوان کو برا بھلا کہا اور مارا پیٹا، آپ ان کے ساتھ بیٹھ کر تماشائی بنے ہوئے ہیں حکومت اور عدالت کا معاندین منحرفین اور علیحدگی پسندوں کو کیفر کردار تک پہنچانا ایک اسلامی اور اخلاقی عمل ہے اور اس عمل پر آپ فریاد کر رہے ہیں اور مظلومیت کا رونا رو رہے ہیں۔ میں آپ لوگوں میں سے بعض کے ماضی سے کسی حد تک واقف ہوں اور مجھے ان سے دلچسپی ہے۔ میں آپ بھائیوں کے لیے بہت متاسف ہوں۔ مجھے ان لوگوں پر کوئی افسوس نہیں ہے جو خیر خواہی کے لباس میں بدخواہ، گڈریے کے لباس میں بھیڑیے اور ایسے بازی گر تھے۔ جنہوں نے ہر چیز کو مسخرہ بازی سمجھ رکھا تھا جو ملک وقوم کی تباہی و بربادی اور دو بڑی طاقتوں میں سے کسی ایک کی خدمت گاری کے لیے کوشاں تھے۔ جنہوں نے اپنے ناپاک ہاتھوں سے قیمتی نوجوانوں اور مردوں اور معاشرے کے مربی علماء کو شہید کیا، مسلمانوں کے مظلوم بچوں پر ترس نہ کھایا، اپنے آپ کو اپنے معاشرے کے سامنے رسوا اور خدا کے حضور ذلیل وخوار کیا، ان کی واپسی کی کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ ان پر نفس امارہ کے شیطان کی حکومت ہے لیکن آپ برادران اسلام حکومت اور پارلیمنٹ کی مدد کیوں نہیں کرتے جن کی کوشش یہ ہے کہ محرومین، مظلومین اور اپنے بے سروسامان اور زندگی کی تمام نعمتوں سے محروم بھائیوں کی مدد کریں۔ ایسی حکومت اور ایسی پارلیمنٹ سے آپ کو شکایت کیوں ہے؟ کیا آپ نے حکومت اور دیگر جمہوری اداروں کی خدمات کا جو انہوں نے اپنے تمام مسائل اور بے سرو

سامانی جو ہر انقلاب کے بعد ہوتی ہے اور زبردستی مسلط کی جانے والی جنگ اور اس کے تمام نقصانات، لاکھوں اندرونی اور بیرونی بے گھر افراد اور اس کم مدت میں بے پناہ تخریب کاریوں کے باوجود انجام دی ہیں۔ سابقہ حکومت کے اقتصادی کاموں کے ساتھ موازنہ کیا ہے؟ کیا آپ نہیں جانتے اس دور کے اقتصادی کام صرف شہروں تک محدود تھے اور وہ بھی امراء کے رہائشی علاقوں کی حد تک اور غریبوں اور محروم لوگوں کو ان کا نہایت معمولی حصہ ملتا یا وہ اس سے بھی محروم رہتے تھے جبکہ موجودہ حکومت اور اس کے جمہوری ادارے دل و جان سے اس محروم طبقے کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ مومنین کو بھی حکومت کا معاون بننا چاہیے تا کہ منصوبہ جلد از جلد پایا تکمیل کو پہنچے۔ آپ کو خدا کے حضور میں تو ہر حال میں جانا ہی ہے تو کیوں نہ جب آپ اس کے دربار میں حاضر ہوں تو اس کی مخلوق کی خدمت کا اعزاز لے کر حاضر ہوں۔ (یہاں سے میں نے کچھ عبارت خود کاٹ دی ہے)۔

اسلام ظالمانہ سرمایہ داری نظام اور اشتراکیت کا حامی نہیں ہے

س۔ یہاں یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ اسلام ظالمانہ، بے حساب اور ظلم و ستم کے شکار عوام کو محروم کر دینے والی سرمایہ داری کا حامی نہیں ہے بلکہ کتاب و سنت میں بڑی سختی سے ایسی سرمایہ داری کی مذمت کی گئی ہے اور اسے سماجی عدل و انصاف کے خلاف قرار دیا گیا ہے۔ اگر چہ اسلامی طرز حکومت اور اسلام میں موجودہ سیاسی مسائل سے ناواقف بعض کج فہم لوگوں نے اپنی تحریر و تقریر میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے اور کر رہے ہیں کہ اسلام سرمایہ داری اور حق ملکیت کا سب سے بڑا طرفدار ہے اسلام کے بارے میں ان کے اس غلط انداز فکر نے اسلام کے نورانی چہرے کو چھپا دیا ہے اور مطلب پرستوں اور اسلام کے دشمنوں کے لیے راستہ کھول دیا ہے کہ وہ اسلام پر ٹوٹ پڑے اور اسلامی حکومت کو مغربی سرمایہ داری بھی مثلاً امریکہ، برطانیہ اور دوسرے مکاروں کی سرمایہ دارانہ حکومتوں کی طرح سمجھنے لگے۔ یہ لوگ جان بوجھ کر اپنے مفاد کے لیے یا احمقانہ طور پر حقیقی اسلام شناسوں سے رجوع کیے بغیر ان بے وقوفوں کے قول و فعل پر بھروسہ کرتے ہوئے اسلام کے خلاف برسر پیکار ہو گئے ہیں۔

اسلامی حکومت کمیونزم، مارکسزم اور لینن ازم کی حکومتوں کی طرح بھی نہیں ہے۔ انفرادی ملکیت کی مخالف اور ایسے اشتراک کی قائل ہو جس میں بہت زیادہ اختلافات پائے جاتے ہیں۔ قدیم زمانوں سے لے کر اب تک عورت اور ہم جنس بازی تک میں اشتراک رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی ایک طرح کی ڈکٹیٹر شپ اور شدید استبداد کا تسلط قائم رہا ہے۔

اسلام ایک معتدل طرز حکومت ہے۔ اس میں انفرادی ملکیت اور اس کے احترام کا تصور موجود ہے لیکن ملکیت کے بننے اور اس کے خرچ کرنے کے لیے باقاعدہ کچھ حدود مقرر ہے کہ اگر ان پر صحیح طریقے سے عمل کیا جائے تو معاشیات کے پہیے صحیح وسالم انداز میں چل پڑیں گے اور سماجی عدل وانصاف جو کسی بھی صحیح حکومت کے لیے لازم ہے، قائم ہو جائے گا۔

یہاں اسلام اور اس کی بہترین اقتصادیات سے ناواقفیت اور غلط فہمی کی بناء پر ایک گروہ دوسرے گروہ کے مقابلے میں بعض آیات یا نہج البلاغہ کے بعض کلمات سے استدلال کرتے ہوئے اسلام کو مارکسزم جیسے انحرافی مکاتب فکر کے ہمنوا کے طور پر متعارف کروا رہا ہے۔ ان لوگوں نے تمام آیات یا نہج البلاغہ کے تمام جملوں پر توجہ دیئے بغیر اپنے ناقص فہم کے مطابق کچھ اخذ کیا ہے اور اُٹھ کر اشتراکیت کی پیروی کرنے لگے ہیں۔ یہ لوگ ایسے کفر، ڈکٹیٹر شپ اور شدید تشنج کی حمایت کر رہے ہیں جو انسانی اقدار کو کبھی خاطر میں نہیں لاتا اور جس کے تحت ایک اقلیتی گروپ انسانوں سے جانوروں کا سلوک رواں رکھتا ہے۔

پارلیمنٹ، نگران کونسل، حکومت، صدر مملکت اور عدالتی کونسل کے لیے میری وصیت یہ ہے کہ خداوند متعال کے احکام کے مقابلے میں عاجزی کریں اور ظالم چالباز سرمایہ دار، سپر پاور اور ملحد، اشتراکی اور کمیونسٹ سپر پاور کے بے بنیاد پروپیگنڈے کا اثر نہ لیں۔ حق ملکیت اور حدود اسلام کے مطابق جائز اور شرعی سرمایہ داری کا احترام کریں اور قوم کو اطمینان دلائیں تاکہ سرمایہ اور دوسری تعمیری سرگرمیاں کام کرنے لگے، ملک خود کفیل ہو جائے اور چھوٹی بڑی مصنوعات خود بنانے لگے۔

میں ایسے سرمایہ داروں کو وصیت کرتا ہوں جن کا مال ودولت شرعی حدود میں ہے کہ اپنے عادلانہ سرمایے کو گردش میں لائیں اور کھیتوں، کھلیانوں، دیہاتوں اور کارخانوں میں تعمیری سرگرمیاں شروع کر دیں کہ یہ خود ایک گرانقدر عبادت ہے۔

میں محروم طبقوں کی فلاح و بہبود کے لیے سب کو کوشاں رہنے کی وصیت کرتا ہوں کہ معاشرے کے ان محروموں کی خبر گیری میں ہی آپ لوگوں کے لیے دین ودنیا کی بھلائی ہے۔ جو ستم شاہی، خانی اور سرداری کی طویل رنج ومصیبت میں مبتلا رہے ہیں اور کیا ہی اچھا ہو کہ متمول طبقے کے افراد رضا کارانہ طور پر جھگیوں اور جھونپڑیوں میں بسنے والوں کے لیے رہائش اور ان کی رفاہ کا بندوبست کریں اور مطمئن رہیں کہ ان کے دین ودنیا کی بھلائی اسی میں ہے کیونکہ یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ کوئی تو بے خانماں ہو اور کسی کے پاس کئی بنگلے ہوں۔

غلط فہمیوں کے شکار علماء منافقین کے آلۂ کار نہ بنیں:

ج: علماء اور نام نہاد علماء کا وہ گروہ جو مختلف اسباب وعوامل کی بناء پر اسلامی جمہوریہ اور اس کے دوسرے اداروں کی مخالفت کرتا ہے اور اپنا وقت اس حکومت کے خاتمے کے لیے صرف کر رہا ہے۔ سازشی اور بازی گر سیاسی مخالفین کی مدد کرتا ہے اور کبھی جیسا کہ بتایا گیا ہے۔ خدا سے غافل سرمایہ داروں کی طرف سے اس مقصد کے لیے حاصل ہونے والے سرمایے سے ان کی لمبی چوڑی مدد کرتا ہے۔ اس گروہ کے لیے میری وصیت یہ ہے کہ اب تک آپ کی یہ غلط کاریاں کوئی معرکہ سر نہیں کر سکیں اور بعد میں بھی مجھے آپ کی کامیابی کی اُمید نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اگر آپ نے دنیا کے لیے یہ کام شروع کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کبھی آپ کو اپنے غلط مقصد میں کامیاب نہیں کرے گا۔ جب تک توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ بارگاہِ خداوندی سے معافی مانگ لیجئے۔ محروم اور مظلوم قوم کے ہمنوا بن جایئے اور قوم کی قربانیوں سے حاصل ہونے والے اسلامی جمہوریہ ایران کی حمایت کیجئے کیونکہ دین و دنیا کی بھلائی اسی میں ہے اگرچہ میرا خیال ہے کہ آپ کو توبہ کی توفیق نہیں ہوگی۔

اور وہ لوگ جو بعض غلط فہمیوں یا بعض اشخاص یا گروہوں کی طرف سے ہونے والی بعض دانستہ یا نادانستہ غلطیوں کی وجہ سے جو خلاف اسلام ہیں۔ اسلامی جمہوریہ کی بنیاد اور اس کی حکومت کی شدید مخالفت کر رہے ہیں اور رضائے الٰہی کے لیے اس کے سقوط کے سلسلے میں سرگرم عمل ہیں۔ جن کے خیال کے مطابق یہ جمہوری حکومت سابقہ حکومت سے بدتر یا اس جیسی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے میری وصیت یہ ہے کہ وہ تنہائیوں میں خلوص نیت کے ساتھ غور وفکر کریں اور از روئے انصاف موجودہ اور سابقہ حکومت کا موازنہ کریں اور پھر یہ بات بھی پیش نظر رکھیں کہ دنیا کے انقلابات میں نقصانات، غلطیوں اور موقع پرستیوں سے اجتناب نہیں کیا جا سکتا۔ اگر آپ توجہ فرمائیں اور اسلامی جمہوریہ کے مسائل کو پیش نظر رکھیں مثلاً سازشیں، جھوٹے پروپیگنڈے، اندرونی و بیرونی مسلح حملے، اسلام اور اسلامی حکومت سے قوم کو ناخوش کرنے کے ارادے سے تمام حکومتی اداروں میں مفسرین اور اسلام کے مخالف گروہوں کا نفوذ جس سے بچنا ممکن نہیں، ارباب اختیار میں سے اکثر یا زیادہ افراد کی ناتجربہ کاری، جن لوگوں کے غیر شرعی مفادات ختم ہو گئے ہیں یا کم ہو گئے ہیں۔ ان کی چھوڑی ہوئی جھوٹی افواہیں، شرعی قاضیوں کی واضح کمی، حوصلہ شکن معاشی مسائل، لاکھوں عوام کے ارباب اختیار کی تطہیر اور ان کی تہذیب کے سلسلے میں درپیش عظیم مشکلات میں نیک تجربہ کار اور ماہر افراد کی کمی اور ایسے ہی بہت سے دوسرے مسائل جن سے آدمی اُس وقت تک آگاہ نہیں ہو سکتا جب تک اس صورتحال میں مبتلا نہ ہو۔

دوسری طرف سے کچھ صاحب غرض جاہ طلب سرمایہ دار جنہوں نے سود خواری، منافع طلبی، کرنسی کی سمگلنگ، ظالمانہ

گراں فروشی اور ذخیرہ اندوزی سے معاشرے کے غرباءٔ محروم افراد کو ہلاکت کی حد تک دبا رکھا ہے اور معاشرے کو فساد کی طرف کھینچے لیے جاتے ہیں۔ شکایتیں کرنے اور فریب دینے کے لیے آپ حضرات کے پاس جاتے ہیں۔ کبھی آپ کو یقین دلانے کے لیے اپنے آپ کو سچا مسلمان ظاہر کرتے ہوئے ''سہم'' (فطرانہ) کے طور پر آپ کو رقم پیش کرتے ہیں مگرمچھ کے آنسو بہاتے ہیں اور آپ کو اشتعال دلا کر مخالفت پر اُکساتے ہیں ان میں سے اکثر غیر شرعی طریقوں سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے عوام کا خون چوس رہے ہیں اور ملکی معیشت کو تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ میں نہایت عاجزی سے برادرانہ طور پر آپ کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ آپ حضرات ان افواہوں سے متاثر نہ ہوں خدا کے لیے اور اسلام کے تحفظ کی خاطر اسلامی جمہوریہ کو مضبوط بنائیں اور جان لیں کہ اگر یہ اسلامی جمہوریہ شکست سے دوچار ہوگئی تو اس کی جگہ بقیۃ اللہ روحی فداء (امام مہدی علیہ السلام) کی خاطر خواہ اسلامی سلطنت یا آپ حضرات کی فرمانبردار حکومت قائم نہیں ہو سکے گی۔ بلکہ ایک ایسی حکومت برسر اقتدار آئے گی، جو دو محوروں میں سے کسی ایک کی مرضی کی ہوگی۔ دنیا بھر کے وہ محرومین جو اسلام کا رُخ کر رہے ہیں اور اس کے شیدائی ہو رہے ہیں، مایوس ہو جائیں گے، اسلام ہمیشہ کے لیے منظر سے ہٹ جائے گا اور آپ لوگ ایک نہ ایک دن اپنے کیے پر پچھتائیں گے لیکن وقت گذر چکا ہوگا اور پشیمانی کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور اگر آپ کو یہ توقع ہے کہ ایک ہی رات میں تمام کام اسلام اور احکام خداوندی کے مطابق ہو جائیں گے تو آپ غلطی پر ہیں اور پوری تاریخ انسانی میں کبھی ایسا معجزہ رونما نہیں ہوا اور نہ ہی ہوگا۔

جس دن انشاء اللہ تعالیٰ مصلح کُل (امام مہدی علیہ السلام) کا ظہور ہوگا، اس دن بھی آپ یہ خیال نہ کیجئے کہ کوئی معجزہ ہوگا بلکہ وہ اپنی جدوجہد اور قربانیوں سے ظالموں کی سرکوبی کر کے انہیں مار بھگائیں گے اور اگر بعض منحرف بازاری لوگوں کی طرح آپ کا نظریہ بھی یہ ہے کہ اس بزرگوار کے ظہور کے لیے کفر اور ظلم کے فروغ کے لیے سعی کرنی چاہیے تاکہ پوری دنیا پر ظلم چھا جائے اور آپ کے ظہور کے لیے فضا سازگار ہو تو پھر بس انا اللہ وانا الیہ راجعون ہی کہا جا سکتا ہے۔

مستضعفینِ وارثانِ زمین:

ف۔ تمام مسلمانوں اور دنیا بھر کے مستضعفین کے لیے میری وصیت یہ ہے کہ آپ کو بیٹھ کر اس امر کا منتظر نہیں رہنا چاہیے کہ آپ کے ملک کے حکام اور صاحبانِ اختیار یا بیرونی طاقتیں آئیں گی اور آپ کے لیے استقلال و آزادی کا تحفہ لائیں گی۔ ان آخری سو سالوں میں جبکہ جہانخوار بڑی طاقتوں نے بتدریج تمام اسلامی ممالک اور تمام چھوٹے ممالک میں پاؤں

جمائے ہیں۔ ہم نے اور آپ نے مشاہدہ کیا ہے یا صحیح تاریخوں نے ہمیں بتایا ہے کہ ان کے ملکوں کی حکومتوں میں سے کوئی ایک بھی اپنی قوم کی آزادی اور اس کی فلاح و بہبود کی فکر میں نہیں تھی اور نہ ہے۔ بلکہ ان میں اکثر، تقریباً سبھی حکومتیں یا خود اپنی قوم پر ظلم وتشدد کرتی رہی ہیں اور جو کچھ بھی کرتی رہی ہیں محض اپنے ذاتی یا جماعتی مفاد کے لیے کرتی ہیں یا خوشحال اور امیر طبقے کی رفاہ میں لگی رہی ہیں اور غریب، مظلوم اور جھونپڑیوں میں رہنے والا طبقہ زندگی کی تمام نعمتوں بلکہ پانی، روٹی اور قوت لا یموت تک سے محروم رہا ہے۔ ان حکومتوں نے امیر طبقے کو ہمیشہ عیاش اور مرفہ الحال طبقے کے مفادات کے لیے استعمال کیا یا یہ حکومتیں سپر پاورز کی ایجنٹ تھیں۔ انھوں نے مختلف ملکوں اور قوموں کو کسی نہ کسی سے وابستہ کرنے کے لیے مقدور بھر کوشش کی اور مختلف حیلوں، بہانوں سے مختلف ملکوں کو مشرق اور مغرب کی مارکیٹیں بنا دیا اور مشرق و مغرب کے مفادات کا تحفظ کیا۔ ان اقوام کو پسماندہ اور دست نگر رکھا اور اب بھی یہ حکومتیں اسی سازش کے ساتھ سرگرم عمل ہیں۔ اے دنیا بھر کے مستضعفین! اے مسلمان ممالک! اے دنیا بھر کے مسلمانو! آپ اُٹھ کھڑے ہوں اور جس طرح بھی ممکن ہو اپنا حق حاصل کریں۔ بڑی طاقتوں کے پروپیگنڈے کے شور وغل اور ان کے پٹھو حکام سے نہ ڈریں، ان مجرم حکمرانوں کو اپنے ملک سے بھگا دیں جو آپ کی کمائی آپ کے اسلام مبین کے دشمنوں کو پیش کر دیتے ہیں، آپ خود دار اور دوسرے فرض شناس اور خدمت گار طبقے حکومت کی بھاگ ڈور سنبھالیں اور اسلام کے قابل فخر پرچم کے سائے میں جمع ہو کر دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں دنیا بھر کے محروموں کے دفاع کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں اور آزاد جمہوری اداروں پر مشتمل ایک اسلامی حکومت کے قیام کے لیے جدوجہد کریں۔ اگر آپ ایسی حکومت کے قیام میں کامیاب ہو گئے تو دنیا بھر کے مستکبرین کو منہ کی کھانی پڑے گی اور تمام مستضعفین امامت اور وراثت ارض کے مقام پر فائز ہو جائیں گے۔

اس دن کی اُمید کے ساتھ جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہوا ہے:

انبیاء اور اولیاء کا راستہ سعادت مطلق کی واحد راہ ہے:

اس وصیت نامہ کے آخر میں، میں ایک بار پھر ایران کی شرافت مآب قوم کو وصیت کرتا ہوں کہ دنیا میں آپ کا نصب العین جتنا عظیم الشان، جلیل القدر اور بلند مرتبہ ہو گا۔ اتنا ہی آپ کو تکالیف و مصائب اور محرومیاں زیادہ برداشت کرنی پڑیں گی۔ اتنا ہی زیادہ قربانیوں اور ایثار کا مظاہرہ کرنا پڑے گا۔

جس مقصد کے لیے آپ جیسی شریف اور مجاہد قوم نے جدوجہد کی ہے اور کر رہی ہے۔ جس نصب العین کے لیے آپ

نے جان و مال کی قربانی دی ہے اور دے رہے ہیں۔ وہ بلند ترین، عظیم ترین اور سب سے زیادہ قیمتی نصب العین ہے۔ جو ازل میں صدر عالم سے لے کر اب تک رہا ہے اور اس جہاں کے بعد ابد تک رہے گا۔ وہ مقصد مسلک الوہیت ہے۔ اپنے تمام تر وسیع معنوں سمیت اور عقیدہ توحید ہے اپنے عظیم الشان پہلوؤں کے ساتھ، جس کی تخلیق کی بنیاد، سبب پہنائے وجود اور غیب و شہود کے درجات و مراتب میں ہے اور جو اپنے تمام تر مفاہیم درجات اور عبادات کے ساتھ مکتب محمدیؐ میں پوری طرح جلوہ گر ہوا ہے اور جس کی کامیابی کے لیے تمام انبیائے عظامؑ اور تمام اولیائے معظمؒ نے کوششیں کی ہیں اور جس کے بغیر کمال مطلق اور بے پایاں جلال و جمال تک رسائی ممکن نہیں۔ یہی وہ مقصد ہے جس نے انسانوں کو فرشتوں پر برتری دی اور ان سے زیادہ عزت و شرف بخشا۔ اس مقصد میں مگن رہنے سے انسان کو وہ کچھ حاصل ہوتا ہے جو تمام ظاہری و باطنی مخلوقات میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں ہوتا۔

اے مجاہد قوم! آپ لوگ اس پرچم کے زیر سایہ چل رہے ہیں جو ساری مادی و روحانی کائنات میں لہرا رہا ہے۔ آپ اسے پاسکیں یا نہ (یہ آپ کی قسمت) آپ اس راستے پر چل رہے ہیں جو صرف اور صرف انبیائے علیہم السلام کا راستہ ہے اور سعادت مطلق کی واحد راہ ہے اس میں یہ جذبہ ہے کہ تمام اولیاء اس راستے میں شہادت کو گلے لگا لیتے ہیں اور سرخ موت کو شہد سے بھی زیادہ شیریں سمجھتے ہیں۔ آپ کے نوجوانوں نے جنگی محاذوں پر اس کا ایک گھونٹ پیا ہے اور وجد میں آگئے ہیں اور ان کی ماؤں، بہنوں، باپوں اور بھائیوں میں اس کا جلوہ ہے۔ ہمیں بجا طور پر کہنا چاہیے کہ:

يَا لَيْتَنَا كُنَّا مَعَكُمْ فَنَفُوْزَا فَوْزًا عَظِيماً ٥

خوشگوار ہوا ان کے لیے وہ نسیم دل آرا اور وہ جلوۂ شوق انگیز۔

یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اسی جلوے کی جھلک تپتے ہوئے کھیتوں کھلیانوں، تھکا دینے والے کارخانوں، فیکٹریوں، صنعت اور ایجادات کے مراکز میں ہے اور قوم کی اکثریت میں بازاروں، سڑکوں اور دیہاتوں میں ان تمام لوگوں میں جلوہ گر ہے۔ جو اسلام اور اسلامی جمہوریہ کے اُمور کے منتظم ہیں اور ملکی ترقی و خود کفالتی کے لیے خدمت پر مامور ہیں۔ جب تک معاشرے میں تعاون اور فرض شناسی کی یہ فضا برقرار ہے ہمارا پیارا ملک انشاء اللہ زمانے کے آسیب سے محفوظ رہے گا۔ الحمد اللہ کہ حوزہ ہائے علمیہ، یونیورسٹیاں اور تعلیم و تربیت کے مراکز کے نوجوانان عزیز اس غیبی نغمہ الٰہی سے سرشار ہیں اور یہ محفوظ مراکز ان کے اختیار میں ہیں اور خدا کے فضل و کرم سے مفسدین اور منحرفین کا ان مراکز پر کوئی بس نہیں چلتا۔

میں ہر ایک کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ خدائے متعال کی یاد کے ساتھ خود شناسی، خود کفالتی اور ہمہ جہت آزادی کے لیے آگے بڑھیں، بلاشبہ خدا آپ کے ساتھ ہے۔ اگر آپ اس کی خدمت میں ہوں! اس اسلامی ملک کی ترقی اور سر بلندی کے لیے جذبہ تعاون کو فروغ دیں، میں اپنی پیاری قوم میں بیداری، ہوشیاری، تعہد، ایثار اور خدا کے راستے میں جدو جہد اور استقامت دیکھ رہا ہوں اور مجھے خدائے متعال کے فضل وکرم سے یہ اُمید ہے کہ یہ انسانی خصوصیات فرزندانِ قوم میں بھی منتقل ہوں گی اور نسل در نسل ان میں اضافہ ہوگا۔ میں اپنے خدا اور اپنی قوم سے اپنی کوتاہیوں کے سلسلے میں معافی کا طالب ہوں۔

میں پرسکون اور مطمئن دل شاد و مسرور روح اور خدا کے فضل وکرم سے پراُمید ضمیر لے کر بہنوں اور بھائیوں کی خدمت سے رخصت ہو رہا ہوں اور اپنی ابدی آرام گاہ کی طرف سفر کر رہا ہوں۔ مجھے آپ کی دُعائے خیر کی شدید ضرورت ہے۔ خدائے رحمٰن ورحیم سے میری دُعا ہے کہ وہ خدمت میں کوتاہی اور غلطیوں اور گناہوں کے سلسلے میں میرا عذر قبول فرمائے۔ مجھے اُمید ہے کہ میری قوم میری کوتاہیوں، گناہوں اور میری غلطیوں پر مجھے معاف کرے گی اور قوت اور عزم وارادہ کے ساتھ آگے بڑھتی رہے گی۔ میری قوم کو جان لینا چاہیے کہ ایک خادم کے چلے جانے سے قوم کی آہنی فصیل میں کوئی رخنہ نہیں پڑے گا کیونکہ کئی اور زیادہ اچھے اور بہتر خادم موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس قوم اور دنیا بھر کے مظلوموں کا محافظ ہے۔

والسلام علیکم وعلیٰ عبادِ اللہِ الصالحین ورحمت اللہ وبرکاتہ

۲۶ بہمن ۱۳۶۱/۱۔ جمادی الاول ۱۴۰۳ھ

روح اللہ الموسوی الخمینی (دستخط مبارک)

بسم تعالیٰ

میری وفات کے بعد یہ وصیت نامہ احمد خمینی لوگوں کو پڑھ کر سنائیں۔ معذوری کی صورت میں محترم صدر مملکت یا...... شورائے اسلامی کے سپیکر یا چیف جسٹس یہ زحمت کریں، معذوری کی صورت میں مجلس نگہبان کے فقہاء میں سے کوئی صاحب یہ زحمت کریں۔

روح اللہ الموسوی الخمینی (دستخط مبارک)

بسم تعالیٰ

میں مقدمہ اور ۲۹ صفحات پر مشتمل اس وصیت نامے کے آخر میں کچھ باتیں لکھ رہا ہوں:

۱۔ ابھی میں زندہ ہوں بعض جھوٹی باتیں مجھ سے منصوب کی جا رہی ہیں اور ممکن ہے میرے بعد ان کی تعداد میں اضافہ ہو جائے لہٰذا میں عرض کرتا چلوں کہ جو کچھ مجھ سے منصوب کیا جا رہا ہے یا کیا جائے گا، میں اس کی تصدیق نہیں کرتا لیکن اگر میری آواز ہو، میری دستخط شدہ تحریر ہو یا ماہرین اس کی تصدیق کر دیں یا میں نے اسلامی جمہوریہ ایران کے ٹی وی میں کوئی بات ریکارڈ کرائی ہو (تو وہ ٹھیک ہے)

۲۔ بعض اشخاص نے میری زندگی ہی میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ انھوں نے میرے اعلامیے لکھے ہیں میں اس کی پر زور تردید کرتا ہوں۔ اب تک میرا کوئی بھی اعلامیہ میرے علاوہ کسی اور نے تیار نہیں کیا۔

۳۔ اسی طرح بعض لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں اُن کی وساطت سے پیرس گیا تھا یہ جھوٹ ہے میں نے کویت کی سرحد سے واپس آ کر احمد کے مشورے سے پیرس کا انتخاب کیا کیونکہ اسلامی ممالک میں راستہ نہ ملنے کا احتمال تھا، تمام اسلامی ممالک شاہ کے زیر اثر تھے جبکہ پیرس میں ایسا کوئی احتمال نہیں تھا۔

۴۔ میں نے تحریک اور انقلاب کے طویل عرصے میں بعض افراد کی مکاری اور اسلام نمائی کی وجہ سے ان کا ذکر اور ان کی تعریف و توصیف کی ہے، بعد میں میں سمجھ گیا تھا کہ انھوں نے دھوکہ دہی سے مجھے غافل کر لیا تھا۔ ان کی وہ تعریفیں اس دور میں تھیں جب وہ اپنے آپ کو اسلامی جموریہ کا متعہد اور وفادار ظاہر کیا کرتے تھے۔ ان مسائل سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے، ہر شخص کو اس کی موجودہ صورتحال کے ترازو میں تولا جائے۔

روح اللہ الموسوی الخمینیؒ (دستخط مبارک)

☆☆☆

بسمہ تعالیٰ

امام سید موسیٰ صدرؒ

پیدائش ۱۳۵۰ء

اگر مسلمان علماء نے اسلام کو جناب موسیٰ صدرؒ کی طرح پیش کیا ہوتا تو عیسائیت اور دوسرے ادیان کا نام ونشان تک باقی نہیں رہتا۔ (جارج جرواق)

تاریخ گواہ ہے کہ آج تک کسی غیر مسلم نے کسی مسلمان کے لیے ایسے غیر معمولی انداز میں خراجِ تحسین پیش نہیں کیا۔ مگر یہ سعادت امام سید موسیٰ صدرؒ کے حصہ میں آئی۔ کیوں اور کیسے اس کا فیصلہ تو بعد میں ہوگا۔ جب آپ یہ تحریر پڑھ چکے ہوں گے۔

اگرچہ اٹھارویں صدی کے آخر میں عثمانی سلطنت اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی۔ لیکن پھر بھی احمد پاشا جیسے حکمرانوں کا ظلم وستم جاری تھا۔ جبل عامل کے نامور عالم دین سید صالح شرف الدین دوسرے علماء کی طرح اُس کے شر سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اِن کی آنکھوں کے سامنے اِن کے دو بیٹوں کو شہید کر دیا گیا، لائبریری کو آگ لگادی اور خود اُن کو بھی موت کی سزا سنادی گئی۔ لیکن مرضی خداوند قدوس کچھ اور تھی اور وہ لبنان سے نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ گرچہ سخت ترین قید میں تھے۔ کچھ دیر بعد آپ کے دو بیٹے سید صدر الدین اور سید محمد علی نجف اشرف میں آپ سے آن ملے۔ چند سال بعد شیخ مہدی خلیجی جو کہ عراقی شیعوں کے مرجع تقلید تھے کو جلاوطنی اختیار کرنا پڑی اور اس کے ساتھ ہی سید صدر الدین (سید موسیٰ صدر کے پردادا) بھی عراق چھوڑ کر ایران جانے پر مجبور ہوگئے۔ یہ شہادتیں، ہجرت اور جلاوطنی کی ابتدا تھی جو اس عظیم خاندان کا جزو لاینفک بن چکی تھی۔

سید صدر الدین کے لائق ترین فرزند اسماعیل (سید موسیٰ صدر کے دادا) اصفہان میں پیدا ہوئے اور پھر وہ دن بھی آیا جب وہ دُنیا بھر کے شیعوں کے مرجع تقلید بن گئے اور آپ ''سید الصدر'' کے نام سے معروف ہوگئے۔

آپ کے چاروں فرزند محمد مہدی، محمد جواد، حیدر اور صدر الدین (سید موسیٰ صدر کے والد) کا شمار نامور علماء میں ہوتا تھا۔

آیت اللہ سید صدر الدین صدر اپنے والد کی رحلت کے بعد ایران آگئے۔ خراسان میں سکونت اختیار کی اور آپ کی

شادی آیت اللہ حسین قمی کی بیٹی صفیہ بی بی سے ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد آیت اللہ حائری کی درخواست پر قم چلے گئے۔ قم میں آپ نے شیخ عبدالکریم حائری کے ساتھ مل کر حوزہ علمیہ کی بنیاد رکھی اور اِن ہی دنوں یعنی ۴ جون ۱۹۲۸ء کو سید موسیٰ صدرؒ کی دُنیا میں تشریف آوری ہوئی۔ آپ نے قم کے محلہ ''چہار مردان'' کے ایسے گھر میں قدم رکھا، جسے اِن کے والد کے بقول' والد کی زندگی میں فرش (قالین) ایران میں قالین کا رواج تھا اسی پر سونا، جاگنا ہوتا تھا اور غریب سے غریب گھر میں کچھ ہو نہ ہو قالین ضرور ہوتا تھا) نصیب نہ ہوا۔

مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم کے حصول کے لیے سنائی ہائی سکول میں داخلہ لیا۔ آیت اللہ حائری اور والد صاحب کی تائید وحمایت سے تہران یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ اس سے پہلے علامہ طباطبائی کی طرف سے ثقافتی امور کے سلسلے میں ''انجمن تعلیمات دینی'' نامی رسالہ کی نظارت سونپی گئی جو آپ کی پہلی ذمہ داری تھی۔ اُس زمانے میں ۲۰ سالہ دینی طالب علم کی یونیورسٹی میں داخلہ کی حرکت اِن تمام پابندیوں کو روندنے کے مترادف تھی کہ جن کے سبب دینی طالب علم الگ تھلگ ہو چکے تھے۔ سید موسیٰ صدرؒ پوسٹ گریجویشن کی ڈگری لے کر یونیورسٹی سے فارغ ہوئے۔ پچیس برس کی عمر میں والد گرامی کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد آپ نے نجف اشرف کا رُخ کیا۔ نجف اشرف میں سید محسن الحکیم اور شیخ مرتضیٰ آل لیٰسین جیسے باکمال اُستادوں سے مستفید ہوئے۔ ۴ سال بعد واپس قم آئے۔ دسمبر ۱۹۵۸ میں آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی، علی دوانی، جعفر سبحانی، حسین نوری کی حمایت اور تعاون سے اسلامی علمی رسالہ ''مکتب اسلام'' کا پہلا شمار شائع کیا۔ یہ یاد رہے کہ شاہِ ایران کی سخت ترین پابندیوں کا زمانہ تھا اور شاہ ایران کی انتہائی ظلم و بربریت والی ایجنسی ساواک ایسی کسی کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دیتی تھی۔ ساواک کے ڈپٹی تیمور بختیار نے پہلے شمارے کے شائع ہونے پر اپنی رپورٹ میں کہا تھا کہ قم کے حلق سے کمیونٹی فریاد بلند ہونے لگی ہے۔ سید موسیٰ صدرؒ کو بلایا گیا اور سخت پوچھ گچھ کی گئی خوفناک انجام کی طرف خبر دے کر ڈرایا گیا۔ مگر تمام تر دباؤ کے باوجود سید موسیٰ صدرؒ لبنان ہجرت کرنے تک بارہویں شمارے تک اس عہدے کو نبھاتے رہے۔

سید موسیٰ صدرؒ کی شادی ۲۸ برس کی عمر میں آیت اللہ عزیز خلیلی کی بیٹی بانو پروین خلیلی سے ہوئی۔ اس شادی کا ماحصل دو بیٹے سید صدرالدین اور سید حیدر اور بیٹی حورا سادات ہیں۔

ایک زمانہ تھا۔ جب جنوبی لبنان خاص کر جبل عامل کو شیعوں کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ لیکن عثمانی حکمرانوں کے

ظلم وستم اور فرانسیسی استعمار کے لبنان پر تسلط نے ایسے سماجی اور سیاسی حالات کو جنم دیا جس نے لبنان کے شیعوں کو پسماندگی اور تباہی کے علاوہ کچھ نہ دیا۔ سید عبدالحسین شرف الدین جنہوں نے فرانسیسی استعمار کے خلاف جدوجہد میں ساری عمر گزاردی تھی۔ لبنان کے شیعوں کو اُن کی صدارت میں اُمید کی تنہا کرن نظر آتی تھی۔ آپ اپنے رشتہ داروں سے یعنی صدر خاندان سے ملاقات کے لیے ایران آئے اور نوجوان سید موسیٰ صدرؒ سے مل کر آپ کی بابصیرت آنکھیں خوشی سے چمک پڑی۔ سید موسیٰ صدرؒ کی صورت میں آپ اپنا جانشین دیکھ رہے تھے۔ آپ نے گفتگو کے بعد کہا یہ جوان طالب علم اپنی آنکھوں سے بہت سارے حقائق کا مشاہدہ کر رہا ہے۔

۱۹۵۵ء میں آپ کی دعوت پر سید موسیٰ صدرؒ نے لبنان کا دورہ کیا اور واپسی پر اپنے ایک قریبی دوست سے کہا۔ میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اِن کے لیے کچھ کروں اگرچہ آپ جانتے ہیں اور شاید میں آپ سے زیادہ جانتا ہوں کہ ایران میں میرے لیے بہت سارے مواقع موجود ہیں۔ مگر میں اپنے دینی فرض سے اپنا دامن نہیں بچا سکتا۔ مجھے وہاں تو جانا ہی ہوگا۔

جنوب کے ۴۶۵ گاؤں میں صرف دو سکول تھے۔ کالج یا یونیورسٹی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شیعہ بااستعداد جوانوں کی اکثریت غربت کے سبب اعلیٰ تعلیم سے محروم تھی اور اِن کے پاس بیروت میں عیسائیوں کے کارخانوں میں مزدوری کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا اور حالات ایسے تھے کہ کارخانہ کے اندر اپنے مالک کے ڈر سے نماز بھی نہیں پڑھ سکتے تھے۔ یہ سب کچھ اس حقیقت کے باوجود ہو رہا تھا کہ لبنان کے سولہ قبیلوں اور چار اصلی مذہبی فرقوں یعنی مسلمانوں شیعہ اور سنی دروزیوں، مارونی عیسائیوں اور کیتھولک عیسائیوں میں سے شیعوں کی آبادی ایک تہائی تھی لیکن پھر بھی وہ چوتھے درجے کے شہری مانے جاتے تھے۔ آئین کے مطابق ملک کے صدر کا انتخاب اکثریتی فرقہ سے ہونا چاہیے تھا اور فرانس والوں کے اعداد و شمار کے مطابق عیسائی اکثریت میں تھے۔ وزیراعظم سنی فرقے میں سے اور پارلیمنٹ کا اسپیکر شیعہ فرقے میں سے چنا جاتا تھا۔

لبنان حکومت نے ہر قبیلے کے مذہبی اور سماجی امور خود اس قبیلے کو سونپ دیئے تھے۔ ہر فرقہ اپنی آبادی کے تناسب سے پارلیمنٹ یا حکومتی عہدوں کے لیے ممبران کا انتخاب کرتا تھا اور وہ منتخب نمائندے اپنے ہم مسلک لوگوں کے لیے تعلیم، صحت اور فلاح و بہبود کے مسائل کی منصوبہ بندی کرتے تھے۔ آئین کی رو سے شیعوں کا حکومتی اداروں میں حصہ ۲۰ فیصد بنتا

تھا۔ اُس وقت موجود شیعہ لیڈروں کی نالائقی کی وجہ سے یہ تناسب ۲۰ فیصد کی بجائے ایک فیصد یا اس سے بھی کم تھا۔ لہٰذا شیعہ اپنے رفاہی' فلاحی اور دوسرے حقوق سے محروم تھے۔

اُس زمانے میں لبنان کے جنوبی علاقے میں شیعہ فرقے کے حکومتی امور دو جماعتوں کے ہاتھ میں تھے۔ ایک جماعت کی قیادت کامل اسد اور دوسرے کی قیادت کاظم الخلیل کے ہاتھ میں تھی۔ کامل اسد حکومتی نوکر اور پٹھو کی شہرت رکھتا تھا جبکہ دوسری طرف کاظم الخلیل مشرق وسطیٰ میں امریکہ اور اسرائیل کے کٹھ پتلی ''کامل شمعون کا اتحادی اور نائب تھا۔ جنوبی لبنان میں فقط وہی لوگ آرام کی زندگی گزار سکتے تھے جن کا تعلق اِن دو میں سے کسی ایک کے ساتھ تھا۔

سید موسیٰ صدرؒ نے لبنان کے اِن محروم' فقیر' مزدور' پیشہ ور، ستم دیدہ غریب لوگوں کو اُن کا حق' عزت' وقار اور ۱۶ ہزار قحبہ خانوں اور نائٹ کلبوں کی رونق ۸۵ فیصد شیعہ لڑکیوں کو معاشرہ کا باعزت طبقہ بنانے کا عہد کیا اور اپنی کمر کس لی۔

۱۹۵۹ میں امام سید موسیٰ صدرؒ اکتیس برس کے ہو چکے تھے۔ آیت اللہ بروجردی کی جانب سے اٹلی میں ''تام الاختیار نمائندے'' منتخب ہوئے کہ شیخ عبدالحسین انتقال کر گئے۔ آپ کے فرزندوں نے پدر بزرگوار کے وصیت نامہ پر عمل کرتے ہوئے آپ کو لبنانی شیعوں کی رہبری کے لیے لبنان آنے کی دعوت دی۔ آپ نے لبیک کہتے ہوئے اپنی زوجہ اور دو بیٹوں کے ہمراہ لبنان کا رُخ کیا اور اسرائیلی سرحد سے بیس کلومیٹر دور ''صور'' نامی علاقے میں سکونت اختیار کی۔

''لبنان اس لیے آیا ہوں تاکہ سالہا سال سے لباس روحانیت پر پڑے گرد و غبار کو پاک کروں۔''

اگرچہ ایران لبنان کے مقابلے میں جنت نظیر تھا یہاں مواقع بھی تھے' وسائل بھی تھے اور دُنیا جہاں کی نعمتیں مگر یہ سب آپ نے قربان کیا صرف اور صرف اپنے ''دینی فرض کی خاطر''

سید موسیٰ صدرؒ اپنے قد و قامت اور خوبصورت و پُرکشش شخصیت کے باعث اُس مقدس انسان کی مانند تھے۔ جس کا لبنانی شیعہ اعتقاد رکھتے تھے۔ فارسی' عربی' انگریزی اور فرانسیسی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔

لبنان کے شیعوں کا شمار سید موسیٰ صدرؒ کی لبنان آمد کے زمانے میں لبنان کی پسماندہ ترین اقوام میں ہوتا تھا۔ خلافت عثمانیہ نے اپنی ظالمانہ پالیسی کی وجہ سے سینکڑوں سال اس اقلیت کو غربت' ناخواندگی اور مظلومیت کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا اور پھر خلافت عثمانیہ کی جگہ فرانسیسی استعمار نے لے لی اور اس قوم کو مزید ابتری کی جانب دھکیل دیا۔ لبنان کی آزادی کے بعد بدقسمتی سے بچے کچھے صاحب نفوذ جاگیرداروں نے اس صورتحال کو مزید ابتر کر دیا۔

بیروت کو مشرق وسطیٰ کا سویز رلینڈ کہا جاتا تھا۔ حقیقت میں یہ عرب کے شیوخ اور دوسروں کیلئے عشرت کدہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اعداد و شمار کے مطابق اس شہر میں سولہ ہزار قحبہ خانے اور نائٹ کلب تھے جن میں پچاسی فیصد جی ہاں! جنوبی لبنان کی شیعہ لڑکیاں جسم فروشی کرتی تھیں۔

شیعوں کا پیشہ ناچ گانا' جسم فروشی' بھیک مانگنا' سڑکوں کی صفائی کرنا۔ عیسائیوں کے کارخانوں میں مزدوری کرنا۔ ہوٹلوں میں ویٹری کرنا' اخبار فروشی' قلی اور بوٹ پالش کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

سید موسیٰ صدرؒ کے آس پاس رہنے والے لوگ یا تو مزدور تھے یا پھر اخبار فروش' قلی' بوٹ پالش اور ہوٹلوں میں ویٹر پھر بھی ان پر آپ فخر کرتے ہوئے کہا کرتے تھے "مجھے فخر ہے کہ ان جیسے لوگوں کا خادم ہوں اور مجھے فخر ہے کہ انہوں نے مجھے اپنی خدمت کے لیے چن لیا ہے۔"

وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اُن کی موجودہ حالت سے راضی نہیں تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اگر صحیح دعوت کے ہمراہ عمل نہ ہو اور ہم مذہب لوگوں کی اجتماعی حالت خراب ہو تو دعوت موثر نہیں ہوتی یہ کیسے ممکن ہے کہ لوگ کسی مسلمان کے اس دعوے کو صحیح تسلیم کریں کہ اسلام دُنیا و آخرت کی بہبود کا ضامن ہے۔ جبکہ اسلام پر بظاہر کاربند غربت' جہالت' امراض اور گندگی کی لپیٹ میں ہوں۔

امام موسیٰ صدرؒ نے لوگوں کی حالت بدلنے کا آغاز کر دیا تھا۔ آپ کا ایک دوست کہتا ہے کہ آپ بہت خوبصورت اور دراز قد تھے۔ آپ نے ایک چھوٹی کار فوکس رکھی ہوئی تھی۔ جس میں بیٹھنا خاصہ دشوار اور تکلیف دہ امر تھا۔ کئی بار میں نے کہا جناب عالی اس تکلیف دہ گاڑی میں بیٹھنے پر آپ کا اسرار کرنا میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ وہ جواب دیتے میرے بھائی! ہم جنوبی لبنان کے محروم، غریب عوام کے پاس جا رہے ہیں۔ اگر اُنہوں نے مجھے ایک آرام دہ لکوری گاڑی میں دیکھا تو وہ احساس کمتری کا شکار ہو جائیں گے۔ اونچی کرسی پر بیٹھ کر لوگوں سے ملنا قطعاً صحیح نہیں ہے بلکہ اِن کے ساتھ تواضع سے ملنا چاہیے اِن کی طرح زندگی گزارنی چاہیے۔ خدا ان لوگوں سے محبت کرتا ہے اور ہمارے اوپر بھی لازم ہے کہ اِن سے محبت کریں۔

سید موسیٰ صدرؒ لوگوں کے حالات زندگی بدلنے کی ٹھان کر آئے تھے۔ عزاداری کی مجلسیں اور شب جمعہ اور جمعہ کی محافل شیعیت کی تاریخ اور دینی علوم کے پھیلاؤ میں کلیدی کردار ادا کرتی رہی ہیں۔ لیکن لبنان کی صورت حال مختلف تھی۔

اگر اس قسم کی محافل کا انعقاد ہوتا بھی تو حاضرین کی تعداد بہت کم ہوتی اور مطالب بھی کوئی خاص بیان نہیں ہوتے تھے۔ اس کے باوجود سید موسیٰ صدرؒ نے ان محافل سے فائدہ اُٹھانے کا فیصلہ کیا۔

ابتداء میں صدر اور اس کے اطراف میں بسنے والے لوگوں کو جمعرات اور جمعہ کے شبانہ پروگراموں میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ لوگوں کی عدم دلچسپی دیکھ کر کہنے لگے۔

''عزیزان گرامی! پڑھنا اور پڑھانا خداوند متعال کے نزدیک مقدس ترین امور میں سے ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم ایک ساتھ بیٹھ کر اسلام کے بارے گفتگو کریں۔ اگر آپ کچھ پوچھنا چاہتے ہوں یا کچھ سیکھنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو میں آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوں، اگر آپ اسلامی علوم سے آگاہ ہیں اور ساری گتھیاں سلجھا چکے ہیں تو آیئے میں آپ لوگوں سے مستفید ہونا چاہتا ہوں۔

صورت حال کچھ ایسی تھی کہ رمضان المبارک کی راتوں میں نوجوان سینما گھروں کا پروانہ وار طواف کرتے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد آپ کی کوششوں سے صورت حال تبدیل ہونی شروع ہوئی اور نوجوانوں نے سینما جانا چھوڑ دیا۔ ایک بہت بڑی کامیابی کا آغاز ہوگیا۔ کچھ ہی دنوں میں سید موسیٰ صدرؒ کی کوششوں سے بحر احمر کے خوبصورت ساحل پر زمین کا ایک بڑا قطعہ خرید اگیا اور بہت مختصر مدت میں ایک عظیم عمارت تعمیر کی گئی۔ یہ ایک عظیم ثقافتی اور تفریحی مرکز تھا جس کا نام ''انجمن جوانان مسلمان'' رکھا گیا۔ نوجوانوں کی تربیت کا یہ ادارہ اس لحاظ سے منفرد تھا کہ مسلمانوں کے علاوہ عیسائی نوجوان بھی اپنے فراغت کے اوقات اس عظیم ثقافتی اور تفریحی مرکز میں ایک صحت مند ماحول میں گزارنے لگے۔ یہ جناب موسیٰ صدرؒ کی رکھی ہوئی بنیاد تھی کہ آج جناب سید حسن نصر اللہ کی ایک آواز پر نہ صرف مسلمان بلکہ لبنان کے عیسائی یہاں تک کہ لبنان کے یہودی بھی لبیک کہتے ہیں۔

جناب سید موسیٰ صدرؒ نے بھیک مانگنا منع کر دیا آپ کے پیش نظر آئمہ معصومین کی دو احادیث تھیں۔

۱۔ ہمارے ماننے والے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر موت کو ترجیح دیتے ہیں۔

۲۔ کسی پیشہ ور شخص یا جو مالی لحاظ سے آسودہ حال ہو اس کے لیے صدقہ جائز نہیں ہے۔

آپ کی تجویز پر رضا کاروں کی ایک ٹیم ''برواحسان'' کے نام سے تشکیل دی گئی۔

اس کے ممبران فنڈ دینے کے پابند تھے۔ تحقیقاتی کمیٹی نے سارے بھکاریوں کی لسٹ تیار کی ان میں صرف

مسلمان شامل نہ تھے بلکہ دوسرے مذاہب کے بھکاری بھی شامل تھے۔ تحقیقاتی کمیٹی نے بھکاریوں کو کئی گروہوں میں تقسیم کیا۔ پہلا گروہ ایسے افراد پر مشتمل تھا جن کے پاس کافی پیسہ تھا اور وہ سود کھاتے تھے۔ دوسرا گروہ کام کرنے کی توانائی رکھتا تھا تیسرا گروہ وہ تھا جن کے رشتہ دار آسودہ حال تھے آخری گروہ وہ مجبور تھے جن کا کوئی سہارا نہ تھا۔ فیصلہ کیا جناب موسیٰ صدرؒ نے کہ پہلے گروہ کو ہر طرح کی مالی امداد سے محروم کر دینا چاہیے تاکہ اس اجتماعی لعنت کا سدباب کیا جا سکے دوسرے گروہ کیلئے مناسب کام کاج کا اہتمام کیا گیا۔ تیسرے گروہ کے لیئے اِن کے رشتہ داروں سے رابطہ کیا گیا تاکہ وہ اپنے عزیزوں کی کفالت کر سکیں۔

چوتھے گروہ کیلئے ماہانہ وظیفہ 'لباس' غذا' دوا اور دیگر ضروریات زندگی کا بندوبست کیا گیا۔ جبل عامل کے لوگوں سے سید موسیٰ صدرؒ نے اپیل کی کہ فقراء کو بھیک' صدقہ نہ دیا جائے۔ بلکہ اپنے صدقات مخصوص صندوقچوں میں ڈالنے کے لیئے کہا اس طرح سے بہت ہی مختصر مدت میں گدائی کی لعنت کو جڑ سے اکھاڑ دیا گیا۔

تنظیم ''بر واحسان'' ساری فقیروں کی اِن کی مذہبی وابستگیوں سے بالاتر ہو کر مدد کرتی تھی۔ اس میں شیعہ سنی یا عیسائی ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ یہ سید موسیٰ صدرؒ کی مسیحائی تھی اور یہ طریقہ کار اتنا پر کشش تھا کہ ہر مذہب اور فرقے کے افراد مدد کرنے لگے۔ ایک دن ایک عیسائی شخص ''رفلہ منصۂ'' آیا اور اپنے برف سازی کے کارخانے کا ایک تہائی حصہ تنظیم کے نام کر دیا۔

نوجوانوں کی ہمت سے بہت جلد معذوروں کی دیکھ بھال کا ادارہ ''دار العجزہ'' اور بے سرپرست بچوں کی دیکھ بھال کے لیے ''دار الیتام'' کا قیام عمل میں آ گیا۔

بیروت کو مشرق وسطیٰ کا سویزرلینڈ کہا جاتا تھا درحقیقت یہ عرب کے شیوخ کے عیاشی کے اڈے کی حیثیت رکھتا تھا۔ اعداد و شمار کے مطابق اس شہر میں سولہ ہزار نائٹ کلب تھے جن میں پچاسی فیصد جسم فروش عورتیں جنوبی لبنان کی شیعہ لڑکیاں تھیں۔ یہ ایسی بدنصیب لڑکیاں تھیں جو غربت اور ناداری کے سبب تلاش معاش کے راستے بدکاری کے اڈوں تک پہنچ جاتی تھیں۔

لبنان میں عورت چار دیواری میں محصور اجتماعی پروگراموں یہاں تک کہ مذہبی مجلسوں میں بھی جانے سے محروم تھی۔ جناب موسیٰ صدرؒ نے عورتوں کی تربیت اور فکری ارتقاء اور عزت کی طرف واپسی کو ہر چیز پر مقدم رکھا۔ اگرچہ عورتوں کا

مسجدوں اور مذہبی تقریبات میں شرکت نہ کرنا اس راہ میں حائل سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔

لبنان میں عورت کی شخصیت خوبصورتی، دکھاوٹ، فیشن کا نمونہ تصور کی جاتی تھی۔ عورت اسی ڈر سے کہ کہیں اسے پردے اور حجاب کی طرف نہ بلایا جائے علماء اور دینی دعوت سے بہت خائف تھی۔ ایسے ماحول میں کام کرنا سید موسیٰ صدرؒ کے لیے کسی معجزہ سے کم نہ تھا۔ اس لیے سید موسیٰ صدرؒ نے کافی مطالعہ اور تحقیق کے بعد فیصلہ کیا کہ عورتیں بھی ''تنظیم برو احسان'' میں رکنیت کا حق رکھتی ہیں۔ بہت ہی مختصر وقت میں دوسو سے زیادہ عورتوں نے رکنیت حاصل کر لی اور پہلے ہی سال گورننگ باڈی کیلئے آٹھ خواتین کا انتخاب خود کیا۔ ۱۹۶۰ء میں جذبہ عوام دوستی کا ایوارڈ ایک عورت کو اُس کی خیراتی امور میں انتھک جدوجہد پر دیا گیا۔ اس سے اس تنظیم میں عورتوں کی دلچسپی کئی گنا بڑھ گئی۔ سید موسیٰ صدرؒ کی تجویز پر فقراء میں ماہانہ وظیفہ تقسیم کرنے کی ذمہ داری اور فقیر خاندانوں کی کفالت عورتوں کو سونپ دی گئی۔ آہستہ آہستہ عورتیں فعال ہونا شروع ہوئیں۔ انہوں نے ماہانہ تقریری پروگرام، جمعہ کی نماز، ولادت، شہادت کی مجالس اور بحث مباحثہ کی محافل میں شرکت شروع کردی۔ بحث مباحثہ کے ایک سلسلے کے بعد مناسب لباس پہننے کی حد مقرر کی گئی۔ اس طرح سے سید موسیٰ صدرؒ کی شب و روز کی محنت سے روشن مستقبل کی اُمید نے انہیں حرکت اور ارتقاء کی راہ پر ڈال دیا۔ لوگوں کے درمیان جو ہمدلی اور ہماہنگی کا جذبہ پیدا ہوا تھا۔ اُس کے طفیل مختصر سی مدت میں عطیات کی جمع آوری سے کئی ادارے اور امدادی مراکز نرسنگ اسکول اور نرسری کی تاسیس عمل میں آئی۔ بے سرپرست لڑکیوں کی پرورش اور کفالت کے لیے ایک مرکز ''بیت الفتاة'' قائم کیا گیا۔ جس کو خاص شہرت حاصل ہوئی۔ یہاں لڑکیوں کو امور من جملہ خانہ داری، ہینڈی کرافٹس اور دوسرے علوم کی تربیت دی جانے لگی۔ اس ادارے کا اہم ترین شعبہ لڑکیوں کا 'شخصی دفاع' اپنی کھوئی ہوئی شخصیت اور آزادی کو دوبارہ حاصل کرنا تھا۔ یہ معجزہ جناب سید موسیٰ صدرؒ نے کر دکھایا۔ بیروت کے نائٹ کلب اُجڑنا شروع ہو گئے۔ کھوئی ہوئی عزت و وقار کا حصول لبنانی لڑکیوں کا شعار بن گیا۔

ایک بار کچھ افراد نے ایک مرجع تقلید کے حضور شکایت کی تھی کہ سید موسیٰ صدرؒ ایسی محفلوں میں شریک ہوتے ہیں جن میں بے پردہ عورتیں شرکت کرتی ہیں اور وہ ان کے ساتھ مصافحہ کرتے ہیں۔ مزید کہا گیا کہ امام موسیٰ صدرؒ اہل کتاب کو پاک اور اِن کے ذبیحہ کو جائز جانتے ہیں۔

مرجع تقلید نے جواب میں فرمایا تھا کہ جناب موسیٰ صدرؒ خود بھی مجتہد ہیں اور وہ دوسروں سے بہتر جانتے ہیں کہ

معاشرتی مسائل سے کیسے نمٹا جا سکتا ہے۔ جناب موسیٰ صدرؒ کی فراست اور تدبر تھا کہ جس کام کا آغاز کرتے کامیابیاں قدم چومتی۔ بے پردہ عورتوں کی محافل میں شرکت اور اُن سے مصافحہ کرنا، قابل اعتراض ہے لیکن مولف کی نگاہ میں بے راہ روی کے شکار معاشرے اور دوسرے مذاہب کے ساتھ اخوت ومحبت کے فروغ میں معاشرت کیسی ہونی چاہیے تحقیق طلب امر ہے۔ میرے نزدیک جس انداز میں جناب سید موسیٰ صدرؒ نے معاشرت کی وہ اولیاء اللہ کا خاصہ ہے۔ مثلاً جب تک آپ گنہگاروں کو اپنے سے قریب نہیں کریں گے۔ وہ آپ کی بات کیسے مانیں گے۔ جب تک وہ آپ کے قریب نہیں آئیں گے کوئی مثبت نتیجہ حاصل نہیں ہو سکے گا اور ایسا اُس وقت تک ممکن نہیں ہے۔ جب تک آپ دھتکارے ہوئے لوگوں کو گلے سے نہ لگائیں۔ خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر ہوں، کافر اُس وقت تک مسلمان نہ ہو سکے گا جب تک آپکا کردار اور معاشرت ایسی نہ ہو جو اُسے آپ کے قریب لے آئے پھر کوئی بات بنے گی۔ یہ انتہائی مشکل کام ہے کہ شریعت کا بھرم بھی رکھتا ہو اور غیر کو احساس بھی نہ ہو۔

حضرت شاہ شمس تبریزؒ کی ملتان تشریف آوری ہوئی۔ سب ہندو ہیں۔ کیسے تبلیغ کریں؟ کیسے اپنے قریب لے آئیں؟ اُنہی کے درمیان رہنا اور کھانا پینا شروع کیا اور اعلیٰ ترین کردار اور اخلاق سے اُنہیں اپنا گرویدہ بنالیا اور شریعت کا بھرم بھی رکھا۔ کسی کافر، ہندو کا دل تک نہیں توڑا۔ اگر کبھی کسی ہندو نے کہا کہ کھانا کھالیں تو اب نہ دل توڑ سکتے ہیں، نہ شریعت کے قوانین۔ کہا کہ روزہ رکھا ہے کہا کب افطار کریں گے تو فرمایا تین دن کا روزہ ہے۔ تین دن بعد افطار کریں گے۔ اب تین دن بعد ہندو آ گئے مختلف پکوان پکا کر اور کہا کہ افطار کیجیے اِب تین دن کا روزہ ہے تین دِن لگا تار نہ کچھ کھایا، نہ پیا، جان پر بن گئی۔ اب شریعت اجازت دیتی ہے کہ جان بچانا فرض ہے۔ دو لقمے تناول فرمائے، تیسرے پر ہاتھ روک لیا۔ اُنھوں نے کہا تناول فرمائیں کہا ہم نے پھر روزہ رکھ لیا ہے۔ کہا کب افطار کریں گے، فرمایا تین دن بعد۔'' خدا معلوم کتنا عرصہ تین' تین دن کے روزے رکھے۔ شریعت کی بھی پاسداری کی اور اُن کا دِل بھی نہیں ٹوٹا۔ ایک دِن ہندوؤں نے کہا کیا ہمارے ساتھ مندر نہیں چلیں گے، فرمایا کیوں نہیں چلیں گے۔ آپ مندر میں چلے گئے ہندوؤں نے بتوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہا کیا آپ بھگوان کی پراتھنا نہیں کریں گے، فرمایا کیوں نہیں کریں گے آپ نے بھی ہندوؤں کے انداز میں ہاتھ جوڑ دیے۔ اب ہندو تو بیٹھے پتھر کے بت کے سامنے مگر آپ بیٹھے ہاتھ جوڑے اپنے خدا کی بندگی میں۔ ایک گھنٹہ دو گھنٹے، چار گھنٹے، ایک ایک کر کے ہندو جانے لگے مگر آپ بیٹھے ہیں۔ آنکھیں بند ہیں اور اتنا انہماک ہے کہ کوئی پوچھنے کی

جرأت بھی نہیں کرتا کہ کب تک بیٹھیں گے۔ سارے ہندو چلے گئے مگر آپ بیٹھے ہیں۔ ایک دن دو دِن تین دن نہ کھایا، نہ پیا، بس بیٹھے ہیں۔ جب تیسرا دِن گزرنے لگا تو سب ہندو پریشان اکٹھے ہو کر آئے سب نے فیصلہ کیا کہ یہ خود بھگوان ہیں نہ کھایا، نہ پیا، ایک ہی حالت میں بیٹھے ہیں۔ ایک مرتبہ سب نے آپ کو سجدہ کر دیا۔ سجدہ کرنا تھا کہ آپ نے فرمایا نہیں نہیں میں بھگوان نہیں ہوں آؤ میں بتاتا ہوں بھگوان کون ہے خداوند متعال کون ہے۔ ایک ہی وقت میں آپ نے چار ہزار ہندوؤں کو مسلمان کیا۔

اس طرح حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ سندھ میں ہندوؤں کے ساتھ معاشرت کرتے رہے۔ تین تین دن کے روزے رکھتے رہے ایک دن ہندوؤں نے کہا کہ آج بڑی پوجا ہے ہمارے ساتھ مندر چلیں کہا چلو اب آپ کو مندر کے دروازے پر روک دیا گیا۔ کہا گیا کہ اپنی مسجد میں کیسے جاتے ہیں۔ فرمایا وضو کر کے تو ہندوؤں نے کہا ہمارے مندر میں ایسے ہی چلے جائیں گے۔ تلک لگانا پڑے گا۔ فرمایا لگاؤ! ماتھے پر تلک لگایا، لکیریں رنگین لگائیں اور مندر میں داخل ہوئے۔ مندر میں ایک بہت بڑا بت تھا۔ جس کے اوپر دودھ بہایا جا رہا تھا۔ ہندو دودھ کے ڈول بھر بھر کر لاتے اور بت کے سر پر انڈیل دیتے۔ ایک ہندو آپ کے پاس آیا، اُس کے ہاتھ میں دودھ کا ڈول تھا۔ اُس نے کہا آپ بھگوان کو دودھ نہیں پلائیں گے، فرمایا کیوں نہیں آپ نے دودھ کا ڈول لیا، بت سے مخاطب ہو کر کہا۔ منوں دودھ ضائع کر دیا، منہ کھول دودھ پی یہ کہنا تھا کہ پتھر کے بت میں حرکت ہوئی، اُس نے منہ کھولا اور دودھ پی لیا۔ یہ کرامت دیکھ کر ہندو انگشت بدنداں رہ گئے اور سب سجدہ ریز ہو گئے کہ یہ خود بھگوان ہیں۔ آپ نے فرمایا میں بھگوان نہیں آؤ بتاؤں کون بھگوان ہے سینکڑوں مسلمان ہوئے۔

جناب سید موسیٰ صدرؒ خود مجتہد تھے۔ شریعت کے مسائل آپ نہ سمجھیں گے تو کون سمجھے گا خدا معلوم کس دِل جگر سے بے حجاب خواتین کے درمیان جاتے اور مصافحہ بھی کرنا پڑتا تو کرتے اور پھر خدا معلوم رات کی تنہائی میں کتنا گریہ کرتے، کتنی معافی مانگتے اپنے رب کے حضور گڑ گڑاتے، کیا کفارہ پیش کرتے یہ تو اب یا خود جناب موسیٰ صدرؒ جانتے ہیں یا اُن کا خدا۔

سید موسیٰ الصدرؒ نے اپنے بیشتر نمایاں کارنامے جوانی میں انجام دیئے۔ اس لیے دوسرے افراد کی نسبت تو جوانوں اور جوانوں کے ساتھ میل جول اور رابطے کو انھوں نے ترجیح دی۔ اس سلسلے میں پہلے قدم کے طور پر انھوں نے لبنان کے دو

بڑے ثقافتی مراکز''الکلیۃ الجعفریہ''(جعفریہ کالج)اور''الکلیۃ العاملیہ''(عاملیہ کالج)کے طالب علموں کے لیے ہفتہ وار جلسوں کا انعقاد شروع کیا۔ان جلسوں کا عنوان''قرآنی اسلام''یا ان کے اپنے الفاظ ہیں۔''قرآنی اسلام جس طرح موسیٰ الصدرؒ سمجھتے تھے''تھا۔ابتدائی دنوں میں کچھ نوجوانوں کے توہین آمیز قہقہے اور حقارت آمیز قیافے ناقابل برداشت تھے۔کئی مہینے گزر گئے۔بہت سخت دن تھے۔عجیب وغریب سوالوں کے جواب دینے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ایک دن ہال سے باہر نکلتے ہوئے نوجوانوں نے مجھے گھیر رکھا تھا،ان میں سے ایک پوچھنے لگا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ کیونکر نوجوان آپ سے محبت کرتے ہیں اور اس حد تک اپنائیت سے پیش آتے ہیں؟اور پھر خود ہی کہنے لگا آپ کی باتیں اور آپ کی تجاویز روحانی اور نفسیاتی مشکلات کے عین مطابق ہوتی ہیں۔صاف صاف کہہ دوں کہ آپ ہماری روحانی اور جسمانی مشکلات پر حقیقت پسندانہ مؤقف رکھتے ہیں اور صبر و حوصلہ اور وقت کے ساتھ ہماری مشکلات سنتے ہیں اور پھر ان کے حل کے لیے تا حد امکان کوشش کرتے ہیں۔

شب قدر تھی،میں دوسرے نوجوانوں کے ہمراہ اس رات کے مراسم انجام دینے کے لیے امام موسیٰ الصدرؒ کے گھر گیا۔میں نے پہلی بار داڑھی رکھی تھی،بہت پریشان تھا۔میرا خیال تھا کہ چہرہ کچھ بدصورت سا ہو گیا ہے۔لیکن جونہی امام کی نظریں میری طرف اٹھیں بہت ہی پیار بھرے لہجے میں کہا واہ واہ! کتنا خوبصورت اور نورانی چہرہ! الحمد للہ۔الحمد للہ! ماشاء اللہ! بہت نکھر گئے ہو،بہت اچھا ہے۔

اس اعتماد اور محبت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا اور پھر ہر کام میں ہم پیش پیش نظر آنے لگے۔ہم نے انہی سلجھے ہوئے جوانوں اور طالب علموں کے ہمراہ رمضان سے پہلے سڑکوں اور گلیوں کا چکر لگایا۔کافی دوکانوں،مسافر خانوں اور کباب فروشوں سے ملاقات کی اور ان سے آمد و رفت والی جگہوں پر ماہ صیام کے احترام کے لیے مدد کی درخواست کی۔خداوند کریم کے فضل و کرم سے اس عظیم اسلامی شعار کا احترام کیا گیا۔اس کام میں وہ نوجوان بھی ہمارے ساتھ ساتھ تھے جو ایک سال پہلے تک روزہ خواری سے پرہیز نہیں کرتے تھے۔

لیکن اس مرحلے تک آنا سید موسیٰ کے لیے حصول منزل کے معنیٰ میں نہیں تھا کیونکہ یہ نوجوان اسی صورت میں آئیڈیل بن سکتے تھے۔جب دینداری کے ساتھ ساتھ کسی علمی میدان میں ماہر بھی ہوں اور پھر مختلف(علمی و صنعتی)مراکز میں منظم ہو کر کام کر سکے۔بے شک ایسے ہی مقاصد کی خاطر سید موسیٰ نے ایک عظیم علمی مرکز''ادارہ صنعتی جنوبی لبنان''کے قیام کا

فیصلہ کیا۔

جس وقت جنوبی لبنان میں اس مرکز کے قیام کی بات چل رہی تھی۔ بعض لوگوں کی رائے یہ تھی کہ اسے بیروت میں قائم کیا جائے۔ اس طرح یہ زیادہ فائدہ مند ثابت ہوسکتا ہے۔ لیکن سید موسیٰ نے انکار کردیا اور کہا اس مرکز کے لیے بہترین جگہ جنوبی لبنان ہے۔ جنوبی لبنان دوسرے خطوں کی نسبت اس سرمایہ کا زیادہ محتاج ہے۔

سید موسیٰؒ اس سلسلے میں بہت پراُمید تھے مگر اس عظیم پراجیکٹ کے لیے ان کے پاس کوئی سرمایہ نہ تھا اور جب ان سے اس پراجیکٹ پر آنے والے خرچے کے بارے میں پوچھا جاتا تھا تو کہتے تھے۔

انشاءاللہ ثروت مند شیعہ اندرون و بیرون ملک سے مدد کریں گے اور اگر ایسا نہ ہوا تو بیروت کی ساحلی سڑک پر ایک خیمہ لگاؤں گا۔ ہر گاڑی والے سے تھوڑی مدد مانگوں گا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی گاڑی پھل لے کر آتی ہے اس سے درخواست کروں گا کہ پھلوں کی ایک چھوٹی سی پیٹی مدرسے کو دیں اور اگر خالی ہوئی تو ایک لبنانی لیرہ پر صبر کروں گا۔

ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ جنوبی لبنان کی خوبصورت ساحلی چوٹیوں پر لڑکوں کے صنعتی سکول نے سر اُبھارا۔ اس مرکز کو آٹھ سال تک سید موسیٰ کے جگری دوست ''ڈاکٹر مصطفےٰ چمران'' نے چلایا اور اس اسکول میں نوجوان اور یتیم بچے مختلف شعبوں میں من جملہ ثقافت، آئیڈیالوجی اور فنی امور میں مفت تعلیم حاصل کرتے تھے اور لوگوں کے آرڈر وصول کر کے اپنے ادارے کا خرچہ چلاتے تھے۔ اس عمارت کا کچھ حصہ دینی مدرسے ''معہد الدراسات الاسلامیہ'' کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ جہاں پر لبنان اور کئی افریقی و ایشیائی ممالک کے طلاب حصول علم میں مشغول تھے۔ اصل میں سید موسیٰؒ کی ایک بڑی آرزو افریقہ کے لوگوں سے نزدیکی تعلقات کا قیام تھا۔

''ہم مسلمانوں پر فرض ہے کہ افریقہ کے تشنہ عقائد عوام کی مدد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں، اس سے پہلے کہ یہ براعظم عیسائی اور کیمونسٹ دنیا کے ساتھ مل جائے۔

لبنان میں یہ بات بہت مشہور ہے کہ اگر بعلبک اور جنوبی لبنان (کے عوام) مل جائیں شیعوں کی طاقت میں اضافہ ہو گا اور اس خطے کی صورتحال کو تبدیل کیا جاسکتا ہے ان خطوں کو ملانے کی کوششیں بہت پرانی ہیں یہ اس زمانے کی بات ہے جب دو معروف اور پرنفوذ گھرانے ''آل حرفوش'' اور ''آل صعبی'' جو کہ بعلبک اور ہرمل (جنوبی لبنان کا مرکزی علاقہ) میں ساکن تھے، اس بات پر متفق ہوئے کہ ان علاقوں کو آپس میں جوڑنے کے لیے مضبوط اور نزدیکی تعلقات کی بنیاد ڈالی

جائے۔ لیکن جونہی لبنانی حکمران کو اس کی اطلاع ملی۔ فوراً ہی شام کے ترک نژاد بادشاہ ''مصطفیٰ پاشا'' سے رابطہ کیا اور ایک خط کے ذریعے انہیں خبردار کیا کہ اگر بعلبک اور جنوبی لبنان آپس میں مل گئے تو میری حکمرانی اور عثمانیہ حکومت شدید خطرات میں گرفتار ہو جائے گی، اس طرح ان دو حکمرانوں کی مداخلت سے صلح، بھائی چارے اور اتحاد کے بجائے جنگ اور خون ریزی کا دور شروع ہوا۔

اس دوران یہاں کے رہنے والوں میں بڑی عادتیں اور غلط قسم کے رسم و رواج پیدا ہو گئے تھے۔ جن کی وجہ سے اتحاد اور بھائی چارے کی فضا قائم کرنے میں مشکلات پیش آ رہی تھیں۔ اس علاقے کے لوگ ''خونخواہی'' کی بری لعنت میں گرفتار ہو چکے تھے۔ یعنی اگر ان میں سے کسی کو مار دیا جاتا تھا اس کے بدلے میں دوسرے قبیلے کے ایک فرد کا خون بہانا ضروری بن گیا تھا اور اس طرح ہزاروں بے گناہ انسانوں کی زندگیاں اس خونی انتقام کی نذر ہو جاتی تھیں۔

اب وہ وقت آ چکا تھا کہ اس سلسلے میں کوئی مؤثر قدم اُٹھایا جاتا کیونکہ سید لوگوں کے دلوں میں بس چکے تھے۔ اسی مقصد کے تحت سید موسیٰ نے لوگوں کو شہر بعلبک کے میدان میں جمع ہونے کے لیے کہا۔ پھر اپنی بات ان کے سامنے رکھی اور کہا:

''بعلبک کے غیور فرزندو! ہرمل کے بہادر لوگو! اس تاریک دور میں جہاں ہر دن خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہو اور دلوں کی حرارت بجھتی جا رہی ہو، ان درد آشام ایام میں، اس دہکتی سرزمین پر، جب دشمن پے در پے حملہ آور ہوں، غم سے میرا سینہ پھٹا جا رہا ہے اور آنکھیں خون کے آنسو روتی ہیں۔

میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ اس بری رسم جسے تم لوگ ''خونخواہی'' کہتے ہو اس کا کیا مطلب ہے؟ حاضرین محترم! تمہیں اس خدا کا واسطہ جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ میری تین باتوں میں سے کسی ایک کو مان لو اگر اس ''خونخواہی'' کے ذریعے مال و دولت کے متمنی ہو تو مجھے اتنی فرصت دو کہ اس خون کے بدلے میں کہ جس کے تم طلبگار ہو، مال و دولت عطا کروں اور یہ مال (بداخلاقی کے) مزار پر نشان قبر کے طور پر باقی رہے اور یہ رسم بد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دفن ہو جائے۔

اگر جنگ کی ہوس رکھتے ہو اور جنگ و خونریزی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے، تو آؤ جنگ کے لیے قدس کا رُخ کرتے ہیں۔ یروشلم اور دوسرے مقدس مقامات کی آزادی کے لیے جنگ کریں گے اور اس راہ میں خون بہائیں گے۔

اگر خونخواری کی ہوس میں مبتلا ہو، تمہیں خدا کا واسطہ ''صدر'' کو اپنی گولیوں کا نشانہ بناؤ اور اس خطرناک عادت سے

باز آجاؤ۔

لوگو! میں تمہیں کسی چیز کا حکم نہیں دے سکتا۔ اگر میری بات پر عمل کرتے ہو تو اس میں تمہاری بہتری ہے اور اگر پھر سے اپنی شیطانی خصلت کا دامن تھام لیا اور اپنی پرانی مخالف حرکات سے باز نہیں آئے تو گواہ رہنا کہ میں نے ایک راہنما کی حیثیت سے تمہیں خیر و نیکی کی طرف بلایا ہے۔

اخلاص کی دولت سے مالا مال دل جو ابھی ابھی اپنے رہبر کے استقبال میں دیوانہ وار دھڑک رہے تھے۔ ایک بار لرز اُٹھے اور پھر زبانوں نے ایک آواز میں نذرانہ اطاعت پیش کیا، کیا دنیا ایسی مثال پیش کر سکتی ہے کہ کسی قوم نے اپنے آباؤ اجداد کے طور طریقے کو صرف دو جملوں کے صدقے میں سینۂ تاریخ میں دفن کر دیا ہو اور عشق کی اتنی خوبصورت تصویر خلق کی ہو

اس دن بعلبک اور ہرمل کے لوگوں نے ایک زبان ہو کر قسم کھائی کہ اس ناپاک رسم کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خیر آباد کہیں گے اور اختلافی مسائل کے حل و فصل کے لیے عدالتوں کی طرف رجوع کریں گے۔

جنوبی لبنان میں سید موسیٰ کی محبوبیت کے ساتھ ساتھ ان کے خلاف دشمنی اور حسد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ سید موسیٰ پر دباؤ بڑھانے کی خاطر کامل اسد جیسے سیاسی لیڈروں اور صور کے کچھ متعصب اور تنگ نظر مولویوں نے آپس میں گٹھ جوڑ کر لیا۔

شیخ محمد جواد مغنیہ منبر پر بیٹھے تھے کہ سید موسیٰ الصدرؒ وارد مجلس ہوئے۔ جونہی سید موسیٰ پر نظر پڑی تو بڑی طرح برس پڑے اور کہنے لگے: اسلام ایسے لوگوں سے شدید نفرت کرتا ہے جو مسلمان ہونے کے تو دعویدار ہیں لیکن کفر و شرک کے ممالک (ان کا اشارہ سید موسیٰ ؒ کے سابق روس اور موجودہ تاجکستان کے دورے کی جانب تھا جو وہاں کے مسلمانوں سے ملاقات کی خاطر انجام دیا تھا) کا دورہ کرنے جاتے ہیں۔

سید موسیٰ ؒ بیٹھے تھے اور نگاہیں زمین پر پیوست تھی۔ پروگرام کے مطابق اگلے خطیب خود امام موسیٰ الصدرؒ تھے۔ شیخ مغنیہ کی تقریر اختتام کو پہنچی تو منبر سے نیچے اُتر آئے اسی وقت سید موسیٰ الصدرؒ منبر پر جانے کے لیے اپنی جگہ سے، کھڑے ہوئے لیکن اس سے پہلے شیخ مغنیہ کی طرف چلے گئے اور لوگوں کے سامنے ان کو گلے لگایا۔ لوگوں پر امام کے اس عمل سے ہیجانی کیفیت طاری ہوئی۔ خود شیخ بھی متحیر تھے جیسا کہ خود کہا کرتے تھے کہ جب امام کی آغوش میں تھے اُن ۔ کے کان میں کہہ دیا تھا کہ ''اس عمل سے تم نے میرے سارے الزامات اور بدتمیزیاں مجھے واپس لوٹا دیں ہیں''

آہستہ آہستہ دباؤ کی جگہ توہین براہ راست تہمتوں اور ہتک حرمت نے لے لی تھی۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ شہر صور میں خاندان آل محفوظ کے کچھ افراد نے سر عام سید موسیٰ کی توہین کی۔ عام لوگ اور امام موسیٰ الصدرؒ کے ماننے والے جن کی اب لبنان میں اکثریت تھی، بے اختیار اپنے رہبر کی حمایت میں سڑکوں پر نکل آئے۔ درجنوں گاڑیوں پر مشتمل جلوس بعلبک سے صور کی جانب روانہ ہوا۔ لوگ امام صادق کلب میں جمع ہوئے اور مختلف جماعتوں سے وابستہ نمائندوں نے تقریر کی۔ انھوں نے آل محفوظ کے گھروں کی جانب حرکت کرنے اور انہیں نذر آتش کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ لوگ آہستہ آہستہ ہال سے باہر آرہے تھے کہ اچانک امام موسیٰ صدرؒ کی آواز مائیکروفون سے سنائی دی۔ اپنے مخالفین کے کان مروڑنے کا یہ نادر موقع تھا۔ لیکن امام نے لوگوں کے بپھرے ہوئے مجمع کو کنٹرول کرنے کے بعد اچانک موضوع سخن تبدیل کیا اور لوگوں کی توجہ ایک نئے آئیڈیا کی طرف مبذول کروائی۔ امام موسیٰ صدرؒ نے ایک ایسی مجلس کی تاسیس پر بات کی کہ جس کے توسط سے لبنانی شیعہ بھی یہاں رہنے والے دوسرے فرقوں کی مانند قانون سازی، اس کے اجراء اور اپنے قانونی حقوق کے دفاع کا حق حاصل کر سکتے تھے۔

لیکن مسئلہ اتنی سادگی سے حل نہ ہو سکا۔ ایسے تین گروہ جو شیعوں کی قدرت کو اپنے لیے باعث ضرر سمجھتے تھے۔ اس منصوبے کی مخالفت میں اُٹھ کھڑے ہوئے اس مخالفت میں بائیں بازو کی پارٹیاں کہ جن کی قیادت لبنان کے سب سے چھوٹے قبیلے کے سرپرست ''کمال جنبلاط'' کے ہاتھ میں تھی۔ پیش پیش نظر آتی ہیں لیکن کیونکہ اُن کے فلسطینی گروہوں کے ساتھ نزدیکی روابط تھے اس لیے اُن کی حقیقی قیادت یاسر عرفات کر رہا تھا۔ دوسری جماعت عیسائیوں کی ''حزب کتائب ''تھی بیرونی محاذ پر اسرائیل جو اپنی لبنانی سرحد پر ایک قدرت مند دشمن سے خوف زدہ تھا، کے علاوہ شاہ ایران (دنیا کا واحد شیعہ ملک) اور بدقسمتی سے جمال عبد الناصر کی رہبری میں مصر جو عرب ازم کا پرچم دار تھا بھی نظر آتے ہیں۔

۵ جون ۱۹۶۳ء کو امام خمینیؒ کی آزادی کے لیے علمائے نجف کے ٹیلی گراف پر امام موسیٰ صدرؒ کے دستخط پائے گئے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کا کیس، بدنام زمانہ ایرانی حساس ادارے 'ساواک' کی میز پر پہنچ گیا

انقلاب کے بعد کئی ایسی اسناد ملی ہیں جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ساواک (ایرانی سراغ رساں ادارہ) امام موسیٰ صدرؒ کی شخصیت مجروح کرنے کے لیے لبنانی اخبارات کی حمایت کرتی تھی۔

اس وقت کے ایرانی وزیر اعظم 'ہویدہ' ایک رسمی سرکولیشن میں اعلان کرتا ہے کہ:

''اعلیٰ حضرت ہمایوں شہنشاہ مہر (شاہ ایران) نے حکم دیا ہے کہ لبنان کے شیعہ عوام کو بتایا جائے کہ جب تک ''صدر'' ہے ہم مدد نہیں کریں گے۔ جمیعت شیر و خورشید نے بھی سید موسیٰ کے مخالفوں کے لیے امداد بھیج کر لبنانی شیعوں کی قوت کو منظم طریقے سے ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ بائیں بازو کے مخالفین انہیں ایرانی حکومت کا پٹھوں اور شاہ کا نوکر سمجھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ سید موسیٰ صدرؒ نے دباؤ سے رہائی اور لبنانی عوام کے ساتھ اظہار یکجہتی کی خاطر لبنان میں لبنانی شہریت اختیار کی۔ اس فیصلے کے فوراً بعد ساواک نے ان کی ایرانی شہریت منسوخ کر دی۔ گویا وہ اسی لمحے کے منتظر تھے۔

لیکن لبنانی شیعہ اس مجلس کی تاسیس کے لیے پرعزم اور مصمم تھے اس لیے جب سید موسیٰ الصدرؒ نے محسوس کیا کہ گفتگو اور مسالمت آمیز طریقوں سے کچھ حاصل نہیں ہو رہا ہے تو انھوں نے عوامی قدرت کا سہارا لیا۔ ۱۶ مئی ۱۹۶۷ء کو ''مجلس اعلیٰ شیعیان'' کی بنیاد رکھی گئی اور آئین کو بنیاد بنا کر الیکشن کا انعقاد عمل میں آیا اور سید موسیٰ صدرؒ واضح اکثریت کے ساتھ چھ سال کے لیے اس مجلس کے صدر منتخب ہوئے۔

مخالفوں نے پروپیگنڈہ کر رکھا تھا کہ اگر اس مجلس کی بنیاد پڑ گئی تو سب کو شیعہ مذہب اختیار کرنا پڑے گا اور شیعہ ایسا کریں گے، شیعہ ویسا کریں گے۔ مجلس کی تاسیس کے اگلے روز ایک اخباری رپورٹر نے سید موسیٰؒ سے لبنان میں پھیلی ان افواہوں کے بارے میں سوال کیا تھا تو سید موسیٰ الصدرؒ نے انتہائی مختصر جواب دیا تھا ''اللبنان کما کان'' یعنی سب کچھ جیسے تھا ویسے ہی رہے گا۔

مجلس کے پہلے رسمی اعلان میں اس کا پروگرام کچھ یوں بیان ہوا:

- شیعہ برادری کے اُمور کو منظم کرنا اور شیعوں کی اجتماعی و اقتصادی صورتحال کو تقویت بخشنا۔
- ایک مکمل اسلامی تشخص کے لیے قیام اور کوشش کرنا۔
- اتحاد کے حصول اور اختلافات سے محفوظ رہنے کی خاطر بنیادی اقدام اٹھانا۔
- لبنان کے دوسرے فرقوں کے ساتھ تعاون اور ملکی وحدت کی حفاظت کرنا۔
- قومی اُمور پر نظارت اور لبنان کی آزادی کا دفاع۔
- غربت بے راہ روی اور جہالت کے خلاف انتھک جدوجہد۔

- قدس کی آزادی کے لیے تحریک آزادی فلسطین کی حمایت۔

اس ساری صورتحال میں جو چیز خاص طور پر قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں خاص طور پر عیسائیوں نے اس مجلس کی تاسیس کے لیے اپنی بھرپور حمایت پیش کی۔ اس کا ثبوت وہ رپورٹ ہے جو بیروت میں امریکی سفارتخانے میں اس مجلس کی تاسیسی قرارداد پر واشنگٹن کو ارسال کی تھی۔

لبنان کے عیسائی قائدین اس مجلس کے بننے پر خوشحال ہیں۔ وہ ہر ممکن طریقے سے اس کی حمایت کے لیے آمادہ ہیں ۔موجودہ صورتحال اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ جناب موسیٰ صدرؒ لبنان کی عیسائی برادری میں خاصے مقبول اور ایک ممتاز مقام کے حامل ہیں۔

مجلس اعلیٰ نے دو کمیٹیوں کی صورت میں اپنے کام کا آغاز کیا۔ ۱۹ افراد پر مشتمل ''شرعی کمیٹی'' اور ۱۲ افراد کی ''اجرائی کمیٹی ''۔ اگرچہ حکومت نے اس منصوبے کی منظوری کے لیے اپنی کچھ شرائط بھی رکھی تھیں اور سید نے مجبوری کی حالت میں ان کی منظوری بھی دی تھی لیکن ہمیشہ ان شرائط کو مجلس کے نقائص کے طور پر یاد کرتے تھے۔ ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ مجلس میں حکومت کے کچھ منتخب کردہ افراد کو شامل کیا جائے۔

امام موسیٰ صدرؒ ''مجلس اعلیٰ'' کی تاسیس کے سلسلے میں بزرگوں اور علماء سے تبادلہ خیال کی غرض سے نجف اشرف آئے تھے اور اسی مقصد کے لیے ایک جلسے کا انعقاد کیا گیا تھا۔ امام صدرؒ کہا کرتے تھے کہ قدیمی طرز عمل کی خصوصیت یہ تھی کہ لوگ علماء کے پیچھے جاتے تھے لیکن اب حالات بدل چکے ہیں اور یہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کے پیچھے جائیں۔ بہت سارے لوگوں نے اُن کی مخالفت میں اپنی زبان کھولی۔ البتہ میں نے عرض کیا:

جناب عالی! آپ کام کرنے کا مصمم ارادہ رکھتے ہیں لیکن جو حضرات یہاں پر اکٹھے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک بھی کام کا نہیں ہے۔ آپ واپس لبنان تشریف لے جائیں اور اپنے ہم عقیدہ افراد کے ساتھ کام کا آغاز کریں۔ ایک روز ضرور آئے گا کہ دوسرے لوگ بھی آپ سے مل جائیں گے۔

۱۹۷۳ء کے الیکشن میں ایک بار پھر سید موسیٰ الصدرؒ کو ان کی بے لوث خدمت اور انتھک جدوجہد کی وجہ سے مجلس کی صدارت کے لیے منتخب کیا گیا۔ اگلے سال گورننگ باڈی نے آئین میں اصلاح کر لی اور مجلس کی قطعی اکثریت سے سید امام صدرؒ کو ۶۵ سال کی عمر تک لبنان کے شیعوں کی مجلس اعلیٰ کی صدارت کے لیے منتخب کر لیا۔

جنوبی دیہاتوں کے درمیان تین اہم کیمپ موجود تھے۔ جن میں فلسطینی مہاجرین رہتے تھے چونکہ یہ کیمپ اسرائیلی سرحد سے خاصے فاصلے پر واقع تھے۔ اس لیے فلسطینی عسکریت پسند کبھی کبھی مقبوضہ فلسطینی سرحدوں پر حملے کی غرض سے ان میں سے کسی ایک گاؤں سے گزرتے تھے جس کے نتیجے میں اسرائیل کے کینہ پرور دہشت گرد بھی کبھی کبھار ان میں سے کسی ایک گاؤں کو وحشیانہ بمباری کا نشانہ بناتے تھے اور وہاں کے رہنے والوں کو خاک و خون میں نہلاتے تھے۔ دوسری طرف جس وقت کوئی فلسطینی شہید ہو جاتا تھا تو فلسطین کی تحریک اس کے گھرانے کو خون بہا کے عنوان سے کچھ پیسے دیتی تھی۔ لیکن کسی لبنانی کے قتل ہونے پر فقط یہ تحریک بلکہ لبنانی حکومت بھی کسی طرح کی کوئی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کرتی تھی۔ جس کے نتیجے میں فلسطینی حریت پسندوں کے ساتھ جنوبی لبنان کی شیعہ آبادی کے تعاون میں کمی آگئی اور یہ ایک ایسا خطرہ تھا جس کا نقصان صرف مسلمان کو پہنچ رہا تھا۔ یہ صیہونیوں کے لیے ایک بہترین تحفہ تھا۔

سید نے اس مسئلے کے حل کے لیے دو قسم کی چارہ اندیشی کی۔ پہلے مرحلے میں انھوں نے مسئلہ فلسطین کو تمام عالم اسلام من جملہ شیعہ و سنی کے لیے ایک عظیم اور اہم مسئلہ کی حیثیت سے پیش کیا اور دوسرے مرحلے میں جنوبی لبنان کے اہل تشیع برادری کے دل فلسطینی بھائیوں کی طرف موڑنے کی کوشش کی تاکہ وہ نقصانات سے ڈر کر فلسطینی عسکریت پسندوں کی حمایت سے ہاتھ نہ کھینچ لیں۔ اسی مقصد کے لیے اکثر ایسے اسلامی ممالک کا دورہ کیا جہاں اُن کو اُمید تھی کہ وہاں کے حکمرانوں سے ملاقات اور عوامی تقاریر کے ذریعے افکار عامہ کو مسئلہ فلسطین سے آگاہ کیا جا سکتا ہے۔

جنوبی لبنان کے ایک گاؤں پر صیہونی حملے میں ایک جوان درجۂ شہادت پر فائز ہوا تھا امام موسیٰ صدرؒ کے ہمراہ اس شہید کے گھرانے سے ملاقات کی غرض سے ہم لوگ روانہ ہوئے۔ اس کی ماں ساٹھ سال کی بوڑھی خاتون تھی۔ اس کا شہید فرزند پوسٹ گریجویٹ تھا اور شہر کے ایک سکول میں پڑھاتا تھا۔ بوڑھی خاتون کا شوہر مر چکا تھا اور یہ بیٹا بھی اس کی تنہا اولاد تھا اس عمر رسیدہ خاتون نے کہ جو سرتاپا سیاہ لباس میں ملبوس تھی۔ غصے اور لرزتی آواز میں لب کشائی کی میرا خیال تھا کہ امام سے جھگڑنے کا ارادہ رکھتی ہے کہ کیوں تم نے مجھ سے میرا بچہ چھین لیا ہے۔ میں نے دیکھا یہ خاتون کھڑی ہوئی اور غصے کی حالت میں چیخی۔ ''اے امام! کیا وجہ ہے کہ آپ نے عورتوں کے لیے کیمپ نہیں بنایا تاکہ میں بھی اس کیمپ میں جنگی تربیت حاصل کر لیتی اور شہادت کے منصب پر فائز ہو جاتی؟

اس طرح سید موسیٰ ؒ نے اسرائیل کا حقیقی چہرہ عیاں کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ یہاں تک کہ ایک بار

جرمن پادریوں کے اجتماع میں فرمایا:

اسرائیل بہت بے حیائی سے کہتا ہے کہ ہمسائیہ ممالک کو چاہیے کہ وہ فلسطینیوں کو نابود کردے اور ان کا نام ونشان تک مٹادے تا کہ وہ اپنی جارحیت کو جاری رکھ سکیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ فلسطین کا مسئلہ اور اس کی کوکھ سے جنم لینے والا عسکریت پسندوں کا معاملہ خود اسرائیلیوں کے وحشیانہ کردار کا نتیجہ ہے کہ جنہوں نے ۱۹۴۸ء سے لے کر آج تک دہشت گردی اور قتل وغارت گری کے سہارے فلسطینی عوام کو اپنے گھروں سے نکال کر ان کی جگہ لٹیروں، قابضوں اور استعمار کے ایجنٹوں کی ایک ٹولی کو اکٹھا کر رکھا ہے۔ اس وقت فلسطینی جانبازوں کی موجودگی صیہونی مقاصد اور اس کے جارحانہ عزائم کے لیے مرغوب بہانہ ہے۔ جس کی نظریں لبنان کی ذرخیز سرزمین پر ہیں اور ''عظیم اسرائیل'' کی تشکیل چاہتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ جنوبی لبنان اس ملک کے شیعوں کے لیے مرکز کی حیثیت رکھتا تھا لیکن اس مذہب کے ماننے والے کئی اور جگہوں میں بھی رہائش پذیر تھے جن میں شمال کے پسماندہ گاؤں بھی شامل تھے ایسی شیعہ آبادی کے جن کو دوسرے مذاہب کے ماننے والوں نے گھیر رکھا تھا اور دوسرے علاقوں کی شیعہ آبادی سے ان کا رابطہ نہ ہونا، اجتماعی، سیاسی اور ثقافتی لحاظ سے ان کی پسماندگی کا سبب بن گیا تھا۔

جب بھی سید کو کسی گاؤں میں بلایا جاتا تھا وہ خوشی خوشی اس دعوت کو قبول کر لیتے تھے یہاں تک کہ عیسائیوں کی دعوت پر بھی لبیک کہتے تھے لیکن نہایت ادب واحترام کے ساتھ ان سے کہتے تھے کہ وقت اور جگہ کے حتمی فیصلے کے لیے شیعہ آبادی سے ہم آہنگی کی جائے۔ آخر کار ان کے سفر کی منصوبہ بندی شیعہ ہی کرتے تھے اور عیسائیوں کو اس کی اطلاع دیتے تھے۔ جب بھی عیسائیوں کی دعوت پر سید شمالی لبنان آتے تھے تو شیعہ آبادی کے گاؤں کو دیکھنے پر اصرار فرماتے تھے۔ اُن کی اس دلچسپی کا مقصد ان علاقوں میں شیعوں کی خودی اور خود اعتمادی میں اضافہ کرنا تھا۔

آپ کا ایک چاہنے والا بیان کرتا ہے، اگرچہ حال ہی میں، میں نے آرٹ اسکول بیروت سے پڑھائی مکمل کی تھی لیکن مجھے جنوب جا کر مدرسہ جنوبی لبنان میں کام کرنے کا شوق تھا۔ اس سلسلے میں اپنے ایک رشتہ دار ابو ماہر سے مشورہ کیا اور اس نے مجھے اس کام سے منصرف کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میں نے اصرار کیا کہ مجھے امام موسیٰ کے پاس لے جائیں۔

امام نے میرے سرٹیفکیٹ دیکھنے کے بعد ٹیلیفون کا ریسور اٹھایا اور کچھ دیر فارسی زبان میں بات کی پھر مجھ سے پوچھا کہ میں کب تک کام کے لیے آمادہ ہوں۔ میں نے عرض کیا ابھی اور اسی وقت۔

اس وقت ابو ماہر نے امام موسیٰ سے کہا: ''اے امام! میں اسے آپ کی خدمت میں لایا تھا تا کہ آپ اسے منصرف کریں۔شمال میں اس کا بڑا خاندان ہے اور اس کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ان کی خدمت کرے۔اگر یہ بیروت میں کام کرے تو اپنے خاندان کی بہتر خدمت کر سکتا ہے۔امام نے اس کے جواب میں فرمایا:

استاد ابو ماہر! مومن جوانوں پر ہم دوسروں کی نسبت زیادہ حق رکھتے ہیں، یہاں تک کہ ان کے گھر والوں سے بھی زیادہ۔

اب وہ وقت آن پہنچا تھا کہ سارے لبنانی من جملہ شیعہ، سنی، عیسائی عوام کی غربت اور ناتوانی کو مٹانے کے لیے سنجیدہ قدم اٹھائیں۔چنانچہ ''حرکت المحرومین'' نے اس نعرے کے ساتھ کام کا آغاز کیا کہ اس کا تعلق لبنان کے تمام اقوام اور علاقوں سے ہے۔''حرکت محرومین'' خدا اور انسان پر حقیقی ایمان اور مکمل آزادی و کرامت انسانی کی بنیاد پر قائم کی گئی۔اس میں سماجی ظلم اور قوم پرست سیاسی نظام کی گنجائش نہیں تھی۔

۱۲ مئی ۱۹۷۰ء کو اسرائیل نے ایک وسیع حملے میں جنوب کے ۳۰ گاؤں کو ویران اور ۵۰ ہزار سے زیادہ شیعہ آبادی کو بے گھر کر دیا۔سید موسیٰ برق رفتاری کے ساتھ وارد میدان ہوئے، تمام قبیلوں کے سرداروں کو اکٹھا کیا اور جنوبی لبنان کی مدد کے لیے ایک کمیٹی کا اعلان کیا۔ابتدا میں سید موسیٰ نے اس وقت کے لبنانی صدر ''سلیمان فرنجیہ'' سے مطالبہ کیا کہ جنوب میں فوجی دستے تشکیل دے کر امن وامان برقرار اور اسرائیلی ظلم وستم کی روک تھام کرے۔لیکن حکومت نے نہ فقط یہ کہ کوئی توجہ نہ دی بلکہ فوج کی مدد سے فلسطینی کیمپ ختم کرنے کی منصوبہ بندی کی تا کہ ''نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری''۔

مگر سید موسیٰؒ مضبوطی کے ساتھ ان کے سامنے کھڑے ہوئے یہاں تک کہ دھمکی دی کہ:

''اگر حکومت لبنان اپنے منصوبے پر اصرار کرتی ہے، میں کیمپ کے اندر بیٹھ جاؤں گا۔اس صورت میں فوج کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا کہ گھروں کی ویرانی سے پہلے میرے جسم کو روندتے ہوئے گزر جائے۔''

انھوں نے اس سازش کو ناکام بنانے کے بعد ایک بار پھر لوگوں سے مدد کی درخواست کی اور لوگوں نے بھی اپنے رہبر کی اطاعت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

ہڑتال کے لیے سید موسیٰؒ نے جو کال دی تھی، اس میں ابھی کچھ ہی گھنٹے گزرے تھے کہ بیروت کی سانسیں رُک گئیں۔ہزاروں جانباز شیعوں نے بیروت کے بڑے ایئر پورٹ کے رن وے پر قبضہ کر لیا اور اعلان کیا کہ وہ اس ہڑتال کو اس وقت

تک جاری رکھیں گے، جب تک کہ ان کے رہبر اسے ختم کرنے کا حکم نہیں دیتے۔

اب وہ جنوبی لبنان کہ جس کی نجات کے بارے میں اس کے رہائشی بھی لاتعلق ہو چکے تھے۔ ایک قومی مسئلے کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ ۲۶ مئی ۱۹۷۰ء کے دن جو مظاہرے ہوئے ان میں لبنان کے تمام اصناف سے وابستہ لوگ جن میں استاد، مزدور، طالب علم سے لے کر دوکاندار، یہاں تک کہ بلدیہ سے وابستہ اہل کاروں نے بھی جنوبی لبنان کے تئیں حکومت کی بے توجہی پر اعتراض کی خاطر کام کاج سے ہاتھ کھینچ لیا اور دور دراز علاقوں سے امام موسیٰ صدرؒ کی تقریر سننے کے لیے پہنچ گئے۔

''ہم بیسویں صدی میں جی رہے ہیں۔ نہ قرون وسطیٰ میں......! یہ بات صحیح ہے کہ لوگوں کے مختلف طبقات، ان کے دین و مذہب، فکری ارتقاء اور اقتصادی لحاظ سے ان کے درمیان فرق ہے لیکن سب کے سب قانون انسانیت کے سامنے ایک جیسے ہیں اور سب کے لیے یکساں سماجی حقوق ہونے چاہیے۔

اگر آپ فیصلہ کر لیتے ہیں اور جنوب کی مدد کے لیے دوڑ پڑیں گے۔ حکومت بھی چارو ناچار آپ کے فیصلے کا احترام کرے گی۔ جنوبی لبنان اور وہاں کی آبادی کے لیے کوئی راہ حل تلاش کرے گی۔ اے لوگو! اگر جنوبی لبنان کو کچھ ہو جاتا ہے تو ملک بھی نہیں بچے گا۔ جنوب، لبنان کا ثقافتی اور مالی سرمایہ ہے اور ایسا نہ ہو کہ اسرائیل کے لیے چراگاہ بن جائے۔ میں اس پیغام کو لبنان کے تمام لوگوں تک پہنچانا چاہتا ہوں کہ ''خبردار رہنا! میں نے اپنی ذمہ داری کو ادا کر دیا ہے''

اس پائیداری کا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت نے اس خطے کی مشکلات پر تحقیق کے لیے ''مجلس جنوب'' کی تشکیل پر رضامندی کا اعلان کر دیا اور تیس لاکھ لیرہ (ایک تہائی ملک کے لیے قومی بجٹ کا تین فیصد حصہ) کی رقم اسرائیلی حملوں سے متاثرہ لوگوں، تعمیراتی سرگرمیوں اور جنوب کی تعمیر نو کے لیے مختص کی۔ اس کے بعد سے ۲۶ مئی کا دن لبنانی کیلنڈر میں ''روز جنوب'' اور امام موسیٰ صدرؒ کے نام سے درج کیا گیا ہے۔

ستر کی دہائی کے ابتداء میں سید موسیٰ صدرؒ کو اب ہر جگہ ''امام موسیٰ صدرؒ'' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ان کے مقام اور اثر و رسوخ کا اب تقاضا یہ تھا کہ جنوب کی شیعہ آبادی کے جو جائز حقوق اور مطالبات پامال کیے گئے تھے، وہ ایک ایک کر کے طلب کریں۔ یہاں پر انھوں نے محروم شیعہ آبادی کے لیے اپنی بیس نکاتی درخواست حکومت کے سامنے رکھی۔ انھوں نے اس درخواست میں شیعہ آبادی کی اہم ضروریات پیش کیں کہ جن میں سے کچھ کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے:

- اسرائیل کے مقابلے میں ہر گاؤں میں ایک پناہ گاہ یا بنکر کی تعمیر۔
- ہزاروں ایسے مسلمانوں کے لیے لبنانی شناختی کارڈ کا اجراء کہ جنہوں نے فرانس کے استعماری ایجنٹوں سے شناختی کارڈ لینے سے انکار کر دیا تھا۔
- جنوبی لبنان سے بیروت تک ایک شاہراہ کی تعمیر۔
- جنوب میں دریائے لطانی پر ڈیم کی تعمیر جو کہ سترہ سال پہلے اسرائیلی حملے کا نشانہ بنا تھا۔ ان (اسرائیلیوں) کی کوشش یہ تھی کہ اس کا پانی مقبوضہ فلسطین کے اپنے شہروں کی طرف موڑ دیں اور اسی لیے حکومت لبنان کو ڈیم کی تعمیر سے روک دیا تھا۔
- حکومتی اور فوجی مناصب کی عادلانہ تقسیم۔
- ظلم و ثروت اندوزی کو روکنا اور دولت کی عادلانہ تقسیم۔

لیکن حکومت نے اس کی مخالفت کی اور سید کسی بھی قیمت پر پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ انہوں نے حکومت کے نام الٹی میٹم جاری کیا کہ اگر ایک ہفتے کے اندر اندر مطالبات پر غور نہیں کیا گیا تو سارے شیعہ وزیر اور عہدہ دار اپنے اپنے عہدوں سے استعفیٰ دیں گے اور بے توجہی کی صورت میں سارے لبنان میں سول نافرمانی شروع کی جائے گی۔ لیکن رمضان ۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگ اس بات کی طالب تھی کہ ساری قوتیں بیرونی دشمن کی طرف اپنی توجہ مبذول کرتیں۔ اسی بناء پر شیعہ آبادی کے مطالبات چھ ماہ یعنی ۱۹۷۴ء تک سرد خانہ میں پڑے رہے۔

اس سال حکومت کی بے توجہی کے جواب میں سید موسیٰ کی طرف سے مسلح مظاہروں کا اعلان ہوا۔ بعلبک کے پچھتر ہزار باغیرت باشندوں نے سڑکوں کو اپنے قبضے میں لے لیا اور ان کی بندوقوں کی گولیوں سے فضا کے کان پھٹ گئے۔ لبنانی فوج کے پاس صرف بارہ ہزار افراد تھے۔ اس طرح اب ان کے پاس تسلیم کے بغیر اور کوئی چارہ نہ تھا۔ لوگوں کے اس جم غفیر نے قسم کھائی تھی کہ ناجائز امتیازات کے خلاف آخری قطرہ خون تک جدوجہد اور اپنے حقوق کا دفاع کریں گے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومتی مشینری کی طرف سے اعلیٰ افسروں پر مشتمل سات نفری کمیٹی قائم کی گئی تا کہ شیعہ آبادی کے مطالبات پر غور و خوض کیا جائے۔ اگرچہ اس کمیٹی نے سارے مطالبات کو برحق قرار دیا اس کے باوجود حکومت نے اس پر عمل درامد سے غفلت کی۔ نتیجہ کے طور پر سیدؒ نے دوسری بار مسلح مظاہرے کا فیصلہ کر لیا۔

حکومت نے کامل اسعد کو یہ ذمہ داری سونپ دی کہ وہ لوگوں کو یہ باور کرائے کہ سید موسیٰ کے حکومت سے نہیں بلکہ علماء سے اختلافات ہیں۔ اس طرح وہ اہل تشیع کی توجہ حکومت سے ہٹا کر داخلی قبائل کی طرف موڑنا چاہتا تھا۔ مخالفوں نے افواہ سازی کی چونکہ بعلبک کے رہنے والے امام موسیٰ صدرؒ کے طرفدار تھے اس لئے ان کی پیروی کی وگرنہ صور کے رہنے والوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ قدیم الایام سے کامل اسعد کے پیروکار مانے جاتے ہیں۔

امام موسیٰ صدرؒ نے بہت ہوشیاری کے ساتھ اعلان کیا کہ شیعہ علماء کے ساتھ ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور کامل اسعد کے بیانات پر خاموشی اختیار کی۔ اس کے علاوہ لوگوں کی بڑی تعداد میں شرکت زبان حال سے ساری صورت حال کو روشن کرنے کے لئے کافی تھی۔

اور پھر روز موعود آن پہنچا۔ جس خوف و ہراس میں جنوب کے باشندے جی رہے تھے اس کا دور دور تک کوئی نام و نشان بھی نہ تھا۔ صور کی چار لاکھ آبادی میں سے ڈیڑھ لاکھ افراد نے اس مظاہرے میں شرکت کی۔ حکومتی اہلکاروں نے لوگوں کی آمدورفت روکنے کے لیے سڑکوں پر کیلیں بچھائی تھیں۔ ڈاکٹر مصطفیٰ چمران نے مدرسہ جبل عامل کے کچھ طالب علموں کے ہمراہ کھیتی باڑی کے ایک بڑے ٹریکٹر اور دوشہ تیروں کی مدد سے جو ٹریکٹر کے ساتھ باندھ دیئے گئے تھے، سڑکوں کی پاک سازی کی۔

میرا خیال تھا کہ حکومتی اہلکار ٹریکٹر کا راستہ روکیں گے۔ اس لئے بعلبک کے دو افراد کو کلاشنکوف سے مسلح کر کے ٹریکٹر کے اندر چھپا دیا اس کے بعد کچھ سپاہیوں نے ہمارا راستہ روکا۔ ان کا افسر ٹریکٹر ڈرائیور کے پاس آ کر بڑے تکبر سے کہتا ہے: ''تم کون ہو؟'' اس نے جواب دیا: ''میں مدرسہ جنوبی لبنان کا طالبعلم ہوں۔'' افسر نے اسے گالی دی اور توہین کی۔ اسی لمحہ دو بعلبکی کھڑے ہوئے اور اس کا نشانہ لیتے ہوئے دھمکی دی کہ اگر ایک سیکنڈ کے اندر اندر یہاں سے نہیں گئے تو سب کو بھون ڈالیں گے۔ افسر نے فوراً سلامی دی اور کہا ''معافی چاہتا ہوں میں آپ کو پہچان نہ سکا'' اور پھر وہ نو دو گیارہ ہو گئے۔

اسعد نے کچھ لوگوں کو خریدا تھا تاکہ مظاہروں میں خون خرابہ ہو لیکن سید کی دھمکی اور لوگوں کو پر امن رہنے کی دعوت سے یہ مسئلہ بھی لوگوں کے حق میں تمام ہوا۔

اس منصوبے کی آخری کڑی یہ تھی کہ مظاہروں کو بیروت تک وسعت دی جائے، یہاں ایک عمومی بھوک ہڑتال کرانا

اور اس شہر کی سڑکوں پر قبضہ کرنا تھا۔ لیکن یہاں پر بھی کچھ ایسے مسائل کہ اس بار بھی جن کا تعلق فلسطین سے تھا اس بات کا سبب بنے کہ اہل تشیع کے کچھ مطالبات پھر سے سردخانے کی نذر ہو گئے۔

تلخ یا شیرین، یہ ایک حقیقت ہے کہ امام موسیٰ صدرؒ سے پہلے لبنان کے عوام اور پارٹیوں کی جانب سے اسرائیل کے خلاف کسی بھی قسم کی کوئی سرگرمی عمل میں نہیں آئی تھی اور سید پہلے ایسے فرد ہیں کہ جنھوں نے اپنی فعالیت کے آغاز سے ہی صیہونیت کے خلاف جدوجہد کو مدنظر رکھا تھا۔ صنعتی اسکول اور بقاع جیسے خطوں کے جوانوں کی اس جدوجہد میں پرچم داری اس دعویٰ کی صداقت پر بہترین دلیل ہے۔ لیکن یہ سب کچھ کافی نہ تھا اور ایک منظم فوجی تنظیم کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔

۱۹۷۳ء میں اس تنظیم نے خفیہ طریقہ سے شیعہ جوانوں کی فوجی تربیت شروع کر دی۔ ان کارروائیوں کا مرکز ''یمونہ'' نامی گاؤں تھا جو بقاع کے اطراف میں بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان واقع تھا۔ ان کورسز کے مدیر ڈاکٹر چمران تھے اور ان کا اصل مقصد مستعد جوانوں کو اسرائیل کے خلاف مقابلے کے لیے تیار کرنا تھا۔

امام موسیٰؒ کی دلیل یہ تھی کہ حکومت نے جنوبی لبنان کو فراموش کر دیا ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ حکومت اسرائیلی دست درازیوں سے مقابلے کی سکت نہیں رکھتی ہے۔ اس لیے خود ہم پر لازم ہے کہ اس سے مقابلے کے لیے تیاری کریں۔

۱۹۷۵ میں ان سرگرمیوں کا دائرہ بڑھ گیا۔ مشرقی لبنان کے پہاڑی سلسلے اور شام کے پڑوس میں کچھ تربیتی کیمپ بنائے گئے اور فورسز ''عین البنیۃ'' نامی خطے میں متمرکز ہوئیں۔

ہم فوجی ماموریت کے لیے جنوب گئے ہوئے تھے۔ امام موسیٰ صدرؒ کا حکم تھا کہ غذائی اجناس کے حصول کے لیے صرف ان کی طرف ہی رجوع کیا جائے۔ لیکن حالات کچھ اس طرح پیش آئے کہ برادران کے پاس آٹھ دن تک خشک روٹی کے علاوہ کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی۔ ان ہی دنوں میں ہمارے کچھ دوست آبادی سے خالی شہر کی طرف گشت کی غرض سے نکل گئے تھے۔ انہیں ایک باغ میں شہد کے پانچ عدد چھتے مل گئے تھے اور بھوک کے ہاتھوں مجبور ہو کر ان میں سے دو چھتے اپنے ساتھ لے کر گئے۔ سید موسیٰؒ کو اس واقع کا پتہ چل گیا تھا۔ انہوں نے بیروت بلایا۔ معمول کے برخلاف ہمارے ساتھ سردمہری سے پیش آئے اور فرمایا: ''اگر ہمیں شہید ہونا ہے تو اس کے لیے پاک اور خالص ہونا پڑے گا، ایسا نہ ہو کہ ہم دوسروں کے اموال پر دست درازی کریں اور ان کے شہد اور چھتوں کو غارت کریں''۔

اس کے بعد مجھے چھتوں کی اصلی قیمت سے زیادہ پیسے دیئے تا کہ ان کے مالک کو ڈھونڈ کر لوٹا دوں اور اس سے بخشش طلب کروں۔ چھتوں کے مالک کو جب واقعہ کا پتہ چلا تو بہت رویا اور کہنے لگا۔

'' میری جان امام اور تم حریت پسندوں پر قربان''۔ پھر ہمارے شدید اصرار پر پیسے لے لیے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ بطور ہدیہ وہ پیسے ہمیں واپس لوٹائے گا تا کہ برادران کے لیے کھانا مہیا کیا جا سکے۔

اگر چہ سیّد ابھی تک اس تحریک کے عمومی اعلان کے لیے آمادہ نہیں تھے لیکن تربیتی کورس کے دوران ایک انسٹرکٹر کے ہاتھ میں اینٹی ٹینک مائن کا اچانک دھماکہ ہوا۔ اس کے نتیجہ میں ۲۸ افراد شہید اور ۴۵ افراد زخمی ہوئے۔ اس واقع کے نتیجہ میں سیّد نے چھ جولائی ۱۹۷۵ کو ایک پریس کانفرنس میں ''حرکت المحرومین'' کی فوجی ونگ ''امل'' یا ''افواج مقاومت لبنان'' کی تاسیس کا رسمی اعلان کیا۔

جناب امام موسیٰ صدرؒ کا حیرت انگیز کارنامہ مسلمان اور عیسائی دونوں کو یکجا کرنا تھا۔ اس لیے عیسائی پادری آسٹریا کا لارڈ پادری، کارڈینل فرانسس کو ینگ کو کہنا پڑا۔

'' میرا ایمان ہے کہ لبنان کی تاریخ کو دو بالکل مختلف ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ امام موسیٰ الصدرؒ سے پہلے کا دور اور امام موسیٰ الصدرؒ کا دور......

لبنان کے عیسائی جوانوں اور بزرگوں سے سید موسیٰؒ کے دوستانہ اور پر جوش تعلقات کا آغاز سید موسیٰؒ کی لبنان آمد کے ابتدائی دنوں سے ہی ہوا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سید موسیٰؒ نے ۴۰ سال پہلے، پہلی مرتبہ نہ فقط ''انسانی ادیان اور تمدنوں کی بقائے باہمی'' کا تصور پیش کیا تھا، بلکہ اس پر عمل کر کے بھی دکھا دیا تھا اور یہ اس زمانے کی بات ہے جب خود مغرب والوں کے لیے بھی ''گلوبل ویلیج'' اور تمدنوں کے درمیان گفتگو'' جیسی تھیوریاں نا قابل ہضم تھیں۔

سید موسیٰؒ نے عیسائیوں کے تین عظیم مراکز: جنوب میں ''دیر المخلص'' اور بیروت کے وسط میں ''کبوشیہ'' چرچ اور شمالی لبنان میں ''مار مارون'' میں حاضری دے کر اس مذہب کے ماننے والوں کو ایسا جوش و جذبہ عطا کیا جو سید سے ملاقات کے دوران صرف شیعوں میں دیکھنے کو ملتا تھا۔ یہاں تک کہ عیسائی رہنما صاف صاف کہا کرتے تھے کہ:

'' جناب صدرؒ کی ایک گھنٹہ کی تقریر سے جو معنویت اور روحانیت ہماری دلوں میں پیدا ہو جاتی ہے ایسی معنویت پیدا کرنے کے لیے ہمیں چھ سال لگ جاتے ہیں''

مثال کے طور پر صور میں رہائش کے دوسرے سال ایک عیسائی آئس کریم بیچنے والے کی سید موسیٰ سے ملاقات کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے لبنان میں پھیل گئی۔ اس زمانے میں مسلمانوں کا عیسائیوں کے ساتھ لین دین حرام سمجھا جاتا تھا اور صور جیسے شہر میں جہاں کی اکثریت مسلمانوں کی تھی آئس کریم فروش ''جوزف انتیبا'' کا کسب وکار کساد بازاری کا شکار تھا۔ جس کے نتیجے میں وہ اور اس کا گھرانہ شدید غربت میں زندگی بسر کر رہا تھا۔

انتیبا نے سید کی فعالیت کا شہرہ سن رکھا تھا۔ موسم گرما میں ایک دن ان کے پاس آیا اور روتے پیٹتے اپنی مشکل ان کے سامنے رکھی۔ امام نے بھی فوراً اپنے کچھ دوستوں کو اکٹھا کیا اور انتیبا کی دکان پر جا کر سب کے ساتھ آئس کریم کھائی۔ اس طرح ایک غلط رسم جو پورے لبنان میں سرایت کر چکی تھی، کا بہت ہی سادگی کے ساتھ خاتمہ کر دیا گیا۔

اس واقعہ کے نتیجے میں لبنان کے بہت سارے عیسائی امام موسیٰ کے حلقہ طرفداران میں شامل ہو گئے یہاں تک کہ اپنی رسمی تقاریب میں انہیں بلاتے تھے تا کہ ان کے چرچوں اور دلوں میں وعظ ونصیحت کریں۔

جب سید کا کسی عیسائی بستی میں تقریر کا پروگرام ہوتا تھا۔ دوسری بستیوں کے لوگ بھی قبائلی رقابت کے باوجود اس میں شرکت کرتے تھے۔ سید موسیٰ الصدرؒ کے لیے لوگوں کی یہ حمایت اتنی پرزور تھی کہ لبنانی عیسائیوں سے وابستہ اخبارات نے بارہا اعتراف کیا کہ: ''امام موسیٰ صدرؒ وہ واحد شخصیت ہیں جو لبنان کی صدارت کے حقیقی معنوں میں اہل ہیں''

اس شہر کے عیسائی اپنے ہم وطنوں سے ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ آپ کے کام کو دیکھ کر ہمیں حضرت عیسیٰؑ یاد آتے ہیں اگر وہ عیسائی ہوتے تو ہم حضرت عیسیٰؑ کی مانند ان کی پیروی کرتے اس طرح کے واقعات بارہا اور کئی بار پیش آئے اور ان ہی میں سے ''کبوشیہ'' چرچ بیروت میں ''عیدروزہ'' کے عنوان سے سید موسیٰ الصدرؒ کی تقریر تھی۔ اس تقریب میں لبنان کے تمام عیسائی بزرگان نے شرکت کی اور لبنانی صدر ''شارل حلو'' کے توسط سے ان کا تعارف اور ادائے احترام کے بعد سیّد موسیٰ صدرؒ سٹیج پر چلے گئے اور اپنے تقریر کا آغاز ان الفاظ سے کیا۔

'' خدایا میں تیرا شکر گزار ہوں۔ اے خدا! اے ابراہیمؑ واسماعیلؑ کے خدا! موسیٰؑ وعیسیٰؑ کے خدا! کمزوروں کے خدا اور ساری مخلوقات کے خدا!''۔

اس تقریب میں سیّد موسیٰ صدرؒ کی گفتگو نظریہ ''بقائے باہمی ادیان'' پر ان کی ایک معتدل اور معتبر تقریر مانی جاتی ہے اور اب بھی یہ حکیمانہ غور وفکر کی دعوت دیتی ہے۔

''ادیان ایک تھے اور ایک ہی مقصد کے طالب : زمینی خداؤں اور طاغوتوں کے خلاف جنگ ، کمزوروں اور مظلوموں کی حمایت ۔ یہ دونوں ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں اور جونہی ادیان غالب آگئے اس کے ساتھ ساتھ کمزور طبقہ بھی غالب آیا۔ طاغوت نے اپنا بھیس بدلا اور اپنے اہداف کے حصول کے لئے دین پر بھی سبقت لے گئے ۔ وہ دین کے نام سے دین پر حکومت کے درپے ہوئے اور اس طرح مظلوموں کی مشکلات میں دو چنداں اضافہ ہوا اور ادیان بھی اختلاف اور مصیبت کا شکار ہوئے ۔ لہٰذا اختلاف کی کوئی وجہ نہیں ہے ۔ مگر مفاد پرستوں کے فائدہ میں''

اخبار ''النہار'' کا عیسائی نامہ نگار اس تقریب کے سلسلے میں رقمطراز ہے:

''طول خطاب کے دوران سانسیں سینوں میں حبس ہو کر رہ گئیں تھیں ۔ لوگ عاشقانہ انداز میں امام کی تقریر سن رہے تھے ۔ تقریر کے اختتام پر اور جب لارڈ پادری نے امام صدر کو ضیافت کے حال میں داخل ہونے کی دعوت دی، ایک دم سے لوگوں نے ہلا بول دیا ۔ ہر کوئی امام تک پہنچنے کی کوشش میں تھا تا کہ ان کے ساتھ ہاتھ ملائے اور مصافحہ کرے''۔

قدرتی طور پر عیسائی رہنماؤں سے سید موسیٰ کی ملاقات لبنان تک محدود نہ تھی ۔ انہوں نے دو بار واٹیکن کا دورہ کیا اور پوپ سے ملاقات کی ۔ ان میں سے ایک ملاقات کے دوران انہیں پندرہ منٹ کا وقت دیا گیا تھا تا کہ مسئلہ فلسطین کے بارے میں دنیائے عیسائیت اور واٹیکن کے موقف کے بارے میں گفتگو کریں لیکن یہ ملاقات خود پوپ کی درخواست پر دو گھنٹوں سے زیادہ جاری رہی ۔

اس کے علاوہ سید کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ جس طرح پوپ عیسائیوں کی مذہبی تقاریب میں خطبہ پڑھتے ہیں، عیسائی رہنماؤں کو بھی مسلمانوں کی تقریبات مثال کے طور پر نماز جمعہ میں تقریر کرنے کی دعوت ملنی چاہیے ۔ لیکن بدقسمتی سے یہ کوشش ناکام ہو گئی اور اگر اسے عملی جامہ پہنایا جاتا تو مغرب کے کج فہم حضرات کی سازشیں ہمیشہ کے لئے ناکام ہو جاتیں ۔ اس کی وجہ بھی بعض افراد کی دشمنی اور لبنان کی داخلی جنگ تھی ۔

گزر زمان اور ''یاسر عرفات'' جیسے افراد کے حقیقی روپ کی نمائش سے حقیقت کھل کر سامنے آ گئی کہ اس زمانے میں جو تنظیمیں فلسطین کی آزادی کے نام پر سید موسیٰ کو اپنی دشمنی کا نشانہ بناتیں تھیں، انہوں نے کس طرح اپنے چہروں کو منافقت کے نقاب کے پیچھے چھپا رکھا تھا ۔ فلسطین کی فریب خوردہ جماعتیں، جو بائیں بازو اور مصری احزاب کی حمایت سے لبنان میں اپنی کارروائیاں کر رہی تھیں، حقیقت میں جنوبی لبنان پر قبضہ کرنے اور اس خطہ کو اپنے کنٹرول میں لینے کی تمنا کے ساتھ

اسرائیل اور امریکہ کے بے شرمانہ منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے زمین ہموار کر رہیں تھیں۔

مثال کے طور پر ۱۹۷۸ کے اسرائیلی حملے سے پہلے لیبیا کی حکومت نے فلسطینی تنظیموں کے لئے بھاری اسلحہ کی بہت بڑی کھیپ روانہ کی تھی۔ چونکہ انہیں یہ اسلحہ رکھنے کے لئے کوئی مناسب جگہ دستیاب نہ ہوئی اس لئے جنوبی لبنان میں مقیم لوگوں کے باغات پر قبضہ کرلیا اور صاحبان زمین کو وہاں سے نکلنے کا حکم دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اعلان کیا کے ان باغوں کے مالکان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ زمینوں پر قدم رکھ سکیں۔ حقیقت میں ان کا مقصد یہ تھا کہ جنوبی لبنان کے باشندوں کو یہ علاقے چھوڑنے پر مجبور کریں تا کہ امریکہ اور اسرائیل کی تجویز پر اپنی فلسطینی مملکت کو اسی خطے میں قائم کر سکیں۔ جنوب کے غیرت مند جوان اتنی آسانی سے سر تسلیم خم نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے ان فلسطینی گروہوں کے بے شرمانہ اعمال یہاں تک کہ شراب نوشی ملاحظہ کر کے ان کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور بائیں بازو کے کئی ایک شریر عناصر کو ان کے فسادی اعمال کی وجہ سے بار بامیدان جنگ سے رخصت کیا۔

حرکت امل سے وابستہ شہداء کے پہلے دستے کی یادگاری کانگریس یونیسکو ہال بیروت میں منعقد ہوئی۔ ایک عظیم اور باشکوہ تقریب تھی اور لبنان و فلسطین کے اکثر حکومتی عہدہ دار شریک تھے۔ یاسر عرفات بھی لوگوں کی اگلی صف میں بیٹھا تھا۔ امام صدرؒ نے ایک ولولہ انگیز تقریر کی اور اپنے خطاب کے دوران یاسر عرفات سے مخاطب ہو کر کہا۔

''ابو عمار! یہ یاد رکھو کہ قدس کی شرافت اس بات کو برداشت نہیں کر سکتی کہ بے ایمانوں کے ہاتھوں آزادی حاصل کر سکے''۔

۱۹۷۵ء کے اوائل میں ''فالانگا'' نے لبنان کی خانہ جنگی کے پہلے مرحلے کا آغاز فلسطینی تنظیموں اور جنوبی لبنان کی شیعہ آبادی پر شبخون سے شروع کیا۔ اسرائیل فالانگا کی حمایت کے ذریعے بہتی گنگا میں ہاتھ دھو رہا تھا اور اس کوشش میں لگا رہا کہ سید موسیٰ کا نظریہ ''بقائے باہمی ادیان'' ناکام ہو جائے اور اس صورتحال کو فرقہ ورانہ جنگ میں تبدیل کرے۔

سید موسیٰ اس سازش کو ناکام بنانے کی خاطر بیروت کی مسجد عاملیہ میں دھرنا دے کر بیٹھ گئے اور بھوک ہڑتال کی۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ لبنان کی خانہ جنگی کا خاتمہ ہو جائے اور لبنان کی تقسیم کی سازش ناکام ہو جائے۔

ان کی خواہش اور حافظ اسد کی تائید سے شام کی فوج جنوبی لبنان میں تعینات کی گئی اور خانہ جنگی کے خاتمے کے لیے وارد میدان ہوئی۔ شام کے آنے سے ایک تو لبنان کی قومی سالمیت محفوظ رہی۔ اگر شام نہیں آتا لبنان ٹوٹ جاتا۔ ایک

حصے کو اسرائیل نگل جاتا اور دوسرے حصہ اسرائیل کی چھتر چھایہ میں زندہ رہتا اور بچا کھچا بائیں بازو کی جماعتوں کے لیے بچ جاتا۔ دوسرا یہ کہ فلسطین کی حریت پسند تنظیموں کو نابودی سے نجات مل گئی لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ فلسطینی تنظیموں نے سید موسیٰ ؒ کی اس حرکت کو شام اور سید موسیٰ ؒ کا ان کے خلاف اتحاد تصور کیا اور انھیں ''جنوبی لبنان ایک نیا فلسطین'' کا خواب چکنا چور ہوتا دکھایا۔ یہاں تک کہ الفتح کے ایک کمانڈر نے بڑی بے شرمی کے ساتھ دھمکی دیتے ہوئے کہا

''اے امام! ہمارا آپ سے صاف صاف مطالبہ ہے کہ شام کے خلاف بیان جاری کریں۔ اگر ایسا کیا تو خیر ورنہ آپ کو شام کا طرفدار اور فلسطین کا مخالف مان لیا جائے گا اس صورت میں آپ قتل کر دیئے جائیں گے۔''

اس طرح سے خانہ جنگی کا دوسرا دور ۱۹۷۶ء میں مصر کی حمایت یافتہ یاسر عرفات کی فورسز اور صیدا میں تعینات شامی فوج کے درمیان شروع ہوا۔ یہ جنگ چھ ماہ تک چلی۔ شام کی ان کوششوں کے برعکس کے فلسطینی نقصان سے محفوظ رہیں۔ فلسطینیوں نے ایک بزدلانہ کارروائی کے دوران شامی فوج کے ایک دستے پر حملے کر کے چودہ ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کو تباہ کر دیا۔ اس کے بعد فوجیوں کی عریاں لاشوں کو گاڑیوں سے باندھ کر صیدا کی سڑکوں پر گھومتے رہے۔

شام نے اس کارروائی کے جواب میں حریت پسندوں کی ان اہم ترین گزرگاہوں کو بند کر دیا جو شامی سرحد سے گزرتی تھیں۔ اس صورتحال میں سید موسیٰ نے اختلافات کو مٹانے کی خاطر ایک بار پھر تحریک آزادی فلسطین کے تئیں اپنی حمایت کا اعلان کر دیا اور دونوں فریقوں کو امن کی پیشکش کرتے ہوئے کہا:

''میں اپنی عبا، عمامہ اور محراب کے ساتھ تحریک آزادی فلسطین کی حمایت کرتا ہوں''

اگرچہ یاسر عرفات کے کمانڈر نے سید موسیٰ کی پیشکش کا یوں جواب دیا تھا:

اس ایرانی سے کہہ دو کہ اپنی عبا، عمامہ اور اپنی محراب اٹھا کر اپنے ملک چلا جائے

لیکن اس کے باوجود یاسر عرفات سید موسیٰ ؒ کے پاس آیا اور اُن سے حافظ الاسد کے پاس وساطت کی درخواست کی۔ یہ واقعات عین اس وقت پیش آئے جب ''حازمیہ'' بیروت میں مجلس اعلیٰ کی عمارت پر فلسطینی گروہوں کی جانب سے میزائل حملہ ہوا تھا اور یہ خدا کی مرضی تھی کہ سید موسیٰ کی فیملی جو اس عمارت کی چوتھی منزل میں مقیم تھی بال بال بچ گئی تھی۔ بہر حال سید موسیٰ ؒ نے یاسر عرفات کی درخواست قبول کی اور لبنان کے ایک فوجی جہاز میں شام روانہ ہوئے۔ البتہ عرفات کے حامیوں نے راستے میں جہاز پر ۷۶ اینٹی کرافٹ گولیاں چلائیں لیکن اس بار بھی وہ بچ گئے۔ انھوں نے شام کے حکومتی

عہدیداروں سے ملاقات کے بعد جنگ بندی کا معاہدہ کرنے کے ساتھ ساتھ سینکڑوں ٹن آٹا خرید کر فلسطینی اور جنوبی لبنان کے مظلوم اور محصور عوام تک پہنچایا۔ اس کے باوجود بھی عرفات کے حامی جان چھوڑنے والے نہیں تھے۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد جنگ بندی توڑ ڈالی اور سید موسیٰ" کے رہائشی مکان پر حملہ کر دیا۔ لیکن جس چیز نے امام کو مغموم کر رکھا تھا۔ وہ جنوبی لبنان کی شیعہ آبادی پر فلسطینیوں کا شبخون تھا۔ انھوں نے یہاں کے لوگوں پر ہر قسم کا ظلم و ستم روا کر رکھا تھا۔ جنہوں نے سالہا سال تک اُن کی میزبانی کا حق ادا کیا تھا۔ انہی افسوسناک واقعات میں سے ایک واقعے کے دوران جنوبی لبنان کے پانچ شیعہ جوانوں کی گاڑی پر ایک فلسطینی گروہ نے دھاوا بول دیا تھا۔ امام صدرؒ اس صورتحال کے مقابلے میں ہمیشہ لوگوں کو صبر و تحمل کی تلقین کرتے تھے ہمیشہ اُن کی یہ کوشش رہتی تھی کہ جنوبی لبنان کی شیعہ آبادی اور فلسطینیوں کے درمیان فساد کی روک تھام کر کے امریکہ اور اسرائیل کو اُن کے شیطانی مقاصد سے باز رکھیں۔

ایک مرتبہ خاندان آلِ جابر کے دو افراد فلسطینیوں کی گھات میں بیٹھ گئے اپنے دفاع میں گولیاں چلائیں اور دو فلسطینی قتل ہو گئے جب ہم نے سید موسیٰ" کو اس واقعے کی اطلاع دی تو انھوں نے کہا کہ کیا قتل کر دیا؟ اُن کو ڈرا کر بھگا سکتے تھے یا کم از کم اُن کے پاؤں میں گولی مارتے۔

اس کے بعد تاکید کی کہ ہمارے اور فلسطینیوں کے درمیان قتل و غارت گری سے فساد پھیل جائے گا میں کسی بھی صورت میں اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا ہوں۔

لیکن ۱۹۷۶ء میں انصار نامی گاؤں کے واقعہ نے فلسطینیوں کی بے دادگری کی حد کر دی۔ رات کے وقت فلسطینی جنگجوؤں کی ایک بڑی تعداد نے حرکت محرومین سے وابستہ جوانوں کے گھروں کا محاصرہ کر لیا۔ ان میں سے کئی لوگوں کو گرفتار کرنے کے ساتھ ساتھ، گھر والوں کی مار پیٹ کی اور کافی تعداد میں گاڑیوں پر بھی ہاتھ صاف کیا۔

اُس کے اگلے روز بائیں بازو والی جماعتوں اور فلسطینیوں نے اعلان کیا کہ اس شرط پر جوانوں کو آزاد اور گاؤں کو خالی کیا جائے گا کہ حرکت محرومین سے وابستہ جوان امام موسیٰ صدرؒ کے خلاف بیان جاری کریں، اس کے ساتھ ساتھ اپنے ہتھیار بائیں بازو کی پارٹیوں کی تحویل میں دیں اور یہ کہ شامی افواج کے خلاف جنگ میں شرکت کریں۔

لیکن ڈاکٹر مصطفیٰ چمران، جنہیں بھاگ کر آنے والے میں سے کسی نے اس واقعے کی اطلاع دی تھی۔ انصار اور اس کے ملحقہ دیہاتوں کے حریت پسندوں کو حرکت میں لاتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ: "اگر یہ لوگ گاؤں چھوڑ کر چلے نہیں

جاتے تو وہ ان پر حملہ کر دیں گے۔ ڈاکٹر چمران کے ماضی سے واقفیت کی بناء پر یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی اور اس طرح حملہ آوروں کی پسپائی کے ساتھ ہی شورش کا خاتمہ ہو گیا۔

اس سال اور اب کی بار سعودی عرب اور کویت کی انور سادات اور حافظ اسد کے درمیان ثالثی اور صلح کی پاسدار عربی فوج کی موجودگی سے لبنان کی خانہ جنگی کے دوسرے دور کا خاتمہ ہوا۔

۱۹۷۸ء میں اسرائیل نے اپنی تمام قدرت کے ساتھ جنوبی لبنان پر حملہ کر دیا اور دریائے لیطانی تک پیش قدمی کی۔ انھوں نے زمین اور فضا سے جنوبی لبنان کو تہس نہس کر دیا اور بے آسرا لوگوں کے لیے بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا لیکن بدقسمتی سے اسرائیلی حملے کے آغاز میں ہی فلسطینی عسکریت پسندوں نے اپنے ہتھیار چھوڑ کر راہ فرار اختیار کر لی۔ انھوں نے دریا کے پیچھے پوزیشنیں سنبھال لیں اور کسی ہدف کے بغیر جنوبی لبنان پر بمباری شروع کر دی۔ ایسی جگہوں کو اپنے حملوں کا نشانہ بنانے کے بجائے کہ جہاں پر اسرائیلی اکٹھے ہوتے تھے وہ اکثر اوقات شیعہ نشین علاقوں پر بمباری کرتے تھے۔ اس طرح جنوبی لبنان کے مظلوم عوام دو اطراف سے حملوں کی زد میں تھے۔

ایک گاؤں میں لوگوں نے مسجد میں پناہ لے رکھی تھی لیکن اسرائیل نے اس مسجد کو پناہ گزینوں سمیت زمین بوس کر دیا اور اس واقعہ میں ۸۰ شیعہ افراد شہید ہو گئے۔ کچھ عرصے بعد سید موسیٰ" بے گھر لوگوں کی صورتحال جاننے کے لیے خود" غازیہ' نامی گاؤں چلے گئے اور وہ زمین پہ ہی بیٹھ گئے۔ جنوبی لبنان کے جنگ سے متاثرہ لوگوں سے گفتگو کرتے ہوئے اور فلسطینیوں کی جانب اشارہ کر کے کہہ رہے تھے

میں برادران سے درخواست کرتا ہوں کہ ہمیں اجازت دیں...... اب کے بعد ذمہ داری ہمارے کندھوں پر ہے۔ اب تک ہم نے ان کی مدد کی تا کہ وہ اپنے وطن کو آزاد کریں۔ لیکن اس سے آگے ذمہ داری ہماری اپنی ہے۔ ہم اپنے وظیفہ پر عمل کریں گے اور اب یہاں سے آگے برادران کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ہماری مدد کریں۔

صیہونی حکومت کے ایک کارندے "سعد حداد" نے اپنے ایک ٹی وی انٹرویو میں اس سوال کے جواب میں کہ فلسطینی تنظیموں اور لبنان کی بائیں بازو والی جماعتوں سے کس طرح نمٹ لیں گے، کہا تھا:

"کئی ایک راستے ہیں کہ جن کی کامیابی اتنی یقینی ہے کہ جنگ کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کو لالچ دیا جائے یا خرید ا جائے۔ دوسری راہ یہ ہے کہ خواتین کو استعمال کیا جائے اور لوگوں کے اخلاق کو فاسد کیا

جائے۔ اگلی راہ یہ ہے کہ جدید ہتھیار اور اچھی گاڑی تحفے میں دی جائے اور جب انھیں یہ سب کچھ مل جائے گا تو وہ خود ہی ہمارے دروازے پر آئیں گے''!

پھر اس سے پوچھا گیا کہ اگر ایسا ہے تو پھر جنگ کیوں جاری ہے؟

اس نے جواب میں کہا: ہمارے سامنے صرف ایک مشکل ہے اور وہ ''موسیٰ صدرؒ کے جوان'' ہیں ان لوگوں کے ساتھ کسی بھی صورت میں سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔

اگر چہ یہ لوگ پیسوں سے محروم ہیں اور غریب ہیں، اگر چہ ان لوگوں کے پاس گاڑی نہیں ہے اور پیدل میدان جنگ میں آتے ہیں۔ اگر چہ ان کے پاس جوتے نہیں ہیں اور جاڑے کی برفباری میں، مشکلات سے دو چار ہوتے ہیں، اس کے باوجود ان کی ضد ہے کہ ہمارے ساتھ جنگ کریں۔ ابھی تک ہمار ا ان کے ساتھ سمجھوتہ نہیں ہوسکا۔ اگر ہم ان کو ان کے حال پر ہی چھوڑ دیں تب بھی وہ ہم سے اُلجھتے ہیں

جولائی ۱۹۶۳ء کی بات ہے۔ ۵ جون کے خونی انقلاب اور امام خمینیؒ شاہ کے ایجنٹوں کے ہاتھوں گرفتاری کو ابھی ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا۔ انہی دنوں سید موسیٰ ؒ نے پہلی دفعہ واٹیکن اور کچھ یورپی اور شمالی افریقہ کے ممالک کا دورہ کیا تا کہ پوپ اور دوسری ممتاز سیاسی شخصیتوں کے ساتھ ملاقات کر کے ایرانی عوام اور امام خمینیؒ کے حق میں حمایت حاصل کرسکیں۔ یہ دورہ دو مہینے تک جاری رہا اور حوزہ علمیہ کے بہت سارے بزرگان کی نظر میں اس دورہ کا امام خمینیؒ کی زندان سے رہائی میں کلیدی رول رہا ہے۔

سید ہمیشہ امام کو ''الامام الاکبر'' کے نام سے یاد کرتے تھے اور کہا کرتے تھے:

''امام خمینیؒ میرے اور ایران کے تمام مجاہد علماء کے استاد ہیں۔ انقلاب اسلامی ایران کی رہبری ان کے ہاتھ میں ہے اور صرف وہی حکومت شاہ کی سرنگوں کر سکتے ہیں۔''

اس ادائے احترام کا اظہار اس وقت اور زیادہ شدت کے ساتھ سامنے آیا جب سید موسیٰ ؒ کی طرف سے ڈاکٹر شریعتی کے لیے چہلم اور پھر شہید مصطفیٰ کی یاد میں تعزیتی مراسم کا انعقاد کیا گیا۔ اس تقریب میں امام خمینیؒ کی تصویریں لوگوں میں تقسیم کی گئیں۔ جن کے نیچے عربی اور انگریزی زبانوں میں یہ تحریر موجود تھی ''سید روح اللہ الموسوی الخمینی المرجع الشیعہ فی العالم''

انقلاب اور امام کے حق میں سید موسیٰؒ کی حمایت یہیں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ امام کے نمائندوں کے ساتھ ان کے قریبی تعلقات تھے۔ مالی حمایت کے ساتھ ساتھ اپنے خاص افراد کو یہ ذمہ داری بھی سونپتے تھے کہ امام خمینیؒ کے پیغامات، پوسٹر اور کیسٹیں دنیا کے مختلف علاقوں تک پہنچا دیں۔ یہاں پر جو بات قابل توجہ ہے وہ یہ کہ امام کے لیے سید موسیٰؒ کی بے انتہا چاہت یک طرفہ نہیں تھی بلکہ امام بھی سید کو ایک مرجع اور ممتاز قابل رہبر مانتے تھے۔ ان سے محبت کرتے تھے اور ایام جدو جہد میں بار بار اس سوال کے جواب میں کہ اس انقلاب کی رہبری کے لیے کس کو مدنظر رکھا ہے، وہ سید موسیٰ الصدرؒ کا نام لیتے تھے۔

لبنان کی خانہ جنگی عروج پر تھی۔ مخالفوں نے امام موسیٰ صدرؒ کو لبنان کے داخلی منظر نامے سے ہٹانے کے لیے اختلافات اور ایک متبادل نوکر کی فراہمی کو راہ علاج سمجھ لیا تھا۔ آیت اللہ سید حسن شیرازی نامی شخص کو سامنے لائے تھے کہ جس کی پشت پر شاہ ایران بھی تھا اور ساتھ ساتھ لبنان اور شام میں مقیم شیعوں کی ایک بڑی تعداد اس کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ وہاں کے سیاستدانوں کو لبنانی عوام کی حمایت حاصل ہو سکے لیکن امام خمینیؒ نے ایک تاریخی قدم اُٹھا کر اپنے ایک فتویٰ میں اس کو تمام وجوہات (خمس وزکوۃ وغیرہ) کی ادائیگی حرام قرار دے دی۔ اس طرح یہ سازش ناکام ہوگئی۔ اس انتھک مجاہد اعظم کو راستے سے ہٹانے کے لیے اسرائیل اور اُس کے دوستوں کے ہاتھ منافقت کی آستین سے برآمد ہوئے۔ اپنے آپ کو عرب دُنیا کا نجات دہندہ کہنے والے یہودیوں کے زرخرید کرنل قذافی کے ذریعے انہیں لیبیا آنے کی دعوت دی گئی۔ سید موسیٰ الصدرؒ نے یہ دعوت قبول کی اور سرکاری دورے پر لیبیا پہنچے۔ کرنل قذافی سے ملنے جب اپنے ہوٹل سے روانہ ہوئے اس کے بعد سے آج تک کسی بشر کو نہیں معلوم کہ سید موسیٰ الصدرؒ کہاں گئے۔

سید کے ناپید ہونے کے بعد امام خمینیؒ نے کبھی بھی کرنل معمر قذافی کو ملاقات کی اجازت نہیں دی اور وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے: اس نے ابھی تک ہمارے لیے جناب موسیٰ (صدرؒ) کا مسئلہ حل نہیں کیا ہے۔ میں کیسے اس سے مل سکتا ہوں؟!

لیبیا کے لیے ایران کے پہلے سفیر کی روانگی کے وقت اسے تاکید کی: جب بھی جناب موسیٰ (صدرؒ) کے بارے میں کوئی خبر ملتی ہے مجھے فوراً اور براہ راست آگاہ کرنا۔ اس بارے میں کسی سے کوئی بات مت کرنا یہاں تک کہ احمد (فرزند امام خمینی) سے بھی۔

بتایا جاتا ہے کہ امام صدرؒ اس شعر کو بہت زیادہ گنگناتے تھے:

تنہا توئی با این ہمہ تن تنہائی ام

تنہا تومی خواہی مرا با این ہمہ رسوائی ام

اسلامی انقلاب کی کامیابی کے زمانے اور اس سے پہلے کے ایام میں بہت سے لوگ اس فکر میں تھے کہ سید موسیٰ الصدرؒ ایک مرتبہ پھر ایران لوٹ آئیں گے اور اپنی دلی خواہش یعنی تہران اور بیروت کو آپس میں جوڑنے کی آرزو پوری کر سکیں گے۔ لیکن ۱۹۷۷ء اور ۱۹۷۸ء میں لبنان کی ناسازگار صورتحال نے تقدیر کی سوئی کو کسی اور ہی طرف گھما دیا۔

جیسا کہ اس سے پہلے اشارہ کیا گیا کہ اس طویل مدت میں ایک طرف اسرائیل کے حملے اور دوسری طرف فلسطینی تنظیموں کی بے تدبیری نے صورتحال کو شدت کے ساتھ ابتر کیا تھا۔ سید موسیٰ ؒ کی کوشش یہ تھی کہ عرب ممالک کی لبنان میں فوجی موجودگی کی کوششوں کے برخلاف ایک تو جنوبی لبنان کے لوگوں کے لیے ہتھیار کا انتظام کریں تاکہ کم از کم اسرائیلی حملوں سے اپنی حفاظت کر سکیں اور دوسرا ان ممالک کے ذریعے جن کے فلسطینی تنظیموں سے تعلقات تھے ان تنظیموں پر دباؤ ڈال کر انہیں جنوبی لبنان میں ایک مناسب اور منطقی طریقہ کار اپنانے پر مجبور کر سکیں اس سلسلے میں انھوں نے عرب ممالک کے رہبروں سے ملاقات کی غرض سے بڑی تعداد میں دورے کیے اور ان دوروں کی آخری کڑی لیبیا کا دورہ تھا کہ جس کا شمار پی۔ ایل۔ او اور یاسر عرفات کے اصل حامیوں میں ہوتا تھا۔

امام موسیٰ صدرؒ نے ۱۹۷۸ء میں کرنل معمر قذافی کی دعوت قبول کر لی اور شیخ محمد یعقوب کے علاوہ ایک معروف نگار ''عباس بدر الدین'' کے ہمراہ لیبیا پہنچ گئے۔ ان کے چاہنے والے ان سے ملاقات کے لیے اکٹھے ہوئے تھے۔ سید نے ان سے کہا تھا کہ وہ کرنل قذافی سے ملنے جا رہے ہیں۔

''دو مہینے گذر چکے تھے لیکن امام کے گھر والے ان سے ملاقات نہیں کر پائے تھے۔ غیر معمولی مشکلات کا سامنا تھا اور امام مسلسل سفر کی حالت میں رہتے تھے۔ سفر سے لوٹنے پر سیدھے صور چلے گئے تھے۔ امام کے گھر والے جنہیں امام کی یاد ستا رہی تھی ان سے ملاقات کے لیے صور چلے گئے۔ وہاں عوامی جلسے کا انعقاد کیا گیا تھا اور امام اس جلسہ سے خطاب کر رہے تھے۔ امام کی شریک حیات اور بیٹی ہال سے متصل کچن میں چلی گئیں اور کھڑکی کے پیچھے سے امام کا دیدار کیا۔ وہ مسلسل روتی جا رہی تھیں کچھ برادران نے امام پر اعتراض کیا تھا اور پوچھا کرتے تھے کہ کیا یہ ظلم نہیں ہے؟ گھر والوں کا بھی کوئی حق بنتا ہے۔''

امام نے ان کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہا تھا:

''اگر میں اس معاشرے کا حق ادا کرسکوں، تو میرے گھر والوں کا حق بھی ادا ہو جائے گا۔ لیکن اس کے برخلاف صحیح نہیں ہے گھر والوں کے حقوق ادا کرنے سے ضروری نہیں ہے کہ معاشرہ کے حقوق بھی ادا ہو جائے۔

آج ان لوگوں کی ذمہ داری میرے کندھوں پر ہے۔ میں اپنے گھر والوں کو ان پر ترجیح نہیں دے سکتا ہوں۔ امام صدرؒ کی یہ عادت تھی کہ اپنے سفر کے دوران ہر دن مجلس اعلیٰ کے اراکین اور پنے گھر والوں سے ٹیلی فون پر بات کرتے تھے لیکن اس بار کئی دن گذرنے کے باوجود بھی ان کی کوئی خبر نہیں تھی۔ لہٰذا ڈاکٹر چمران نے اس مسئلے کی چھان بین کے لیے ایک کمیٹی قائم کی۔ لیبیا کے افسروں کا کہنا تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ۳۱ اگست کو اٹلی کے ایک ہوائی جہاز کے ذریعہ لیبیا سے اٹلی کے لیے روانہ ہوئے۔ اسی دوران اٹلی نے بھی اعلان کیا کہ سید موسیٰؒ اور ان کے ساتھیوں کے صرف سوٹ کیس اٹلی پہنچ گئے تھے

لگتا یہی ہے کہ امام موسیٰ صدرؒ نے لیبیا کو کبھی چھوڑا ہی نہیں ہے لیکن دُکھ تو اس بات کا ہے کہ ۳۶ سال گزرنے کے باوجود بھی دنیائے شیعیت کے اس فقید المثال رہبر کے بارے میں اس سے زیادہ معلومات موجود نہیں ہے اور اس فرزند حسین کا وجود نورانی ابھی تک سیاہ بادلوں کی آغوش میں پنہاں ہے اور اس کے دیدار شوق میں شیعوں کے دل اب بھی دھڑک رہے ہیں۔

کرنل قذافی کی حکومت ختم ہونے کے بعد خیال تھا کہ آپ کے بارے میں کچھ، معلومات مہیا ہوں گی لیکن بدقسمتی سے ایسا نہ ہوسکا۔ گمان یہ ہے کہ شہادت کے رتبہ پر فائز ہو چکے لیکن کچھ آنکھیں ہیں جو آج بھی روز و شب منتظر ہیں کہ کب ان کا مسیحا آئے گا۔ شاید آنے والے امام علیہ السلام کے ساتھ ان کا دیدار بھی ہو جائے۔ (انشاء اللہ)

اگر جناب موسیٰ صدرؒ حیات ہوتے اور آزاد ہوتے

تو آج فلسطین کا مسئلہ حل ہو چکا ہوتا

آپ کی ''موسسہ دار التبلیغ اسلامی قم میں امام موسیٰ صدرؒ کی تقریر سے اقتباس''

...... تفسیر بتانے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے اور نہ ہی مجھے نصیحت کرنے کا شوق ہے۔ میں چاہتا ہوں اپنا آنکھوں دیکھا حال آپ کے سامنے بیان کروں۔ سینکڑوں سال پہلے کسی زمانے میں دنیا کی ہر چیز فردی تھی۔ حکومتیں مطلق العنان تھیں، ظلم تھا (مگر) فردی تھا، تجارت فردی بنیادوں پر ہوتی تھی، ایک فرد دوسرے فرد کے ساتھ تجارت کرتا تھا، ہر کوئی خود ہی کماتا تھا اور خود ہی خرچ کرتا تھا۔ دنیا کی ہر چیز فردی بنیادوں پر انجام پاتی تھی۔

لیکن آج کی دنیا میں ہر چیز اجتماعی اور تنظیمی شکل اختیار کر چکی ہے۔ حکومتوں نے گروہ اور تنظیمیں تشکیل دی ہیں۔ تجارت بڑی بڑی اور محیر العقول کمپنیوں کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ تبلیغی ذرائع میں وسعت آچکی ہے۔ مطبوعات کے بڑے بڑے مراکز وجود میں آچکے ہیں۔ سیاستدانوں نے پارٹیاں بنالیں ہیں۔ اس منظم دنیا میں اگر اب بھی ہم انفرادی قدم اُٹھائیں تو یہ نہایت سادگی ہوگی۔ اگر آج ہم مل جل کر وارد میدان نہیں ہوتے اس لیے کہ سب کچھ منظم اجتماعی اور جماعتی ہے۔ آپ ایک مثال پیش کریں کہ وہ تنہا چل رہے ہوں، کسی تنظیم کے بغیر حرکت کریں، کسی جماعت کے بغیر آگے بڑھیں، یا فردی انداز اپنائیں، آپ نہیں ڈھونڈ سکتے ہیں۔ اب میں یہ بتانے جا رہا ہوں کہ وہ کیونکر منظم اور مرتب ہیں۔

اب میں اپنے مشاہدے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ جس لبنان میں میری رہائش ہے وہ نہ فقط عیسائی مذہب کا ایک اہم مرکز ہے بلکہ مشرق وسطیٰ میں عیسائی مذہب (کیتھولک چرچ) کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ میرا خدا جانتا ہے کہ جب میں عیسائیوں کے طریقہ کار کا ذکر کرتا ہوں میرے دل میں آگ لگ جاتی ہے۔ یہ لوگ کہ جن کا دین راہبانہ دین ہے کیونکر اس انداز میں منظم ہوگئے؟ ''لائف'' نامی رسالہ کے ایک شمارے کا میں نے مطالعہ کیا ہے جو دنیا کی کیتھولک تنظیموں کے بارے میں تھا۔ اس کے مطابق کیتھولک نظام اتنا منظم ہے کہ دُنیا کی تمام احزاب یہاں تک کہ روس کی مخفی اور انڈر گراؤنڈ تنظیمیں بھی اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ روس میں پولیس راج ہے اور وہاں پر اگر کوئی حکومت مخالف پارٹی کا کام کرنا چاہے اسے کس قدر منظم اور عمیق ہونا چاہیے۔ اس رسالہ کے مطابق کیتھولک نظام دنیا کی انڈر گراؤنڈ جماعتوں سے بھی منظم ہے۔ یہ تارک دنیا لوگ اس قدر منظم ہیں!

اب دیکھتے ہیں ان لوگوں کا طریقہ کار کیا ہے؟

ان کے ادارے کئی قسم کے کام کرتے ہیں۔ ایک ادارہ ان کے کلیساؤں پر مشتمل ہے۔ ایک جماعت چرچ کا کام سنبھالتی ہے۔ چرچ کا یہ انتہائی قدرت مند نظام لوگوں کی مذہبی امور کی دیکھ بھال میں اتنا منظم ہے کہ اگر کسی دور دراز کے گاؤں میں صرف ایک عیسائی گھرانہ رہتا ہو تو اتوار کے دن ایک مخصوص پادری وہاں جا کر نماز (دعا) کی رسم بجالاتا ہے۔ لبنان میں ایک گاؤں جو کہ شیعوں کا مرکز ہے۔ اس کا نام ''جبع'' ہے۔ یہاں کے سارے باشندے شیعہ ہیں اور آس پاس کے سارے علاقے بھی شیعہ ہیں۔ اس گاؤں میں ایک عیسائی گھرانہ، جی ہاں صرف ایک عیسائی گھرانہ رہتا ہے۔ یہاں ایک چرچ بھی ہے۔ جناب پادری ہر اتوار کو یہاں آتا ہے اور چرچ میں نماز کی رسم ادا کر کے واپس چلا جاتا ہے۔ یعنی آپ کو ساری دنیا میں ایک بھی ایسا عیسائی نہیں ملے گا کہ جس سے چرچ غافل ہو اور اس کا خیال نہ رکھے اور اتوار کے دن اس کے لیے عبادت کی ادائیگی کا انتظام نہ کرے۔ آپ کو اس طرح کا ایک فرد بھی نہیں ملے گا۔ اب آپ دنیا کی تمام کیتھولک آبادی کا تصور کریں جو پچاس کروڑ ہے۔ یہ لوگ ان پچاس کروڑ لوگوں کو کیسے کنٹرول کرتے ہیں، خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

دوسرا دستہ دیروں کا ہے جو کلیساؤں کے نظام سے الگ ہے۔ ابتداء میں یہ قرون وسطیٰ علمی اور مذہبی امور کی جانب چرچ کی بے توجہی کے نتیجے میں معرضِ وجود میں آیا تھا۔ کچھ جوانوں نے ''یسوعی'' نامی تنظیم کی بنیاد ڈالی اور کام شروع کیا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ روحانی حضرات لوگوں سے دور ہو گئے ہیں اور انہوں نے اشراف گری اختیار کر لی ہے۔ وہ ایک خاص طبقے کی صورت اختیار کر چکے ہیں اور لوگوں سے کٹ کر رہ گئے ہیں۔ انہوں نے لوگوں سے نزدیک ہونے کی خاطر ادارے بنائے جو ثقافتی رنگ میں رنگے ہیں۔ انہوں نے یونیورسٹیاں بنائیں، اسکول تعمیر کئے اور پادریوں کی تربیت کی، جو پادری ہونے کے علاوہ وکیل بھی ہیں، انجینئر، ڈاکٹر، معلم، یونیورسٹی کے استاد، فزکس کے ماہر اور کیمیا دان بھی ہیں۔ ان کے اور لوگوں کے درمیان صرف ایک سفید کالر کا فرق ہے ورنہ وہ بھی معمولی لباس پہنتے ہیں ان کی ذمہ داری ہسپتالوں، دانشگاہوں، پروفیشنل سکولوں، یتیم خانوں وغیرہ کی سرپرستی ہے۔ اگر میں آپ سے کہوں کہ سیل کے مائکروب کے موجد ''روبرٹ کخ'' ایک پادری تھا آپ حیران نہ ہوں۔ اگر یہ کہوں کہ بہت سارے جدید نظریات کے خالق پادری ہیں تو آپ تعجب نہ کریں۔ انہوں نے اس جذبے کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا؟ آ کر مسائل کی لگام کو تھام لیا۔ وہی سرچشمہ جو اخبار اور احادیث کی رو سے ''العلماء باللہ'' کے ہاتھ میں ہونا چاہیے تھا، انہوں نے اسی سرچشمہ کو تھام لیا۔ انجینئر، ڈاکٹر،

وکیل، ریاضی دان، فزکس دان وغیرہ...... خدا جانتا ہے یہ لوگ اپنے اداروں میں کیا کچھ کرتے ہیں۔ آپ خیال نہ کریں کہ یہ لوگ دن دہاڑے عیسائی دین کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ہرگز نہیں! بلکہ اپنے علم، اخلاق سے لوگوں کے ساتھ اپنائیت کے طریقے سے انہیں پھانس لیتے ہیں۔

میں نے گزشتہ سال ''صیدا'' کے رہنے والے ''شفیق قاسم'' نامی ایک سنی جوان کے ساتھ ۱۴ مرتبہ گفتگو کی ہے۔ یہ جوان لبنانی عیسائیوں کے سکول میں پڑھتا تھا، جب اس کی کلاسیں ختم ہوگئیں اور اس نے بارھویں جماعت کی ڈگری حاصل کرلی، وہ (اپنا دین چھوڑ کر) عیسائی ہوگیا۔ اس نے علی الاعلان اپنے عیسائی ہونے کا اقرار کیا۔ اس کے ماں باپ وحشت زدہ ہوگئے۔ اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارے لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا آخر کار میرے پاس آئے کہنے لگے جناب عالی! ''یہ دین اسلام سے خارج ہوگیا ہے آپ اس کا کوئی اعلاج کریں'' ہم نے بھی گفتگو شروع کی۔ میں نے محسوس کیا کہ نہ صرف اس نے عیسائی مذہب اختیار کیا ہے بلکہ لبنان کے اس عیسائی سکول کی تبلیغ کے زیرِ اثر ایک کٹر اور مخلص عیسائی بن چکا ہے۔ ہمارے وہاں کئی معروف شیعہ جوان ہیں۔ جنہوں نے عیسائی مذہب اختیار کیا ہے آپ یہ نہ سمجھیں کہ شیعہ عیسائی مذہب اختیار نہیں کرتے ہیں۔

دنیا میں ان کی کئی ہزار یونیورسٹیاں ہیں۔ ایک عیسائی دینی ادارے کے پاس کئی ہزار دینی یونیورسٹیاں ہیں! ان کے پاس دسیوں ہزار اسکول، اسپتال، یتیم خانے، پروفیشنل اسکول، مشوراتی ادارے، جم خانے، فنکشن ہال اور اس سے ہزار گنا زیادہ سماجی ادارے ہیں۔ انھوں نے جو اعداد و شمار فراہم کیے ہیں۔ اس کے مطابق ۳۰ کروڑ لوگوں کو تعلیم دی۔

جناب عالی! جو بھی ہو جب ۳۰ کروڑ لوگ ناخواندگی سے علم کی دنیا میں آتے ہیں کچھ نہ کچھ تو ان سے متاثر ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان سب نے عیسائی مذہب اختیار تو نہیں کیا لیکن ان میں سے بہت سارے عیسائی بن چکے ہیں۔

چودہ پادریوں کی ایک جماعت تبلیغ کے لیے یوگنڈا گئی۔ یوگنڈا ایک افریقی ملک ہے۔ آپ نے یقیناً اس ملک کا نام سنا ہوگا۔ چودہ پادری وہاں چلے گئے اور افریقی باشندے انہیں کھا گئے! آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا انہوں نے اپنے مقصد سے ہاتھ کھینچ لیا؟ جی نہیں! چودہ تارک دنیا خواتین اور راہبہ بچیوں کو ان کی جگہ روانہ کیا اور وہ تبلیغ میں جٹ گئیں۔ اس وقت یوگنڈا میں عیسائیوں کی آبادی پچاس سال پہلے کی نسبت سو برابر ہوگئی۔

فرانس کے ایک بڑے مستشرق ''ماسینیون'' نے ایک کتاب لکھی جس کا نام دنیائے ''اسلام کا کینڈر'' ہے یہ کتاب

۱۹۴۵ء میں شائع ہو چکی ہے۔ ماسینیون اس کتاب میں لکھتا ہے کہ ۱۹۴۵ء میں سیاہ فام افریقہ میں ۶۰ لاکھ لوگوں نے اسلام قبول کیا لیکن عیسائیوں کی تبلیغ اور ان کی کوششوں کے سبب ان کالوں میں سے دس لاکھ لوگ عیسائی بن گئے۔ وجہ یہ تھی کہ انہوں نے آکر اسلام کی آبروریزی کی۔ کہا کہ ذرا آکر دیکھیں یہ مسلمان کتنے پسماندہ ہیں؟ آکر دیکھیں ان کے ملکوں میں کودتا (فوج کا تختہ اُلٹنا) ہوتے ہیں۔ دیکھیں کہ یہ کتنے گندے ہیں! دیکھیں ان کی تعلیمی صلاحیت کتنی حقیر ہے؟ دیکھیں اس سارے عرصے میں ایک بھی علمی میڈل کسی مسلمان کو نہیں ملا ہے۔

اب اہل سنت کی بات کرتے ہیں

اس وقت سیاہ فام افریقہ، لبنان اور دوسرے ممالک میں ''الازہر'' کے بے شمار مبلغ نظر آتے ہیں۔ جس شہر میں میری رہائش ہے۔ وہاں پر ایک شخص رہتا ہے۔ جس کا نام ''شیخ محی الدین حسن ہے''۔ وہ الازہر کا فارغ التحصیل ہے اور وہاں پر اپنی دینی ذمہ داری انجام دے رہا ہے۔ صور کے اہل سنت کے ساتھ ساتھ اس علاقے میں فلسطینی پناہ گزینوں کا انتظام بھی اس کے ہاتھ میں ہے۔ نماز جماعت بھی پڑھاتا ہے اور ساتھ ساتھ ان کی دیکھ بھال بھی کرتا ہے۔ اس وقت جنوبی لبنان کے مختلف گاؤں میں ۱۸۰ سے زیادہ اسکول کھولے جا چکے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے اسکول۔ شیعہ نشین دیہاتوں میں بھی تعلیم و تربیت کے اثرات سے آپ بخوبی آگاہ ہیں! میں اس وقت کچھ علاقوں میں ایسے دیہاتوں سے آگاہ ہوں کہ انہی مدارس کے نتیجے میں ہمارے جوان تقریباً سنی ہو چکے ہیں۔

کیا آپ کا خیال ہے کہ حق مطلق خود بخود اور کسی کوشش کے بغیر ہی آگے بڑھتا ہے؟ یہ بات غلط ہے! جناب عالی میں روز ''بدر'' پیغمبر اکرمؐ ایک کی حدیث آپ حضرات کے سامنے رکھتا ہوں۔ غور کریں! اس روایت سے آپ کیا نتیجہ نکالتے ہیں؟ پیغمبر اکرمؐ اس دعا میں فرماتے ہیں:

" اللهم ان تهلک هذه العصابة فلن تعبد بعد "

یعنی اے خدا! اگر یہ لوگ مارے گئے پھر تیری عبادت نہیں ہو سکتی۔

حیرت کی بات ہے! پتہ یہ چلتا ہے کہ اگر دین خدا کے لیے محمدی لوگ، فدا کار لوگ اور (آنحضورؐ کے) اصحاب تکلیف نہیں اٹھاتے تو خدا کی عبادت نہیں ہوتی! کیا خدا کی عبادت سے بڑھ کر کوئی حقیقت ہے؟

اب ہم اطمینان کے ساتھ بیٹھ جائیں کہ جناب ہمارا دین حق ہے! ہمارا مذہب حق ہے اور خود بخود اپنی راہ بنا لے گا! یہ

بات میری نظر میں صحیح نہیں ہے۔ بہر حال اگر ہم کوشش نہ کریں، یہی دین حق اور یہی مذہب حق جس انداز میں اس کو ترقی کرنی چاہیے، ترقی نہیں کر سکتا یا پھر سستی کے ساتھ آگے بڑھے گا۔

لیکن ہماری حالت!

جناب عالی! وہ عیسائیوں کی داستان تھی اور یہ ہمارے دینی بھائیوں اہل سنت کی کہانی تھی اور اب ہم شیعیانِ علی مرتضیٰ کا قصہ۔ ہم ایسے لوگ ہیں جو دین خدا کے پاک ترین مذہب کے ماننے والے ہیں۔ ہماری حالت کا کیا کہنا! ہمارا تنظیمی ڈھانچہ کیسا ہے؟ میں کیونکہ یہاں پر بیٹھا ہوں اس لیے آزادی کے ساتھ اپنی بات کہہ سکتا ہوں۔ ورنہ اگر کوئی اور جگہ ہوتی اور اس ادارہ سے باہر (یہ پروگرام) ہوتا، یہ باتیں میری نظر میں غارتگر ہوتیں یعنی آپ کو مایوسی ہوتی۔

جناب عالی! آپ مجھے ایک آدمی کا پتہ بتا دیں جو ایران میں مولویوں کی تعداد سے باخبر ہو۔ آپ اپنے لوگوں کو نہیں پہچانتے پھر آپ کیسے کام کریں گے!؟

دنیا میں شیعوں کی آبادی کتنی ہے؟ ذرا بتائیں

دنیا میں شیعہ علماء کی تعداد کتنی ہے؟ ذرا بتائیں!

ایران میں علماء کی تعداد کتنی ہے؟ ذرا بتائیں! ان کی تعلیمی صلاحیت کیا ہے؟

ایران میں کتنی مسجدیں ہیں؟ مختلف علاقوں میں کام کرنے والے علماء کی کیا صلاحیتیں ہیں؟ ان کے آپس میں رابطہ کی نوعیت کیا ہے؟ اگر ان میں سے کوئی مریض یا کسی اور مصیبت میں گرفتار ہو جائے، اس کی کیوں کر مدد ہو سکتی ہے؟ مگر یہ سب کیسی باتیں ہیں!؟

جناب عالی! ہم کہاں پر زندگی گذارنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ کون سی دنیا میں؟ اس کا نتیجہ آپ جانتے بھی ہیں یا نہیں؟ نتیجہ یہ ہے کہ نہ صرف عیسائی ہم سے بازی لے جائیں گے، یہودی ہم سے جیت جائیں گے بلکہ اہل سنت بھی ہم سے آگے بڑھ رہے ہیں کہ (جناب عالی!) یہ کیسے ممکن ہے کہ علی مرتضیٰ کا شیعہ اپنے مذہب کو چھوڑ دے۔ جی جناب عالی! میں نے دیکھا ہے کہ شیعہ عیسائی ہو گیا، میں نے دیکھا کہ شیعہ سنی بن گیا! دیکھا کہ شیعہ وہابی ہو گیا! شاید آپ نے بھی دیکھا ہو یا شاید نہ دیکھا ہو۔ یہاں پر بہت ہی سکون قلب کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور اپنی حقانیت پر راضی ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مسئلہ حل ہے! کیسے مسئلہ حل ہے؟ جناب عالی! کیا تبلیغ اور سعی و محنت کے بغیر آگے بڑھنا ممکن ہے؟

کم از کم ہم اپنی مسجد کو سنبھالیں۔ اپنی تبلیغ کو منظم کریں۔ اپنی دعوت میں ہماہنگی پیدا کریں

جناب عالی! میں اس منبر کے پاس بیٹھتا ہوں، دوسرا منبر کچھ اور ہی کہتا ہے اور تیسرا ایک نئی بولی بولتا ہے۔ میں اس ضدم ضدا تبلیغ کے ماحول میں کس طرح اپنے ایمان کی تصدیق کروں اور اسے جلا بخشوں؟ یہ کسی بھی حال میں ممکن نہیں ہے۔

ہم حقیقت میں محو خواب ہیں! یہ کام جو اس وقت ہم کرنا چاہتے ہیں۔ ۵۰ سال پہلے یا ڈیڑھ سو سال پہلے شروع ہونا چاہیے تھا۔ ہمارے بچوں کو ہماری پنڈال سے اُٹھا کر لے جاتے ہیں۔ میں اصفہان اور شیراز میں دیکھ چکا ہوں کہ بہائیوں کی تبلیغ میں بہت زیادہ وسعت اور نظم آچکا ہے۔ ۹ نفری جماعتوں کے ساتھ تفریحی دورے اور دوسری سرگرمیاں۔

جناب عالی! ان لوگوں سے مقابلے کے لیے تیار ہونا ہے اگر ہم اس دنیا کے فرزند ہیں جس میں

''والسماء رفعها ووضع الميزان'' کی بنیاد پر چیز منظم ہے! اگر ہم منظم نہیں ہوتے تو نابودی ہمارا مقدر ہے اور اس دنیا کے فرزند بھی نہیں ہیں۔ ایک ایسے زمانے میں جہاں ہر چیز نے ادارے کی شکل اختیار کر لی ہے، خود کو منظم کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ اب آپ یہ نہ کہیں کہ نجف کی ذمہ داری بنتی ہے 'الف' کو یہ کام کرنا چاہیے یا 'ب' کو یہ کام کرنا چاہیے۔ ہم سب ذمہ دار ہیں۔ ہم سب کو ایسے مقصد کے لیے ایک دوسرے کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔ ہم منظم کام کریں۔ علاقوں کو تقسیم کریں۔ اپنے گاؤں، شہروں، علاقوں جو علماء وہاں پر ہیں، پسماندگی اور ترقی کی صورتحال کے بارے میں اعداد و شمار اور صحیح اطلاعات حاصل کریں۔ البتہ ابھی ہمیں اس کی امید نہیں ہے کہ ادارے بن جائیں، مدرسوں کی بنیاد ڈالی جائے، ہسپتالوں کی تاسیس ہو، کلینک بنائے جائیں اور پروفیشنل اداروں کی تعمیر ہو۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو یہ سونے پر سہاگہ ہے۔ اُمید ہے کہ ایسا ہی ہو۔ لیکن پہلا قدم یہ ہے کہ دعوت میں ہم آہنگی ہو۔

اب اگر ایسی تنظیم بن جاتی ہے! اگر یہ تال میل پیدا ہو جاتا ہے! اگر ایسا کوئی صحیح طریقہ کار اختیار کیا گیا تو اس وقت ہم صحیح معنوں میں آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اپنی بات کے آخر میں جیسے کہ آپ کی خوش ذوقی کے لیے عرض کروں کہ اگر ہم منظم صورت میں کام کریں، بہت جلد اور بہتر انداز میں آگے بڑھ سکتے ہیں۔

ہمارا دین، دین حیات ہے

یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسے پاکیزہ دین سے متعلق ہے کہ: اگر آپ کسان ہیں تو عابد ہیں اور ساجد ہیں اگر اپنی بیوی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے ہیں، خدا کی عبادت ہے۔ اگر بازار

میں ایمانداری سے تجارت کرتے ہیں، خدا کی عبادت ہے ایک ایسا دین ہے کہ جو ہمیشہ اور ہر جگہ اور ہر حال میں انسان کو خدا کی یاد میں دیکھا چاہتا ہے اور کسی بھی چیز کو خدا کی یاد اور ذکر کے خلاف نہیں جانتا۔ اس دین کے مقابلے میں عیسائیوں کا دین ہے کہ جس میں عبادت کلیسا اور کچھ خاص شرائط کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

ایک نیا پادری ہے۔ اس کا نام ''فیلا ردو شارمان'' ہے اور بڑے علماء میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

اس پادری نے آ کر یہ مسئلہ چھیڑ دیا کہ عبادت صرف یہ نہیں کہ عید کرسمس کی رات اور حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کے موقع پر مخصوص قسم کی خمیر کو ایک مخصوص پانی کے ساتھ مخلوط کر کے پیا جائے۔ عبادت فقط اس کا نام نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ اگر آپ پتھر اٹھاتے ہیں اور کسی سڑک کو صاف کرتے ہیں، یہ بھی عبادت ہے۔ جب اس نے یہ باتیں کی، اس کی کتابوں پر پابندی لگ گئی اور کافی عرصہ تک کوئی پڑھنے والا نہ تھا۔ اب آہستہ آہستہ کفر کی لیبل فیلا ردو پادری کے چہرے سے ہٹائی جا رہی ہے حالانکہ ہمارے پیغمبرؐ نے تیرہ سو سال پہلے ابوذر غفاریؓ سے فرمایا تھا کہ:

''سونے اور کھانے میں بھی قربت (خدا) کی نیت کرو''

ہمارا دین حقیقت میں زندگی کے لیے ہے۔ ہمارا دین فیکٹری میں، اسکول، میں، ہسپتال میں، کھیت میں، بازار میں بلکہ ہر جگہ ہمارے ساتھ ہے۔ یہ دین ہی ہے جو زندگی کی خصوصیت سے مالا مال ہے یہاں تک کہ ہماری عبادت بھی اس خصوصیت سے خالی نہیں ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ اس دین کی حقانیت اور ان عزیز بھائیوں کے پاک و پاکیزہ قلوب کے صدقے میں جو اپنی پاک اور مطہر روح کے ساتھ دنیا کی ہر چیز کو پیچھے چھوڑ آئے ہیں، ہم اس حقیقت کو ایک منظم اور موزوں شکل میں دنیا کے سامنے پیش کر سکیں تاکہ مختصر وقت میں اس چار پانچ سو سالہ پسماندگی کی تلافی کر سکیں۔

''آمین''

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا
(اقبالؒ)

☆☆☆

بسم تعالیٰ

شہید آیت اللہ محمد باقر الصدرؒ

۱۳۵۳ھ - ۱۴۰۰ھ

بنوامیہ میں جو حیثیت یزید ملعون کو حاصل تھی اور بنو عباس میں جو متوکل عباسی کو حاصل تھی۔ وہی حیثیت صدام معلون کو اپنے دور حکومت میں حاصل تھی۔ اُسے یزید وقت، فرعون حاضر، حجاج عصر کہنا بے جا نہ ہوگا۔ وہ لاکھوں مسلمانوں بالخصوص لاکھوں شیعوں کا قاتل تھا لوگوں کو آزادی کی نعمت سے محروم رکھا گیا تھا۔ میڈیا پر مکمل پابندی تھی۔ حتیٰ کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے اذان، تلاوت قرآن کریم اور تمام اسلامی نشریات ممنوع تھیں۔ عزاداری اور ماتمی جلوسوں پر پابندی تھی اور اگر کہیں چند جوان ماتم کرتے تو ان پر رنگ پھینک دیا جاتا تاکہ گرفتار کرنے میں آسانی ہو۔ کوڑے دانوں سے لاشے برآمد ہونا روز کا معمول تھا۔ اکثر عبرت کے لیے لوگوں کو مار کر لاش کھمبوں پر لٹکا دیتا جو کئی روز لٹکتی رہتی۔ انسانوں کو مارنا اُس کا مشغلہ تھا۔ وہ اکثر اپنے فوجی جرنیلوں اور افسروں کو اپنے ہاتھوں سے مارتا رہتا تھا۔ بہت ساری باتوں میں اُس نے فرعون اور یزید کو پیچھے چھوڑا ہوا تھا جب اُس نے شہید باقر الصدرؒ کی عالمہ، فقیہہ اور نابغہ روزگار بہن جناب آمنہ بنت الہدیٰ کو شہید کرنے کا حکم دیا اور کسی نے کہا کہ وہ تو عورت ہے تو اُس نے فوراً کہا جو غلطی یزید نے کی تھی (جناب زینب سلام اللہ علیہا کو چھوڑ کر) وہ غلطی میں دوہرانا نہیں چاہتا۔

جناب باقر الصدرؒ نے اپنی شرعی ذمہ داری نبھاتے ہوئے ظلم و جور کے خلاف آواز بلند کی جب کہ کوئی صدام کے خلاف جرأت نہ رکھتا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ کچھ لوگوں کو صرف خون بیدار کر سکتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ صدام میرا خون بہائے اور لوگ بھی میرا خون زمین پر بہتا دیکھیں تا کہ سوئے ہوئے ضمیر بیدار ہو جائیں اور ایسا ہی ہوا شہید باقر الصدرؒ کے خون کی برکت سے امریکی ظلم و ستم کی انتہا کے باوجود آج عراق میں مرجعیت کی تابع مسلمان حکومت ہے۔

شہید محمد باقر الصدرؒ کی ولادت:

آپ کے جد سید اسماعیل صدر نے جب ایران کا سفر کیا تو خواب میں دیکھا کہ حضرت امام رضا علیہ السلام اپنی ہمشیرہ حضرت معصومہ قم سلام اللہ علیہا کے ساتھ استقبال کے لیے تشریف لائے ہیں اور فرمایا اسماعیل تمہاری صلب میں ایک عظیم

المرتبت عالم دین ہے۔

شہید باقر الصدرؒ ۲۵ ذیقعد ۱۳۵۳ھ کاظمین میں پیدا ہوئے۔آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں ایک مرتبہ آپ بچپن میں سخت بیمار ہوگئے آپ سے پہلے آپ کے بھائی تقریباً ایک سال کی عمر میں وفات پا جاتے تھے اس وجہ سے آپ کو شدید بیمار دیکھ کر والدین خوف زدہ ہو گئے کہ کہیں یہ بھی اپنے بھائیوں کی طرح دنیا سے نہ چل بسیں کہ ایک رات آپ کی والدہ نے خواب دیکھا کہ امام مہدی علیہ السلام تشریف لائے ہیں اور شہید باقر الصدرؒ پر کچھ پڑھ کر پھونک رہے ہیں جب آپ کی والدہ بیدار ہوئیں تو دیکھا کہ آپ بالکل تندرست ہو چکے ہیں اور بیماری کا نام ونشان بھی نہیں ہے۔

پروردگار عالم نے عالم عرش کے جس چمکتے ہوئے ستارے کو زمین پر ضو فشانی کے لیے بھیجا تھا۔اس کے بابرکت خاندان کا تذکرہ کرنا بہت ضروری ہے۔آپ کا خاندان، خاندان اجتہاد ہے گذشتہ تقریباً دوسو سال سے اس خاندان کے افراد اپنے زمانے میں قوم وملت کے ہر فرد کے لیے مشعل راہ رہے ہیں اس علمی، باوقار اور بااخلاق نابغہ روزگار، خاندان کو درج ذیل القابات سے پکارا جاتا ہے۔

آل ابی سبحہ، آل حسین القطعی، آل عبداللہ، آل ابی الحسن، آل شرف الدین اور آل صدر۔

سید صدرالدین:

آپ ۲۱ ذیقعد ۱۱۹۳ھ لبنان میں جبل عامل کے علاقے میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد بزرگوار بہت بڑے عالم تھے۔ شام کے شیعوں کی اکثریت آپ کی تقلید کرتی تھی ''احمد جزار'' نامی ظالم حاکم کے ظلم سے بچنے کی خاطر نجف اشرف چلے گئے اور ۱۲۱۷ھ میں وہیں وفات پائی۔

شہید صدرالدین سن بلوغت پر پہنچنے سے پہلے ہی درجہ اجتہاد حاصل کر چکے تھے۔آپ صرف ۱۳ سال کی عمر میں مجتہد بنے آپ کا پروردگار عالم سے راز ونیاز کا یہ عالم تھا کہ شیخ عبدالحئی غنی اصفہانی جیسے جلیل القدر عالم نقل کرتے ہیں کہ سید صدرالدین ماہ رمضان کی ایک شب حضرت امیرالمومنینؑ کے حرم میں داخل ہوئے زیارت کرنے کے بعد ضریح اقدس کے پیچھے کھڑے ہو کر دعائے ابوحمزہ ثمالی کا پہلا جملہ ''الھی لا تودبنی بعقوبتک'' زبان پر جاری کرتے ہی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔حالت گریہ وزاری میں یہ جملہ اتنا دہرایا کہ بے ہوش ہو گئے۔

سید صدرالدین کی شادی جلیل القدر عالم دین شیخ جعفر صاحب کاشف العطاءؒ کی بیٹی سے ہوئی خداوند متعال نے

انہیں سید محمد علی جیسا فرزند عطا کیا جو ''آقا مجتہد'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ پروردگار عالم نے آپ کو دوسرا فرزند عطا کیا یعنی اسماعیل صدر۔

سید اسماعیل صدر کو رہبر اُمت استاد المجتہدین، نائب امام عصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کہا گیا۔

سید صدرالدین اپنی عمر کے آخری ایام میں اصفہان میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ کہ ایک رات خواب میں حضرت علیؑ کی زیارت کی۔ مولاؑ نے فرمایا ''تم نجف اشرف میں میرے مہمان ہو'' آپ سمجھ گئے کہ آپ کی موت قریب ہے۔ اسی دن آپ نجف اشرف تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر ۱۲۶۴ ہجری بروز جمعہ داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ آپ روضہ حضرت علیؑ میں ضریح اقدس کے مغربی حصہ میں سلطان دروازہ کے قریب والے صحن میں دفن ہیں۔

توضیح المسائل کے علاوہ آپ نے بہت ساری کتب لکھیں۔ آپ کے فرزند سید اسماعیل صدر ۱۲۵۸ ہجری میں پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار کی وفات کے بعد آپ کے بڑے بھائی ''آقا مجتہد'' نے آپ کی پرورش کی آپ کو فقہا کے تربیت یافتہ کیا گیا ہے۔ ۱۲۸۰ ہجری میں حصول علم وفیض کے لئے نجف اشرف تشریف لے گئے۔ آپ نے وہاں فقہ و اصول، حدیث، فلسفہ، نجوم اور ریاضی جیسے عقلی علوم حاصل کئے۔

سید صدرالدین کے تیسرے بیٹے سید حیدر صدر ۱۳۰۹ جمادی الثانی سامرا میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سید اسماعیل صدر کے علاوہ مختلف علماء سے آپ نے کسب فیض کیا۔ آپ سید حسین فشار اور آیت اللہ حائری کے خاص شاگرد تھے۔ آپ کی شادی آیت اللہ شیخ عبدالحسین آل یامین کی بیٹی سے ہوئی۔ ۱۳۴۰ ہجری میں کاظمین میں آپ کے فرزند حجۃ الاسلام و المسلمین سید اسماعیل صدر پیدا ہوئے۔ سید اسماعیل صدر نے عظیم فقہا سے کسب فیض حاصل کیا۔ آیت اللہ شیخ محمد رضا آل یامین، آیت اللہ سید محسن الحکیم، آیت اللہ سید عبدالہادی شیرازی اور آیت اللہ سید ابوالقاسم خوئی۔

آیت اللہ العظمیٰ شہید سید باقر صدر آپ کے دوسرے فرزند ہیں اور آمنہ شہید بنت الہدیٰ ۱۳۵۶ ھ میں پیدا ہوئیں۔ شہید باقر الصدرؒ کی والدہ ماجدہ نہایت باتقویٰ، پرہیزگار اور نیک خاتون تھیں۔ آپ کے والد بزرگوار آیت اللہ شیخ عبدالحسن آل یامین کا شمار بزرگ آیت اللہ عظام میں ہوتا ہے۔

شہید باقر الصدرؒ کے خاندان میں یہ بات مشہور تھی کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے خواب میں دیکھا کہ پچیس ذیقعدہ ان کی آغوش میں ایک صاحب کمال فرزند آیا ہے۔ پچیس ذیقعدہ ۱۳۵۳ ہجری آپ کی پیدائش کا دن ہے۔ جب آپ پانچ

سال کے ہوئے تو شفقت پدری سے محروم ہو گئے۔ والد کے بعد آپ کی والدہ اور بھائی سید اسماعیل صدر نے آپ کی پرورش کی۔ بچپن ہی سے آپ میں غیر معمولی ذہانت اور ذکاوت کے آثار نمایاں تھے۔ بچپن سے ہی آپ خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے۔ دوسری تیسری کلاس سے ہی آپ کا شمار اسکول کے ہر دل عزیز طلبہ میں ہونے لگا۔ اس کی وجہ ان کا اخلاق اور ذہانت تھی۔ اکثر اساتذہ آپ کا احترام کرتے اور پڑھانے سے پہلے کئی منٹ تک شہید صدر کی خصوصیات دوسرے طلاب کے سامنے بیان کرتے اور انہیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین کرتے۔ بچپن سے ہی آپ نے سارے اسکول کے طلاب اور اساتذہ کے دل جیت لئے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں آپ کے اخلاق کردار اور ذہانت کی شہرت دوسرے اسکولوں اور مراکز تک پہنچ گئی۔ بہت قلیل سے عرصہ میں تمام شہر کے لوگ آپ کو پہچاننے لگے۔ آپ آئمہ معصومینؑ کی ولادت اور شہادت کے موقع پر تقاریر کرتے اور اشعار پڑھتے اگر کبھی اعلان ہو جاتا کہ آج سید باقر القدر مجلس پڑھیں گے تو لوگوں کی تعداد کہیں زیادہ بڑھ جاتی۔

ایک مرتبہ آپ کی استعداد کو دیکھتے ہوئے کاظمین کے آل یٰسین حسینیہ میں لوگوں نے آپ سے تقریر کی درخواست کی۔ آپ کا قد اتنا چھوٹا تھا کہ آپ کیلئے ایک میز رکھی گئی تا کہ اس پر کھڑے ہو کر لوگوں سے خطاب کریں اور سب آپ کو دیکھ سکیں۔

آپ نے امام حسینؑ کی ولادت کی مناسبت سے تقریر کی جو آپ نے خود تیار کی تھی۔ تقریر اتنی دلچسپ تھی کہ لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔ آپ کے ماموں شیخ راضی آل یٰسین سے رہا نہ گیا آپ کھڑے ہو گئے اور بلند آواز سے کہا، آفرین صد آفرین اے سید باقر الصدرؒ آپ عراق کو سر بلندی عطا کرنے والے ہیں۔

ابتدائی مذہبی تعلیم آپ نے دس برس کی عمر میں کاظمین میں اپنے بھائی علامہ سید اسماعیل قدس سرہ سے حاصل کی۔ آپ نے مسلک اور کچھ ابتدائی دروس پڑھے۔ ۱۳۶۵ ہجری میں کاظمین سے نجف اشرف منتقل ہوئے اور آیت اللہ شیخ محمد رضا آل یٰسین اور آیت اللہ ابو القاسم خوئی جیسے بزرگ علماء سے کسب فیض حاصل کیا۔

نجف اشرف میں آپ نے پوری توجہ پڑھائی پر رکھی۔ چوبیس گھنٹوں میں سے سولہ گھنٹے پڑھنے لکھنے پر صرف کرتے۔ شیخ آل یٰسین کہتے ہیں۔ شروع شروع میں جب آپ نجف اشرف آئے تو میں نے سوچا یہ بچہ پڑھنے نہیں گھومنے پھرنے آیا ہے لیکن جب آپ نے طہارت اور نجاست کے مسئلہ میں شیخ انصاری کے نظریہ کی وضاحت کرنا شروع کی تو میں محو حیرت رہ گیا کہ کیا ایسا ممکن ہے۔

آپ نے گیارہ سال کی عمر میں منطق پر عبور حاصل کر لیا اور اس علم پر کیے گئے اعتراضات کے جواب میں ایک کتاب لکھ ڈالی۔ بارہ برس کی عمر میں اپنے بھائی سید اسماعیل صدر سے کتاب معالم الاصول ختم کر لی۔ جب آپ اسکول میں پڑھتے تھے تو آپ کے ایک کلاس فیلو کہتے ہیں آپ جب گفتگو کرتے تو گفتگو کی سطح کافی اونچی ہوتی تھی۔ بعض اوقات کچھ سمجھ آتی اور کبھی کچھ سمجھ نہ آتا۔ وہ کہتے ہیں میں نے پہلی مرتبہ مارکیز، امپریایزم اور دیگر فلسفی اصلاحات آپ ہی کی زبانی سنیں۔

عربی ادب کے ایک استاد کا کہنا تھا کہ سید باقر الصدرؒ اگرچہ پرائمری کے طالب علم ہیں لیکن درحقیقت اصول دین اور اسلامی تعلیمات میں ہم سب کے استاد ہیں اور میں خوفزدہ ہوں کہ یہ انتہائی ذہانت آپ کی شہادت کا باعث نہ بن جائے۔ پرائمری اسکول کے استاد ''ابوابرا'' کہتے ہیں اگر ہمارے بس میں ہوتا تو ہم پانچویں کلاس میں ہی ہائی سکول کی سند آپ کو دے دیتے۔ اس لیے آپ کی تعلیمی استعداد سکول سے کہیں زیادہ تھی۔ ایک مرتبہ اس وقت کے عراقی وزیر اعظم نے آپ کو دنیاوی تعلیم پر توجہ دینے کا مشورہ دیا تا کہ آپ کو کوئی بہترین حکومتی عہدہ مل سکے لیکن آپ نے سخت مخالفت کی اور فرمایا میں اپنے آباؤ اجداد کی راہ پر چلوں گا۔

آپ نے صرف ۱۷ برس کی عمر میں فدک کے موضوع پر ایک تجزیاتی کتاب لکھی۔ جس میں فقہی قوائد کا بہترین استعمال کیا گیا کوئی کتاب پڑھ کر یقین نہیں کر پاتا کہ اس کا لکھنے والا ایک سترہ سالہ نوجوان ہے۔

آپ کے بھائی سید اسماعیل صدر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے بھائی نے سن بلوغ میں داخل ہونے سے پہلے ہی اعلیٰ علمی درجات حاصل کر لیے تھے۔ اکثر اوقات آپ کی توجہ علمی مسائل پر ہی رہتی تھی۔ یوں آپ یگانہ روزگار عالم بن گئے۔ آپ فقہ واصول، فلسفہ، اقتصاد، منطق، اخلاق اور تفسیر و تاریخ وغیرہ علوم کے بے مثل ماہر کہلائے۔

۱۔ علم اصول

آپ سے پہلے علم اصول کے تین مرحلے تھے۔ آپ نے علم اصول کو چوتھے اور آخری مرحلے میں داخل کیا۔

علم اصول کا پہلا دور ابن عقیلؒ اور ابن جنیدؒ سے شروع ہو کر شیخ طوسیؒ کی آمد تک کا ہے۔ جسے ابتدائی دور کہا گیا ہے۔

علم اصول کے پھلنے پھولنے کے دور کو دوسرا دور کہا گیا ہے جو شیخ طوسیؒ سے شروع ہو کر ابن ادریس حلیؒ اور شہید اولؒ کے دور تک ہے۔

تیسرا دور علم اصول کی ترقی اور رشد کا دور ہے۔ علم اصول نے نئے میدانوں میں قدم رکھا اور علمی اعتبار سے اس میں

بہت سی تبدیلیاں آئیں۔ بارہویں صدی کے آخر میں استاد وحید بہبہائی کی آمد سے اس دور کی شروعات ہوئی اور اس مرحلہ کی ترویج میں شیخ انصاری کا نام سب سے نمایاں ہے۔

چوتھا اور آخری دور شہید محمد باقر الصدرؒ کا دور ہے۔ اور اس دور کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ یہ دور چوتھے اور آخری دور میں داخل ہو چکا ہے اور شہید باقر الصدرؒ نے علم اصول کو حد کمال تک پہنچا دیا ہے۔ آپ نے علم اصول میں حیران کن نئے موضوعات شامل کئے ہیں۔ جدید مسائل کا اضافہ کیا ہے۔ گذشتہ کئی نظریات کی اصلاح کی ہے صحیح نظریات کو بھی نئے انداز سے بیان کیا ہے۔

فلسفہ:۔

آپ نے صرف دس ماہ کی مختصر مدت میں فلسفہ پر'' فلسفتنا'' نامی ایک عظیم الشان اور ولولہ انگیز کتاب لکھی۔ اس کتاب میں آپ نے نئے نظریات پیش کرنے کے ساتھ ساتھ سارے فلسفی مکاتب خاص طور سے ڈائیلکٹ میٹریازم کی رد کی ہے اور اسلامی فلسفی نظریات پیش کئے ہیں۔

علم فقہ:۔

آپ علم فقہ میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ فقہ میں آپ نے چار جلدوں پر مشتمل کتاب بحوث فی شرح العروۃ الوثقیٰ تحریر فرمائی۔ اس کتاب میں بہت سے ایسے مسائل ملتے ہیں جو کسی دوسری فقہی کتاب میں نہیں ملتے۔

منطق:۔

علم منطق میں آپ نے ارسطوئی منطق پر سیر حاصل گفتگو کر کے اسے ایک منفرد انداز سے رد کیا ہے۔ اور کچھ نئے نظریات پر مبنی الاسس المنطقیہ ستقر نامی کتاب لکھی جس کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

اقتصاد:۔

آپ نے اقتصاد کے موضوع پر'' اقتصادنا'' نامی کتاب لکھی اس موضوع پر آپ سے پہلے اور نہ ہی بعد میں کسی نے کوئی قابل ذکر کتاب لکھی اگر لکھی بھی تو کوئی حیثیت حاصل نہ ہو سکی۔ اس کتاب میں آپ نے مارکیزم اور کیپٹلزم پر سیر حاصل بحث کر کے ان دونوں مغربی مکاتب فکر کو رد کیا ہے۔ اور اس کے بعد اسلامی نظریات پیش کئے ہیں۔

تفسیر ''المدرسۃ القرآنیہ'' کے عنوان سے آپ کی ۱۴ تقاریر چھپ چکی ہیں لیکن آپ کی شہادت کے باعث موضوع تفسیر پر کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔ شہید صدر حوزہ میں تفسیر موضوعی کا درس دیتے تھے۔ طلبہ کے علاوہ عام لوگ بھی اس درس میں شرکت کیا کرتے تھے۔

آپ نے بہت ساری کتابیں لکھیں جو بہت مشہور ہوئیں اصول دین یونیورسٹی کے آپ ناظر تھے اور یہاں سے آپ ایک رسالہ بنام رسالہ الاسلام بھی شائع کرتے تھے۔ اس یونیورسٹی کے نصاب میں شامل تینوں کتابیں ''المعالم الجدیدۃ'' ''علوم القرآن'' اور ''اقتصاد اسلامی'' آپ کی تحریر کردہ تھیں۔

مدرسہ علوم اسلامیہ آیت اللہ العظمیٰ سید محسن الحکیم کے حکم سے تاسیس ہوا۔ اس مدرسہ کی نظارت شہید صدرؒ کے ذمہ تھی۔ آپ نے چند باصلاحیت مدرسین کی تربیت کی اور پھر انھیں مدرسہ میں تدریس کے لیے منتخب کیا۔ ان اساتذہ کی سرپرستی آپ کے ذمہ تھی۔

جماعت العلماء نجف اشرف کی بنیاد اس وقت رکھی گئی جب آپ نوجوان تھے اس ادارے کے لیے آپ کی بہت سی خدمات ہیں۔ آپ بہت فعال تھے اور اس ادارے کی بے لوث خدمت کیا کرتے تھے۔ اس ادارے کی طرف سے ایک سالہ بنام ''الاضواء'' شائع ہوتا تھا۔ اس رسالے میں قسط وار آپ کا مقالہ بعنوان ''رسالتنا'' شائع ہوتا تھا جو آپ کے سیاسی افکار کا مظہر تھا اور لوگوں کو سیاسی بحران سے نپٹنے کے طریقے بتائے جاتے تھے۔ تھوڑے سے عرصہ میں شہید باقر الصدرؒ لوگوں کے ہر دل عزیز لیڈر بن چکے تھے۔ جہاں بہت سارے علماء خاموش تھے اور لب کشائی سے عاجز تھے وہاں شہید صدرؒ نے جرائتوں کی بے مثال کہانی ثبت کی۔ صدام کے مظالم کے سامنے قیام کرنا اور اس کے جاسوس اداروں کی موجودگی میں کام کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی بلکہ یہ کام ناممکن تھا۔ جس کو شہید صدر کی جرأت اور استقامت نے کامیابی سے ہمکنار کیا۔ لوگ شہید صدرؒ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ آپ کے ہر اعلان کو پذیرائی ملتی تھی۔ دور دور سے لوگ گروہ در گروہ آپ سے ملنے کے لیے آتے آپ سے عہد کرتے تھے جب تک جان میں جان ہے آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ آپ سے عہد کرنے والوں میں محنت کش، کاشت کار، تاجر، سرکاری ملازم، اساتذہ، یونیورسٹی کے طلبہ، بچے، بوڑھے خواتین اور مرد شامل ہوئے۔ یہاں تک کہ ایک بار جنوبی عراق سے فضائیہ کا ایک وفد بھی آپ سے ملاقات کے لئے آیا۔ یہ سب بعثی حکومت کو قبول نہ تھا۔ لہٰذا آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔

۱۳۹۲ ہجری آپ اچانک شدید بیمار ہو گئے۔ آپ کو ہسپتال داخل کروا دیا گیا۔ اسی رات عراقی فوج آپ کو گرفتار کرنے کے لیے زبردستی آپ کے گھر میں داخل ہوئی۔ آپ کے ذاتی خادم محمد علی افغانی کو بہت زدوکوب کیا لیکن اس نے زبان نہیں کھولی، یہی کہتا رہا کہ مجھے معلوم نہیں ہے۔ اتنے میں آپ کی ہمشیرہ سیدہ آمنہ بنت الہدیٰ جو صاحب جلال معظمہ خاتون تھیں، وارد ہوئیں اور فرمایا سید بیمار ہیں اور نجف اشرف کے فلاں ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ فوج نے ہسپتال کا محاصرہ کر لیا اور آپ کو گرفتار کرنا چاہا لیکن آپ کی حالت کے سبب ڈاکٹر رکاوٹ بن گئے۔ فوج نے ہسپتال میں ڈیرے ڈال دیے۔ ملنے پر پابندی لگا دی اور کچھ دنوں کے بعد کوفہ کے ایک ہسپتال میں منتقل کر دیا گیا اور بستر پر ہونے کے باوجود ہتھ کڑی لگا دی گئی۔ آپ کے کئی شاگرد اور دوست ہسپتال پہنچے مگر ملنے نہ دیا گیا۔ آپ کی گرفتاری کی خبر جنگل کی آگ کی مانند پھیل گئی اور مظاہروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ صدامی حکومت کے پاس کوئی چارہ نہ تھا کہ آپ کو رہا کر دیا جائے۔

صدامی دور حکومت میں عزاداری پر پابندی تھی۔ ۱۳۹۷ھ شہید صدرؒ نے فیصلہ کیا کہ چہلم امام حسینؑ زور و شور سے منعقد کرنا چاہیے آپ نے کافی رقم کا بندوبست کیا اور ماتمی دستوں اور جلوس عزا خدمت گزاروں کو جمع کیا۔ لہٰذا آپ کی کاوشوں سے کثیر تعداد میں ماتمی دستے نجف اشرف سے کربلا تک پیدل آئے بہت سارے جلوس ہائے عزا برآمد ہوئے۔ بعثی حکومت اتنا بڑا مجمع دیکھ کر حیران اور ششدر رہ گئی۔ پوری قوت سے صدامی حکومت نے عزاداروں کو روکا بہت سے شہید ہو گئے۔ بہت سے گرفتار ہوئے اور انھیں سزائے عمر قید سنائی گئی۔ صدام کو معلوم تھا یہ سب مرجعیت کی وجہ سے ہو رہا ہے اور لوگ شہید صدرؒ کے ایک اشارہ پر جان دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا آپ کو پھر گرفتار کر لیا گیا اور بغداد منتقل کر دیا گیا۔

آپ پر وحشیانہ تشدد کیا گیا۔ رہا ہونے کے بعد تشدد کے نشانات دیکھ کر لوگ دنگ رہ گئے۔ آپ کے بدن پر سنگین چوٹیں تھیں کہ سیڑھیاں چڑھنا بھی مشکل تھا لیکن آپ نے اپنے بدن کے زخموں کو چھپایا اور جب آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کیوں چھپا رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ کچھ لوگوں کے ارادے ابھی مضبوط نہیں ہیں۔ انہیں معلوم ہو گا تو ڈر جائیں گے۔ تیسری مرتبہ آپ کو ۱۳۹۹ھ میں گرفتار کیا گیا اس کی وجہ انقلاب ایران کی کامیابی تھی یہ انقلاب پوری دنیا کے لیے تعجب خیز تھا وہاں عراقی حکومت کے لیے بھی باعث پریشانی تھا۔ عراقی حکومت نے سیاسی بنا پر انقلاب کی حمایت کی اور اسلامی انقلابی حکومت کو تسلیم کرنے والا پہلا ملک بن گیا لیکن جب شہید صدرؒ کے حامیوں نے اسلامی حکومت کی حمایت

میں جلوس نکالے تو انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ سید شہید صدرؒ نے سید محمود ہاشمی کو اپنے نمائندہ کے طور پر ایران بھیجا تا کہ آپ کے ذریعے آپ کے اور امام خمینیؒ کے درمیان رابطہ قائم رہے عراقی حکمرانوں کو پتہ چلا تو وہ آگ بگولا ہو گئے ایک اور سبب آپ کے وہ خطوط اور ٹیلی گراف تھے جو آپ نے امام خمینیؒ اور ایرانی عوام کے نام ارسال کیے تھے۔ عراقی حکومت کو گلہ تھا کہ علما میں سے صرف آپ ہی کیوں ایرانی انقلاب کی اتنی حمایت کرتے ہیں۔

امام خمینیؒ کے ایک ٹیلی گرام کے جواب میں آپ نے جوابی ٹیلی گرام ارسال فرمایا۔

بخدمت اقدس قائد مجاہد حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید روح اللہ خمینیؒ

نجف اشرف پر آپ کی پدرانہ شفقت کا عکاس آپ کا گرانقدر ٹیلی گراف موصول ہوا۔ آپ کے یہاں سے تشریف لے جانے کے بعد نجف آپ کی کامیابیوں کی وجہ سے ترقی کر رہا ہے آپ کے مجھے یاد کرنے سے میری روح کو قوت ملتی ہے اور مجھے زیادہ سے زیادہ اپنی ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے۔

یہاں میں عراق کے لاکھوں مسلمانوں اور مومنوں کی جانب سے آپ کی خدمت میں سلام عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں یہ لوگ اس حقیقت تک پہنچ چکے ہیں کہ آپ نے جس اسلام کو حیات قوت بخشی ہے اس میں دنیا کی امپریالسٹ حکومتوں خاص کر امریکہ و اسرائیل کو نابود کرنے نیز ہزارہا مسلمانوں خاص کر فلسطینیوں اور ان کی سرزمین کو آزاد کرنے کی صلاحیت ہے خداوند عالم سے دعا ہے کہ آپ کے وجود سے ہمیں بہرہ مند کرتا رہے اور آپ کا سایہ ہمارے سروں پر باقی رکھے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

۵ رجب ۱۳۹۹ھ

محمد باقر الصدرؒ

بعثی تفتیش کاروں نے اس خط سے متعلق آپ سے تین باتیں پوچھیں:

۱۔ نجف اشرف پر امام خمینیؒ کی نگرانی سے کیا مراد ہے؟ آیا ایران سے ہماری حکومت کے خلاف لوگوں کو اُکسانے کے لیے کوئی مالی فنڈ آتا ہے؟

۲۔ آپ کو کس نے تشویق دلائی ہے کہ آپ عراق کے لاکھوں لوگوں کا سلام امام خمینیؒ تک پہنچائیں؟

۳۔ امام خمینیؒ آپ کو یاد کرتے ہیں اور آپ پر توجہ دیتے ہیں اس سے مراد کیا ہے؟

سید شہید صدرؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ مجھے اپنی شہادت کا یقین تھا اور میں اس کے لیے پوری طرح تیار بھی تھا لہٰذا میں نے انہیں کچھ صاف طور پر نہیں بتایا تا کہ ان کی وحشت وخوف میں اور اضافہ نہ ہو جائے۔

بعثی حکومت نے ان حالات کے پیش نظر کئی علاقوں کا محاصرہ کر لیا اور لوگوں کو گلیوں اور سڑکوں پر ہی روکے رکھا، فوج کو حکم دیا کہ ہر طرح کے حالات سے نپٹنے کے لیے تیار رہیں۔ سید سے ملاقات کے لیے آنے والے لوگوں اور وفود کے نام اور پتے نوٹ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تصویریں اور آوازیں محفوظ کی جانے لگیں۔

جن لوگوں نے سید شہیدؒ سے ملاقات کی تھی انہیں گرفتار کر لیا گیا یہی وجہ تھی کہ جب سیدؒ کو چوتھی مرتبہ گرفتار کیا گیا تو آپ کا دفاع کرنے والا کوئی نہیں تھا کیونکہ آپ کی آخری گرفتاری سے پہلے آپ کے حامیوں اور چاہنے والوں کو چن چن کر شہید کر دیا گیا۔

سترہ رجب بروز منگل صبح سویرے نجف کا سکیورٹی انچارج سیدؒ کے گھر آ کر کہنے لگا کہ عراقی حکمران آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں اور آپ کو بغداد بلایا گیا ہے

سیدؒ نے بہت سخت لہجے میں فرمایا: کہ اگر تمہیں میری گرفتاری کا حکم ملا ہے تو میں ابھی تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں لیکن اگر صرف مجھ سے ملاقات کرنے کے لیے مجھے بلا رہے ہیں تو میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ وہ شخص خاموش رہا اس کے بعد سید نے فرمایا کہ تمہارے لبوں پر تالے لگے ہوئے ہیں، تم لوگوں نے قوم سے آزادی چھین لی ہے، ان کے حقوق پامال کر رہے ہو، مجھ سے ملاقات کرنے والے مسلمانوں کو تم لوگوں نے روکا ہے، گرفتار کیا ہے اور کچھ کو شہید کیا ہے۔ تمہارے نزدیک نہ اسلام کی کوئی اہمیت ہے اور نہ دین معنی رکھتا ہے، تم لوگ صرف اقتدار کے غلام ہو۔

سیدؒ کی باتیں سن کر سکیورٹی انچارج پر ایسا سکوت طاری ہوا کہ اُس کے منہ سے ایک کلمہ تک نہیں نکلا۔ اس کے بعد سیدؒ اُٹھے اور فرمایا کہ اُٹھو اور جہاں چلنا ہے چلو! اُس وقت آیت اللہ سید کاظم حائری اور شیخ طالب شطری کے بھائی، آپ کی بہن شہیدہ بنت الہدیٰ اور آپ کی اہلیہ محترمہ وہاں موجود تھی اس مرتبہ آپ کو گرفتار کرنے ۲۰۰ سے زائد افراد آئے تھے جن میں پولیس، آرمی اور ری پبلیکن گارڈ بھی تھے۔ ان ۲۰۰ افراد کے لیے سیدہ شہیدہ بنت الہدیٰ زینبی خطبہ دینے کی تیاری میں تھیں۔

آیت اللہ سید کاظم حائری فرماتے ہیں کہ شہیدہ بنت الہدیٰ تقریر کے لیے کوئی مناسب جگہ تلاش کرنے کے لیے ہم

سے آگے نکل گئیں اور اس کے بعد ایک تاریخی تقریر کا آغاز کیا آپ کے جملے کچھ یوں تھے:

دیکھ لو...... یہ میرا بھائی ہے یکتا و تنہا، اس کا کوئی مدافع نہیں ہے، اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے لیکن تم لوگ سینکڑوں کی تعداد میں ہو میں تم سے پوچھتی ہوں کہ اتنے ہتھیار اور اتنے افراد کس لیے لائے ہو؟ یہ جنگی ہتھیار کس سے جنگ کرنے کے لیے لائے ہو؟

جواب معلوم ہے، تم ڈرتے ہو، خدا کی قسم تم ڈرتے ہو، کیونکہ تم جانتے ہو کہ میرا بھائی تنہا نہیں ہے بلکہ عراق کے لوگ میرے بھائی کے ساتھ ہیں تم لوگ ڈرپوک ہو اور خدا کی قسم اگر ڈرپوک نہ ہوتے تو اس طرح صبح کے وقت نہ آتے کیونکہ تم لوگ اسی وقت آتے ہو جب لوگ سو رہے ہوتے ہیں۔ انہیں گرفتار کرنے کے لیے تم نے اس وقت کا انتخاب کیوں کیا ہے؟ کیا خود سے کبھی یہ پوچھا ہے؟ کیا تمہارا یہ عمل میری بات کی سچائی کی دلیل نہیں ہے؟

شہیدہ بنت الہدیٰ کی تقریر کے دوران فوجی پراگندہ ہو گئے اور گلیوں میں چھپ گئے۔ سب چپ تھے اور کسی میں اس وقت تک لب کھولنے کی ہمت نہ ہوئی جب تک زینب عصر بولتی رہیں۔ لگتا تھا ان کے سروں پر موت کا سایہ منڈلا رہا ہے۔

اس کے بعد سیدہ شہیدہ بنت الہدیٰ نے اپنے بھائی سے مخاطب ہو کر فرمایا:

اے میرے بھائی جایئے! خدا آپکے ساتھ ہے۔ یہ ہمارا راستہ ہے اور آپکے پاک اجداد کی طینت بھی یہی ہے۔''

آپ نے تقریباً پندرہ منٹ تقریر کی اس دوران کسی پولیس والے میں سیدہ کو روکنے، ان کے کسی سوال کا جواب دینے یا منہ کھولنے کی ہمت نہ ہوئی بلکہ سیدہ کی آواز ان کے دلوں پر بم برسا رہی تھی لہٰذا وہ لوگ چوہوں کی طرح بلوں میں گھس گئے۔

سیدہ شہیدہ بنت الہدیٰ شہادت کے لیے تیار تھیں:

شہید باقر الصدرؒ کو جب گرفتار کر لیا گیا تو شہیدہ بنت الہدیٰ گھر لوٹ آئیں آیت اللہ سید کاظم حائری نے فرمایا کہ سیدہ آپ کی تقریر کا منفی اثر ہو سکتا ہے ممکن ہے اس کا نقصان شہید صدرؒ کو بھی اٹھانا پڑے۔

سیدہ نے فرمایا میری شرعی اور دینی ذمہ داری تھی اب خاموشی کا زمانہ نہیں رہا بالآخر ہم کب تک خاموش رہیں گے ہم جتنا خاموش رہیں گے اتنا ہم پر ظلم ہوگا آپ انصاف سے بتایئے مرجع وقت کو گرفتار کر کے لے جایا جا رہا ہے اور میں خاموش بیٹھی رہوں؟

آیت اللہ سید کاظم حائری نے فرمایا ممکن ہے اس وجہ سے آپ قتل کر دی جائیں۔ سیدہ نے فرمایا میں راہ خدا میں

شہادت کے لیے تیار ہوں۔ میں اس ظالم حکومت کو جانتی ہوں، میں جانتی ہوں کہ یہ لوگ خونخوار ہیں، مرد، عورت کو ایک طرح کی سزا دیتے ہیں لیکن مجھے جب تک یقین ہے کہ میں راہ خدا پر ہوں اور رضائے پروردگار میرے شامل حال ہے تب تک میں زندگی اور موت کو مساوی سمجھتی رہوں گی۔

اس بلند مرتبہ خاتون کی گفتگو ملاحظہ کرنے کے بعد لگتا ہے یہ زینب کبریٰ بول رہی تھیں وہی کردار، وہی اعتماد، وہی ایمان! جی ہاں شہیدہ بنت الہدیٰ زینبی کردار کی مالک تھیں۔ آپ کی شجاعت کا کلمہ دشمن بھی پڑھتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ انہیں بھی بعثی حکمرانوں نے زندہ نہ چھوڑا اور شہید کر ڈالا۔

شہیدہ بنت الہدیٰ گھر پلٹ آئیں لیکن ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا مناسب نہیں سمجھا۔ صبح صبح جب گھر سے نکلیں تو دیکھا گلیوں میں کوئی آجا نہیں رہا ہے۔ لوگ سو رہے ہیں۔ طلوع آفتاب تک صبر کیا اور پھر حرم امام علیؑ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ وہاں تھوڑے سے زائرین موجود تھے۔ آپ نے پہلے امیر المومنینؑ کی زیارت کی پھر مولائے کائناتؑ سے مدد طلب کی اور اس کے بعد آپ نے آواز بلند کی اور لوگوں کو قیام کی دعوت دی۔ تھوڑی دیر بعد شہید صدرؒ کے کچھ شاگرد بھی وہاں آ پہنچے۔ اب چند لوگوں نے مل کر باآواز بلند دعائے فرج پڑھنا شروع کی۔ اطراف سے لوگ آواز سن کر جمع ہونے لگے۔ یہ لوگ عراقی حکام کے خلاف نعرے لگا رہے تھے اور شہید صدرؒ کی رہائی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ مجمع بہت کم تھا لیکن جب سڑک پر نکلا تو ہر آنے والا شخص ان سے ملحق ہوتا چلا گیا اور بہت بڑا جلوس تیار ہو گیا۔

مسلح عراقی فوج نے جلوس روکنے اور چاروں طرف سے گھیر کے لوگوں کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن جب یہ جلوس بازار میں پہنچا تو دکانداروں نے بھی دکانیں بند کر لیں اور جلوس کے ساتھ ہو لیے۔ آخرکار پولیس اور لوگوں کے درمیان لڑائی شروع ہو گئی۔ لوگوں کے پاس اسلحہ نہیں تھا۔ لہٰذا جنگ کے آغاز میں کئی لوگ زخمی ہوئے کئی شہید بھی ہو گئے اور کچھ کو گرفتار کر لیا گیا لیکن چند لمحوں بعد سید کے شاگردوں نے ان کا مقابلہ شروع کر دیا، بھاری مقدار میں پولیس سے اسلحہ چھین لیا اور پھر ڈٹ کر لڑنا شروع کر دیا۔

سید کی گرفتاری کی خبر تمام شہروں میں پھیل گئی۔ لہٰذا نجف کے علاوہ کاظمین، بصرہ، دیالی اور عراق کے دوسرے شہروں میں بھی مظاہرے ہونے لگے۔ اس دوران عراقی ہزاروں مومن خواتین نے بھی جلوس نکالے اور سیدہ بنت الہدیٰ کی مدد کے لیے لوگوں کو بلایا۔ آپ آخر عمر تک ان خواتین کے تعاون کو سراہتی اور ان کا شکریہ ادا کرتی رہیں۔

سیدؒ کی آزادی عراقی حکام کی شکست:

سید شہید صدرؒ فرماتے ہیں کہ مجھے جب گرفتار کرنے کے بعد بغداد لے جایا گیا اور گستاخانہ انداز میں مجھ سے پوچھ گچھ شروع کی اور فاضل براک نامی شخص مجھ سے سوالات کر رہا تھا تو اچانک ایک پولیس افسر اندر آیا اور براک کے ہاتھ میں اس نے ایک خط دیا، جسے پڑھنے کے بعد اس کا رویہ میرے ساتھ بدل گیا اور کہنے لگا کہ ہمارا ہدف آپ کو گرفتار کرنا نہیں تھا بلکہ ہم کچھ مسائل کے سلسلے میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتے تھے۔ یہ ابوسعد کی غلطی ہے جو آپ کو اس حالت میں یہاں تک لے کر آیا ہے۔ شہیدؒ فرماتے ہیں مجھے اسی وقت احساس ہوا ضرور کچھ ہوا ہے جس کی وجہ سے ان لوگوں کا رویہ تبدیل ہوا ہے لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ کیا ہوا ہے۔ براک نے مجھ سے کہا کہ ظاہراً کچھ لوگوں نے نجف اور دوسرے شہروں میں مظاہرے کئے ہیں جو آپ کی رہائی کا مطالبہ کر رہے ہیں اس نے لوگوں کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے کہا کہ میں آپ کو مخصوص گاڑی کے ذریعے نجف پہنچاؤں گا۔ سید نے فرمایا کہ شیخ طالب شطری اور سید محمود خطیب جنہیں میرے ساتھ گرفتار کیا گیا تھا ان دونوں کو بھی میں ساتھ لے کر جاؤں گا۔ براک نے کہا یہ لوگ آ جائیں گے آپ آزاد ہیں اور جا سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں ان لوگوں کو رہا کروائے بغیر نہیں جاؤں گا چنانچہ آپ اپنے ان دو ساتھیوں کے ساتھ آزاد ہو گئے اور نجف اشرف واپس آ گئے۔

سید کو خفیہ طریقہ سے شہید کرنے کی سازش:

آپ نے رہا ہونے کے بعد مظاہروں کے دوران گرفتار ہونے والے دیگر مومنین کی رہائی کا بھی مطالبہ کیا۔ بعثی حکومت نے ظاہراً قبول کر لیا لیکن جان بوجھ کر ان لوگوں کو آزاد کیا جنہیں بدگمانی یا تہمت کی بنا پر گرفتار کیا گیا تھا اور مظاہروں سے ان کا کوئی لینا دینا نہیں تھا حقیقت میں یہ وہ لوگ تھے جنہیں سید سے ملاقات کے جرم میں پکڑا گیا تھا۔ آپ نے چند مومنین کی گرفتاری کی خبر سننے کے بعد اپنا دروازہ مومنین کے لئے بند کر دیا اور فرمایا کسی شخص کو میرے پاس آنے کی اجازت نہیں ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ بعثی حکومت نے آپ کے گھر کے پاس فوج اور پولیس تعینات کر رکھی تھی جن کا کام آپ کے پاس آنے والے لوگوں کو پہچاننا، ان کے فوٹو لینا اور ان کی پوری رپورٹ عراقی حکام تک پہنچانا۔ سید جانتے تھے کہ مجھ سے ملاقات کرنے والے ہر شخص کو شہید کر دیا جائے گا لہٰذا آپ نے ملاقات کا سلسلہ بند کرا دیا نتیجہ میں عراقی حکام کے لئے آپ کے چاہنے والوں نیز انقلابیوں کو پہچاننا مشکل ہو گیا۔ اس دوران آپ کو مشتبہ طریقہ سے شہید کرنے کی سازش کی گئی

۔سیکورٹی انچارج فاضل براک اور اس کے مشیر ''ابو اسما'' نے سازش کی کہ سیدؒ جب معمولات زندگی کی جانب لوٹ آئیں، حرم آنا جانا اور درس کا سلسلہ شروع کریں تو انہیں اس طریقہ سے شہید کر دیا جائے کہ لوگوں کو یہ محض حادثہ معلوم ہو۔ان کا پروگرام تھا کہ آپ جب گھر سے نکلیں تو سڑک کے کنارے تعینات دو پولیس اہلکار آپس میں لڑائی شروع کر دیں جب آپ پاس سے گذرنے لگیں تو ایک دوسرے پر گولی چلانے کے بہانے ان میں سے ایک آپ پر براہ راست فائر کر دے اور آپ موقع پر ہی شہید ہو جائیں پھر اس جرم میں ہم اس پولیس والے کو بھی پھانسی دے دیں گے اس طرح سید کے چاہنے والوں کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو جائے گا لیکن آپ براک کے ناپاک ارادے سے باخبر ہو گئے تھے لہٰذا گھر سے نہیں نکلے۔''ابو اسما'' کئی مرتبہ سیدؒ کے پاس فون کرتا تھا اور کہتا تھا کہ آپ دوبارہ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کریں، لوگوں کو آپ کی ضرورت ہے۔اس کے علاوہ وہ پولیس والے جو آپ کے گھر کو محاصرہ کیے ہوئے تھے انہوں نے بھی دو تین مرتبہ آپ کے خادم سے پوچھا کہ سید کب تدریس کے لیے جائیں گے لہٰذا آپ ان قرائن کے ذریعہ ان کے ناپاک ارادوں سے آشنا ہو گئے اور ان کی یہ سازش بھی ناکام ہو گئی۔

سید شہید کی نظر بندی کا حکم:

یوں تو آپ رہائی کے بعد سے مستقل نظر بند تھے اور گھر سے باہر نہیں جا سکتے تھے لیکن عراقی حکومت جب آپ کو شہید کرنے کی تمام سازشوں میں ناکام ہو گئی تو آپ کو نظر بند رکھنے کا باقاعدہ حکم دے دیا گیا۔آپ کے گھر کی بجلی، پانی اور ٹیلیفون بھی کاٹ دیا گیا اور لوگوں سے ملاقات بھی ممنوع قرار دے دی گئی۔

چوتھی اور آخری گرفتاری:

سید شہید صدرؒ کو چوتھی اور آخری مرتبہ ۱۴۰۰ھ جمادی الاول بروز سنیچر دوپہر کے ڈھائی بجے گرفتار کیا گیا۔آپ کی گرفتاری کے چار دن بعد یعنی منگل کی شب بعثی حکومت کے چار افراد آدھی رات کو سید کے چچازاد بھائی مرحوم حجۃ الاسلام والمسلمین سید محمد صادق صدر کو آپ کی تدفین پر گواہی کے لیے ساتھ لے گئے اور ان کی موجودگی میں آپ کو وادی الاسلام میں دفن کر دیا گیا۔شہادت کی تفصیل ذیل کی سطروں میں ملاحظہ فرمایئے۔

آپ کی شہادت:

۱۹ جمادی الثانی ۱۴۰۰ھ پورے عالم اسلام بالخصوص شیعوں کے لیے بہت دردناک دن تھا اس دن کے نقصان کا

ازالہ نہ آج تک ہوا ہے اور نہ قیامت تک ہو پائے گا۔ نجف کا سکیورٹی انچارج بنا پیشگی اطلاع کے آپ کے گھر آ کر کہنے لگا کہ حکام نے ملاقات کی غرض سے آپ کو بغداد طلب کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر محض ملاقات مقصد ہے تو میں ہرگز نہیں جا سکتا لیکن اگر گرفتار کرنے آئے ہو تو تمہارے ساتھ چلنے پر آمادہ ہوں۔

اس نے کہا کہ اے سید بزرگوار! مقصد آپ کی گرفتاری ہے۔ اس طرح یہ عظیم ہستی عراقی خونخواروں کے ہاتھ لگی۔ آپ کو اپنی شہادت کا یقین تھا آپ جانتے تھے کہ آپ کو بہت جلد شہید کر دیا جائے گا۔ آپ نے گرفتاری سے قبل خواب میں دیکھا کہ آپ کے بھائی مرحوم سید اسماعیل صدر اور ماموں مرحوم شیخ مرتضیٰ آل یٰسین دو کرسیوں پر تشریف فرما ہے۔ ان کے درمیان والی کرسی خالی ہے اور سامنے لاکھوں کا مجمع آپ کا انتظار کر رہا ہے آپ کے بھائی اور ماموں نے آپ سے کہا کہ جلد آیئے اور اس خالی کرسی پر بیٹھ جایئے۔ دوسرے دن آپ نے یہ خواب اپنے خاص شاگرد شیخ محمد رضا نعمانی کو سنایا اور فرمایا کہ میں تمہیں اپنی شہادت کی خوشخبری سناتا ہوں۔ شیخ محمد رضا نعمانی فرماتے ہیں کہ جس ہفتے آپ نے یہ خواب دیکھا اُسی میں آپ کو شہید کر دیا گیا۔

اس بار آپ کی گرفتاری کے دوران مظاہرے نہیں ہوئے اس کی وجہ یہ تھی کہ گرفتاری سے قبل ہی آپ کے تمام سر کردہ جانثاروں کو ایک ایک کر کے گرفتار کرنے کے بعد شہید کر دیا گیا۔ لہٰذا چاہنے والے تو تھے لیکن ان کی قیادت سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا۔ سیدہ شہیدہ بنت الہدیٰ یہ ذمہ داری نبھا سکتی تھیں۔ وہ اس یزیدی حکومت کا تختہ پلٹ سکتی تھیں۔ لیکن مکار بعثیوں نے کہا کہ یزید نے حسینؑ کو قتل کرنے کے بعد زینبؑ کو زندہ چھوڑ کر غلطی کی تھی جن کی وجہ سے ان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اب ہم یہ غلطی نہیں دہرائے گے۔ لہٰذا سید کی گرفتاری کے ایک دن بعد ایک پولیس آفیسر گھر آ کر کہنے لگا کہ سید صدر آپ سے ملنا چاہتے ہیں اس بہن نے بھائی کے لیے ہمیشہ قربانیاں دی تھیں، ہر مقام پر ان کا دفاع کیا تھا، ان کی مشکلات ختم کرنے کی ہمیشہ کوشش کرتی رہیں، اس زینب عصر کا مشہور فقرہ ہے

''میری حیات میرے بھائی کی حیات میں ہے اور انشاء اللہ میں تب تک قید حیات میں ہوں جب تک میرے بھائی زندہ ہیں''

الغرض سیدہ شہیدہ بنت الہدیٰ اس پولیس افسر کے ہمراہ بغداد کی طرف روانہ ہوئی اور اپنے بھائی کے ہمراہ درجہ شہادت پر فائز ہو گئیں۔

شہید صدرؒ کو کتنی اور کیسی ایذائیں دے دے کے شہید کیا گیا۔ آپ پر کتنے مظالم ڈھائے گئے اس سلسلہ میں کوئی موثق رپورٹ موجود نہیں ہے۔ البتہ مرحوم سید محمد صادق صدر فرماتے ہیں کہ جب جنازہ میرے حوالے کیا گیا تو میں نے سید کی پیشانی پر ایک سوراخ دیکھا جو روئی سے بھرا ہوا تھا اور روئی آپ کے خون میں تر تھی۔ اس کے علاوہ آپ کی ریش مبارک کا ایک حصہ جلا ہوا تھا اور آپ کے سینے کے پاس مقام قلب پر چاقو کے تین نشانات تھے اس کے علاوہ آپ کے بدن پر استری کے نشانات بھی موجود تھے۔

لعنت ہو خدا کی ان خونخواروں پر جنہوں نے اپنے زمانے کے سب سے با فضیلت شخص کو سخت سے سخت ایذائیں دے دے کر شہید کر دیا اور عالم کو ان کے وجود سے محروم کر دیا۔

سید شہید صدرؒ کی سوانح حیات لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ آپ کی پیشانی پر جو نشان تھا وہ گولی کا نہیں تھا کیونکہ معمولاً گولی جہاں لگتی ہے وہاں سوراخ چھوٹا ہوتا ہے لیکن جہاں سے باہر نکلتی ہے وہاں کا زخم کم از کم اس سے دس گناہ بڑا ہوتا ہے لیکن سید کے سر میں جو سوراخ تھا وہ اس کیفیت کا نہیں تھا، ایسا لگتا تھا کہ گویا آپ کے سر کو کسی لوہے کی سلاخ میں پرو دیا گیا ہو اور پھر لٹکایا گیا ہو اور پھر بعثی حکومت کے افراد سید کی شہادت کے بارے میں جو رپورٹ پیش کرتے ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ دردناک ہے جسے بیان کرنا نہ ہمارے بس میں ہے اور نہ ہی ان لوگوں نے ان کے بارے میں کچھ لکھا ہے جنہوں نے آپ کی سوانح حیات لکھی ہے۔

الغرض آپ کو شہید کرنے کے بعد آپ کو رات کے عالم میں ایک معمولی سی قبر کھود کر دفن کرا دیا گیا اور آپ کے چچازاد بھائی سید صادق صدر جنہیں آپ کی تدفین پر بعنوان گواہ بلایا گیا تھا، سے کہا گیا کہ آپ اس قبر کے بارے میں کسی شخص کو نہیں بتائیں گے ورنہ آپ کو بھی قتل کر دیا جائے گا۔ سید شہید باقر الصدرؒ کو ۱۹ اپریل ۱۹۸۰ کی رات شہید کیا گیا اور چار دن بعد وادی الاسلام قبرستان میں دفن کیا گیا ان چار راتوں میں آپ کا جنازہ کہاں تھا اور کس حالت میں تھا کچھ معلوم نہیں ہے۔ نہ خاندان والوں کو نہ احباب کو کسی کو بھی معلوم نہ ہونے دیا۔

شہید صدرؒ کو چار مرتبہ دفن کیا گیا:

۱۹۹۱ھ میں صدام کو اس کے ساتھی نے مشورہ دیا کہ اگر شیعوں سے انتقام لینا چاہتے ہو تو شیعوں کی قبریں مٹا دو۔ لہذا وادی السلام میں صدام نے بہت سی سڑکیں بنوائیں، ہزاروں قبروں کے نشان مٹا دیئے۔ بالخصوص شہید صدرؒ کی قبر کو منہدم

کر دیا۔ کچھ اینٹیں قبر کے اندر گریں اور قبر میں ایک سوراخ بن گیا جس سے مٹی اور ڈھول قبر میں گرتی رہی، صدامیوں نے جس شخص سے سید کی قبر کھدوائی تھی اس کا نام عباس بلاش تھا، یہ شخص سید کا چاہنے والا تھا لہٰذا اس نے سید کی قبر پر علامت رکھی ہوئی تھی تا کہ حالات بہتر ہونے پر آپ کا مزار بنایا جائے لیکن جب صدام نے قبروں کو مٹانا شروع کیا اور آپ کی قبر کے اوپر سے سڑک بنوائی تو عباس بلاش نے اپنے دوست کو آپ کی قبر کے بارے میں بتایا پھر آپ کے گھرانے سے تعلق رکھنے والے خاص لوگوں کو اس بارے میں اطلاع دی۔ آخر کار علماء اور سید کی اہلیہ اور آپ کے فرزند سید جعفر صدر سے اجازت حاصل کرنے کے بعد شہید صدرؒ کا جنازہ وہاں سے نکالا گیا اور ۷ جولائی ۱۹۹۴ کو ایک دوسری جگہ زمین خرید نے کے بعد اس میں دفن کیا گیا۔ یہ کام صرف اِن لوگوں نے کیا، عباس بلاش، سید کامل محمد علی رحیم، حمزہ عباس، ابو حیدر، سید فاضل ابو الجسام موسوی اور مرتضٰی عمیدی۔ ان لوگوں کے علاوہ کسی شخص کو اس بات کی خبر نہیں تھی کہ آپ کے جسم اطہر کو کب اور کہاں منتقل کیا گیا ہے۔

آپ کو نیا کفن دیتے وقت پر کیفیت جسد اقدس کی پیشانی کے زخم سے جونہی روئی ہٹائی گئی تو اس میں سے تازہ خون کے قطرے زمین پر گرے۔

تین سال بعد معلوم ہوا کہ عباس بلاش نے چند لوگوں کو قبر کا پتہ بتایا ہے۔ وہ لوگ سید کی زیارت کو بھی آیا کرتے تھے۔ ایک دن جب دو پولیس کے افراد کو بھی وہاں فاتحہ پڑھتے دیکھا گیا تو سید کامل کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ کہیں صدامیوں کو اس جگہ کی خبر نہ ہو جائے۔ لہٰذا سید کو وہاں سے بھی نکالا گیا اور جنازہ گاڑی پر رکھ کر حضرت امیر المومنینؑ کا طواف کروایا گیا اور پھر ایک دوسری جگہ ۴ جولائی ۱۹۹۷ کو سپرد خاک کیا گیا۔

آپ کا جسم اطہر وہاں تب تک رہا، جب تک صدام کی حکومت تھی اور صدام کی حکومت گرتے ہی یعنی رمضان ۱۴۲۷ھ آپ کو شہر نجف کے دروازے کے پاس منتقل کیا گیا اس مرتبہ آپ کی قبر نہیں کھولی گئی بلکہ قبر کی پوری زمین اُٹھا کر وہاں پر رکھوائی گئی آج سید کی قبر لاکھوں لوگوں کی زیارت گاہ ہے اور ضریح بھی بنوائی جا رہی ہے۔

☆☆☆

بسم تعالیٰ

قائد انقلاب اسلامی
حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای
کی مختصر سوانح حیات

رہبر معظم حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای کے والد حجت الاسلام والمسلمین حاج سید جواد حسینی خامنہ ای مرحوم تھے۔ رہبر معظم آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای ۲۸ صفر ۱۳۵۸ ہجری قمری کو مشہد مقدس میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے خاندان کے دوسرے فرزند تھے۔ آپ کے والد سید جواد خامنہ ای کی زندگی دینی علوم کے دیگر اساتذہ اور علمائے دین کی مانند انتہائی سادہ تھی۔ ان کی شریک حیات اور اولاد نے بھی قناعت اور سادہ زندگی گزارنے کے گہرے معنی ان سے سیکھے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے۔

رہبر معظم حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای اپنی اور اپنے اہل خانہ کی زندگی اور حالات کے بارے میں اپنی بچپن کی یادوں کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

میرے والد ایک مشہور عالم دین تھے لیکن بہت ہی پارسا اور گوشہ نشین، ہماری زندگی تنگ دستی میں بسر ہوتی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ ہمارے گھر میں رات کا کھانا نہیں ہوتا تھا اور ہماری والدہ بڑی مشکل سے ہمارے لیے کھانے کا بندوبست کرتی تھیں اور وہ رات کا کھانا بھی کشمش اور روٹی ہوتی تھی۔ لیکن جس گھر میں سید جواد کا خاندان رہتا تھا اس کے بارے میں رہبر معظم کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

میرے والد صاحب کا گھر کہ جہاں میری پیدائش ہوئی اور میرے بچپن کے چار پانچ سال وہیں گزرے، ساٹھ ستر میٹر کا ایک گھر تھا، جو مشہد کے ایک غریب علاقے میں واقع تھا۔ اس گھر میں صرف ایک ہی کمرہ اور ایک تنگ وتاریک سرداب (تہہ خانہ) تھا۔ جب کوئی مہمان ہمارے والد سے ملنے کے لیے آتا ہمارے والد چونکہ عالم دین تھے اس لیے عام طور پر لوگ ان سے ملنے کے لیے آتے تھے تو ہم سب گھر والوں کو سرداب (تہہ خانہ) میں جانا پڑتا اور مہمان کے جاتے تک وہیں پر رہتے۔ بعد میں میرے والد کے کچھ عقیدت مندوں نے ہمارے گھر کے ساتھ والی زمین خرید کر میرے والد

صاحب کو دے دی اور پھر ہمارا گھر تین کمروں کا ہو گیا۔

میں نے ایک غریب لیکن دیندار، پاکیزہ اور علم دوست گھرانے میں تربیت پائی اور چار سال کی عمر میں اپنے بڑے بھائی سید محمد کے ہمراہ مکتب بھیج دیے گئے تاکہ قرآن پڑھنا سیکھ لیں۔ اس کے بعد دونوں بھائیوں نے تازہ قائم ہونے والے اسلامی اسکول دارالتعلیم دیانتی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

دینی درسگاہ میں:

آپ ہائی اسکول کے بعد دینی درسگاہ میں داخل ہو گئے اور اپنے والد اور اس وقت کے دیگر اساتذہ سے عربی ادب اور مقدمات (قواعد) کی تعلیم حاصل کی۔ آپ دینی درسگاہ میں داخلے اور دینی تعلیم کے انتخاب کے محرک کے بارے میں کہتے ہیں:

اس نورانی راستے کے انتخاب میں بنیادی عنصر اور محرک میرے والد کا عالم دین ہونا تھا اور میری والدہ کی خواہش تھی۔

آپ نے جامع المقدمات، سیوطی اور مغنی کی مانند عربی ادب کی کتابیں مدرسہ سلیمان خان اور مدرسہ نواب کے اساتذہ سے پڑھیں اور آپ کے والد بھی اپنے بچوں کی تعلیم پر نظر رکھتے تھے۔ اسی دوران آپ نے کتاب معالم بھی پڑھی۔ اس کے بعد آپ نے شرائع الاسلام اور شرح لمعہ اپنے والد سے اور ان کے بعض حصے آقا میرزا مدرس یزدی مرحوم سے پڑھے اور رسائل و مکاسب حاج شیخ ہاشم قزوینی سے اور فقہ و اُصول کے دروس سطح اپنے والد سے پڑھے۔ آپ نے حیرت انگیز طور پر صرف ساڑھے پانچ سال کے عرصے میں مقدمات اور سطح کے کورس مکمل کر لی۔ آپ کے والد سید جواد مرحوم نے ان تمام مراحل میں اپنے چہیتے بیٹے کی ترقی و پیشرفت میں اہم کردار ادا کیا۔ رہبر معظم نے منطق اور فلسفہ میں کتاب منظومہ سبزواری پہلے آیت اللہ میرزا جواد آقا تہرانی مرحوم اور بعد میں شیخ محمد رضا سے پڑھی۔

نجف اشرف کی دینی درسگاہ میں:

حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای، کہ جنہوں نے اٹھارہ سال کی عمر میں مشہد میں عظیم مرجع آیت اللہ العظمیٰ میلانی مرحوم سے فقہ اور اصول کا درس خارج پڑھنا شروع کیا تھا، سن ۱۹۵۷ء میں مقدس مقامات کی زیارات کے لیے نجف اشرف تشریف لے گئے اور آیت اللہ العظمیٰ سید محسن حکیم مرحوم، سید محمود شاہرودی، میرزا باقر زنجانی، سید یحییٰ، یزدی اور میرزا حسن بجنوردی سمیت نجف اشرف کے عظیم مجتہدین کے دروس میں شرکت کی۔ آپ کو یہاں درس و تدریس اور تحقیق کا

معیار پسند آیا اور نجف میں تعلیم جاری رکھنے کے اپنے فیصلے سے اپنے والد کو آگاہ کیا لیکن وہ راضی نہ ہوئے چنانچہ آپ کچھ عرصے کے بعد مشہد واپس لوٹ آئے۔

قم کی دینی درسگاہ میں:

حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای سن ۱۹۵۸ء سے سن ۱۹۶۴ء تک قم کی دینی درسگاہ میں فقہ، اصول اور فلسفہ کی اعلیٰ تعلیم میں مشغول رہے اور آیت اللہ العظمیٰ بروجردی، امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ مرتضیٰ حائری یزدی اور علامہ طباطبائی جیسے عظیم اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ ۱۹۶۸ء میں رہبر معظم کو اپنے والد سے خط و کتابت کے بعد پتہ چلا ان کے والد کی ایک آنکھ کی بینائی موتیا کے مرض کی وجہ سے جا چکی ہے، آپ کو یہ خبر سن کر بہت دُکھ پہنچا۔ آپ قم کی عظیم درسگاہ میں رہ کر اپنی تعلیم کو جاری رکھنے اور مشہد واپس جا کر اپنے والد کی دیکھ بھال کرنے کے سلسلے میں شش و پنج کا شکار ہو گئے۔ حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای اس نتیجے پر پہنچے کہ انہیں اللہ کی رضا کیلئے مشہد واپس جانا چاہیے اور اپنے والد کی دیکھ بھال کرنی چاہیے۔ اس بارے میں آپ فرماتے ہیں:

میں مشہد گیا اور خدا نے مجھے بہت زیادہ توفیقات عنایت فرمائیں۔ بہر حال میں اپنے کام اور ذمہ داریوں میں مشغول ہو گیا۔ اگر مجھے زندگی میں کوئی توفیق حاصل ہوئی ہے تو میرا یہ خیال ہے کہ وہ اس نیکی کا صلہ ہے جو میں نے اپنے والد اور والدہ کے ساتھ کی تھی۔ حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای نے اس دوراہے پر صحیح راستے کا انتخاب کیا۔ آپ کے بعض اساتذہ اور ساتھی افسوس کرتے تھے کہ کیوں آپ نے اتنی جلدی قم کو چھوڑ دیا۔ اگر وہ وہاں رہ جاتے تو آئندہ یہ بن جاتے وہ بن جاتے...... لیکن مستقبل نے ظاہر کر دیا کہ ان کا فیصلہ صحیح تھا اور الٰہی فیصلے نے لوگوں کے اندازوں سے کہیں بہتر ان کی تقدیر لکھی تھی۔ کیا کوئی یہ سوچ سکتا تھا کہ یہ پچیس سالہ باصلاحیت عالم دین جو اپنے والدین کی خدمت کے لیے قم چھوڑ کر مشہد واپس چلا گیا تھا، پچیس سال بعد ولایت امر مسلمین کے اعلیٰ مقام و مرتبے پر پہنچ جائے گا؟ یا پھر اس ملک عظیم کا صدر بن جائے گا، وہ بھی دو مرتبہ۔

آپ نے مشہد میں بھی اپنی اعلیٰ تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور تعطیلات، جدوجہد، جیل اور سفر کے علاوہ ۱۹۶۸ء تک مشہد کے عظیم اساتذہ خصوصاً آیت اللہ میلانی سے باقاعدہ طور پر تعلیم حاصل کی۔ اسی طرح سن ۱۹۶۴ء سے کہ جب آپ مشہد میں مقیم تھے، تعلیم حاصل کرنے اور بوڑھے اور بیمار والد کی دیکھ بھال اور خدمت کرنے کے ساتھ ساتھ آپ نوجوان طلبہ کو

فقہ واصول اور دینی علوم کی دیگر کتابیں بھی پڑھاتے تھے۔

سیاسی جدوجہد:

حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای بقول خود ان کے، امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی، اصولی، سیاسی اور انقلابی شاگردوں میں سے ہیں۔ لیکن ان کے ذہن میں طاغوت کے خلاف دشمنی اور سیاست وجدوجہد کی پہلی کرن عظیم مجاہد اور شہید راہ اسلام سید مجتبیٰ نواب صفوی نے ڈالی۔ جب نواب صفوی چند فدائیان اسلام کے ساتھ سن ۱۹۵۲ء میں مشہد گئے تو انہوں نے مدرسہ سلیمان خان میں احیائے اسلام اور احکام الٰہی کی حاکمیت کے موضوع پر ایک ولولہ انگیز تقریر کی اور شاہ اور برطانیہ کے مکروفریب اور ملت ایران سے ان کے جھوٹ کا پردہ چاک کیا۔ حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای ان دنوں مدرسہ سلیمان خان کے نوجوان طالب علم تھے۔ نواب صفوی کی جوشیلی تقریر سے آپ بہت متاثر ہوئے۔ آپ کہتے ہیں: اسی وقت نواب صفوی کے ذریعے میرے اندر انقلاب اسلامی کا جھماکا ہوا چنانچہ مجھے اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ پہلی آگ نواب صفوی مرحوم نے میرے اندر روشن کی۔

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کے ہمراہ:

حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای سن ۱۹۶۲ء سے کہ جب آپ قم میں تھے اور محمد رضا شاہ پہلوی کی اسلام مخالف اور امریکہ نواز پالیسیوں کے خلاف امام خمینیؒ کی انقلابی اور احتجاجی تحریک شروع ہوئی، سیاسی جدوجہد میں شامل ہو گئے اور بے پناہ نشیب وفراز، جلاوطنی، قید وبند اور ایذاؤں کے باوجود سولہ سال تک جدوجہد کرتے رہے اور کسی مقام پر بھی نہیں گھبرائے۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں پہلی ذمہ داری یہ سونپی کہ وہ ماہ محرم میں علمائے کرام کے تبلیغی مشن اور شاہ کی امریکی پالیسیوں کو آشکارہ کریں، ایران کے حالات اور قم کے واقعات کے بارے میں ان کا پیغام آیت اللہ میلانی اور خراسان کے علماء تک پہنچا۔ آپ نے یہ ذمہ داری بخوبی نبھائی اور خود بھی تبلیغ کے لیے بیر جند شہر گئے اور وہاں تبلیغ کے ضمن میں امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے پیغام کے تناظر میں پہلوی حکومت اور امریکہ کا پردہ چاک کیا۔ چنانچہ آپ کو گرفتار کر لیا گیا اور ایک رات قید رکھنے کے بعد اگلے دن آپ کو اس شرط پر رہا کیا گیا کہ آپ منبر پر نہیں جائیں گے اور پولیس کی نگرانی میں رہیں گے۔ پندرہ خرداد کے واقعے کے بعد آپ کو بیر جند سے مشہد لا کر فوجی جیل میں ڈال دیا گیا اور وہاں دس روز تک کڑی نگرانی میں رکھا گیا اور سخت ایذائیں دی گئیں۔

دوسری گرفتاری:

جنوری سن ۱۹۶۳ء بمطابق رمضان ۱۳۸۳ ہجری قمری کو حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای اپنے کچھ دوستوں کے ہمراہ ایک طے شدہ پروگرام کے تحت کرمان گئے۔ کرمان میں دو تین دن ٹھہرنے، تقریریں کرنے اور اس شہر کے علماء اور طلبہ سے ملاقات کرنے کے بعد زاہدان چلے گئے۔ آپ کی جوشیلی اور ولولہ انگیز تقریروں خصوصاً چھ بہمن کو شاہ کے جعلی ریفرنڈم اور انتخاب کی سالگرہ کے دن آپ کی تقریر کو عوام نے بے حد پسند کیا۔ پندرہ رمضان کو امام حسن علیہ السلام کی ولادت کے روز پہلوی حکومت کی شیطانی اور امریکی پالیسیوں کا پردہ چاک کرنے والی آپ کی جوشیلی اور ولولہ انگیز تقریریں اپنے عروج پر پہنچ گئیں۔ چنانچہ شاہ کی خفیہ ایجنسی ساواک نے آپ کو راتوں رات گرفتار کر کے ہوائی جہاز کے ذریعے تہران روانہ کر دیا۔ رہبر بزرگوار حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای کو تقریباً دو ماہ تک قزل قلعہ نامی جیل میں قید تنہائی میں رکھا گیا۔ دوران قید آپ نے مختلف قسم کی سزائیں اور توہین آمیز سلوک برداشت کیا۔

تیسری اور چوتھی گرفتاریاں:

مشہد اور تہران میں آپ کے تفسیر و حدیث کے دروس اور اسلامی افکار و نظریات کا انقلابی نوجوانوں نے زبردست خیر مقدم کیا۔ آپ کی ان سرگرمیوں سے شاہ کی خفیہ ایجنسی ساواک بھڑک اُٹھی اور آپ کو گرفتار کرنا چاہا۔ لہٰذا آپ نے سن ۱۹۶۶ء میں تہران میں روپوشی کی زندگی اختیار کر لی تاہم ایک سال بعد یعنی ۱۹۶۷ء میں آپ گرفتار کر لیے گئے۔ رہائی کے بعد آپ کی انقلابی سرگرمیوں کے باعث ساواک نے آپ کو ایک بار پھر سن ۱۹۷۰ء میں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔

پانچویں گرفتاری:

حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای ساواک کے ہاتھوں اپنی پانچویں گرفتاری کے بارے میں لکھتے ہیں:

سن ۱۹۶۹ء سے ایران میں مسلح تحریک کے آثار محسوس کیے جا رہے تھے۔ خفیہ اداروں کی میرے بارے میں حساسیت بھی بڑھ گئی تھی۔ انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس قسم کی تحریک کا مجھ جیسے افراد سے تعلق نہ ہو۔ سن ۱۹۷۱ء میں ایک بار پھر مجھے جیل میں ڈال دیا گیا۔ جیل میں ساواک کے تشدد آمیز سلوک سے واضح طور پر ظاہر ہوتا تھا کہ

اسے مسلح تحریک کے اسلامی فکر کے مراکز سے جڑے ہونے پر سخت تشویش ہے اور وہ اس بات کو قبول کرنے پر تیار نہیں تھے کہ مشہد اور تہران میں میرے نظریاتی اور تبلیغی مشن کا اس تحریک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ رہائی کے بعد میرے تفسیر کے عام دروس اور خفیہ کلاسوں کا دائرہ مزید بڑھ گیا۔

چھٹی گرفتاری:

۱۹۷۱ء اور ۱۹۷۲ء کے برسوں کے دوران حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای کے تفسیر اور انقلابی نظریات کے دروس اور تقاریر مشہد مقدس میں واقع مسجد کرامت، مسجد امام حسینؑ اور مسجد میرزا جعفر میں انجام پاتی تھیں جن میں انقلابی اور روشن فکر نوجوانوں اور طلبہ سمیت ہزاروں لوگ جوق در جوق شرکت کرتے تھے اور اسلام کے حقیقی نظریات سے آگاہ ہوتے تھے۔ آپ کے نہج البلاغہ کے درس کا رنگ ہی کچھ اور تھا آپ کے نہج البلاغہ کے دروس فوٹو کاپی ہو کر لوگوں میں تقسیم ہوتے تھے۔ نوجوان اور انقلابی طلبہ جو آپ سے درس حقیقت اور جدوجہد کا سبق لیتے تھے، ایران کے دور و نزدیک کے شہروں میں جا کر لوگوں کو ان نورانی حقائق سے آشنا کر کے عظیم اسلامی انقلاب کا راستہ ہموار کرتے۔ ان سرگرمیوں کے باعث ۱۹۷۴ عیسوی میں ساواک نے مشہد میں حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای کے گھر پر دھاوا بول دیا اور آپ کو گرفتار کر کے آپ کی بہت سی تحریروں اور نوٹس کو ضبط کر لیا۔ یہ آپ کی چھٹی اور سخت ترین گرفتاری تھی۔ آپ کو ۱۹۷۵ء کے موسم خزاں تک قید میں رکھا گیا۔ اس عرصے کے دوران آپ کو ایک کوٹھڑی میں سخت ترین حالات میں رکھا گیا اور خود آپ کے بقول صرف وہی ان حالات کو سمجھ سکتے ہیں جنھوں نے ان حالات کو دیکھا ہے۔ جیل سے رہائی کے بعد آپ مشہد مقدس واپس آ گئے اور ماضی کی طرح علمی، تحقیقی اور انقلابی عمل کو آگے بڑھایا۔ البتہ آپ کو پہلے کی طرح کلاسوں کی تشکیل کا موقع نہیں دیا گیا۔

شہر بدری:

ظالم پہلوی حکومت نے سن ۱۹۷۷ء کے اواخر میں حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای کو گرفتار کر کے تین سال کے لیے ایران شہر سے شہر بدر کر دیا۔ سن ۱۹۷۸ء کے وسط میں ایران کے مسلمان اور انقلابی عوام کی جدوجہد کے عروج پر پہنچنے کے بعد آپ شہر بدری سے آزاد ہو کر مشہد مقدس واپس آ گئے اور سفاک پہلوی حکومت کے خلاف عوام کی جدوجہد کی اگلی صفوں میں شامل ہو گئے۔

راہ خدا میں انتھک جدوجہد اور سختیاں برداشت کرنے کا نتیجہ یعنی ایران کے عظیم اسلامی انقلاب کی کامیابی اور ظالم پہلوی

حکومت کا سقوط اور اس سرزمین میں اسلام کی حاکمیت کے قیام کا مشاہدہ آپ نے اپنی آنکھوں سے کیا۔

کامیابی سے قبل:

اسلامی انقلاب کی کامیابی سے قبل امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی پیرس سے تہران واپسی سے پہلے ان کی طرف سے شہید مطہری، شہید بہشتی، ہاشمی رفسنجانی وغیرہ کی مانند مجاہد علما اور افراد پر مشتمل کمیٹی شورا، انقلاب اسلامی قائم کی گئی۔ حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای بھی امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر اس کمیٹی کے رکن بنے۔ شہید مطہری نے امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام آپ تک پہنچایا۔ رہبر کبیر انقلاب اسلامی امام خمینیؒ کا پیغام ملتے ہی آپ مشہد سے تہران آ گئے۔

کامیابی کے بعد:

حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای نے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد بھی اپنی انقلابی اور اسلامی سرگرمیاں بدستور جاری رکھیں اس دوران آپ مختلف عہدوں پر فائز رہے اور متعدد اہم کارنامے انجام دینے میں کامیاب ہوئے جس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

☆ فروری ۱۹۷۹ء میں اپنے ہم خیال مجاہد علماء اور ساتھیوں کے تعاون سے جمہوری اسلامی پارٹی کی بنیاد رکھی۔

☆ ۱۹۷۹ء میں نائب وزیر دفاع بنے۔

☆ ۱۹۷۹ء میں ہی پاسداران انقلاب اسلامی فوج کے سربراہ مقرر ہوئے۔

☆ ۱۹۷۹ء میں ہی بانی انقلاب اسلامی کی جانب سے دارالحکومت تہران کے امام جمعہ منصوب ہوئے

☆ ۱۹۸۰ء میں اعلیٰ دفاعی کونسل میں امام خمینیؒ کے نمائندے مقرر ہوئے۔

☆ ۱۹۷۹ء میں پارلیمنٹ مجلس شورای اسلامی میں تہران کے نمائندے بنے۔

☆ ۱۹۷۹ء میں امریکہ اور سابق سوویت یونین سمیت شیطانی اور بڑی طاقتوں کے اُکسانے اور ان کی فوجی مدد سے ایران کی سرحدوں پر صدام کی جارحیت اور ایران کے خلاف عراق کی مسلط کردہ جنگ شروع ہوتے ہی دفاع مقدس کے محاذوں پر فوجی لباس میں دشمن کے خلاف نبرد آزما ہوئے۔

☆ ۱۹۷۹ء میں تہران میں واقع مسجد ابوذر میں انقلاب دشمن منافقین کے ناکام قاتلانہ حملے میں شدید زخمی ہوئے۔

صدر مملکت:

ایران کے دوسرے صدر محمد علی رجائی کی شہادت کے بعد ۱۹۸۱ء میں حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای ایک کروڑ ساٹھ لاکھ سے زائد ووٹ حاصل کر کے امام خمینیؒ کی توثیق سے اسلامی جمہوریہ ایران کے صدر منتخب ہوئے۔ اسی طرح ۱۹۸۵ء میں آپ دوسری بار صدر منتخب ہوئے۔

☆ ۱۹۸۷ء میں ثقافتی انقلابی انجمن کے سربراہ بنے۔

☆ ۱۹۸۷ء میں تشخیص مصلحت نظام کونسل کی سربراہی سنبھالی۔

☆ ۱۹۸۹ء میں آئین پر نظر ثانی کرنے والی کونسل کے سربراہ مقرر ہوئے۔

اُمت کی قیادت و ولایت:

رہبر کبیر انقلاب امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد جون ۱۹۸۹ء میں ماہرین کی کونسل نے اس اعلیٰ عہدے اور عظیم ذمہ داری کے لیے آپ کو منتخب کیا۔ یہ انتخاب انتہائی مبارک اور صحیح تھا چنانچہ امام خمینیؒ کی وفات کے بعد آپ نے نہایت مہارت سے ملت ایران بلکہ مسلمانان عالم کی قیادت و راہنمائی کی اور یہ عظیم اور الٰہی فریضہ آج بھی بخوبی نبھا رہے ہیں۔ خداوند متعال سے دعا ہے کہ انھیں صحت و سلامتی و استقامت عنایت فرمائیں تا کہ اس ملک کے پرچم کو اس کے مالک امام مہدی علیہ السلام کے سپرد کرسکیں۔ خدایا ظہور امام تک انھیں سلامت رکھ۔ (آمین)

تصنیف و تالیف

۱۔ طرح کلی اندیشہ اسلامی در قرآن

۲۔ از ژرفای نماز

۳۔ گفتاری در باب صبر

۴۔ چہار کتاب اصلی علم رجال

۵۔ ولایت

۶۔ گزارش از سابقہ تاریخی و اوضاع کنونی حوزہ علمیہ مشہد

۷۔ زندگی نامہ ائمہ تشیع (غیر مطبوعہ)

۸۔ پیشوای صادق

۹۔ وحدت وتحزب

۱۰۔ ہنر از دیدگاہ آیت اللہ خامنہ ای

۱۱۔ درست فہمیدن دین

۱۲۔ عنصر مبارزہ در زندگی ائمہ علیہم السلام

۱۳۔ روح توحید، نفی عبودیت غیر خدا

۱۴۔ ضرورت بازگشت بہ قرآن

۱۵۔ سیرت امام سجاد علیہ السلام

۱۶۔ امام رضا علیہ السلام وولایت عہدی

۱۷۔ تہاجم فرہنگی (قائد انقلاب کے پیغامات اور تقریروں پر مشتمل کتاب)

۱۸۔ حدیث ولایت (آپ کے پیغامات اور تقریروں پر مشتمل مجموعہ، اس کی اب تک نو جلدیں چھپ چکی ہیں)

۱۹۔ اور۔۔۔۔۔

ترجمے

۱۔ صلح امام حسنؑ، تصنیف آل یاسین۔

۲۔ آیندہ در قلمرو اسلام، تصنیف سید قطب۔

۳۔ مسلمانان در نہضت آزادی ہندوستان، تصنیف عبد الرحیم نمری نصری۔

۴۔ ادعانامہ علیہ تمدن غرب، تصنیف سید قطب۔

﴿ختم شد﴾

☆☆☆

فہرست کتب جن سے استفادہ کیا گیا

قصص العلماء	میرزا تنکابنی
تاریخ علماء قدیم	علامہ صادق حسن
اثبات الہدیٰ	جناب حرُعاملیؒ
مجالس المومنین	قاضی نوراللہ شوستری شہید ثالثؒ

مثالی لوگ (شہید موسیٰ الصدر) شبیر احمد سعیدی

مثالی لوگ (شہید باقر الصدر) سید قرار علی جعفری

ماہنامہ: خاندان اجتہاد نمبر مؤسسہ نور ہدایت حسینیہ غفران مآب لکھنو

شیخ مفیدؒ	http://fa.m.wikipedia.org/wiki/
مرتضیٰ انصاریؒ	http://fa.m.wikipedia.org/wiki/
محمد باقر مجلسیؒ	http://fa.m.wikipedia.org/wiki/
علامہ حلّیؒ	http://fa.m.wikipedia.org/wiki/
شیخ کلینی رازیؒ	http://fa.m.wikipedia.org/wiki/
سید رضیؒ	http://fa.m.wikipedia.org/wiki/
شہید اولؒ	http://fa.m.wikipedia.org/wiki/
جعفر کاشف الغطاءؒ	http://fa.m.wikipedia.org/wiki/



فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

علامہ اقبالؒ

معراج کمپنی

بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور
0423-736 12 14
0321-497 12 14
www.facebook.com/merajcompanypakistan